عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سن اشاعت ۲۰۱۰ء

محمد شاہد عادل نے

ندیم یونس پرنٹرز سے چھپوا کر

المیزان اُردو بازار لاہور سے شائع کی۔

ملنے کے پتے

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کندیاں ضلع میانوالی

فون:0300-6092045

مکتبہ سراجیہ

بالمقابل جامعہ مفتاح العلوم چوک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

مدرسہ تعلیم القرآن حسینیہ سرگودھا

0300-9601939

فہرست

اظہار تشکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سال 2009ء میں [illegible] کا سفر ہوا، وہاں پر برادر محترم حضرت مولانا سید مراد اللہ شاہ صاحب زید مجدہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کتاب کا ذکر فرمایا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ واقع ہو گیا۔

حضرت مخدومی مکرمی حضرت سید [illegible] امام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم باعمل صاحب کشف اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے، انہی کی خواہش پر الحکم کی شرح ایقاظ الہمم ہو کر عربی میں سے اردو کے قالب میں منتقل ہوئی اور پھر ان کی یہ خواہش کہ یہ ترجمہ کتاب چھپ کر ذریعہ اصلاح و ثواب بنے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت نصیب فرمائی، اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس بابرکت کام میں میرے ساتھ جن جن احباب نے کسی بھی طرح تعاون فرمایا ان کا بھی شکر گزار ہوں خاص کر مفتی محمد طاہر مسعود صاحب، مولانا [illegible] صاحب، عزیزی خلیل احمد صاحب، مولانا تمکین احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور قاری عبد الرحمٰن ضیاء صاحب کا میں بے حد ممنون ہوں کہ ان دوستوں نے قدم قدم پر تعاون فرمایا اور مفید مشوروں سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش اور محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

عزیز احمد
خانقاہ سراجیہ
15--03--09ء

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الماجد

خداوند کریم بزرگ و برتر کے دربار ایزدی میں سجدۂ تشکر بجالاتا ہوں کہ اس حقیر پر تقصیر بے سروبرگ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس عظیم کتاب کا پیش لفظ رقم کروں۔

الحمد للہ رب العالمین یہ اس مقدس دربار کا فیض و کرم ہے جہاں سے میرے جد امجد حضرت شاہ سید عبدالسلام احمد قبلہؒ کو اللہ تعالیٰ کا قرب وعرفان حاصل ہوا۔ نانا حضرت کے وصال کے بعد میرے پیر ومرشد والد محترم حضرت شاہ سید نذر امام محمد صاحب قبلہؒ کو اس دربار سے جو وابستگی اور محبت تھی جس کا احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ ہر سال حج بیت اللہ سے واپسی پر پاکستان تشریف لے جاتے، حاجی مشتاق الٰہی اور محمود الٰہی صاحب کے دولت خانے پر قیام ہوتا۔ چند مرحوم رفقاء کار کے ہمراہ اسلام آباد میں حاجی چاند خان صاحب کے مکان تشریف لے جاتے۔ (چاند خان صاحب پیر ومرشد کے خلیفہ بھی ہیں) درویشوں کی یہ جماعت کندیاں شریف اور موسیٰ زئی شریف حاضر ہوتی۔ آقا حضور قبلہ خان محمد صاحب دامت فیوضہ و برکاتہ کی صحبت سے مشرف ہوتی۔ میں نے حضرت اباجی سے حضرت آقا حضور کے اخلاق اور محبت کی باتیں سنی تھیں اور دل میں ان سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ ختم نبوت کانفرنس کے موقع پر حضرت ڈھاکہ تشریف لائے تو اس گناہگار کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

گزشتہ سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مقیم تھا۔ ایک شب خواب میں آقا حضور کی زیارت حاصل ہوئی۔ اسی وقت حضرت پیر ومرشد بھی تشریف لائے۔ پھر ایک مجلس دیکھی جس میں علماء اور درویش تشریف فرما ہیں [illegible] کتاب کی [illegible] معاً مجھے یاد آیا کہ اس

علامہ عطاء اللہ اسکندری کی یہ کتاب کی شرح ایک آئینہ ہے۔ قاری اس آئینہ میں اپنی کوتاہیوں اور نفسانی بیماریوں کا مشاہدہ کرسکتا ہے اور پھر اس میں بتائے گئے طریقوں سے نفس کی اصلاح کرسکتا ہے۔

اس ناچیز اور عاصی کی یہ التجا ہے کہ اس کے ذریعے اسکے نفس کی اصلاح ہو، اولیائے کرام اور پیران کرام کی توجہات و روحانی فیض حاصل ہو۔

احب الصالحین و لست منھم

لعل اللہ یرزقنی منہ صلاحا

نیاز مند

خاکپائے بزرگاں و درویشاں

غلام غلامان مرشد و موسیٰ زئی ڈاکٹریاں

محمود
مسیح مراد و درسہ الحمد سیدان میر شیخ عفرو شہید

تعارف از مصنفؒ

(یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا)

”اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس شخص کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر (بہت بھلائی) عطا“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنے مولا و رب کا محتاج اور اس کے ماسوا سے بے نیاز بندہ حقیر احمد بن محمد عجیبہ الحسنی (اللہ تعالیٰ اس پر اپنا لطف و کرم فرمائے اور اس کو محبت عطا کرے) عرض کرتا ہے کہ درحقیقت وہ بہترین بات جس پر دل مضبوطی سے قائم ہوا اور فصاحت اور بیان کی زبانوں سے اس کو بیان کیا اور قلموں نے اس کو لکھا، وہ اللہ فتاح و علیم و کریم و منان کی حمد ہے۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے اپنے اولیائے کرام کے قلوب کو اپنی محبت سے بھر دیا۔ اور ان کی مقدس روحوں کو اپنی عظمت کے مشاہدے سے ممتاز فرمایا۔ اور اپنی معرفت کا بوجھ اٹھانے کے لئے ان کے اسرار کو آمادہ کیا۔ پس ان کے قلوب اس کی معرفت کے باغیچوں میں تفریح کر رہے ہیں۔ اور ان کی ارواح اس کے ملکوت کے باغوں میں ٹہل رہی ہیں۔ اور ان کے اسرار اس کے جبروت کے دریاؤں میں تیر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی فکروں نے علوم کی موتیوں کو نکالا۔ اور ان کی زبانوں نے حکمت اور سمجھ کے جواہرات بیان کئے۔ لہٰذا پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو اپنی حضوری کے لئے منتخب کیا۔ اور اپنی محبت سے ان کو امتیاز بخشا۔ پس وہ حضرات سالک و مجذوب اور محب و محبوب ہیں۔ اپنی ذات کی محبت میں ان کو فنا کیا۔ اور اپنی صفات کی نشانیوں کے مشاہدے میں ان کو بقاء عطا فرمایا۔

اور درود و سلام ہے علوم و انوار کے سرچشمہ معارف و اسرار کے مخزن سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اللہ تعالیٰ ان کے اصحاب [illegible] سب سے راضی ہو۔

نیز بیان کیا گیا ہے۔ تصوف: حقیقتوں کا اختیار کرنا، اور مخلوق کی چیزوں سے مایوس ہو جانا ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے۔ تصوف: ہمیشہ حضور قلب کے ساتھ ذکر، اور قلب کی رعایت کے ساتھ وجد کی کیفیت، اتباع سنت کے ساتھ عمل ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے۔ تصوف: محبوب کے دروازے سے چمٹا رہنا ہے اگرچہ جھڑک دیا جائے (بھگا دیا گیا ہو)

نیز بیان کیا گیا ہے۔ تصوف: دوری کی کدورت دور ہونے کے بعد قرب کی صفائی اور محبوبیت کا حاصل ہونا۔

نیز بیان کیا گیا ہے۔ تصوف: تمام وسوسوں اور خطرات سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنا ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے۔ تصوف: کائنات کے دیکھنے سے آنکھ بند ہو جانا ہے۔

سچے صوفی کی علامت۔ یہ ہے

1۔ مالدار ہونے کے بعد محتاج ہو جانا 2۔ عزت والا ہونے کے بعد ذلیل ہو جانا 3۔ مشہور ہونے کے بعد گمنام ہو جانا۔

جھوٹے صوفی کی علامت

یہ ہے (۱) محتاج ہونے کے بعد مالدار ہو جانا (۲) ذلیل اور رسوا ہونے کے بعد عزت دار ہو جانا (۳) گمنام ہونے کے بعد مشہور ہو جانا۔ یہ علامات حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہیں۔

حضرت حسن بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ صوفی اپنی ذات میں تنہا ہے۔ نہ اس کو کوئی شخص قبول اور پسند کرتا ہے، نہ وہ کسی شخص کو قبول اور پسند کرتا ہے۔

نیز بیان کیا گیا ہے۔ صوفی کی مثال زمین کی طرح ہے۔ زمین میں کل بری چیزیں ڈالی جاتی

ہیں۔ لیکن زمین سے سب اچھی اور مفید چیزیں نکلتی ہیں۔ اور اچھے اور برے سب اس پر چلتے اور چلتے پھرتے ہیں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے: سب سے بدترین شخص بخیل صوفی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: صوفی وہ ہے جو مخلوق سے تعلق ختم کر کے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرے۔ اور ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي

میں نے تجھ کو اپنی ذات کے لئے بنایا ہے۔

پھر انہوں نے فرمایا: صوفیائے کرام حق سبحانہ تعالیٰ کی آغوش میں بچے ہیں۔

تحریر بیان کیا گیا ہے: نہ زمین صوفی کا بوجھ اٹھا سکتی ہے۔ نہ آسمان اس پر سایہ کر سکتا ہے۔ یعنی کائنات صوفی کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: تصوف کی تعریف و تشریح و تفسیر بہت طریقوں سے کی گئی ہے۔ جن کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔ سب کا مرجع صرف ایک مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سچی اور خالص اکامل توجہ ہو۔ پس یہی ایک مقصد سب طریقوں میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر حضرت زروق نے فرمایا۔ کسی ایک حقیقت کے اندر اگر اختلاف زیادہ ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس حقیقت کا مفہوم عقل و سمجھ سے باہر ہے پھر اگر وہ سارے اختلافات ایک ایسے اصول کی طرف لوٹتے ہوں جو تمام مختلف طریقوں سے بیان کی ہوئی تعریفوں کو شامل ہو تو سب کی تعبیر اسی اصول کے مفہوم کے ساتھ ہوگی۔ اختلافات اس کی تفصیلات بیان کرنے میں واقع ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک کا اعتبار اس کی حالت کے مطابق علم و عمل، حال، ذوق وغیرہ کے لحاظ سے ہے۔ تصوف کی تشریح میں اختلاف کی حقیقت یہ ہے اور اسی وجہ سے حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر اہل تصوف کے اس قول کو کہ تصوف یہ ہے، کہنے والے کے حال کے مطابق فرمایا ہے۔ اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سچی اور کامل توجہ جس کو حاصل ہے اس کو تصوف حاصل ہے۔

چوتھا

یہ کہ تصوف لفظ ''صفا'' سے بنایا گیا ہے۔ صفاء کے معنی صفائی۔ اور یہ قول زیادہ صحیح ہے۔
جیسا کہ حضرت ابو الفتح بستی رحمتہ اللہ علیہ نے صوفی کے بارے میں فرمایا ہے:

تَخَالَفَ النَّاسُ فِي الصُّوفِيِّ وَاخْتَلَفُوا ○ جَهْلًا وَ ظَنُّوا مُشْتَقًّا مِنَ الصُّوفِ

''لوگوں نے صوفی کے بارے میں نادانی سے اختلاف کیا اور انہوں نے خیال کیا کہ صوفی صوف سے بنا ہے''۔

وَلَسْتُ أَمْنَحُ هٰذَا الْاِسْمَ اَلْاَ فَتًى ○ صَافٍ فَصُوْفِيَ حَتّٰى سُمِّيَ الصُّوْفِيْ

''اور میں یہ نام صوفی ایسے جوان کو عطا کرتا ہوں جس نے اپنی محبت اور توجہ اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کی۔ پس وہ ہر تعلق سے منقطع ہو کر پاک وصاف ہو گیا۔ تو اس کا نام صوفی رکھا گیا''۔

پانچواں

یہ کہ تصوف، مسجد نبوی ﷺ کے ''صفہ'' سے بنایا گیا ہے۔ جو اصحاب صفہ کے بیٹھنے اور رہنے کی جگہ تھی۔ اس لئے کہ صوفی ان اوصاف میں جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ثابت کیا ہے۔ ان کا تابع اور پیرو ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

''آپ اپنی ذات کو ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو صبح وشام، اس کے دیدار کا ارادہ کر کے پکارتے ہیں ثابت وقائم رکھئے''۔

اور یہ قول ایک ایسا اصول ہے جس کی طرف تمام اقوال رجوع کرتے ہیں۔ ایسا ہی حضرت شیخ زروق نے فرمایا ہے۔

تصوف میں جن چیزوں سے مدد حاصل کی جاتی ہے:۔ تصوف کو کتاب اللہ، اور سنت، اور صالحین کے الہامات، اور عارفین کے فتوحات سے مدد حاصل ہوتی ہے۔ اور علم فقہ کی بہت سی اشیاء

تصوف میں داخل کی گئی ہیں۔ کیونکہ تصوف میں ان مسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم کے کتاب العبادات، و کتاب العادات، و کتاب المہلکات، و کتاب المنجیات میں ان کو تحریر فرمایا ہے۔ ان کو جاننا اور سیکھنا تصوف میں کمال حاصل کرنے کیلئے شرط نہیں ہے مگر عبادات میں جن مسائل کی ضرورت پڑتی ہے ان کا علم حاصل کرنا شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تصوف کے متعلق شارع علیہ السلام کا حکم۔ حضرت امام غزالی ؒ نے فرمایا ہے۔ تصوف فرض عین ہے۔ اس لئے کہ عیب یا مرض سے انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔

اور حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: جو شخص ہمارے علم تصوف میں داخل نہیں ہوا وہ کبیرہ گناہوں پر اصرار کرتے ہوئے (قائم رہتے ہوئے) مرا، لیکن اس کو خبر نہیں ہے۔

اور چونکہ علم تصوف فرض عین ہے۔ اس لئے تصوف کی تعلیم دینے والے مشائخ کے پاس سفر کر کے جانا واجب ہے جب کہ وہ تربیت کے لئے مشہور ہوں۔ اور روحانی امراض کے لئے ان کے ہاتھ کی دوا مشہور ہو چکی ہو۔ اگرچہ اس کے لئے والدین کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے۔ مشائخ تصوف جیسے امام بلالی اور سنوسی وغیرہ نے اس کو مقرر قرار دیا ہے۔

حضرت شیخ سنوسی نے فرمایا ہے۔ نفس جب غالب ہو کر دشمن کی طرح تباہی سامنے آ جائے۔ تو اس سے مجاہدہ اور مقابلہ کرنے کے لئے امداد چاہنی ضروری ہے۔ اگرچہ والدین اس کی مخالفت کریں۔ جیسے کہ دشمن جب مقابلہ کرنے کے لئے سامنے آ جائے۔ تو اس سے مقابلہ کرنا لازمی ہے۔ شرح جزری میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

ایک عارف نے یہ حقیقت اچھے اشعار میں بیان فرمائی ہے۔

أُخَاطِرُ فِي مَحَبَّتِكُمْ بِرُوحِي وَأَرْكَبُ بَحْرَكُمْ إِمَّا وَإِمَّا

"میں تمہاری محبت میں اپنی روح کے ساتھ محو رہتا ہے۔ اور تمہاری معرفت کے دریا میں سوار ہوں کبھی ایک حال میں کبھی دوسرے حال میں"

تصوف کی فضیلت

ہو سکتی ہے۔ (کیونکہ موت کے پل سے گزر کر جس بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں اس کو حاضر ہونا ہے اسی بارگاہ کے آداب و لوازمات، اور بادشاہ حقیقی کی رضامندی حاصل کرنا اس علم کا مقصود ہے)

علم تصوف کی نسبت:۔

دوسرے دینی علوم سے علم تصوف کی نسبت یہ ہے۔ کہ علم تصوف کل علوم کی بنیاد اور شرط ہے۔ اس لئے کہ کوئی علم اور عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ کے بغیر قابل اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا صدق توجہ و اخلاص سب کے لئے شرط ہے۔ یہ کسی علم و عمل کے صحیح ہونے، اور جزا و ثواب کے لائق ہونے کی شرعی حیثیت کے اعتبار سے ہے۔ لیکن خارجی وجود کے اعتبار سے، تو علوم بغیر تصوف کے پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ ناقص اور نا قابل اعتبار ہیں۔

اسی بناء پر حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا ہے:۔ تصوف کی نسبت دیگر علوم سے ایسی ہے جیسے علم بیان کی نسبت علم نحو سے۔ یعنی ان علوم میں تصوف باعث کمال اور ان کو مکمل اور بہتر بنانے والی ہے۔

اور حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا ہے:۔ دین کے ساتھ تصوف کی نسبت ایسی ہے۔ جیسے جسم کے ساتھ روح کی نسبت۔ اس لئے کہ وہ احسان کا مرتبہ ہے۔ جس کی تفسیر حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں اس طرح فرمائی ہے:۔

" اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ "

"تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے"

اس کا معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ رویت کا انحصار مشاہدہ کے بعد مراقبہ پر ہے۔ یا مراقبہ کے بعد مشاہدہ پر ہے۔ (اور مراقبہ و مشاہدہ تصوف کے بغیر ممکن نہیں ہے) اور مراقبہ و مشاہدہ کے بغیر کبھی رویت کا وجود قائم ہوا۔ نہ موجود ظاہر ہوا۔ پس اس کو بخوبی غور کر کے سمجھنا چاہیے۔

اور شاید حضرت شیخ رضی اللہ عنہ نے "مشاہدہ کے بعد مراقبہ" سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے شہود کے ذریعے جاننے کی طرف اشارہ فرمایا ہے

دوسرا مقدمہ

حضرت مصنفؒ کی شخصیت کا تعارف

وہ شیخ و امام، دین کے تاج، عارفین کے ترجمان، ابوالفضل احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن عیسیٰ بن حسین بن عطاء اللہ ہیں۔ ان کا نسب جذامی، مذہب مالکی، وطن اسکندریہ، مزار قرافی میں ہے۔ وہ حقیقت میں صوفی، طریقت میں شاذلی، اپنے زمانے کے مشہور انوکھے چنے ہوئے بزرگ تھے۔ ان کی وفات ۷۰۹ سات سو نو ہجری میں ہوئی۔ یہ حضرت شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

حضرت شیخ زروقؒ نے اپنی کتاب وینوں المذہب میں فرمایا ہے:۔ حضرت مصنفؒ مختلف اقسام علوم مثلاً تفسیر و حدیث و فقہ و نحو و اصول وغیرہ کے جامع تھے۔ حضرت مصنفؒ متکلم تھے۔ اور اہل تصوف کے طریقے پر وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ بہت لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ اور ان کے طریقے پر سلوک اختیار کیا۔

میں کہتا ہوں۔ ان کے شیخ ابوالعباس مرسیؒ نے ان کے لئے آگے بڑھنے کی شہادت دی ہے۔ حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا ہے:۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: شریعت اور طریقت کو اپنے اوپر لازم کرو۔ اگر تم نے شریعت اور طریقت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تو تم دونوں مذہب کے لئے مفتی ہو جاؤ گے۔

دونوں مذہب سے شیخ کی مراد۔ اہل شریعت یعنی اہل علم ظاہر کا مذہب اور اہل حقیقت اہل علم باطن کا مذہب تھی۔ اور اسی کتاب میں اپنے شیخ کا یہ قول بھی بیان فرمایا۔ اللہ کی قسم، اس جوان کو

اپنی موت سے پہلے داعی کا درجہ دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے گا۔ نیز اسی کتاب میں اپنے شیخ کا یہ قول بھی بیان فرمایا: اللہ کی قسم، تیری بڑی شان ہوگی۔ اللہ کی قسم، تیری بڑی شان ہوگی۔ پھر مصنف نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر ہے۔ جو کچھ حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔ ویسا ہی ہوا۔ ویسے کمالات حاصل ہوئے کہ کسی نے انکار نہیں کیا۔

اور حضرت مصنف کی تصنیف کی ہوئی کتابیں پانچ ہیں:۔ پہلی:۔ التنویر فی اسقاط التدبیر ۔ دوسری:۔ لطائف المنن فی مناقب شیخه ابی العباس و شیخه ابی الحسن اپنے شیخ حضرت ابوالعباس اور ان کے شیخ حضرت ابوالحسن کی تعریف میں) تیسری:۔ تاج العروس ۔ یہ کتاب انہی دو بزرگوں کے احوال و اقوال میں تصنیف کی ہے۔ چوتھی:۔ مفتاح الفلاح فی الذکر۔ پانچویں:۔ کیفیة السلوک ۔ نیز القول المجرد فی الاسم المفرد۔ اور الحکم جس کی شرح لکھنے کا میں نے ارادہ کیا ہے۔

اس کتاب الحکم میں اہل تصوف کے علوم میں سے چار قسم کے مضامین ہیں:۔

پہلا مضمون:۔ وعظ و نصیحت ہے:۔ اس مضمون میں مصنف نے وعظ و نصیحت کے اکثر حصوں کے احاطہ کرلیا ہے۔ یہ مضمون عوام کے لئے ہے۔ خواص بھی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ مضمون علامہ ابن جوزی کی کتابوں سے، اور حضرت محاسبی کی بعض کتابوں سے، اور الاحیا والقوة کے ابتدائی حصوں سے، اور تحبیر قشیری سے، اور اسی موضوع کی دوسری کتابوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا مضمون:۔ باطن کو بری صفتوں سے پاک کرکے اور اچھے اخلاق سے آراستہ کرکے اعمال کو پاکیزہ اور احوال کو صحیح کرنا ہے۔ یہ مضمون سچی توجہ کرنے والوں اور سالکین کے ابتدائی درجہ والوں کے لئے ہے۔ اس مضمون میں کل نیکیوں کا احاطہ کرلیا ہے اور یہ مضمون حضرت امام غزالی و حضرت خواجہ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی کتابوں سے، اور اسی قسم کے دوسرے بزرگوں کی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔

تیسرا مضمون:۔ احوال و مقامات کی تحقیق اور ذوق و منازل کے احکام ہیں۔ یہ مضمون

پہلا باب

عمل کرتے ہوئے عمل پر بھروسہ کرنے کے بیان میں

مِنْ عَلَامَةِ الْإِعْتِمَادِ عَلَى الْعَمَلِ، نُقْصَانُ الرَّجَاءِ عِنْدَ وُجُوْدِ الزَّلَلِ

"عمل پر اعتماد کرنے کی علامت، گناہ سرزد ہونے سے رجا (امید) میں کمی ہوتی ہے"

عمل:۔ جسم یا قلب کی حرکت کا نام ہے۔ تو اگر شریعت کے موافق حرکت کی۔ تو اس کا نام عبادت رکھا گیا۔ اور اگر شریعت کے خلاف حرکت کی تو اس کا نام معصیت (گناہ) رکھا گیا۔

کسی شی پر اعتماد:۔ اس پر بھروسہ کرنا اور اس کی طرف توجہ کرنی ہے۔

کاملین علم تصوف کے نزدیک اعمال کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:۔ شریعت کا عمل۔ دوسری قسم:۔ طریقت کا عمل

تیسری قسم:۔ حقیقت کا عمل یا اس طرح کہا جائے:۔

۱۔ اسلام کا عمل ۲۔ ایمان کا عمل ۳۔ احسان کا عمل

یا اس طرح کہا جائے:۔ عبادت کا عمل ۲۔ عبودیت کا عمل ۳۔ عبودت یعنی حریت (آزادی) کا عمل

یا اس طرح کہا جائے:۔ ابتدائی عمل ۲۔ درمیانی عمل ۳۔ انتہائی عمل

پس شریعت یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اور طریقت یہ ہے کہ تو اس کے دیدار کا ارادہ کرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تو اس کا مشاہدہ کرے۔

یا اس طرح کہو:۔ شریعت ظاہر کی اصلاح کے لئے ہے۔ اور طریقت باطن کی اصلاح کے لئے ہے اور حقیقت سر کی اصلاح کے لئے ہے۔

أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ

''تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی بدولت ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اور آپ بھی داخل نہ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا۔ ہاں میں بھی داخل نہ ہوں گا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔''

جو نفس پر بھروسہ کرنا بدبختی کی علامت ہے۔ اور اعمال پر بھروسہ کرنا زوال میں نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے۔ اور کرامت و احوال پر بھروسہ کرنا اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہنے کی وجہ سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی علامت یہ ہے کہ جب وہ گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی امید کم نہیں ہوتی ہے اور جب وہ نیک عمل کرتا ہے تو اس کی امید زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

یا اس طرح کہہ سکتے ہو۔ جب اس سے غفلت صادر ہوتی ہے تو اس کا خوف زیادہ نہیں ہوتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کی امید زیادہ نہیں ہوتی اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور امید ہمیشہ یکساں قائم رہتا ہے اس لئے کہ اس کا خوف اس کے جلال کے حضور سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی امید اس کے جمال کے حضور سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور جمال میں زیادتی اور کمی کی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا جو کچھ ان دونوں صفتوں سے پیدا ہوگا اس میں بھی زیادتی اور کمی نہیں ہو سکتی ہے۔

اس کے برعکس جو شخص اپنے اعمال پر بھروسہ کرتا ہے۔ جب اس کا عمل کم ہوتا ہے تو اس کی امید کم ہوتی ہے۔ اور جب اس کا عمل زیادہ ہوتا ہے تو اس کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا لیا ہے اور جہالت میں پڑا ہے۔ (شرک خفی کی ایک شکل یہ بھی ہے)

اور اگر اپنے نفس سے فنا ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بقا حاصل ہو جائے تو نفس کی مشقت اور زحمت سے آرام پا جائے گا۔ (اعمال پر بھروسہ نفس کے دخل سے ہوتا ہے۔ لہٰذا مشقت کا باعث نفس ہے) اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں [illegible]

اور ایسے شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے جو تجھ کو تیرے نفس کی مشقت و زحمت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی حضوری کی راحت میں پہنچا دے۔ لہذا شیخ کامل وہی ہے جو تجھ کو زحمت و دشواری سے رہائی دے کر آرام پہنچائے۔ وہ شیخ کامل نہیں ہے جو تجھ کو مشقت اور تھکن میں مبتلا کرے۔ جس شخص نے عمل کی طرف تیری رہنمائی کی اس نے تجھ کو مشقت اور تھکن میں مبتلا کیا۔ اور جس نے دنیا کی طرف تیری رہنمائی کی اس نے تیرے ساتھ خیانت کی۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف تیری رہنمائی کی اس نے تیری خیر خواہی کی۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابن مشیش نے فرمایا۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی نفس کے بھول جانے کی طرف رہنمائی ہے۔ لہذا جب تو اپنے نفس کو بھول گیا۔ تو اس کا نتیجہ ہے کہ تو نے اپنے رب کو یاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيْتَ

"جب تم (اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو) بھول گئے۔ تو اپنے رب کو یاد کرو"

مشقت اور تھکن کا سبب نفس کو یاد رکھنا اور اس کی شہوتوں اور لذتوں کی طرف توجہ رکھنی ہے۔ لیکن جو شخص نفس سے غائب ہو گیا۔ اس کو حقیقی آرام حاصل ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ قول۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ

ہم نے انسان کو مشقت میں (رہنے والا) پیدا کیا۔

تو یہ اہل حجاب کے لئے مخصوص ہے۔ یا یہ کہا جائے۔ جس کا نفس زندہ ہے۔ اس کے لئے ہے۔ لیکن جس کا نفس فنا ہو گیا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ

لیکن اگر وہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے راحت و آرام، اور خوشبودار پھول، اور نعمت والی جنت ہے۔

یعنی وصال کے لئے راحت و آرام، جمال کے لئے خوشبودار پھول، اور کمال کے لئے جنت نعیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ ان کو جنت میں کوئی تکلیف اور تھکن نہ ہوگی۔

لیکن مشقت کے بعد ہی آرام ملتا ہے۔ اور تلاش کی پریشانیوں کے بعد ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ "جنت نفس کی ناگوار اشیاء سے گھری ہوئی ہے"

یعنی جو اشیاء نفس کو ناپسند ہیں، ان کو اختیار کرنے سے اور جو اشیاء نفس کو پسند ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ترک کرنے سے جنت حاصل ہوتی ہے۔

أَيُّهَا الْعَاشِقُ مَعْنَى حُسْنِنَا مَهْرُنَا غَالٍ لِمَنْ يَخْطُبُنَا

اے ہمارے حقیقی حسن کے عاشق! ہمیں محبت کا پیغام دینے والے کو بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے"

جَسَدٌ مُضْنًى وَرُوحٌ فِي الْعَنَا وَجُفُونٌ لَا تَذُوقُ الْوَسَنَا

جسم تھکا ہوا لاغر جان اور روح تکلیف سہنے والی، اور پلکیں نیند کا مزہ لینے کے لئے جھپکتی بھی نہیں۔

وَفُؤَادٌ لَيْسَ فِيهِ غَيْرُنَا وَإِذَا مَا شِئْتَ أَدِّ الثَّمَنَا

اور قلب ایسا جس میں ہمارے سوا کوئی شے نہ ہو۔ اگر تم ہم سے محبت کرنا چاہتے ہو تو قیمت ادا کرو۔

یعنی تھکنے والا جسم، دکھنے والی روح، نہ سونے والی آنکھیں، اور ہمارے سوا ہر شے سے خالی قلب ہماری محبت کی قیمت ہے۔

فَافْنِ إِنْ شِئْتَ فَنَاءً سَرْمَدًا فَالْفَنَا يُدْنِي إِلَى ذَاكَ الْفَنَا

پس تم اپنے کو فنا کر دو، اگر تم فنائے سرمدی چاہتے ہو کیونکہ تمہاری ذات کی فنا تم کو اس فنائے سرمدی سے قریب کر دے گی۔

وَاخْلَعِ النَّعْلَيْنِ إِنْ جِئْتَ إِلَى ذَلِكَ الْحَيِّ فَفِيهِ قُدْسُنَا

اور اگر تم اس ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والے مقام میں آنے کو تو اپنے جوتوں یعنی دونوں مصیبتوں کو دور کر دو۔ کیونکہ اس مقام میں ہماری قدوسیت ہے۔

وَعَنِ الْكَوْنَيْنِ كُنْ مُنْخَلِعًا وَأَزِلْ مَا بَيْنَنَا مِنْ بَيْنِنَا

اور دونوں عالم سے کنارہ کش ہو جاؤ، اور ہمارے اور تمہارے درمیان جو پردہ حائل ہے، اس کو ہٹا

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

تم لوگ جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے صلے میں جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

حضرت رسول کریم ﷺ کے اس قول کے سبب سے۔

لَنْ يَدْخُلَ اَحَدُكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهٖ

اشکال (دشواری) پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں متضاد ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ کتاب و سنت شریعت اور حقیقت کے درمیان وارد ہوئی ہیں۔ یا اس طرح کہو۔ تشریع اور تحقیق کے درمیان وارد ہوئی ہیں۔ لہذا کبھی ایک جگہ کسی شئی کے بارے میں شرعی قانون بیان کرتی ہیں اور دوسری جگہ اسی شئی کے بارے میں حقیقت کے بارے میں بیان کرتی ہیں اور کبھی ایک جگہ حقیقت بیان کرتی ہیں اور دوسری جگہ اس شئی کے بارے میں شرعی قانون بیان کرتی ہیں۔ اور کبھی قرآن کسی جگہ شرعی قانون بیان کرتا ہے اور سنت اس کی حقیقت بیان کرتی ہے۔ اور کبھی کسی جگہ سنت شرعی قانون بیان کرتی ہے۔ اور قرآن اس کی حقیقت بیان کرتا ہے۔ اور حضرت رسول کریم ﷺ قرآن کریم کی تشریح کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل فرمایا۔ تاکہ جو کچھ ان کے لئے نازل کیا گیا ہے آپ اس کی تفسیر لوگوں سے بیان کریں۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا یہ قول:۔ (اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)

یہ حکمت والوں کے لئے شریعت کا قانون ہے۔ اور یہ لوگ اہل شریعت ہیں۔ اور حضرت

لَنْ يَدْخُلَ اَحَدُكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهٖ

"یہ قدرت والوں کیلئے تحقیق ہے اور یہ لوگ اہل حقیقت ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول

وَمَا تَشَاءُوْنَ اور تم لوگ وہی چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یہ حقیقت ہے"

رسول کریم ﷺ کا یہ قول:۔

اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِحَسَنَةٍ ...

”جب تم میں سے کسی نے کسی نیکی کا ارادہ کیا۔ تو اس کیلئے ایک نیکی لکھ دی گئی“

یہ شریعت کا قانون ہے۔ غرضیکہ قرآن کی تشریح اور تعیین سنت کرتی ہے۔ اور سنت کی تشریح اور تعیین قرآن کرتا ہے۔ پس انسان پر واجب ہے کہ اس کے پاس دو آنکھیں ہیں۔ ایک آنکھ سے حقیقت کی طرف دیکھے اور دوسری آنکھ سے شریعت کی طرف نظر کرے۔ لہذا اگر کسی جگہ قرآن کو شریعت بیان کرتا ہوا پایا ہے۔ تو لازمی ہے کہ اس نے دوسری جگہ حقیقت بیان کی ہوگی۔ یا سنت نے حقیقت بیان کی ہوگی اور اگر سنت کو کسی جگہ شریعت بیان کرتے ہوئے پایا۔ تو ضروری ہے کہ دوسری جگہ اس نے حقیقت بیان کی ہوگی۔ یا قرآن نے حقیقت بیان کی ہوگی۔ لہذا آیت اور حدیث میں کوئی تعارض اور اشکال باقی نہیں رہا۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے:۔ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو توحید اور اطاعت کی طرف دعوت دی۔ تو اس بنا پر کہ لوگ بغیر حرص کے اس میں داخل نہ ہوں گے۔ اس نے عمل پر بدلہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ پھر جب ان کے قدم اسلام میں مضبوط ہو گئے تو حضرت رسول کریم ﷺ نے ان کو اس عیب سے نکالا اور عبودیت و بندگی کے خلاص کی طرف، اور اخلاص کے مقام میں ثابت قدمی سے قائم ہونے کی طرف ترقی دی۔ اور فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی بدولت جنت میں ہرگز نہ داخل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور یہاں اہل ظاہر کے لئے دوسرے جوابات بھی ہیں۔ لیکن ان کے بیان کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور جب ظاہری عمل سے باطنی عمل کی طرف منتقل ہوا، تو یہ ضروری ہے کہ اس کا اثر اعضائے جسم پر ظاہر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا

”بیشک بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں“

اس تباہی کی وجہ سے وہ خالی ہو کر ویران ہو جاتی ہے۔ اور باطنی عمل کی طرف منتقل ہونے کا اثر اعضائے جسم پر ظاہر ہونا، تجرید اختیار کرنا ہے۔ چنانچہ مصنف نے اپنے اس قول میں تجرید کی

طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

إِرَادَتُكَ التَّجْرِيْدَ مَعَ إِقَامَةِ اللّٰهِ إِيَّاكَ فِي الْأَسْبَابِ مِنَ الشَّهْوَةِ الْخَفِيَّةِ، وَإِرَادَتُكَ الْأَسْبَابَ مَعَ إِقَامَةِ اللّٰهِ إِيَّاكَ فِي التَّجْرِيْدِ انْحِطَاطٌ مِّنَ الْهِمَّةِ الْعَلِيَّةِ۔

''تمہارا تجرید اختیار کرنے کا ارادہ کرنا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اسباب میں قائم کیا ہو، تمہارے نفس کی پوشیدہ خواہش میں سے ہے۔ اور تمہارا اسباب وذرائع اختیار کرنے کا ارادہ کرنا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تجرید میں قائم کیا ہو، بلند ہمت سے پستی کی طرف گرنا ہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ تجرید کے معنی خالی کرنا، دور کرنا ہیں۔ یعنی اسباب وذرائع کو دور کر کے خالی ہو جانا تجرید ہے۔ اور صوفیائے کرام کے نزدیک تجرید کی تین قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم۔ ظاہری تجرید دوسری قسم۔ باطن کی تجرید

تیسری قسم۔ ظاہر وباطن دونوں کی تجرید

ظاہری تجرید:۔ دنیاوی اسباب وذرائع کو ترک کرنا، اور جسمانی فوائد وعادات کو چھوڑنا ہے۔

باطن کی تجرید:۔ نفسانی تعلقات اور وہمی باتعات (روکنے والی اشیاء) کو ترک کرنا ہے۔

ظاہر وباطن دونوں کی تجرید:۔ باطنی تعلقات اور جسمانی فوائد وعادات کو ترک کرنا ہے۔ یا اس طرح کہو:۔ ظاہری تجرید:۔ ہر اس شی کو ترک کر دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دے۔

باطن کی تجرید:۔ ہر اس شی کو ترک کر دینا ہے جو قلب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور سے غافل کر دے۔

اور ظاہر وباطن کی تجرید:۔ قلب اور جسم کو سب سے منقطع کر کے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنا ہے۔

اور ظاہری تجرید کامل:۔ اسباب وذرائع کو ترک کرنا، اور بدن کو ان کپڑوں سے جن کا وہ عادی ہے ننگا کرنا ہے۔

اور باطن کی تجرید کامل:۔ قلب کو تمام بری صفتوں سے پاک کرنا، اور اچھی صفتوں سے آراستہ کرنا ہے۔

اسی تجرید کامل کی طرف ہمارے شیخ الشیوخ سیدی عبدالرحمن مجذوب نے اپنے قول میں اشارہ

فرمایا ہے:۔

أَقَارِيْنَ عِلْمَ التَّوْحِيْدِ هُنَا الْبُحُوْرُ الَّتِيْ تَخْفِيْ

اے علم توحید کے پڑھنے والو! میرے راستے میں بہت سے سمندر ہیں جو میری طرف موجیں

مارتے ہیں۔

هٰذَا مُقَامُ أَهْلِ التَّجْرِيْدِ الْوَاقِفِيْنَ مَعَ رَبِّيْ

یہ اہل تجرید کا مقام ہے جو اپنے رب کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں

جس شخص نے باطن کو چھوڑ کر صرف ظاہر کی تجرید کی وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ وہ اس شخص کی طرح

ہے جس نے تانبے پر چاندی کا خول چڑھایا۔ جو اندر سے خراب ہے اور اوپر سے خوب صورت

ہے۔

اور جس شخص نے ظاہر کو چھوڑ کر صرف باطن کی تجرید کی۔ تو اگر وہ اس پر قائم رہ سکے تو بہتر ہے

وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے چاندی پر تانبے کا خول چڑھایا۔ لیکن ایسا کم ہوتا ہے اس لئے کہ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص کا ظاہر دنیاوی تعلقات واسباب و ذرائع میں مشغول ہوتا ہے اس کا

باطن بھی اس میں مشغول ہو جاتا ہے۔ جس میں اس کا ظاہر مشغول ہوتا ہے۔ کیونکہ طاقت دونوں

طرف تقسیم نہیں ہوتی ہے۔ (یعنی ظاہر کی مشغولیت ایک طرف اور باطن کی دوسری طرف۔ اس طرح

طاقت دو طرف تقسیم ہوگی)

اور جس شخص نے ظاہر و باطن دونوں کی تجرید کی۔ وہ صدیق کامل ہے۔ وہ چمکتا ہوا خالص سونا

ہے جو بادشاہوں کے خزانے میں رکھنے کے لائق ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی نے فرمایا ہے:۔ تجرید اختیار کرنے والے فقیر کے چار آداب

ہیں:۔

اول:۔ بڑوں کی عزت و تعظیم کرنی۔

دوم:۔ چھوٹوں سے رحم و پیار کرنا

سوم۔ اپنے نفس سے انصاف کرنا (کسی معاملے میں اپنی ذات کی طرف داری نہ کرنا)

چہارم۔ اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہ لینا

اور اسباب و ذرائع اختیار کرنے والے فقیر کے چار آداب ہیں:۔

اول۔ نیک لوگوں سے دوستی و محبت رکھنی دوم۔ برے لوگوں سے پرہیز و کنارہ کشی کرنی۔ سوم۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنی

چہارم ۔ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس سے فقیروں اور مسکینوں کی ہمدردی اور امداد کرنی ۔اور اس کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ تجرید اختیار کرنے والوں کے آداب بھی اختیار کرے۔ کیونکہ یہ اس کے حق میں کمال کا ذریعہ ہے۔

اور اس کے آداب میں یہ بھی ہے کہ جس سبب میں اللہ تعالیٰ نے اس کو قائم کیا ہے اسی میں قائم رہے۔ یہاں تک کہ خود حق سبحانہ تعالیٰ اس کو اس سبب سے منتقل کرے۔ اور یہ منتقل کرنا یا شیخ کے حکم سے ہو یا کسی واضح اشارہ سے۔ مثلاً یہ کہ وہ سبب ہر طریقے سے دشوار و ناممکن ہو اور یہ ہر طرف سے معذور ہو جائے۔ تو اب وہ تجرید اختیار کرے۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اسباب میں قائم کیا تو اس کا تجرید کے لئے ارادہ کرنا نفس کی پوشیدہ خواہش ہے۔ اس لئے کہ نفس اس کے ذریعے آرام حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اور نفس کو یقین کا وہ درجہ حاصل نہیں ہے جس سے وہ فاقہ کی سختیوں اور تکلیفوں کو برداشت کر سکے۔ لہذا جب فاقہ کی نوبت آتی ہے تو قدم ڈگمگا جاتا ہے۔ اور وہ پریشان ہو کر پھر اسباب کی طرف لوٹتا ہے۔ تو یہ اس کے لئے تجرید میں قیام کرنے سے زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس کے خواہش ہونے کی وجہ یہ ہے۔ اور پوشیدہ اس لئے ہے کہ نفس نے بظاہر اسباب کو ترک کر کے ہر تعلق سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ظاہر کیا اور یہ اعلیٰ مقام اور بہترین حال ہے۔ لیکن درحقیقت نفس نے اپنا فائدہ چھپایا۔ اور نفس کا فائدہ:۔ آرام و راحت یا کرامت یا ولایت یا اس کے سوا دوسرے مقاصد ہیں۔ اور اس نے عبادت کی حقیقت اور یقین کی درستی و مضبوطی کا ارادہ نہیں کیا۔ اور اس طرح اس نے حق سبحانہ تعالیٰ کا ادب بھی فوت ہو گیا۔ کہ اس نے اپنی طبیعت سے تجرید کے ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ اور صبر کر کے اس کی اجازت پانے کا انتظار نہیں کیا۔ (کیونکہ

اور کسی اہل تجرید نے کھلی اجازت کے بغیر اگر اسباب کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو یہ اس کیلئے بلند ہمت سے پست ہمتی کی طرف زوال ہے۔ یا ولایت کبریٰ سے منقطع ہو کر ولایت صغریٰ کی طرف آنا ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علیؒ نے فرمایا ہے:۔ مجھ سے میرے شیخ سیدی عربیؒ نے فرمایا:۔ اے فرزند! اگر میں تجرید سے بہتر زیادہ قریب اور زیادہ مفید کوئی شی دیکھتا تو میں تمکو اس کی خبر ضرور دیتا۔ لیکن اہل طریقت کے نزدیک وہ ایسے اکسیر کے مثل ہے جس کی ایک رتی کل زمین کے سونا سے زیادہ ہے۔ طریقت میں تجرید کی یہ وقعت ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ کے شیخ رضی اللہ عنہما سے سنا ہے:۔ متجرد کی معرفت افضل ہے اور اس کی فکر خالص اور روشن ہے۔ اس لئے کہ صفائی سے صفائی پیدا ہوتی ہے اور گندگی سے گندگی۔ ظاہر کی صفائی سے باطن کی صفائی، اور ظاہر کی سیاہی سے باطن کی سیاہی ہوتی ہے۔ اور جب ظاہری محسوسات میں ترقی ہوگی تو باطن میں نقص پیدا ہوگا۔

اور بعض خبر میں ہے:۔ جب عالم نے دنیا سے کچھ حاصل کیا تو اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم ہو گیا۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ ہو۔ اور جس شخص کو سبب اختیار کرنے کی اجازت دی گئی وہ متجرد کی طرح ہے۔ اس لئے کہ اب اجازت کی وجہ سے اس کا سبب عبادت ہو گیا۔ حاصل یہ ہے:۔ بغیر اجازت کے تجرید سبب ہے۔ اور اجازت کے ساتھ سبب تجرید ہے۔

وباللہ التوفیق

تنبیہ:۔ یہ سب کلام سائرین (سیر کرنے والوں) کے بارے میں ہے۔ لیکن واصلین جو اللہ تعالیٰ کے قرب کے بلند درجے پر قائم ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ کلام نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حضرات رضی اللہ عنہم اپنے نفوس سے لے لئے گئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رد کئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دفع کئے جاتے ہیں۔ ان کے معاملات کا متولی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ خود ان کے اسرار کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اپنے انوار کے لشکر سے ان کے قلوب کی نگہبانی کرتا ہے۔ لہٰذا اغیار کی تاریکیاں ان میں [illegible] صحابہ کرام کا حال اسی

میں کہتا ہوں: ہمت، کسی شی کی خواہش اور اس کے ہو جانے کی کوشش میں بغیر کسی وسوسے کے قلب کی جمعیت کے ساتھ مضبوط ارادے کا نام ہے۔ پس اگر وہ شی بلند ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی رضامندی کی طلب۔ تو اس کا نام بلند ہمت رکھا گیا۔ اور اگر وہ شی حقیر ہے۔ جیسے دنیا اور اس کے فوائد اور لذتوں کی خواہش۔ تو اس کا نام پست ہمت رکھا گیا۔

اور جب عارف یا مرید کسی شی کی خواہش کرتا ہے اور اس کے لئے اس کی ہمت مضبوط ہوتی ہے تو وہ شی اللہ تعالیٰ ایک گھڑی میں ظاہر کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ مرید صادق جب اللہ تعالیٰ کے اسم میں فنا ہو جاتا ہے تو جب وہ کسی شی کے لئے ہمت و ارادہ کرتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے تو جس شی کی اس کو حاجت ہوتی ہے وہ اس کی ہمت اور ارادہ سے پہلے ہو جاتی ہے اور یہ صحیح ہے۔

بعض اخبار میں ہے:

"يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى:۔ عَبْدِي، اَنَا اللّٰهُ الَّذِي اَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُوْنُ، فَاَطِعْنِي اَجْعَلْكَ تَقُوْلُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُوْنُ"

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اے میرے بندے میں وہ اللہ ہوں۔ کہ جب کسی شی کے لئے کہتا ہوں، ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔ پس تو میری اطاعت کر۔ میں تجھ کو ایسا بنا دوں گا کہ جب تو کسی شی کے لئے کہے گا، ہو جا، تو وہ ہو جائے گی۔" اور صحیح حدیث میں وارد ہے:۔

"فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَّ بَصَرًا وَّ يَدًا وَّ مُؤَيِّدًا، اِنْ سَاَلَنِي اَعْطَيْتُهُ"

"پس جب میں اس کو محبت کرتا ہوں۔ تو میں اس کا کان اور آنکھ اور ہاتھ اور مددگار ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں"

اور ان ارشادات کے باوجود ہمت سے نہ کوئی شی فنا ہوتی ہے۔ نہ وجود میں آتی ہے۔ صرف وہی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر نے پہلے ہی سے جاری کر دیا ہے۔ لہذا عارف کی ہمت جب

اور مصنفؒ نے لفظ خرق (توڑنا) اور اسوار (دیواریں) مجازاً اس لئے استعمال کیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ طاقت دونوں طرف ہے۔ ہمت میں بھی، اور تقدیر میں بھی۔ لیکن کل اشیا کا قہر کرنے والا اللہ تعالیٰ غالب اور طاقتور ہے۔ لہٰذا مجبور اور کمزور بندے کی طاقت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور جب کہ ہمت تقدیر کی دیواروں کو نہیں توڑ سکتی ہے تو پھر تیری تدبیر اور اختیار کا کیا حال ہو گا؟ مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

أَرِحْ نَفْسَكَ مِنَ التَّدْبِيرِ فَمَا قَامَ بِهِ غَيْرُكَ عَنْكَ لَا تَقُمْ بِهِ أَنْتَ لِنَفْسِكَ

''تم اپنی ذات کو تدبیر (کی تکلیف) سے آرام دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جتنی بہتر تدبیر کر سکتا ہے۔ اتنی بہتر تدبیر تم اپنے لئے نہیں کر سکتے ہو''۔

تدبیر اور اسکی اقسام

میں کہتا ہوں:۔ تدبیر کے معنی:۔ کام اور اس کے انجام پر توجہ کرنا ہے۔ اور اہل تصوف کی اصطلاح میں وہ اس طرح ہے، جس طرح حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا:۔ شاتو کی تقدیر ان پر مستقبل میں اس طریقے پر ہوتی ہے۔ جس طریقے پر خوف کیا جاتا ہے۔ یا امید کی جاتی ہے۔ حکم کے ساتھ، نہ کہ سپردگی کے ساتھ۔ پس اگر سپردگی کے ساتھ ہو اور وہ اخروی ہو تو بھلائی کی نیت ہے۔ اور اگر طبعی ہو تو وہ خواہش ہے۔ اور اگر دنیاوی ہو تو وہ آرزو ہے۔ پس حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ تدبیر کی تین قسمیں ہیں:

پہلی:۔ مذموم (بری) دوسری:۔ مطلوب تیسری: مباح

مذموم تدبیر وہ ہے جس کے ساتھ پختہ اور مضبوط ارادہ ہو۔ خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی۔ اس وجہ سے کہ اس میں ادب کی کمی ہے۔ اور جلدی کرنے کی وجہ سے تدبیر کرنے والے کی ذات کے لئے تکلیف اور تھکن ہے۔ اس لئے کہ اللہ حی و قیوم تیرے لئے جتنی بہتر اور مضبوط تدبیر کرے گا۔ اتنی بہتر تدبیر تم اپنی ذات کے لئے نہ کر سکو گے۔ اور اکثر تدبیر جو تم اپنی ذات کے لئے کرو گے، تقدیر اس سے موافقت نہ کرے گی۔ اور ان تدبیروں کے پیچھے غم اور کدورتیں لگی رہیں گی۔

اسی لئے حضرت [illegible] جس شخص نے تدبیر چھوڑ دی، وہ راحت و

آرام میں ہے۔

اور حضرت سہل بن عبداللہ نے فرمایا ہے:۔ تدبیر اور اختیار کو ترک کر دو۔ کیونکہ یہ دونوں، آدمیوں کے عیش و آرام کو خراب اور تلخ کر دیتے ہیں۔ اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

"اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الرَّوْحَ وَ الرَّاحَةَ فِي الرِّضىٰ وَالْيَقِيْنِ"

اللہ تعالیٰ نے خوشی اور آرام رضا اور یقین میں بنایا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا ہے:۔ اپنے امور سے کچھ نہ اختیار کرو۔ اور اختیار نہ کرنا اختیار کرو۔ اور اس مختار سے، اور اپنے فرار سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ

"اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے نیز فرمایا اگر تدبیر ضروری ہو تو یہ تدبیر کرو کہ کچھ تدبیر نہ کرو"

نیز بزرگوں کا قول ہے:۔ جس شخص نے تدبیر نہیں کی۔ اس کے لئے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) تدبیر کی گئی۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علیؒ نے فرمایا ہے:۔ ولی کامل کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ صرف اسی حال کا محتاج ہوتا ہے جس میں اس کو مولا سے حقیقی اس کو قائم کرتا ہے اور اس کی مراد صرف وہ ہے جو قدرت کی اصل سے ظاہر ہوتا ہے۔

پس ان بزرگوں کا کلام اس تدبیر پر صادق ہوتا ہے جو یقین اور مضبوط ارادے کے ساتھ نفس کے لئے ہو اور جو تدبیر سپردگی کے ساتھ ہو وہ بری نہیں ہے۔ اگرچہ لمبی نہ ہو۔

مطلوب تدبیر:۔ وہ مشیت الٰہی کی سپردگی اور اس کی قدرت کی طرف توجہ کے ساتھ ان فرائض اور واجبات کی، جن کی پابندی کا تم کو حکم دیا گیا ہے۔ اور ان طاعتوں کی، جن کی طرف تم کو دعوت دی گئی ہے۔ تدبیر کرنی ہے اور اس تدبیر کا نام صالح نیت رکھا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ

اس کی قدرت سے جو ظاہر ہو۔ اس پر نظر رکھتے ہوئے ان معاملات میں سے کسی شے پر بھروسہ کئے بغیر تدبیر کرنا۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کے اس قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اَلتَّدْبِیْرُ نِصْفُ الْعَیْشِ "تدبیر آدمی زندگی ہے"

اس شرط کے ساتھ کہ کیے بعد دیگرے متواتر تدبیر کرتے رہنا فکر اور پریشانی میں نہ ڈالے۔ لہٰذا اس قدر تدبیر مباح ہے، کہ اس کا گزر دل پر اس طرح ہو جیسے ہوا ایک کھڑکی سے داخل ہوتی ہے اور دوسری کھڑکی سے نکل جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہو کر تدبیر کرنا یہی ہے اور یہ عارفین محققین کی شان ہے۔

اور اس تدبیر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تدبیر کا نتیجہ الٹا اور خلاف ظاہر ہوتا ہے تو دل کو کچھ فکر اور پریشانی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس کا حال اس شعر کے مطابق ہوتا ہے:۔

سَلِّمْ لِسَلْمٰی وَ سِرْ حَیْثُ سَارَتْ وَاتَّبِعْ رِیَاحَ الْقَضَا وَ دُرْ حَیْثُ دَارَتْ

"تم سلمٰی کے فرمان بردار رہو۔ اور جہاں وہ گئی تم بھی وہیں جاؤ۔ اور قضا کی ہوا کے پیچھے چلو۔ اور جدھر وہ پھرتی ہے تم بھی ادھر ہی پھر جاؤ۔"

مصنف ؒ نے تنویر میں فرمایا ہے:۔ فائدہ:۔ جاننا چاہیے، کہ اشیاء اپنے نتیجے کے اعتبار سے بری اور اچھی کہی جاتی ہیں۔ لہٰذا بری تدبیر وہ ہے جو تم کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔ اور اس کی خدمت انجام دینے کے قابل نہ رکھے۔ اور اس کے معاملے سے تم کو روک دے۔ اور اچھی تدبیر وہ ہو جو تم کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا مندی تک پہنچا دے۔ تدبیر کے متعلق جو کچھ میرے اوپر ظاہر ہوا، وہ میں نے یہاں تحریر کیا۔ اور حضرت مصنف ؒ نے تدبیر کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کا نام "التنویر فی اسقاط التدبیر" رکھا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے تدبیر کے بارے میں بہت حسن و خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس کتاب کا مرجع وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور جب میں نے اس کتاب کو مکمل کیا، تو ولی کامل سیدی حضرت یاقوت العرشی کو خبر ہوئی۔

انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا، اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ اس کو انہوں نے دو اشعار میں
بیان فرمایا۔ وہ یہ ہیں۔

فَمَا ثَمَّ إِلَّا مَا أَرَادَ فَاتْرُكْ هُمُومَكَ وَاطْرَحْ

"یہاں صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے۔ لہذا اپنی فکروں کو ترک کر کے خاموش
پڑے رہو"

وَدَعْ عَنْكَ أَشْغَالَكَ الَّتِي شُغِلْتَ بِهَا تَسْتَرِحْ

"اور جن تدبیروں میں تم مشغول ہو۔ انہیں ترک کر کے آرام حاصل کرو"

اور چونکہ تدبیر اور اختیار میں کوشش اور مشغولیت، بصیرت کے ختم ہونے کی دلیل ہے اور
دونوں کو ترک کر دینا، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو کر ان کا اختیار کرنا، بصیرت کے کھلنے کی دلیل
ہے۔ اس لئے مصنف ؒ نے دوسری علامت بیان فرمائی، جو بصیرت کے کھلنے یا ختم ہونے کی زیادہ
واضح اور مشہور علامت ہے۔

چنانچہ فرمایا:-

اِجْتِهَادُكَ فِيمَا ضُمِنَ لَكَ، وَتَقْصِيرُكَ فِيمَا طُلِبَ مِنْكَ، دَلِيلٌ عَلَى انْطِمَاسِ الْبَصِيرَةِ مِنْكَ

"تمہارے لئے جن اشیاء کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ ان کے لئے تمہارا کوشش کرنا، اور
جو چیزیں اس نے تم سے طلب کی ہیں۔ ان میں تمہارا کوتاہی کرنا، تمہاری بصیرت کے اندھی ہونے
کی دلیل ہے"۔

بصیرت اور اس کی مختلف تعبیرات

میں کہتا ہوں:- بصیرت۔ قلب کی آنکھ کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ بصر، سر کی آنکھ کو۔ یا
بصیرت، حقیقت کو دیکھتی ہے اور بصر، محسوس کو۔

یا اس طرح کہو: بصیرت لطیف کو دیکھتی ہے اور بصر، کثیف کو۔

یا اس طرح کہو: بصیرت [illegible] دیکھتی ہے اور بصر [illegible]

یا اس طرح کہو: بصیرت خالق کو دیکھتی ہے اور بصر مخلوق کو

پس جب اللہ تعالیٰ بندے کی بصیرت کو کھولنا چاہتا ہے تو اس کے ظاہر کو اپنی خدمت میں اور اس کے باطن کو اپنی محبت میں مشغول کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے باطن میں محبت اور ظاہر میں خدمت بڑھتی ہے۔ ویسے ویسے بصیرت کا نور طاقتور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بصر پر غالب ہو جاتا ہے۔ اور بصر کا نور بصیرت کے نور میں غائب ہو جاتا ہے۔ لہذا لطیف حقائق اور قدیم انوار میں سے جو کچھ بصیرت دیکھتی ہے۔ بصر بھی وہی دیکھتا ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ مجذوب رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہی معنی ہے۔

غَیَّبْتُ نَظَرِیْ فِیْ نَظَرِ وَ اَفْنَیْتُ عَنْ کُلِّ فَانِیْ

''میں نے اپنی ظاہری آنکھ کو باطنی آنکھ میں گم کر دیا۔ اور کل فانی اشیاء سے میں فنا ہو گیا''۔

اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو رسوا اور بدنصیب کرنا چاہتا ہے تو اس کے ظاہر کو مخلوق کی خدمت میں اور اس کے باطن کو اس کی محبت میں مشغول کر دیتا ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ مخلوق ہی کی خدمت اور محبت میں مشغول رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بصیرت کا نور ختم ہو جاتا ہے۔ اور بصر کا نور بصیرت کے نور پر غالب ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ محسوسات ہی کو دیکھتا اور محسوسات ہی کی خدمت کرتا ہے۔ اور تقدیر میں مقرر شدہ روزی جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے اسی کی تلاش میں کوشش کرتا ہے۔ اور ان فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ جن کے ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اس سے مطالبہ کیا ہے۔ اور اگر کوشش استغراق سے اور کوتاہی ترک سے بدل جائے (یعنی کوشش اس درجہ پر پہنچ جائے کہ ہر وقت اسی میں مشغول رہے اور فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی اس درجے پر پہنچ جائے کہ وہ ترک ہو جائیں) تو اس کی بصیرت اندھی ہو جاتی ہے۔ اور یہی کفر ہے۔ میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ دنیا طالوت کے نہر کی طرح ہے۔ اس سے صرف وہی شخص نجات پا سکتا ہے جو پانی نہ پئے یا صرف ایک چلو پئے۔ وہ شخص نجات نہیں پا سکتا ہے جس نے اپنی پیاس کے مطابق شکم سیر ہو کر پی لیا۔ اس کو بخوبی سمجھو۔ یہ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے: بصیرت بصر کی طرح ہے آنکھ میں ذرا سی چیز پڑ

جاتی ہے تو سخت تکلیف دیتی ہے۔ اور دیکھنے سے روک دیتی ہے۔ اگر چہ وہ اندھا نہ کرے۔ اسی طرح کسی شے کا وسوسہ بصیرت کے دیکھنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اور فکر کو مکدر کر دیتا ہے۔ اور اس وسوسے پر عمل کرنے کا ارادہ وہ بھلائی کو سرے سے ختم کر دیتا ہے اور اس پر عمل کرنا اس عمل کے موافق عمل کرنے والے کے اسلام کا ایک حصہ ختم کر دیتا ہے اور اسلام کے ضد کفر کو اسی مقدار میں لاتا ہے۔ پھر جب وہ ہمیشہ اس برائی پر قائم رہتا ہے۔ تو اس سے اسلام رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دنیاوی جاہ و مرتبہ کی محبت، اور آخرت کو ترک کر کے دنیا کی محبت میں مخلصوں سے دوستی، اور امت کی غیبت اور برائی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تو پورا اسلام اس سے نکل جاتا ہے۔ اور وہ اسلام سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم اس کے اسلام کے ظاہری رسوم سے دھوکا نہ کھاؤ۔ کیونکہ اس میں روح باقی نہیں ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے نیک بندوں کی محبت کا نام ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسنؒ کا کلام ختم ہوا۔

اور چونکہ جن اشیاء کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لی ہے ان کے لئے کوشش کرنی بری ہے۔ خواہ وہ نفس میں ہو یا قول میں، اور دعا کے ذریعے ہو یا کسی دوسرے ذریعے سے، اور کسی شی کے ملنے سے پہلے اس کے حاصل کرنے میں جلدی چاہنے کا نام ہی کوشش ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

لَا يَكُنْ تَأَخُّرُ أَمَدِ الْعَطَاءِ مَعَ الْإِلْحَاحِ فِي الدُّعَاءِ مُوْجِبًا لِيَأْسِكَ، فَهُوَ ضَمِنَ لَكَ الْإِجَابَةَ فِيْمَا يَخْتَارُ لَكَ، لَا فِيْمَا تَخْتَارُ لِنَفْسِكَ، وَ فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ يُرِيْدُ لَا فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ تُرِيْدُ

”بار بار عاجزی سے دعا کرنے کے باوجود دعا کے قبول ہونے اور بخشش ملنے میں تاخیر تمہاری ناامیدی کا سبب نہ ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اجابت کی ذمہ داری اس شی میں لی ہے جو تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہے۔ نہ کہ اس شی میں جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور اس وقت میں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ نہ کہ اس وقت میں جو تم چاہتے ہو۔“

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء میں ایک نام ”قیوم“ ہے اور اس کے معنی ”بہت بڑا

قائم کرنے والا ۔ بہت بڑا قائم رہنے والا ہے۔

نیز حقیقت یہ ہے کہ عرش سے فرش تک اپنی کل مخلوق کے تمام امور کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا۔ اور ہر مظہر کے لئے ایک محدود وقت اور اجل مقرر کیا۔ اور ہر شئے کے لئے ایک خاص شکل اور مقسوم روزی مقرر فرمائی۔

"فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ"

"جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے ہو سکتے ہیں۔"

لہذا جب تمہارا قلب دنیا و آخرت کی حاجتوں میں سے کسی حاجت کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ تو تم اللہ تعالیٰ کے وعدے کی طرف رجوع کرو۔ اور اس کے علم پر قناعت کرو۔ اور حرص نہ کرو۔ کیونکہ حرص میں تکلیف اور ذلت ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: لوگ اپنی حاجتیں حرص سے اور ان کے لئے کوشش میں مشغول ہو کر پوری کرتے ہیں۔ اور ہم اپنی حاجتیں زہد سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو کر پوری کرتے ہیں۔

اور اگر دعا کرنی ضروری ہو جائے تو تمہاری دعا عبادت کے لئے ہونی چاہیے۔ نہ کہ دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے۔ کیونکہ اگر تم نے دنیاوی فوائد کو ترک کر دیا تو تمہارے اوپر دنیاوی فوائد کی بارش ہوگی۔ اور اگر تمہارے اوپر طلب کا حال غالب ہو جائے اور تم کچھ طلب کرو۔ لیکن (قبولیت دعا پر یقین کرتے ہوئے) قبولیت میں تاخیر ہو جائے تو ملول نہ ہو (اس کے ملنے میں دیر ہو جائے۔ تو تم اللہ تعالیٰ پر اتہام نہ لگاؤ۔ جیسا کہ فرمایا۔

اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ

"تم لوگ مجھ سے دعا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا"

اور اللہ تعالیٰ کی بخشش سے ناامید نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی بھلائی میں سے جو تمہارے لئے چاہتا اور پسند کرتا ہے اس کی اجابت کی اس نے ضمانت لی ہے۔ اور تمہارے ساتھ یہ اس کی مہربانی اور احسان ہے کہ تمہارے اس مقصد کو جو تمہارے لائق نہیں ہے۔ وہ روک دیتا ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں فرمایا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا قَدْ عَجَزْنَا عَنْ دَفْعِ الضُّرِّ عَنْ اَنْفُسِنَا مِنْ حَیْثُ نَعْلَمُ بِمَا نَعْلَمُ۔ فَکَیْفَ لَا نَعْجِزُ عَنْ ذَالِکَ مِنْ حَیْثُ لَا نَعْلَمُ بِمَا لَا نَعْلَمُ ٥

''اے اللہ جس نقصان کا ہم کو علم ہے۔ اس کا علم ہونے کے باوجود ہم اس کو اپنی ذات سے دور کرنے سے عاجز ہیں۔ تو جس نقصان کا ہم کو علم نہیں ہے۔ ہم اس کے دور کرنے سے کیوں عاجز نہ ہوں گے۔''

بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے:۔

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ

''اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ شئی اختیار کرتا ہے جس میں ان کے لئے بھلائی ہوتی ہے۔'' ما کو موصول قرار دے کر یعنی

وَ یَخْتَارُ الْاَمْرَ الَّذِیْ لَھُمْ فِیْہِ خِیَرَتُھُمْ

وہ اس امر کو اختیار کرتا ہے جس میں ان کی بھلائی ہوتی ہے۔

اور کبھی وہ تمہاری دعا قبول کر لیتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کر دیتا ہے جو تمہارے لئے زیادہ بہتر اور مفید ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ شئی تم کو اس وقت دیتا ہے جس وقت وہ چاہتا ہے۔ نہ کہ اس وقت جس وقت تم چاہتے ہو۔

اور کبھی وہ تمہاری دعا کو تمہاری آخرت کے لئے موخر کر دیتا ہے اور وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر اور فائدہ دینے والی ہے۔ حدیث شریف میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے:۔

''مَا مِنْ دَاعٍ اِلَّا وَ ھُوَ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلَاثٍ: اِمَّا اَنْ تُعَجَّلَ لَہٗ طَلِبَتُہٗ، وَ اِمَّا اَنْ یُدَّخَرَ لَہٗ ثَوَابُھَا، وَ اِمَّا اَنْ یُصْرَفَ عَنْہُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلُھَا''

''ہر دعا کرنے والا تین صورتوں میں سے ایک کے درمیان ہوتا ہے۔ یا یہ کہ اس کی دعا فوراً پوری کر دی جائے۔ یا یہ کہ اس کی آخرت کے لئے اس کا ثواب جمع کر دیا جائے۔ یا یہ کہ اس کی دعا کے برابر برائی اس سے پھیر دی جائے۔''

حضرت شیخ عبدالعزیز مہدوی ؒ نے فرمایا ہے:۔ جس شخص نے دعا میں اپنا اختیار نہ چھوڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جو پسند کیا ہے۔ اس پر راضی نہ ہوا۔ وہ مستدرج ہے۔ ان لوگوں میں سے ہے جن کے لئے کہا گیا ہے۔ اس کی حاجت پوری کردو۔ مجھے اس کی آواز بھی سننا پسند نہیں ہے۔ اور اگر دعا اللہ تعالیٰ کے اختیار کے ساتھ ہو نہ کہ اپنے نفس کے لئے اپنے اختیار کے ساتھ، تو وہ دعا قبول کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کی مانگی ہوئی شے اس کو نہ دی جائے۔ اور اعمال کا اعتبار ان کے انجام کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

حضرت مصنف ؒ نے گزشتہ بیان میں وعدے کا پورا ہونا، اور وعدہ کی ہوئی شے کا ملنا ثابت کیا ہے۔ لیکن اس طریقے اور اس وقت پر جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اس معاملے میں تم کو سچائی اختیار کرنے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پورا کرنے کی تصدیق کرنے کا حکم دیا۔ اور تردد سے تم کو منع کیا۔ تاکہ تمہاری بصیرت پوری طرح کھل جائے۔ اور سر کے انوار روشن ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا۔

لَا يُشَكِّكَنَّكَ فِي الْوَعْدِ عَدَمُ وُقُوْعِ الْمَوْعُوْدِ وَإِنْ تَعَيَّنَ زَمَنُهُ ، لِئَلَّا يَكُوْنَ ذٰلِكَ قَدْحًا فِي بَصِيْرَتِكَ وَ اِخْمَادًا لِنُوْرِ سَرِيْرَتِكَ

"وعدہ کی ہوئی شے کا واقع نہ ہونا، وعدہ کی سچائی کے متعلق تم کو شک وشبہ میں نہ ڈالے۔ اگرچہ اس کا وقت مقرر ہو۔ تاکہ یہ شک تمہاری بصیرت میں نقص نہ پیدا کرے۔ اور تمہارے باطن کے نور کو نہ بجھا دے"

جاننا چاہیے کہ نفس، اور عقل، اور روح اور سر ایک شے ہے۔ لیکن مقاموں کے اختلاف سے نام جدا جدا ہے۔ پس جو کچھ خواہشات کے مقام سے ہے۔ اس کا ادراک کرنے والا نفس ہے۔ اور جو کچھ شرعی احکام کے مقام سے ہے۔ اس کا ادراک کرنے والی عقل ہے۔ اور جو کچھ تجلیات اور واردات کے مقام سے ہے۔ اس کا ادراک کرنے والی روح ہے۔ اور جو کچھ تحقیقات اور تمکنات کے مقام سے ہے۔ اس کا ادراک کرنے والا سر ہے۔ اور جگہ ایک ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ جب اللہ تعالیٰ نے تم سے کسی شے کا وعدہ وحی یا الہام کی زبان پر نبی یا ولی یا کسی خاندانی بزرگ کے ذریعے سے کیا۔ تو اے مرید! اگر تم صدیق ہو تو اس میں شک نہ کرو۔ پس اگر

اس کا وقت مقرر نہیں ہوا ہے۔ تو وعدہ وسیع ہے۔ اور زمانہ کبھی لمبا ہوتا ہے۔ اور کبھی مختصر۔ لہٰذا اس کے واقع ہونے میں شک نہ کرو۔ اگرچہ زمانہ لمبا ہو جائے۔ کیونکہ سیدنا حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کی بددعا فرعون کے حق میں کلام الٰہی کے مطابق:۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ "اے ہمارے رب! تو ان کے مالوں کو برباد کر دے۔" اور عذاب نازل ہونے کا درمیانی وقفہ بیان کی ہوئی روایات کے مطابق چالیس سال ہے۔

اور اگر اس کا وقت مقرر ہے۔ لیکن وہ اپنے وقت پر پورا نہیں ہوا۔ تو بھی تم اس کے پورا ہونے میں شک نہ کرو کیونکہ کبھی یہ غیبی اسباب و التزامات پر مرتب ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس کی یا ولی سے پوشیدہ رکھا ہے۔ تاکہ اپنی طاقت کا غلبہ اور اپنی حکمت ظاہر کرے۔

سیدنا حضرت یونس علیہ السلام کے معاملے میں غور کرو۔ انہوں نے اپنی قوم کو عذاب کی خبر دی۔ اور ان کے پاس سے چلے گئے۔ لیکن عذاب ان لوگوں کے اسلام نہ قبول کرنے پر موقوف تھا۔ لہٰذا جب ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ تو عذاب ٹل گیا۔ اور اسی طرح سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کا معاملہ۔ جب انہوں نے کہا

اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

"میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ اور تیرا وعدہ حق ہے"

پس وہ عموم کے ظاہر سے واقف تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

"وہ آپ کے اہل میں سے نہیں ہے۔ وہ صالح نہیں ہے۔"

اور ہم نے آپ کے اہل میں سے صالح کی نجات کا وعدہ کیا تھا۔ اگر آپ نے اس وعدے کو عام سمجھ لیا۔ تو ہمارا علم بہت وسیع ہے۔

اور چونکہ یہ پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ اس لئے انبیاء و مرسلین علیہم السلام، اور اکابر صدیقین رضی اللہ عنہم ظاہر وعدے پر مطمئن نہیں ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی پریشانی اور بیقراری دور نہیں ہوتی ہے۔ اور غیر اللہ کے ساتھ [illegible] اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت، اور اس

سے کے قہر کے نافذ ہونے کی طرف نظر رکھتے ہیں۔

اور اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ قول ہے:۔

وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا

"جن چیزوں کو تم لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک کرتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا ہوں مگر یہ کہ میرا رب چاہے میرے وسیع ہے اور سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ قول:۔

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا

"اور مجھ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ میں کفر میں پھر لوٹوں۔ مگر یہ کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ چاہے۔ ہمارا رب ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔"

اور اسی قسم میں سے ہمارے نبی کریم ﷺ کا معاملہ ہے۔ جب کہ آپ نے غزوہ بدر کے دن دعا فرمائی۔ یہاں تک کہ آپ کی چادر مبارک گر گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ وَعْدَكَ وَعَهْدَكَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ

"اے میرے اللہ! اپنا وعدہ اور عہد پورا کر۔ اے میرے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک کر دی گئی۔ تو آج کے بعد کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا:۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے لئے اتنا کافی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے۔ وہ پورا کرے گا۔

پس حضرت نبی کریم ﷺ کی نظر ظاہر وعدہ کے ساتھ نہ ٹھہرنے کی بناء پر زیادہ وسیع تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ظاہر وعدہ کے ساتھ ٹھہر گئے تھے۔ اور دونوں حق پر تھے۔ لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کی نظر زیادہ وسیع اور علم زیادہ کامل تھا۔

لیکن صلح حدیبیہ کا معاملہ تو اس میں وعدے کا وقت نہیں مقرر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا "پس اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے جو تم لوگ نہیں جانتے ہو۔" اور جب حضرت عمرؓ نے کہا:۔

اَلَمْ تُخْبِرْنَا اِنَّا نَدْخُلُهَا مَكَّةَ

"کیا آپ نے ہم کو یہ خبر نہیں دی تھی کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے"

تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"فَقَالَ لَہُ:۔ اَقُلْتُ لَكَ هٰذَا الْعَامَ ؟ فَقَالَ لَا، فَقَالَ: اِنَّكَ دَاخِلُهَا وَ مُطَوِّفٌ بِهَا"

"کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اس سال داخل ہو گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا۔ نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ بیشک تم کعبے میں داخل ہو گے۔ اور اس کا طواف کرو گے۔"

لہذا اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا۔ تم یقین اور اعتقاد کے ساتھ اس کی تصدیق کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے اولیائے کرام کے ساتھ خصوصاً اپنے شیخ کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ اور دل میں پوشیدہ طور پر جھٹلانے یا شک و شبہ کرنے سے پرہیز کرو۔ ورنہ یہ تمہاری بصیرت کو کمزور کر دے گا۔ بلکہ کبھی اس کو اندھا ہی کر دے گا۔ اور تمہارے روحانی نور کو بجھا دے گا۔ پھر تم جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ گے۔ اور جو عمارت تم نے بنائی ہے وہ گر جائے گی۔ لہذا وعدے کی تاویل کرو۔ اور نکلنے کے لئے بہتر جگہ تلاش کرو۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے:۔ ہم نے جو کہا۔ اگر وہ ہو گیا۔ تو ہم ایک مرتبہ خوش ہوئے۔ اور اگر وہ نہیں ہوا۔ تو ہم دس مرتبہ خوش ہوئے۔ ایسا ان کی نظر میں وسعت اور معرفت میں ثابت ہونے کی وجہ سے ہے۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کو قضا کے نازل ہونے کی خبر دیتا ہے۔ لیکن لطف کے نازل ہونے کی خبر نہیں دیتا ہے۔ تو یہ قضا لطف کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ اور اتنی ہلکی اور آسان ہو کر نازل ہوتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ کچھ نہیں نازل ہوا۔

اور ہم نے اس کا اور اس سے پہلے جو ہمارے ساتھ اور ہمارے شیوخ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آیا اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ لہذا ہمارا صدق کم نہیں ہوا۔ اور ہمارا روحانی نور نہیں بجھا۔ یہ ہمارے رب اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کا شکر ہے۔

تنبیہ:۔ ہمارے شیخ [illegible] پر اعتراض کرتے تھے۔ وہ

کہتے تھے:۔ وقت مقرر کرنے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اگر وحی کے ذریعے ہو تو وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا۔ اور اگر الہام کے ذریعے ہو تو الہام میں شک کرنے سے بصیرت میں کمی لازم نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ الہام پر ایمان لانا واجب نہیں ہے۔

میں نے جواب دیا:۔ ہمارا کلام سچے مریدین کے لئے ہے۔ خواہ وہ سائرین ہوں یا واصلین۔ اور ان لوگوں سے اپنے شیوخ کی ہر بات کی تصدیق کا اقرار (یعنی بیعت) لیا گیا ہے۔ اور اس لئے کہ مشائخ کرام، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ پس انبیاء علیہم السلام کے لئے احکام کی وحی ہے۔ اور اولیاء رضی اللہ عنہم کے لئے الہام کی وحی ہے۔ کیونکہ قلوب جب غیر اللہ کی کدورتوں سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں اور انوار و اسرار سے بھر جاتے ہیں تو ان میں صرف اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب وہ وعدہ یا وعید کی کوئی بات کہیں۔ تو مرید پر اس کی تصدیق واجب ہے۔ کیونکہ اگر اس وعدے میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے یا اس کے شیخ کی زبان سے کیا ہے۔ اس کو شک اور تردد پیدا ہوگا۔ تو یہ اس کی بصیرت میں کمی کا سبب ہوگا اور اس کے روحانی نور کو بجھا دے گا۔

پس اگر اس کے لئے وقت نہ مقرر ہوا ہو تو اس کے واقع ہونے کا انتظار کرے۔ اگرچہ طویل زمانے تک انتظار کرنا پڑے۔ اور اگر اس وعدے کے لئے وقت مقرر کیا گیا ہو۔ لیکن وہ اپنے وقت پر پورا نہ ہوا ہو۔ تو اس کے بارے میں بہتر تاویل کرے۔ جیسا کہ انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معاملات میں اسباب اور پوشیدہ التزامات کی بنا پر وعدے میں تاخیر اور توقف پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اور صدیق اور صادق کے درمیان اسی سے فرق و امتیاز کیا جاتا ہے۔ کیونکہ صدیق تردد اور تعجب نہیں کرتا ہے۔ اور صادق پہلے تردد کرتا ہے۔ بعد میں یقین کرتا ہے اور اگر خرق عادت یعنی کرامت دیکھتا ہے تو حیرت و تعجب کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور چونکہ قہری تعرفات (علامات) جن کا ظاہر جلال ہے۔ اور ان کا باطن جمال ہے۔ اس لئے کہ ان کے بعد کمال کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ اکثر اوقات مرید ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے وعدے کے اور ان کے نتیجے میں ۔۔۔ شک و شبہے میں پڑ جاتا

ہے۔اس لئے حضرت مصنف ؒ نے اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

إِذَا فَتَحَ لَكَ وِجْهَةً مِّنَ التَّعَرُّفِ فَلَا تُبَالِ مَعَهَا إِنْ قَلَّ عَمَلُكَ. فَإِنَّهُ مَا فَتَحَهَا لَكَ إِلَّا وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَتَعَرَّفَ إِلَيْكَ، أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ التَّعَرُّفَ هُوَ مُوْرِدُهُ عَلَيْكَ، وَالْأَعْمَالُ أَنْتَ مُهْدِيهَا إِلَيْهِ؟ وَأَيْنَ مَا تُهْدِيهِ إِلَيْهِ مِمَّا هُوَ مُوْرِدُهُ إِلَيْكَ؟

"جب اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر معرفت کا کوئی دروازہ کھولے۔ اور اس کی وجہ سے اگر تمہارا عمل کم ہوجائے تو تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ کیونکہ اس نے وہ دروازہ تمہارے اوپر اس لئے کھولا ہے۔ کہ وہ تم کو اپنی پہچان کرانی چاہتا ہے۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ تمہارے اوپر معرفت کا وارد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کی طرف اعمال کا ہدیہ بھیجنے والے تم ہو؟ اور اس کی طرف تمہارے ہدیہ اور تمہاری طرف اس کے عطیہ میں کیا مناسبت ہے؟"

میں کہتا ہوں:۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے اسم پاک "جلیل" یا اپنے اسم پاک "قہار" کے ساتھ تیرے اوپر اپنی تجلی ظاہر کرے تو اور اس تجلی سے تیرے اوپر کوئی دروازہ کھولے تا کہ تو اس دروازے سے اس کو پہچانے۔ تو تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر مہربانی کی ہے۔ اور تجھ کو اپنے قرب کے لئے پسند کرنے اور اپنی بارگاہ قدس کے لئے منتخب کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ لہذا تو تسلیم و رضا کے ساتھ اس کے آداب کو لازم پکڑ۔ اور فرحت وخوشی کے ساتھ اس کے سامنے حاضر رہ۔ اور اس جلالی وقہاری شان کی تجلی اور اس کے سامنے ادب اور تسلیم ورضا کے حاضر رہنے میں جو جسمانی اعمال تجھ سے فوت ہوجائیں۔ تو اس کا غم نہ کر۔ کیونکہ جسمانی اعمال قلبی اعمال کے لئے وسیلہ ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کا یہ دروازہ تیرے اوپر اس لئے کھولا ہے۔ تا کہ وہ تیرے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا دینا چاہتا ہے۔ کیا تو نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا ہے کہ یہ تعرفات جلالی تیرے اوپر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ تا کہ تو اس کی بارگاہ قدس میں داخل ہوجائے۔ اور جسمانی اعمال تو اس لئے بطور ہدیہ اس کے پاس بھیج رہا ہے۔ تا کہ اس کے ذریعے تو اس کے پاس پہنچ جائے۔ اور مدخولہ (کھوٹے) اعمال، اور معلولہ (ناقص) احوال کا جو ہدیہ تو بھیج رہا ہے۔ اور معارف ربانی اور علوم لدنی کا جو تحفہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو عطا فرمایا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

لہذا اے مریدؑ تم اپنے نفس کو اس سے راضی اور خوش رکھو۔ کیونکہ جلالی تعرفات اور قہری حادثات بیماریاں، اور ہر قسم کے درد، اور غمیاں، اور خوف وخطر، اور وہ تمام چیزیں جو نفس پر گراں گزرتی اور اس کو تکلیف دیتی ہیں۔ اور مثلاً محتاجی، اور ذلت اور مخلوق کی ایذا رسانی، اور اس کے علاوہ وہ چیزیں جو نفس کو ناگوار اور ناپسند ہوتی ہیں۔ ان امور میں سے جو بھی تمہارے اوپر نازل ہوا ہے۔ وہ بہت بڑی نعمت اور نہایت قیمتی بخشش ہے۔ اور وہ تمہارے صدق اخلاص کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ جتنا بڑا صدق ہوگا۔ اتنا ہی بڑا تعرف ہوگا۔

اَشَدُّكُمْ بَلَاءً۔ اَلْاَنْبِيَاءُ فَالْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ

''تم میں سب سے زیادہ بلائیں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر نازل ہوتی ہیں۔ پھر جو ان سے زیادہ مشابہ (یعنی ان کی اتباع کرنے والے ہیں) پھر ان کے بعد جو ان سے مشابہ (یعنی ان کی اتباع کرنے والے ہیں''۔ (اتباع کی مناسبت سے بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ جتنی زیادہ اتباع ہوتی ہے۔ اتنی ہی زیادہ بلائیں نازل ہوتی ہیں) بس صدق، متبوع (پیشوا) ہے۔ اور تعرفات (بلائیں) اس کی تابع (پیچھے چلنے والی) ہیں۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے درمیان دوری کے فاصلے کو لپیٹنا چاہتا ہے۔ تو اس کے اوپر بلائیں مسلط کرتا ہے تاکہ وہ خالص اور کثافتوں سے پاک وصاف ہوکر بارگاہ الٰہی کے لائق ہو جائے جیسا کہ چاندی اور سونا آگ میں جلا کر صاف کیا جاتا ہے تاکہ بادشاہ کے خزانے میں رکھنے کے لائق ہو جائے۔ اور اسی بناء پر عارفین ہمیشہ ان بلاؤں سے خوش ہوتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بخششیں اور نعمتیں حاصل کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی عمرانی رضی اللہ عنہ نے بلاؤں کا نام شب قدر رکھا تھا۔ اور فرماتے تھے:۔ اس کا ہر گوشہ شب قدر ہے۔ جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے ذریعے بندہ قلوب کے اعمال کا مزہ چکھتا ہے۔ اور قلوب کے اعمال کا ایک ذرہ بدن کے پہاڑ جیسے اعمال سے افضل ہے۔ اور میں نے اس کے بارے میں دو اشعار کہے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

إِذَا طَرَقَتْ بَابِي مِنَ الدَّهْرِ فَاقَةٌ   فَتَحْتُ لَهَا بَابَ الْمَسَرَّةِ وَالْبِشْرِ

"زندگی میں جب کسی فاقہ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا تو میں نے اس کیلئے مسرت اور خوشی کا دروازہ کھول دیا"

وَقُلْتُ لَهَا أَهْلًا وَ سَهْلًا وَ مَرْحَبًا   فَوَقْتُكَ عِنْدِي أَحْظَى مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

"اور میں نے اس سے کہا: تم بہت خوب آئے۔ تمہارا آنا مبارک ہو۔ تمہارا وقت میرے نزدیک شب قدر سے زیادہ مفید اور افضل ہے"۔

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تصرفات جلالیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے۔ اور انسان کے پرکھنے کے لئے کسوٹی ہے۔ اور کسوٹی ہی کے ذریعے چاندی اور سونا پرکھ کر پیتل اور تانبے سے الگ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بہت سے جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں جو اپنی زبان سے معرفت اور یقین کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن جب قضاوقدر کی آندھیاں ان کے اوپر پہنچ جاتی ہیں تو ان کو مایوسی اور انکار کے گڑھوں میں ڈال دیتی ہیں۔ جس نے بھی ایسی شئی کا دعویٰ کیا جو اس میں نہیں ہے تو امتحان کے گواہوں نے اس کو ذلیل و رسوا کر دیا۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:۔ ان لوگوں کے حال پر بہت سخت تعجب ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے طلبگار رہتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی صفات جلالی کی تجلی سے ان کو بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے اپنی معرفت ان کو عطا کرنا چاہتا ہے تو وہ بھاگتے اور انکار کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ حضرت بوزیدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ تصرفات جلالیہ کی تین قسمیں ہیں۔
پہلی قسم:۔ سزا دینی اور ہٹا دینا ہے۔ دوسری قسم: ادب سکھانا اور خبردار کرنا ہے۔
تیسری قسم: زیادتی اور ترقی دینی ہے۔

پہلی قسم

سزا دینی اور ہٹا دینا: وہ یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کیساتھ بے ادبی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے کے لئے بلا میں مبتلا کرتا ہے۔ پس وہ اس میں مبتلا ہو کر جہالت و نارائنی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

سے ناراض ہوتا ہے۔ مایوس ہوتا ہے اور منکر ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا اور اس کی بارگاہ اقدس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

دوسری قسم

ادب سکھانا اور خبردار کرنا:۔ وہ یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو ادب سکھانے اور تنبیہ کرنے کے لئے بلا میں مبتلا کرتا ہے۔ پس وہ اس بلا میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔ اور اپنی بے ادبی سے خبردار، اور اپنی غفلت سے ہوشیار ہو جاتا ہے۔ لہذا ابلا اور مصیبت کے مظہر میں یہ تصرف جلالی اس کے حق میں نعمت ہے۔

تیسری قسم

زیادتی اور ترقی دینا: وہ یہ ہے کہ اس کے اوپر تصرفات جلالی یعنی بلائیں بغیر کسی سبب کے نازل ہوتی ہیں۔ پس وہ ان بلاؤں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے آداب کا پورا لحاظ رکھتا ہے۔ اور اس کے ذریعے رسوخ و تمکین (معرفت الٰہی میں مضبوطی کے ساتھ قائم ہونے) کے مقام پر ترقی کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے:

بِقَدْرِ الْإِمْتِحَانِ يَكُوْنُ الْإِمْكَانُ

''امتحان کے مطابق درجات کی بلندی ہوتی ہے''

نیز فرمایا ہے: إِخْتِبَارُ الْبَاقِيْ بِقَطْعِ الْبَاقِيْ ''اللہ باقی کا امتحان بندے کے باقی رہنے کو ختم کر دیتا ہے''۔

فائدہ: اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے اوپر جلال آسان ہو جائے تو تم اس کی ضد کے ساتھ اس کا مقابلہ (سامنا) کرو۔ اور اس کی ضد جمال ہے۔ تو جلال فوراً جمال سے بدل جائے گا۔ یعنی جمال کی صورت اختیار کر لے گا۔ اور اس کی صورت یہ ہے:۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے اسم پاک ''قابض'' کے ساتھ تمہارے ظاہر میں تجلی کرے۔ تو تم اپنے باطن میں بسط پیدا کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ اور جب وہ اپنے اسم پاک ''عزیز'' تمہارے ظاہر میں

تجلی کرے تو تم اپنے باطن میں ذلت پیدا کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ اور جب وہ اپنے اسم پاک "قوی" کے ساتھ تمہارے ظاہر میں تجلی کرے تو تم اپنے باطن میں کمزوری کی کیفیت پیدا کر کے اس کا سامنا کرو۔ اسی طرح ہر صفت کی تجلی کا مقابلہ اس کی ضد سے قدرت اور حکمت کے ساتھ قائم رہتے ہوئے کرو۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:۔ حقیقت صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر تم نے شہد سمجھ کر پیا ہے تو تم اس کو شہد پاؤ گے۔ اور اگر دودھ سمجھ کر پیا ہے تو تم اس کو دودھ پاؤ گے۔ اور اگر اندرائن (بہت تلخ اور بدمزہ پھل) سمجھ کر پیا ہے تو تم اس کو اندرائن پاؤ گے۔ تو اے برادر! تم اس کو اچھا سمجھ کر پیو۔ تا کہ وہ تمہارے حق میں اچھا ہو۔ اور برا سمجھ کر نہ پیو۔ (یعنی اگر تم نے تصرفات جلالیہ یعنی بلاؤں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت تصور کر کے تسلیم و رضا کے ساتھ قبول کیا ہے تو وہ تمہارے حق میں نعمت ثابت ہوں گے۔ اور اگر تم نے انہیں سزا سمجھ کر برا تصور کیا ہے تو وہ تمہارے حق میں عذاب ثابت ہوں گے) لہذا اس کو اچھا سمجھو برا نہ سمجھو۔

حضرت مصنفؒ کے قول: كَمَا تُقَابِلُهُ يُقَابِلُكَ "جس طرح تم اللہ تعالیٰ سے پیش آؤ گے اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے پیش آئے گا" کا مفہوم یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چونکہ مصنفؒ نے اعمال اور ان کے نتائج کا بیان فرمایا، اور اعمال کا نتیجہ ادب ہے۔ اور ادب کا تقاضا، تدبیر و اختیار کے بغیر، اور جس میں تاخیر ہوتی ہے اس میں جلدی چاہنے اور جو جلدی ہوتا ہے اس میں تاخیر چاہنے کے بغیر قضاء و قدر کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے سکون و اطمینان ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ کا مرکز وہ شے ہے جو قدرت کی اصل سے ظاہر ہوتی ہے۔ پس یہ ادب اس کو معرفت سکھاتی ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے اعمال کی اقسام کی اکثریت اور عامل کی درستی کے ذریعے اعمال کی درستی کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا۔

تَنَوَّعَتْ أَجْنَاسُ الْأَعْمَالِ بِتَنَوُّعِ وَارِدَاتِ الْأَحْوَالِ

احوال کے واردات بہت قسم ہونے کی وجہ سے اعمال کی قسمیں بھی بہت ہیں

اعمال کا معنی یہاں جسم کی حرکت ہے۔ اور واردات و احوال کا معنی قلب کی حرکت ہے۔ پس

خاطر اور وارد اور حال ان کی جگہ ایک ہے۔ اور وہ قلب ہے۔ جب تک قلب میں ظلمانی و نورانی دونوں قسم کے خطرے یعنی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ تو جو خیال بھی پیدا ہو۔ اس کا نام خاطر رکھا گیا۔ اور جب ظلمانی خیالات فنا ہو جاتے ہیں تو جو خیال بھی پیدا ہو۔ اس کا نام وارد یا حال رکھا گیا۔ اور جب یہ ہمیشہ ایک حال میں قائم ہو جائے تو اس کا نام مقام رکھا گیا۔

میں کہتا ہوں: باطنی احوال کی اقسام زیادہ ہونے کی وجہ سے ظاہری اعمال کی اقسام بھی بہت ہوگئی ہیں۔

یا تم اس طرح کہو جسمانی اعمال قلبی احوال کے تابع ہیں۔ لہٰذا اگر قلب پر قبض (تنگی۔ رکاوٹ) وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر سکون کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر قلب پر بسط (کشادگی) وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر حرکت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ (جسم میں چستی پیدا ہوتی ہے اور اعمال سرزد ہونے لگتے ہیں) اور اگر قلب پر زہد و ورع (تقویٰ، پرہیزگاری) وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر ترک کرنے اور پیچھے ہٹ جانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر قلب پر حرص و خواہش وارد ہوتی ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر کوشش اور مشقت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر قلب پر محبت و شوق وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر شطح (خلاف شریعت باتیں کہنی) اور رقص (ناچنا، اچھلنا، کودنا وغیرہ وجد کی بے اختیاری حرکتیں) کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر قلب پر معرفت اور شہود وارد ہوتا ہے تو اس کا اثر جسمانی اعضاء پر آرام و اطمینان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سے احوال، اور احوال کے اثر سے پیدا ہونے والے اعمال ہیں۔

اور کبھی ایک قلب پر مختلف قسم کے احوال وارد ہوتے ہیں۔ تو اس کے اثر سے ظاہری اعمال بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایک قلب پر ایک حال غالب ہوتا ہے تو اس کا اثر اس کے ظاہر پر ایک قسم کے عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کسی شخص کے قلب پر قبض یعنی تنگی غالب ہوتی ہے تو اس تنگدلی کا اثر اس کے ظاہری اعمال میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب کسی شخص کے قلب پر بسط یعنی کشادگی غالب ہوتی ہے تو اس فراخدلی کا اثر اس کے ظاہری اعمال میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اور اسی طرح دوسرے احوال کی کیفیت ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

حدیث شریف میں ہے۔

إِنَّ فِي جَسَدِ بَنِي آدَمَ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

"انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔ اور وہ قلب ہے"۔

میں کہتا ہوں: اس حقیقت کی بنا پر صوفیائے کرام کے احوال مختلف ہو گئے ہیں۔ لہذا ان میں عابدین و زاہدین اور متقین و عارفین اور مریدین مختلف درجات کے لوگ ہیں۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے اپنے قواعد میں فرمایا ہے:

(قاعدہ) تسک ۔ ہر مسلک سے فضائل کو حاصل کرنا ہے اس کے علاوہ دوسرے مسلکوں کی رعایت کئے بغیر۔ پس اگر اعمال میں ثابت ہونا اختیار کیا تو وہ عابد ہے۔ اور اگر احوال کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہوا تو وہ متقی ہے۔ اور اگر سلامتی حاصل کرنے کے خیال سے ترک کی طرف متوجہ ہوا تو وہ زاہد ہے۔ اور اگر اپنے نفس کو اللہ تعالی کی مراد میں فنا کر دیا تو وہ عارف ہے۔ اور اگر اخلاق اور تعلق حاصل کیا تو وہ مرید ہے۔

دوسرا قاعدہ۔ مسلکوں کے اختلاف سے مقصد کا اختلاف لازم نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ مسلکوں کے اختلاف کے باوجود مقصد ایک ہے۔ جیسے عبادت، اور زہد اور معرفت اللہ تعالی کے قرب کے لئے مسلک ہیں۔ لیکن سب ایک دوسرے میں داخل ہیں۔ (یعنی ایک مسلک پر چلنے والے کے لئے دوسرے مسلک پر چلنا بھی ضروری ہے)۔ لہذا عارف کے لئے عبادت ضروری ہے ورنہ اس کی معرفت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے معروف کی (یعنی جس کی معرفت چاہتا ہے اس کی) عبادت نہیں کی۔ اور عارف کے لئے زہد بھی ضروری ہے ورنہ اس کے پاس کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ماسوی اللہ سے منہ نہیں پھیرا۔ اور عابد کے لئے معرفت اور زہد ضروری ہے۔ اس لئے کہ معرفت کے بغیر عبادت بالکل ناممکن ہے۔ اور زہد کے بغیر عبادت کے

لئے فرصت نہیں مل سکتی ہے۔ اور اسی طرح زاہد کے لئے بھی معرفت اور عبادت ضروری ہے۔ اس لئے کہ بغیر معرفت کے زہد بالکل ممکن نہیں ہے اور بغیر عبادت کے زہد بھی نہیں ہوسکتا ہے۔

کیونکہ بے فائدہ اور بے مقصد ایک عادت اختیار کرتا ہے۔ ہاں، جس شخص پر عمل غالب ہوا، وہ عابد ہے اور جس پر ترک غالب ہوا، وہ زاہد ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کی صفات و اختیارات کی طرف توجہ غالب ہوئی وہ عارف ہے۔ اور سب کے سب صوفی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چونکہ کل اعمال میں جن کا بیان ان کے اثر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اخلاص شرط ہے۔ لہذا مصنف ؒ نے اپنے اس قول میں اس کا بیان فرمایا:

اَلْاَعْمَالُ صُوَرٌ قَائِمَةٌ وَاَرْوَاحُهَا وُجُوْدُ سِرِّ الْاِخْلَاصِ فِيْهَا

"اعمال، قائم ہونے والی صورتیں ہیں اور ان میں اخلاص کے سر (راز) کا موجود ہونا، ان کی ارواح ہیں"۔

یہاں اعمال کا معنی: جسم یا قلب کی حرکت ہے۔ اور روح، وہ کمال جو اعمال میں معتبر ہے۔ اور اخلاص، اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے قلب کو ہر خیال اور تعلق سے خالی کرنا ہے۔ اور اخلاص کا سر، اس کا خلاصہ اور مغز ہے اور وہ صدق ہے۔ اور صدق سے مراد اختیار اور قوت سے علیحدہ ہو جانا ہے۔ اور اخلاص بغیر صدق کے مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے بغیر بھی درست ہے۔ اس لئے کہ اخلاص ریا اور شرک خفی کا مٹ جانا ہے۔ اور اخلاص کا سر یعنی صدق: عجب (خود بینی) اور نفس کے دیکھنے کا ختم ہو جانا ہے۔ کیونکہ ریا عمل کی درستی کو نقصان پہنچاتی ہے۔ (ریا کے ساتھ عمل درست نہیں ہوتا ہے) اور خود بینی اس کے کمال کمال کو نقصان پہنچاتی ہے۔ (یعنی عمل تو درست ہو جاتا ہے مگر مکمل نہیں ہوتا ہے)۔

میں کہتا ہوں۔ کل اعمال صورت اور جسم ہیں۔ اور ان کی روح، ان میں اخلاص کا موجود ہونا ہے۔ لہذا جس طرح بغیر روح کے صورت اور جسم ہیں۔ بلکہ مردہ ونا کارہ ہو جاتا ہے اسی طرح جسمانی وقلبی اعمال ان میں اخلاص کے بغیر قائم نہیں رہتے ہیں۔ بلکہ وہ صرف صورتیں اور شکلیں رہ جاتی ہیں۔ جن کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ

ان لوگوں کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت مخلص ہو کر دین کو (یعنی تمام قلبی اعمال و افعال کو) اس کے لئے خالص کر کے ہر شی کی طرف توجہ منقطع کر کے کریں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روایت کر کے فرمایا:

يَقُوْلُ: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ، مَنْ أَشْرَكَ مَعِيَ غَيْرِيْ، تَرَكْتُهُ وَ شَرِيْكَهُ

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ میں شریکوں سے بے نیاز ہوں۔ جس شخص نے میرے ساتھ میرے سوا کسی شی کو شریک کیا۔ تو میں نے اس کو اور اس کے شریک کو چھوڑ دیا"

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيْ الشِّرْكُ الْخَفِيُّ، وَ هُوَ الرِّيَا

"سب سے خوفناک شی جس سے میں اپنی امت کے لئے ڈرتا ہوں شرک خفی ہے اور وہ ریا ہے"

اور ایک دوسری روایت میں ہے:۔

إِتَّقُوْا هٰذَا الشِّرْكَ الْخَفِيَّ، فَإِنَّهُ يَدِبُّ دَبِيْبَ النَّمْلِ، قِيْلَ: وَمَا الشِّرْكُ الْخَفِيُّ؟ قَالَ: اَلرِّيَاءُ"

"اس شرک خفی سے بچو۔ کیونکہ یہ چیونٹی کے رینگنے کی طرح رینگتا ہے" دریافت کیا گیا: شرک خفی کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ریا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ تک مسلسل ہے:

إِنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْإِخْلَاصِ، فَقَالَ حَتّٰى أَسْأَلَ جِبْرِيْلَ، فَلَمَّا سَأَلَهُ، قَالَ حَتّٰى أَسْأَلَ رَبَّ الْعِزَّةِ، فَلَمَّا سَأَلَهُ، قَالَ لَهُ: هُوَ سِرٌّ مِنْ أَسْرَارِيْ أَوْدِعُهُ قَلْبَ مَنْ أَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِيْ، لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكْتُبُهُ، وَلَا شَيْطَانٌ فَيُفْسِدَهُ"

"حضرت رسول اکرم ﷺ سے اخلاص کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس کے بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا جب تک میں حضرت جبرائیل سے نہ

دریافت کرلوں۔ پس جب آپ ﷺ نے جبرائیل سے دریافت فرمایا۔ تو حضرت جبرائیل نے کہا: میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے دریافت نہ کرلوں۔ پس جب حضرت جبرائیل نے اللہ رب العزت سے دریافت کیا۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا۔ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ میں اپنے بندوں میں سے جس سے محبت کرتا ہوں۔ اس کے قلب میں امانت کے طور پر اس کو رکھتا ہوں۔ فرشتہ کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ کہ وہ اس کو لکھے۔ اور شیطان بھی اس سے آگاہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس کو خراب کرے"۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے: یہی احسان کا مقام ہے۔ اس حدیث شریف کے مطابق:۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ

"یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے"

اخلاص کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ عوام کا اخلاص

دوسرا درجہ: خواص کا اخلاص تیسرا درجہ: خواص الخواص کا اخلاص

پہلا درجہ

عوام کا اخلاص: وہ دنیا و آخرت کے فوائد کی تلاش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملے سے مخلوق کو نکال دینا ہے۔ جیسے بدن اور مال کی حفاظت، اور روزی کی ترقی، اور حور و قصور وغیرہ۔

دوسرا درجہ

خواص کا اخلاص: وہ دنیاوی فوائد کو ترک کر کے آخرت کے فوائد کی تلاش ہے۔

تیسرا درجہ

خواص الخواص کا اخلاص: وہ دنیا و آخرت کے کل فوائد کو ترک کر دینا ہے۔ لیکن ان کی عبادت عبودیت (بندگی) میں ثابت رہنا، اور ربوبیت کے وظائف کے ساتھ قائم رہنا، اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور دیدار کا شوق ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن البنا نے فرمایا ہے۔

نے فرمایا ہے: بندہ جب مخلوق کی نگاہ سے گر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔ اور مخلوق کو حقیر اور اختیار کرنے کی حالت کے ساتھ جب مخلوق کی نگاہ میں اس کا مرتبہ بلند ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر جائے گا۔ اور میں نے اپنے شیخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: بندہ جب لوگوں سے امید کرتا اور ان سے ڈرتا ہے تو اس کا اخلاص ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے۔ نیز فرمایا: اللہ تعالیٰ سے امید بلکہ مخلوق سے امید رکھنے کے ساتھ کوئی شے نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرے اور اس کے ساتھ مخلوق کا بھی مشاہدہ کرے۔

حاصل یہ ہے کہ نفس کی کدورت سے اور دنیا کی بزرگیوں سے نجات حاصل کرنا شیخ کامل کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور چونکہ گمنامی اخلاص کے اجزا میں سے ہے اور اکثر گمنامی کے بغیر اخلاص پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے گمنامی میں شخص کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہٰذا مصنف نے اخلاص کے بعد گمنامی کا بیان فرمایا:

اِدْفِنْ وُجُوْدَكَ فِيْ اَرْضِ الْخُمُوْلِ، فَمَا نَبَتَ مِمَّا لَمْ يُدْفَنْ لَا يَتِمُّ نِتَاجُهٗ

"اپنے وجود کو گمنامی کی زمین میں دفن کر دے۔ کیونکہ جو درخت زمین میں گڑا ہوا نہیں ہوتا ہے وہ پھل پورا نہیں دیتا ہے۔"

میں کہتا ہوں۔ اے مرید! تو اپنے نفس کو پوشیدہ رکھ۔ اور اس کو گمنامی کی زمین میں دفن کر دے۔ یہاں تک کہ نفس گمنامی سے مانوس ہو جائے۔ اور اس میں لذت پائے۔ اور گمنامی اس کے لئے شہرت سے زیادہ پسندیدہ ہو جائے۔ اور شہرت اس کے لئے گمنامی سے زیادہ تلخ ہو جائے۔ کیونکہ جب تو اس کو زمین میں دفن کر دے گا اور اس کی جڑیں چاروں طرف زمین میں پھیل جائیں گی تب تو اس کا پھل پائے گا۔ اور اس کا پھل تیرے لئے نفیس اور بہترین ہوگا اور یہی اخلاص کا سر ہے۔ وہ خواص مخلوق کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ لیکن اگر تو نے اس کو دفن نہیں کیا۔ اور شہرت کی پشت پر سوار چھوڑ دیا۔ کہ وہ ہر طرف دوڑنے اور چرنے لگا ہے۔ تو اس کا درخت خشک ہو جائے گا اور اس کے پھل گر جائیں گے۔ لہٰذا جب عارفین اپنے معارف کے باغوں سے علم و حکمت اور پھل کے جو خزانے ان میں دفن ہیں وہ جب نکلیں گے تو ہمیشہ ترقی پاتے اور باقی رہیں گے۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

أَيْنَ تَنْبُتُ الْحَبَّةُ ؟ قَالُوْا: فِي الْأَرْضِ ، قَالَ: كَذَالِكَ الْحِكْمَةُ لَا تَنْبُتُ إِلَّا فِي الْقَلْبِ مِثْلَ الْأَرْضِ

"بیج کہاں اگتا ہے؟ آپ کے اصحاب نے جواب دیا: زمین میں اگتا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اسی طرح حکمت اسی قلب میں اگتی ہے جس میں زمین کی صفات (عاجزی وانکساری) ہوں"

بعض عارفین نے فرمایا ہے: جب تو اپنے نفس کو عرش زمین میں دفن کرنے لگے۔ تو تیرا قلب ہر آسمان میں بلند ہو گا۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ تَنْبُوْا عَنْهُ أَعْيُنُ النَّاسِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ فِيْ قَسَمِهٖ

"بہت سے میلے کچیلے گدڑی پوش ایسے ہیں جن کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پوری کرے گا"۔

"وَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ جَالِسًا مَعَ أَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ كَبِيْرِ بَنِيْ تَمِيْمٍ، فَمَرَّ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِلْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ: مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا؟ فَقَالَ: هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ ، حَقِيْقٌ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُزَوَّجَ ، وَإِنِ اسْتَأْذَنَ أَنْ لَا يُؤْذَنَ لَهُ، وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْمَعَ لَهُ ؛ ثُمَّ مَرَّ بِهِمَا رَجُلٌ مِنَ الْمُتْرَفِيْنَ. فَقَالَ لَهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: وَمَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا؟ فَقَالَ: هٰذَا حَقِيْقٌ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُزَوَّجَ ، وَإِنِ اسْتَأْذَنَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، وَإِنْ قَالَ أَنْ يُسْمَعَ لَهُ، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰذَا يَعْنِي الْفَقِيْرَ خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِنْ هٰذَا"

حضرت رسول کریم ﷺ قبیلہ بنو تمیم کے سردار اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اسی درمیان مسلمان فقیروں میں سے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرے۔ حضرت رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے اقرع بن حابس سے دریافت فرمایا: اس

إِنْ خُدِعْتُ مِنْ حَبِيبِي ... إِفْهَمُوا ذِي الْإِشَارَةِ
وَانْظُرُوا كِبَرَ سِنِّي ... وَالْعَصَا وَالْغَرَارَةِ

”کیا حد کی کوئی حد ہے؟ اشارہ سمجھو! اور میرے بڑھاپے اور عصا اور بورے کو دیکھو۔“

فَهَكَذَا عِشْتُ بِفَاسِي ... وَكَذَا هَانَ هَوْنِي
أَيْشُ عَلَيَّ مِنَ النَّاسِ ... وَأَيْشُ عَلَى النَّاسِ مِنِّي

”میں اسی طرح شہر فاس میں زندگی گزاری۔ اور عاجزی نے مجھ کو آرام دیا۔ کیا میرے اوپر لوگوں کا کچھ ہے۔ اور کیا لوگوں پر میرا کچھ ہے۔“

وَمَا أَحْسَنَ كَلَامَهُ ... إِذَا يَخْطُرُ فِي الْأَسْوَاقِ
وَتَرَى أَهْلَ الْحَوَانِيتِ ... تَلْتَفِتْ لُه بِالْأَعْنَاقِ

”اس کا کلام کتنا بہترین ہوتا ہے۔ جب وہ بازاروں میں گزرتا ہے اور تو دوکانداروں کو دیکھتا ہے کہ گردن اٹھا کر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔“

بِالْغَرَارَةِ فِي عُنُقُهْ ... بِعُكَيْكِزٍ وَبِغَرَافٍ

”گردن میں بورے پہنے ہوئے۔ ہاتھ میں چھوٹا عصا اور کشکول لئے ہوئے۔“

الشَّيْخُ يَبْنِي عَلَى سَاسٍ ... كَإِنْشَاءِ اللهِ يَبْنِي
أَيْشُ عَلَيَّ مِنَ النَّاسِ ... وَأَيْشُ عَلَى النَّاسِ مِنِّي

”شیخ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق بنیاد سے بناتا ہے۔ کیا میرے اوپر لوگوں کا کچھ ہے۔ اور کیا میرے اوپر لوگوں کا کچھ ہے۔“

اسی طرح اس شخص کا واقعہ ہے۔ جو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں تیس سال رہا۔ وہ ان کی صحبت اور مجلس سے کبھی جدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک روز اس نے حضرت بایزید سے عرض کیا۔ اے حضرت! میں تیس سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور دن میں روزہ رکھتا ہوں اور رات تہجد میں گزارتا ہوں۔ اور میں نے تمام خواہشات کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن معرفت اور حقیقت کے جو احوال آپ ہمیشہ بیان فرماتے ہیں۔ میں ان میں سے کچھ بھی اپنے قلب میں نہیں

پاتا ہوں۔ حالانکہ میں آپ کی ہر بات پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت بایزیدؒ نے اس سے فرمایا: اگر تم تین سو سال تک نمازیں پڑھو، اور میں تم کو جو جس حال میں دیکھتا ہوں اسی حال پر قائم رہو۔ تب بھی تم ان حالات اور کیفیات میں سے ایک ذرہ بھی نہ پاؤ گے۔ اس نے عرض کیا: یا حضرت ایسا کیوں؟ حضرت بایزید نے جواب دیا اس لئے کہ تم اپنے نفس کے ساتھ محجوب ہو۔ اس نے عرض کیا: کیا اس کے لئے کوئی ایسی دوا ہے جس سے یہ حجاب دور ہو جائے؟ حضرتؒ نے فرمایا۔ ہاں، ہے لیکن تم اس کو قبول نہ کرو گے۔ نہ اس پر عمل کرو گے۔ اس نے عرض کیا۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے میں اس کو ضرور قبول کروں گا۔ اور اس پر عمل کروں گا۔ حضرت بایزید نے اس کو حکم دیا۔ تم اسی وقت حجام کے پاس جاؤ اور اپنے سر اور داڑھی (یہ تو حرام ہے) کو منڈوا دو۔ اور یہ لباس اتار دو۔ اور ایک عبا پہن لو۔ اور اپنے گلے میں ایک توبڑا لٹکا لو۔ اس توبڑے میں اخروٹ بھر لو۔ پھر اپنے گرد لڑکوں کو جمع کر لو۔ اور بلند آواز سے کہو: اے لڑکو! جو میری گردن پر ایک گھونسہ مارے گا۔ میں اس کو ایک اخروٹ دوں گا۔ اور اسی حال میں تم اس بازار میں جاؤ جہاں تمہاری عزت و تعظیم کی جاتی ہے۔ تا کہ تمہیں پہچاننے والے اور تمہاری عزت کرنے والے لوگ تمہارا یہ حال دیکھیں۔ یہ سن کر اس نے جواب دیا۔ اے بایزید! سبحان اللہ۔ آپ مجھ جیسے آدمی سے ایسی باتیں کہتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اس قسم کے کام کروں گا؟ حضرت نے فرمایا: تمہارا سبحان اللہ کہنا شرک ہے۔ اس نے دریافت کیا: شرک کیسے؟ حضرت بایزید نے فرمایا اس لئے کہ تم نے اپنے نفس کو بڑا اور بزرگ سمجھا۔ اور اس کی تسبیح کی۔ اس نے کہا اے بایزید! جیسا آپ نے فرمایا ایسا کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔ اس لئے میں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ مجھے اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ بتایئے جو میں کر سکوں۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا: تم کو سب سے پہلے اسی طریقے پر عمل کرنا ہو گا۔ تا کہ تمہارا مرتبہ گر جائے۔ اور تمہارا نفس ذلیل ہو جائے۔ پھر اس کے بعد تمہارے لئے جو طریقہ مناسب ہو گا وہ میں تم کو بتاؤں گا۔ اس نے کہا۔ میں اس طریقے پر عمل نہ کر سکوں گا۔ حضرت نے فرمایا: تم نے کہا تھا کہ میں قبول کروں گا اور عمل کروں گا۔ اور میں یہ جانتا ہوں کہ جب تک نفس فنا نہ ہو جائے۔ اور عوام کی عادات (بشری صفات) ترک نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک کسی

بندے کے اندر اسرار غیبی کے حجابات دور کرنے کا جو سبب پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اور جب نفس فنا ہو جاتا ہے اور کل بشری عادات ترک ہو جاتی ہیں۔ اس وقت فوائد کا ظہور ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو عمران بردعی کا واقعہ ہے ان کو ان کے شیخ حضرت ابو عبد اللہ تاذری نے فاس میں حکم دیا تھا۔ سر منڈا کر عبا پہن کر [illegible] پھرا کرو۔ کیونکہ یہ ذلیل کرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا۔

اسی طرح ہمارے شیخ الشیوخ سیدی حضرت عبد الرحمن مجذوب کا واقعہ ہے: وہ لوگوں کے درختوں سے انجیر کھاتے، بازاروں میں گاتے ہوئے پھرتے تھے اور وغیرہ وہ بازاروں میں گاتے ہوئے پھرے۔ اسی طرح حضرت سیدی علی عمرانی کا واقعہ ہے۔ ان کے خراب اشیاء اختیار کرنے کے واقعات ذہن میں اسی طرح مشہور ہیں۔ جیسے پہاڑ پر لگی ہوئی آگ۔ وہ پست اور حقیر جگہوں میں رہتے تھے اور اسی حال میں انتقال فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

اسی طرح ہمارے شیخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے وہ بوریہ پہنتے تھے۔ اور مشکیزہ میں پانی بھر کر لوگوں کو پلاتے تھے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے حالات مشہور ہیں۔ سب یہ حکایتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ گمنامی وہ نہیں ہے جو عوام سمجھتے ہیں۔ جیسے غاروں میں چلے جانا اور پہاڑوں میں چلے جانا۔ محققین کے نزدیک یہ خاص شہرت ہے۔ بلکہ گمنامی وہ ہے جو حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نفس کو اس کے حقیر ترین وصف کے ساتھ پایا جائے اور نفس کو اسی وصف کا بعض احساس و شعور ہوتا ہے۔ اور نفس کا حقیر ترین وصف اس کی ذلت اور رسوائی ہے۔ اور جو شئے بھی نفس پر گراں گزرتی ہے وہ خشوع پیدا کرتی ہے۔ اور خشوع کا فائدہ عمل حاصل کرنا اور حقیقت کا نازل ہے۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ان احوال سے عوام کے نزدیک چغلی اور غیبت میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ تو میرا جواب یہ ہوگا کہ اس کی حفاظت ادب سے ہے۔ جس شخص نے بھی مذکورہ بالا خراب احوال میں سے کسی حال کو اختیار کیا ہے۔ اس نے اپنے نفس کو قتل کرنے اور اخلاص پیدا کرنے اور اپنے قلب کا علاج کرنے کی نیت سے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور صوفیائے کرام اپنے اوپر

کرتے ہیں اور اعتراض کرنے والوں سے ہمیشہ چشم پوشی کرتے اور ان کو معذور سمجھتے ہیں۔

سیدی علی نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ ہم ان لوگوں کو معذور سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے ہم کو معذور سمجھا۔ اور ان لوگوں کو بھی معذور سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے ہم کو معذور نہیں سمجھا۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے اپنے قواعد میں فرمایا ہے:

(قاعدہ): فقہ کا حکم عموم کے ساتھ عام ہے۔ اس لئے کہ اس کا مقصد دین کے طریقے کا قائم کرنا، اور اس کے منارے کا بلند کرنا، اور اس کے کلموں کا واضح کرنا ہے۔ اور تصوف کا حکم خصوصیت کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے کہ وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فقیہ کا صوفی پر اعتراض کرنا صحیح ہے۔ اور صوفی کا اعتراض فقیہ پر صحیح نہیں ہے۔ اور اس کو عام میں صوفی کا فقہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ حقائق میں نہیں۔

تنبیہ: یہ دونوں چیزیں جو ہم نے بیان کی ہیں۔ مرض کی حالت کے لئے ہے۔ لیکن جس شخص کو شفا حاصل ہو گئی اور اس کی توجہ مکمل ہو چکی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہے۔ اس کے لئے پوشیدہ کرنا اور ظاہر کرنا برابر ہے۔

حضرت ابو العباس مرسیؒ نے فرمایا ہے: جو شخص شہرت چاہتا ہے وہ شہرت کا بندہ ہے۔ اور جو پوشیدگی چاہتا ہے وہ پوشیدگی کا بندہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندے کے لئے ظاہر کرنا اور پوشیدہ کرنا برابر ہے۔ اور چونکہ دل کی بیماریوں اور نفس کی فریب کاریوں سے آگاہی فکر کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اور فکر خلوت کے بغیر کامل نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا مصنفؒ نے اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فوائد خلوت

مَا نَفَعَ الْقَلْبَ شَيْءٌ مِثْلُ عُزْلَةٍ يَدْخُلُ بِهَا مَيْدَانَ فِكْرَةٍ

''کسی خلوت کی طرح کوئی شی قلب کے لئے مفید نہیں ہے جس کے ذریعے قلب فکر کے میدان میں داخل ہو۔''

قلب: اس قوت کا نام ہے جو علم کے قبول کرنے کے لئے تیار ہوتی ہے۔

لوگوں سے معاملہ کرتا ہے۔ اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ رہتا ہے اور پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ تو عبادت کی لذت حاصل کرے۔ حالانکہ تیرا دل غیر اللہ کے ساتھ ہے۔ افسوس ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے جدود میری نگاہ سے غائب ہو گئے۔

حضرت قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: مجاہدہ کرنے والے جب اپنے قلب کو برے وسوسوں سے بچانا چاہتے ہیں تو وہ دنیا کی اچھی چیزوں کی طرف نہیں دیکھتے ہیں۔ مجاہدہ اور ریاضت کے سلسلے میں یہ ان کا بہت بڑا اصول ہے۔

چوتھا فائدہ: دنیا میں زہد اور قناعت کا حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں بندے کے لئے بزرگی اور کمال ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت کا سبب ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيْمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ

"تو دنیا سے پرہیز کر۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا۔ اور تو لوگوں کے مال و دولت سے پرہیز کر۔ لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔"

اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو شخص آدمیوں سے علیحدہ ہو جائے گا اور ان کی ان چیزوں کی طرف نہ دیکھے گا جن میں وہ دنیا کی حرص کی وجہ سے مشغول ہیں اور ان کے پیچھے دیوانوں کی طرح دوڑ رہے ہیں۔ تو وہ ان کی پیروی نہ کرے گا۔ اور برے اخلاق و عادات سے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص لوگوں سے تعلقات بھی قائم رکھے اور ان کی بری عادتوں اور خصلتوں سے محفوظ بھی رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے:

"لَا تُجَالِسُوا الْمَوْتٰى فَتَمُوْتَ قُلُوْبُكُمْ، قَالُوْا: مَنِ الْمَوْتٰى يَا رُوْحَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْمُحِبُّوْنَ فِي الدُّنْيَا الرَّاغِبُوْنَ فِيْهَا"

"تم لوگ مردوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ورنہ تمہارے قلوب مردہ ہو جائیں گے۔ آپ کے اصحاب نے دریافت کیا۔ اے روح اللہ! مردے کون لوگ ہیں؟ حضرت نے فرمایا: دنیا کی محبت اور خواہش کرنے والے مردہ ہیں۔

پانچواں فائدہ:۔ برے لوگوں کی صحبت اور کمینے لوگوں کے میل جول سے محفوظ رہنا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے میل جول رکھنے، اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بہت بڑا فساد اور خطرا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

"مَثَلُ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ الْكِيْرِ، إِذَا لَمْ يُحْرِقْكَ بِشَرَرِهِ عَلِقَ بِكَ بِرِيْحِهِ"

"برے ساتھی کی مثال بھٹی کی طرح ہے۔ اگر وہ اپنی چنگاری سے تم کو نہ بھی جلائے تو اپنی بدبو دار اور نقصان دہ ہوا تم کو ضرور لگا دے گا"۔

سیدی حضرت عبد الرحمٰن مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ برے لوگوں کی صحبت کمینہ بنا دیتی ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر صاف ستھری ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے دریافت فرمایا:۔ میں تم کو لوگوں سے کنارہ کش اور تنہا کیوں دیکھتا ہوں؟ حضرت داؤدؑ نے جواب دیا: میں نے تیری رضا مندی کے لئے مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤدؑ! بہت ہوشیاری سے اپنے لئے ساتھی تلاش کرو۔ اور جو شخص میری رضا مندی میں تمہارا ساتھ نہ دے۔ تم اس کو اپنا ساتھی نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ وہ تمہارے قلب کو سخت کر دے گا۔ اور تم کو مجھ سے دور کر دے گا۔ لہٰذا اگر تم صحبت کرنا چاہتے ہو تو حضرات صوفیائے کرام کی صحبت اختیار کرو۔ کیونکہ ان کی صحبت ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو صوفیائے کرام کی صحبت میں پہنچا دیتا ہے۔ اور قاریوں کی صحبت سے روک دیتا ہے۔ ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم، جو شخص بھی کامیاب ہوا ہے۔ وہ صرف کامیاب ہونے والوں کی صحبت سے کامیاب ہوا ہے۔

چھٹا فائدہ: عبادت اور ذکر کے لئے فرصت پانا، اور تقویٰ اور نیکی کا ارادہ کرنا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بندہ جب تنہا ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہو جاتا ہے اور عبادت اور ذکر سے غافل کرنے والے لوگوں کی ... سے ... جسم اور قلب کے ساتھ

عبادت اور ذکر میں مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ اور کتاب قوت القلوب میں مرقوم ہے: خلوت قلب کو مخلوق سے فارغ کرتی ہے۔ اور ہمت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع کرتی ہے اور ارادے کو ثابت قدمی پر مضبوط کرتی ہے۔

ساتواں فائدہ: عبادتوں کی لذت پانا، اور اپنے سر کے فارغ ہونے کی وجہ سے مناجات کی شیرینی حاصل کرتی ہے اور یہ درست اور مجرب ہے۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا ہے: سچا مرید وہ ہے جو خلوت میں ایسی لذت اور خوشی اور طاقت پائے جو اس کو محفل میں نہ ملے۔ یہاں تک کہ اس کی محبت وحدت میں اور اس کی روح خلوت میں، اور اس کے نیک اعمال راز میں ہو جائیں۔

آٹھواں فائدہ: قلب اور جسم کو آرام حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ آدمیوں سے ملنے جلنے میں ان کے کاموں کو درست کرنے کی فکر قلب کی پریشانی اور تھکن کا باعث ہوتی ہے اور ان کی غرضوں اور مرادوں کے پورا کرنے کی کوشش جسم کی تکلیف اور تھکن کا سبب ہوتی ہے۔ اور اگرچہ اس میں ثواب ہے۔ لیکن جزئی ثواب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے وہ اس سے فوت ہو جاتی ہے اور وہ اہم شئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلب کا جمع ہونا ہے۔

نواں فائدہ: ان برائیوں اور جھگڑوں میں الجھنے سے جو لوگوں کے میل جول کے لوازمات ہیں، نفس اور دین کی حفاظت ہے۔ کیونکہ جب دنیا والوں سے میل جول ہوگا تو ان سے مزاحمت اور ان کی مدافعت بھی کرنی ہوگی۔ اور ان معاملات کی فکر میں نفس کو شوق، اور کامیابی کے لئے جلد بازی ہوگی۔

اور اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

وَمَنْ يَّذُقِ الدُّنْيَا فَإِنِّيْ طَعِمْتُهَا   وَسِيْقَ إِلَيَّ عَذْبُهَا وَ عَذَابُهَا

"اور جو شخص دنیا کا مزہ چکھتا ہے اور اس کی شیرینی اور تلخی میرے سامنے آ چکی ہے"۔

فَلَمْ أَرَهَا إِلَّا غُرُوْرًا بَاطِلًا   كَمَا لَاحَ فِيْ ظَهْرِ الْفَلَاةِ

"پس میں نے اس کو بے حقیقت فریب کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ جیسا کہ ریگستان میں سراب چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے"۔

وَمَا هِيَ اِلَّا جِيفَةٌ مُسْتَحِيْلَةٌ عَلَيْهَا كِلَابٌ هَمُّهُنَّ اجْتِذَابُهَا

"وہ حال تبدیل ہونے والے مردار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے اوپر کتے اپنی طرف کھینچنے کے ارادے سے چمٹے ہوئے ہیں"۔

فَاِنْ تَجْتَنِبْهَا عِشْتَ سِلْمًا لِاَهْلِهَا وَاِنْ تَجْتَذِبْهَا نَاهَشَتْكَ كِلَابُهَا

"پس اگر تم اس سے پرہیز کرو گے تو تم اہل دنیا سے محفوظ رہو گے۔ اور اگر تم اس کو کھینچو گے تو اس کے کتے تم کو پھاڑ کھائیں گے"۔

فَطُوْبٰى لِنَفْسٍ اَوْطَنَتْ قَعْرَبَيْتِهَا مُغَلَّقَةَ الْاَبْوَابِ مُرْخًى حِجَابُهَا

"پس ایسے شخص کے لئے خوشخبری ہے جس نے اس کے گھر کے اندرونی حصے کو جب کہ اس کے دروازے بند تھے اور اس پر پردہ لٹکا ہوا تھا، پامال کر دیا"۔

دسواں فائدہ: فکر اور اعتبار کی عبادت سے تمکن (معرفت میں مضبوطی سے قائم ہونا) ہے۔ اور خلوت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ

"ایک گھڑی کی فکر ستر سال کی عبادت سے افضل ہے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے:

طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ كَلَامُهُ ذِكْرًا، وَصَمْتُهُ فِكْرًا، وَ نَظَرُهُ عِبْرَةً، وَاِنَّ اَكْيَسَ النَّاسِ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ

"اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کا کلام ذکر ہے۔ اور جس کی خاموشی فکر ہے اور جس کی نظر عبرت ہے اور بے شک سب سے زیادہ عقلمند وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو فرماں بردار کر لیا۔ اور آخرت کے لئے عمل کیا"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جو شخص آخرت کی بزرگی چاہتا ہے اس کو کثرت سے فکر کرنی چاہیے۔ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی بہترین عبادت فکر تھی۔ اور یہ اس لئے کہ فکر کے ذریعے اشیاء کی حقیقت کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی

كَيْفَ يُشْرِقُ قَلْبٌ ، صُوَرُ الْأَكْوَانِ مُنْطَبِعَةٌ فِي مِرْآتِهِ؟

"وہ قلب کیسے روشن ہوسکتا ہے جس کے آئینے میں مخلوقات کی صورتیں چھپی ہوئی ہیں؟"

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے انسان کے قلب کو صاف کئے ہوئے آئینے کی طرح بنایا ہے۔ جو چیزیں اس کے سامنے آتی ہیں۔ ان کا عکس قلب میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس آئینے کا صرف ایک رخ ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ مہربانی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی فکر کو اپنے ملکوت کے انوار، اور جبروت کے اسرار میں مشغول کر دیتا ہے اور اس کے قلب میں ظلمانی مخلوقات اور وہمی خیالات میں سے کسی شے کی محبت پیدا نہیں ہونے دیتا ہے۔ لہذا اس کے قلب کے آئینے میں ایمان اور احسان کے انوار چھپ جاتے ہیں۔ اور اس میں توحید کے چاند اور معرفت کے آفتاب ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت ششتری نے اپنے شیخ (قافیہ والے) کلام میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

بِغَمْضِ الطَّرْفِ تَرِىٰ ، وَ تَلُوْحُ أَخْبَارُكَ ، وَافْنِ عَنْ ذِي الْوَرِىٰ ، تَبْدُوْ لَكَ أَسْرَارُكَ ، وَبِصَقْلِ الْمِرْآةِ ، بِهِ يَزُوْلُ إِنْكَارُكَ

"تم آنکھ بند کرو تو تم اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھو گے۔ اور تمہاری خبریں ظاہر ہوں گی۔ اور تم مخلوق کے تعلق سے فنا ہو جاؤ تو تمہارے اوپر تمہارے اسرار ظاہر ہوں گے اور آئینے کی صفائی کے باعث تمہارا انکار زائل ہو جائے گا۔" نیز فرمایا

"اَلْفَلَكُ فِيْكَ يَدُوْرُ ، وَيُضِيْئُ وَ يَلْمَعُ ، وَالشُّمُوْسُ وَالْبُدُوْرُ ، فِيْكَ تَغِيْبُ وَ تَطْلُعُ"۔

"آسمان تیرے اندر گردش کرتا ہے اور روشن ہوتا اور چمکتا ہے۔ اور آفتاب و ماہتاب تیرے اندر غروب ہوتا اور طلوع ہوتا ہے۔"

یعنی تمہارے قلب کے آئینے کی صفائی کے سبب اللہ تعالیٰ سے تمہارا انکار ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا تم ہر شے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور پہچانتے ہو اور تمہارا قلب انوار کے آسمان کا قطب ہو جاتا ہے۔ اور اس میں توحید کے ماہتاب اور عرفان کے آفتاب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی ذلت اور رسوائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی فکر کو ظلمانی مخلوقات اور جسمانی خواہشات میں مشغول کر

دیتا ہے تو مخلوقات اس کے قلب کے آئینے میں چھپ جاتی ہیں۔ اور ظلمانی مخلوقات اور خیالی صورتوں کی وجہ سے قلب میں عرفان کے آفتاب اور ایمان کے انوار روشن ہونے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جب آہستہ آہستہ قلب میں اشیاء کی صورتیں زیادہ جمع ہو جاتی ہیں تو اس کا نور بجھ جاتا ہے۔ اور حجاب سخت ہو جاتا ہے۔ اس وقت قلب صرف محسوس ظاہر کو دیکھتا ہے اور محسوس ظاہر ہی کی فکر کرتا ہے۔ انہیں میں سے کچھ قلوب ایسے ہوتے ہیں جن کا حجاب بہت سخت ہو جاتا ہے اور ان کا نور بالکل بجھ جاتا ہے۔ لہذا وہ نور کے وجود کی اصلیت ہی سے انکار کر دیتے ہیں اور یہی کفر کا مقام ہے۔ اور میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اور انہیں میں سے کچھ قلوب ایسے ہوتے ہیں جن کا زنگ (مورچہ) کم ہوتا ہے اور ان کا حجاب باریک اور ہلکا ہوتا ہے۔ لہذا وہ نور کا اقرار کرتے ہیں مگر اس کا مشاہدہ نہیں کرتے ہیں۔ یہ عام مسلمانوں کا مقام ہے۔ اور عام مسلمانوں میں بھی ان کے یقین، ان کے دنیاوی تعلقات، اور ان کی خواہشات اور ان کے وہمی خیالات کے تناسب سے ایک دوسرے سے فرق ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ، وَإِنَّ الْإِيْمَانَ يَخْلَقُ، أَيْ يَبْلَى، كَمَا يَخْلَقُ الثَّوْبُ الْجَدِيْدُ

"بے شک قلب زنگ آلود ہوتا ہے جیسے لوہا زنگ آلود ہوتا ہے۔ اور ایمان پرانا ہوتا ہے جیسے نیا کپڑا پرانا ہوتا ہے" اور دوسری حدیث میں ہے

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِنْ هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَتْ، وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ، فَذَالِكَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ، (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ)

أَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

"بے شک جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے پھر اگر وہ اس گناہ سے باز آ جاتا اور استغفار کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ پھر گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے قلب پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہرگز نہیں، بلکہ ان کے برے اعمال کی سیاہی ان کے قلوب پر چھا گئی ہے" یا حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے جس طرح فرمایا ہو۔ اور ایک حدیث میں ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ مَصْقَلَةٌ، وَمَصْقَلَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ

"ہر چیز کے صاف کرنے کے لئے ایک چیز ہوتی ہے اور قلوب کی صاف کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے"۔

اور چونکہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ قلب کا صرف ایک رخ ہے۔ جب اس کے سامنے روشنی آتی ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کے سامنے سیاہی آتی ہے تو وہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور تاریکی اور روشنی بھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہے۔ لہذا مصنف ؒ کے تعجب کی وجہ بھی واضح ہو گئی جو انہوں نے فرمایا:

"ایمان اور احسان کے نور سے قلب کیسے روشن ہو سکتا ہے جب کہ ظلمانی مخلوق کی شکلیں قلب کے آئینے میں چھپی ہوئی ہیں"۔ اور دو مخالف چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ

"اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے ہیں" (اور جو قلب ایک ہے تو تعلق بھی ایک ہی ہوگا۔ خالق سے یا مخلوق سے)

لہذا اے فقیر! تمہارے پاس صرف ایک قلب ہے۔ جب تم اس کو مخلوق کی طرف متوجہ کرو گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر جائے گا۔ اور اگر تم اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرو گے تو وہ مخلوق کی طرف سے پھر جائے گا۔ لہذا تم عالم ملک سے عالم ملکوت کی طرف، اور عالم ملکوت سے عالم جبروت کی طرف سفر کرو۔ اور جب تک تم اس عالم میں اپنی خواہشات و عادات میں گرفتار رہو گے۔ اس وقت تک اللہ کی طرف تمہارا سفر کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ مصنف ؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اَمْ كَيْفَ يَرْحَلُ اِلَى اللّٰهِ، وَهُوَ مُكَبَّلٌ بِشَهَوَاتِهٖ؟

"یا وہ کیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کر سکتا ہے جب کہ وہ اپنی خواہشات میں گرفتار ہے"

رحیل:۔ کے معنی ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ اور یہاں مراد ہے:۔ مخلوق کے مشاہدے سے خالق کے مشاہدے کی طرف، یا ملک سے ملکوت کی طرف، یا سبب سے مسبب الاسباب کی طرف، یا غفلت کے مقام سے بیداری کے مقام کی طرف، یا نفس کے فوائد سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی طرف، یا کدورتوں کے عالم سے صفائی کے عالم کی طرف، یا ظاہر کے دیکھنے سے باطن کے دیکھنے کی طرف، یا جہالت سے معرفت کی طرف، یا علم الیقین سے عین الیقین کی طرف، یا عین الیقین سے حق الیقین کی طرف، یا مراقبہ سے مشاہدہ کی طرف، یا سائرین کے مقام سے متمکنین کے مقام کی طرف منتقل ہونا۔

میں کہتا ہوں: منتقل ہونا یا سفر کرنا، اور گرفتار ہونا دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ پس جب تک قلب دنیائے فانی کی کسی شی کی خواہش میں گرفتار ہے۔ اگر چہ وہ شریعت میں مباح ہو۔ تو وہ اس خواہش کے ساتھ اپنے مقام میں گرفتار ہے۔ لہٰذا وہ ملکوت کی طرف سفر نہیں کر سکتا ہے۔ نہ اس کے اوپر جبروت کے انوار روشن ہو سکتے ہیں۔ پس خواہشات کے ساتھ قلب کا تعلق اس کی توجہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرنے سے روکنے والا ہے۔ اور اگر سفر ہو بھی تو خواہشات کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرنے میں رکاوٹ ہوگی۔ اور تیز رفتاری کے ساتھ سفر ہو بھی تو نفسانی خواہشات کے ساتھ محبت ہونے کی وجہ سے سر کے بل گر جانے کا خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے اکابر عارفین نے خواہشات کی لذت ترک کر دی۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ قلب پر خواہشات کے ڈنک مارنے سے زخمی جسم پر بھڑوں کا ڈنک مارنا بہت آسان ہے۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں کہتا ہوں: یہ حالت اس صورت میں ہے جب کہ خواہشات کے حاصل ہونے سے پہلے اس کی طلب میں قلب کا تعلق قائم ہو جائے۔ ورنہ رکاوٹ نہیں ہے۔ کیونکہ خواہشات سے قلب کا تعلق نہیں ہے۔ اور تصوف کی حقیقت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ تمام تعلقات سے علیحدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔

ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے قلب میں خواہشات سے ذرہ برابر بھی تعلق ہے وہ عالم ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا اے برادر! تم اپنے قلب سے تعلقات کی رگوں کو کاٹ دو۔ اور رکاوٹوں کے مقام سے بھاگو۔ تب تمہارے اوپر حقائق کے انوار روشن ہوں گے۔ اسی لئے سفر اور ہجرت مرید کے لئے امر مؤکد (تاکیدی حکم) ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے ظاہری مقام میں ٹھہرنے کی وجہ سے ظاہری تعلقات سے خالی نہیں ہو سکتا ہے۔

عارفین نے فرمایا ہے: فقیر کی مثال پانی کی طرح ہے۔ جب پانی زیادہ دن تک ایک مقام پر ٹھہر جاتا ہے تو اس کا رنگ، بو اور مزہ بدل جاتا ہے اور جب وہ جاری یعنی بہتا رہتا ہے تو وہ میٹھا رہتا ہے اور ظاہری سیر کی مناسبت سے باطنی سیر ہوتی ہے اور جسم کی سیر کی مناسبت سے قلب کی سیر ہوتی ہے۔ اور ہجرت حضرت نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ جس وقت سے حضرت نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی، کبھی راحت و آرام نہیں کیا۔ ہمیشہ جہاد کے لئے سفر میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک پر شہروں کو فتح کیا۔ اور اسی طرح حضرات صحابہ کرام کا حال تھا۔ چند حضرات کے سوا سب کبھی اپنے مقام میں نہیں ٹھہرے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر اکثر شہروں کی فتح عطا فرمائی۔ اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکات سے ہم کو فیض عطا فرمائے۔ آمین۔ اور جب قلب اپنی خواہشات کے مقام سے منتقل ہو جاتا، اور اپنی غفلتوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ اپنے رب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کے قرب کے مشاہدے کی نعمت حاصل کرتا ہے۔

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

أَمْ كَيْفَ يَطْمَعُ أَنْ يَدْخُلَ حَضْرَةَ اللّٰهِ، وَهُوَ لَمْ يَتَطَهَّرْ مِنْ جَنَابَةِ غَفَلَاتِهِ؟

"یا کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں داخل ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ جب کہ وہ اپنی غفلتوں کی نجاست سے پاک نہیں ہوا"۔

حضور کسے کہتے ہیں اور اس کی اقسام

حضور:۔ کے معنی قلب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر ہونا ہے۔اور حضور کی تین قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم:۔ حضور قلب، دوسری قسم: حضور ارواح، تیسری قسم:۔ حضور اسرار۔

پہلی قسم، حضور قلب: سائرین (مقامات میں سیر کرنے والوں) کیلئے ہے۔

دوسری قسم، حضور ارواح: مستشرفین (بلند مقامات کی طرف ترقی کرنے والوں) کے لئے ہے۔

تیسری قسم، حضور اسرار: واصلین متمکنین (اللہ تعالیٰ کے حضور میں مضبوطی سے قائم ہونے والوں) کے لئے ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ حضور قلب اہل مراقبہ کے لئے اور حضور ارواح اہل مشاہدہ کے لئے اور حضور اسرار اہل مکالمہ (کلام کرنے والوں) کے لئے ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ روح جب تک غفلت اور حضور میں پھرتی ہے۔(یعنی کبھی غفلت میں ہوتی ہے اور کبھی حضور میں) تو وہ حضور قلوب کے مقام میں ہوتی ہے اور جب وہ وصال سے راحت پا جاتی ہے تو وہ حضور ارواح کے مقام میں پہنچ جاتی ہے۔اور جب تمکین کی صفت سے موصوف ہو کر اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہو جاتی ہے۔تو اس کا نام سر ہو جاتا ہے۔اور اب وہ حضور اسرار کے مقام میں ہوتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ کا حضور مقدس ومنزہ (پاک وصاف) اور بلند ہے۔اس میں صرف پاکیزہ لوگ ہی داخل ہوتے ہیں۔اس کے حضور میں ناپاک قلب کا داخل ہونا حرام ہے اور قلب کی ناپاکی اللہ تعالیٰ سے قلب کو غافل ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا

"اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔اس وقت تک کہ تم اپنی کہی ہوئی باتوں کو خوب سمجھنے لگو اور نا پاکی کی حالت میں بھی مگر یہ کہ تم سفر میں ہو۔یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔"

ہے۔ پھر رحمت کی بدلیاں اس کو اٹھا لیتی ہیں۔ اور ہدایت کی ہوا ان بدلیوں کو چلاتی ہے۔ پھر پاکیزہ نفوس کی زمین پر اس کو برساتی ہے۔ لہٰذا اس پانی سے روشن قلوب کے نالے، اور پاکیزہ ارواح کی خلیجیں بھر جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا

''اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ تو نالے اپنی وسعت کے مطابق بہنے لگے۔ پھر پانی پر جھاگ ظاہر ہوا''۔

علم نافع کی مثال

اللہ تعالیٰ نے علم نافع (فائدہ دینے والے علم) کو آسمان سے برسنے والے پانی کے مشابہ فرمایا۔ لہٰذا جس طرح بارش کے پانی سے اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق نالے اور تالاب بھر جاتے ہیں۔ اور چشمے اور نہریں بہنے لگتی ہیں۔ اسی طرح علم نافع عالم غیب کے آسمان سے عالم شہادت کی زمین پر اترتا ہے۔ تو اس علم سے قلوب کے نالے اپنے ظرف کی وسعت اور استعداد کے مطابق بہنے لگتے ہیں۔ اور جس طرح بارش کا پانی زمین کو کثافت اور گندگی سے پاک کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول ''پانی پر جھاگ ظاہر ہوا'' کا یہی مفہوم ہے۔ اسی طرح علم نافع نفس کو کثافتوں سے، اور قلب کو غیروں سے، اور روح کو کدورتوں سے، اور سر کو انوار کو آلودہ کرنے والی ظلمتوں سے پاک کرتا ہے۔ اور یہی وہ پانی ہے جس کی طرف حضرت مصنفؒ نے اپنے قول ''غیب کے پانی سے وضو کرو'' میں اشارہ فرمایا ہے۔

اور شہود: وحدت کا دیکھنا اور کثرت کی نفی کرنی ہے۔ یا عظمت کو عظمت کے ساتھ دیکھنا ہے۔ اور جو شخص اس حالت پر نہیں قائم ہوا ہے۔ اس کا غیب کے پانی سے بالکل پاک ہونا پانی نہ ہونے کی وجہ سے یا پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ناممکن ہے۔ لہٰذا وہ تیمم کرے۔ کیونکہ بیماروں اور کمزوروں کی پاکیزگی کے لئے تیمم کی اجازت ہے۔ اور اسی طرف اپنے قول ''ورنہ تیمم کرو'' میں اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی اگر تم کو قلب کی بیماری کی وجہ سے اصلی طہارت پر قدرت نہیں ہے۔ اور اصلی

فَاسْجُدْ بِهَيْبَةِ الْجَلَالِ عِنْدَ التَّدَانِي وَاقْرَأْ آيَةَ الْكَمَالِ سَبْعَ الْمَثَانِي

''قرب کے وقت جلال کی ہیبت سے سجدہ کر اور کمال کی آیت سورۂ فاتحہ کی قرأت کر''

اور حضرت حاتمی کا قول ''اگر تم عارف ہو تو خشک زمین کو سمندر کے پانی سے سیراب کرو''۔

یعنی اگر تم عارفین محققین میں سے ہو تو اپنی شریعت کی خشک زمین کو اپنی حقیقت کے سمندر سے سیراب کرو۔ اس طریقے پر کہ تم اپنی شریعت کی زمین پر اپنی حقیقت کے سمندر سے اتنا پانی چھڑکو کہ شریعت حقیقت کے پانی سے سیراب ہو جائے اور ڈوب جائے۔ پس شریعت عین حقیقت ہو جائے۔ اور حقیقت عین شریعت ہو جائے۔ یہاں تک کہ تمہارا کل کل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ وباللہ التوفیق۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اور جب قلب بارگاہ قدس اور محبت کے مقام میں داخل ہوتا ہے تو وہ اسرار کی باریکیوں کو سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور انوار سے بھر جاتا ہے۔ مصنف نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

أَمْ كَيْفَ يَرْجُوْا أَنْ يَّفْهَمَ دَقَائِقَ الْأَسْرَارِ وَهُوَ لَمْ يَتُبْ مِنْ هَفَوَاتِهِ؟

''یا وہ کس طرح اسرار کی باریکیوں کو سمجھنے کی امید کرتا ہے۔ جب کہ اس نے ابھی اپنی لغزشوں اور خطاؤں سے توبہ نہیں کی؟''

اسکی پہلی سیڑھی توبہ ہے

میں کہتا ہوں:۔ لغزشوں اور خطاؤں کے اصرار کے باوجود اسرار کی باریکیوں کی سمجھ کبھی نہیں ہو سکتی ہے۔ یا اس طرح کہا جائے:۔ توحید کی باریکیوں کی سمجھ منفرد قلب کو ہوتی ہے۔ لہذا جس شخص نے لغزشوں سے توبہ نہیں کی۔ اور خواہشات کی غلامی سے آزاد نہیں ہوا۔ وہ توحید کی باریکیاں سمجھنے کی تمنا نہیں کر سکتا اور اہل تفرید کے اسرار کا مزہ نہیں چکھ سکتا ہے۔

حضرت احمد بن ابوحواری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں نے اپنے شیخ حضرت ابوسلیمان دارانی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے: جب نفوس گناہوں کے ترک کے عادی ہو جاتے ہیں۔ تو وہ ملکوت میں گشت کرتے ہیں۔ اور ان کو نادر اور عجیب حکمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بغیر اس کے کہ کوئی عالم ان کو

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''آپ فرما دیجئے: تم لوگ غور کرو کہ آسمان اور زمین میں کیا چیزیں ہیں''۔

یعنی اس کے ملکوت کے انوار، اور اس کے جبروت کے اسرار، یا مخلوقات میں قائم حقائق کے اسرار کو دیکھو۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ احْتَجَبَ عَنْ أَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا احْتَجَبَ عَنْ أَهْلِ الْاَرْضِ، وَإِنَّ أَهْلَ الْمَلَاءِ الْاَعْلٰى لَيَطْلُبُوْنَهُ كَمَا تَطْلُبُوْنَهُ أَنْتُمْ، وَإِنَّهُ مَا حَلَّ فِي شَيْءٍ وَلَا غَابَ عَنْ شَيْءٍ

''اللہ تعالیٰ آسمان والوں سے بھی اسی طرح پوشیدہ ہے جس طرح زمین والوں سے پوشیدہ ہے۔ اور ملاء اعلیٰ والے (یعنی فرشتے) اس کو اسی طرح تلاش کرتے ہیں جس طرح تم لوگ اس کو تلاش کرتے ہو۔ اور نہ اس نے کسی شے میں حلول کیا ہے اور نہ وہ کسی شے سے غائب ہے''۔

اور یہ حقائق صرف ذوقی ہیں۔ عقل سے یا کتابوں کی ورق گردانی سے نہیں پائی جا سکتی ہے۔ یہ حقائق صرف اہل ذوق عارفین کاملین کی صحبت سے حاصل کی جاتی ہیں۔ لہذا تم ان کو تسلیم کرو۔ اور تنقید (اعتراض، نکتہ چینی) نہ کرو:

وَإِذَا لَمْ تَرَ الْهِلَالَ فَسَلِّمْ   لِأُنَاسٍ رَأَوْهُ بِالْأَبْصَارِ

''اور اگر تم نے چاند نہیں دیکھا ہے۔ تو جن لوگوں نے اس کو آنکھوں سے دیکھا ہے تم ان کو دیکھنا تسلیم کرو''۔

مشاہدہ کرنے والے تین قسم کے ہیں

پھر مصنف نے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:۔ عام، خاص، خاص الخاص:۔ چنانچہ فرمایا۔

فَمَنْ رَأَى الْكَوْنَ وَلَمْ يَشْهَدْهُ فِيْهِ، أَوْ عِنْدَهُ، أَوْ قَبْلَهُ، أَوْ بَعْدَهُ، فَقَدْ أَعْوَزَهُ وُجُوْدُ الْاَنْوَارِ، وَحُجِبَتْ عَنْهُ شُمُوْسُ الْمَعَارِفِ بِسُحُبِ الْاٰثَارِ

''پس جس شخص نے مخلوق کو دیکھا۔ لیکن اس کے اندر، یا اس کے قریب، یا اس کے آگے، یا اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کیا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اس کو انوار کے وجود نے عاجز کر دیا ہے۔ اور

اور چوتھی جگہ فرمایا:۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ

''اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے''

اور پانچویں جگہ فرمایا:۔

(وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ) ''اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کا رب انسانوں کو گھیرے ہوئے ہے''۔ اور چھٹی جگہ فرمایا:۔

(وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ) ''اور جب آپ نے مٹی پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی'' اور ساتویں جگہ فرمایا:۔

(إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ) ''بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں'' اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

أَفْضَلُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ قَوْلُ لَبِيدٍ

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

شاعروں کے کلام میں لبید شاعر کا یہ کلام سب سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے اور ہر نعمت ضرور ختم ہونے والی ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى:۔ يَا عَبْدِي مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي، فَيَقُولُ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ؟ فَيَقُولُ اللَّهُ:۔ أَمَا إِنَّهُ مَرِضَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَعُدْهُ، فَلَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ، ثُمَّ يَقُولُ:۔ يَا عَبْدِي اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، ثُمَّ يَقُولُ:۔ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِي"

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ اے میرے بندے میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا۔ اے میرے رب! میں تیری عیادت کس طرح کرتا۔ تو تو خود سارے عالم کا رب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے

مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ پھر فرمائے گا:۔ میں نے تجھ سے پانی مانگا، مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا''۔

یہ حدیث شریف اس حقیقت کی دلیل ہے کہ یہ شکلیں اور شخصیتیں صرف خیال ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لہذا یہ صرف سایہ کے مشابہ ہیں۔ حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

اَلْخَلْقُ خَلْقُكُمْ وَالْاَمْرُ اَمْرُكُمْ فَاَيُّ شَيْيءٍ اَنَا لَكُنْتُ مِنْ ظُلُلٍ

''مخلوق تمہاری مخلوق ہے۔ اور امر (روح) تمہارا امر ہے۔ پھر میں کیا شی ہوں۔ صرف سایہ ہوں''۔

مَا لِلْحِجَابِ مَكَانٌ فِي وُجُوْدِكُمْ اِلَّا بِسِرِّ حُرُوْفِ اُنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ

''تمہارے وجود میں حجاب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے مگر قول ''پہاڑ کی طرف دیکھ'' کے راز کے لئے''۔

اَنْتُمْ دَلَلْتُمْ مِّنْكُمْ وَلَكُمْ دَيْمُوْمَةٌ عَبَّرَتْ عَنْ غَامِضِ الْاَزَلِ

''تم اپنی طرف سے اور اپنے لئے راہنمائی کی۔ تمہاری دائمی قدیم ذات نے ازل کا راز سمجھایا''

عَرَفْتُ بِكُمْ هٰذَا الْخَبِيْرَ بِكُمْ اَنْتُمْ هُمْ يَا حَيَاةَ الْقَلْبِ يَا اَمَلِي

''میں نے تمہارے ذریعے اس تمہارے خبر رکھنے والے کو پہچانا۔ اے قلب کی زندگی اور اے میری تمنا! وہ تمہیں ہو''

خلق سے مراد

شرح:۔ حضرت ششتریؒ کا قول ''خلق تمہارا خلق ہے'' خلق سے مراد، صورتیں ہیں۔ اور امر سے مراد، روحوں کا راز ہے۔ یعنی مخلوق تمہاری حکمت ہے۔ اور روحیں تمہارے اسرار میں سے ایک سر ہیں۔ پس میرا وجود بالکل نہیں ہے۔ لہذا میں نے اپنی ذات پر جتنی قدرت پائی وہ تمہارے لئے پائی۔ اور اپنی ذات کو تمہارے مظاہر میں سے ایک مظہر پایا۔ اور میں تمہارے وجود کے سایوں میں سے ایک سایہ ہوں۔

پھر فرمایا:۔ تمہارے وجود میں حجاب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، یعنی محسوس حجاب کے لئے تمہارے وجود میں جگہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر تمہارے وجود میں حجاب کے لئے جگہ ہوتی تو وہ

الْعَجِيبُ، وَالْعَجَبُ لِي مِنِّي شَيْءٌ عَجِيبٌ، وَخَفَايَ أَنَا فَافْهَمْ سِرِّيَ غَرِيبٌ، فَمَنْ نَظَرَ ذَاتِي رَآنِي شَيْئًا، وَفِي جَلَاءِ ذَاتِ ظُهُورِي خَفِيٌّ، صِفَتِي لَا تَخْفَى لِمَنْ نَظَرَ، وَذَاتِي مَغْلُوقَةٌ بِتِلْكَ الصُّوَرِ، وَفِي عَيْنِ الْاِحْتِجَابِ تَرَى ظُهُورًا فِي السِّرِّ وَالْمَعْنَى خَفِيتُ لَكِنْ لِأَنَّهُ مِنْ سِرٍّ عَلِيٍّ، وَقَدْ تَحَقَّقْتُ عَلَى هٰذَا الْمَعْنَى وَهُوَ سِرِّي۔

''البتہ اخیر کے ہونے سے میرا راز ظاہر ہوا۔ اور مجھ سے مجھ میں سب سے عجیب مثال ظاہر ہوا۔ میرے سوا کوئی وجود محال ہے اور میرے سوا جو کچھ ہے، خیالی سایہ ہے۔ میرے علاوہ کل اشیا متعدد ہیں۔ میں حق ہوں اور میں ہی حبیب ہوں۔ اور میرے لئے مجھ سے محبت عجیب شے ہے۔ میں چھپا ہوں۔ پس تو یہ سمجھ لے کہ میرا راز انوکھا ہے۔ پس جس شخص نے میری ذات کو دیکھا اس نے مجھے شے سمجھا۔ حالانکہ میرے اندر ایک ذات ظہور کر رہی ہے۔ اور وہ مجھے مکمل واضح ہوئے ہے۔ میری صفت دیکھنے والے کے لئے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور میری ذات ان صورتوں کی معلوم کی ہوئی ہے تو احتجاب سے فنا ہو جا۔ تو تجھے یہ ظہور نظر آئے گی۔ کہ میرا راز حقیقت میں اصل (ذات) پوشیدہ ہے۔ کیونکہ وہ مجھ پر چھپی ہوئی ہے۔ اور سب اس پر متفق ہیں کہ وہ راز ہے۔''

یہ حضرات عارفین کے حقائق (اقوال) اور محبت کرنے والوں کے وجدانی حالات ہیں۔ اور ان کے اشعار ان کے ذوق اور شراب محبت پینے کے مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور یہ عبارتیں صرف ذوق و اشارات والے ہی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا جس شخص کی سمجھ ان کے مفہوم تک نہ پہنچے اور اس کا علم ان کا احاطہ نہ کر سکے۔ اس کے لئے یہ کافی ہے کہ ان حقائق کو تسلیم کرے۔ اور ان کا کہنا ان کے اہل حضرات کے سپرد کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کامل پاکیزگی اور مشابہت کے باطل ہونے پر اعتقاد رکھے۔ اس لئے کہ یہ حقائق ذوقی ہیں۔ اور صرف اہل ذوق حضرات کی صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور مصنف نے اللہ تعالیٰ کے لئے حجاب سے ہٹ کر ہونے پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے دلیل قائم کی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ پوشیدہ ہونے کے ساتھ ظاہر ہے۔ عارفوں کے نزدیک مکمل طور پر ظاہر و عیاں ہے۔ اور جاہلوں کے نزدیک بالکل پوشیدہ ہے۔

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے۔ جب کہ وہ ہر شی کے سامنے ظاہر ہے؟

یعنی اپنے ذات کے اسرار، اور اپنی صفات کے انوار کے ساتھ ہر شی کے سامنے جلوہ گر ہے۔ پس جب وہ ہر شی کے سامنے جلوہ گر ہے۔ اور ہر شی باطن میں اس کو پہچانتی ہے۔ اور ہر شی اس کے حمد کی تسبیح پڑھتی ہے۔ تو کوئی شی اس کے لئے حجاب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ

''ہر شی اس کے حمد کی تسبیح پڑھتی ہے''۔

یعنی اپنی زبان حال سے کہتی ہے:۔ وہ ذات پاک ہے جو ہر شی کے سامنے جلوہ گر، اور ہر شی کے ساتھ ظاہر ہے۔ عارفین اس کو دیکھتے ہیں۔ اور غافلین اس سے جاہل ہیں۔

پانچویں دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

کَیْفَ یُتَصَوَّرُ اَنْ یَّحْجُبَہٗ شَیْءٌ وَھُوَ الظَّاھِرُ قَبْلَ وُجُوْدِ کُلِّ شَیْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ہر شی کے وجود کے قبل ظاہر ہے''۔

لہذا جو شی ظاہر ہوئی، وہ اسی سے ہے اور اسی کی طرف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں بذات خود ظاہر تھا۔ پھر اس نے اپنی ہی ذات کے سامنے بذات خود تجلی کی۔ لہذا وہ اپنے غیر کے ساتھ ظاہر ہونے سے بذات خود بے نیاز ہے۔ یا اپنے غیر کے ذریعے پہچانے والے شخص کی حاجت سے بے نیاز ہے۔ لہذا کل موجودات ایک ہیں۔ اور ہمارے نزدیک غیر کا وجود نہیں ہے۔

چھٹی دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

کَیْفَ یُتَصَوَّرُ اَنْ یَّحْجُبَہٗ شَیْءٌ وَھُوَ الَّذِیْ اَظْھَرُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی شی چھپا سکتی ہے جب کہ وہ ہر شی سے زیادہ ظاہر ہے؟

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ کسی شی کا وجود نہیں ہے اور اس کے ظہور کے ساتھ کسی

شی کا ظہور نہیں ہے اور اگر کوئی شی ظاہر ہو بھی تو بذات خود اس کا وجود اور ظہور نہیں ہے۔ لہذا اگر اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا ظہور نہ ہو تو وہ آنکھوں سے دیکھی نہیں جا سکتی ہیں۔

مَنْ لَا وُجُوْدَ لِذَاتِهِ مِنْ ذَاتِهِ ۔ فَوُجُوْدُهُ لَوْلَاهُ عَيْنُ مُحَالِ

"جس شی کا وجود بذات خود نہیں ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو اس کا وجود محال ہوتا۔"

لہذا جب بندہ حجاب کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے نزدیک اپنے نفس کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وجود خیالی ہوتا ہے۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اور اپنے نفس سے فنا ہو جاتا ہے اور نفس کی فنا کے ساتھ غیبت اور فہم ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس کا وجود خیالی یا امکانی ضروری ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف ایمان اور یقین کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ہم کو دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا اور ہم مخلوقات میں سے کوئی شی بھی نہیں دیکھتے ہیں۔ بھی کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی شی موجود ہے؟۔ اور اگر کوئی شی موجود ہے اور اس کا موجود ہونا ضروری ہے تو وہ ہوا میں اڑتے ہوئے اس ذرہ کی طرح ہے جو کسی سوراخ سے آتے ہوئے دھوپ کی طرف نظر کرنے سے اڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن اگر تم اس کو تلاش کرو تو کچھ نہ پاؤ گے۔

مصنف نے اپنی کتاب لطائف المنن میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ سب عجیب خیز باتوں سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ موجودات اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے ہوں اور کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجودات کا بھی وجود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ یا ان کے لئے واضح اور ظاہر ہونے کی صفت ذاتی ہے جو اللہ کے لئے نہیں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ یا ان کے لئے مظہر ہیں۔ اور اگر موجودات اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے ہیں۔ تو یہ صفت ان کے لئے اپنی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو پہنچانے کا مرتبہ عطا فرمایا۔ تو وہ اس مرتبے پر پہنچے۔ لہذا اللہ تعالیٰ تک اس کی الوہیت کے سوا کوئی شی نہیں پہنچتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ علیم و حکیم مطلق ہے۔ وہ اپنی حکمت کا لباس ... لازم ہے اور وہ بھی ان

کے سبب ہوا چونکہ عقلیں حیران ہو جاتی ہیں، وہ اس کی قدرت تک نہیں پہنچ سکتی ہیں۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے تو ہر چیز اپنی مخلوقات سے زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ وہی مخلوقات کے ظاہر ہونے کا سبب ہے۔ اور اپنے زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ سے ہی وہ پوشیدہ ہے۔

وَمِنْ شِدَّةِ الظُّهُورِ الْخَفَاءُ "اور ظہور کی شدت کی وجہ سے پوشیدگی ہے"

حضرت رقی رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

يَا مَنْ تَعَاظَمَ حَتَّى رَقَّ مَعْنَاهُ وَلَا تَرَدَّى رِدَاءَ الْكِبْرِ إِلَّا هُوَ

"اے وہ ذات جو اتنی عظمت والی ہے کہ عظمت کی وجہ سے اس کی حقیقت چھپ گئی۔ اور کبریائی (بڑائی) کی چادر اس کے سوا کوئی نہیں اوڑھ سکتا ہے۔"

یعنی اے وہ مقدس ذات جو عظمت اور کبریائی کے ظہور میں اتنی زیادہ ہوئی کہ اس کی حقیقت چھپ گئی۔

ساتویں دلیل: اپنے آپ میں یگانگی

كَيْفَ يُتَصَوَّرُ أَنْ يَحْجُبَهُ شَيْءٌ، وَهُوَ الْوَاحِدُ الَّذِي لَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ

"کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شے اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے جب کہ وہ ایسا واحد (اکیلا) ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شے نہیں ہے۔" اس لئے کہ اس کی وحدانیت ازلی ہوئی ہے۔

"كَانَ اللهُ وَلَا شَيْءَ مَعَهُ وَهُوَ الْآنَ عَلَى مَا عَلَيْهِ كَانَ"

"اللہ تعالیٰ تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔ اور وہ اب بھی اسی حال پر ہے۔ جس حال پر تھا۔"

"أَإِلٰهٌ مَعَ اللهِ، تَعَالَى اللهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ"

"کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟" اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے جو لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔"

کیا اللہ تعالیٰ کے وجود میں کچھ شک ہے؟ حالانکہ یعنی اشیاء ظاہر ہیں۔ سب اللہ تعالیٰ کی مظاہر ہیں۔ جنید کے مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

تَجَلّٰی حَبِیْبِیْ فِیْ مَرَائِیْ جَمَالِہٖ   فَفِیْ کُلِّ مَرْءٍ لِلْحَبِیْبِ طَلَائِعٗ

''میرا حبیب اپنے جمال کے دونوں آئینوں (ظاہر و باطن) میں جلوہ گر ہوا۔ لہذا ہر آئینے میں محبوب کی تجلی ہے''۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی حُسْنُہٗ مُتَنَوِّعًا   تَسَمّٰی بِاَسْمَاءٍ فَھُنَّ مَطَالِعٗ

''پس جب اس کا مختلف شکلوں میں ظاہر ہوا۔ تو اس کا مختلف نام رکھا گیا۔ پس وہی اس کے طلوع ہونے کی جگہیں ہیں''۔ لہذا اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی ذات، اور اپنی صفات، اور اپنے افعال میں واحد و یکتا ہے۔ نہ اس کے پہلے کوئی شی تھی''۔ نہ اس کے بعد کوئی شی ہوگی۔ نہ اس کے ساتھ کوئی شی ہے۔

آٹھویں دلیل: اپنے اس قول میں بیان فرمائی۔

کَیْفَ یُتَصَوَّرُ اَنْ یَّحْجُبَہٗ شَیْءٌ، وَھُوَ اَقْرَبُ اِلَیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی شی چھپا سکتی ہے جب کہ وہ ہر شی سے زیادہ تمہارے قریب ہے'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ''

''اور البتہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کا نفس اس کے دل میں جو وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ ہم اس کو جانتے ہیں۔ اور ہم اس کی گردن کی رگ (شہ رگ) سے زیادہ قریب ہیں''۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ''ہم تم لوگوں سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ لیکن تم لوگ نہیں دیکھتے ہو''۔ اور تیسرے مقام پر فرمایا:۔

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ○ ''اور اللہ تعالیٰ ہر شی پر نگران ہے''۔ اور چوتھے مقام پر فرمایا: وَاِنْ تَجْھَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی'' ''اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے تو اللہ تعالیٰ پوشیدہ اور دل کی بات جانتا ہے''۔

قرب کا معنی

اور اللہ تعالیٰ کا قرب: علم اور احاطہ اور شہود کا قرب ہے۔ مسافت (جگہ کا فاصلہ) کا قرب

نہیں ہے۔ کیونکہ تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کچھ مسافت نہیں ہے۔ اور اس سے پہلے حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے: "وَإِنَّ اللّٰهَ مَا حَلَّ فِيْ شَيْءٍ وَّلَا غَابَ عَنْ شَيْءٍ" "اور بے شک اللہ تعالیٰ نہ کسی شی میں حلول کئے ہوئے ہیں نہ کسی شی سے غائب ہے"۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی شی سے ہے، نہ کسی شی میں ہے، نہ کسی شی کے اوپر ہے، نہ کسی شی کے نیچے ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ کسی شی سے ہو تو وہ مخلوق ہے۔ اور اگر وہ کسی شی میں ہو تو وہ گھرا ہوا محدود ہے۔ اور اگر وہ کسی شی کے اوپر ہو تو وہ اٹھایا ہوا یعنی دوسری شی کے اٹھانے کا محتاج ہے۔ اور اگر وہ کسی شی کے نیچے ہو تو وہ مغلوب ہے۔ پھر ان سے دریافت کیا گیا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی! ہمارا رب کہاں ہے؟ یا کیا اس کے لئے کوئی جگہ ہے؟ تو ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اور وہ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا: تمہارا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے۔ اس سے تمہارا مطلب اللہ تعالیٰ کی جگہ دریافت کرنی ہے۔ لہذا سنو! اللہ تعالیٰ تھا۔ لیکن مکان نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان کو پیدا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ اب بھی اسی حال پر ہے۔ جس حال پر وہ پہلے تھا۔ یعنی زمان و مکان سے پاک ہے۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میری ہی بات کہو۔ اور میری ہی طرف رہنمائی کرو۔ اور میں ہی سب کچھ ہوں۔ یہ قول بخاری شریف کی اس حدیث کے مطابق ہے:

"يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَسُبُّ ابْنُ اٰدَمَ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ"

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آدمی زمانے کو برا کہتا ہے۔ حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ رات اور دن میرے ہی قبضے میں ہیں"۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ، فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ

"تم لوگ زمانے کو برا نہ کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے"۔ اور اس کی تفسیر پہلی حدیث میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نویں دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:

كَيْفَ يُتَصَوَّرُ أَنْ يَحْجُبَهُ شَيْءٌ، وَلَوْلَاهُ لَمَا ظَهَرَ وُجُودُ كُلِّ شَيْءٍ؟

''کس طرح یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے۔ جب کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو کسی شی کا وجود ظاہر نہ ہوتا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ٥ ''اور اللہ تعالیٰ نے ہر شی کو پیدا کیا اور اس کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا۔'' اور دوسری جگہ فرمایا: إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ٥ ''بے شک ہم نے ہر شی کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا''۔

پس جو شی عالم شہادت میں ظاہر ہوئی، وہ عالم غیب سے نکل کر ظاہر ہوئی۔ اور جو کچھ عالم ملکوت میں ظاہر ہوا، وہ جبروت کے سمندر سے اچھل کر ظاہر ہوا۔ لہذا کل اشیاء کا وجود اسی سے ہے۔ اور اسی کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس کے ساتھ کسی شی کی کوئی نسبت نہیں ہے۔ کیونکہ کل اشیاء خالص عدم ہیں۔ اور اگر ان کے وجود کا وہم کر لیا جائے۔ تو وہ سب حادث ہیں۔ فنا ہو جانے والی ہیں۔ اور عدم کو وجود کے ساتھ اور حادث کو قدیم کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔ اسی لئے مصنف نے دونوں کے ایک ساتھ جمع ہونے پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے دسویں دلیل بیان فرمائی:۔

دسویں دلیل:۔ اپنے اس قول میں بیان فرمائی:۔

يَا عَجَبًا، كَيْفَ يَظْهَرُ الْوُجُوْدُ فِي الْعَدَمِ؟ أَمْ كَيْفَ يَثْبُتُ الْحَادِثُ مَعَ مَنْ لَهُ وَصْفُ الْقِدَمِ؟

''تعجب ہے، وجود عدم کے اندر کس طرح ظاہر ہو سکتا ہے؟ یا حادث قدیم کے ساتھ کس طرح قائم ہو سکتا ہے؟''

میں کہتا ہوں:۔ وجود و عدم دونوں ضد ہیں۔ اور حادث و قدیم دونوں منافی (ایک دوسرے کی نفی کرنے والے) ہیں۔ لہذا دونوں ایک ساتھ نہیں پائے جا سکتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ اور اس کے سوا کل اشیاء عدم ہیں۔ لہذا جب وجود ظاہر ہوگا تو اس کی ضد عدم فنا ہو جائے گی۔ پس یہ تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ جو شی عدم ہے وہ اللہ تعالیٰ کو چھپا سکتی ہے؟ لہذا حق سبحانہ تعالیٰ کو باطل نہیں چھپا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ، فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ''یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ اور حق سے منہ

ہے جس حال پر وہ تھا۔ وہ بلا مکان تھا۔ اور بلا مکان ہے۔ اسی حقیقت کے بارے میں مندرجہ ذیل اشعار جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اشعار

رَأَیْتُ رَبِّی بِعَیْنِ قَلْبِی ۔۔۔ فَقُلْتُ لَا شَکَّ اَنْتَ اَنْتَ

"میں نے اپنے رب کو اپنے قلب کی آنکھ سے دیکھا۔ تو میں نے کہا۔ کچھ شک نہیں کہ تو ہی تو ہے۔"

اَنْتَ الَّذِیْ حُزْتَ کُلَّ اَیْنٍ ۔۔۔ بِحَیْثُ لَا اَیْنَ ثَمَّ اَنْتَ

"تو وہ ہے جس نے کل مکان کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اس حیثیت سے کہ کوئی مکان نہیں ہے۔ پھر بھی تو ہے۔"

فَلَیْسَ لِلْاَیْنِ مِنْکَ اَیْنٌ ۔۔۔ فَیَعْلَمُ الْاَیْنُ اَیْنَ اَنْتَ

"پس کوئی مکان تیرا تیرے لئے مکان نہیں ہے۔ تاکہ مکان یہ معلوم کرے کہ تو کہاں ہے"۔

وَلَیْسَ لِلْوَھْمِ مِنْکَ وَھْمٌ ۔۔۔ فَیَعْلَمُ الْوَھْمُ کَیْفَ اَنْتَ

"اور وہم تیرے بارے میں وہم نہیں کر سکتا ہے۔ تاکہ وہم یہ معلوم کرے کہ تو کیسا ہے"۔

اَحَطْتَ عِلْماً بِکُلِّ شَیْءٍ ۔۔۔ فَکُلُّ شَیْءٍ اَرَاہُ اَنْتَ

"تو نے علم سے ہر شی کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ پس ہر شی میں دیکھتا ہوں تجھی کو دیکھتا ہوں"۔

وَفِیْ فَنَائِیْ فَنَا فَنَائِیْ ۔۔۔ وَفِیْ فَنَائِیْ وَجَدْتُ اَنْتَ

"اور میری فنا میں میری فنا فنا ہوگئی۔ اور اپنی فنا میں میں نے تجھ کو پایا"۔

قاضی علی بن ثور کا سوال اور حضرت ابوالحسن نوریؒ کے جوابات

حضرت ابوالحسن نوریؒ سے قاضی علی بن ثور نے دریافت کیا:۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے کہاں ہے؟ حضرت نوریؒ نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ تھا۔ اور کوئی مکان نہیں تھا۔ اور مخلوقات عدم میں تھیں۔ اور وہ اب بھی ویسے ہی عدم ہے جیسا کہ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔ اس لئے کہ نہ کوئی قبل ہے نہ مکان ہے۔ پھر قاضی علی نے سوال کیا۔ تو یہ مکان اور مخلوقات جو ظاہر

باب اول کا خلاصہ تین امور ہیں

اور اس باب کا حاصل :۔ تین امور ہیں :۔

شریعت کا عمل ۔ طریقت کا عمل ۔ حقیقت کا عمل

یا تم اس طرح کہو :۔ اسلام کا عمل ۔ ایمان کا عمل ۔ احسان کا عمل ۔ اور وہ ابتداء اور درمیان اور انتہا ہے ۔ اور انتہا میں کامیابی کی علامت ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے ۔ پس مصنف نے اس باب میں سات باتوں کی ہدایت فرمائی ہے :۔

پہلی :۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے ، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے ، اور عمل کرنے کے باوجود عمل پر بھروسہ نہ کرنے کا حکم دیا ۔

دوسری :۔ تجرید اور اسباب کے حال میں اللہ تعالیٰ کے ادب کا لحاظ رکھنے کی طرف تمہاری رہنمائی کی ۔

تیسری :۔ میری حالت میں تدبیر کی محنت اور کوشش میں اپنے باطن کو مشغول کرنے سے تم کو منع کیا ۔ کیونکہ یہ باطن کی کدورت کا سبب ہے ۔

چوتھی :۔ جو اعمال تم سے اللہ تعالیٰ نے طلب کئے ہیں ۔ یعنی جن اعمال کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے ۔ ان کے لئے کوشش کرنے ، اور تمہاری زندگی کی جن ضروریات کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لی ہے ۔ ان کے لئے کوشش میں کمی اور بے توجہی کے لئے تم کو آمادہ کیا ۔ تا کہ تمہاری بصیرت کے کھلنے کا سبب ہو ۔

پانچویں :۔ تمہارے لئے جن اشیاء کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے ۔ ان میں سے جو شے تم اپنی دعا کے ذریعے طلب کرو ۔ تو جس شے کے ہونے کے وقت میں ابھی دیر ہے ۔ اس کے مقررہ وقت سے پہلے ، اس کے جلدی حاصل ہونے کی تمنا تم نہ کرو ۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو ۔

چھٹی :۔ جب تم سے کسی شے کے لئے وعدہ کیا جائے ۔ تو تم اس میں شک نہ کرو ۔

ساتویں :۔ اللہ تعالیٰ کے تصرفات قہریہ سے جو کچھ تمہارے اوپر نازل ہو ۔ تم اس میں اللہ تعالیٰ

جن اعمال کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا، اور ان کو دوسرے وقت کے لئے ملتوی کرنا اس خیال سے کہ اس وقت تمہارے قلب یا جسم کو فرصت ہوگی، رعونت وحماقت اور دھوکا وفریب ہے۔ اور تم کو یہ یقین کہاں سے حاصل ہوا کہ تم اس وقت کو پا جاؤ گے۔ حالانکہ موت تمہارے اوپر اس طرح اچانک آنے والی ہے کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ تم اس وقت کو پا جاؤ گے۔ تو دوسرے کاموں کی مشغولیت سے جو تم کو پیش آ گئی ہیں، تم محفوظ نہ رہو گے۔ کیونکہ تمام کاموں سے فرصت حضرت نبی کریم ﷺ کے اس قول کے مطابق ناممکن ہے:

"نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ، وَالْفَرَاغُ"

"دو نعمتیں ایسی ہیں جن کو اکثر لوگ ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ تندرستی اور فرصت ہے۔"

یعنی اکثر لوگ ان دونوں نعمتوں کو ضائع کر دیتے اور دھوکا کھاتے ہیں۔ اس سے کہ تم اکثر لوگوں کو دنیوی کاموں میں مشغول، یا نفسانی خواہشات میں مبتلا، یا بیماریوں میں مبتلا پاؤ گے۔ اور اکثر کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تندرستی اور فرصت عطا فرمائی ہے۔ پس جن لوگوں نے اپنی تندرستی اور فرصت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کیا۔ انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا کیا۔ اور بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور جن لوگوں نے ان دونوں نعمتوں کو ضائع کر دیا۔ وہ بہت بڑے خسارے میں رہے۔ اور انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی۔ لہذا وہ اس لائق ہیں کہ یہ نعمتیں ان سے چھین لی جائیں۔ اور یہ ذلت و رسوائی کی علامت ہے۔ اور اس موضوع پر مصنف کا یہ کلام عنقریب آئے گا۔

"بہت بڑی ذلت و رسوائی یہ ہے کہ تمہارے لئے رکاوٹیں اور مشغولیتیں کم ہوں پھر بھی تم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو۔"

پس انسان پر واجب ہے کہ اپنے تعلقات اور رکاوٹوں کو ختم کرے۔ اور اپنی خواہشات کی مخالفت کرے۔ اور اپنے مولائے حقیقی کی خدمت کرنے میں جلدی کرے۔ اور دوسرے وقت کا انتظار نہ کرے۔ کیونکہ فقیر اپنے وقت کا پابند ہوتا ہے۔ لہذا تم اس کو غور وفکر میں، یا ذکر میں، یا مذاکرہ میں، یا شیخ کی خدمت میں، جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے، مشغول پاؤ گے۔

سچا فقیر

میں نے اپنے بعض برادران طریقت سے کہا: سچا فقیر وہی ہے جس کو بارگاہ الٰہی میں پہنچنے، یا بارگاہ الٰہی میں پہنچانے والے کے سوا کوئی فکر نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تیسرا ادب: ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس حال میں قائم کیا ہے اسی میں قائم رہنا، اور ہر شے سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ میں غائب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں فرمایا۔

"لَا تَطْلُبْ مِنْهُ اَنْ يُّخْرِجَكَ مِنْ حَالَةٍ لِيَسْتَعْمِلَكَ فِيْمَا سِوَاهَا، فَلَوْ اَرَادَكَ لَاسْتَعْمَلَكَ مِنْ غَيْرِ اِخْرَاجٍ"

''تو اللہ تعالیٰ سے یہ نہ طلب کر کہ وہ تجھے کسی ایک حالت سے نکالے اور اس کے سوا دوسری حالت میں مشغول کرے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو بغیر اس حالت سے نکالے ہوئے تجھ کو دوسری حالت میں مشغول کر دے گا۔''

میں کہتا ہوں: ۔ عارف کے آداب میں سے اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنا، اور اس کے ساتھ اس کے ماسویٰ سے بے نیاز ہو جانا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ اس کو کسی حال میں قائم کرے۔ تو وہ اس کو حقیر نہ سمجھے۔ اور اس حال سے نکل کر دوسرے حال میں جانے کی خواہش نہ کرے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو اس حال سے نکال کر دوسرے حال میں پہنچانے کا ارادہ کرے گا تو اس کے اس حال سے نکلنے کا مطالبہ کئے بغیر اس کو دوسرے حال میں پہنچا دے گا۔ لہٰذا اس کو اسی حال میں ٹھہرا رہے۔ جس حال میں اس کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے اس حال سے نکالنے کا متولی ہو جائے۔ جیسا کہ وہ اس کے اس حال میں داخل کرنے کا متولی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

''اور آپ کہئے اے میرے رب مجھ کو سچائی کے حال میں داخل کر اور مجھ کو سچائی کے حال میں نکال۔

"مدخل صدق" یہ ہے کہ تو اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ داخل ہو اور مخرج صدق یہ ہے کہ تو اس

بندے اک تیری خواہش ہے اک میری خواہش ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی۔ اور فرمایا: اے داؤد! تم بھی ارادہ کرتے ہو۔ اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں۔ اور ہوگا وہی جو میں ارادہ کرتا ہوں۔ لہٰذا اگر تم نے میرا ارادہ تسلیم کر کے اپنے کو میرے سپرد کر دیا تو میں تمہارا ارادہ پورا کر دوں گا۔ اور اگر تم نے میرا ارادہ نہ تسلیم کیا۔ اور اپنے ہی ارادے پر قائم رہے تو میں تمہارے ارادہ میں تم کو تھکا دوں گا۔ اور تم کو تکلیف میں مبتلا کر دوں گا۔ اور ہوگا وہی جو میرا ارادہ ہے۔ اور حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ "جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ" جو کچھ تیرے سامنے آنے والا ہے وہ لکھ کر قلم خشک ہو گیا"۔ اور دوسری حدیث میں ہے:(جَفَّتِ الْاَقْلَامُ وَطُوِيَتِ الصُّحُفُ) "قلم خشک ہو گئے اور صحیفے (نوشتہ تقدیر) لپیٹ دیئے گئے"۔

ولایت کی حقیقت؟

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی احمد یمانی رضی اللہ عنہ نے، جب ان سے ان کے اصحاب نے ولایت کی حقیقت دریافت کی۔ فرمایا:۔ ولایت کی حقیقت یہ ہے کہ اگر ولی سایہ میں بیٹھا ہو تو اس کا نفس دھوپ میں بیٹھنے کی خواہش نہ کرے۔ اور اگر دھوپ میں بیٹھا ہو تو اس کا نفس میں بیٹھنے کی خواہش نہ کرے اور ایسا پورے اختیار کے ساتھ ہو۔ نہ کہ ضروری حکم کے ساتھ۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے: ولی کامل کی ایک صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جس حال میں قائم کرے، وہ صرف اسی کا محتاج رہے۔ یعنی قدرت کی اصل سے جو کچھ ظاہر ہو، وہی اس کا مقصود ہو۔ اس کا نفس اس کے سوا دوسرے حال کی خواہش نہ کرے۔

میں کہتا ہوں:۔ جب عارف کے اندر ان امور میں سے کوئی شئی جلوہ گر ہو۔ یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا، تو اس کو انتظار اور صبر کرنا چاہیے۔ تا کہ ظاہری یا باطنی اشارہ یا ظاہری یا باطنی ہاتف (غیبی آواز) کے ذریعے خوب اچھی طرح سمجھ لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور غیبی آوازوں یا اشاروں کی طرف اس کو خاموشی سے اچھی طرح متوجہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

اس کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے وہ الہامی خطاب کے ذریعے اس کو آگاہ کرتا ہے۔ اور یہ معاملہ عارفین کے نزدیک تجربہ شدہ صحیح ہے۔ کیونکہ عارفین اللہ اور رسول ﷺ کی اجازت کے بغیر کچھ تصرف نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اہل جمع کے نزدیک فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے زمرے میں شامل فرمائے۔ آمین۔

اور یہ سب اس وقت ہے جب کہ جس حال میں وہ ہے، وہ شریعت کے موافق ہو۔ ورنہ جس طریقے پر شیطان ہو، اس سے نکلنے کی طلب کرنی چاہیے۔

چوتھا ادب۔ مخلوقات سے ہمت کو بلند رکھنا، اور عرفان کے مقامات میں ہمیشہ ترقی کرتے رہنا، اور ترقی پر اللہ تعالیٰ سے استدلال کرنا ہے۔ جیسے کہ مصنف نے اپنے اس قول میں فرمایا۔

مَا اَرَادَتْ هِمَّةُ سَالِكٍ اَنْ تَقِفَ عِنْدَ مَا كُشِفَ لَهَا اِلَّا وَنَادَتْهُ هَوَاتِفُ الْحَقِيقَةِ: الَّذِي تَطْلُبُ اَمَامَكَ، وَلَا تَبَرَّجَتْ ظَوَاهِرُ الْمُكَوَّنَاتِ اِلَّا وَنَادَتْهُ حَقَائِقُهَا: اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول!

"جب سالک کے سامنے کوئی مقام ظاہر ہوتا ہے۔ اور سالک کی ہمت اس مقام میں ٹھہرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ تو حقیقت کی غیبی آوازیں اس کو پکارتی ہیں۔ تو جس کو طلب کرتا ہے وہ ابھی اور آگے ہے۔ اور جب مخلوقات کی ظاہری شکلیں آرائش و زیبائش کے ساتھ اس کے سامنے آتی ہیں۔ تو ان کی حقیقتیں اس کو پکارتی ہیں: ہم درحقیقت آزمائش ہیں۔ پس تو کفر نہ کر۔"

سالک کی ہمت۔ سیر کے لئے آمادہ کرنے والی قوت کا نام ہے۔ اور اس کا کسی مقام میں ٹھہرنا: اس کا یہ یقین کرنا ہے کہ جس مقام میں وہ پہنچا ہے، یہی آخری مقام ہے۔ یہی کافی ہے۔

تبرج۔ کسی شے کو اپنی طرف مائل کرنے کے ارادے سے آرائش و زیبائش کے ساتھ سامنے آنا ہے۔

مخلوقات کا ظاہر۔ ان کی ظاہری شکل کی زینت اور خوبصورتی ہے۔ اور ان کا سامنے آنا، سالک کی ہمت کے [illegible] اطاعت کرنی ہے۔ اس کا

(شاعر نے محبوں کے بارے میں کہا ہے کہ تم نجد و تہامہ کے متعلق پوچھ رہے ہو۔ حالانکہ تم یہاں موجود ہو۔ یہ تہمت لگانے والے کا کام ہے۔ یہاں یہ شعر مثال کے طور پر لائے ہیں۔ کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا طالب اگر اس کے متعلق پوچھتا ہے تو اس کا یہ فعل تہمت لگانے والے کا فعل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں موجود ہے۔ حضرت ابن مرحل سبتی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے)

وَمِنْ عَجَبٍ اَنِّیْ اَحِنُّ اِلَیْهِمْ　　وَاَسْاَلُ شَوْقًا عَنْهُمْ وَهُمْ مَعِیْ

''اور تعجب ہے کہ میں ان کے شوق و محبت میں ان کی طرف چلتا ہوں اور ان کے متعلق پوچھتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ ہیں۔''

وَتَبْکِیْهِمْ عَیْنِیْ وَهُمْ بِسَوَادِهَا　　وَیَشْکُو النَّوٰی قَلْبِیْ وَهُمْ بَیْنَ اَضْلُعِیْ

''اور میری آنکھ ان کے لئے روتی ہے حالانکہ وہ اس کی سیاہی میں موجود ہیں۔ اور میرا قلب جدائی کی شکایات کرتا ہے حالانکہ وہ میری پسلیوں کے درمیان موجود ہیں'' اور حضرت رفاعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

قَالُوْا اَتَنْسٰی الَّذِیْ تَهْوٰی فَقُلْتُ لَهُمْ　　یَا قَوْمِ مَنْ هُوَ رُوْحِیْ کَیْفَ اَنْسَاهُ

''لوگوں نے مجھ سے کہا: کیا تم جس سے محبت کرتے ہو اس کو بھول جاتے ہو؟ میں نے ان کو جواب دیا: اے قوم! وہ میری روح ہے۔ میں اس کو کیسے بھول سکتا ہوں۔''

وَکَیْفَ اَنْسَاهُ وَالْاَشْیَا بِهٖ حَسُنَتْ　　مِنَ الْعَجَائِبِ یَنْسٰی الْعَبْدُ مَوْلَاهُ

''اور میں اس کو کیسے بھول سکتا ہوں جب کہ کل اشیاء اسی کے ذریعے خوبصورت ہیں۔ تعجب ہے کہ غلام اپنے آقا کو بھول جائے۔''

مَا غَابَ عَنِّیْ وَلٰکِنْ لَسْتُ اُبْصِرُهٗ　　اِلَّا وَقُلْتُ جِهَارًا قُلْ هُوَ اللّٰهُ

''وہ مجھ سے غائب نہیں ہے لیکن میں اس کو نہیں دیکھتا ہوں مگر میں علانیہ کہتا ہوں: کہو وہ اللہ ہے''۔ اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے غیر کو طلب کرنا، یعنی اسکے غیر کی معرفت چاہنا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے شرم کی کمی اور اس سے تمہاری محبت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے

خصوصی نیت سے میرے سامنے پیش کرتا ہے۔ تو اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اس کو گھیر لیں اور اس کی حاجت کے لئے رکاوٹ بنیں تب بھی میں اس کے کام بنا دیتا ہوں، اور ان کے بیچ سے اس کے نکلنے کا راستہ پیدا کرتا ہوں۔ اور جب میرے بندے کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ اس کو میرے غیر کے سامنے پیش کرتا ہے تو زمین اس کے نیچے ہوتی ہے اور آسمان اس کے اوپر ہوتا ہے۔ اور میرے اور اس کے درمیان وسائل ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ نص طرح قرآنیہ ہو۔ کیونکہ زمانہ دراز گزرنے کی بنا پر صحیح الفاظ کا تعین کرنا دشوار ہے۔ لہٰذا حاصل یہ ہوا: اللہ تعالیٰ کے حضور کو کافی سمجھنا، اور اس کی معرفت میں قائم ہونا، اور اس کے ماسوا سے بے نیاز ہونا ادب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

"چھٹا ادب: قضا و قدر کے فیصلے کو تسلیم کرنا، اور اس پر راضی رہنا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا: (مَا مِنْ نَفَسٍ تُبْدِيهِ إِلَّا وَلَهُ قَدَرٌ فِيكَ يُمْضِيهِ) "تمہارے ہر سانس کے واقع ہونے میں تمہارے بارے میں قضا و قدر کا کوئی نہ کوئی فیصلہ جاری ہے۔"

تقدیر

قدر: وہ حکم ہے جو مخلوقات کے پیدا ہونے سے پہلے ہو چکا ہے۔ اور کل اشیاء کے وقتوں اور ان کی جگہوں، اور ان کی مقداروں اور ان کے افراد کی تعداد، اور ان کو پیش آنے والی کیفیتوں، اور ان پر نازل ہونے والی آفتوں کا کامل علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ لہٰذا اے انسان! جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے ہر سانس پر قدر کا حکم نافذ ہے۔ اور تم سے اور تمہارے غیر سے جو سانس بھی نکلتا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اور اس پر اس کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ تو تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم قدر کے جاری کئے ہوئے ہر حکم پر راضی رہو۔ کیونکہ تمہارے سانس شمار کئے ہوئے ہیں۔ اور تمہارے تصرفات و لحظات (حرکات و سکنات) مقرر کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جب تمہاری آخری سانس ختم ہو جائے گی۔ تو تم اپنی آخرت کی طرف منتقل ہو جاؤ گے۔ جب تمہارے سانس گنے ہوئے ہیں تو قدموں، اور خیالوں اور ان کے علاوہ دوسرے تصرفات کے بارے میں تمہارا کیا حال ہوگا۔ اسی

"اے انسانو! بے شک یہ گھر ہلاکت اور تباہی کا گھر ہے۔ ہمیشہ رہنے کا گھر نہیں ہے۔ اور رنج و غم کی جگہ ہے۔ خوشی کی جگہ نہیں ہے۔ پس جس شخص نے دنیا کو پہچان لیا۔ وہ اس کی خوشحالی سے خوش نہیں ہوا۔ اور اس کی بدحالی سے رنجیدہ و غمگین نہیں ہوا۔ خبردار ہو جاؤ! اللہ تعالیٰ نے دنیا کو مصیبت و آزمائش کا گھر بنایا ہے۔ اور آخرت کو انجام یعنی جزا و سزا کا گھر بنایا ہے۔ لہٰذا اس نے دنیا کی مصیبتوں کو آخرت کے ثواب کا سبب بنایا ہے۔ اور آخرت کا ثواب دنیا کی مصیبتوں کا عوض مقرر کیا ہے۔ وہ تجھے اپنی بخشش عطا کرنے کے لئے مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اور تیرے اوپر اپنی رحمتیں نازل کرنے کے لئے تجھے آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ اور بے شک دنیا جلد فنا ہونے والی ہے اور جلد بدل جانے والی ہے۔ تو اس کے دودھ چھڑانے کی تلخی کو خیال کر کے اس کے دودھ پلانے کی لذت سے پرہیز کر۔ اور اس کی مضرتوں کے پیش آنے والی تلخیوں کا تصور کر کے اس کی فوری اور وقتی لذتوں کو ترک کر دے۔ اور اپنے گھر بنانے اور آباد کرنے کی کوشش اس مقام میں نہ کر جس کی بربادی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے یقینی طور پر کر دیا ہے۔ اور جس سے تیرے پرہیز کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے تو اس کے قریب نہ جا۔ ورنہ تجھے اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور تو اس کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا۔"

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: دنیا کی جو بلائیں اور مصیبتیں میرے اوپر نازل ہوتی ہیں، میں ان کو ناپسند نہیں سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میں نے ان کی اصلیت سمجھ لی ہے، کہ دنیا رنج و غم اور بلا و آزمائش کا گھر ہے۔ اور دنیا کی تنگی یا مصیبت جو اس کی اصلیت ہے کہ وہ مجھ سے ہمیشہ ان چیزوں کے ساتھ ملتی ہے جو مجھ کو ناگوار اور ناپسند ہے۔ تو اگر وہ کسی وقت مجھ سے کسی اچھی چیز کے ساتھ ملے جو مجھ کو پسند ہے۔ تو یہ اس کا فضل و کرم ہے۔ ورنہ اس کی اصلیت بلا و مصیبت ہے۔

اسی سے متعلق ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:

يُقَدِّرُ ذُو اللُّبِّ فِي نَفْسِهِ مَصَائِبَهُ قَبْلَ أَنْ تَنْزِلَا

"عقلمند دنیا کی مصیبتوں کا اندازہ اپنے نفس میں ان کے نازل ہونے سے پہلے لگا لیتا ہے"

فَإِنْ نَزَلَتْ بَغْتَةً لَمْ تُرَعْهُ لِمَا كَانَ فِي نَفْسِهِ مَثَّلَا

"لہذا اگر وہ مصیبتیں اچانک نازل ہوجائیں تو وہ اس کو خوفزدہ نہیں کر تی ہیں۔ کیونکہ اس کی ذات میں ان کا نقشہ پہلے سے موجود ہے"

رَاَی الْاَمْرَ یُفْضِیْ اِلٰی اٰخِرٍ ۔۔۔ فَصَیَّرَ اٰخِرَہٗ اَوَّلَا

"وہ مصیبت کو اس کے آخر تک پہنچتے دیکھتا ہے۔ پس وہ اس کے آخر کو اول بنا تا ہے"

(یعنی وہ سمجھتا ہے کہ یہ مصیبت ایک دن ختم ہو گی۔ لہذا مصیبت کے ختم ہونے کی خوشی اس کو اس کے نازل ہونے کے وقت ہوتی ہے"۔

وَذُوا الْجَهْلِ یَاْمَنُ اَیَّامَهٗ ۔۔۔ وَیَنْسٰی مَصَارِعَ مَنْ قَدْ خَلَا

"اور جاہل مصیبت کے دنوں سے بےفکر رہتا ہے۔ اور مصیبت سے گزرے ہوئے شخص کی بدحالیوں کو بھول جاتا ہے"۔

فَاِنْ دَهَمَتْهُ صُرُوْفُ الزَّمَا ۔۔۔ نِ بِبَعْضِ مَصَائِبِهٖ اَعْوَلَا

"لہذا اگر زمانے کی گردشیں اپنی بعض مصیبتوں کے ساتھ اس پر چھا جاتی ہیں تو وہ فریاد کرتا ہے"۔

وَلَوْ قَدَّمَ الْحَزْمَ مِنْ نَفْسِهٖ ۔۔۔ لَعَلَّمَهُ الصَّبْرُ عِنْدَ الْبَلَا

"اور اگر وہ اپنی ذات سے ہوشیاری اختیار کرتا ہے تو وہ اس کو مصیبت کے وقت صبر کی تعلیم دیتا"۔

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ نے حضرت احمد بن ابوالحواری سے فرمایا: اے احمد! تمہاری زندگی کے کافی دن گزر چکے ہیں۔ اب تمہارے لئے کچھ بھوک، اور کچھ برہنگی، اور کچھ ذلت ورسوائی، اور کچھ صبر ضروری ہے۔

لہذا اے عارف! جو سختیاں اور مصیبتیں تمہارے اوپر یا دوسروں کے اوپر واقع ہوں، جب تک تم اس دنیا میں مقیم ہو، ان کو انوکھی اور تعجب خیز نہ سمجھو۔ کیونکہ اس دنیا میں جو جلالی تجلیاں ظاہر ہوتی ہیں، ان سے تمہارا موصوف ہونا ضروری ہے۔ لہذا تم کسی شی کو انوکھی نہ سمجھو۔ نہ کسی شی پر تعجب کرو۔ بلکہ تمہارے اوپر واجب ہے کہ تم جمال وجلال اور شیریں و تلخی میں اللہ تعالیٰ کو پہچانو۔ کیونکہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو صرف جمال میں پہچانو گے تو یہ عوام کا مقام ہے اور جلال میں پہچاننا، سکون وادب، اور رضا وتسلیم ہے۔

بلکہ تعجب نہ چاہیے کہ وہ ہوا (یعنی تیز) گرمی کی طرح ہو جائے۔ جب تیز سیلانی ہوا اول کا منہ ہوتا ہے تو دوسرا بھڑاتی ہے اور جب ہوا گزر جاتی ہے تو وہ مرافقہ لگتی ہے۔ اور جس طرح تمہیں مصیبتوں کے وقوع ہونے کا اتفاق نہیں ہوتا، اور رنج وغم اور گریہ وزاری نہ کرنی چاہیے۔ اسی طرح خوشیوں کے پیش آنے پر تمہیں خوش نہ ہونا چاہیے۔ نہ اترانا چاہیے۔ کیونکہ خوشی حالی جمال ہے۔ جو جمال کے قریب جلال ہے۔ اور جلال کے قریب جمال۔ جس طرح رات اور دن کے بعد دیگرے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جمال اور جلال بھی یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ عارف دونوں کے رخ میں تمیز نہیں کرتا ہے۔ نہ کسی شی کو انوکھی سمجھتا ہے نہ کسی شی پر تعجب کرتا ہے۔ کیونکہ قدرت کی اصل سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے سب ایک ہے۔

اور صدیق اور صادق میں اسی سے امتیاز کیا جاتا ہے۔ کیونکہ صدیق کسی شی پر تعجب نہیں کرتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے کسی وعدے میں کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو۔ اور صادق جب کسی انوکھی شی کو دیکھتا ہے تو اس پر تعجب کرتا ہے۔ اور جب کسی شی کا وعدہ کیا جاتا ہے تو اس کے ہونے میں پس و پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ حضرت مریم علیہا السلام کو صدیقیت سے موصوف کیا ہے۔ اور سیدہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اس سے موصوف نہیں فرمایا۔ کیونکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جب خلاف عادت لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تو انہوں نے اس کو انوکھا سمجھا اور فرمایا۔

﴿إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ﴾ ”بے شک یہ تعجب کی چیز ہے“ تو فرشتوں نے ان کو جواب دیا۔ ﴿أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾ ”کیا آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہیں“۔ اور حضرت مریم علیہا السلام نے تعجب نہیں کیا۔ بلکہ صرف سمجھنے کے لئے پوچھا۔ یا اس کا وقت یا اس کی کیفیت دریافت کی۔ کہ زوجیت کے ساتھ ہوگا یا بغیر زوجیت کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آٹھواں ادب: یہ ہے۔ اس کا تعرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے، اور اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ اور یہ اس صدق کا مقام ہے جو اخلاص کا مغز ہے۔ اور خواص الخواص کا اخلاص ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں فرمایا

مَا تَوَقَّفَ مَطْلَبٌ أَنْتَ طَالِبُهُ بِرَبِّكَ، وَلَا تَيَسَّرَ مَطْلَبٌ أَنْتَ طَالِبُهُ بِنَفْسِكَ

تمہاری یہ خواہش ہو کہ اس کا معاملہ کامیاب ہو۔ اور اس کے بارے میں تم اپنے مقصد کو پہنچ جاؤ۔ اور
اس کی تیاری اور تکمیل کی تعریف ہو۔ تو اس شے کی طلب کی ابتدا میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع
کرو۔ اور اپنے اختیار اور قوت کو ترک کر دو۔ اور جس طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے اسی
طرح تم بھی پورے یقین کے ساتھ ہو:

"إِنْ يَكُنْ مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ، فَلَا تَحْرِصْ عَلَيْهِ وَلَا تَهْتَمَّ بِشَأْنِهِ، فَمَا شَاءَ اللهُ كَانَ، وَمَا لَمْ يَشَأْ رَبُّكَ لَمْ يَكُنْ، فَلَوِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يُقَدِّرْهُ اللهُ لَكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى ذٰلِكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يُقَدِّرْهُ اللهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى ذٰلِكَ، جَفَّتِ الْأَقْلَامُ وَطُوِيَتِ الصُّحُفُ

"اگر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے تو وہ اس کو جاری کرے گا۔ لہٰذا تم اس کی حرص نہ کرو۔ نہ
اس کی شان میں اہتمام کرو۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہوا۔ اور جو کچھ تمہارے رب نے نہیں
چاہا وہ نہیں ہوا۔ پس اگر انسان اور جن سب مل کر تمہیں کچھ ایسا نفع پہنچانا چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے
تمہارے لئے مقدر نہیں کیا ہے تو وہ سب تمہیں نفع نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اگر سب مل کر تمہیں کوئی
ایسا نقصان پہنچانا چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مقدر نہیں کیا ہے تو وہ سب تمہیں نقصان نہ
پہنچا سکیں گے۔ قلم خشک ہو گئے اور صحیفے (نوشتہ تقدیر) لپیٹ دیے گئے"۔

لہٰذا اگر تم کوئی شے طلب کرتے ہو اور اس میں تمہارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور تم نے اپنا
معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ اور تمہاری نظر اس تقدیر پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے
ہے۔ تو یہ تمہاری انتہائی کامیابی کی علامت ہے۔ خواہ تمہارا مقصد پورا ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ تمہارا
مقصد اللہ تعالیٰ کے مقصد کے ساتھ وابستہ ہے۔ اپنے نفس کے مقصد کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔
تمہارے حصے حقوق بن گئے ہیں۔ تم وہی چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے۔ اور تمہاری نظر
اسی پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے ظاہر ہوتا ہے۔ تم اپنے نفس کے حصے اور خواہشات سے فنا ہو
چکے ہو۔

اور اگر تم کوئی شے اپنے نفس کے ساتھ طلب کرتے ہو۔ اور تمہارا بھروسہ اپنے اختیار اور قوت پر

ہے۔ اور تم اس کے پورا ہونے کی حرص رکھتے ہو۔ اور اس کی طلب میں کوشش کرتے ہو۔ تو یہ اس کے پورا نہ ہونے کی، اور مایوسی کی، اور اس کی انتہا کی ناکامی کی علامت ہے۔ اور اگر ظاہر میں وہ پوری ہوگئی۔ لیکن تم اس کے سپرد کر دیئے جاؤ گے۔ اور تم اس کی وجہ سے تکلیف پاؤ گے۔ اور اس کی حالات، ور ضروریات میں تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔

یہ سب مجرب ہے۔ اور خاص و عام کے نزدیک مسلم اور صحیح ہے اور جو کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ حکمت اس کا تکملہ (مکمل کرنا) اور تشریح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر مصنف نے اس مسئلے کو ایک قاعدہ کلیہ سے مکمل کیا ہے۔ جو پہلے گزرے ہوئے بیانات اور اس کے ماسوا کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے۔

مَنْ اَشْرَقَتْ بِدَايَتُهٗ اَشْرَقَتْ نِهَايَتُهٗ

''جس شخص کی ابتداء روشن ہے اس کی انتہا بھی روشن ہے''۔

میں کہتا ہوں: ۔ ابتداء کا روشن ہونا ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ داخل ہونا، اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ طلب کرنا، اور اس میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے۔ حکمت کے حق کے ساتھ قائم ہوتے ہوئے، اور قدرت کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے ذرائع میں کوشش کرنے، اور اس کی طلب میں اہتمام کرنے کے ساتھ، اور مقصد کی بڑائی اور اہمیت کے موافق اس کے ذرائع میں کوشش بھی زیادہ اور اہم ہوتی ہے۔ کیونکہ مجاہدہ کے موافق ہی مشاہدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ٥

''جن لوگوں نے ہمارے راستے میں کوشش کی۔ ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت ضرور کریں گے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان والوں کے ساتھ ہے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا: (اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ) ''بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان والوں کے قریب ہے''۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی عبدالرحمن مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: تم اسے سستا نہ سمجھو۔ معشوق کو دیکھنا، اور ضم کرنا بہت مہنگا ہے۔ گرمی کی مصیبت راتوں کی سردی ہی سے ختم ہوتی ہے۔

لہذا ہم جس شخص کو اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی طلب میں کوشش کرتے ہوئے مخلوق کی محبت سے

منہ پھیرے ہوئے، اپنے مولائے حقیقی کی خدمت میں مستغرق، اپنے نفس کے حصوں اور خواہشوں کو فراموش کئے ہوئے دیکھتے ہیں۔ تو ہم یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کی انتہا یقیناً روشن ہوگی۔ اور اس کی عاقبت قابل تعریف ہوگی۔ اور ہم جس شخص کو اپنے مولائے حقیقی کی طلب سے غافل اور اپنے نفس اور اس کی خواہشات میں مشغول دیکھتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ اپنی محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ اور اس کی انتہا محرومی، اور اس کی عاقبت رسوائی ہوگی۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے سایہ میں پناہ دے۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے۔

لیکن دنیا کی ضروریات، یا مقامات، یا مراتب، یا خصوصیات کی طلب میں ابتداء کا روشن ہونا تو وہ ان میں زہد اختیار کرنے، اور ان سے منہ پھیر لینے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ مراتب و درجات:۔ ان میں زہد اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ میں اور میرا ایک ساتھی ہم دونوں ایک غار میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اور ہم کہتے تھے، کہ اس مہینے میں اور اس جمعے کو اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر اپنی معرفت کا دروازہ کھولے گا۔ تو ہم نے غار کے دروازے پر ایک شخص کو کھڑا ہوا دیکھا۔ اس کے چہرے پر نیکی کے آثار تھے۔ اس نے السلام علیکم کہا ہم نے اس کو جواب میں وعلیکم السلام کہا:۔ اور دریافت کیا:۔ آپ کا کیا حال ہے؟ وہ شخص قریب آ کر ہمارے سامنے کھڑا ہوا۔ اور فرمایا:۔ اس شخص کا کیا حال ہوگا۔ جو کہتا ہے:۔ اس مہینے میں اور اس جمعے کو اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر اپنی معرفت کا دروازہ کھولے گا؟ لیکن نہ دروازہ کھلتا ہے۔ نہ کامیابی ہوتی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کیوں نہ کی جس طرح ہم کو حکم دیا گیا ہے؟ پھر وہ شخص ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ تب ہماری سمجھ میں یہ بات آئی کہ ہم نے عبادت کا یہ طریقہ کہاں سے اختیار کیا۔ پس ہم نے اپنے نفس کو ملامت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اپنی معرفت کا دروازہ کھول دیا۔ یہ واقعہ مصنف نے اپنی کتاب تنویر میں بیان فرمایا ہے۔

لہذا جو شخص خصوصیت طلب کرتا ہے، وہ خصوصیت کا بندہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا

حصہ اس سے فوت ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت سے اپنا حصہ پاتا ہے۔ اور خصوصیت بھی بغیر توجہ اور طلب کے اس کو حاصل ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور وہ امور جن سے ابتدا روشن ہوتی ہے۔ اور وہ انتہا کے روشن ہونے کی علامات ہیں۔ وہ باطنی احوال ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا یا اللہ تعالیٰ کی طرف شوق و اشتیاق کا زیادہ ہونا۔ لیکن ظاہری جسم پر ان کا اثر ظاہر ہونا لازمی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں فرمایا ہے۔

مَا اسْتُوْدِعَ فِیْ غَیْبِ السَّرَائِرِ ظَهَرَ فِیْ شَهَادَةِ الظَّوَاهِرِ

''اللہ تعالیٰ نے باطن کے غیب میں جو امانت رکھی۔ اس کا اثر ظاہری شہادت میں ظاہر ہوا''۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے قلوب میں بھلائی یا برائی، نور یا ظلمت، علم یا جہالت، رحم یا بے رحمی، بخل یا سخاوت، تنگی یا فراخی، بیداری یا غفلت، معرفت یا انکار وغیرہ اچھے اخلاق یا برے اخلاق میں سے جو کچھ امانت رکھ دی ہے۔ یہ لازمی ہے کہ ان کے آثار ادب، اور تہذیب اور سکون، اور اطمینان، اور سنجیدگی، اور کشش، اور معافی، اور غصہ اور بے قراری وغیرہ قلبی احوال اور جسمانی اعمال اعضائے جسم پر ظاہر ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ) ''تم ان کو ان کی نشانیوں سے پہچان لو گے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔ (سِيْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ) ''ان کی نشانیاں ان کے چہروں میں ظاہر ہیں''۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ ''مَنْ سَرَّ سَرِيْرَةً ، كَسَاهُ اللّٰهُ رِدَاءَهَا'' جو شخص باطن کو خوش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس خوشی کی چادر اڑھا دیتا ہے''۔

پس جسمانی اعمال قلبی احوال کے تابع ہیں۔ لہذا جس شخص کے باطن میں اس کے مولائے حقیقی کی معرفت امانت رکھی گئی۔ وہ اس کے ماسوا کو نہیں طلب کرتا ہے۔ اور جس کے باطن میں اس کے مولائے حقیقی سے جہالت اور غفلت امانت رکھی گئی۔ وہ اس کے ماسوا کی طلب میں مشغول رہتا ہے۔ اسی طرح ظاہری احوال باطنی احوال کے تابع ہیں۔ جیسا کہ پہلے مصنف کے اس قول کے

بیان میں گزر چکا ہے۔ "احوال کے واردات بہت قسم ہونے کی بنا پر اعمال کی قسمیں بہت قسم کی ہو گئی ہیں"۔

پس ظاہر باطن کی دلیل ہے۔ یعنی کی زبان حال صفت سے بات کرنے والی ہے۔ جو کچھ تمہارے باطن میں ہے، وہی تمہارے ظاہر پر ظاہر ہوتا ہے۔ ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ اور قلوب میں جو کچھ پوشیدہ ہوتا ہے اس کا اثر چہروں پر ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور سب سے بڑی شے جو باطن میں امانت رکھی گئی، وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور معرفت کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم: دلیل کی معرفت۔ دوسری قسم: مشاہدہ کی معرفت۔ مصنف نے ان دونوں قسموں کا فرق اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

شَتَّانَ بَيْنَ مَنْ يَسْتَدِلُّ بِهِ، أَوْ يَسْتَدِلُّ عَلَيْهِ، اَلْمُسْتَدِلُّ بِهِ عَرَفَ الْحَقَّ لِأَهْلِهِ، فَأَثْبَتَ الْأَمْرَ مِنْ وُجُوْدِ أَصْلِهِ، وَالْاِسْتِدْلَالُ عَلَيْهِ مِنْ عَدَمِ الْوُصُوْلِ إِلَيْهِ، وَإِلَّا فَمَتَى غَابَ حَتَّى يُسْتَدَلَّ عَلَيْهِ، وَمَتَى بَعُدَ حَتَّى تَكُوْنَ الْآثَارُ هِيَ الَّتِي تُوْصِلُ إِلَيْهِ؟

"جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ استدلال کرتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر استدلال کرتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استدلال کرنے والے نے حق کو اس کے اہل کے لئے پہچانا۔ پس امر کو اس کی اصل کے وجود سے ثابت کیا۔ اور اللہ تعالیٰ پر استدلال کرنے والے نے حق کو اس کے اہل کے لئے پہچانا۔ پس امر کو اس کی اصل کے وجود سے ثابت کیا۔ اور اللہ تعالیٰ پر استدلال کرنا اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ وہ غائب کب ہے کہ اس کے اوپر استدلال کیا جائے؟ اور وہ دور کہاں ہے کہ آثار اس کے پاس پہنچانے والے ہوں؟"

میں کہتا ہوں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے اسرار اور اپنی صفات کے انوار کے ساتھ ظاہر ہونے کا ارادہ کیا، تو اپنی قدرت سے اپنے ازلی نور سے ایک مٹھی نور کو قبضہ میں کیا۔ پس قدرت کا تقاضا ہوا کہ اس کے آثار ظاہر ہوں۔ اور اس کے انوار مشاہدہ کئے جائیں۔ اور حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس پر حجاب ڈالا جائے۔ اور پردے ظاہر کر دیے جائیں۔ لہٰذا جب قدرت نے اپنا نور مخلوق کے مظہروں میں ظاہر کیا [illegible] کا تھوڑا حصہ پوشیدہ ہو جائے

میں نور ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کیا اور ان کی دو جماعت بنائیں: ایک جماعت کو اپنی محبت کے لئے مخصوص کیا۔ اور ان کو اپنے اولیاء کے صف میں رکھا۔ اور ان کے لئے اپنی معرفت کا دروازہ کھولا۔ اور حجاب اٹھا دیا۔ اور ان کو اپنی ذات کے اسرار کا مشاہدہ کرایا۔ اور ان کے لئے اپنی ذات کے اسرار کو قدرت کے آثار کے حجاب میں نہیں رکھا یعنی اپنی ذات کے اسرار ان پر عیاں کر دیئے اور مظاہر کا حجاب ان سے دور کر دیا۔ اور دوسری جماعت کو اپنی خدمت کے لئے مقرر کیا۔ اور انہیں اپنی حکمت کا اہل بنایا۔ اور ان کے اوپر وہم کا حجاب ڈال دیا۔ اور علم و فہم کا نور ان سے غائب کر دیا۔ لہذا وہ لوگ ظاہری سطح پر ٹھہر گئے۔ اور باطنی نور کا اس کی شدت ظہور کی وجہ سے مشاہدہ نہ کر سکے۔

پس وہ ذات مقدس ہے جس نے اپنا راز اپنی حکمت سے پوشیدہ کیا۔ اور اپنا نور اپنی قدرت سے ظاہر فرمایا۔ پس اہل محبت جو ولایت اور عرفان والے ہیں، وہ عیاں مشاہدہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ وہ نور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور خالق کے وجود سے مخلوق کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔ لہذا وہ صرف خالق کو پاتے ہیں۔ وہ اس کی قدرت سے اس کی حکمت پر استدلال کرتے ہیں لہذا وہ اس کی قدرت کو اس کی عین حکمت، اور اس کی حکمت کو اس کی عین قدرت پاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مخلوق کے دیکھنے سے غائب ہیں کیونکہ یہ محال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرو۔ اور اس کے ساتھ اس کے ماسویٰ کو بھی دیکھو۔ اور اہل خدمت، حکمت والے ہیں۔ وہ حجاب کے وجود سے نور کے وجود پر استدلال کرتے ہیں لہذا وہ اللہ تعالیٰ کے حاضر ہونے کے باوجود اس سے غائب ہیں۔ اور اس کی شدت ظہور کی بنا پر اس سے حجاب میں ہیں۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے عوام کے لئے مخلوق کو ثابت کیا۔ لہذا انہوں نے اس کے ذریعے خالق کو ثابت کیا۔ اور خواص کے لئے اپنی ذات کو ثابت کیا۔ لہذا انہوں نے اس کے ذریعہ مخلوق کو ثابت کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے وجود سے اس کی مخلوق کے وجود پر استدلال کرنے والے، اور مخلوق کے وجود سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرنے والے کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

تیرے پاس پہنچنے کے لئے آمد کی ضرورت ہو؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استدلال کرنے والوں پر علوم کے دائرے وسیع کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے لئے فہم کے خزانے کھول دیئے گئے ہیں۔ اور اس کے برعکس مخلوق کے ساتھ استدلال کرنے والوں کے لئے وہم کا حجاب لازمی ہونے کی وجہ سے فہم کی روزی ان پر تنگ کر دی گئی ہیں۔ لہذا مصنف نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

"لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ الْوَاصِلُوْنَ اِلَيْهِ، وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ السَّائِرُوْنَ اِلَيْهِ"

"اہل دولت والے اپنی دولت میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ واصلین (اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے) ہیں۔ اور جن کی روزی تنگ کر دی گئی وہ سائرین (اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والے) ہیں۔"

میں کہتا ہوں۔ واصلین اس وجہ سے کہ ان کی ارواح مخلوق کی تنگی سے نکل کر شہود کی وسعت تک پہنچ چکی ہیں۔

یا اس طرح کہو۔ اس وجہ سے کہ ان کی ارواح عالم اجسام سے عالم روحانی کی طرف، یا عالم ملک سے عالم ملکوت کی طرف ترقی کر گئی ہیں۔ ان پر علوم کی روزیوں کا دائرہ کشادہ ہو گیا ہے۔ اور ان پر فہم کے خزانے کھول دیئے گئے ہیں۔ لہذا انہوں نے اپنی کشادہ دولت سے پوشیدہ علوم کے جواہر خرچ کئے اور اپنے پوشیدہ خزانوں سے مخفی اسرار کے موتی خرچ کئے۔ ان کی سیرگاہ وسیع ہو گئی۔ اور وہ فصاحت و بلاغت کی بہترین سواریوں پر سوار ہوئے۔ پس نہایت فصیح و بلیغ کلام کرنے لگے۔

لہذا ان لوگوں میں جس پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوئی۔ اس کے لئے خدا کا خزانہ تیز رفتار ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رعایت نے جس کو لپیٹ لیا۔ اس کے لئے معرفت کا خزانہ بڑا اور دائرہ وسیع ہو گیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے خاص بندے ہیں کہ جو شخص ان کی طرف نظر کرتا ہے، وہ ایسا نیک بخت ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی بد بخت نہ ہوگا۔ اور وہ خاص بندے اہل سیر و حال واصلین عارفین ہیں۔

لیکن سائرین۔ تو اس وجہ سے کہ وہ لوگ مخلوق کی تنگی میں باقی ہیں۔ اور عالم جسمانی میں وہم

مواجہت کے انوار ہیں۔ پس سائرین انوار کیلئے ہیں، اور یہ انوار واصلین کیلئے ہیں کیونکہ واصلین صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، وہ اس کے سوا کسی دوسری شے کیلئے نہیں۔ تم کہو: اللہ، پھر ان کو انکی فکر میں کھیلتے ہوئے چھوڑ دو۔

میں کہتا ہوں: توجہ کے انوار: اسلام اور ایمان کے انوار ہیں۔

اور مواجہت کے انوار: احسان کے انوار ہیں۔

یا تم اس طرح کہو: توجہ کے انوار: ظاہری اور باطنی عبادت کے انوار ہیں۔

اور مواجہت کے انوار: فکر ونظر کے انوار ہیں۔

یا تم اس طرح کہو: توجہ کے انوار: شریعت اور طریقت کے انوار ہیں۔

اور مواجہت کے انوار: حقیقت کے انوار ہیں۔

یا تم اس طرح کہو: توجہ کے انوار: مجاہدہ اور ریاضت کے انوار ہیں۔

اور مواجہت کے انوار: مشاہدہ اور مکالمہ کے انوار ہیں۔

اس کی تشریح یہ ہے:

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے تک پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس کی طرف ظاہری عمل کی لذت کے نور کے ساتھ توجہ کرتا ہے اور یہ اسلام کا مقام ہے لہٰذا وہ عمل کرنے کی ہدایت پاتا ہے اور وہ اس میں مشغول ہو کر اس کی لذت چکھتا ہے۔

پھر اس کی طرف باطنی عمل کی لذت کے نور کے ساتھ توجہ کرتا ہے۔ اور یہ ایمان کا مقام ہے اور باطنی عمل: اخلاص اور صدق، اور اطمینان اور اللہ تعالیٰ سے محبت اور ماسوی اللہ سے نفرت ہے لہٰذا وہ باطنی عمل کی ہدایت پاتا ہے۔ اور اس میں مشغول ہو کر اس کی لذت چکھتا ہے۔ اور مراقبہ کے مقام میں قائم ہوتا ہے۔ اور یہ نور پہلے نور سے بڑا اور مکمل ہے۔

پھر اس کی طرف مشاہدے کی لذت کے نور کے ساتھ توجہ کرتا ہے اور یہ روح کا عمل ہے، اور یہ مواجہت کے نور کی ابتداء ہے اور اس وقت اس کو خوف اور حیرت اور سکر (مدہوشی) لاحق ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے سکر کی منزل سے باہر آتا ہے اور اپنے جذب کی حالت سے صحو (ہوشیاری) کی حالت میں آتا ہے اور شہود کے مقام میں قائم ہوتا ہے اور بادشاہ معبود کی معرفت حاصل کرتا ہے اور بقا کی طرف لوٹتا ہے۔ تو

باب سوم

تخلیہ اور تحلیہ کے بیان میں

تخلیہ:۔ بشری اوصاف سے اپنے کو خالی کرنا۔

تحلیہ:۔ معرفت سے اپنے کو آراستہ کرنا۔

حضرت مصنف نے فرمایا:۔

تَشَوُّفُكَ إِلَى مَا بَطَنَ فِيكَ مِنَ الْعُيُوبِ خَيْرٌ مِّنْ تَشَوُّفِكَ إِلَى مَا حُجِبَ عَنْكَ مِنَ الْغُيُوبِ۔

تمہارا اپنے پوشیدہ عیوب سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنا تم سے پوشیدہ غیبی رموز کے معلوم کرنے کیلئے تمہارے کوشش کرنے سے بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ اے انسان! تمہارے اندر جو عیوب پوشیدہ ہیں ان کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا مثلاً حسد، غرور، مرتبہ اور سرداری کی خواہش، روزی کی فکر، محتاجی کا خوف، خصوصیت کی خواہش، اور ان کے علاوہ دوسرے عیوب، اور ان سے نجات پانے کیلئے تمہارا کوشش کرنا، غیب کے پوشیدہ رموز کے معلوم کرنے کی کوشش سے افضل ہے۔ مثلاً بندوں کے اوپر قضاوقدر کے حکم سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے اسرار کو معلوم کرنا یا توحید کی باریک اور پیچیدہ اسرار کو اس کی اہلیت سے پہلے معلوم کرنے کی کوشش کرنا۔

اس لئے کہ تمہارا اپنے پوشیدہ عیوب کی طرف توجہ کرنا تمہارے قلب کی زندگی کا سبب ہے اور تمہارے قلب کا زندہ ہونا، دائمی زندگی اور ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتوں کا سبب ہے۔ اور غیب کے

رموز کو معلوم کرنا فضول ہے اور کبھی تو یہ نفس کی ہلاکت اور تباہی کا سبب ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ نفس کا غرور میں مبتلا ہونا۔ یا لوگوں سے اپنے کو افضل سمجھنا اور عنقریب اس معاملہ میں شیخ کا قول آئیگا:

اسرار کی مطلقاً آگاہی وبال ہے

جو شخص مخلوق کے اسرار سے آگاہ ہوتا ہے اور رحمت الٰہی کی صفت سے موصوف نہیں ہوتا ہے۔ تو اس کی یہ آگاہی اس کیلئے فتنہ اور وبال کا سبب ہو جاتی ہے۔

عیوب کی اقسام

تم کو معلوم کرنا چاہیے، کہ عیوب کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔

اول: نفس کے عیوب۔ دوم: قلب کے عیوب۔ سوم: روح کے عیوب۔

نفس کے عیوب:۔ جسمانی خواہشات سے نفس کا تعلق ہوتا ہے جیسے کھانے پینے کی چیزوں، لباسوں، سواریوں، مکانوں، بیویوں، وغیرہ کا اچھا اور بہتر ہونا۔

قلب کے عیوب:۔ قلبی خواہشات سے قلب کا تعلق ہوتا ہے۔ جیسے کہ مرتبہ اور سرداری اور عزت کی خواہش، غرور، حسد، کینہ، خصوصیت کی خواہش، اور اس جیسی دوسری صفتیں جن کا بیان ان شاء اللہ بشری اوصاف کے بیان میں آئے گا۔

روح کے عیوب:۔ باطنی لذتوں اور حصوں سے روح کا تعلق ہوتا ہے جیسے کرامت اور مقامات اور حور و قصور کی خواہش وغیرہ۔

پس مرید کا ان سب میں سے کسی ایک کی طرف بھی متوجہ ہونا اس کی عبودیت میں خلل پیدا کرنے والا، اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں قائم ہونے سے اس کو روکنے والا ہے تو اس کا اپنے نفسانی اور قلبی اور روحانی عیوب کی تحقیق اور تلاش میں مشغول ہونا اور ان سب عیوب سے اپنے کو پاک کرنے کی کوشش کرنا، غیوب کا علم حاصل کرنے کی کوشش سے افضل اور بہتر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ وباللہ التوفیق

اور جب تجلیہ کا ذکر کیا تو اس کے نتیجے کو بھی ذکر کیا اور وہ تجلی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی

معرفت سے اپنے کو آراستہ کرنا کیونکہ نفس یا قلب یا روح کا اپنے واسطے لذتوں اور حصوں کی طرف توجہ اور ان کیلئے کوشش کرنا حق اللہ تعالیٰ کی معرفت کیلئے رکاوٹ ہے، چنانچہ مصنف نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَقُّ لَيْسَ بِمَحْجُوْبٍ عَنْكَ اِنَّمَا الْمَحْجُوْبُ اَنْتَ عَنِ النَّظَرِ اِلَيْهِ اِذْ لَوْ حَجَبَهُ شَيْءٌ لَسَتَرَهُ مَا حَجَبَهُ ، وَلَوْ كَانَ لَهُ سَاتِرٌ لَكَانَ لِوُجُوْدِهِ حَاصِرٌ . وَكُلُّ حَاصِرٍ لِشَيْءٍ فَهُوَ لَهُ قَاهِرٌ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۔

حق سبحانہ تعالیٰ تم سے حجاب میں نہیں ہے بلکہ اس کی طرف دیکھنے سے حجاب میں تم ہو کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کیلئے حجاب ہوگی، وہ اس کو ڈھانپ لے گی اور جب کسی چیز نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس نے اس کو گھیر لیا، اور جو چیز کسی چیز کو گھیرتی ہے، وہ اس پر غالب ہوتی ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

میں کہتا ہوں: حجاب حق تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیونکہ اس کو کوئی چیز نہیں چھپا سکتی ہے، وہ ہر شئی کے ساتھ اور ہر شئی کے قبل اور ہر شئی کے بعد ظاہر ہے، تو نہ اس کے ساتھ کچھ ظاہر ہے نہ اس کے سوا کچھ موجود ہے۔ پس وہ تم سے حجاب میں نہیں ہے، بلکہ تم اس کی طرف دیکھنے سے حجاب میں ہو کیونکہ غیر کی موجودگی کا اعتقاد رکھتے ہو، اور تمہارا قلب محسوس یعنی مخلوق سے تعلق رکھتا ہے۔ تو اگر تمہارے قلب کا تعلق اللہ تعالیٰ کی طلب میں ہو جائے، اور اس کے ما سوا کے دیکھنے سے اس کی توجہ بالکل پھر جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے انوار کو موجودات کے مظہروں میں جلوہ گر دیکھو گے اور جو تمہارے وہم کی وجہ سے تم سے محجوب ہے وہ شہود اور عیاں کے درجے میں ہو جائے گا یعنی تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے گا ایک عارف نے بہت خوب اشعار کہے ہیں۔

لَقَدْ تَجَلّٰى مَا كَانَ مُخْتَفِيْ — وَالْكَوْنُ كُلُّهُ طُوِيَتْ طَيٌّ

درحقیقت جو پوشیدہ تھا وہ جلوہ گر ہوا اور میں نے کل موجودات کو بالکل لپیٹ لیا یعنی چھپا لیا۔

مِنِّيْ عَلَيَّ دَارَتْ كُؤُوْسِيْ — مِنْ بَعْدِ مَوْتِيْ تَرَانِيْ حَيٌّ

"میرے شراب محبت کے جام کا دور میری طرف سے میرے اوپر چلا میری موت یعنی فنا کے بعد تم مجھے زندہ دیکھتے ہو۔"

وہاں تمام آدمی دیکھتے ہیں لیکن پردے نہیں ہیں اور سب مقدور میں ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

میں نے شیخ ؒ کو کہتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے وہم نے حجاب میں کیا ہے اور وہم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ صرف خیال ہے اور عنقریب اس سلسلے میں شیخ ؒ کا کلام آئے گا۔

وہم ہی حجاب ہے

حق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود کسی چیز نے حجاب میں نہیں کیا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ موجودات کے وہم نے تم کو حجاب میں کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی محسوس اللہ تعالیٰ کیلئے حجاب ہے تو وہ حجاب اس کو ڈھانپنے والا ہوگا۔ اور اگر کوئی محسوس ڈھانپنے والا ہوگا۔ تو وہ اس کے وجود کو گھیرنے والا ہوگا۔ اور یہ محال ہے کہ کوئی شے اللہ تعالیٰ کو چاروں طرف سے ڈھانپ لے اور اس کو گھیر لے کیونکہ کسی چیز کو گھیرنے والا اس پر غالب ہوتا ہے۔ اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ) "اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے۔" یعنی اس وجہ سے کہ وہ سب اس کے قبضے میں ہیں اور اس کی قدرت کے قبضے میں ہیں اور اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔

اور فوقیت سے مراد مرتبہ اور جلال کی بلندی ہے۔ جگہ کی بلندی نہیں ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ بادشاہ وزیر کے اوپر ہے اور سردار اپنے غلام کے اوپر ہے اور مالک مملوک کے اوپر ہے۔ اور اس کے علاوہ صفات، جو کبریائی یعنی بڑائی کو ثابت کرتی ہیں اور حادث ہونے کی مشابہت کی نفی کرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چونکہ معرفت سے روح کا حجاب وہمی و عدمی امر ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ اور وہ بشری اوصاف سے روح کا بیمار ہونا ہے۔ تو اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت ظاہر و حاصل ہونے کی ہی لئے مصنف نے اپنے اس قول میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اُخْرُجْ مِنْ اَوْصَافِ بَشَرِيَّتِكَ عَنْ كُلِّ وَصْفٍ مُنَاقِضٍ لِعُبُوْدِيَّتِكَ لِتَكُوْنَ لِنِدَاءِ الْحَقِّ مُجِيْبًا وَمِنْ حَضْرَتِهٖ قَرِيْبًا۔

"تم اپنے بشری اوصاف سے باہر نکلو ہر وصف سے جو تمہاری عبودیت کی خلاف اور ضد ہیں تاکہ تم حق تعالیٰ کی پکار پر حاضر کہنے والے اور اس کے حضور کے قریب ہو جاؤ۔"

بشری اوصاف

میں کہتا ہوں:۔ بشری اوصاف:۔ وہ اخلاق ہیں جو عبودیت کے خلوص کی ضد اور مخالف ہیں اور وہ دو طرف رجوع ہوتے ہیں۔

حیوانی اخلاق

اول:۔ حیوانوں کے اخلاق سے قلب کا تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش ہے اور دنیا اور اس کی فنا ہونے والی خواہشات سے جو چیزیں ان دونوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث)۔ خواہشات کی محبت آدمیوں کیلئے زینت ہے یعنی ان کو خوشنما معلوم ہوتی ہیں مثلاً عورتوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے ذخیروں اور نشان کئے ہوئے گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں اور کھیتی یعنی زمین وغیرہ کی خواہشات۔

شیطانی اخلاق

دوم:۔ شیطانی اخلاق سے قلب کا موصوف ہونا۔ جیسے غرور اور حسد اور کینہ اور غضب اور پریشانی اور اترانا اور تکبر، مرتبہ اور تعریف کی خواہش ہے۔ بے رحمی، بدزبانی، سخت دلی، اور دولتمندوں کی تعظیم، فقیروں کو حقیر سمجھنا، محتاجی کا خوف، روزی کی فکر، بخیلی اور ریا، خود پسندی، وغیرہ جن کا شمار ناممکن ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ جو صفتیں اللہ تعالیٰ کیلئے کمالات ہیں وہ نفس کیلئے عیوب ہیں۔

حضرت شیخ ابو عبد الرحمن سلمیؒ نے نفس کے عیوب اور ان کے علاجوں کے بیان میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اور حضرت شیخ زروقؒ نے اس کو نظم کیا ہے۔ جو تقریباً آٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے شیخ تربیت کے حوالے کر دیا۔ اس کیلئے شیخ کی باتیں سننے اور اس پر عمل کرنے کے سوا کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔

پس جب مرید حیوانی صفات سے باہر ہو جاتا ہے۔ تو روحانیوں کے اخلاق سے موصوف ہو جاتا ہے۔ جیسے زہد و ورع، قناعت، پاکدامنی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس و محبت، اللہ میں مشغولیت مخلوق سے بے نیازی۔

اور جب وہ شیطانی اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے تو مومنوں، یا فرشتوں کے اخلاق سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ جیسے تواضع، سینہ کی سلامتی، علم، حکمت، حقیقی سکون کامل، سنجیدگی، اطمینان، نرم دلی، کمائی، اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنا، شفقت و رحمت، فقیروں اور محتاجوں اور اہل بیت اور تمام امت کی تعظیم و تکریم، بخشش و سخاوت، اخلاص، صدق، مراقبہ و مشاہدہ، و معرفت۔

تو جب بندہ ان اخلاق سے موصوف ہو جاتا ہے اور ان کا ذوق اس میں پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی ضد اور مخالف صفات سے پاک ہو جاتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کا خالص بندہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ماسوا سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی پکار پر حاضر اور اس کے حضور کے قریب ہو جاتا ہے تو جب اس کا رب کہتا ہے:۔ اے میرے بندے۔ تو وہ کہتا ہے۔ اے میرے رب! پس وہ اپنی عبودیت کی سچائی کی بنا پر اپنی قبولیت میں سچا ہوتا ہے۔

بخلاف اس کے جو اپنے ظاہری اور باطنی خواہشات میں منہمک اور مشغول ہوتا ہے۔ وہ اپنے نفس اور خواہشات کا بندہ ہوتا ہے۔ تو جب وہ کہتا ہے:۔ اے میرے رب! تو وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ جو شخص جس کو محبت کرتا ہے وہ اسی کا بندہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں پسند کرتا ہے کہ وہ اس کے غیر کا بندہ بنے اور جب وہ خواہشات ولذات کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کے قریب بلکہ اس میں معتکف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انہیں دنیاوی خیالات کی محبت نے نہیں

حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس نے آرام کی زندگی بسر کی۔ اور جو دنیا کی طرف مائل ہوا وہ تباہ ہوا اور بے وقوف صبح و شام ہلاکت میں دوڑتا ہے اور عقلمند اپنے عیوب کی تلاش میں مشغول ہے۔

پس اے میرے بھائی! اگر تم اپنے نفس کے خیر خواہ ہو تو اپنے نفس کے عیوب کی تحقیق اور تلاش کرو۔ اگر تم اپنے نفس کے عیوب کی تحقیق کرو گے اور اس کی پوشیدہ چیزوں کو رسوا کرو گے تو نجات پا جاؤ گے۔ اور آزاد ہو جاؤ گے۔ اور حقیقت میں قائم ہو جاؤ گے۔ اور حضور میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری نظر کشادہ ہو جائیگی اور تمہارے لئے فکر ظاہر ہو جائے گی۔

ہمارے شیخ الشیوخ فرماتے تھے:۔ اس شخص پر لعنت ہے جس کے سامنے اس کے نفس کے پوشیدہ عیوب ظاہر ہوئے اور اس نے نفس کو رسوا نہیں کیا نیز اکثر آدمیوں کا انتظار نہ کرنے اور ان کی طرف توجہ اور فکر نہ رکھنے کی وصیت کرتے تھے اس لئے کہ لوگوں کو اپنی نظر سے گرائے بغیر اور اپنے کو انکی نظروں سے گرائے بغیر، ریا کی باریکیوں سے رہائی نہیں پا سکتا۔

نفس کی شرارتوں سے نجات

اور جو شخص نفس کی شرارتوں سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ اس کی صحبت اختیار کرے جو نفس سے نجات پا چکا ہے۔ چنانچہ مصنف نے فرمایا ہے:۔

﴿وَلَئِنْ تَصْحَبْ جَاهِلًا لَا يَرْضَى عَنْ نَفْسِهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَصْحَبْ عَالِمًا يَرْضَى عَنْ نَفْسِهِ﴾ "اپنے نفس سے راضی رہنے والے عالم کی صحبت سے اپنے نفس سے راضی نہ رہنے والے جاہل کی صحبت اختیار کرنی تمہارے لئے بہتر ہے"۔

میں کہتا ہوں:۔ جو شخص اپنے نفس سے راضی نہیں ہے اس کی صحبت خالص بھلائی ہے اس وجہ سے کہ وہ اخلاص کے ساتھ قائم ہے اور ریا اخلاص سے آراستہ ہو کر خواص میں ہو جاتا ہے۔

اور جو شخص اپنے نفس سے راضی ہے اگرچہ وہ سارے اہل زمین سے بڑا عالم ہو اس کی صحبت خالص برائی ہے اس وجہ سے کہ طبیعتیں دوسری طبیعتوں کو چوری کر لیتی ہیں۔ اور وہ جہالت جو اللہ

البصیرت :۔ نہ تمہارے عدم کا، نہ تمہارے وجود کا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے وجود کا تمہیں مشاہدہ کراتی ہے۔ اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی، اور اب بھی وہ اسی حال پر ہے جس حال پر پہلے تھا۔

بصیرت کی اقسام

میں کہتا ہوں :۔ لطیف حقیقتوں کے ادراک (پانے) کے اعتبار سے بصیرت کی پانچ قسمیں ہیں۔

بصیرت کی پہلی قسم :۔ اس کی بصیرت خراب ہو گئی پھر اندھی ہو گئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے نور کا اس کی اصل سے انکار کر دیا۔ سیدی علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے :۔

قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِنْ سَقَمِ

آنکھ آشوب چشم کی وجہ سے آفتاب کی روشنی کا انکار کر دیتی ہے، اور بیماری کی وجہ سے منہ پانی کے مزے کا انکار کر دیتا ہے۔ اور یہ کفار کی بصیرت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

(فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ)

بصیرت کی دوسری قسم :۔ بصیرت کی آنکھ درست ہے لیکن کمزوری کی وجہ سے بند ہے اور یہ کمزوری کسی مرض کی وجہ سے ہے جو اس کو لاحق ہے تو وہ نور کا اقرار کرتی ہے لیکن اس کے مشاہدے کی طاقت نہیں رکھتی وہ نور کو نہ اپنے قریب دیکھتی ہے نہ دور۔ یہ عام مسلمانوں کی بصیرت ہے۔

بصیرت کی تیسری قسم :۔ اس کا نام "شعاع البصیرت" ہے یہ کچھ طاقتور ہوتی ہے۔ اس کی آنکھ بھی درست ہے اور کھلنے کے قریب ہے لیکن شعاع کی تیزی کی وجہ سے آنکھ کو کھولنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے، پس وہ اپنے قرب نور کے شعاع کو پاتی ہے اور یہ عام متوجہین (توجہ کرنے والوں) کی بصیرت ہے۔

بصیرت کی چوتھی قسم :۔ اس کا نام عین البصیرت ہے بصیرت طاقتور ہو گئی ہے اس کی آنکھ کھل گئی ہے۔ اس بصیرت والے نے نور کو اپنے گرد گھیرے ہوئے پایا اس نور کے مشاہدہ میں وہ اپنے نفس سے غائب ہو گیا اور یہ عام متوجہین کی بصیرت ہے۔

ہے۔

جیسا کہ ہمارے شیخ الشیوخ سیدی عبدالرحمٰن مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

مَنْ رَاَی الْمُکَوِّنَ بِالْکَوْنِ عَزَّهٗ فِیْ عَمَی الْبَصِیْرَةِ

''جس شخص نے خالق کو مخلوق کے ذریعہ دیکھا اس نے اپنی بصیرت کے اندھاپن میں ترقی کی''۔

وَمَنْ رَاَی الْکَوْنَ بِالْمُکَوِّنِ صَادَفَ عِلَاجَ السَّرِیْرَةِ

''اور جس نے مخلوق کو خالق کے ذریعہ دیکھا اس نے روح کا علاج پالیا''۔

پس اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کی بصیرت اندھی ہوگئی ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو پہلے بیان ہوا وہ یہ کہ ان کی بصیرت درست ہونے کے باوجود اس کی آنکھ بند ہے اس کے برعکس کفار کی بصیرت اندھی ہو چکی ہے۔

اور حق البصیرت:۔ صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کا نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے اصل سے گم ہے۔ اور تمہارے عدم کا بھی نہیں اسلئے کہ عدم وہ ہوتا ہے۔ جس کیلئے وجود ثابت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی موجود نہیں ہے۔ اللہ تھا اور اسکے ساتھ کچھ نہ تھا، اور وہ اب بھی اسی حال پر ہے جس حال پر پہلے تھا، اور یہ مضمون زیادہ ہے اور اگر چہ حدیث میں نہیں ہے۔ لیکن اس کی حقیقت صحیح ہے کیونکہ حق تعالیٰ کیلئے تغیر محال ہے۔

حضرت محی الدین بن محمد بن علی بن عربی بن حاتمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جس شخص نے مخلوق کا مشاہدہ کیا کہ ان کو کوئی فعل نہیں ہے۔ وہ بیشک کامیاب ہوا۔ اور جس نے مخلوق کا مشاہدہ اس طرح کیا کہ ان کیلئے زندگی نہیں ہے وہ آگے بڑھا اور جس نے مخلوق کو عین عدم مشاہدہ کیا واصل ہوا۔

میں کہتا ہوں:۔ جس نے مخلوق کو عین عدم مشاہدہ کیا اس کا وصال ثابت اور قائم ہو گیا۔

عارفین کے اشعار ہیں:

مَنْ اَبْصَرَ الْخَلْقَ کَالسَّرَابِ فَقَدْ تَرَقّٰی عَنِ الْحِجَابِ

اِلٰی وُجُوْدٍ تَرَاهُ رَتْقًا بِلَا انْفِعَادٍ وَّلَا اقْتِرَابٍ

جس نے مخلوق کو سراب کی طرح دیکھا تو بیشک وہ حجاب سے آگے بڑھا اس وجود کی طرف

جس کو تم بغیر فوری اور نزدیکی کے ملا ہوا سمجھو گے۔

فَلَا خِطَابَ بِهٖ إِلَيْهِ وَلَا مُشِيْرَ إِلَى الْخِطَابِ

پس اس کے ساتھ اس کی طرف کوئی خطاب نہیں ہے۔ اور نہ خطاب کی طرف کوئی اشارہ کرنے والا ہے۔

تیسرا باب ختم ہوا

چونکہ وجود میں حق تعالیٰ کی انفرادیت ثابت ہو چکی ہے۔ تو اپنی ہمت کو اس کے غیر کی طرف متوجہ نہ کرو۔ کیونکہ غیر غائب ہے حضرت مصنف نے چوتھے باب میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

باب چہارم

اللہ تعالیٰ سے تجاوز کر کے غیر اللہ کی طرف ہمت کے نہ بڑھنے اور خلق کے مشاہدہ سے خالق کے مشاہدہ کی طرف قلب کے سفر کرنے کے بیان میں

مصنفؒ نے فرمایا:

لَا تَتَعَدَّ نِيَّةُ هِمَّتِكَ إِلَى غَيْرِهِ فَالْكَرِيمُ لَا تَتَخَطَّاهُ الْآمَالُ

تمہاری ہمت کی نیت یعنی ارادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجاوز کر کے غیر اللہ کی طرف نہ بڑھے کیونکہ وہ کریم یعنی سخی ہے ارادے سخی سے آگے نہیں بڑھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں:۔ اے مرید! جب تمہاری ہمت کسی ایسی چیز سے وابستہ ہو جس کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کریم ہے اور اس کی نعمتوں کی بارش رات دن جاری ہے اور وہ ایسا کریم ہے کہ ارادے اس سے آگے نہیں بڑھتے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ اور وہ سوال کو قبول کرے۔

کریم کا معنی

مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک "کریم" کی تفسیر میں فرمایا ہے:۔ وہی ایسا ہے کہ اس سے جب مانگا جائے تو وہ دیتا ہے اور اس کو یہ پرواہ نہیں ہوتی ہے کہ کتنا دے۔ اور کس کو دے۔ اور جب کوئی حاجت اس کے سوا دوسرے کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ تو وہ اس کو پسند نہیں کرتا ہے۔

اور جب وہ تنگی کرتا ہے تو معاف کر دیتا ہے، اور جب سزا دیتا ہے تو انتہا تک نہیں پہنچتا ہے۔ یہ اس کے کرم اور احسان کا کمال ہے۔

اور اس کی حقیقت کے بارے میں سیدی ابراہیم تازی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

كَمَالُ اللّٰهِ أَكْمَلُ كُلِّ حُسْنٍ فَلِلّٰهِ الْكَمَالُ وَلَا مُمَارِي

"اللہ تعالیٰ کا کمال تمام خوبیوں سے زیادہ کامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے کمال میں کوئی جھگڑا کرنے والا مزاحمت کرنے والا نہیں ہے۔"

وَحُبُّ اللّٰهِ أَشْرَفُ كُلِّ أُنْسٍ فَلَا تَنْسَ التَّخَلُّقَ بِالْوَقَارِ

"اور اللہ تعالیٰ کی محبت تمام محبتوں سے افضل ہے، پس تم وقار کی صفت اختیار کرنا فراموش نہ کرو۔"

وَذِكْرُ اللّٰهِ مَرْهَمُ كُلِّ جُرْحٍ وَأَنْفَعُ مِنْ زُلَالٍ لِلْأُوَارِ

"اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر زخم کا مرہم ہے، اور پیاسے کیلئے میٹھے اور صاف پانی سے زیادہ فائدہ مند ہے۔"

فَلَا مَوْجُودَ إِلَّا اللّٰهُ حَقًّا فَدَعْ عَنْكَ التَّعَلُّقَ بِالْغِمَارِ

"پس فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے، پس تم اپنے سے فضولیات کا تعلق ختم کر دو۔"

اور جب تم نے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور کرم اور کمال اور احسان کو معلوم کر لیا، تو جو حاجتیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر نازل کی ہیں انہیں دوسروں کے سامنے نہ پیش کرو۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا:

لَا تَرْفَعَنَّ إِلَى غَيْرِهِ حَاجَةً هُوَ مُورِدُهَا عَلَيْكَ

"جو حاجتیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر نازل کی ہیں انہیں تم غیر اللہ کے سامنے ہرگز نہ پیش کرو۔"

میں کہتا ہوں: تم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب وہمی خیالی ہے، ان کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر کوئی حاجت نازل کرے جیسے فاقہ یا تنگی یا دوسرے حادثات، تو تم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو اور اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دو، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو کر [illegible] کی طرف تعلق اور خوشامد سے

ساتھ توجہ کرو۔ حدیث شریف میں ہے۔

(مَنْ لَّمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ) ”جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ناراض ہوتا ہے۔“

معرفت کی علامت

حضرت ابو علی دقاق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: معرفت کی علامت یہ ہے کہ تم اپنی کل حاجتیں کم ہوں یا زیادہ، چھوٹی ہوں یا بڑی، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ مانگو۔

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق ہوئے تو کہا:

(رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ) ”اے میرے رب! تو مجھ کو دکھا، میں تجھ کو دیکھوں“ اور ایک روز ان کو روٹی کی ضرورت ہوئی تو کہا: (رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ) ”اے میرے رب! بیشک میں اس نعمت کا، جو تو نے میری طرف نازل کی ہے، محتاج ہوں۔“

پھر اللہ تعالیٰ کے غیر سے پیش آنے والی حاجت کو اس کے غیر کے سامنے پیش کرنے کی عاجزی اور کمزوری کے باوجود پیش کرنے والے پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے مصنف نے فرمایا: (فَكَيْفَ يَرْفَعُ إِلَى غَيْرِهِ مَا كَانَ هُوَ لَهُ وَاضِعًا) پس جو حاجت اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے وہ اس کو اس کے غیر کے سامنے کیسے پیش کرتا ہے۔

غیر اللہ سے مانگنا بے شرمی ہے

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے جو حاجت اس پر نازل کیا تو اللہ تعالیٰ کے احسان اور فضل اور اس کی قدرت، اس کی مہربانی کے عادی ہونے کا علم رکھنے کے باوجود جو شخص وہ حاجت غیر اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے تو یہ اس کے شرم کی کمی کی وجہ سے ہے۔

حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں اپنے نفس کیلئے اپنے نفس کے فائدے سے مایوس ہو گیا ہوں۔ لہٰذا میں کیسے اپنے غیر کے فائدے سے نہیں ناامید ہونگا۔ اور جب میں اپنے غیر کیلئے اللہ تعالیٰ سے امید کرونگا تو اپنی ذات کیلئے کیوں نہ امید

کروں گا۔

ایک عجیب نصیحت

اور بعض اہل کشف عارفین رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے۔ ایسی نیند میں جو بیداری کے مشابہ تھی۔ یا ایسی بیداری میں جو نیند کی طرح تھی یعنی نیم بیداری و غنودگی کی حالت میں ہم سے کہا گیا: تم اپنا فاقہ ظاہر کرو ورنہ تمہاری بے ادبی اور عبودیت کے حق سے باہر ہونے کی سزا میں، میں اس کو تمہارے اوپر دوگنا کر دوں گا۔ میں نے تم کو اس لئے فاقہ میں مبتلا کیا ہے تا کہ اس کی وجہ سے تم فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور اس کی وجہ سے میرے سامنے روؤ، گڑگڑاؤ۔ اور اس کے بارے میں میرے اوپر توکل کرو۔ میں نے تم کو فاقہ میں اس لئے پگھلایا ہے کہ تم خالص سونا بن جاؤ۔ تو اب تم اس پگھلانے کو عیب نہ سمجھو۔ میں نے تمہارے لئے فاقہ، اور اپنی ذات کیلئے فنا یعنی بے نیازی کا حکم کیا۔ تو اگر تم اپنا فاقہ میرے سپرد کرو گے۔ تو میں اپنی فنا تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اور اگر تم اسے غیر کے سامنے پیش کرو گے تو میں اپنی امداد کا مادہ تم سے منقطع کر دوں گا۔ اور اپنے دروازے سے تم کو بھگانے کے ساتھ تمہارے اسباب کو اپنے اسباب سے جدا کر دوں گا۔ تو جس شخص کو میں نے اپنی سپردگی میں لیا وہ مالک ہوا اور جس کو میں نے اس کے سپرد کر دیا۔ وہ ہلاک ہوا۔ پھر مصنف نے تعجب کی وجہ بیان فرمائی۔

(مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ اَنْ يَرْفَعَ حَاجَةً عَنْ نَفْسِهِ فَكَيْفَ يَسْتَطِيعُ اَنْ يَكُوْنَ لَهَا عَنْ غَيْرِهِ رَافِعًا؟) "جو اپنی ذات سے حاجت رفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے، وہ دوسروں کی حاجت کیسے رفع کر سکتا ہے؟

میں کہتا ہوں:۔ جو شخص اپنی ذات کی اصلاح سے عاجز ہے۔ وہ دوسرے کی اصلاح کس طرح کر سکے گا؟ طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے۔ جو شخص غیر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ دھوکے میں ہے کیونکہ دھوکا وہی ہے جو ہمیشہ نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی

ہمیشہ رہنے والا قدیم ہے تو اس کو کبھی زوال ہوا نہ کبھی زوال ہوگا۔ اور اس کی بخشش اور فضل دونوں دائمی ہیں پس تم صرف اسی پر بھروسہ کرو جس کی بخشش اور فضل تمہارے اوپر ہمیشہ ہے۔

دوسرا: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اپنی حاجتیں اس کے سامنے پیش کرنا اور کل حادثات اور مصائب میں اسی کی طرف رجوع کرنا اس کے ساتھ حسن ظن کا سبب ہے جیسا کہ مصنف نے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

اللہ سے حسن ظن رکھو

إِنْ لَّمْ تُحَسِّنْ ظَنَّكَ بِهِ لِأَجْلِ وَصْفِهِ فَحَسِّنْ ظَنَّكَ بِهِ لِأَجْلِ مُعَامَلَتِهِ مَعَكَ فَهَلْ عَوَّدَكَ إِلَّا حَسَنًا وَهَلْ أَسْدَى إِلَيْكَ إِلَّا مِنَنًا ”اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی صفات کی بنا پر حسن ظن نہیں رکھتے ہو تو تمہارے ساتھ جو اچھا سلوک اس نے کیا ہے اس کی بنا پر اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ تو کیا اس نے تمہیں اچھے حال کے سوا کبھی برے حال میں رکھا۔ اور کیا تمہارے پاس احسان کے سوا کچھ اور بھیجا؟“

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کے معاملہ میں انسانوں کی دو قسم ہے:

ایک قسم خواص: اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا حسن ظن اس کے جمال اور کمال کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رحمت و رافت اور جود و کرم سے موصوف ہونا ختم نہیں ہوتا ہے تو جب ان کے سامنے اپنے جلال و قہر کے ساتھ تجلی کرتا ہے تو اس کے پردے میں جو کچھ اس کی نعمت کا نازل اور اس کی رحمت کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اس کو دیکھ لیتے ہیں۔ اور ان کے اوپر رحمت اور جمال کا مشاہدہ غالب ہو جاتا ہے۔ پس ان کا حسن ظن ہر حال میں ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

دوسری قسم عوام: اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا حسن ظن اس کے احسان اور اس کے اچھے سلوک اور اس کے انعام کے مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ تو جب ان کے اوپر مصیبت یا سختی نازل ہوتی ہے تو وہ اس کے سابقہ احسان اور اس کی مہربانی اور انعام پر نظر کرتے ہیں۔ تو اس نے ان کو پہنچے

عطا کیا ہے۔ تو جو کچھ ان کے اوپر اب وارد ہوتا ہے اس کو ماضی پر قیاس کرتے ہیں اور قبولیت اور رضا مندی کے ساتھ اس کو گوارا کرتے ہیں۔ اور یہ حسن ظن نظر اور فکر کی کمزوری اور طاقت کے مطابق کمزور اور طاقتور ہوتا ہے بخلاف پہلے حسن ظن کے کہ وہ یعنی خواص کا حسن ظن وصف کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے اور وصف کبھی مختلف نہیں ہوتا ہے اور دوسرا یعنی عوام کا حسن ظن فعل کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے اور فعل مختلف ہوتا رہتا ہے۔

پس اے مرید! اگر تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا حسن ظن رکھنے کی طاقت نہیں ہے جو اس کے مختلف نہ ہونے والے وصف رحمت ورافت کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے تو تم اس کے اس مہربانی اور احسان کی بنا پر جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے اس کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی اور لطف وکرم کے سوا کچھ اور کیا ہے۔ اور کیا اس نے تمہارے پاس بڑے احسانات اور زیادہ نعمتوں کے سوا کچھ اور بھیجا ہے؟

حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

(اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ بِهٖ مِنْ نِعْمَةٍ، وَاَحِبُّوْنِىْ بِحُبِّ اللّٰهِ) ''تم لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت اس لئے کرو کہ وہ تم کو اپنی نعمت سے غذا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کیلئے مجھ سے محبت کرو۔''

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کو محبت کرتا ہوں تو ایک شخص نے کہا:۔ اے میرے سردار! آپ کے جد معظم حضرت رسول اکرم ﷺ نے اپنے مندرجہ ذیل قول مبارک سے آپ کے قول کا انکار فرمایا ہے:۔

(جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا) ''قلوب اس کی محبت پر پیدا کئے گئے ہیں جس نے اس کے ساتھ احسان کیا ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے جواب دیا: بیشک جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو احسان کرنے والا نہیں دیکھا تو ہم نے صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔

نیز حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا:۔ ایک رات کو میں نے سورہ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھنا شروع کیا جب میں (مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ) تک پہنچا تو مجھ سے کہا گیا:

وسواس کا شر۔ وہ وسوسہ ہے جو تمہارے اور تمہارے دوست کے درمیان داخل ہوتا ہے تم کو تمہارے برے افعال یاد دلاتا ہے اور تم کو تمہارے نیک افعال بھلا دیتا ہے اور تمہارے نزدیک بائیں ہاتھ والے یعنی برائی کے اعمالنامے کو زیادہ کرتا ہے۔ اور داہنے ہاتھ والے یعنی نیکی کے اعمالنامے کو تمہارے نزدیک کم کرتا ہے تا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی بخشش کے حسن ظن سے پھیر کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بدظنی میں مبتلا کر دے پس اس وسوسہ سے بچو اور عابدین و زاہدین اور اطاعت کرنے والے صالحین نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

نیز حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا:۔ عارف وہ ہے جو زمانہ کی سختیوں اور مصیبتوں کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی مہربانیاں تصور کرتا ہے۔ اور زمانہ کی برائیوں کو اپنی طرف اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہے۔ ﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ الآیۃ۔ ''تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کو کامیابی حاصل ہو۔''

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ تمہارے ساتھ احسان ہی کیا۔ اور ہمیشہ تمہاری طرف انعام ہی بھیجا۔ تو یہ تعجب ہے کہ تم اس کو چھوڑ کر اس کے ماسوا کو طلب کرو۔ چنانچہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

''اَلْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ مِمَّنْ يَّهْرُبُ مِمَّا لَا انْفِكَاكَ لَهُ عَنْهُ وَيَطْلُبُ مَا لَا بَقَاءَ لَهُ مَعَهُ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ''

''بہت تعجب ہے اس شخص پر جو اس سے بھاگتا ہے، جس سے اس کو جدا نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کو طلب کرتا ہے جو اس کے ساتھ باقی نہیں رہتا ہے پس بیشک اس کی آنکھیں اندھی نہیں ہوئی ہیں بلکہ اس کا دل اندھا ہو گیا ہے جو سینہ میں ہے۔''

بڑی ہی عجیب بات

میں کہتا ہوں:۔ جس سے جدا نہیں ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی قضا و قدر ہے اور جس کو باقی نہیں رہتا ہے وہ دنیا ہے یا وہ چیزیں جن کی تدبیر اور اندازہ نفس کرتا ہے، پس سارے

عجائبات سے بڑا تعجب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے بھاگے اور طلب کے ساتھ اس کے ماسوا کی طرف توجہ کرے باوجود اس کے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے جدا ہونا ممکن نہیں ہے اور نہ اس سے پھر کر جانے کی کوئی جگہ ہے کیونکہ اس کا وجود اسی سے ہے۔ اور اس کے وجود کا قیام اسی کے ساتھ یعنی اسی کے باعث ہے تو وہ اس کی معرفت کی طلب کو اور اس کے حکم کی پیروی اور اس کے منع سے پرہیز کے ذریعہ اس کے تقرب کو ترک کر کے کیسے بھاگتا ہے۔ اور دنیائے فانی کے حظوظ یعنی حصوں کو طلب کرتا ہے جنہیں باقی نہیں رہنا ہے اور ان کو اگر تم نے دنیا کی زندگی میں نہیں چھوڑا تو وہ موت کے ساتھ تم سے چھوٹ جائیں گی پس تم اس کو طلب کرو جو باقی رہے گا۔ اور اس کو چھوڑ دو جو فنا ہو جائیگا۔

ایک عارف نے بہت خوب کہا ہے:۔

هَبِ الدُّنْيَا تُسَاقُ إِلَيْكَ عَفْوًا أَلَيْسَ مَصِيرُ ذَاكَ إِلَى زَوَالٍ

''فرض کرو کہ دنیا تمہاری طرف ضرورت سے زیادہ یعنی کثیر مقدار میں آ رہی ہے تو کیا اس کا ٹھکانہ زوال کی طرف نہیں ہے (یعنی کیا اس کا انجام فنا ہو جانا نہیں ہے)''

وَمَا دُنْيَاكَ إِلَّا مِثْلُ ظِلٍّ أَظَلَّكَ ثُمَّ آذَنَ بِارْتِحَالٍ

''اور تمہاری دنیا صرف سایہ کی طرح ہے۔ تمہارے اوپر سایہ کیا پھر کوچ کرنے کا اعلان کر دیا''۔

یا اس طرح کہو:۔ سب سے بڑا تعجب یہ ہے کہ بندہ جس سے جدا نہیں ہو سکتا اس سے بھاگے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر ہے اور جس کو باقی نہیں رہنا ہے اس کو طلب کرے اور وہ اس کی تدبیر اور اختیار ہے اس لئے کہ جو کچھ وہ تدبیر کرتا اور مضبوط کرتا ہے قضا اس کو الٹ دیتی اور منہدم کر دیتی ہے۔

مَتَى يَبْلُغُ الْبُنْيَانُ يَوْمًا تَمَامَهُ إِذَا كُنْتَ تَبْنِيهِ وَغَيْرُكَ تَهْدِمُ

''وہ دیوار کبھی کیسے پوری ہو سکتی ہے جس کو تم بناتے ہو اور قضا اس کو ڈھا دیتی ہے''۔

اور یہ سب بصیرت کے نہ کھلنے یا اس کے اندھی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی لئے فرمایا:۔

(فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ) بیشک آنکھیں یعنی ظاہر کے دیکھنے سے اندھی

بہت نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ یقیناً وہ اس کو دیکھتی ہیں اور اسی کے حجاب میں رہتی ہیں (وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ) بلکہ قلوب کی آنکھیں حقیقت کے دیکھنے سے اندھی ہوتی ہیں۔ تو وہ صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اسی کو محبت کرتا ہے۔

اور اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت اور اس کی ہدایت چاہتے ہیں۔

بصیرت کب اندھی ہوتی ہے

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بصیرت کے اندھی ہونے کے تین سبب ہیں۔

اول:۔ جسمانی اعضا کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں آزاد چھوڑ دینا۔ دوم:۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حرص کرنا۔ سوم:۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بناوٹ اختیار کرنا۔

پس اگر تم کو اللہ تعالیٰ کی طلب ہے جس سے جدا ہونا تمہارے لئے ممکن نہیں ہے اور تم اس کی طرف سفر کرنا چاہتے ہو تو اس کی ذات کی معرفت طلب کرو اس کی جنتوں کی زیب و زینت نہیں کیونکہ وہ بھی اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے لہٰذا مصنف نے فرمایا:۔

(لَا تَرْحَلْ مِنْ كَوْنٍ إِلٰى كَوْنٍ فَتَكُوْنَ كَحِمَارِ الرَّحٰى يَسِيْرُ وَالَّذِيْ ارْتَحَلَ إِلَيْهِ هُوَ الَّذِيْ ارْتَحَلَ عَنْهُ وَلٰكِنِ ارْحَلْ مِنَ الْأَكْوَانِ إِلَى الْمُكَوِّنِ وَأَنَّ إِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى)۔

چکی کا گدھا

"تم مخلوق سے مخلوق کی طرف سفر نہ کرو۔ ورنہ تم چکی کے گدھے کی طرح ہو جاؤ گے۔ جو چلتا رہتا ہے اور جس مقام کی طرف وہ سفر کرتا ہے وہ وہی مقام ہے جس سے وہ سفر کرتا ہے۔ بلکہ مخلوقات سے خالق کی طرف سفر کرو اور بیشک آخری منزل تمہارے رب کے پاس ہے"۔

میں کہتا ہوں: مخلوق سے مخلوق کی طرف سفر کرنا یہ ہے کہ غیر اللہ کی طلب کی طرف سفر

کرتا ہے اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ مثلاً: ایک شخص نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور اللہ کی طرف متوجہ اور سب سے منقطع ہو گیا لیکن اس عمل سے اس کی خواہش اپنے بدن کو آرام دینا اور دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

(مَنِ انْقَطَعَ إِلَى اللّٰهِ كَفَاهُ كُلَّ مُؤْنَةٍ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ) جو شخص سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب ضروریات کیلئے کافی ہوتا ہے اور اس کو اس حیثیت سے روزی دیتا ہے جس کو وہ گمان بھی نہیں کرسکتا ہے“۔ و نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

(مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ جَمَعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ صَاغِرَةٌ) ”جس شخص کی نیت آخرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے سب کاموں کو اپنے ذمے لے لیتا ہے اور اپنی غنا اس کے قلب میں قائم کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے“۔

یا مثلاً: ایک شخص نے دنیا میں زہد اختیار کیا لیکن اس کی خواہش خصوصیت حاصل کرنا ہے جیسے مخلوق میں عزت اور مقبولیت حاصل کرنی اور لوگوں کے دلوں میں رعب پیدا کرنا۔

یا مثلاً: ایک شخص نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور اس سے اس کی خواہش کرامت اور خرق عادت کا پیدا ہونا ہے۔

یا مثلاً: ایک شخص نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور اس سے اس کی خواہش حور و قصور حاصل کرنا ہے۔

پس یہ سب مخلوق سے مخلوق کی طرف سفر ہے اور اس کی مثال چکی کے گدھے کی طرح ہے جو دن رات چلتا رہتا ہے اور پھر بھی اپنی جگہ ہی میں رہتا ہے جس مقام سے وہ سفر کرتا ہے سارا دن چلنے کے بعد وہ اسی مقام پر پہنچتا ہے۔ پس جس شخص کا ارادہ نفسانی حظوظ حاصل کرنا ہے اس کا حال رہٹ کے گدھے کی طرح ہے۔ ہمیشہ چلتا ہی رہتا ہے اور پھر بھی اپنی ہی جگہ میں رہتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ اس نے منزل مقصود کی طرف کچھ راستہ طے کیا ہے۔ حالانکہ اس کو محنت اور تھکن کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔تم صرف ایک دروازے پر ٹھہرو۔ لیکن یہ نیت نہ کرو کہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا جائے۔ تو تمہارے لئے دروازہ کھولدیا جائیگا۔اور ایک آقا کے سامنے جھکو۔لیکن تمہاری نیت یہ نہ ہو، کہ مخلوق کی گردنیں ہمارے سامنے جھکیں۔ تو تمہارے سامنے گردنیں جھک جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ﴾ "ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں"۔

پس اے مرید! تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ تم اپنی ہمت کو بزرگ بادشاہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلند کرو اور مخلوق کے مشاہدہ سے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کی جانب میں سفر کرو یا دلیل و برہان سے شہود و عیاں کے مرتبہ کی طرف سفر کرو۔ یہی منزل مقصود اور انتہا تک پہنچنا ہے ﴿وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾ "بیشک آخری منزل تمہارے رب کے پاس ہے"۔

اور مخلوق سے مخلوق کی طرف سفر نہ کرو اس طریقے پر کہ تم نفس کے حظوظ میں سے ایک حظ کو دوسرے کیلئے ترک کرو۔ پس تم چکی کے گدھے کی طرح ہو جاؤ۔ اور ایسے شخص کو گدھے کے ساتھ مشابہت دینا اس کی کند ذہنی اور کم فہمی کی دلیل ہے اس لئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کچھ سمجھ رکھتا تو اپنے نفس اور اس کی خواہشات کے حظوظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچنے کے ارادے سے سفر کرتا۔ پس اے مرید! ایک مخلوق کی طرف سے اپنے ہی جیسی دوسری مخلوق کی طرف سفر نہ کرو بلکہ مخلوق سے خالق کی طرف سفر کرو ﴿وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾۔

اور خالق کی طرف سفر تین امور سے ہوتا ہے۔ اول:۔ تمہاری ہمت کا ماسوی اللہ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ پر منحصر ہونا تاکہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی طرف نظر کرے تو اس کو ماسوی اللہ کی محبت سے خالی پائے۔ دوم:۔ حقوق کے قائم کرنے اور نفسانی حظوظ سے بھاگنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ سوم:۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اور اس سے مدد چاہنا اور اسی پر توکل کرنا اور جو کچھ وہ تمہارے اوپر نازل کرے اس کیلئے سر تسلیم خم کرنا۔

ہر شے سے بے نیازی کیلئے چار صفات

حضرت شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ جس شخص میں چار صفات ہوں مخلوق اس

کی محتاج ہے اور وہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔ (۱) اللہ کی محبت۔ (۲) اللہ کے ساتھ فنا۔ (۳) صدق۔ (۴) یقین۔ عبودیت میں صدق ربوبیت کے احکام میں یقین۔ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ الآیۃ۔ "یقین رکھنے والی قوم کیلئے حکم میں اللہ سے بہتر کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ حضرت شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

پھر مصنفؒ نے ماسوی اللہ سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہمت کو متوجہ کرنے کی طلب میں حدیث ہجرت سے جو بخاری شریف میں وارد ہے۔ استدلال کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

﴿وَانْظُرْ اِلٰى قَوْلِهٖ ﷺ : فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ فَافْهَمْ قَوْلَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ : فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ وَتَاَمَّلْ هٰذَا الْاَمْرَ اِنْ كُنْتَ ذَا فَهْمٍ وَالسَّلَامُ﴾

"حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث کی طرف نظر کرو:۔ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ اور جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف اس کو حاصل کرنے کیلئے یا عورت کی طرف اس سے شادی کرنے کیلئے ہے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے۔ جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے تو نبی کریم ﷺ کے اس قول مبارک کو سمجھو۔ تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔ اور اس معاملہ میں غور کرو اگر تم سمجھ والے ہو۔ والسلام"

میں کہتا ہوں:۔ ہجرت: ایک وطن سے دوسرے وطن کی طرف اس حیثیت سے منتقل ہونے کو کہتے ہیں کہ جس وطن سے نکلا ہے اس کو چھوڑ دے اور جس وطن کی طرف منتقل ہوا ہے اسی میں سکونت اختیار کرے۔

ہجرت تین طرح سے ہوتی ہے

اور ہجرت یہاں تین امور سے ہوتی ہے:۔ (۱) معصیت کے وطن سے اطاعت کے وطن کی

طرف۔ (۲) غفلت کے وطن سے بیداری کے وطن کی طرف۔ (۳) عالم اجسام کے وطن سے عالم ارواح کے وطن کی طرف۔

پس جو شخص ان وطنوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضامندی تک پہنچنے، یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت تک پہنچنے کا ارادہ کر کے ہجرت کرے تو اس کی ہجرت اس کے ارادہ اور ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تک پہنچانے والی ہوگی۔

پس اے سننے والو! حضرت رسول کریم ﷺ کا یہ قول مبارک سنو۔ "پس اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے اور اس میں غور کرو اور اس کو اپنے قلب اور نفس پر پیش کرو۔ اور دیکھو کہ جس سے تم نے ہجرت کی ہے کیا اس کی طرف تمہاری توجہ کا کوئی شائبہ باقی ہے۔؟ یا جس کی طرف تم نے ہجرت کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضامندی یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت کیا اس کے سوا تمہارے اندر نفس کے حظوظ میں سے کوئی حصہ باقی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے وہ اس کو پسند نہیں کرتا ہے کہ اس کا چاہنے والا اس کے سوا کچھ اور بھی چاہے۔ اور جس کے اندر اس کے نفس اور اس کی خواہشات کا ادنیٰ حصہ بھی باقی ہے وہ ہرگز اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچے گا۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

إِنْ تُرِدْ وَصْلَنَا فَمَوْتُكَ شَرْطٌ   لَا يَنَالُ الْوِصَالَ مَنْ فِيهِ فَضْلَةٌ

"اگر تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو اس کیلئے تمہارا فنا ہونا شرط ہے جس شخص کے اندر اس کا کوئی فضل باقی ہے وہ میرے وصال تک نہیں پہنچ سکتا"۔ اور حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

لَيْسَ يُدْرِكُ وِصَالِي   كُلُّ مَنْ فِيهِ بَقِيَّا

"کوئی بھی شخص جس کے اندر اس کے نفس اور اس کی خواہشات کا کوئی شائبہ باقی ہے وہ میرے وصال کو نہیں پا سکتا ہے"۔

اور میں نے اپنے شیخ بازیدی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ کیا تمہارے نفس نے اس عالم سے [illegible] پیش کرو جن کی وہ خواہش

کرتا تھا۔ یا کچھ بعد دیگرے ان کی طرف مائل ہوتا تھا تو اگر تم ایسا پاؤ کہ وہ ان امور سے سفر کر گیا ہے اور ان کی محبت اس کے دل سے نکل گئی ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کی طرف بھی اس نے توجہ نہیں کیا ہے تو خوش ہو جاؤ کیونکہ بے شک تمہاری ارواح عالم ملکوت کی طرف سفر کر گئی ہیں۔

اور اگر تم ایسا پاؤ کہ اس نے توجہ کیا اور اس دنیا سے کسی چیز کی محبت کی طرف مائل ہوا تو اس سے جہاد کرو۔ اور اس کو اس سے بالکل نکالو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے رب کی طرف سفر کر جائے۔

اس باب کو حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے سلام پر ختم کیا کیونکہ یہ باب افراد اور مقام کے بیان پر شامل ہے پس یہ باب پورے کا پورا خلق کے مشاہدہ سے خالق کے مشاہدہ کی طرف قلب کے سفر کی رہنمائی کرتا ہے پس سلامتی کے ذکر کیلئے سلام پر اس کو ختم کرنا مناسب سمجھا۔

چونکہ سفر میں کسی رہنما کا ہونا لازمی اور ضروری ہے ورنہ سیدھے راستے سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے لہٰذا مصنف رضی اللہ عنہ نے پانچویں باب میں صحبت: شیخ کے لوازمات اور اس آداب بیان فرمائے۔ چوتھا باب ختم ہوا۔

اس کا قول اس کے علم کے موافق ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی صحبت اکسیر ہے جو تانبوں اور حقیقتوں کو بدل دیتی ہے۔ مصنف کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔ "اس شخص کی صحبت اختیار نہ کرو جس کا حال تم کو ناہض نہیں کرتا ہے" یعنی اس شخص کی صحبت اختیار کرو جس کا حال تم کو ناہض کرتا ہے اور جس کا قول اللہ تعالیٰ کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔

صحبت کی اہمیت

تصوف کے طریقہ میں صحبت بہت اہم شے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی عادت اور حکمت اسی طرح جاری ہے۔ یہاں تک کہ بعض عارفین نے فرمایا ہے:

(مَنْ لَا شَيْخَ لَهُ فَالشَّيْطَانُ شَيْخُهُ) "جس کا کوئی شیخ نہیں ہے تو شیطان اس کا شیخ ہے"۔

ایک دوسرے عارف نے فرمایا ہے: انسان اس درخت کی طرح ہے جو خالی میدان میں اگتا ہے تو اگر اس کو کاٹا اور روکا نہ جائے یعنی کاٹ چھانٹ کر درست نہ کیا جائے تو وہ غیر موزوں اور بے کار ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جس شخص کا کوئی شیخ نہیں ہے اس کو اس حال میں خوش نہ ہونا چاہیئے۔

شیخ کے چار لوازمات

وہ یہ ہیں۔ (۱) صحیح علم۔ (۲) صریح ذوق۔ (۳) بلند ہمت۔ (۴) پسندیدہ حالت۔

صحیح علم۔ وہ ہے جس کے ذریعے اپنے فرض کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے۔ اور ذوق سے مراد ان مقامات و منازل کا تجربہ و مشاہدہ کرتا ہے اور نفس کے مکروں اور فریبوں کا بخوبی علم ہو۔ اور یہ علم اس نے کسی کامل شیخ کے ہاتھ پر سلوک کو طے کر کے اور ذوق سے پیدا ہو۔ تقلید سے نہیں۔ صریح ذوق کا مقصد یہی ہے۔

بلند ہمت: یہ ہے وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہوں غیر اللہ سے نہیں۔

سب سے بڑی صفت زہد

زہد کسے کہتے ہیں

میں تمام مخلوق میں زہد ہوتا ہے۔ تو جب مرید زہد میں ان مقامات پر یا اکثر مقامات پر قائم ہو جاتا ہے
تو اس کے حکم کے مشاہدہ میں تمام مخلوق میں زہد ہوتا ہے تو جب مرید زہد میں ان مقامات پر یا اکثر
مقامات پر قائم ہو جاتا ہے تو اس کے سب عمل حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم الشان ہو
جاتے ہیں اگرچہ ظاہر میں لوگوں کے نزدیک کم ہوں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک کا
یہی مفہوم ہے:۔

تھوڑا مسنون عمل زیادہ بدعتی عمل سے بہتر ہے

(عَمَلٌ قَلِيْلٌ فِي سُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلٍ كَثِيْرٍ فِي بِدْعَةٍ) ''سنت کا تھوڑا عمل بدعت کے
زیادہ عمل سے بہتر ہے''۔ اور دنیا کی محبت اور قلب اور جسم کے ساتھ سر کے بل اس پر گرنے سے
زیادہ بڑی اور عظیم الشان کون سی بدعت ہے جو نہ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھی نہ صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھی۔ یہاں تک کہ فرعونوں کا گروہ ظاہر ہوا اور انہوں نے بڑی بڑی عمارتیں
بنائیں اور ان کو خوب مضبوط کیا اور خوب آرائش و زیبائش کی۔ پس یہی حقیقی بدعت ہے تو ایسے لوگوں
کا عمل حقیقت میں کم ہے اگرچہ ظاہر میں زیادہ ہو۔ اس لئے کہ جسموں کی حرکت کا کچھ اعتبار نہیں
ہے۔ حقیقتاً اعتبار روحوں کے خضوع یعنی عاجزی کا ہے۔

زاہد کی عبادت: اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ راغب کی عبادت: نفس کے ساتھ
نفس کیلئے ہے۔ زاہد کی عبادت: زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور راغب کی عبادت: مردہ اور فنا
ہو جانے والی ہے۔ زاہد کی عبادت: متصل یعنی ہمیشہ جاری ہے اور راغب کی عبادت: پوری ہوئے
بغیر منقطع ہو جانے والی ہے۔ زاہد کی عبادت: اللہ تعالیٰ کے حضور کی مسجدوں میں ہوتی ہے جن کے
بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور راغب کی عبادت: گندگیوں کے گھوروں پر ہوتی ہے جن
کے ہٹانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

ایک عارف کا قول

ایک عارف نے فرمایا ہے ... گھورے پر نماز پڑھنے

والے کی طرح ہے۔ زاہد کی عبادت: جو ظاہر میں کم ہونے کے باوجود حقیقت میں زیادہ ہوتی ہے اور راغب کی عبادت: جو ظاہر میں زیادہ ہوتی ہے لیکن حقیقت میں کم ہوتی ہے۔ دونوں کی مثال: دو ایسے آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے بادشاہ کے حضور میں ہدیہ پیش کیا۔ ان میں سے ایک شخص نے ایک چھوٹا سا یاقوت صاف شفاف جس کی قیمت سو قنطار ہے ہدیہ پیش کیا اور دوسرے شخص نے سو خالی ڈبے پیش کیا۔ تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بادشاہ یاقوت کو قبول کرے گا اور اس کے پیش کرنے والے کی عزت و احترام کرے گا اور ڈبوں کو واپس کر دے گا اور اس کے پیش کرنے والے کو ذلیل و رسوا کرے گا اور اس کے اوپر غصہ کرے گا کیونکہ اس نے خالی ڈبوں کی شہرت اس کی منفعت سے زیادہ ہے۔ ہدیہ پیش کر کے بادشاہ کے ساتھ مذاق کیا ہے۔

میں نے اپنے شیخ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: دنیا میں راغب: غافل ہے اگرچہ اپنی زبان سے ہمیشہ اللہ اللہ کہتا رہتا ہے۔ کیونکہ زبان کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور دنیا میں زاہد ہمیشہ ذاکر ہے اگرچہ زبان سے اس کا ذکر کم ہو۔

میں کہتا ہوں: بعض عارف مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی یہی تفسیر فرمائی ہے:
(وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا) ”وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے ہیں مگر کم“ یعنی غفلت اور دنیا میں رغبت کے ساتھ اگرچہ ظاہر میں زیادہ ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے: ”كُوْنُوْا بِقَبُوْلِ الْعَمَلِ اَشَدَّ مِنْكُمْ اِهْتِمَامًا بِالْعَمَلِ فَإِنَّهُ لَمْ يَقِلَّ عَمَلٌ مَعَ التَّقْوٰى وَكَيْفَ يَقِلُّ عَمَلٌ يُتَقَبَّلُ“ تم لوگ اپنے عمل کے قبول ہونے کیلئے عمل کے درست کرنے میں دوسروں سے زیادہ سخت ہو جاؤ کیونکہ تقویٰ کے ساتھ عمل کم نہیں ہوتا ہے اور جو عمل مقبول ہو جائے وہ کم کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ”رَكْعَتَانِ مِنْ زَاهِدٍ عَالِمٍ خَيْرٌ وَّاَحَبُّ

عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْمُتَعَبِّدِیْنَ الْمُجْتَهِدِیْنَ اِلٰی آخِرِ الدَّهْرِ اَبَدًا" زاہد عالم کی دو رکعت نماز زندگی کے آخری وقت تک کوشش کر کے ہمیشہ عبادت میں رہنے والوں کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور محبوب ہے۔

ایک اہل اللہ کا قول

اور سلف صالحین میں سے ایک صالح نے فرمایا ہے:۔ حضرت محمد ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے تم کو نہ زیادہ نماز ادا کرنے کا فتویٰ دیا نہ زیادہ روزہ رکھنے کا۔ مگر یہ کہ وہ لوگ دنیا کے زاہد یعنی تارک تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت

بعض حدیث میں وارد ہے:۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سونے والے کے پاس سے گزرے اس جگہ بہت سے لوگ عبادت کر رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اٹھو اور سب لوگوں کے ساتھ تم بھی عبادت کرو۔ اس نے کہا: اے روح اللہ! میں نے عبادت کر لی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری عبادت کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے دنیا کو دنیا والوں کیلئے چھوڑ دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم سو جاؤ۔ یہ بہترین عبادت ہے۔ یا جس طرح فرمایا ہو علیہ السلام۔

ایک شخص نے حضرت شیخ ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا:۔ میں ایسا کیوں دیکھتا ہوں کہ لوگ آپ کی عزت و تعظیم کرتے ہیں اور میں نے آپ کا کوئی بڑا عمل نہیں دیکھا۔ حضرت ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صرف ایک سنت کے سبب لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر فرض کیا۔ میں نے اس سنت کو مضبوطی سے پکڑ ا۔ اس شخص نے پوچھا:۔ وہ کون سی سنت ہے؟ حضرت نے جواب دیا:۔ تم سے اور تمہاری دنیا سے نفرت کرنا ہے۔

زاہدوں کی فضیلت تین وجہوں سے ہے

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ زاہدوں کیلئے یہ فضیلت ہے تین وجہوں سے

اس میں لذت پاتا ہے تو وہ مقام ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح توکل: اسباب کے ترک کرنے کے ساتھ مجاہدہ ہوتا ہے پھر تقدیر کی تلخیوں پر صبر کے ساتھ مکابدہ اور ایسے ہی معرفت پہلے ظاہری عمل کے ساتھ مجاہدہ ہوتا ہے۔ پھر یہ حال ہو جاتا ہے، پھر جب مشاہدہ میں روح سکون پاتی اور قائم ہو جاتی ہے، تو یہ مقام ہو جاتا ہے۔ پس احوال: وہبی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بخشش سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور مقامات: کسبی ہیں۔ یعنی مجاہدہ و مکابدہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی احوال: اعمال کے ثواب کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور انعام ہیں اور جب عمل ہمیشہ رہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ حال شامل ہو جاتا ہے۔ تو وہ مقام ہو جاتا ہے پس احوال بدلتے رہتے ہیں جاتے اور آتے رہتے ہیں۔ اور اس حقیقت میں جب قلب ساکن اور قائم ہو جاتا تو وہ مقام ہو جاتا ہے اور یہ دوام عمل سے حاصل ہوتا ہے۔

تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مقام اور حال: ہر ایک کیلئے علم اور عمل ہے۔

پس مقام: پہلے اس سے علم کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے عمل میں کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حال ہو جاتا ہے پھر مقام ہو جاتا ہے ایسے ہی حال: پہلے اس کے ساتھ علم کا تعلق پیدا ہوتا ہے، پھر عمل کا۔ پھر وہ مقام حال ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس نزول کے مقامات میں قائم و ثابت ہونے کی علامت: حسن حال ہے اور حسن حال کی علامت: حسن عمل ہے تو اعمال کی مضبوطی اور خوبی، احوال کی خوبی کا نتیجہ ہے۔ اور احوال کی مضبوطی اور خوبی، مقامات میں ثابت و قائم ہونے کا نتیجہ ہے۔

یا تم اس طرح کہو: حسن احوال: جن مقامات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نازل کرتا ہے اس میں قائم و ثابت ہونے کی دلیل ہے اور حسن اعمال: حسن احوال کی دلیل ہے۔ اور مقام میں حال اور سکون کے ساتھ قائم و ثابت ہونا باطنی حقیقت ہے اور اس کا اثر جسمانی اعضا کے عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے: کہ جس کی حرکت قلب کی درستی یا خرابی کی دلیل ہے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ (اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ) "بیشک آدمی کے جسم

میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔

تو جب قلب زہد کے ساتھ قائم ہو گیا اور زہد اس کیلئے حال یا مقام ہو گیا۔ تو اس کا اثر اس کے جسم پر، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور یقین اور حرکت پیدا کرنے والے اسباب کیلئے حرکت کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((لَيْسَ الزُّهْدُ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ إِنَّمَا الزُّهْدُ أَنْ تَكُونَ بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ أَوْثَقَ مِمَّا فِي يَدِكَ)) ''زہد نہ حلال کو حرام کرنا ہے نہ مال کو ضائع کرنا بلکہ حقیقتاً زہد یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اس پر اپنے ہاتھ میں ہونے والی چیزوں سے زیادہ اعتماد اور یقین رکھو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب میں حضرت ابوالحسن شاذلیؒ سے فرمایا: قلب سے دنیا کی محبت خارج ہونے کی علامت: اس کے پانے کے ساتھ اس کو خرچ کر دینا ہے اور اسکے مفقود یعنی نہ ہونے کی حالت میں راحت اور خوشی پانا اور مقام توکل میں نازل ہونے کے ساتھ قائم ہونے کی علامت: حرکت دینے والے اسباب کے وقت سکون اور اطمینان ہے اور مقام معرفت میں نازل ہونے کے ساتھ قائم ہونے کی علامت: ظاہری و باطنی حسن ادب اور مخلوق کے ساتھ حسن خلق ہے اسی لئے حضرت ابوحفص حداد نے فرمایا ہے:۔ ظاہری حسن ادب: باطنی حسن ادب کا دیباچہ یعنی سرخی ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ((لَوْ خَشَعَتْ قَلْبُ هٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ)) ''اگر اس کا قلب جھکتا تو اس کے جسمانی اعضا بھی جھک جاتے''۔

مصنفؒ نے اس مضمون کو پہلے بیان کیا ہے ''تَنَوَّعَتْ أَجْنَاسُ الْأَعْمَالِ بِتَنَوُّعِ وَارِدَاتِ الْأَحْوَالِ'' ''احوال کے واردات بہت قسم ہونے کی وجہ سے اعمال کی قسمیں بہت ہو گئی

ہیں۔ اس مقام پر دوبارہ بیان کرنے سے اس کی زیادہ وضاحت ہو گئی ہے۔

اور مرید جن اعمال کے ذریعہ مقامات کو طے کرتا ہے ان میں سب سے افضل اور اقرب ذکر ہے اسی لئے اس کا بیان اس کے اثر کے ساتھ کیا۔ پس فرمایا: ((لَا تَتْرُكِ الذِّكْرَ لِعَدَمِ حُضُوْرِ قَلْبِكَ مَعَ اللّٰهِ فِيْهِ لِاَنَّ غَفْلَتَكَ عَنْ وُجُوْدِ ذِكْرِهٖ اَشَدُّ مِنْ غَفْلَتِكَ فِيْ وُجُوْدِ ذِكْرِهٖ فَعَسٰى اَنْ يَّرْفَعَكَ مِنْ ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ غَفْلَةٍ اِلٰى ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ يَقْظَةٍ وَمِنْ ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ يَقْظَةٍ اِلٰى ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ حُضُوْرٍ وَمِنْ ذِكْرٍ مَعَ وُجُوْدِ حُضُوْرٍ اِلٰى ذِكْرٍ مَعَ غَيْبَةٍ عَمَّا سِوَى الْمَذْكُوْرِ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ))

"ذکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور قلب نہ ہونے کی وجہ سے ذکر کو ترک نہ کرو۔ اس لئے کہ ذکر کرنے سے تمہاری غفلت ذکر کرنے کی حالت میں تمہاری غفلت سے زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو غفلت کے ساتھ ذکر کے درجے سے نکال کر بیداری کے ساتھ ذکر کے درجے میں پہنچا دے۔ اور پھر بیداری والے ذکر کے مقام سے اٹھا کر حضور کے ساتھ ذکر کے مقام میں پہنچا دے اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ دشوار نہیں ہے۔"

افضل ترین عمل

میں کہتا ہوں: اہل تصوف کے طریقے میں ذکر: ایک بڑا اور مضبوط رکن ہے اور تمام اعمال سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ((فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ)) تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا۔ ((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا)) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو"۔ اور ذکر کثیر یہ ہے کہ اس کو کبھی نہ بھولے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: جو عبادت اللہ تعالیٰ نے فرض کی اس کیلئے ایک مخصوص وقت مقرر کیا اور ان کے وقتوں کے علاوہ دوسرے وقت میں بندوں کو معذور رکھا لیکن ذکر کیلئے اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت مخصوص مقرر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ) "جب تم نماز پوری کر چکو تو کھڑے ہوئے

میں ضروری ہے تو جس شخص کو ذکر عطا کیا جاتا ہے اس کو ولایت کا فرمان عطا کیا جاتا ہے تو جس نے ذکر کو چھوڑ دیا اس نے ولایت کے فرمان کو چھوڑ دیا پس وہ ولایت سے معزول کر دیا گیا۔ عارفین نے فرمایا ہے:

وَالذِّكْرُ اَعْظَمُ بَابٍ اَنْتَ دَاخِلُهُ ۔۔۔ لِلّٰهِ فَاجْعَلْ لَهُ الْاَنْفَاسَ حُرَّاسًا

"اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا دروازہ ہے جس میں تم داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچو گے۔ پس تم اپنے سانس کو اس کا محافظ بناؤ۔"

پس اسم میں فنا کے مطابق ہی ذات میں فنا ہوتی ہے اور فنا فی الاسم میں کوتاہی کے مطابق فنا فی الذات میں کوتاہی ہوتی ہے تو مرید کیلئے ذکر ہر حال میں لازمی ہے اور ذکر میں حضور قلب نہ ہونے کے سبب زبانی ذکر کو ترک نہ کرے۔ بلکہ وہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رکھے۔ اگرچہ اس کا قلب غافل ہو کیونکہ اس کے ذکر کرنے سے تمہاری غفلت، اس کے ذکر کرنے کی حالت میں تمہاری غفلت سے زیادہ سخت ہے اس لئے کہ اس کے ذکر سے تمہاری غفلت اس کی طرف سے بالکل منہ پھیر لینا ہے اور اس کے ذکر کرنے کی حالت میں کچھ توجہ اور سامنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں زبان کا مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے جسم کے عضو کو زینت دیتا ہے۔ اور اس کے مفقود ہونے میں معصیت میں مشغول ہونے کیلئے اس کو پیش کرتا ہے۔

کیا غافل دل کا ذکر سود مند ہے؟

ایک عارف سے پوچھا گیا۔ جب قلب غافل ہے تو زبان کے ذکر سے ہم کو کیا فائدہ ہوگا؟

تو اس عارف نے جواب دیا: اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ اس نے تم کو زبان سے ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر وہ تمہاری زبان کو غیبت میں مشغول کر دیتا تو تم کیا کر لیتے۔ تو انسان کو چاہئے کہ زبان کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قلب کے ذکر کا دروازہ اس کیلئے کھول دے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ غفلت کے ساتھ ذکر کی حالت سے بیداری کے ساتھ ذکر کی حالت کی طرف منتقل کر دے یعنی ذکر میں مشغولی کے وقت ذکر کے معانی سے آگاہی کی طرف تم کو منتقل کر دے اور بیداری کے ساتھ ذکر کی حالت سے اللہ کے حضور کے ساتھ اور خیال

ہے۔ اور معصیت کا صادر ہونا، اس کے غضب کی علامت ہے۔ پس زندہ قلب، اس چیز کو محسوس کرتا ہے، جو اس کے مولا کا دوست بنا دیتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس چیز کو محسوس کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا مولا اس پر ناراض ہوتا ہے۔ تو وہ رنجیدہ ہوتا ہے۔ اور مردہ قلب: ۔ کچھ نہیں محسوس کرتا، اس کے نزدیک طاعت، اور معصیت دونوں برابر ہوتے ہیں۔ وہ طاعت سے خوش نہیں ہوتا، اور لغزش اور معصیت سے رنجیدہ نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ محسوس کرنے کے معاملہ میں مردے کی حالت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں حضرت رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے۔

مومن کون ہے

حضرت نے فرمایا:۔

مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَاتُهُ ، وَ سَاءَتْهُ سَيِّئَاتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

"جس شخص کو اس کی نیکیاں خوش کرتی ہیں، اور اس کی برائیاں رنجیدہ کرتی ہیں، وہ مومن ہے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے کہ گویا وہ پہاڑ کی جڑ میں ہے۔ اور پہاڑ کے اپنے اوپر گرنے سے ڈرتا ہے۔ اور فاجر اپنے گناہوں کو اس مکھی کی طرح سمجھتا ہے، جو اس کے ناک پر بیٹھی ہے۔ تو وہ اس کو کہتا ہے:۔ ایسے تو اس کو اڑا دیتا ہے۔ لیکن بندے کیلئے یہ مناسب نہیں کہ اکثر اپنے گناہوں کی طرف خیال رکھے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس کی رجا یعنی امید کم ہو جائے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی میں مبتلا ہو جائے۔ چنانچہ مصنف نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

لَا يَعْظُمُ الذَّنْبُ عِنْدَكَ عَظَمَةً تَصُدُّكَ عَنْ حُسْنِ الظَّنِّ بِاللّٰهِ

"تمہارے خیال میں گناہ اتنا بڑا نہ ہو جائے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے سے روک دے"۔

میں کہتا ہوں: خوف اور رجا کے معاملہ میں آدمیوں کی تین قسمیں ہیں۔ اول۔ اہل بدایت (ابتدا والے):۔ خوف کے پہلو کو غالب رکھنا ان کے لئے مناسب ہے۔ دوم۔ اہل وسط

میری نجات کا ذریعہ بنایا''۔

تَعَاظَمَنِی ذَنْبِی فَلَمَّا قَرَنْتُهُ بِعَفْوِكَ رَبِّی كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمَا

''مجھ کو اپنا گناہ بڑا معلوم ہوا تو جب میں نے اپنے گناہ کو تیری معافی کے سامنے کر دیا۔ تو تیری معافی بڑی ہو گئی''۔

فَمَا زِلْتَ ذَا جُوْدٍ وَ فَضْلٍ وَمِنَّةٍ تَجُوْدُ وَ تَعْفُوْ مِنَّةً وَ تَكَرُّمَا

''پس تو ہمیشہ بخشش اور فضل اور احسان کرنے والا ہے۔ اور احسان اور سخاوت کی بنا پر بخشتا اور معاف کرتا ہے''۔

فَيَا لَيْتَ شِعْرِیْ هَلْ أَصِيْرُ لِجَنَّةٍ أَهْنَا وَ أَمَّا لِلسَّعِيْرِ فَأَنْدَمَا

''تو کاش مجھے معلوم ہوتا، کہ میں جنت کے لئے ہوں تو میں خوش ہوتا۔ یا دوزخ کے لئے ہوں۔ تو میں شرمندہ ہوتا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

قُلْ يَا عِبَادِیَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

''آپ فرما دیجئے:۔ اے میرے وہ بندو جو اپنے نفسوں پر حد سے بڑھ گئے۔ یعنی نافرمانی کر بیٹھے۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔ کیونکہ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

۹۹ قتل

اور اس شخص کے معاملے پر غور کرو۔ جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر ایک راہب سے دریافت کیا:۔ کیا میرے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ راہب نے جواب دیا:۔ تمہارے لئے توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تو اس نے اس راہب کو قتل کر کے ایک سو پورا کر دیا۔ پھر ایک عالم کے پاس آیا۔ اور اس سے پوچھا:۔ تو عالم نے جواب دیا:۔ تمہارے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ لیکن تم فلاں گاؤں میں چلے جاؤ۔ اس میں ایسے لوگ رہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

تم بھی انہیں لوگوں میں شامل ہو جاؤ۔ اور اپنی موت کے آنے تک انہیں کے ساتھ رہو۔ تو جب وہ بیچ راستے میں پہنچا۔ اس کی موت آ گئی اور وہ مر گیا۔ تو اس کے لے جانے کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی طرف وحی فرمائی:۔ جس گاؤں کی طرف وہ جا رہا تھا۔ اور جس گاؤں سے نکل کر وہ آیا تھا۔ دونوں طرف کے راستوں کی تم لوگ پیمائش کرو۔ تو دونوں گاؤں میں سے وہ جس کے قریب ہے انہیں لوگوں میں اس کا شمار کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جس گاؤں کی طرف وہ جا رہا تھا اس کو وحی کی:۔ تو قریب ہو جا۔ اور جس گاؤں سے وہ آیا تھا۔ اس کو وحی کی:۔ تو دور ہو جا۔ تو فرشتوں کی پیمائش میں وہ گاؤں جہاں وہ جا رہا تھا ایک بالشت سے زیادہ قریب پایا گیا۔ تو اس کو رحمت کے فرشتوں نے لے لیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ میں نے اس کے معنی نقل کیا ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ عام لوگ جب ان کو ڈرایا جاتا ہے تو وہ ڈرتے ہیں۔ اور جب ان کو امید دلائی جاتی ہے تو وہ امید کرتے ہیں۔ اور خواص:۔ جب ان کو ڈرایا جاتا ہے تو وہ امید کرتے ہیں اور جب ان کو امید دلائی جاتی ہے تو وہ ڈرتے ہیں۔ لطائف المنن میں مصنف نے فرمایا ہے:۔ شیخ کے کلام کا معنی یہ ہے:۔ عوام، حکم کے ظاہر کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تو جب ان کو ڈرایا جاتا ہے تو ڈرتے ہیں کیونکہ سمجھ کی روشنی میں وہ عبارت سے آگے نہیں بڑھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ والے ہیں۔ اور اہل اللہ:۔ جب ڈرائے جاتے ہیں تو وہ امید کرتے ہیں کیونکہ وہ علم رکھتے ہیں۔ کہ اس ڈر کے، اور جس سے ڈرایا گیا ہے۔ اس کے ماسوا بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے اوصاف ہیں کہ اس کی رحمت اور احسان سے ناامید ہونا مناسب نہیں ہے۔ تو وہ اس کے اوصاف کرم پر امید کرتے ہیں۔ اپنے اس علم کی بناء پر کہ اس نے صرف اس لئے ڈرایا ہے کہ ان کو اپنے خیال پر جمع رکھے۔ اور اس خوف کے ذریعہ ان کو اپنی طرف لوٹائے۔ اور جب ان کو امید دلائی جاتی ہے تو وہ اس کی مشیت کے غیب سے ڈرتے ہیں۔ جو ان کی امید کے ماسوا ہے۔ اور ڈرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ جو امید ان کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ وہ ان کی عقلوں کی آزمائش کے لئے ہو۔ کہ آیا ان کی سمجھ امید پر ٹھہر جاتی ہے۔ یا اس کی طرف بڑھتی ہے۔ جو اس کی مشیت میں پوشیدہ ہے۔ اسی

لئے امید نے ان کے خوف کو ابھارا ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ اپنے شیخ سری سقطی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو ان کو قبض کی حالت میں پایا۔ تو کہا: اے شیخ! آپ کا کیا حال ہے۔ میں آپ کو قبض کی حالت میں دیکھتا ہوں۔ حضرت سری نے فرمایا: میرے پاس ایک جوان آیا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے اس کو جواب دیا: توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے گناہ کو نہ بھولو۔ تو اس جوان نے کہا: نہیں، بلکہ توبہ یہ ہے کہ تم اپنے گناہ کو بھول جاؤ۔ پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ حضرت جنید نے کہا: میں کہتا ہوں: جو جوان نے کہا۔ وہی درست ہے۔ کیونکہ میں جفا یعنی خطا کی حالت میں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو صفاء کے مشاہدہ کی طرف منتقل کر دیا۔ تو صفا کی حالت میں جفا کی یاد جفا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت سری نے اہل ابتدا کی طرف دیکھا۔ اور حضرت جنید نے اہل انتہا کی طرف دیکھا۔ اور دونوں حضرات کی بات درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر مصنف نے گناہ کو چھوٹا سمجھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَإِنَّ مَنْ عَرَفَ رَبَّهُ اِسْتَصْغَرَ فِي جَنْبِ كَرَمِهِ ذَنْبَهُ

"بے شک جو شخص اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ وہ اس کے رحم و کرم کے سامنے اپنے گناہ کو حقیر سمجھتا ہے"۔

میں کہتا ہوں: بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے گناہ کے دیکھنے ہی سے غائب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں اپنے نفس سے فنا ہو گیا۔ تو اگر اس سے حکمت کے خلاف کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اس پر رحمت کا شہود غالب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

"آپ میرے بندوں کو خبر دیجئے کہ بے شک میں بخشنے والا، رحم کرنے والا ہوں"

دوست بنالیا ہے۔ اس کی علامات یہ ہیں۔ وہ اپنے اخلاص میں کمی، اور اپنے اذکار میں غفلت، اور اپنے صدق میں کوتاہی، اور اپنے مجاہدہ میں خرابی، اور اپنے فقر میں رعایت کی کمی دیکھتا ہے۔ اس کے کل احوال اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتے ہیں اور اپنے ارادہ اور سیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی محتاجی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور جب دل زندہ ہو جاتا ہے تو واردات الٰہیہ کی تجلی کا مقام بن جاتا ہے۔ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

إِنَّمَا أَوْرَدَ عَلَيْكَ الْوَارِدَ لِتَكُوْنَ بِهِ عَلَيْهِ وَارِدًا

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنا نور اس لئے وارد کیا ہے۔ کہ اس کے ذریعے تم اس کے حضور میں داخل ہو جاؤ"۔

میں کہتا ہوں: وارد، نور الٰہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے قلب میں ڈالتا ہے۔ جس کو دوست رکھتا ہے۔ اور ابتداء، اور وسط، اور انتہاء کی مطابقت سے۔ یا اس طرح کہو۔ طالبین، اور سائرین، اور واصلین کی مطابقت سے اس نور کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم۔ وارد الانتباہ۔ یہ وہ نور ہے جو تم کو غفلت کی تاریکی سے نکال کر ہوشیاری کے نور کی طرف پہنچاتا ہے۔ اور یہ ابتداوالے طالبین کے لئے ہے۔ تو جب اپنی نیند سے بیدار، اور اپنی غفلت سے ہوشیار ہوتا ہے۔ تو اپنے رب کی طلب کے لئے اپنے قدم پر مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ پس اپنے جسم اور قلب کے ساتھ اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور پورے طور پر اس کی طرف جمع ہو جاتا ہے۔

دوسری قسم: وارد الاقبال:۔ یہ وہ نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قلب میں ڈالتا ہے۔ تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے حرکت دیتا ہے۔ اور اس کے ماسوا سے اس کو غائب کر دیتا ہے۔ تو وہ ہمیشہ اس کے ذکر میں مشغول، اور اس کے ماسوا سے غائب رہتا ہے۔ یہاں تک کہ قلب نور سے بھر جاتا ہے۔ اور مذکور کے ماسوا سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو وہ نور کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ اور اغیار کی قید سے نکل جاتا ہے۔ اور آثار کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم :۔ وارد الوصال :۔ یہ وہ نور ہے جو بندے کے قلب پر غالب ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے ظاہر اور باطن پر چھا جاتا ہے۔ تو وہ اس کو اس کے نفس کی قید سے نکالتا ہے۔ اور اس کو اس کے ظاہر کے دیکھنے سے غائب کرتا ہے۔ مصنف ؒ نے پہلی قسم یعنی وارد الانتباہ کی طرف اپنے مذکورہ قول :۔

"اِنَّمَا اَوْرَدَ عَلَيْكَ الْوَارِدَ الخ" سے اشارہ فرمایا:۔

یعنی اس نے تمہارے اوپر بیداری اور ہوشیاری کا نور "وارد انتباہ" روشن کیا۔ تا کہ اس کے ذریعہ تم اس کی طرف سیر کرو۔ اور اس کے حضور میں داخل ہو جاؤ۔ اگر وہ تمہارے اوپر یہ نور نہ وارد کرتا۔ تو البتہ تم اپنی غفلت کے وطن میں سستی کی نیند سے سوتے ہوئے ہمیشہ حسرت میں باقی رہتے۔ پھر مصنف ؒ نے دوسری قسم "وارد الاقبال" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اَوْرَدَ عَلَيْكَ الْوَارِدَ لِيَتَسَلَّمَكَ مِنْ يَدِ الْاَغْيَارِ وَلِيُحَرِّرَكَ مِنْ رِقِّ الْاٰثَارِ"

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنا نور وارد کیا۔ تا کہ تم کو اغیار یعنی ماسوا کے ہاتھ سے بچائے اور تم کو مخلوقات کی غلامی سے آزاد کرے"۔

یعنی تمہارے اوپر وارد اقبال کو وارد کیا۔ تا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس کرے۔ اور جب تم ذکر میں مشغول ہو کر اس کے ماسوا سے غائب ہو جاتے ہو۔ تو وہ تم کو اغیار کے چوروں سے بچا لیتا ہے۔ حالانکہ اغیار نے تم کو تمہاری خواہش کی مضبوط رسی سے باندھ دیا تھا۔ اور تم کو تمہارے حظوظ اور تمناؤں کے قید خانہ میں قید کر دیا تھا۔ اور نیز تا کہ تم کو مخلوقات کی غلامی سے آزاد کرے۔ اس کے بعد کہ وہ تمہارے اوپر دھوکے کی زیب و زینت ظاہر کر کے قبضہ کر چکی تھی تو جب تم اغیار کے ہاتھ سے نجات پا جاتے ہو تو انوار کے مشاہدہ کی طرف پہنچتے ہو۔ اور جب مخلوقات کی غلامی سے آزاد ہوتے ہو۔ تو اسرار کے مشاہدہ کی طرف ترقی کرتے ہو۔ پس انوار صفات کے انوار ہیں اور اسرار ذات کے اسرار ہیں۔ تو انوار فنافی الصفات والوں کے لئے اور اسرار فنافی الذات والوں کے لئے ہیں۔

پھر مصنف ؒ نے تیسری قسم "وارد الوصال" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ "اَوْرَدَ

عَلَيْكَ الْوَارِدَ لِيُخْرِجَكَ مِنْ سِجْنِ وُجُوْدِكَ اِلٰى فَضَاءِ شُهُوْدِكَ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنا نور وارد کیا۔ تا کہ تم کو تمہارے وجود کے قید خانہ سے نکال کر تمہارے مشاہدہ کے وسیع فضا میں پہنچا دے"۔

یعنی تمہارے اوپر وارد اقبال کی ہوائیں چلانے کے بعد واردات وصال کو وارد کیا۔ تا کہ تم کو تمہارے وجود کے دیکھنے کی قید سے نکال کر تمہارے رب کے مشاہدہ کی فضا میں پہنچائے۔ کیونکہ تمہارا اپنے وجود کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے محروم کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ یہ محال ہے کہ تم اس کا مشاہدہ کرو۔ اور اس کے ساتھ اس کا ماسوا کو بھی مشاہدہ کرو۔ تمہارا وجود ایسا گناہ ہے کہ اس کے مشابہ دوسرا گناہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ حضرت جنید نے خوب فرمایا۔

وُجُوْدِيْ اَنْ اَغِيْبَ عَنِ الْوُجُوْدِ ۔۔۔ بِمَا يَبْدُوْ عَلَيَّ مِنَ الشُّهُوْدِ

"میرا وجود یہ ہے کہ میں اپنے وجود سے اس شہود کے ساتھ جو مجھ پر ظاہر ہوتا ہے غائب ہو جاؤں"۔

یعنی نفس سے فنا ہونا اور نفس کا زوال مخلوق سے فنا ہونے اور اس کے زوال سے زیادہ دشوار ہے۔ تو جب نفس فنا اور زائل ہو جاتا ہے۔ تو مخلوق بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اور اس کا کچھ نشان باقی نہیں رہتا ہے۔ اور کبھی مخلوق فنا ہو جاتی ہے۔ لیکن نفس کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لئے مصنف نے مخلوق کی قید خانہ کو انسان کے وجود کی قید پر مقدم رکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر مصنف نے ان واردات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اَلْاَنْوَارُ مَطَايَا الْقُلُوْبِ وَالْاَسْرَارِ "انوار قلوب و اسرار کی سواریاں ہیں"۔

دلوں کی سواریاں

میں کہتا ہوں: نور ایک لشکر ہے جو بندے کے قلب میں اس وصف کی حقیقت سے واقع ہوتا ہے۔ پھر اس کی حقیقت پورے قلب میں سرایت کر جاتی ہے یہاں تک کہ وہ حق اور باطل کو واضح طور پر دکھاتی ہے۔ کہ اس کے ساتھ اس کے سبب سے پیچھے رہنا ممکن نہیں ہے۔ یہ حضرت شیخ زروق نے فرمایا ہے۔ اور سر۔ قلب سے زیادہ باریک اور صاف ہے۔ اور سب روح کا نام ہے۔ روح۔ جب تک [illegible] ہوتی ہے۔ اس کا نام

"ولفس" رکھا جاتا ہے اور جب وہ ان مکروہات سے رک جاتی، اور راونٹ کے بندھنے کی طرح بندھ جاتی ہے تو اس کو عقل کہتے ہیں۔ پھر جب تک وہ غفلت اور حضور میں بدلتی رہتی ہے تو اس کو قلب کہا جاتا ہے۔ پھر جب وہ مطمئن اور ساکن ہو جاتی ہے اور بشریت کی مشقت سے آرام پا جاتی ہے۔ تو اس کو روح کہتے ہیں۔ پھر جب وہ ظاہر کی تاریکی سے صاف و مصفیٰ ہو جاتی ہے۔ تو اس کو سر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہو جاتی ہے۔ جس وقت وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اور وہ جبروت کا سر ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے قدس کے حضور میں پہنچانا چاہتا ہے اور اپنی محبت کے محل کی طرف لے جانا چاہتا ہے تو انوار کے واردات سے سواریوں کی طرح اس کی مدد کرتا ہے۔ پھر وہ اس کو عنایت کی پالکی میں بٹھا کر، ہدایت کی ہلکی پھلکی ہوا اس پر چلاتے ہوئے، رعایت کی مدد سے گھیرے ہوئے، ان پر سوار کر کے لے جاتا ہے۔ پس روح عالم بشریت سے عالم روحانیت کی طرف کوچ کر جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہو جاتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ (قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) "آپ فرما دیجئے! روح، میرے رب کے حکم میں سے ہے"۔

پس انوار، جو واردات ہیں: ۔قلوب کی سواریاں ہیں۔ ان کو علام الغیوب کے حضور تک لے جاتے ہیں۔ اور وہی اسرار کی بھی سواریاں ہیں۔ ان کو عزیز و جبار کے جبروت تک لے جاتے ہیں۔ پس سلوک ہدایت ہے اور جذب عنایت۔ پس واردات انتباہ و اقبال: ۔سلوک کی سواری ہے۔ اور وارد وصال: جذب کی سواری ہے۔ تو وہ انوار، جو قلوب کی سواریاں ہیں، اور ان کو سلوک کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو وہ اس میں انتباہ و اقبال کے نور کی لذت کے ساتھ لے جائے جاتے ہیں۔ تو ان کا سلوک گویا جذب ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ انوار جو ان کو اسرار کی سواریوں پر لے جاتے ہیں۔ تو وہ ان کو سلوک سے ملے ہوئے جذب کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو وہ سلوک اور جذب کے درمیان ہوتے ہیں۔ اور یہ لے جانا بہت عظیم الشان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دلوں کا لشکر

پھر مصنف نے ان کو دلوں پر پیری کی کیفیت اور اس کو پہنچانے والی... ہے۔ اس کی کیفیت

بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلنُّوْرُ جُنْدُ الْقَلْبِ، كَمَا اَنَّ الظُّلْمَةَ جُنْدُ النَّفْسِ، فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَّنْصُرَ عَبْدَهُ أَمَدَّهُ بِجُنُوْدِ الْأَنْوَارِ، وَ قَطَعَ عَنْهُ مَدَدَ الظُّلَمِ وَالْأَغْيَارِ۔

''نور قلب کا لشکر ہے۔ جیسا کہ ظلمت نفس کا لشکر ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ تو انوار کے لشکروں سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اس سے ظلمتوں اور اغیار کی مدد کو منقطع کر دیتا ہے۔''

میں کہتا ہوں: ظلمت: ایک کثافت ہے۔ جو وہم و گمان کی بناء پر خواہش سے نفس میں واقع ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اندھا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ تا کہ حق کی جگہ پر باطل کو قائم کرے۔ تو وہ باطل بندے کے پاس آتا ہے اور اس کو بصیرت سے خالی کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ حضرت شیخ زروق نے فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ نفس، اور عقل، اور قلب اور روح اور سر ایک ہی شے کے مختلف نام ہیں۔ اور وہ نورانی ربانی لطیفہ ہے۔ جو اس ظلمانی جسمانی قالب میں امانت رکھی گئی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے احوال کے مختلف ہونے اور اس کے طریقوں کے منتقل ہونے کے ساتھ اس کے نام بدلتے رہتے ہیں۔ اس کی مثال بارش کے پانی کی طرح ہے۔ جو درخت کی جڑ میں پہنچتا ہے۔ پھر اس کی شاخوں میں چڑھتا ہے۔ پھر پتا ظاہر کرتا ہے۔ پھر کلیاں۔ پھر پھل بنتا ہے جو بڑھتا ہے یہاں تک کہ مکمل ہو جاتا ہے۔ تو پانی ایک ہے۔ لیکن اس کے طریقوں کے مختلف ہونے کے ساتھ اس کے نام مختلف ہو گئے ہیں۔ ایسے ہی ساحلی نے اپنی کتاب بغیہ میں بیان کیا ہے اور میں نے اس کے بارے میں ایک قصیدہ نظم کیا ہے۔ جس کو دوسری کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

پس اس بناء پر قلب کا نفس کے ساتھ جنگ کے لئے مقابلہ کرنا، ظلمت کے وطن، نفس کے مقام سے، نور کے وطن قلب اور اس کے مابعد کے مقام کی طرف، روح کے منتقل ہونے کی تحقیق سے، کنایہ ہوتا ہے۔ تو قلب نفس سے جنگ کرتا ہے تا کہ اپنے وطن کی اصل کی طرف منتقل کرے۔ اور نفس روکتا ہے۔ اور ۔۔۔ قلب کی ۔۔۔ انوار قلب کی

مدد کرتے ہیں۔ اور اس کو قریب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ترقی کر کے اپنی اصل کے حضور میں پہنچتا ہے اور وہی اس کا وطن ہے۔ اور گویا کہ وہ انوار اس حیثیت سے اس کے لشکر ہیں کہ وہ ان کے ذریعہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ اور نفس کی ظلمت پر غالب ہوتا ہے۔ اور یہ انوار پہلے کے بیان کئے ہوئے واردات ہیں۔

اور نفس جب خواہشات کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کی لذت چکھتا ہے تو وہ خواہشات گویا کہ نفس کے لشکر ہیں۔ اور وہ ظلمت اس حیثیت سے ہیں کہ انہوں نے اس کو حق تعالیٰ سے حجاب میں کر دیا ہے اور عرفان کے آفتابوں کے مشاہدہ سے روک دیا ہے تو جب نفس اپنی ظلمتوں اور خواہشوں کے لشکر کے ساتھ کسی نافرمانی، یا خواہش کی طرف بڑھتا ہے تو قلب اس کی طرف اپنے انوار کے لشکروں کے ساتھ بڑھتا ہے۔ اور پھر دونوں کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر عنایت اور مہربانی، اور اس کی مدد کرنا چاہتا ہے تو انوار کے لشکروں کے ذریعہ اس کے قلب کی مدد کرتا ہے۔ اور نفس کی طرف اغیار کی مدد کو منقطع کر دیتا ہے۔ پس نور ظلمت پر غالب ہو جاتا ہے اور نفس شکست کھا کر منہ پھیر لیتا ہے۔ یعنی بھاگ جاتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی رسوائی اور ذلت چاہتا ہے تو اغیار کے ساتھ اس کے نفس کی مدد کرتا ہے اور اس کے قلب سے انوار کی شعاعیں ختم کر دیتا ہے تو ظلم کے ساتھ مدد کیا ہوا اپنے منہ پر آتا ہے۔ اور شے کے ساتھ رسوا کیا ہوا۔ اس کے برعکس۔

انوار کی تین قسمیں

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ انوار کی امداد کی تین قسمیں ہیں۔ اول۔ یقین جس میں شک کی آمیزش نہ ہو۔ دوم:۔ علم جس کے ساتھ بصیرت اور بیان ہو۔ سوم:۔ الہام جو عیاں مشاہدہ کے بعد جاری ہوتا ہے۔ اور ظلمت کی امداد کی تین قسمیں ہیں:۔ اول: یقین کی کمزوری۔ دوم: جہالت کا غلبہ۔ سوم: نفس پر شفقت اور ان سب کی اصل:۔ نفس سے راضی ہونا۔ اور راضی نہ ہونا ہے۔ اور اس کا مظہر تین ہیں جو اس سے مرتب ہوتی ہیں اور وہ معصیت، اور شہوت، اور غفلت ہے۔ اور ان کی ضد جو تیسرے باب میں بیان ہو چکی ہے۔ تو تم بخوبی سمجھو۔ اور

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے (تقویٰ اختیار کرو گے) تو وہ تم کو ایک فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والا نور) عطا کرے گا"۔ اور دوسری جگہ فرمایا:۔ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ

"کیا وہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا۔ اور اس کے لئے ایک نور بنایا۔ جس کے ساتھ وہ آدمیوں میں چلتا ہے" اور تیسری جگہ فرمایا:۔

"أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ"

"جس شخص کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے پائے ہوئے نور پر قائم ہے"۔ اور یہ نور جو امور کی حقیقت کو کھولتا ہے۔ وہی واردات کا نور ہے۔ جو بیان کیا گیا۔ اور یہی نور علام الغیوب کی طرف لے جانے والی قلوب کی سواریاں ہیں۔

اول: وارد الانتباہ کا نور:۔ اس کی شان یہ ہے کہ یہ غفلت کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور ہوشیاری کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ غفلت کے برا ہونے اور ہوشیاری کے اچھا ہونے کا فیصلہ کرتی ہے تو اس وقت قلب:۔ اپنے رب کے ذکر کی طرف بڑھتا ہے۔ اور ان چیزوں سے جو اس کے رب سے غافل کرتی ہیں۔ پیچھے ہٹتا ہے۔ اور یہ طالبین کا نور ہے۔

دوم:۔ وارد الاقبال کا نور:۔ اس کی شان یہ ہے کہ یہ اغیار کی ظلمت کو دور کرتا ہے اور معارف و اسرار کی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ اغیار کے نقصان کا، اور اسرار کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اسرار کی خوبی کی طرف بڑھتا ہے۔ اور اغیار کی ظلمت سے پیچھے ہٹتا ہے اور یہ سائرین کا نور ہے۔

سوم:۔ وارد الوصال کا نور:۔ اس کی شان یہ ہے کہ مخلوق کی ظلمت اور مشاہدات کی چادر کو دور کرتا ہے اور خالق کے تجلیات کے نور کو ظاہر کرتا ہے تو قلب اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں آگے بڑھتا ہے اور اس کے ماسوا کی طرف توجہ کرنے سے روگردانی کرتا ہے اور یہ واصلین کا نور ہے اور یہی مواجہت کا نور ہے۔ اور اس کے پہلے کا نور، توجہ کا نور ہے۔ اور تم چاہو تو اس طرح کہو: اسلام کا نور، ایمان

کا نور۔ احسان کا نور۔

اسلام کا نور:۔ کفر و نافرمانی کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور فرماں برداری اور یقین کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ کفر و نافرمانی کی برائی اور یقین و فرمان برداری کے نور کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اپنے رب کی طاعت کی طرف بڑھتا ہے۔ اور ان چیزوں سے جو اس کے رب سے دور کرتی ہیں منہ پھیرتا ہے۔

اور ایمان کا نور:۔ شرک خفی کی ظلمتوں کو دور کرتا ہے۔ اور اخلاص اور کامل صدق کی خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ شرک اور اس کے نقصان کی برائی، اور اخلاص اور اس کے فائدے کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اپنے رب کی توحید کی طرف بڑھتا ہے۔ اور شرک اور اس کی برائی سے منہ پھیرتا ہے۔

اور احسان کا نور:۔ ماسوا کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ مخلوق کی ظلمت کی برائی، اور خالق کے نور کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف بڑھتا ہے اور اس کے ماسوا سے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ شریعت کا نور۔ طریقت کا نور۔ حقیقت کا نور۔ پس شریعت کا نور۔ بیکاری اور کوتاہی کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور مجاہدہ اور آمادگی کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ بیکاری کی برائی اور مجاہدہ کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ پھر قلب:۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جسمانی اعضاء کے مجاہدہ کی طرف بڑھتا ہے۔ اور اپنے حظوظ اور خواہشات کی پیروی سے روگردانی کرتا ہے۔ اور طریقت کا نور:۔ گناہوں اور عیوب کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور پاکیزگی اور اس کے نتیجہ علم غیب کی خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر بصیرت:۔ عیوب کی برائی، اور پاکیزگی و علم غیب کی خوبی کا فیصلہ کرتی ہے۔ ان چیزوں کی طرف بڑھتا ہے جو تصفیہ کا سبب ہوتی ہیں اور تخلیہ اور تحلیہ سے روکنے والی چیزوں سے پیچھے ہٹتا ہے۔ اور حقیقت کا نور حجاب کی ظلمت کو دور کرتا ہے اور احباب کی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ یا اس طرح کہو: مخلوقات کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور شہود و عیاں کے نور کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر قلب حجاب میں داخل ہو کر احباب کے مشاہدے کی طرف بڑھتا ہے۔ اور ان چیزوں سے جو

احباب کے ساتھ ادب کی رعایت کو ختم کرتی ہیں۔ روگردانی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ رکھے۔ اس دنیا میں بھی اور دار السلام میں بھی۔ آمین۔ اور چونکہ کل نور اور سرور خیر کی اصل، اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے۔ اور کل ظلمت اور حجاب اور بعد کی اصل، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اور قلب کی حیات کی علامت، طاعت سے اس کا خوش ہونا۔ اور نافرمانی صادر ہونے پر اس کا رنجیدہ ہونا ہے۔ لہٰذا مصنفؒ نے تم کو طاعت سے، جو قلوب کے نور کا سبب اور غیوب کی کنجیاں ہیں۔ خوش ہونے کی وجہ سے آگاہ کیا۔ چنانچہ فرمایا۔

لَا تُفْرِحْكَ الطَّاعَةُ لِأَنَّهَا بَرَزَتْ مِنْكَ، وَافْرَحْ بِهَا لِأَنَّهَا بَرَزَتْ مِنَ اللّٰهِ إِلَيْكَ۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔

"تم کو طاعت اس وجہ سے خوش نہ کرے کہ وہ تم سے ظاہر ہوئی ہے۔ بلکہ تم اس سے اس لئے خوش ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (اس کی توفیق سے) تمہاری طرف صادر ہوئی ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ پس اسی سے لوگوں کو خوش ہونا چاہیے۔ یہ اس سے بہتر ہے جو وہ لوگ جمع کرتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں:۔ پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے:۔

مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ، وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

حالت سے خوش ہونے والوں کی اقسام

"جس شخص کو اس کی نیکیاں خوش کرتی ہیں اور اس کی برائیاں رنجیدہ کرتی ہیں وہ مومن ہے"۔

اور طاعت سے خوش ہونے میں آدمی تین قسم کے ہیں۔

ایک قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔ جو طاعت سے اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ نعمتوں کی امید رکھتے ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب سے بچتے ہیں۔ تو وہ لوگ اس کے صادر ہونے کو اپنی طرف سے اپنے نفس کے لئے دیکھتے ہیں۔ وہ اس طاعت میں اپنے اختیار اور طاقت سے بری نہیں ہوتے ہیں۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قول:۔ (ایاک نعبد) والوں میں سے ہیں۔

دوسری قسم :۔ وہ لوگ ہیں۔ جو طاعت سے اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ رضامندی اور قبولیت کا عنوان یعنی دیباچہ ہے۔ اور قرب اور وصول الی اللہ کا سبب ہے۔ تو وہ بادشاہ کریم کی طرف سے ہدیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور تک لے جانے والی سواریاں ہیں۔ وہ لوگ اپنے نفس کے لئے نہ ترک دیکھتے ہیں نہ فعل نہ طاقت دیکھتے ہیں نہ اختیار۔ وہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ ازلی قدرت کے ساتھ لے جائے جاتے ہیں اور اصلی مشیت کے ساتھ پھرائے جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قول :۔ (اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) والوں میں سے ہیں۔ پس پہلی قسم کے لوگوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہے۔ اور دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

تیسری قسم :۔ وہ لوگ ہیں۔ جن کی خوشی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس کے سوا کسی شے کے ساتھ نہیں۔ وہ اپنے نفسوں سے فنا ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہیں۔ تو اگر ان سے کوئی طاعت ظاہر ہوتی ہے۔ تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں۔ اور اگر ان سے کوئی معصیت ظاہر ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے سامنے معذرت کرتے ہیں۔ اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے تو ان کی خوشی کم نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی طاعت یا بیداری ظاہر ہوتی ہے تو ان کی خوشی زیادہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اور (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ) والوں میں سے ہیں۔ اور وہ لوگ عارفین باللہ ہیں۔ پس اے مرید! اگر تم سے کوئی طاعت یا احسان ظاہر ہو۔ تو تم اس حیثیت سے خوش نہ ہو کہ وہ تم سے ظاہر ہوئی ہے۔ ورنہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ تم سے، اور تمہاری طاعت سے، اور اپنے ماسوا کی اطاعت کرنے والے کی محتاجی سے غنی اور بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

"وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ"

"جو شخص کوشش کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے لئے کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام عالم سے بے نیاز ہے"۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مَازَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا" (الحدیث)

"بے شک اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور تمہارے انسان اور جن سب کے سب ایک شخص کے پرہیزگار قلب پر جمع ہو جائیں تو یہ میری بادشاہت میں کچھ اضافہ نہ کرے گا"۔ بلکہ اسے مرید تم طاعت سے اس حیثیت سے خوش ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف ہدیہ ہے۔ اور وہ اس کی دلیل ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان کے مظہر ہو۔ تو خوشی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"

"آپ فرما دیجئے! کہ ہدایت اور توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ تو ان لوگوں کو اس سے خوش ہونا چاہیئے"۔

اللہ تعالیٰ کا فضل:۔ اس کی ہدایت اور توفیق ہے اور اس کی رحمت: اس کا منتخب کرنا اور قریب کرنا ہے۔ اور کہا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فضل، اسلام ہے۔ اور اس کی رحمت، قرآن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فضل، دین کی ہدایت ہے۔ اور اس کی رحمت، جنت نعیم ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا فضل:۔ دلیل و برہان کی توحید ہے اور اس کی رحمت، عیان و مشاہدہ کی توحید ہے۔ اور اس کے سوا بھی کہا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور چونکہ طاعت سے خوش ہونے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ طاعت کی طرف دیکھنے کی شاخ ہے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا:۔

قَطَعَ السَّائِرِيْنَ لَهٗ وَالْوَاصِلِيْنَ اِلَيْهِ، عَنْ رُؤْيَةِ اَعْمَالِهِمْ، وَشُهُوْدِ اَحْوَالِهِمْ، اَمَّا السَّائِرُوْنَ: فَلِاَنَّهُمْ لَمْ يَتَحَقَّقُوا الصِّدْقَ مَعَ اللّٰهِ فِيْهَا، وَاَمَّا الْوَاصِلُوْنَ: فَلِاَنَّهٗ غَيَّبَهُمْ بِشُهُوْدِهٖ عَنْهَا"۔

"اللہ تعالیٰ نے سائرین للہ، اور واصلین الی اللہ کو، اپنے اعمال کے دیکھنے سے، اور احوال کے مشاہدہ کرنے سے منقطع (غائب) کر دیا ہے۔ لیکن سائرین:۔ تو اس وجہ سے کہ انہوں نے عمل میں

اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق کو نہیں پایا۔ اور واصلین: تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے مشاہدہ میں اس سے غائب کر دیا ہے"۔

میں کہتا ہوں:۔ قطع کے معنی ہیں، غیب، اگر اس کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو زیادہ آسان اور واضح ہوگا۔ کیونکہ قطع، کے ساتھ تعبیر کرنے میں معنی میں خرابی اور عبارت میں نقص ہے۔ تو اگر اس طرح کہا جائے تو بہتر ہے:۔

"غَيَّبَ السَّائِرِيْنَ لَهُ عَنْ رُؤْيَتِ اَعْمَالِهِمْ وَاَحْوَالِهِمْ، وَالْوَاصِلِيْنَ اِلَيْهِ عَنْ رُؤْيَتِ وُجُوْدِهِمْ، اَمَّا السَّائِرُوْنَ فَلِاَنَّهُمْ لَمْ يَتَحَقَّقُوْا فِيْهَا الصِّدْقَ مَعَ اللّٰهِ، وَاَمَّا الْوَاصِلُوْنَ فَلِاَنَّهُمْ لَمْ يَشْهَدُوْا مَعَ اللّٰهِ سِوَاهُ"

"اللہ تعالیٰ نے سائرین اللہ (اپنے لئے سیر کرنے والوں) کو، اپنے ظاہری اعمال کے دیکھنے، اور باطنی احوال کے مشاہدہ سے غائب کر دیا ہے۔ اور واصلین الی اللہ (اپنی طرف پہنچنے والوں) کو ان کے وجود کے دیکھنے سے غائب کر دیا ہے۔ لیکن سائرین تو اس لئے کہ انہوں نے اپنے اعمال و احوال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق کو نہیں پایا۔ اور واصلین تو اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا کا مشاہدہ نہیں کیا"۔

یعنی سائرین اور واصلین کو، اللہ تعالیٰ نے اپنے ظاہری اعمال کے دیکھنے اور باطنی احوال کے مشاہدہ کرنے سے غائب کر دیا ہے۔ لیکن سائرین: تو اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ اپنے نفسوں کو تہمت لگاتے رہتے ہیں۔ تو جب ان سے کوئی احسان صادر ہوتا ہے۔ یا ان کے لئے کوئی آگاہی یا وجدان ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ اس کو انتہائی خرابی اور نقصان میں دیکھتے ہیں۔ پس وہ اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہیں کہ ان اعمال یا احوال پر وہ بھروسہ کریں۔ یا ان کی طرف متوجہ ہوں۔ تو وہ اپنے اعمال اور احوال سے غائب ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پس صدق جو اخلاص کا مغز اور سر ہے اس میں نہیں پاتے ہیں۔ تو نہ ان کو دیکھتے ہیں، نہ ان کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

قبولیت عمل کی علامت

ایک عارف سے دریافت کیا گیا: عمل کے قبول ہونے کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے جواب

دیا۔ تمہارا عمل تو بھول جاتا اور اس کی طرف سے اپنی نظر کو یا فکر منقطع کر لینا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے:۔

"اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ"

"پاکیزہ کلمے، اور عمل صالح اسی کی طرف چڑھتے ہیں، اور وہ ان کو اٹھا لیتا ہے"

حضرت امام زین العابدینؒ نے فرمایا ہے:۔ تمہارے اعمال کے ساتھ تمہاری رویت کا شامل ہونا اس کے قبول نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ مقبول عمل تم سے اٹھا لیا جاتا۔ اور غائب کر لیا جاتا ہے اور تمہاری رویت کا اس سے منقطع ہونا، اس کے منقطع ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن واصلین: تو اس لئے کہ وہ اپنے نفسوں سے فانی اور اپنے معبود کے مشاہدہ میں غائب ہیں۔ تو ان کے حرکات و سکنات سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرو، اور اس کے ساتھ اس کے سوا کا بھی مشاہدہ کرو۔ پس اگر ان پر کوئی طاعت ظاہر ہوتی ہے یا ان سے کوئی احسان صادر ہوتا ہے تو وہ اس میں اللہ واحد منان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

(حکایت) حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ جب نیشا پور گئے۔ تو انہوں نے ابوعثمان کے مریدین سے پوچھا۔ آپ لوگوں کے شیخ آپ لوگوں کو کیا حکم دیتے تھے؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ہمارے شیخ اپنے اوپر طاعت کو لازم رکھنے اور اس کے دیکھنے میں کمی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت واسطی نے فرمایا:۔ انہوں نے تمہیں خالص مجوسیت کا حکم دیا۔ انہوں نے تم کو طاعت سے اس کے جاری کرنے اور پیدا کرنے والے کے مشاہدہ میں غائب ہونے کا حکم کیوں نہیں دیا۔

حضرت قشیریؒ نے فرمایا ہے:۔ حضرت مصنفؒ نے مریدین کو غلطیوں سے بچانا اور آداب پر دھیان کرنا چاہا ہے۔ تم کو جاننا چاہیئے: شیخ کے کلام میں سائرین، دوسری قسم کے لوگ ہیں۔ جن کی خوشی طاعت کے ساتھ اس لئے ہے کہ وہ مقبولیت کا عنوان ہے۔ اور اس کے ساتھ خوشی سے اس کی رویت لازم نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس سے اس لئے خوش ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور طاعت سے اس کی رویت منقطع ہوتی ہے ... واصلین۔ تیسری قسم کے

لگتے ہیں جن کی نسبت اللہ کے ساتھ ہے اس کے سوا کسی شے کے ساتھ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہاں چھٹا باب ختم ہوا۔

اس باب کا حاصل یہ ہے: قلوب کا علاج اور ان کی صحت اور مرض اور موت کی علامت۔ اور اس کے انوار کی مدد حاصل کرنا اور اس کو واردات سے ملانا۔ یہاں تک کہ یہ اپنے افعال و احوال کے مشاہدہ سے غائب ہو جائے اور اپنے شہود کی فضا میں اپنے ظاہر سے گم ہو جائے۔ اسی میں اس کی عزت اور شرف ہے۔ اور اس کی شہود کی مخلوق کی رؤیت میں اس کی ذلت ہے۔ مصنف نے اپنے باب کی ابتدا میں اس کو بیان کیا ہے۔

باب ہفتم

قلب کی ذلت، بلندی ہمت، حسن آداب خدمت کے بیان میں

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:۔

"مَا بَسَقَتْ اَغْصَانُ ذُلٍّ اِلَّا عَلٰی بَذْرِ طَمَعٍ"

""ذلت کی شاخیں لمبی نہیں ہوتی ہیں مگر حرص کے بیج سے"۔

میں کہتا ہوں:۔ جو کچھ مخلوق کے ہاتھوں میں ہے، اس کے ساتھ قلب کے متعلق ہونے، اور غیر اللہ کی طرف توجہ ہونے کو حرص کہتے ہیں۔ اور یہی ذلت کے درخت کی جڑ ہے۔ یعنی ذلت کے درخت کی شاخیں صرف حرص کے ذریعہ لمبی ہوتی ہیں۔ حضرت شیخ ابو العباس مرسیؒ نے فرمایا ہے:۔ اللہ کی قسم! میں نے مخلوق سے ہمت بلند کرنے (اٹھا لینے) ہی میں عزت دیکھی ہے۔ اور در حقیقت حرص ہی ذلت کی جڑ ہے۔ کیونکہ حریص نے اللہ غالب و برتر کو ترک کر کے ذلیل بندے کے ساتھ تعلق قائم کیا، تو وہ بھی اس کی طرح ذلیل ہو گیا۔ اور غنی اللہ تعالیٰ کو ترک کر کے محتاج بندے سے تعلق پیدا کیا۔ تو وہ بھی اسی کی طرح محتاج ہو گیا۔ اللہ غنی و کریم کی طرف اپنی ہمت کے بلند کرنے کو ترک کیا۔ اور حقیر و کمینہ مخلوق کی طرف اپنی ہمت کو جھکایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی ہمت کے مطابق ہی روزی دیتا ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے ماسوا سے آزاد بندہ ہوتے ہوئے مخلوق کا اور اپنے نفس اور اس کی خواہشات کا بندہ ہو گیا۔ کیونکہ جب تم نے کسی شئی کی محبت، اور اس میں حرص کی۔ تو تم اس کے بندے ہو گئے۔ اور جب تم نے کسی شے سے اپنے کو ناامید کر لیا۔ اور اپنی

ہمت کو اس سے اٹھا لیا۔ تو تم اس سے آزاد ہو گئے۔ اور اسی کے متعلق ایک شاعر نے اشعار کہا ہے:

اَبَتِ الْمَطَامِعُ اَنْ تُهَجِّنَنِيْ — اِنِّيْ لِمِعْوَلِهَا صَفًا صَلِدٌ

طمع کے مقامات نے مجھ کو مجبور اور عاجز کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میں ان کے بسولے کے لئے بے گھاس کا چٹیل میدان ہوں۔

اَلْعَبْدُ حُرٌّ مَا عَصٰى طَمَعًا — وَالْحُرُّ مَهْمَا طَاعَهٗ عَبْدٌ

جب طمع کی نافرمانی کی تو غلام آزاد ہو گیا۔ اور جب طمع کی فرماں برداری کی تو آزاد غلام ہو گیا۔

مصنف نے تنویر میں فرمایا ہے: اے بندے! تم ابراہیمی ہو جاؤ۔ اور تمہارے باپ حضرت ابراہیم نے فرمایا: "لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ" "میں ڈوبنے یعنی فنا ہونے والوں کی محبت نہیں کرتا ہوں۔ اور کل ماسوی اللہ فانی ہے۔ خواہ موجودہ حال میں ہو یا امکانی مستقبل میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ) "اس نے تمہارے باپ ابراہیم کے دین کو پسند کیا"۔ پس مومن پر ملت ابراہیمی کی پیروی کرنی واجب ہے۔ اور مخلوق سے ہمت کو اٹھا لینا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ کیونکہ جس روز ان کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکا گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے سامنے آئے اور فرمایا: کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر آپ اپنے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ سے میری کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور اگر آپ اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھتے ہیں تو ہاں ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ سے مانگئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ میرے مانگنے سے اس کو میرے حال کا علم ہونا ہی میرے لئے کافی ہے۔ پس غور کرو: حضرت ابراہیم نے اپنی ہمت مخلوق سے کس طرح اٹھائی۔ اور بارشاد حقیقی کی طرف اس کو متوجہ کیا۔ کہ نہ جبرائیل سے فریاد کی۔ نہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو جبرائیل سے اور اپنے سوال سے زیادہ اپنے قریب دیکھا۔ تو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو نمرود اور اس کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور اپنی بخشش اور فضل سے ان پر انعام کئے۔ اور اپنے [illegible] سے غافل کرنے والی کل

چیزوں سے دشمنی اور نفرت کرنی، اور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمت پھیرنی، حضرت ابراہیم کی ملت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق "فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ" "بے شک اللہ رب العالمین کے سوا وہ سب میرے دشمن ہیں"۔

اور غنا کے متعلق اگر تم معلوم کرنا چاہتے ہو تو وہ ماسوئی سے ناامید ہو جانے میں ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے:۔ میں اپنے نفس کے لئے اپنے فائدے سے ناامید ہو چکا ہوں۔ تو دوسرے کے فائدے سے اس کے نفس کے لئے میں کیوں ناامید نہ ہوں گا۔ اور اگر اپنے غیر کے لئے میں نے امید کیا تو اپنے لئے کیوں نہ امید کروں گا۔ اور یہی وہ کیمیا اور اکسیر ہے کہ جس کو حاصل ہو گیا۔ اس کو ایسی غنا حاصل ہوئی جس میں فاقہ نہیں ہے اور ایسی عزت حاصل ہوئی جس کے ساتھ ذلت نہیں ہے اور ایسا خرچ کرنا حاصل ہوا جس کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ اللہ کے متعلق سمجھ رکھنے والوں کا کیمیا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے:۔ ایک آدمی نے میرے ساتھ صحبت اختیار کی۔ اور وہ میرے لئے بار گراں تھا۔ لیکن میں اس سے خندہ پیشانی سے پیش آیا۔ تو وہ خوش ہوا۔ میں نے اس سے دریافت کیا:۔ اے صاحبزادے! تمہاری کیا حاجت ہے۔ اور تم نے کیوں میری صحبت اختیار کی ہے؟ اس نے کہا: میرے بزرگ! مجھ کو لوگوں نے بتایا ہے کہ آپ کیمیا جانتے ہیں۔ تو میں اس کے سیکھنے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے اس سے کہا: تم نے سچ کہا۔ اور جن لوگوں نے تم کو خبر دیا۔ انہوں نے بھی سچ کہا۔ لیکن تمہارے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ تم اس کو قبول نہ کرو گے۔ اس نے کہا میں ضرور قبول کروں گا۔ تو میں نے کہا:۔ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا۔ تو ان کو دو قسم پر پایا۔ ایک دشمن ہے۔ اور دوست پھر میں نے دشمنوں کی طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہوا۔ ان کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا کانٹا مجھے چبھائیں جس کے چبھونے کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا ہے۔ تو میں نے ان کی طرف سے اپنی نگاہ پھیر لی۔ پھر میں نے دوستوں سے تعلق قائم کیا۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ مجھ کو کسی ایسی چیز کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے ہیں جس کے فائدہ پہنچانے کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے نہیں کیا ہے۔ تو میں نے اپنی امید ان سے منقطع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق

تمام کیا، تو مجھ سے کہا گیا۔ تم اس امر کی حقیقت تک نہیں پہنچو گے۔ جب تک تم نے جو ہمارے
غیر سے امید کو منقطع نہیں کیا ہے۔ ہم سے بھی اپنی امید منقطع نہ کرو۔ کہ ہم نے تمہارے لئے ازل میں
جو کچھ مقدر کیا ہے۔ اس کے سوا بھی ہم تم کو کچھ دیں گے۔ پھر دوسرے روز جب کیمیا کے متعلق دریافت
کیا گیا تو فرمایا۔ مخلوق کو اپنے قلب سے نکال دو۔ اور اپنے رب سے اپنی امید منقطع کر دو، تو تم کو
تمہارے مقدر کے علاوہ بھی کچھ دے گا۔ بندے کے عمر کی زیادتی یہ ہے کہ اس کا ورد میں مشغول ہونا
اس کی کمی کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا فنا اور اپنے قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی
طرف اس کی توجہ اور خلق کی غلامی سے اس کو پرہیز کرنا۔ اور ورع کے ذریعے سے اس کا آراستہ ہونا
اس کے نور اور کمال کی دلیل ہے۔ اور انہیں سے عمل کے ثمرات اور احوال پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا"

"ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اس کے لئے زینت بنائی ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں
کون بہتر عمل کرتا ہے۔"

پس حسن العمل یہ: اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ ہے اور سمجھ وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ یعنی
اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی، اس کو کافی سمجھنا، اس پر بھروسہ کرنا، اس کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنا، اور
ہمیشہ اس کے سامنے ہونا۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ اور اپنے نفس میں
ورع کے وجود کو تم اس سے زیادہ تلاش کرو، جتنا تم اس کے ماسوا کو تلاش کرتے ہو۔ اور مخلوق میں طمع
کرنے سے تم پاک ہو جاؤ۔ کیونکہ ان میں طمع کرنے والا، اگر سات سمندروں کے پانی سے اس کی
پاکی ہونا چاہے تو وہ اس کو پاک نہیں کر سکتے۔ لیکن صرف ان سے ناامید ہونا، اور ان سے ہمت اٹھا
لینا، اس کو پاک کر دے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے، اور ایک جامع مسجد میں داخل ہوئے۔ وہاں قصہ
بیان کرنے والوں کو قصہ بیان کرتے ہوئے پایا تو انہوں نے سب کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر انہوں نے
حضرت حسن بصری کو دیکھا تو فرمایا: اے نوجوان! میں تم سے ایک بات دریافت کروں گا۔ اگر تم

اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ان کو اس تعلق نے اس چیز کی طرف کھینچ لیا۔ جس سے انہوں نے تعلق قائم کیا۔ تو وہ دوبارہ اسی کی طرف لوٹ گئے اور اسی پر متوجہ ہو گئے۔ پس جس شخص کی تعریف اور صفت یہ ہو جو بیان ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حضور حرام اور ممنوع ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچنے کا گمان نہ کرو۔ جب کہ کوئی شے تمہارے پیچھے سے تم کو کھینچتی ہو۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو سمجھو:۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

"جس دن نہ مال فائدہ دے گا، نہ اولاد، مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئے گا"۔ اور قلب سلیم:۔ وہی ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کے ساتھ نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ "وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ" اور بیشک تم لوگ ہمارے پاس تنہا آئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا"۔ اس آیۂ کریمہ سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے تمہارا آنا درست نہیں ہوتا ہے۔ جب تک تم اس کے ماسوا سے جدا ہو کر تنہا نہ ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" "کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا۔ پس آپ کو پناہ دی"۔ اس آیۂ کریمہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ تم کو اپنی طرف اس وقت تک پناہ نہیں دیتا ہے جب تک تمہارا یتیم ہو جانا درست نہ ہو۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ" "بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے۔ وہ طاق کو دوست رکھتا ہے"۔ یعنی وہ ایسے قلب کو دوست رکھتا ہے جو مخلوقات کی دوئی سے جفت نہ ہو۔ پھر مصنف نے فرمایا: بعض عارفین نے فرمایا ہے۔ اگر مجھے یہ تکلیف دی جائے کہ میں غیر اللہ کو دیکھوں تو میں نہ دیکھ سکوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر موجود ہی نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کا مشاہدہ کروں۔

تو حاصل یہ ہوا کہ وہم نے عوام و خواص کو اللہ تعالیٰ سے حجاب میں کر دیا ہے۔ لیکن خواص الخواص۔ تو ان کو اللہ تعالیٰ سے کسی شے نے حجاب میں نہیں لیا۔ لیکن عوام: تو ان کو وہم نے مخلوق کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی طرف کھینچا ہے اور بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے سے ان کو روک

دیا ہے۔ تو وہ دوستوں کے مراقبے اور ساتھیوں میں دشمنوں کی عداوت میں مشغول ہو گئے۔ تو حقیقی دوست اور محافظ اللہ تعالیٰ کی محبت اور مراقبہ ان سے فوت ہو گیا۔ لیکن خواص تو ان کو وہم نے مخلوقات کے ثابت ہونے اور انوار کے ساتھ ٹھہرنے کی طرف کھینچا۔ تو انہوں نے اسی پر قناعت کر لیا۔ اور اس سے آگے کی طرف توجہ نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ سے قناعت کرنا محرومی ہے۔ اور خبر: عیاں مشاہدہ کی طرح نہیں ہے۔

میں نے اپنے شیخ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: اللہ کی قسم۔ آدمیوں کو صرف وہم نے اللہ تعالیٰ سے حجاب میں کیا ہے۔ اور وہم عدمی شے ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن خواص الخواص: تو انہوں نے وہم کے حجاب کو پھاڑ دیا۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم اور فہم حاصل ہوا۔ پس وہ کسی شے سے متعلق نہیں ہوئے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ سے کسی شے نے حجاب میں نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان و کرم سے ہم کو ان کے گروہ میں شامل فرمائے۔ آمین۔ اور چونکہ وہم سے طمع پیدا ہوتی ہے اور طمع سے ذلت اور بندگی پیدا ہوتی ہے۔ اور یقین سے ورع پیدا ہوتا ہے۔ اور ورع سے عزت اور آزادی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا مصنف نے اس سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: "أَنْتَ حُرٌّ مِمَّا أَنْتَ عَنْهُ آيِسٌ، وَعَبْدٌ لِمَا أَنْتَ لَهُ طَامِعٌ" ۔ جس سے تم ناامید ہو، اس کی بندگی اور غلامی سے تم آزاد ہو۔ اور جس کے تم حریص ہو، اس کے تم بندے اور غلام ہو۔"

میں کہتا ہوں: بے شک انسان اس کی بندگی سے آزاد ہوا، جس کی طرف سے وہ ناامید ہوا۔ کیونکہ جب وہ اس شے سے ناامید ہوا۔ تو اپنی ہمت اس کی طرف سے اٹھالی۔ اور اس کو بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر دی۔ تو جب اس نے اپنی ہمت بادشاہ حقیقی کے ساتھ وابستہ کر دی۔ تو حق سبحانہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اس کے لئے مسخر اور فرماں بردار کر دیا۔ تو کل چیزیں اس کا غلام اور اس کے حکم کی فرماں بردار ہو گئیں۔ جب تک تم نے خالق کا مشاہدہ نہیں کیا۔ اس وقت تک تم مخلوق کے ساتھ ہو۔ لیکن جب تم نے خالق کا مشاہدہ کیا۔ تو مخلوقات تمہارے ساتھ ہو گئیں۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ وہ اس کے ماسوی کی بندگی سے آزاد ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اسی کا بندہ ہے جس سے وہ طمع کرتا ہے۔ اس لئے کسی شے کی حرص کا لازمی تقاضا ہے۔ اس کی محبت، اس کے

سامنے عاجزی، اور اس کی فرماں برداری ہے۔ تو وہ اس کے حکم اور منع کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی شے سے تمہاری محبت، تم کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے اور یہی عبودیت کی حقیقت ہے۔ اور اسی حقیقت کے بارے میں یہ شعر کہا گیا ہے:۔

اَلْعَبْدُ حُرٌّ مَا قَنِعْ وَالْحُرُّ عَبْدٌ مَا طَمِعْ

”بندہ آزاد ہے جب تک قناعت کرتا ہے۔ اور آزاد بندہ و غلام ہو گیا جب اس نے طمع کی۔“

بدبخت انسان

وہ انسان کتنا بدترین اور بدبخت ہے، جس کو اس کا مالک بادشاہ بنانا چاہتا ہے اور وہ غلام رہنا چاہتا ہے۔ اور اس کا مالک اس کو آزاد رکھنا چاہتا ہے اور وہ بندہ رہنا چاہتا ہے۔ اس کے مالک نے اس کے لئے مخلوق کو اس کے حکم اور منع کا فرماں بردار بنا کر پیدا کیا۔ لیکن وہ خود مخلوق کی فرماں برداری کرتا، اور کمترین شے کی عبادت کرتا ہے۔ حضرت مصنف اپنی کتاب تنویر میں، اللہ تعالیٰ کی مناجات میں، ہاتف غیب کی زبان سے فرماتے ہیں:۔ بے شک اے بندے! میں نے تیرا مرتبہ اس سے بلند کیا، کہ تو اپنے نفس کے حکم میں مشغول ہو۔ تو اے وہ شخص جس کو میں نے بلند کیا۔ اپنا مرتبہ ضائع نہ کر۔ اور اے وہ شخص! جس کو میں نے عزت دی۔ تو اپنے کو میرے غیر کے حوالے کر کے ذلیل نہ ہو۔ تجھ کو مبارک ہو۔ کہ تو ہمارے نزدیک اس سے بہت بلند ہے کہ ہمارے غیر کے ساتھ مشغول ہو۔ میں نے تجھ کو اپنے حضور کے لئے پیدا کیا۔ اور اسی کی طرف تجھ کو دعوت دی۔ اور اپنی عنایت کی کشش سے میں نے تجھ کو اسی کے لئے کھینچا۔ پس اگر تو اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہوگا۔ تو میں تجھ کو حجاب میں کر دوں گا۔ اور اگر تو اس کے خواہشات کی پیروی کرے گا۔ تو میں تجھ کو اپنے دروازے سے بھگا دوں گا۔ اور اگر تو اپنے نفس سے جدا ہو گیا۔ تو میں تجھ کو اپنا قرب عطا کروں گا۔ اور اگر تو نے میرے ماسوا سے منہ پھیر کر مجھ سے محبت کی۔ تو میں تجھ سے محبت کروں گا۔

پس حاصل یہ ہے کہ اشیاء کی محبت اور اس میں طمع، ذلت اور رسوائی اور مخلوقات کی عبادت و بندگی کا سبب ہے۔ کسی عارف شاعر نے بہت خوب اشعار فرمائے ہیں:

رَاَیْتُ الْقَنَاعَۃَ رَأْسَ الْغِنَا فَصِرْتُ بِاَذْیَالِہَا مُمْتَسِکْ

تعالیٰ ان کو اس سے، ان کے اوپر شریعت کے احکام کی حفاظت کے ساتھ ان کے ورع کے ثواب کے لئے بچاتا ہے اور جس شخص کے علم اور عمل کی میراث نہیں ہے۔ تو وہ دنیا کے ساتھ محجوب ہے۔ یہ دعویٰ میں مصروف ہے اور اس کی میراث اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے عزت حاصل کرنا، اور اپنے جیسے لوگوں پر بڑائی چاہنا، اور فخر کرنا، اور اپنے علم سے اللہ تعالیٰ پر دلیل قائم کرنا ہے۔ تو یہ کھلا ہوا گھاٹا ہے۔ اور اس سے میں اللہ بزرگ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور عقلمند لوگ اس ورع سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اور جس نے اپنے علم و عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہو کر اور اپنے نفس کو حقیر سمجھ کر، اور اس کی مخلوق کے ساتھ تواضع کر کے راستے کا توشہ نہیں بنایا۔ تو وہ ہلاک ہونے والا ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے بہت سے صالحین کو ان کی صلاحیت کی وجہ سے ان کے اصلاح کرنے والے سے منقطع کر دیا ہے۔ جیسا کہ بہت سے فساد کرنے والوں کو ان کے فساد کے سبب ان کے ایجاد کرنے والے سے منقطع کر دیا ہے۔ ”فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ“۔ پس اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے اولیائے کرام کے راستے کو سمجھنے کی توفیق دے۔ اور اپنے دوستوں کی پیروی کرنے کے ساتھ تمہارے اوپر احسان فرمائے۔ تم اس پر غور کرو۔ یہی وہ ورع ہے۔ جس کو شیخ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے: کیا تمہاری سمجھ ورع کے اس قسم تک پہنچ سکتی ہے؟! کیا شیخ کے اس قول کو تم نہیں دیکھتے ہو؟ اس ورع نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ سے لینے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنے، اور اللہ تعالیٰ سے لینے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل کرنے کی طرف واضح دلیل کی بنا پر پہنچایا ہے۔ پس یہ ابدال اور صدیقین کا ورع ہے۔ نہ کہ فصاحت سے باتیں کرنے والوں کا ورع۔ جو برے گمان اور وہم کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ یہ ورع جو شیخ نے بیان کیا ہے۔ یہ خواص یا خواص الخواص کا ورع ہے۔ اور یہی طمع کے مقابلہ میں ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن بصریؒ کے قول میں گزر چکا ہے ”دین کی صلاح ورع، اور دین کا فساد طمع ہے۔ عوام کا ورع نہیں، جو مشتبہ اور حرام کا ترک کرتا ہے۔ کیونکہ وہ پوری طرح طمع کا مقابلہ نہیں کرتا ہے۔ اور اس کا حاصل: یقین کی درستی، اور اللہ رب العالمین کے ساتھ

تحمل تعلق، اور اس کی طرف سکون، اور اس کے اوپر ارادے کا مشغولی سے جم جانا، اور اس کے ساتھ اطمینان قلب ہے۔ اس درجہ پر کہ اس کی توجہ اس کے سوا کسی شے کی طرف نہ ہو۔ یہی ورع ہے جو فساد پیدا کرنے والی طمع کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والا عمل، اور نیک بختی پیدا کرنے والا ہر حال درست ہوتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا ہے: ورع کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم، ظاہر میں ورع: وہ یہ ہے کہ تم کوئی حرکت نہ کرو مگر اللہ تعالیٰ کے لئے۔ دوسری قسم، باطن میں ورع: وہ یہ ہے کہ تمہارے قلب میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ داخل ہو۔ بیان کیا گیا ہے: کسی صوفی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ جن لوگوں کی یہ صفت ہے ان میں سے کسی کو دیکھے۔ تو وہ ان کی تلاش میں کوشش کرنے لگے اور ان کے پاس تک پہنچنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی: اپنے مال میں سے کچھ لیتے۔ اور فقیروں اور مسکینوں کے پاس جاتے اور جس کو دیتے، اس سے کہتے: اسے لو۔ لیکن یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ وہ لوگ ان سے مال لے لیتے تھے۔ اور وہ ان میں کسی سے اپنے مقصد کے مطابق جواب نہیں سنتے تھے۔ اسی طرح وہ برابر کرتے رہے۔ ایک روز وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے اور اپنے مقصد کو حاصل کر لیا اور یہ اس طرح کہ انہوں نے ان میں ایک شخص سے کہا: اسے لو۔ لیکن یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ تو اس نے ان کو جواب دیا: میں اس کو لیتا ہوں۔ لیکن تم سے نہیں۔ تو اگر بندے کی توجہ مخلوق کی طرف ہو۔ یا روزی آنے سے پہلے، یا اس کے بعد ان کی طرف نظر جاتی ہو۔ تو اس ورع کا تقاضا، اور ادب کے حق میں واجب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو اس میں سے کچھ نہ دے۔ جو اس حال میں اس کے پاس آتا ہے۔ تا کہ اپنے ہم جنس کی طرف دیکھنے کی وجہ سے اس کے نفس کی سزا ہو جائے۔ جیسا کہ ایوب حمال کا واقعہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے ساتھ واقع ہوا۔ اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

حکایت

اور جیسا کہ حضرت شیخ ابو مدین رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے: ان کے پاس ایک بوجھ ڈھونے والا شخص گیہوں یا ستو لے کر آیا۔ تو ان کے نفس نے ان سے جھگڑا کیا اور کہا: کیا دیکھتے ہو کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو انہوں نے نفس کو جواب دیا: اے اللہ کے دشمن! میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں

کی طرف آنے کے لئے معاون ہوتی ہیں۔ اور وہ لوگ ان نعمتوں کو اپنے قلب سے باہر کر کے اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ "میرے بندوں میں شکر گزار کم ہیں"۔ اور اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف وارد ہوئی ہے۔

مومن کی سواری

نِعْمَةُ الدُّنْيَا مَطِيَّةُ الْمُؤْمِنِ ، عَلَيْهَا يَبْلُغُ الْخَيْرَ ، وَبِهَا يَنْجُوا مِنَ الشَّرِّ

"دنیا کی نعمت مومن کی سواری ہے۔ اس پر سوار ہو کر وہ بھلائی تک پہنچتا ہے۔ اور اس کے ذریعے وہ برائی سے نجات پاتا ہے"۔ یا جیسا نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: حضرت نبی کریم ﷺ نے دنیا کو مومن کو لے جانے والی سواری بنایا۔ مومن کو دنیا کے لئے سواری نہیں بنایا کہ وہ اس کو اٹھانے اور لے جانے کی تکلیف گوارہ کرے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ دنیا مومن کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے کے لئے اس سے مدد حاصل کرتا ہے۔ اس کے قلب میں نہیں ہے کہ وہ اس کی طلب میں زحمت اور مشقت کا مرتکب ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور دوسرا گروہ ایسا ہے: اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے ان کی مدد کی۔ ان کے لئے مال اور عافیت کو وسیع کیا۔ اور ان سے زحمتوں کو دور کیا۔ تو ان نعمتوں نے ان کو اپنے میں مشغول کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے سے باز رکھا۔ اور اس کے حضور کی طرف سیر کرنے سے روک دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں ان سے چھین لیں۔ اور ان کو مصیبتوں اور تنگیوں میں مبتلا کیا۔ تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف امتحان کی زنجیروں میں بندھ کر بڑھے۔

"عَجِبَ رَبُّكَ مِنْ قَوْمٍ يُسَاقُوْنَ إِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ"

"ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے تعجب کیا۔ جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں لے جائے جاتے ہیں"۔ اور اللہ تعالیٰ نے شکر گزار دولتمند اور صابر فقیر کی ایک ہی قسم کے لفظ سے تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں فرمایا: وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ "اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام عطا فرمایا۔ وہ بہترین بندہ ہے۔ بے

شک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑا رجوع کرنے والا ہے۔"

اور حضرت ایوب علیہ السلام کے حق میں فرمایا:۔

"اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ" ۝

"ہم نے ایوب علیہ السلام کو صابر پایا۔ وہ بہترین بندہ ہے۔ بے شک وہ اللہ کی طرف بڑا رجوع کرنے والا ہے"۔ ایک عارف نے فرمایا ہے۔ اگر مجھے نعمت عطا کی جائے اور میں شکر ادا کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ مجھے مصیبت میں مبتلا کیا جائے اور میں صبر کروں۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ شاکر غنی کو صابر فقیر پر ترجیح دیتے تھے اور یہی حضرت ابن عطا اور ابوعبداللہ ترمذی حکیم رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں: شکر: اہل جنت کی صفت ہے۔ اور فقر، ایسا نہیں ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب لطائف المنن میں اس کو بیان فرمایا ہے۔

اور تحقیق یہ ہے: فقیر صابر ہی غنی شاکر ہے۔ اور اس کے برعکس اس۔ لئے کہ غنا در حقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو جب قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستغنی ہو گیا تو ایسا قلب رکھنے والا ہی شاکر غنی ہے۔ اور ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی ہاتھ بھرپور ہوتا ہے۔ لیکن قلب فقیر ہوتا ہے۔ اور کبھی قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہوتا ہے لیکن ہاتھ فقیر ہوتا ہے۔ اور کبھی ہاتھ بھی بھرپور ہوتا ہے اور قلب بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا سے غنی ہوتا ہے۔

ایک بزرگ نے بیان کیا ہے:۔ ایک شخص دنیا میں زاہد، اور عمال میں مجاہد مغرب میں رہتے تھے۔ وہ سمندر سے مچھلیوں کا شکار کرتے تھے۔ یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ اور جو کچھ وہ شکار کرتے تھے۔ اس میں سے کچھ صدقہ کر دیتے تھے اور کچھ خود کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے اصحاب میں سے ایک شخص نے ملک مغرب کے کسی شہر کی طرف سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس سے زاہد نے فرمایا: جب تم فلاں شہر میں پہنچو۔ تو میرے فلاں بھائی کے پاس جاؤ۔ اور ان کو میری طرف سے سلام عرض کرو۔ اور ان سے دعا طلب کرو۔ کیونکہ بے شک وہ اولیاء اللہ میں سے ایک ولی ہیں۔ اس شخص نے بیان کیا ہے:۔ میں نے سفر کیا۔ جب اس شہر میں پہنچا۔ تو میں نے ان کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ تو لوگوں نے میری رہنمائی ایک عالیشان گھر کی طرف کی۔ جو بادشاہوں کے رہنے کے لائق

تھا۔ میں نے اس پر تعجب کیا۔ پھر میں نے ان کو تلاش کیا۔ تو مجھ کو بتایا گیا۔ وہ بادشاہ کے پاس گئے ہیں۔ میرا تعجب اور زیادہ ہوا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اس شان سے تشریف لائے۔ نہایت شاندار گھوڑے پر سوار، بہترین لباس پہنے ہوئے۔ گویا کہ اپنی سواری پر وہ بادشاہ معلوم ہوتے ہیں۔ تو میرا تعجب پہلے سے بھی بڑھ گیا۔ میں نے لوٹ جانے، اور ان کے پاس نہ ٹھہرنے کا ارادہ کیا۔ پھر میں نے سوچا کہ میرے لئے شیخ کی مخالفت ممکن نہیں ہے۔ لہذا میں نے ان سے ملاقات کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اجازت دی۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو غلاموں، خادموں اور اعلیٰ قسم کے ساز و سامان کو دیکھ کر میں خوفزدہ ہو گیا۔ پھر میں نے ان سے کہا: آپ کے فلاں بھائی نے آپ کو سلام کہا ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: تم ان کے پاس سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: جب تم ان کے پاس واپس جاؤ تو ان سے کہنا: تم کب تک دنیا میں مشغول رہو گے؟ اور کب تک اس کی طرف متوجہ رہو گے؟ اور کب تک تم دنیا سے اپنی رغبت کو منقطع نہ کرو گے؟ تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو پہلے سے بھی زیادہ تعجب کی بات ہے۔ تو جب میں سفر سے واپس آیا، تو شیخ نے دریافت فرمایا۔ کیا تم نے میرے فلاں بھائی سے ملاقات کی؟ میں نے کہا: ہاں۔ شیخ نے دریافت کیا۔ انہوں نے تم سے کیا فرمایا؟ میں نے کہا: کچھ نہیں۔ شیخ نے کہا: جو کچھ انہوں نے فرمایا، وہ تم کو مجھ سے ضرور کہنا ہوگا۔ تو جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا، میں نے شیخ کے سامنے بیان کر دیا۔ شیخ وہ باتیں سن کر بہت روئے۔ پھر فرمایا: میرے فلاں بھائی نے سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب کو دھو کر دنیا سے پاک کر دیا ہے۔ اور دنیا کو ان کے ہاتھ میں اور ان کے ظاہر پر رکھ دیا ہے۔ اور میں دنیا کو اپنے ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہوں۔ اور اس کی طرف میری کچھ توجہ باقی ہے۔ حضرت مصنفؒ نے یہ واقعہ اپنی کتاب لطائف المنن میں بیان کیا ہے۔

پس اولیاء کے احوال نہ فقر کے ساتھ منضبط کئے جا سکتے ہیں نہ غنا کے ساتھ۔ اس لئے کہ ولایت مخفی امر ہے۔ اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ مگر وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور توفیق عطا فرمائی۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے احسان کی مہربانیوں کے ذریعے بڑھا۔ اس کے اوپر اس کے کرم و احسان کا شکر واجب ہے جو اس نے اس کی طرف بھیجا۔ ورنہ اس کی

ناشکری اور نافرمانی کے باعث وہ کرم و احسان زائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ مصنف نے اپنے قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النِّعَمَ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِزَوَالِهَا، وَمَنْ شَكَرَهَا فَقَدْ قَيَّدَهَا بِعِقَالِهَا

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ اس نے اس کو زائل ہونے کے لئے پیش کر دیا۔ اور جس نے اس کا شکر ادا کیا۔ اس نے اس کو رسیوں سے مضبوط باندھ لیا۔''

میں کہتا ہوں:۔ حکیموں کے اقوال اس حقیقت پر متفق ہیں۔ کہ شکر: موجود کو قید کرنے والا۔ اور غیر موجود کو شکار کرنے والا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے: جس کو نعمتیں عطا کی گئیں۔ اور اس نے شکر ادا نہیں کیا۔ تو وہ اس سے اس طرح چھین لی گئیں کہ وہ سمجھ بھی نہ سکا۔ تو جس نے نعمت کا شکر ادا کیا۔ اس نے اس کو مضبوط رسی سے باندھ لیا۔ اور جس نے اس کی ناشکری کی۔ اس نے اس کو زائل ہونے کے لئے پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ''اللہ تعالیٰ اس حال کو نہیں بدلتا ہے جس کا تعلق قوم سے ہے۔ جب تک کہ وہ لوگ اس حال کو نہ بدلیں جس کا تعلق ان کے نفسوں سے ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم سے وابستہ نعمتوں کو نہیں بدلتا ہے۔ جب تک وہ لوگ اپنے نفسوں سے وابستہ شکر کو نہ بدل دیں۔ اور شکر کا بدلنا: نافرمانی اور ناشکری میں ان کا مشغول ہونا ہے۔

حضرت جنید نے فرمایا ہے:۔ شکر:۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ اس کی نافرمانی نہ کرے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے: شکر:۔ نعمت دینے والے سے اس کی نعمت کے سبب دل کا خوش ہونا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا اثر جسم کے اعضاء تک پہنچ جائے۔ تو وہ احکام کی ادائیگی میں کشادہ ہو جائیں۔ اور منع سے رک جائیں:۔ لطائف المنن میں مصنف نے فرمایا ہے: شکر کی تین قسمیں ہیں:

اول:۔ زبان کا شکر۔ دوم: ارکان یعنی جسمانی اعضاء کا شکر۔ سوم: قلب کا شکر۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا اور ظاہر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو۔

دوم: ارکان یعنی جسمانی اعضاء کا شکر۔

ارکان کا شکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا۔ اے داؤد کی اولاد شکر کی بجا آوری پر عمل کرو۔

سوم: قلب کا شکر: یہ اعتراف کرنا ہے۔ کہ کل نعمتیں خواہ وہ جسم سے متعلق ہوں یا دوسرے لوگوں سے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ) ''جو نعمت تمہارے ساتھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔ پہلی قسم کے شکر کے بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:۔ (اَلتَّحَدُّثُ بِالنِّعَمِ شُكْرٌ) ''نعمتوں کا بیان کرنا شکر ہے''۔ دوسری قسم کے شکر کے بارے میں یہ حدیث ہے:۔

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ ، فَقِيْلَ لَهٗ اَتَتَكَلَّفُ كُلَّ ذٰلِكَ وَ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ؟ فَقَالَ:۔ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا

حضرت نبی کریم ﷺ نماز میں کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم مبارک میں ورم ہو گیا۔ تو آپ سے عرض کیا گیا:۔ آپ یہ سب تکلیفیں کیوں گوارا فرماتے ہیں جب کہ آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: آنکھوں کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جب ان سے نیکی دیکھو۔ تو اس کا اعلان کرو۔ اور جب ان سے کوئی برائی دیکھو تو چھپا لو۔ پھر سائل نے دریافت کیا۔ کانوں کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر ان سے کوئی نیک بات سنو تو اسے محفوظ رکھو۔ اور اگر کوئی بری بات سنو تو اسے دفن کر دو۔ پھر سائل نے دریافت کیا: ہاتھوں کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جو چیز تمہاری نہیں اس کو نہ پکڑو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حق سے ان کو نہ روکو۔ پھر سائل نے پوچھا۔ پیٹ کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس کا نیچے کا حصہ صبر ہو، اور اوپر کا حصہ علم ہو۔ پھر اس نے پوچھا۔ شرمگاہ کا شکر کیا ہے؟ انہوں نے وہی جواب دیا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝) ''جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا کنیزوں سے

میں شکر کرنے میں اس پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ پھر اس سے دریافت کیا۔ پاؤں کا شکر کیا ہے؟
انہوں نے فرمایا: اگر تم کوئی ایسی چیز دیکھو جو قابل رشک ہو تو ان کو استعمال کرو۔ اور اگر ایسی چیز دیکھو جو
باعث گناہ ہو تو ان کو روک دو۔

شکر کی اقسام

اور تم کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ شکر کے معاملے میں آدمی تین قسم کے ہیں۔ ۱۔ عوام ۲۔ خواص
۳۔ خواص الخواص۔

عوام کا شکر۔ صرف نعمتوں پر ہوتا ہے اور خواص کا شکر نعمتوں اور تکلیفوں دونوں پر ہوتا ہے اور خواص الخواص کا شکر: نعمت اور زحمت کے مشاہدہ سے نعمت دینے والے کے مشاہدہ میں غائب ہوتا ہے۔ اور ان نعمتوں کی جن پر شکر واقع ہوتا ہے۔ تین قسمیں ہیں: ۱۔ دنیاوی۔ جیسے تندرستی، آرام، مال و اولاد۔ ۲۔ دینی: جیسے علم، عمل، تقویٰ، معرفت۔ ۳۔ اخروی: جیسے تھوڑے عمل پر بڑی بخشش کے ذریعے زیادہ ثواب ملنا۔ اور دینی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت جس پر شکر ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسلام۔ ایمان۔ معرفت کی نعمت ہے اور اس کا شکر یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض فضل، بغیر اختیار اور طاقت کے احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ "لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنایا۔ اور تمہارے قلوب میں اس کو زینت دی۔ اور تمہارے لئے کفر اور گناہ اور نافرمانی کو مکروہ یعنی قابل نفرت کر دیا" پھر فرمایا۔ (فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً) "اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت سے ایسا ہوا"۔

حضرت ابو العباس رضی اللہ عنہ نے شکر کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو ذکر اور شکر ہی کی طرف پھیر دے۔ جیسے ہماری آنکھوں کو ماحول کی طرف پھیرتا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اور کس کی پناہ لے سکتے ہیں؟ اور کس شے سے ہم اطمینان اور امید حاصل کر سکتے ہیں؟ تو یہ بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ایمان کی نعمت کا شکر۔ ہے اور معرفت سے جاہل۔ ایمان کی نعمت سے ایسی غفلت ہے جو سزا کا سبب ہے۔ ... دعویٰ اس طرح کرتا ہے

وہ معقول سبب ہے۔ یہ طاقت اور اختیار کی طاعت سے ہے۔ یہ ایمان کی نعمت کی ناشکری ہے۔ اور مجھے اپنے نفس سے ایمان کے سلب ہونے کا خوف ہے۔ جس نے ایسا وہم کیا۔ کیونکہ اس نے ایمان کی نعمت کے شکر کو ناشکری سے بدل دیا۔

پھر بندہ اگر نعمتوں کے شکر سے غافل ہو جائے۔ لیکن ان نعمتوں کی صورت اس کے نزدیک برابر موجود رہے تو اس سے وہ دھوکہ کھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بھی استدراج کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے قول میں اس طرف اشارہ فرمایا:

(خِفْ مِنْ وُجُوْدِ إِحْسَانِهِ إِلَيْكَ، وَدَوَامِ إِسَاءَتِكَ مَعَهُ، أَنْ يَكُوْنَ ذَالِكَ اِسْتِدْرَاجًا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ)

تمہاری ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باوجود تمہارے ساتھ اس کے احسان کے موجود رہنے سے تم خوف کرو کہ کہیں یہ استدراج ہو۔ بہت جلد ہم ان سے ایک ایک نعمت اس طرح چھین لیں گے کہ وہ کچھ بھی نہ سمجھیں گے۔

استدراج کی تعریف

استدراج: کے معنی۔ احسان کی شکل میں مشقت اور تکلیف کا پوشیدہ ہونا ہے۔ مستدرج: وہ شخص ہے جس سے ایک ایک کر کے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ) یعنی ہم انہیں نعمتوں کے ذریعہ پکڑیں گے اور ان کو کھینچ کر عذاب تک پہنچا دیں گے۔ اس طریقے پر کہ وہ کچھ بھی نہ سمجھیں گے۔ یہ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

پس اے مرید! تم اپنے ساتھ تندرستی، اور فراغت اور روزی کی وسعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ احسان کرنے، اور ہمیشہ ظاہری اور باطنی مدد کرنے کے باوجود پھر تم غفلت اور کوتاہی کے ساتھ ہمیشہ اس کی نافرمانی اور ناشکری کرتے ہو۔ تو ڈرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ) ”ہم عنقریب انہیں اس حیثیت سے پکڑیں گے [illegible] سمجھیں

آیۂ استدراج کی تفسیر

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اس آیہ کریمہ کا مفہوم یہ ہے۔ ہم ان کو نعمتوں کے ساتھ بڑھاتے ہیں۔ اور ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غافل کر دیتے ہیں۔ تو جب نعمت کی طرف مائل ہو کر نعمت دینے والے سے حجاب میں ہو جاتے ہیں۔ تو پکڑ لئے جاتے ہیں۔

حضرت ابن عطاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کوئی خطا کرتے ہیں۔ تو ہم ان کو نئی نعمت عطا کرتے ہیں۔ اور ہم ان کو اس خطا پر استغفار کرنے سے غافل کر دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ (وَاُمْلِیْ لَهُمْ) "ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں"۔ یعنی ہم فتنوں اور نعمتوں میں ان کو بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اچانک ان کو پکڑ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ) جب وہ لوگ غافل ہو گئے اس عذاب سے جس کی ان کو یاد دلائی گئی تھی۔ تو ہم نے ان کے اوپر نعمتوں کے دروازے کھول دیئے۔ اور ان کے اوپر ظاہری روزیوں کو کشادہ کر دیا۔ یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئیں۔ اس سے خوش ہونے۔ اور اپنے کو ان نعمتوں کا مالک سمجھ کر مضبوطی سے قائم ہو گئے۔ تو ہم نے اچانک ان کو ہلاکت کے ساتھ پکڑ لیا۔ پس اب وہ لوگ ہر بھلائی سے مایوس ہیں۔ اور اپنی مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے:۔ کہ ان کی طرف ایک ایسا شخص بھیجتا ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور جب وہ لوگ اس سے منہ پھیر لیتے، اور اس کی بات کو رد کر دیتے ہیں۔ تو ان کے اوپر ظاہری نعمتوں کو کشادہ کر دیتا ہے۔ تو جب وہ مطمئن ہو جاتے، اور انہیں نعمتوں کی خوشی میں مگن ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اچانک ان کو پکڑ لیتا ہے، اور ہلاک کر دیتا ہے اور یہ سزا سب سزاؤں میں بہت سخت ہوتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے:(وَاَعْظَمُ شَيْءٍ حِيْنَ يَفْجَؤُكَ الْبَغْتُ)

"سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ عذاب تمہارے پاس اچانک آ جائے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

"وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ

لِيَزْدَادُوْا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ"

"کافر لوگ یہ نہ خیال کریں۔ کہ ہم ان کو جو مہلت دیتے ہیں۔ وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں اور بڑھ جائیں۔ اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔"

ظاہری و باطنی نعمتوں پر شکر واجب ہے

پس انسان پر واجب ہے کہ جب کوئی نعمت ظاہری ہو یا باطنی حسی ہو یا معنوی محسوس کرے۔ تو اس کا حق پہچانے۔ اور بیان، اور اعتقاد، اور عمل سے اس کا شکر ادا کرنے میں جلدی کرے۔

پس بیان کا شکر: زبان سے حمد اور شکر کرنا ہے۔ اور اعتقاد کا شکر: نعمت میں نعمت دینے والے کا مشاہدہ کرنا اور نعمت کی نسبت اسی کی طرف کرنا اور زبان سے شکر کرتے ہوئے قلب کا واسطے سے غائب ہونا ہے۔ (مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ) "جس نے انسان کا شکر ادا نہیں کیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا"۔

(اَشْكَرُكُمْ لِلنَّاسِ اَشْكَرُكُمْ لِلّٰهِ) "تم میں سے انسان کا زیادہ شکر ادا کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا بھی زیادہ شکر ادا کرنے والا ہے"۔ تو جب انسان سے کہا: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ "اللہ تعالیٰ تم کو بہتر جزا دے" تو اس نے اس کا شکر ادا کیا۔

اور عمل کا شکر: اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں صرف کرنا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ تو اگر اس واجب پر قائم نہیں ہوا۔ تو اس کے لئے نعمت کے چھن جانے، اور سزا میں گرفتار ہونے کا خطرہ ہے اور یہ بہت برا ہے۔ حاصل یہ ہے: کہ شکر: نعمت دینے والے کے ساتھ، اور اس کے ساتھ، جس کے ہاتھوں سے نعمت ملی ہے۔ ادب کے ساتھ پیش آنا ہے۔ تو جو کوئی ادب کو خراب کرتا ہے تو ادب سکھایا جاتا ہے اور کبھی اس کو باطن میں ادب سکھایا جاتا ہے اور اس کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے قول میں بیان فرمایا:۔

مِنْ جَهْلِ الْمُرِيْدِ اَنْ يُّسِيْءَ الْاَدَبَ فَتُؤَخَّرَ الْعُقُوْبَةُ عَنْهُ، فَيَقُوْلَ: لَوْ كَانَ هٰذَا سُوْءَ اَدَبٍ لَقُطِعَ الْاِمْدَادُ وَاُوْجِبَ الْاِبْعَادُ، فَقَدْ يُقْطَعُ الْمَدَدُ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُ،

اس کی مثال ۔ وہ درخت ہیں ۔ جن کی نشوونما پانی پر منحصر ہے ۔ جب ان کے پاس پانی کا پہنچنا رک جاتا ہے تو ان کے اوپر پیاس کا اثر فوراً ظاہر نہیں ہوتا ہے ۔ بلکہ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوتا ہے ۔ تو جیسے جیسے مدت دراز ہوتی ہے وہ آہستہ آہستہ خشک ہوتے جاتے ہیں ۔ اسی طرح مرید کا قلب مدد کے رک جانے کو جلدی محسوس نہیں کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ وہ بھی ڈوب جاتا ہے اور ظاہر کے ساتھ چلتا ہے ۔ تو اگر اس کے پاس نیکی کی طرف بڑھنے والی قوت ہوتی ہے ۔ تو وہ توبہ کرتا ہے ۔ اور جو بے ادبی کی ہے ۔ اس کو درست کرتا ہے ۔ تو مدد اس کی طرف پھر لوٹ آتی ہے ۔ اور اگر نیکی کی طرف بڑھنے والی قوت اس کے ساتھ نہیں ہوتی ۔ تو وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ جاتا ۔ اور اپنے بعد میں قائم ہو جاتا ہے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشش کے بعد نعمت کے چھن جانے سے پناہ کی طلب کرتے ہیں ۔ اور اگر صرف اتنی ہی سزا ہو کہ اس کو مزید سیر یا ترقی سے روک دیا جائے ۔ تو یہی بہت ہے ۔ کیونکہ جو شخص زیادتی میں نہیں ہوتا ۔ وہ نقصان میں ہوتا ہے اور جس کا آنے والا دن آج سے برا ہو ۔ وہ گھاٹے میں ہے ۔ اور دخل کرنے میں اس کا یہ قول بھی ہے ۔ اگر یہ بے ادبی ہوتی تو دوری کا سبب ہوتی ۔ لیکن کبھی دوری کے مقام پر قائم کر دیا جاتا ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ وہ قرب کے مقام پر ہے ۔ کیونکہ قرب اور بعد کے مرتبوں کی کوئی انتہا نہیں ہے اور قرب میں جو مقام بھی ہے اس کے بعد والا مقام اس سے بہت بڑا ہے یہاں تک کہ پہلا مقام قرب اپنے بعد کے مقام کی نسبت سے بعد ہے ۔ اور اگر یہ بعد بھی نہ ہو ۔ بلکہ وہ تم کو صرف تمہارے ارادے کے ساتھ چھوڑ دے تو طرد اور بعد میں یہی سزا بہت ہے ۔ اس لئے کہ بندے کو اس کی خواہشات کے ساتھ چھوڑ دینا ۔ اس کی طرف سے بے توجہ ہونے کی علامت ہے ۔ اور بندے کو اس کی خواہشات اور مرغوبات سے نکالنا عنایت کرنے اور متوجہ ہونے کی علامت ہے ۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر مہربانی کرتا ہے ۔ اور اس کو اپنے حضور تک پہنچانا چاہتا ہے ۔ تو نفس کی مرغوب کل چیزوں کو اس پر سے متغیر کر دیتا ہے اور خوشی سے یا ناگواری سے اس کو چلاتا ہے ۔ یہاں تک کہ اس کو اس دنیا سے مایوس کر دیتا ہے ۔ اور اس دنیا کی کسی چیز کی طرف اس کی رغبت باقی نہیں رہتی ہے ۔ تو اس وقت وہ اس کو اپنے حضور کے لئے پسند کرتا اور اپنی محبت کے لئے منتخب کرتا ہے ۔ تو اب نہ اس کو اپنے نفس کی خبر رہتی ہے نہ غیر

اللہ کے ساتھ اس کو قرار ہوتا ہے۔

اور اس کی اصل:۔ سیدنا حضرت موسیٰ کا واقعہ ہے۔ چونکہ اپنے عصا کے ساتھ ان کی محبت اور اس کی طرف ان کی رغبت کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ؟ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ (أَيْ حَوَائِجُ أُخَرُ (قَالَ) لَهُ (أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ) فَلَمَّا فَزِعَ مِنْهَا وَقَطَعَ يَأْسَهُ مِنْهَا (قَالَ) لَهُ (خُذْهَا وَلَا تَخَفْ)

اے موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس سے سہارا لیتا ہوں۔ اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس میں میرے لئے دوسرے فائدے اور حاجتیں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: اے موسیٰ اس کو ڈال دو۔ تو انہوں نے اس کو ڈال دیا تو اب وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ تو جب حضرت موسیٰ اس سے بھاگے اور ان کی امید اس سے منقطع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا۔ اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو۔ کیونکہ وہ تم کو نقصان نہ پہنچائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ رجوع ہوئے ہو۔ اور فقیر سے کہا جاتا ہے۔ اے فقیر! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو فقیر کہتا ہے: یہ میری دنیا ہے میں اس سے سہارا لیتا ہوں۔ اور اس سے اپنی حاجتوں کو پوری کرتا ہوں تو اس کو حکم دیا جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے اس کو ڈال دے۔ تو اب وہ سانپ بن کر دوڑتا ہے۔ جو اس کو ڈستا تھا اور وہ اس کو محسوس نہیں ہوتا تھا۔ تو جب وہ اس سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کو حکم دیا جاتا ہے: اس کو پکڑ لے۔ اور مت ڈر کیونکہ اب تو اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ پکڑتا ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہ آداب جن کی عدم رعایت پر سزا ملتی ہے

اور آداب کے وہ مقامات جن میں مرید خرابی اور کوتاہی کرتا ہے۔ تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔ تین ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ آداب۔ ۲۔ شیخ کے ساتھ آداب۔ ۳۔ بھائیوں کے ساتھ آداب۔

شیخ کی عدم تعظیم اور تحقیر کی طرف لے جاتی ہے اور یہ لکھا ہوا کھاتا ہے۔ اور کوشش کے بعد چھن جانے اور سامنا ہونے کے بعد بھگانے سے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے:۔ تم اپنے نفس کو نمک بناؤ اور اپنے ادب کو آٹا۔ اور شاعر نے فرمایا ہے:۔

اَدَبُ الْعَبْدِ تَذَلُّلٌ وَالْعَبْدُ لَا يَدَعُ الْاَدَبَ

''بندے کا ادب عاجزی ہے۔ اور بندہ ادب کو نہیں چھوڑتا ہے''۔

فَاِذَا تَكَامَلَ ذُلُّهُ نَالَ الْمَوَدَّةَ وَالْقُرَبَ

''جب اس کی عاجزی مکمل ہو جاتی ہے تو وہ دوستی کو پالیتا ہے اور قریب ہو جاتا ہے۔

تیسرا ادب:۔ اس کی خدمت گزاری کی طرف حتی الامکان اپنی جان، اور مال، اور قوت سے سبقت میں جلدی کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ والوں کی خدمت، اللہ تعالیٰ کے وصال کا سبب ہے۔

سیدی عبداللہ علی زجلی رضی اللہ عنہ نے سلوک سے متعلق اپنے ایک نظم میں فرمایا ہے:۔

اِنَّ الْخَدِيْمَ طَنَّهٗ جَمِيْلٌ ذَلٌّ عَلٰى فَلَاحِهٖ دَلِيْلٌ

خادم کا بہتر گمان اس کی کامیابی کی بڑی دلیل ہے

اَقَلَّ نَفْسَهٗ لِخِدْمَةِ الرِّجَالِ لِكَيْ يَنَالَ مِنْ حَبِيْبِهِ الْوِصَالَ

اس نے اپنے نفس کو اہل اللہ کی خدمت کے لئے آمادہ کیا تاکہ اپنے دوست کا وصال حاصل کرے۔

ذُلُّ الْمُحِبِّ فِيْ طَلَبِ الْقُرْبِ عِزٌّ عَزِيْزٌ عِنْدَ اَهْلِ الْحُبِّ

قرب کی طلب میں محبت کرنے والے کی ذلت۔ ایسی عزت ہے جو محبت والوں کے نزدیک محبوب ہے۔

اَتٰى بُيُوْتَ الْقُرْبِ مِنْ اَبْوَابِهَا فَفُتِّحَتْ لَهٗ اِذًا بِاَسْرِهَا

وہ قرب کے گھروں میں اس کے دروازوں سے آیا۔ تو اس کے لئے دروازے کھول دیئے گئے۔ اب وہ ہر دروازے سے داخل ہو سکتا ہے۔

ہے۔ اور غافل عوام کی صحبت:۔ جاہل فقیر کی صحبت سے افضل ہے۔ جس طرح عارف باللہ ایک نظر یا ایک لفظ سے مرید کو اللہ تعالیٰ سے ملا دیتا ہے۔ اسی طرح جاہل باللہ فقیر ایک نظر یا ایک لفظ سے اکثر مرید کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتا ہے اور اس سے زیادہ بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سیدی مجذوب پر رحمت نازل کرے انہوں نے فرمایا ہے:۔ غیر صالح: کی صحبت تو ذلیل کرتی ہے اگر چہ صاف ہو۔

شیخ کے باطنی آداب چار ہیں

چار باطنی آداب یہ ہیں۔

اول:۔ اس کے کمال کا اعتقاد رکھنا اور یہ کہ وہ شیخ ہونے اور تربیت دینے کا اہل ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ شریعت و حقیقت اور جذب و سلوک کا جامع ہے اور یہ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پر ہے۔

دوم:۔ اس کی تعظیم کرنا۔ اور اس کی عزت و حرمت کا لحاظ رکھنا۔ وہ غائب ہو۔ یا حاضر۔ اور اس کی محبت کی تربیت اپنے قلب میں کرنا ہے اور یہ اس کے صدق کی دلیل ہے۔ اور صدق کے مطابق ہی حقیقت تک رسائی ہوتی ہے۔ پس جس شخص کو صدق حاصل نہیں ہے۔ اس کو سیر بھی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اگر چہ وہ شیخ کے ساتھ ہزار سال رہے۔

سوم: اپنے عقل اور مرتبہ اور علم و عمل سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہے۔ مگر جو کچھ اس پر اس کے شیخ کی طرف سے وارد ہو۔ جیسا کہ ہمارے شیخ طریقت حضرت شاذلی رضی اللہ عنہ نے اپنے شیخ سے ملاقات کے وقت کیا۔ تو ان کے طریقے میں یہ ان کی سنت ہے۔ پس اس طریقہ شاذلیہ میں جو شخص بھی اپنے شیخ کے پاس آئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ کے پاس پہنچنے سے پہلے اپنے علم و عمل سے غسل کرے۔ تاکہ اس کی کامل مددی دریا سے پاک وصاف پانی حاصل کرے۔

چہارم: اس کے پاس سے اس کے غیر (دوسرے شیخ) کی طرف انتقال کے وقت ہے۔ اور یہ ان کے نزدیک کل بری چیزوں سے برا ہے۔ اور یہ ارادت کے بیج کو خراب کرنے کا سبب ہے۔ جس ارادت کا درخت اپنی اصل کی خرابی کی بنا پر خراب ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب تربیت کے شیخ کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیکن اہل ظاہر شیخ کے پاس سے اہل باطن شیخ کی طرف۔ اگر عل

جائے منتقل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

پیر بھائیوں کے آداب چار ہیں

بھائیوں کے آداب:۔ چار ہیں

اول:۔ ان کی عزت وحرمت کی حفاظت ہے۔ خواہ وہ غائب ہوں یا حاضر۔ تو نہ کسی کی غیبت کرے۔ نہ کسی کو حقیر سمجھے۔ نہ یہ کہے کہ میرے شیخ کے مریدین میں فلاں شخص کامل ہے۔ اور فلاں شخص ناقص ہے۔ یا فلاں شخص عارف ہے۔ یا فلاں شخص عارف نہیں ہے۔ یا فلاں شخص کمزور ہے۔ اور فلاں شخص طاقتور ہے۔ یا اس کے علاوہ کیونکہ یہ خالص غیبت ہے۔ اور غیبت بالاجماع حرام ہے۔ خاص کر اولیائے کرام کے حق میں۔ کیونکہ ان کے گوشت زہر قاتل ہیں۔ جیسا کہ علماء وصالحین نے کہا ہے۔ پس مرید کو اس بری خصلت سے اپنے کو بچانا چاہیے۔ اور ان لوگوں سے جن کی طبیعت ایسی ہو، اسی طرح بھاگنا چاہیے۔ جس طرح شیر سے بھاگتا ہے۔ کیونکہ جو شخص اس سے دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اولیائے کرام انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں۔ تو جس شخص نے ان میں فرق اور امتیاز کیا۔ اس نے اپنے اوپر ان کے فیض کو حرام کر لیا۔ اور ان کی نعمت کی ناشکری کی۔ ایک صوفی نے فرمایا ہے: جس شخص کو فقراء نے توڑ دیا۔ اس کو شیخ نہیں جوڑ سکتا۔ اور جس شخص کو شیخ نے توڑ دیا۔ اس کو فقراء جوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ درست اور تجربہ کیا ہوا ہے کیونکہ ایک ولی کی ایذا رسانی بہت سے اولیائے کرام کی ایذا رسانی کی طرح نہیں ہے۔ جس شخص کو شیخ توڑ دیتا ہے۔ اس کے بارے میں اخوان شفاعت کرتے ہیں۔ تو شیخ کا قلب جڑ جاتا ہے۔ بخلاف فقراء کے قلوب کے۔ کہ جب وہ متبدل ہو جاتے ہیں۔ تو ایسا کم ہوتا ہے کہ وہ جڑنے پر متفق ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوم:۔ ان کی خیر خواہی کرے۔ اس طرح کہ ان کے جاہل کو تعلیم دے۔ ان کے گمراہ کو ہدایت کرے۔ ان کے کمزور کو طاقت پہنچائے۔ اگرچہ اس کے لئے ان کے پاس سفر کر کے جانا پڑے۔ کیونکہ ان میں ابتدا والے بھی ہیں۔ اور انتہا والے بھی ہیں۔ قوی بھی ہیں۔ ضعیف بھی ہیں۔ پس ہر ایک کو ان کے مرتبہ کے مطابق نصیحت کرے۔ لوگوں سے ان کی سمجھ کے موافق خطاب کرے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

سوم۔ ان سے تواضع کرنا ان کے ساتھ اپنے نفس سے انصاف چاہنا۔ حتی الامکان ان کی خدمت کرے۔ کیونکہ قوم کا خادم ان کا سردار ہوتا ہے۔ تو جس شخص کو کوئی ایسا کام درپیش ہو جس سے فرصت نہ پا سکے۔ اس کی امداد واجب ہے۔ تاکہ وہ اس سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو۔ اگرچہ تھکا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (تعاونوا على البر والتقوى) "تم لوگ نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو"۔ تو جو چیز بھی فقیر کے دل کو مشغول کرتی ہے۔ اس کا دور کرنا جہاد اور نیکی ہے۔

چہارم۔ ان کے اندر صفائی اور خلوص دیکھے اور ان کے کمال کا اعتقاد رکھے۔ نہ کسی کو ناقص نہ خیال کرے اگرچہ اس سے کوئی ایسی چیز دیکھے جو بظاہر نقص کا باعث ہو۔ کیونکہ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ عذروں کو تلاش کرتا ہے۔ تو ان کے لئے عذر تلاش کرنا چاہیے۔ پھر بھی اگر اس سے اس کے نقص کا سبب دور نہ ہو۔ تو اس کو اپنے نفس میں دیکھنا چاہیے۔ "المومن مرآة اخيه" مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے"۔

جو چیز دیکھنے والے کے اندر ہے وہی آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ تو اہل صفا کو صرف صفا و خلوص نظر آتا ہے۔ اور ملاوٹ والے ملاوٹ دیکھتے ہیں۔ اہل کمال صرف کمال دیکھتے ہیں۔ اور اہل نقص کو نقص ہی دکھائی دیتا ہے اور اس بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ (خَصْلَتَانِ لَيْسَ فَوْقَهُمَا شَيْءٌ مِنَ الْخَيْرِ: حُسْنُ الظَّنِّ بِاللّٰهِ، وَحُسْنُ الظَّنِّ بِعِبَادِ اللّٰهِ وَخَصْلَتَانِ لَيْسَ فَوْقَهُمَا شَيْءٌ مِنَ الشَّرِّ: سُوْءُ الظَّنِّ بِاللّٰهِ، وَسُوْءُ الظَّنِّ بِعِبَادِ اللّٰهِ)۔

دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا۔ اور دو خصلتیں ایسی ہیں۔ جن سے بڑی کوئی برائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ برا گمان، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ برا گمان رکھنا۔

(وباللہ التوفیق)

پس یہ سب آداب ہیں۔ جن کو لحاظ اور خیال رکھنا فقیر پر واجب ہے۔ خواہ وہ طالب ہو۔

یا سائر ہو، یا واصل ہو۔ اور پہلے باب کی ابتداء میں آٹھ آداب کا بیان گزر چکا ہے۔ ان میں بعض آداب عارف کے لئے ہیں، اور بعض سائر کے لئے۔ لہذا ان کو پورا دیکھنا اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ طریقت کُل کا کُل ادب ہے۔ یہاں تک کہ بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ اپنے عمل کو نمک بناؤ۔ اور اپنے ادب کو آٹا۔

تصوف نام ہے ادب کا

حضرت ابوحفص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: تصوف:۔ کُل آداب ہیں۔ ہر وقت کے لئے آداب ہیں۔ ہر حال کے لئے آداب ہیں۔ ہر مقام کے لئے آداب ہیں۔ تو جس نے ادب کو لازم پکڑا۔ وہ اللہ والوں کے مقام تک پہنچ گیا۔ اور جس نے ادب کی بے حرمتی کی۔ وہ قرب کے مقام سے دور رہا۔ اور قبولیت کے مرتبہ سے مردود ہوا۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ ظاہری اور باطنی آداب کو اپنے اوپر لازم کرو۔ کیونکہ جس نے ظاہری ادب کی بے ادبی کی اس کو ظاہر میں سزا دی گئی اور جس نے باطنی ادب کی بے ادبی کی۔ اس کو باطن میں سزا دی گئی۔ مباحث اصلیہ میں فرمایا ہے:۔

وَالْاَدَبُ الظَّاهِرُ لِلْعَيَانِ دَلَالَةُ الْبَاطِنِ فِي الْاِنْسَانِ

آنکھوں کے سامنے ظاہری ادب انسان کے اندر باطنی ادب کی دلیل ہے

وَهُوَ اَيْضًا لِلْفَقِيرِ سَنَدٌ وَلِلْغَنِيِّ زِينَةٌ وَسُؤْدَدٌ

اور وہ فقیر کیلئے سند کی حیثیت رکھتا ہے اور دولتمند کیلئے زینت اور سرداری ہے

وَقِيلَ مَنْ يُحْرَمُ الْاَدَبْ فَهُوَ بَعِيدٌ مَا تَدَانِيْ وَاقْتَرَبْ

بیان کیا گیا ہے: جو شخص ادب سے محروم رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہے۔

وَقِيلَ مَنْ تَنْسِبُهُ الْاَنْسَابُ فَاِنَّمَا تُطْلِقُهُ الْاٰدَابُ

بیان کیا گیا ہے:۔ نسب کی نسبت سے منسوب ہونا۔ اکثر آداب کی بجا آوری سے محروم کر دیتے ہیں۔

فَالْقَوْمُ بِالْاٰدَابِ حَقًّا سَادُوْا مِنْهُ اسْتَفَادَ الْقَوْمُ مَا اسْتَفَادُوْا

پس صوفیائے کرام آداب ہی کے باعث سردار ہوئے۔ اور جو کچھ بھی فائدہ حاصل کیا۔ آداب

عارفین کی تین علامتیں

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ عارفین کی نشانی تین ہیں:۔ اول:۔ ہر حال میں اور ہر طریقہ پر اپنے معروف کے ماسوئی سے منہ پھیر لینا۔ دوم: حظوظ کے ترک اور حقوق کے قائم کرنے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا۔ سوم:۔ اس کے قضاو قدر کے احکام میں اس سے راضی رہنا۔ نیز اس کے حال کو اس وجہ سے بھی حقیر نہ سمجھو کہ تم نے اس کے اندر محبین کی تحولی نہیں دیکھی۔ مثلاً اپنے محبوب سے خوش رہنا، اور کثرت سے اس کا ذکر کرنا۔ اور اس کے شکر میں قائم رہنا، اور اس کی محبت پر رشک کرنا۔ اور اس کی محبت اور مرضی کی طلب میں سبقت کرنا، اور اس کی عظمت کے سامنے عاجزی کرنا، اور اس کے غلبے کے سامنے ذلیل رہنا۔

ایک عارف کے اشعار ہیں:۔

تَذَلَّلْ لِمَنْ تَهْوٰى فَلَيْسَ الْهَوٰى سَهْلٌ ۔۔۔ اِذَا رَضِيَ الْمَحْبُوْبُ صَحَّ لَكَ الْوَصْلُ

تم جس کو محبت کرتے ہو، اس کے سامنے ذلت اختیار کرو۔ کیونکہ محبت کرنا آسان نہیں ہے۔ جب محبوب راضی ہوگا تو تمہارے لئے وصل درست ہوگا۔

تَذَلَّلْ لَهٗ تَحْظٰى بِرُؤْيَا جَمَالِهٖ ۔۔۔ فَفِيْ وَجْهِ مَنْ تَهْوٰى الْفَرَائِضُ وَالنَّفَلُ

جس کے جمال کے دیدار سے تم کو لطف حاصل کرنا ہے اس کے سامنے عاجزی اختیار کرو۔ کیونکہ تمہارے محبوب کے سامنے ہی فرض و نفل ہے۔ تو تم کیسے حقیر سمجھو گے اس شخص کو جس کی خدمت ہمیشہ رہتی ہے۔ اور جس کے اوراد متصل (لگاتار) رہتے ہیں؟ پس اگر اس کے اس کے باطن میں فضل الہٰی نہ ہوتا تو اپنے اوراد کے ہمیشہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا۔ تو اگر فضل الہٰی نہ ہوتا تو وارد نہ ہوتا۔ پس وارد:۔ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف آئے۔ اور ورد:۔ وہ ہے جو تمہاری طرف سے اس کی طرف پیش ہو۔ (وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا) ''اور اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تم میں سے کوئی کبھی پاکیزہ نہ ہوتا۔ (وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا) ''اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تم لوگ شیطان کی پیروی

کرتے مگر تھوڑے لوگ''۔ (یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ) ''وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور یہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں'' (ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا) ''پھر وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا تا کہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔ تو پہلے عنایت یعنی توفیق ہوتی ہے۔ پھر ہدایت ملتی ہے اور سب معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

تحقیق میں ہے:۔ یہاں صرف توفیق کی سبقت ہے۔ اور کچھ اختیار اور قوت نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔

گناہ سے نفرت نا کہ گنہگار سے

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ مومنوں کی عزت کرو۔ اگر چہ وہ نافرمان فاسق ہوں۔ اور ان کے اوپر حدود قائم کرو۔ اور ان سے جدائی ان کے ساتھ رحم کی بناء پر اختیار کرو۔ نہ کہ ان کو گندہ سمجھ کر۔ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کی عزت اس کی نسبت کے لحاظ سے مقرر ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ جھوٹا ہے تو معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ جس سے وہ اپنے کو منسوب کرتا ہے ہمارا کام اس پر اس کے حق کو قائم کرنا ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس پر قائم اور ثابت ہو جائے۔ ہم اس کے ساتھ آقا کے اس غلام کی طرح ہیں۔ جو اپنے آقا کے لڑکے کو آقا کے حکم سے مارتا ہے۔ وہ اس کو ادب سکھاتا ہے۔ حقیر نہیں سمجھتا۔ حضرت ابوالحسن جرائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعار ہیں:۔

اِرْحَمْ بُنَيَّ جَمِيْعَ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ وَانْظُرْ اِلَيْهِمْ بِعَيْنِ اللُّطْفِ وَالشَّفَقَةِ

''اے بیٹے! سب مخلوق پر رحم کرو۔ اور ان کی طرف مہربانی اور شفقت کی نظر سے دیکھو''

وَقِّرْ كَبِيْرَهُمْ وَارْحَمْ صَغِيْرَهُمْ وَرَاعِ فِيْ كُلِّ خَلْقٍ حَقَّ مَنْ خَلَقَهْ

''ان کے بڑوں کی عزت کرو اور ان کے چھوٹوں پر رحم کرو۔ اور ہر مخلوق میں خالق کے حق کی رعایت کرو''۔

اور اوراد میں ہمیشہ قائم رہنے اعضاء کی خدمت ہے۔ اور اہل خدمت کی شان ہے۔ اور وہ عابد اور زاہد لوگ ہیں۔ اور اس سے قلوب کے عمل کی طرف منتقل ہونا اہل محبت اور معرفت کی شان

ہے۔ اور وہ عارفین ہیں۔ اور سب اللہ کے بندے اور اس کی عنایت والوں سے ہیں۔ تو ان کو صرف
جاہل یا مردود ہی حقیر سمجھ سکتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا:۔ (قَـوْمٌ
أقَامَهُمُ الْحَقُّ لِخِدْمَتِهِ، وَقَوْمٌ اخْتَصَّهُمْ بِمَحَبَّتِهِ، كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَ هٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ
رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا) ''ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کے لئے قائم
کیا۔ اور ایک گروہ کو اپنی محبت کے ساتھ خاص کیا۔ اور ہم ان کی اور ان کی تمہارے رب کی بخشش
سے مدد کرتے ہیں۔ اور تمہارے رب کی بخشش محدود نہیں ہے۔

عنایت الٰہی کے ساتھ مخصوص دو قسم کے افراد ہیں

میں کہتا ہوں: عنایت کے ساتھ مخصوص بندوں کی دو قسمیں ہیں:۔ ایک قسم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی
خدمت کی طرف متوجہ کیا اور ان کو اس میں قائم کیا۔ اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم:
وہ لوگ ہیں جو رات کی نفلوں، اور دن کے روزوں کے لئے آدمیوں سے علیحدہ ہو کر جنگلوں اور
چٹیل میدانوں میں گزر کرتے ہیں۔ اور یہ عابدین اور زاہدین ہیں۔ ان میں سے دوسری قسم:۔ وہ
لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے قائم کرنے اور شریعت کی حفاظت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اور
یہ علماء و صالحین ہیں۔ اور ان میں سے تیسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی مدد اور
اپنے کلمات کے بلند کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔ اور یہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں۔ اور ان میں سے
چوتھی قسم:۔ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ملک کی درستی اور بندوں کے آرام کے لئے قائم کیا ہے
اور یہ امراء و بادشاہ ہیں۔

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے ساتھ قائم اور اپنی معرفت کے
ساتھ مخصوص کیا۔ اور یہ عارفین کاملین ہیں۔ انہوں نے سیدھے راستے کا سلوک کیا۔ اور عین حقیقت
تک پہنچ گئے۔ اور دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ اہل خدمت:۔ اجر کے طالب ہیں۔ اور اہل
محبت سے پردے اٹھا لئے گئے ہیں۔ اہل خدمت:۔ اپنا اجر دروازے کے باہر سے لیتے ہیں۔ اور
اہل محبت:۔ احباب کے ساتھ مناجات میں ہیں۔ اہل خدمت ۔ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان
حجاب حائل ہے۔ اور اہل محبت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سے حجاب اٹھا لیا گیا ہے۔ اہل خدمت

:۔ اہل دلیل و برہان سے ہیں۔ اور اہل محبت: اہل مشاہدہ و عیاں سے ہیں۔ اہل خدمت:۔ ان سے حظوظ نفس جدا نہیں ہوتے ہیں۔ اور اہل محبت:۔ ان کے اوپر فیوض الہیہ کی بارش ہوتی ہے۔ اہل خدمت: ان کی محبت بہت سی چیزوں میں تقسیم ہے۔ اور اہل محبت:۔ ان کی محبت ایک ذات میں جمع ہے۔ پس اس وجہ سے اہل خدمت، ہمیشہ اپنی خدمت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اہل محبت، اپنے محبوب کے مشاہدہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ پس اگر اہل خدمت حظوظ کو چھوڑ دیں۔ اور اپنی محبت ایک محبوب میں منحصر کر دیں۔ تو وہ بھی اپنے محبوب تک پہنچ جائیں گے۔ اور یقین کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کریں گے اور خدمت کی مشقت سے آرام پا جائیں گے۔ لیکن حکیم مطلق کی حکمت نے ان کو خدمت میں قائم کیا ہے۔ تو بہر حال ان کی تعظیم واجب ہے۔ اور اس سے ان کے اوپر اہل محبت و معرفت کی فضیلت نہ ہونا لازم نہیں ہوتا ہے۔ غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا) "غور کرو۔ کس طرح ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ اور البتہ آخرت درجات اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے"۔ یہ آیت ان کے بعض کی بعض پر فضیلت کی دلیل ہے۔ لیکن بادشاہ کے سب غلام قابل عزت و تعظیم ہیں۔ بادشاہ یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ تم اس کے کسی بھی غلام کو حقیر سمجھو۔ اگرچہ وہ لوگ اس کے نزدیک مختلف درجے کے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت بایزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے قلوب سے واقف ہے۔ تو ان میں سے جو معرفت کے برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ ان کو عبادت میں مشغول کر دیا۔

حضرت ابو العباس دینوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں۔ جن کو اس نے اپنی معرفت کے لئے مناسب نہیں سمجھا۔ تو ان کو اپنی خدمت میں مشغول کر دیا۔ اور اس کے کچھ بندے ایسے ہیں۔ جو اس کی خدمت کیلئے موزوں نہیں ہیں۔ تو ان کو اپنی محبت کیلئے اہل بنا دیا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ زاہد: دنیا سے اللہ تعالیٰ کا شکار ہے۔ اور عارف۔ جنت سے اللہ تعالیٰ کا شکار ہے۔ یعنی زاہد کو اللہ تعالیٰ نے دنیا سے شکار کر کے اپنے قبضے میں کیا۔ اور اس کو جنت میں داخل کیا اور عارف کو اللہ تعالیٰ نے جنت سے شکار کر کے اپنے حضور میں

داخل کیا۔ ظاہری جنت سے اس کو شکار کیا۔ اور حقیقت کی جنت میں اس کو رکھا۔ اور وہ معرفت کی جنت ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں فرمایا:۔ پاک ہے وہ ذات۔ جس نے ایک جماعت کو اپنی خدمت کے لئے آمادہ کیا۔ اور ان کو اس میں مشغول کیا۔ اور ایک جماعت کو اپنی محبت کے لئے آمادہ کیا۔ اور ان کو اس میں مشغول کیا۔ اہل خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جلال اور ہیبت کی صفت کے ساتھ تجلی کی۔ تو وہ مخلوق سے متنفر ہو گئے۔ ان کے قلوب اس طرف جھکے ہوئے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے حضور سے ان پر وارد ہوتا ہیں۔ ان کے بدن لاغر، اور ان کے رنگ زرد ہو گئے۔ ان کے پیٹ دب گئے۔ اور شوق سے ان کے جگر پگھل گئے۔ اور رونے اور فریاد کرنے کے ذریعے انہوں نے تاریکیوں کو دور کیا۔ اور مجاہدہ کے ذریعے انہوں نے دنیا کو دین میں بدل دیا۔ وہ جنت کی طرف راغب ہیں۔ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ اور متقین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اور اہل محبت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمال اور رحمت کی صفت کے ساتھ تجلی کی۔ تو وہ قرب کے لذیذ شراب سے مست ہو گئے۔ معبود برحق نے ان کو اپنی طرف مشغول کر کے عابدین و زاہدین میں ہونے سے روک دیا۔ وہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ میں مشغول ہو گئے۔ اور ہر ظاہر و باطن سے حجاب میں ہو گئے۔ انہوں نے نعمتوں اور انعام میں زہد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ یہاں ساتواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس باب کا ماحصل یہ ہے۔ ہمت کو بلند کرنا، نعمت کا شکر ادا کرنا، خدمت میں حسن ادب، عزم کا دوام، خدمت سے منتقل ہو کر محبت اور معرفت تک پہنچنا۔ اور جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ کسی بندے کو اپنی معرفت تک لیجائے، اور اس کو اس کی خدمت کی مشقت سے منتقل کرے۔ تو اس پر واردات الہیہ غالب ہوتے ہیں۔ پھر اس کو ربانی حضور کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور یہ وہی ہیں، جو کسی کی اور یہ اچانک ہی آتے ہیں۔ حضرت مصنفؒ نے آٹھویں باب کی ابتدا اسی کے بیان سے کی ہے۔

باب ہشتم

واردات الٰہیہ کے بیان میں

(اعمال اور عامل کی قدر کا میزان)

حضرت مصنف نے فرمایا:۔

قَلَّ مَا تَرِدُ الْوَارِدَاتُ الْإِلٰهِيَّةُ إِلَّا بَغْتَةً صِيَانَةً لَّهَا لِئَلَّا يَدَّعِيَهَا الْعِبَادُ بِوُجُوْدِ الْاِسْتِعْدَادِ

''واردات الٰہی بہت کم آتے ہیں مگر اچانک۔ تاکہ ان کی اس سے حفاظت ہو کہ بندے اس کا دعویٰ اپنی قابلیت کے وجود کے ساتھ کریں''۔

حضرت قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ وارد ۔ وہ ہے، کہ جو شے بندے کی برداشت سے باہر ہے، اس کے بہترین خواطر قلوب پر وارد ہوتے ہیں۔ اور واردات:۔ خواطر سے عام ہیں۔ کیونکہ خواطر خطاب کی نوع کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ یا اس چیز کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں، جو خطاب کی نوع کے معنی کو شامل ہو۔ اور واردات۔ خوشی اور غم، اور قبض و بسط کے اور اس کے علاوہ دوسرے حالات کے وارد ہوتے ہیں۔ اور وارد، حال کے قریب ہے۔

واردات الٰہیہ و شیطانیہ کے بارے میں سوال

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے الٰہی واردات، اور شیطانی مظاہروں کے بارے میں دریافت کیا گیا: تو انہوں نے فرمایا۔ وارد الٰہی، نہ استعداد و صلاحیت سے آتا ہے نہ کسی سبب سے جاتا ہے۔ اس کے آنے کے لئے نہ کوئی طریقہ مقرر ہے، نہ کوئی وقت۔ اور شیطانی مظاہرہ:۔

جہالت کی دلیل

علم نافع کیا ہے؟

بعض محققین نے فرمایا ہے:۔ جب عالم نے کہہ دیا: میں نہیں جانتا ہوں تو اس کا یہ کلام درست

ہوا۔

مسائل پوچھنے والوں کے اسلاف کا طریقہ

احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ سلف صالحین ایسے تھے۔ کہ جب ان سے کوئی شخص کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو وہ اس کو دوسرے کے پاس بھیج دیتے۔ اور دوسرے بزرگ، تیسرے کے پاس۔ اور تیسرے، چوتھے کے پاس۔ اس طرح وہ سوال کرنے والا، پھر پہلے ہی کے پاس پہنچتا۔ بعض محققین ایسے تھے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا۔ تو سائل سے فرماتے: تم یہ مسئلہ لے کر قاضی کے پاس جاؤ۔ اور اس کے گلے میں باندھو۔ یعنی اس کے حوالہ کرو۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے بتیس مسئلے دریافت کئے گئے تو انہوں نے صرف تین کا جواب دیا۔ باقی کے لئے فرمایا: میں نہیں جانتا ہوں تو سائل نے ان سے پوچھا: لوگوں سے ہم کیا کہیں گے؟ امام نے فرمایا: لوگوں سے تم کہنا: مالک نے کہا ہے: میں نہیں جانتا۔ نیز ہر سائل کے سوال کا جواب دینا اس وجہ سے بھی جہالت اور نقصان دہ ہے۔ کہ کبھی سائل عیب جوئی، اور نکتہ چینی کے لئے سوال کرتا ہے۔ اور وہ جواب کا مستحق نہیں ہوتا اور کبھی وہ مسئلہ جس کے متعلق وہ پوچھتا ہے اس کے لائق نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا اور اس کی معرفت کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ تو اس کا جواب اس کو حیرت یا انکار میں مبتلا کرے گی۔

نااہل کو حکمت نہ سکھاؤ

حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔

"لَا تُؤْتُوا الْحِكْمَةَ غَيْرَ اَهْلِهَا فَتَظْلِمُوْهَا، وَلَا تَمْنَعُوْهَا اَهْلَهَا فَتَظْلِمُوْهُمْ"

"تم لوگ نااہل کو حکمت نہ بتاؤ۔ کیونکہ اس طرح تم حکمت پر ظلم کرو گے۔ اور حکمت کو اس کے اہل سے نہ روکو۔ کیونکہ ایسا کر کے تم اس کے اہل پر ظلم کرو گے۔ اور اس کے بارے ایک شاعر کے بہت خوب اشعار ہیں:

مَا نَكْتُمُ عِلْمِي وَلَتَنْ جِئْتُ بِدُرَرٍ بَيْنَ رَعَيْنَ وَلَا اُنْتَثِرُ عَلَى الْبَهَائِمِ

’’میں اپنے علم کو اپنی طاقت بھر جاہلوں سے چھپاؤں گا۔ اور قیمتی موتی جانوروں پر نہ بکھیروں گا۔

فَإِنْ قَدَّرَ اللّٰهُ الْكَرِيْمُ بِلُطْفِهِ　　وَلَاقَيْتُ أَهْلاً لِلْعُلُوْمِ وَلِلْحِكَمِ

پس اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے مقدر کیا۔ اور علوم و حکمتوں کے اہل سے میری ملاقات ہوئی۔

بَثَثْتُ عُلُوْمِيْ وَاسْتَفَدْتُ عُلُوْمَهُمْ　　وَإِلَّا فَمَخْزُوْنٌ لَدَيَّ وَ مُكْتَتَمْ

تو میں اپنے علوم کو خرچ کروں گا۔ اور ان کے علوم سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ ورنہ وہ علوم میرے ہی پاس پوشیدہ رہیں گے۔

فَمَنْ مَنَحَ الْجُهَّالَ عِلْماً أَضَاعَهُ　　وَمَنْ مَنَعَ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ فَقَدْ ظَلَمْ

تو جس نے نااہل جاہلوں کو علم سکھایا۔ اس نے اس کو ضائع کیا۔ اور جس نے مستحقین کو محروم رکھا۔ اس نے ظلم کیا۔

آدمی کی سمجھ کے مطابق بات کرو حضرت علیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:۔ آدمیوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو۔ کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ وہ تمہیں سے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلائیں۔

ایک ہی سوال کے مختلف جواب

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا:۔ آپ سے دو شخص ایک ہی سوال پوچھتے ہیں۔ تو آپ ایک شخص کو جو جواب دیتے ہیں۔ دوسرے کو اس کے خلاف جواب دیتے ہیں۔ تو فرمایا۔ جواب سائل کی سمجھ کے مطابق ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ (اُمِرْنَا أَنْ نُخَاطِبَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ)

’’ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ ہم لوگوں سے ان کی عقل و سمجھ کے مطابق خطاب کریں‘‘۔

ایک شخص نے ایک عالم سے کچھ سوال کیا۔ عالم نے جواب نہیں دیا۔ تو اس شخص نے کہا۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

(مَنْ كَتَمَ عِلْمًا نَافِعًا أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنَ النَّارِ)

"جو شخص علم نافع کو چھپائے گا۔ قیامت کے دن اس کو آگ کا لگام پہنایا جائے گا"۔ عالم نے اس سے کہا تم لگام کو چھوڑ دو۔ اور اپنا راستہ پکڑو۔ اگر میرے پاس اس کا مستحق کوئی شخص آئے گا۔ اور میں اس کو چھپاؤں گا تو وہ مجھ کو وہ لگام پہنائے گا۔

احوال و واردات کو چھپانے کی حکمتیں

لیکن جو کچھ کرامات میں سے مشاہدہ کیا اور جن مقامات پر پہنچا اور انوار و اسرار سے جو کچھ مزہ چکھا۔ اس کے بیان کرنے میں اس کی جہالت کی وجہ یہ ہے کہ یہ امور باطنی ذوق اور ربانی اسرار ہیں۔ اس کو ذوق اور اسرار والے ہی سمجھتے ہیں۔ تو اس کا بیان ان لوگوں سے کرنا جو نہ اس کو سمجھتے ہیں، نہ اس کا ذوق رکھتے ہیں۔ اس کے مطابق جہالت ہے۔ نیز وہ امانت ہے۔ اور بادشاہ کے اسرار میں سے ایک سر ہے۔ اور بادشاہ کا سر ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ تو جس نے اس کو ظاہر کیا وہ خائن ہے۔ اور نکالنے اور سزا دینے کا مستحق ہے۔ اور اب وہ امین (امانت دار) ہونے کے لائق نہیں ہے۔ پس اسرار کا چھپانا، نیک لوگوں کی شان ہے۔ اور اسرار کا ظاہر کرنا، برے لوگوں کی شان ہے۔

عارفین نے فرمایا ہے:۔ آزاد لوگوں کے قلوب اسرار کے قبور ہیں۔ ایک شاعر کا شعر ہے:۔

لَا يَكْتُمُ السِّرَّ إِلَّا كُلُّ ذِيْ ثِقَةٍ فَالسِّرُّ عِنْدَ خِيَارِ النَّاسِ مَكْتُوْمٌ

"بھید کو ہر قابل اعتماد شخص چھپاتا ہے۔ کیونکہ اچھے لوگوں کے نزدیک بھید چھپایا ہی جاتا ہے"۔ اور اس کے ظاہر کرنے میں، اس کے عمل، اور اس کے باطنی فائدے کی کمی ہے۔ کیونکہ ان احوال اور انہی واردات کا فائدہ ظاہر کا تحوکرنہ، زور باطن کا ظاہر کرنا، یا شک کو مٹانا، اور یقین کو مضبوط کرنا ہے تو جب اس کو ظاہر کر دیا تو اس کے اعمال کمزور اور اس کے فوائد کم ہو گئے۔ اور سب بھلائی چھپانے میں ہے۔ حدیث میں ہے:۔ (اسْتَعِيْنُوْا عَلَى قَضَاءِ حَوَائِجِكُمْ بِكِتْمَانِهَا) "تم لوگ اپنی حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے چھپانے کے ذریعہ مدد چاہو۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح فرمایا ہو۔

احوال واسرار کے افشاء کے نقصانات

اور جن احوال کا چھپانا واجب ہے، ان میں نفس کی دونوں عادتوں اور فائدوں کو منقطع کرنا شامل ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے نفس کی عادت کو منقطع کرتا ہے، وہ اسے دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے ظاہر کرنے میں نفس کے فریب کا خطرہ ہے۔ کیونکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا ذکر قوت اور دلیری کے ساتھ کیا جائے۔ تو ایسا ہوتا ہے کہ جب اس کی فریب کاریوں کو قبول کیا جاتا ہے تو وہ فوراً اس کو زندہ کرتا ہے۔ نیز اس میں اخلاص کی کمی، اور ریا کی شمولیت بھی ہے اور یہ ہلاکت کا باعث ہے۔ العیاذ باللہ۔

اور جن حقیقتوں، اور علوم و معارف کا اس کو علم ہے، ان کے ذکر کرنے میں اس کی جہالت اس لئے ہے کہ اس نے ان کی قدر نہیں پہچانی، اور ان کو حقیر سمجھا۔ کیونکہ اگر وہ اس کے نزدیک عزیز اور اعلیٰ قدر ہوتیں، تو وہ ان کو دوسروں کے سامنے نہ ظاہر کرتا۔ اس لئے کہ خزانے کا مالک خزانے کو ظاہر نہیں کرتا ہے۔ ورنہ فوراً اسے چھین لیا جائے۔

ہمارے شیخ کے شیخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ کے اشعار میں غور کرو۔

أُحْفُرْ لِسِرِّكَ وَادْفِنْهُ　　فِي الْأَرْضِ سَبْعِينَ قَامَةً

وَخَلِّ الْخَلَائِقَ يَشْكُوا　　إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

”اپنے بھید کو دفن کرنے کے لئے گڑھا کھودو۔ اور ستر قد آدم کے برابر زمین کے نیچے اس کو دفن کرو۔ اور مخلوق کو چھوڑ دو۔ وہ قیامت تک شکایت کرتے رہیں۔“

اور جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ) ”اپنے مال نادانوں کو نہ دو۔“ تو اپنے علم کی حفاظت کرنی چاہیے۔ جو حقیقی اور پوشیدہ موتی ہے۔ حضرت نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

”إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ كَهَيْئَةِ الْمَكْنُونِ لَا يَعْرِفُهُ إِلَّا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ فَإِذَا أَظْهَرُوهُ أَنْكَرَهُ أَهْلُ الْغِرَّةِ بِاللّٰهِ“

بلند جنتوں کے مرتبوں سے روک نہ دیں پس گویا پردہ ختم کیا اور شک وشبہ مٹ گیا اور ہر شخص اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا اور ہر شخص نے اپنے ٹھکانے اور لوٹنے کی جگہ کو پہچان لیا''

پھر اس آخرت کے گھر میں بدلہ اس دنیا کے عمل پر اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو۔ اور اس کا مقبول ہونا پوشیدہ ہے۔ لیکن اس کی علامتیں ہیں۔ جس کے ذریعے وہ معلوم کی جاتی ہیں۔

عمل کے قبول ہونے کی نشانی

چنانچہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں انہیں کی طرف اشارہ فرمایا:۔

مَنْ وَجَدَ ثَمْرَةَ عَمَلِهِ عَاجِلًا فَهُوَ دَلِيْلٌ عَلَى وُجُوْدِ الْقُبُوْلِ اٰجِلًا

''جس شخص نے اپنے عمل کا پھل اس دنیا میں پالیا۔ تو یہ آخرت میں اس کے عمل کے مقبول ہونے کی دلیل ہے''۔

عمل کا پھل

میں کہتا ہوں:۔ عمل کا پھل:۔ طاعت کی لذت، اور مناجات کی شیرینی، اور مراقبہ سے قلب کا مانوس ہونا، اور مشاہدہ سے روح کی فرحت، اور کلام کرنے سے سر کا خوش ہونا ہے۔ (قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ) ''ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا گھاٹ جان لیا ہے''۔

اور اس پھل کے وجود کی دلیل:۔ اس کی طرف بڑھنا، اور اس کی رغبت اور آرزو کرنا، اور اس پر مداومت کرنا، اور اس میں مدد کی زیادتی ہے۔ اور یہ ہدایت کے دل میں اتر جانے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى) ''اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں زیادتی کرتا ہے''۔ علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ کے قصیدۂ ہمزیہ میں ہے:۔

وَاِذَا حَلَّتِ الْهِدَايَةُ قَلْبًا نَشِطَتْ لِلْعِبَادَةِ الْاَعْضَاءُ

جب قلب میں ہدایت اتر جاتی ہے تو اعضائے جسمانی عبادت میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

تو جب ہم کسی شخص کو ایمان کی زیادتی، اور احوال کی ترقی میں دیکھتے ہیں۔ تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس نے اپنے عمل کا پھل پالیا۔ تو اس کے لئے اس کے عمل کے قبول ہونے کی بشارت ہے۔ اور جس شخص نے

ہم اس کے اعمال سے جدا اور اس کے احوال سے خالی دیکھتے ہیں تو ہم اس کے لئے اس کے اعمال کے قبول نہ ہونے کا خوف کرتے ہیں۔

عمل کے پھل کے مزید اثرات

اور عمل کے پھل کے اثرات یہ بھی ہیں: مخلوق سے وحشت، بادشاہ حقیقی سے انسیت، اللہ کے علم کے ساتھ کفایت کرنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے سوا سے بے نیاز ہونا۔ حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ فرمایا: حیات طیبہ، حکم کا جاری ہونا، انسان کی خوشی کے ساتھ رنج و غم کا ختم ہونا۔

پس پہلے کی یعنی حیات طیبہ کی دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً) "جو شخص بھی مرد ہو یا عورت نیک عمل کرتا ہے۔ اور وہ مومن ہے تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے۔"

بیان کیا گیا ہے۔ پاکیزہ زندگی قناعت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ وہ رضا و تسلیم ہے۔ اور تحقیق یہ ہے۔ وہ معرفت ہے۔ اور دوسرے کی یعنی حکم کے جاری ہونے کی دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

"وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ"

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔" تو حکم کا جاری ہونا خلافت ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا۔ (وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا) "جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان کو امام بنایا۔ اور وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے ہیں۔"

اور تیسرے کی یعنی رنج و غم دور ہونے کی دلیل۔ اس کی ذات میں ہے۔ اس لئے کہ عمل کی لذت رنج و غم کو بھلا دیتی ہے۔ کیونکہ یہ جنت کی نعمتوں سے مشابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی شان میں فرمایا۔ (وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ) "اور وہ کہیں گے: سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور فرمایا۔" واللہ تعالیٰ اعلم

ایسے ہی لوگ ہیں۔ اور ان کے لئے کوئی غم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

"یَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی: اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا، خَلَقْتُ الْخَیْرَ وَ الشَّرَّ، فَطُوْبٰی لِمَنْ خَلَقْتُهٗ لِلْخَیْرِ وَ اَجْرَیْتُ الْخَیْرَ عَلٰی یَدِهٖ، وَوَیْلٌ لِمَنْ خَلَقْتُهٗ لِلشَّرِّ وَ اَجْرَیْتُ الشَّرَّ عَلٰی یَدِهٖ"

"اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے بھلائی اور برائی کو پیدا کیا۔ تو اس کے لئے خوشخبری ہے۔ جس کو میں نے بھلائی کے لئے پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پر بھلائی کو جاری کیا۔ اور افسوس ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے برائی کے لئے پیدا کیا۔ اور اس کے ہاتھ پر برائی کو جاری کیا"۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّعْلَمَ مَا لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ فَلْیَنْظُرْ مَا لِلّٰهِ عِنْدَهٗ

"جو شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس کیا ہے تو اس کو یہ غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے پاس کیا ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے (مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّعْلَمَ مَنْزِلَتَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ فَلْیَنْظُرْ کَیْفَ مَنْزِلَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ قَلْبِهٖ، فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُنْزِلُ الْعَبْدَ حَیْثُ اَنْزَلَهُ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهٖ) "جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اس کو یہ غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت اس کے دل میں کتنی اور کیسی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اسی حیثیت سے جگہ دیتا ہے جس حیثیت سے بندے نے اللہ تعالیٰ کو اپنے نفس میں جگہ دی ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی) "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیا۔ اور تقویٰ اختیار کیا۔ اور دین کی تصدیق کی۔ تو ہم اس کے آرام کی جگہ تک پہنچنے کے لئے آسانی پیدا کر دیں گے"۔

پھر مصنف نے دوسری معرفت بیان کی جس کے اندر بہت تحریص اور شوق دلانے والوں کو کھینچ لیتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

مَتٰی رَزَقَكَ الطَّاعَةَ وَالْغِنٰی بِهٖ عَنْهَا فَاعْلَمْ اَنَّهٗ اَسْبَغَ عَلَیْكَ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً

ساتھ فنا ہے۔ اور یہی حقیقی نعمت ہے۔

نعمت کی مختلف تعبیریں

پس ظاہری نعمت:۔ اعضاء کو شریعت کے ساتھ آراستہ کرنا۔ اور باطنی نعمت:۔ حقیقت کے ساتھ اسرار کو روشن کرنا ہے۔ اور کہا گیا ہے:۔ ظاہری نعمت: کفایت اور عافیت ہے۔ اور باطنی نعمت:۔ ہدایت اور معرفت ہے۔ اور کہا گیا ہے ظاہری نعمت اس کے حکم کی مخالفت سے بدن کا آرام ہے۔ اور باطنی نعمت: اس کے حکم کی مخالفت سے اس کا محفوظ رہنا ہے۔ اور نعمت ہونے کی حیثیت سے نعمت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی رنج کا سبب نہ ہو۔ اور بعد میں اس کا نتیجہ شرمندگی نہ ہو۔ اور کہا گیا ہے:۔ نعمت عظمٰی نفس کے دیکھنے سے نکل جانا ہے۔ اور کہا گیا ہے: نعمت: وہ ہے جو تم کو حقیقتوں تک پہنچا دے۔ اور تعلقات سے تم کو پاک کر دے۔ اور مخلوق سے تم کو منقطع کر دے۔ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

یہاں آٹھواں باب ختم ہوا۔ اور اس باب کا حاصل

خلاصہ

واردات الٰہی کے ساتھ آداب کی تحقیق ہے۔ کیونکہ واردات خاص بخششیں ہیں۔ پس جو شخص واردات کے انوار کی مدد چاہتا ہے اس کے اوپر ان کے اسرار کا چھپانا واجب ہے تاکہ اس کے ثواب کا بدلہ آخرت کے لئے موقوف ہو، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اور اس حالت میں اس کا اخلاص ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔ تو وہ طاعت اور ایمان کی شیرینی چکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر و منزلت بڑی ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماسوا سے غائب کر دیتا ہے اور اس کے اوپر اپنی نعمتوں کو مکمل کر دیتا ہے اور جب وہ تم کو اپنے ساتھ غنی کر دیتا ہے۔ تو تم اس کی طلب سے بے نیاز ہو جاتے ہو۔ اور اگر طلب کرنا ضروری ہو تو تم اس سے وہی طلب کرو جو وہ تم سے طلب کرتا ہے۔ مصنف نے نویں باب کی ابتداء میں اس کو بیان کیا ہے۔

باب نہم

عارف کے کمال کی علامت، طلب کے آداب، بسط وقبض، منع وعطا کے بیان میں

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:۔ (خَیْرُ مَا تَطْلُبُهُ مِنْهُ مَا هُوَ طَالِبُهُ مِنْكَ) ''اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے میں بہتر یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ تم سے طلب کرتا ہے۔ وہی یعنی اس کی توفیق تم اس سے طلب کرو''۔

اللہ کا ہم سے کیا مطالبہ ہے

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ ہم سے جس چیز کا طالب ہے۔ وہ ظاہری اور باطنی استقامت ہے۔ اور اس کا مرجع ظاہر میں عبودیت کا ثابت ہونا، اور باطن میں معرفت کا کامل ہونا ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ اللہ تعالیٰ ہم سے جس چیز کا طالب ہے، وہ ظاہری جسمانی اعضاء کی احکام شریعت کی پابندی کے ذریعے، حکمت کے طریقے کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اصلاح کرنی ہے۔ اور قلوب اور باطنی اسرار کی حقیقت کے ذریعے، قدرت کے وظیفوں کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اصلاح کرنی ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ اللہ تعالیٰ ہم سے جس چیز کا طالب ہے، وہ اس کے حکم کی تعمیل کرنی، اور اس کے منع سے پرہیز کرنا، اور اس کے ذکر کی کثرت کرنی، اور اس کے غلبہ واختیار کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اور ہر حال میں راضی رہنا ہے۔ پس عارف کے لئے بڑا کمال یہ ہے: کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم

پر توکل کر کے ہر شے سے بے نیاز ہو جائے۔ اور صرف حال کے سوال کو کافی سمجھے۔ زبان سے نہ طلب کرے۔ اور اگر اس کے اندر طلب کا وارد ظاہر ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس سے جس چیز کا طالب اللہ تعالیٰ ہے، اسی کی توفیق طلب کرے۔ اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا طالب ہے اس کا بیان پہلے گزرا۔

بعض احادیث میں ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔ (اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یَسْئَلُ الْخَلْقَ عَنْ ذَاتِہٖ، وَ صِفَاتِہٖ، وَلَا عَنْ قَضَائِہٖ وَقَدَرِہٖ، وَلٰکِنْ عَنْ اَمْرِہٖ وَ نَھْیِہٖ)

''اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اپنی ذات وصفات کی معرفت کے بارے میں سوال نہ کرے گا۔ اور نہ اپنی قضا وقدر کے بارے میں سوال کرے گا۔ بلکہ اپنے حکم اور منع کے بارے میں سوال کرے گا''۔

میں کہتا ہوں:۔ اس لئے کہ حکم اور منع اس کے کسب میں ہے۔ اور اس کے کرنے کی اس کو تکلیف دی گئی ہے۔ اور ذات وصفات کی معرفت، اور قضا وقدر کے ساتھ رضا، تسلیم اعمال کے بدلے میں بخششیں، اور حکم کی تعمیل کے نتیجے ہیں۔ تو جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ تو وہ اس کو پہلے اپنی معرفت عام عطا کرتا ہے۔ اور وہ دلیل کی معرفت ہے۔ پھر جب اس کی پیاس بڑھ جاتی ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کسی شیخ کو مقرر کرتا ہے جو اس کی دستگیری کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس شیخ کے ذریعہ اس شخص کو اپنی خاص معرفت عطا کرتا ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ جب کوئی حاجت تمہارے سامنے آئے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے طلب کئے بغیر پیش کرو۔ یعنی اس کے توکل پر چھوڑ دو۔ اس طرح کہ تمہارے پیش نظر اپنا کوئی فائدہ نہ ہو۔ ورنہ تم اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ)

''اور جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اس کی خواہش نہ کرو۔ مردوں کے لئے ان کے کئے ہوئے کاموں کا حصہ ہے۔ اور عورتوں کے لئے ان کے کئے ہوئے کاموں کا حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو''۔ اور اس کا فضل اس کے ساتھ غنی ہے۔ یعنی اس پر توکل کر کے ماسوا سے بے نیاز ہو جانا۔

ہے۔ اور اگر تم اس طاعت پر افسوس کرتے ہو، جو فوت ہو گئی ہے اور جس کا پورا کرنا ممکن ہو، اس کے پورا کرنے کی تم کوشش کرتے ہو تو یہ صادقین کا افسوس ہے۔ اور اگر تم اس کے پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہو، تو یہ کاذبین کا افسوس ہے۔

ہائے افسوس کی کمی کہو

حضرت رابعہ عدویہ نے ایک شخص کو "ہائے افسوس" کہتے ہوئے سنا، تو اس سے فرمایا۔ تم یہ کہو! "ہائے افسوس کی کمی" کیونکہ اگر تیرا افسوس سچا ہوتا تو تجھ کو سانس نہ لینے دیتا۔

رونا کسے کہتے ہیں؟

حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ رونا، آنکھ سے آنسو بہانے کا نام نہیں ہے۔ حقیقتاً رونا یہ ہے کہ جس کام پر تم روتے ہو، اس کو ترک کر دو۔

اور بیان کیا گیا ہے: آدمی کے رونے سے تم دھوکا نہ کھاؤ۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی عشاء کے وقت اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔ حالانکہ جو کچھ انہیں کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔ یعنی حضرت یوسف کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔ اور بکری کے خون میں ان کا کرتا لوت کر کے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لائے اور کہا کہ ان کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ پس جو طاعت فوت ہوئی ہے، اس کے پورا کرنے کے لئے توجہ اور کوشش نہ کرتے ہوئے، طاعت کے نہ ہونے پر افسوس کرنا، دھوکا میں مبتلا ہونے کی علامتوں میں سے ہے۔ اور دھوکا، ایسی چیز کی طرف مائل ہونا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تب یہ دھوکا دینے والے کو قبول کرنا اور اس کے دھوکا و فریب کی فرمانبرداری کرنا ہے۔

افسوس کی تین اقسام ہیں

پس افسوس کی تین قسمیں ہیں۔ کاذبین کا افسوس۔ صادقین کا افسوس۔ صدیقین سابقین کا افسوس۔

کاذبین کا افسوس: طاعت کے لئے توجہ اور کوشش نہ کرنا اور فوت شدہ طاعت کو پورا نہ کرنے کے ساتھ افسوس کرنا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو گیا

صادقین کا افسوس: عمل اور اعتدال میں کوشش، اور غور و فکر کے ساتھ افسوس کرنا اور فوت شدہ طاعتوں کے پورا کرنے کیلئے باقی ماندہ وقتوں کو غنیمت جاننا ہے۔

صدیقین سائرین کا افسوس: وقتوں کے فوت ہونے، یا کسی قسم کی غفلت واقع ہونے، یا حظوظ و خواہشات کی طرف مائل ہونے پر افسوس کرنا ہے۔ لیکن ان کا افسوس بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی چیز کے ساتھ ٹھہرتے نہیں۔ اور نہ ان کے اوپر کوئی شے غالب ہوتی ہے۔

اور واصلین: تو ان کے لئے نہ خوف ہے اور نہ وہ افسوس اور غم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ "خبردار ہے شک اولیاء اللہ، تو ان کے اوپر کوئی خوف ہے۔ اور نہ وہ غم و افسوس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور نہ مبتلا ہوں گے۔"

اس لئے کہ رنج اور افسوس کسی چیز کے کھوئے جانے، یا کسی مقصد کے فوت ہونے پر ہوتا ہے۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پا لیا۔ وہ کیا چیز کھوئے گا۔ اور کون سا مقصد فوت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ "وہ قیامت کے روز کہیں گے سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے ہم سے رنج و غم کو دور کر دیا۔" اور اس مقام میں پہنچ کر رونا بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جنت میں رونا نہیں ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق نے ایک جماعت کو پڑھتے اور روتے ہوئے دیکھا۔ تو فرمایا۔ پہلے اسی طرح ہم بھی تھے۔ پھر ہمارے دل سخت ہو گئے۔ اور رونا بند ہو گیا۔ اور ادب اور پوشیدگی کے لحاظ سے تمکین کو قساوت قلب کی سختی کے ساتھ تعبیر کیا۔ کیونکہ قلب ابتداء میں رقیق اور نرم ہوتا ہے۔ لطیف حالوں سے متاثر ہوتا ہے۔ اور احوال اس کو حرکت میں لاتے ہیں۔ پھر جب وہ برابر انہیں حالوں کے ساتھ رہتا ہے۔ تو مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور کسی چیز کا اثر قبول نہیں کرتا ہے۔ اور سخت و مضبوط پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ "اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر انہیں مضبوط اور اپنی جگہ پر جما ہوا خیال کرتے ہو۔ حالانکہ وہ بادل کی طرح قیامت کے روز اڑیں گے۔"

اتباع حق سے روگردانی اور خواہشات کی طرف میلان کرنے والے نفس کے دو طریق

تاویل اول ہے

ہیں۔

حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا:۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ پہلے سماع میں حرکت کرتے ، اور وجد میں آتے تھے۔ اور اب ہم آپ کو کسی چیز سے حرکت کرتے نہیں دیکھتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا:۔ (وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ) ''تم پہاڑ کو دیکھ کر اسے جامد یعنی اپنی جگہ پر جما ہوا سمجھتے ہو حالانکہ وہ بادل کی طرح چلتا ہے''۔

اور یہی وہ عارف ہے ، جس کو اللہ تعالیٰ کے وجود میں فنا ہونے ، اور اس کے مشاہدہ میں محو ہونے کی وجہ سے اشارہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یا تم اس طرح کہو:۔ اس کے وصال کے ثابت ہونے ، اور مشاہدہ میں قائم ہونے کی وجہ سے ، اس کو اشارے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے وجود کے اس کے محبوب کے وجود میں فنا ہونے ، اور اس کی ذات کے اس کے مشہود کی ذات میں محو ہونے کی وجہ سے مُشیر (اشارہ کرنے والا) خود مشار الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا جائے) ہو گیا ہے۔

اور وحدت الوجود کیا چیز ہے جس کی حضرت مجددؒ نے زبردست نفی کی ہے؟

یا اس طرح کہو:۔ اس کے وہم کے زائل ہونے ، اور اس کے علم کے ثابت ہونے کے باعث اس کو اشارے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وحدت ثابت ہو گئی ، اور غیریت ختم ہو چکی ہے:۔

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ ۔۔۔ فَتَشَابَهَا وَتَشَاكَلَ الْأَمْرُ

شیشے کا پیالہ بھی لطیف ہے اور شراب بھی لطیف ہے۔ پس دونوں ایسا مشابہ ہو گئے کہ پہچاننا مشکل ہو گیا۔

فَكَأَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ ۔۔۔ وَكَأَنَّمَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرٌ

تو گویا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں ہے۔ اور گویا کہ پیالہ ہے اور شراب نہیں ہے

تو پیالے سے مراد جسم ، اور شراب سے مراد روح ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ اس کی حس کے ختم ہو جانے ، اور اس کے نشان کے مٹ جانے کی بنا پر ایسی حالت ہے۔ پس باقی ذات باقی ہے نقش مٹ گیا تو مشرف باقی ہے۔

وَطَاحَ مَقَامِیْ فِی الرَّوَابِیْ کُلِّھَا　　فَلَسْتُ اَرٰی فِی الْوَقْتِ قُرْبًا وَّلَا بُعْدًا

اور میرا استقامت کل کا کل، ٹیلوں میں گم ہو گیا۔ تو میں اس وقت نہ قرب دیکھتا ہوں نہ بعد۔

فَنَیْتُ بِہٖ عَنِّیْ فَبَانَ بِہٖ غَیْبِیْ　　فَھٰذَا ظُھُوْرُ الْحَقِّ عِنْدَ الْفَنَا قَصْدًا

میں اس کے ساتھ اپنے وجود سے فنا ہو گیا۔ تو میرا غائب ہونا اس کے ساتھ ظاہر ہوا۔ تو یہ حق تعالیٰ کا ظاہر ہونا ہے، جو قصد و ارادہ سے فنا ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

اَحَاطَ بِنَا التَّعْظِیْمُ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ　　وَعَادَتْ صِفَاتُ الْحَقِّ مِمَّا یَلِی الْعَبْدَا

تعظیم نے ہر طرف سے ہمیں گھیر لیا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی صفات بندے کی صفت ہو گئیں۔

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے افعال کو اپنے افعال کے ساتھ، اور ان کی صفت کو اپنی صفات کے ساتھ، اور ان کی ذات کو اپنی ذات کے ساتھ فنا کر دیا ہے۔ اور اپنے اسرار میں سے ایسے اسرار کا ان کو حامل بنایا ہے، جس کے تحمل سے اولیاء بھی عاجز ہیں۔

حضرت شیخ ابن مشیش قطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ (اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں سے ہم کو نصیب کرے)

محبت کی شراب نے صفات کو صفات کے ساتھ، اخلاق کو اخلاق کے ساتھ، انوار کو انوار کے ساتھ، اسموں کو اسموں کے ساتھ، تعریفوں کو تعریفوں کے ساتھ، اور افعال کو افعال کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اور ملانے سے مراد شراب کی مناسبت سے تغیر و تبدیلی ہے۔

عارف کے وصف میں حضرت جنیدؒ کا فرمودہ

امام طریقت ابو القاسم حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے عارف کے وصف میں بیان فرمایا ہے:۔

عارف:۔ ایسا بندہ ہے جو اپنے نفس سے دور رہنے والا، اپنے رب کے ذکر میں ہمیشہ مشغول، اس کا حق ادا کرنے میں قائم، اپنے قلب سے اس کی طرف دیکھنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے انوار نے اس کے قلب کو جلا دیا ہو۔ اور اس کی محبت کے جام سے صاف شراب اس نے پی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پردہ غیب سے اس کے سامنے تجلی کی ہو۔ تو اگر وہ بات کرے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ،

اور اگر وہ خاموش رہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اور اگر وہ حرکت کرے تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے۔ اور اگر سکون اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کی معیت میں رہے، وہ اللہ کے ساتھ، اور اللہ کے لئے، اور اللہ کی معیت میں، اور اللہ کی طرف سے، اور اللہ کی طرف ہوتا ہے۔

پس راسخ متمکن حقیقی عارف کی یہ صفات ہیں، اس کی زبان بیان سے عاجز ہوتی ہے، اور وہ اشارہ اور اشارہ کرنے والے سے بے نیاز ہوتا ہے تو جب اس سے کوئی اشارہ یا بیان صادر ہوتا ہے تو وہ کسی اجر کے فیضان یا کسی تقریر کی ہدایت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اور متمکنین سے جو اشارے صادر ہوتے ہیں وہ اسی پر محمول کئے جائیں گے۔ جیسے کہ حضرت شیخ العباس رضی اللہ عنہ کا کلام ہے:۔

أَعِنْدَكَ عَنْ لَيْلَى حَدِيثٌ مُحَرَّرٌ ... بِإِيرَادِهِ يَحْيَى الرَّمِيمُ وَيُنْشَرُ؟

کیا تمہارے پاس لیلیٰ کی کوئی لکھی ہوئی بات ہے جو اپنے بیان کرنے کے ساتھ بوسیدہ ہڈی کو زندہ کرتی اور اٹھاتی ہے؟

فَعَهْدِي بِهَا الْعَهْدُ الْقَدِيمُ وَإِنَّنِي ... عَلَى كُلِّ حَالٍ فِي هَوَاهَا مُقَصِّرُ

پس میرا عہد اس کے ساتھ پرانا عہد ہے اور بے شک میں ہر حال میں اس کی محبت میں کوتاہی کرنے والا ہوں۔

وَقَدْ كَانَ الطَّيْفُ قِدْمًا يَزُورُنِي ... وَلَمَّا يَزُرْ مَا بَالُهُ يَتَعَذَّرُ؟

اور نیند میں اس کا خیال بہت زمانے سے میری زیارت کرتا تھا، حق یہ ہے کہ نیند میں بار بار اس کا خیال آتا تھا۔ اور جب اس کا خیال میری زیارت کرتا تھا تو کیا اس کے حال میں دشواری ہوتی تھی؟

وَقَدْ نَحِفْتُ حَتَّى بِطَيْفِ خَيَالِهَا ... نَحِلْتُ حَتَّى لَا يَصِحُّ تَصَوُّرُ

اور اب میں ایسا نحیل ہو گیا اتنا کہ نیند میں اس کا خیال بھی نہیں آتا، میں ایسا نحیف ہو گیا کہ تصور بھی درست نہیں ہوتا ہے۔

وَمِنْ وَجْهِ لَيْلَى طَلْعَةُ الشَّمْسِ تَسْتَضِي ... وَفِي الشَّمْسِ أَبْصَارُ الْوَرَى تَتَحَيَّرُ

اور لیلیٰ کے چہرے سے آفتاب روشنی حاصل کرتا ہے اور آفتاب میں مخلوق کی آنکھیں چندھیا جاتی

حضرت ابن عریف نے اس کی صفات میں بیان فرمایا ہے:۔ اشارہ:۔ بعد یعنی دوری کا اعلان ہے۔ اور یعنی مرض کی وضاحت ہے۔ اور یعنی مرض دوری اور جدائی ہے۔

حضرت روزبادی نے فرمایا ہے:۔ اشارہ:۔ ان احوال سے جدا ہوتا ہے جن کو وجد شامل ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتے ہیں۔ اور فی الحقیقت اشارہ کے ساتھ علتیں ہوتی ہیں۔ اور علتیں حقیقتوں سے دور ہوتی ہیں۔

حضرت شبلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ ہر اشارہ جس کے ذریعہ اشارہ کیا جائے جدائی اور دوری ہے۔ ان کے اس قول کی دلیل ہے "یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اشارہ کریں"۔ اور اشارہ و تشیر سے اللہ تعالیٰ کے بے نیاز ہونے کی وجہ سے اس کی طرف طریقہ کی نفی کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور احتمال یہ ہے کہ مصنف نے اشارہ سے مراد قلب یا فکر کا اشارہ وجود کی طرف لیا ہو۔ کیونکہ قلب جب موجود کی طرف کلی طور پر اشارہ کرتا ہے۔ تو فنا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے لئے اپنے اشارہ سے زیادہ قریب پاتا ہے۔ یعنی وہ اپنے اشارہ سے پہلے ہی فنا ہو چکا ہے۔ اور یہ سائرین کا حال ہے۔

لیکن واصل:۔ تو وہ اس کی مخلوق کے لئے اشارہ کا محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی فنا ثابت ہو چکی ہے۔ اور اس کا وجود اس کے محبوب کے وجود میں گم ہو گیا ہے۔ تو اس کو اس کے حال کے قائم اور مقام کے ثابت ہونے کی وجہ سے اشارہ کی حاجت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فنا کیا ہے؟

حضرت ابوسعید بن اعرابی سے فنا کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا:۔ فنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال بندے پر ظاہر ہو۔ اور وہ اس کو دنیا، اور آخرت، اور احوال، اور درجات، اور مقامات، اور اذکار بھلا دے۔ اس کو ہر شے سے، اور اس کی عقل، اور اس کے نفس، اور اشیاء سے اس کی فنا، اور فنا سے اس کی فنا سے فنا کر دے۔ اس لئے کہ وہ اس کی تعظیم میں غرق ہوتا ہے۔

اپنے وقتوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مستغرق رکھنا چاہیے۔ اور خاموشی اور عزلت کو اپنے اوپر لازم کرنا چاہیے اور اپنا گمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اس کے بندوں کے ساتھ نیک رکھنا چاہیے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی دستگیری کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّا اُخِذَ مِنْکُمْ)

"اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں بھلائی معلوم کرے گا۔ تو تم کو اس سے زیادہ بھلائی عطا کرے گا۔ جو تم سے لی گئی ہے"۔

قواعد میں فرمایا ہے:۔ کسی چیز کی طلب کا قاعدہ یہ ہے: اس کی طرف توجہ اور ارادہ کرنے سے اس کا حاصل کرنا زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صوفیائے کرام کے علوم کی حقیقتیں عطیہ الٰہی اور خاص بخششیں ہیں۔ عادتاً طلب کرنے والے کو نہیں عطا کی جاتی ہیں۔

کسود کار کا قاعدہ

پس اس کے قاعدہ اور طریقہ کی رعایت لازمی اور ضروری ہے۔ اور وہ تین ہیں۔

اول: جو علم اسے حاصل ہے۔ اپنے امکان کے موافق اس پر عمل کرنا۔

دوم: ہمت کے موافق اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لینا۔

سوم: سنت کی اصل کی طرف رجوع ہونے کے وقت حقیقتوں میں غور کرنا۔ تاکہ سمجھ جاری ہو جائے، اور غلطی دور ہو جائے، اور علم و سمجھ کے دروازے کا کھلنا آسان ہو جائے۔

ہم نے تصوف کس طرح حاصل کیا حضرت جنیدؒ

حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے: ہم نے تصوف قیل و قال، بحث و تکرار سے حاصل نہیں کیا بلکہ درحقیقت ہم نے اس کو فاقہ سے، بیداری سے، اور اعمال کی پابندی سے حاصل کیا ہے۔ یا جس طرح فرمایا ہو۔

حدیث شریف میں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے:

(مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ)

وصل یار آرزو کی بات نہیں

اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟

سے کہ ان میں دنیا اور نفس کا کچھ شائبہ باقی نہ رہے اس لئے کہ مکاتب (تحریر شدہ آزاد) ایسے غلام کو کہتے ہیں جس کے ذمہ ایک درہم بھی باقی نہ ہو۔ تو جب تک بندہ اپنے کو گھیرنے والی چیزوں (دنیاوی فوائد) میں گرفتار ہے اور اپنی ذات کے بت خانہ میں گھرا ہوا ہے اس سے فوائد جدا نہیں ہوتے خواہ وہ فوائد دنیاوی ہوں یا اخروی۔ پس اس وقت تک اس کی بندگی اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے اندر اپنے فوائد اور خواہشات کی بندگی قائم ہے تو وہ اس کی بندگی میں سچا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے نفس کے فائدے کا غلام ہے۔ تو جب وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تو اس کے فوائد اور خواہشات اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ پس اس کی بندگی حقیقی یعنی درست نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ مخلوقات سے آزاد ہو جائے۔ اور اہل عرفان میں سے آزاد لوگوں کے مقام پر ثابت قدمی اور مضبوطی سے جم جائے تو اس وقت وہ مکمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور اس کے ماسوا سے آزاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُوْنَ) اَیْ مُتَخَاصِمُوْنَ (وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا)

اللہ تعالیٰ ایک ایسے غلام کی مثال بیان کرتا ہے۔ جس کے مالک ہونے میں کئی مختلف مزاج اشخاص شریک ہیں اور اس غلام کے بارے میں ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ اور ایک ایسے غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو مکمل صرف ایک شخص کا غلام ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں۔ یعنی یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے کہ ایک آقا کا خالص اور مکمل غلام، مشترک غلام سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا، زیادہ عزیز، اور زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا مسلم اور خالص بندہ اپنے مولائے حقیقی کی محبت سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا ہے۔

بندۂ دینار و درہم تباہ ہوا

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تَعِسَ) اَیْ خَابَ وَ خَسِرَ: (عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْخَمِيْصَةِ، اِذَا اُعْطِيَ رَضِيَ، وَاِذَا لَمْ يُعْطَ سَخِطَ. تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَاِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ)

طالب حور و قصور اور طالب مولا میں بڑا فرق ہے

عارف کی مراد

قبض کیوں طاری ہوتی ہے

غزوہ کیا چیز ہے؟

دوائے غم

(مَا قَالَ اَحَدٌ: اَللّٰهُمَّ اِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، اَوْ عَلَّمْتَهُ، اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ بَصَرِي، وَجِلَاءَ حُزْنِي، وَذِهَابَ هَمِّي وَ غَمِّي، اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَ غَمَّهُ، وَ اَبْدَلَ مَكَانَ هَمِّهِ فَرَحًا وَ سُرُوْرًا)

جب کوئی شخص اس طرح دعا کرتا ہے: تو اللہ تعالیٰ اس کی فکر اور اس کے غم کو دور کر دیتا ہے۔ اور اس کی فکر اور غم کو خوشی اور سرور میں تبدیل کر دیتا ہے:۔ دعا یہ ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّي عَبْدُكَ سے هَمِّي وَ غَمِّي تک"

"اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں، اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے قبضہ اور اختیار میں ہے۔ تیرا حکم میرے بارے میں جاری ہونے والا ہے۔ اور تیری قضاء یعنی تیرا فیصلہ میرے حق میں درست اور انصاف پر مبنی ہے۔ میں تیرے ان مبارک ناموں کے وسیلے سے، جن کے ساتھ تو نے اپنے کو موسوم کیا (جو تو نے اپنا نام رکھا) ہے۔ جن کو تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، یا جن کی اپنی مخلوق میں سے کسی کو تعلیم دی ہے۔ یا جن کو تو نے اپنے علم غیب میں اپنے ساتھ خاص کیا ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں یعنی بھیک مانگتا ہوں: کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور رونق اور میری آنکھوں کا نور، اور میرے غم کی صفائی، اور میری فکر کی دوری کا ذریعہ بنا دے۔"

پس حضرت نبی کریم ﷺ نے پہلی حدیث میں ربوبیت کے مشاہدہ یا شہادت کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اور دوسری حدیث میں عبودیت کے ساتھ قائم ہونے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور وہ صبر و رضا ہے۔ اس لئے کہ بندے کی شان یہ ہے کہ اپنے مولا کے احکام پر صبر کرے، یعنی ثابت قدمی سے قائم رہے۔ اور اپنے قہر کے اوصاف سے جو درد و غم اس کے اوپر نازل کرے، اس پر راضی رہے اور سر تسلیم خم رکھے۔

بسط کے آداب

اور بسط کے آداب:۔ جسم کے اعضاء کا نافرمانی، اور سرکشی سے روکنا ہے۔ خصوصاً زبان کو۔ کیونکہ نفس جب خوش ہوتا ہے۔ تو اتراتا ہے۔ اور ہلکا، اور آسان پسند، اور جلد باز ہو جاتا ہے۔ پس اکثر اوقات وہ ایسے الفاظ کے ساتھ بات کرتا ہے، جس کی اس کو اجازت نہیں دی گئی ہے۔ پس اپنی بے ادبی کے سبب جدائی کے گڑھوں میں گرتا ہے۔ اور بسط کی حالت میں قدموں کی لغزش اکثر اسی سبب سے ہوتی ہے۔

پس جب مرید بسط کو محسوس کرے۔ تو اس کو چاہیے کہ اپنے نفس کو خاموشی کا لگام لگائے اور اطمینان، اور وقار کے زیور سے آراستہ ہو۔ اور اپنی خلوت میں داخل ہو۔ اور اپنے گھر میں رہنا لازم پکڑے۔ کیونکہ بسط اور قوت کی حالت میں فقیر کی مثال جوش کھانے والے دیگ اور آگ کی طرح ہے۔ تو اگر اس کو جوش کھاتے ہوئے چھوڑ دے گا۔ تو اس کا سالن گر جائے گا۔ اور دیگ خالی باقی رہے گا۔ اور اگر اس کو جوش کھانے سے روک دے گا اور آگ کو بجھا دے گا۔ تو پورا سالن باقی رہے گا۔ اسی طرح قوت اور بسط کی حالت میں فقیر کا نور قوی، اور دل جمع ہوتا ہے۔ تو جب وہ حرکت کرتا ہے، اور پکڑتا ہے۔ اور اپنی قوت کی پیروی کرتا ہے تو وہ سرد ہو جاتا ہے اور اپنی کمزوری کی طرف لوٹتا ہے۔ اور یہ صرف اس کی بے ادبی کے سبب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عارفین بسط سے زیادہ ڈرتے ہیں

اسی بنا پر عارفین قبض سے زیادہ بسط سے ڈرتے ہیں۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ (اَلْعَارِفُوْنَ اِذَا بُسِطُوْا اَخْوَفُ مِنْهُمْ اِذَا قُبِضُوْا) "عارفین جب بسط کی حالت میں ہوتے ہیں۔ تو قبض کی حالت سے زیادہ خائف ہوتے ہیں"۔

میں کہتا ہوں: ہر وہ شخص جس پر حقیقتوں کے مشاہدے کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ وہ عارف ہے۔ پس اگر وہ حقیقت کے مشاہدے میں ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ تو وہ واصل متمکن ہے۔ ورنہ وہ سائر ہے۔ اور عارف، جب بسط کی حالت میں ہوتا ہے تو قبض کی حالت سے زیادہ خائف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قبض کی شان یہ ہے کہ نفس کو اس کے فائدوں سے روک دیتا ہے۔ نیز اس کی شان سکون ہے۔

فَاَجَابَنِیْ دَاعِیَ الْهَوٰی فِیْ رَمْسِهَا فَارَقْتُ مَنْ تَهْوٰی فَعَزَّ الْمُلْتَقٰی

"پس مجھے محبت کی دعوت دینے والے نے اپنے نشن میں جواب دیا تو میں نے اپنے محبوب کو جدا کر دیا اور تو اس سے جدا ہو گیا پس دونوں کا ملنا دشوار ہو گیا"

پھر مصنف نے بسط کی حالت میں ادب کے مقام پر نہ ٹھہرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْبَسْطُ تَأْخُذُ النَّفْسُ مِنْهُ حَظَّهَا بِوُجُوْدِ الْفَرْحِ وَالْقَبْضُ لَا حَظَّ لِلنَّفْسِ فِيْهِ

"بسط میں خوشی کے موجود ہونے کے سبب نفس اپنا فائدہ حاصل کرتا ہے اور قبض میں نفس کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

میں کہتا ہوں: یہ اس لئے ہے کہ بسط جمال ہے۔ اور قبض جلال ہے۔ اور جمال کی شان یہ ہے کہ پورے جمال کے ساتھ آئے۔ تو وہ جمال کہاں ہے؟ وہ تو عین جلال ہے۔ وہ تمہارا دوست کہاں ہے؟ وہ تو تمہارا دشمن ہے۔ وہ نفع کہاں ہے؟ وہ تو نقصان ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو جگہ نفس کے لئے موافق اور لائق ہوتی ہے۔ وہی جگہ قلب کے خسارہ اور روح کے حجاب کی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جس مقام میں کہ نفس زندہ ہوتا ہے۔ اس مقام میں قلب مردہ ہو جاتا ہے۔ اور جس مقام میں نفس مردہ ہوتا ہے۔ اس میں قلب اور روح زندہ ہوتی ہے۔

اسی کے بارے میں حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ کا کلام ہے:۔

اَلْمَوْتُ فِيْهِ حَيَاتِيْ وَفِيْ حَيَاتِيْ قَتْلِيْ

مر جانے میں میری زندگی ہے ۔ اور میری زندگی میں میری موت ہے۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

اِنْ تُرِدْ وَصْلَنَا فَمَوْتُكَ شَرْطٌ لَا يَنَالُ الْوِصَالَ مَنْ فِيْهِ فَضْلَةٌ

اگر تم ہمارا وصال چاہتے ہو تو اس کے لئے تمہاری موت شرط ہے۔ جس شخص کے اندر اس کا کچھ فضل یعنی اس کے نفس کا کچھ شائبہ باقی ہے وہ ہمارے وصال کو نہیں پا سکتا ہے۔

حضرت یوسف بن حسین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط میں تحریر فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے نفس کا مزہ نہ چکھائے۔ کیونکہ اگر تم نے اس کو چکھ لیا تو پھر اس

ہے۔لیکن یہ لازمی نہیں ہے۔اور عنقریب اس کے بارے میں مصنف ؒ کا بیان آئے گا۔

بلکہ وہ اس حالت میں،اللہ تعالیٰ کے ساتھ،اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے،اور اللہ تعالیٰ کی طرف نزول کرتے ہیں۔پس اس صورت میں حق کے لئے نزول کی حالت میں بندے کے لئے مطلق حجاب نہیں ہے۔

اور حضرت جنید کا قول:" پس وہ ان سب حالات میں،مجھ حرکت دینے والا ہے۔نہ کہ سکون دینے والا" یعنی اللہ تعالیٰ جب بندے کو خوف کے ساتھ قبض کی حالت میں کرتا ہے۔یا رجا کے ساتھ بسط کی حالت میں کرتا ہے۔یا اس کو حقیقت کے ساتھ جمع کرتا ہے یا اس کو حق کے ساتھ جدا کرتا ہے۔تو وہ اس کو حرکت دیتا ہے تا کہ اس کو اپنی طرف سیر کرائے۔اور اس کو اپنی طرف جمع کرے۔نہ یہ کہ اس کو ایک مقام میں ٹھہرا دے۔اور اس کو اس کے نفس کے عالم سے وحشت یعنی نفرت کرنے والا بنا دیتا ہے۔نہ کہ اس کے اپنے بشری عالموں میں موجود ہونے کے سبب انسیت کرنے والا،کہ اس انسیت کے سبب اپنے وجود کا مزہ چکھے۔تو جب اس کو اس کے وجود سے غائب کر دیتا ہے۔تو وہ اس کی قدر و منزلت کو پہنچتا ہے۔جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا ہے۔اسی لئے فرمایا: "کاش کہ وہ مجھ کو میرے وجود سے فنا کر دے۔" یعنی میرے وجود کے مشاہدے سے۔پھر مجھ کو اپنے مشاہدہ سے فائدہ پہنچائے۔یا مجھ کو میرے ظاہر سے غائب کر دے۔تا کہ غائب ہونے کی حالت میں میرے اوپر سے ان حقوق کے ساقط ہونے کے باعث جو مجھ کو اس سے جدا کرتے ہیں،مجھے راحت عطا کرے۔

اور گویا کہ وہ سلامتی کی طلب کی طرف مائل ہوئے ہیں۔اس خوف سے کہ کہیں وہ ان چیزوں میں نہ مبتلا ہو جائیں،جو ملامت کا سبب ہوتی ہیں۔

اور کمال:۔ درحقیقت عبودیت،اور ربوبیت کے مشاہدے میں جمع ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قبض و بسط کے اسباب

پھر حضرت مصنف ؒ نے قبض اور بسط کے اسباب بیان کئے۔اور وہ عطا یعنی بخشش،اور منع یعنی محرومی ہے۔چنانچہ فرمایا: (رُبَّمَا اَعْطَاكَ فَمَنَعَكَ ، وَرُبَّمَا مَنَعَكَ فَاَعْطَاكَ) اکثر اوقات

باعث تم کو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے حجاب میں کر دیتا ہے اور اکثر اوقات تم کو علوم کی زیادتی سے محروم کر دیتا ہے تو حی و قیوم اللہ کی محبت عطا کرتا ہے پھر تم کل معلوم اور غیر معلوم کا احاطہ کر لیتے ہو۔ یعنی ہر شی کا علم تم کو حاصل ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات وہ تم کو دنیا کی عزت عطا کرتا ہے اور آخرت کی عزت سے محروم کر دیتا ہے اور اکثر اوقات وہ تم کو دنیا کی عزت سے محروم کر دیتا ہے۔ اور آخرت کی عزت عطا فرماتا ہے۔

بعض اوقات وہ مخلوق کے پاس تم کو عزت دیتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کے پاس عزت سے تمہیں محروم کر دیتا ہے اور اکثر اوقات مخلوق کے پاس عزت سے تمہیں محروم کرتا ہے۔ تو بادشاہ حقیقی اللہ کے تمہیں عزت عطا کرتا ہے۔

بعض اوقات تم کو مخلوق کی خدمت سپرد کرتا ہے تو خالق کے مشاہدے سے تم کو محروم کر دیتا ہے۔ اور اکثر اوقات وہ تم کو مخلوق کی خدمت سے محروم کرتا۔ اور خالق کے مشاہدے سے سرفراز فرماتا ہے۔

بعض اوقات وہ تمہیں ملک میں اختیار عطا کرتا ہے تو تم کو ملکوت میں داخل ہونے سے محروم کر دیتا ہے اور اکثر اوقات وہ تمہیں ملک میں اختیار سے محروم کر کے ملکوت کے مشاہدہ سے سرفراز فرماتا ہے۔

بعض اوقات وہ تم کو ملکوت کے انوار میں مشغول کر کے جبروت کے دریا کی طرف ترقی سے محروم کر دیتا ہے اور اکثر اوقات ملکوت کے انوار کو تم سے پوشیدہ کر کے جبروت کے حضور میں تم کو داخل فرماتا ہے۔ اکثر اوقات وہ تم کو قطبیت کے بلند مقام پر فائز کر کے وحدانیت کے مشاہدے سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اکثر اوقات تم کو قطبیت سے محروم کر کے سر وحدانیت کے مشاہدہ سے فیضیاب کرتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اتنی نعمتیں تم کو عطا کرتا ہے جن کا شمار علام الغیوب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ہے۔

محرومی ہی عطا ہے

حضرت ابن عربی حاتمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جب تمہیں منع (محروم) کر دیا جائے۔ تو

ہی اس کی عطا ہے۔ اور جب تمہیں عطا کیا جائے تو یہی اس کا منع ہے۔ پس تم حاصل کرنے پر چھوڑ دینے کو بہتر سمجھ کر اختیار کرو۔ اور اس کا گواہ یعنی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ) "یہ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو۔ اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو"۔

پس جب تم نے اسے سمجھ لیا۔ تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت منع ہی عطا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا:۔

مَتٰى فُتِحَ لَكَ بَابُ الْفَهْمِ فِى الْمَنْعِ عَادَ الْمَنْعُ هُوَ عَيْنُ الْعَطَاءِ

"جب منع میں تمہارے لئے سمجھ اور معرفت کا دروازہ کھول دیا گیا تو منع عین عطا ہو گیا"۔

میں کہتا ہوں: اے بندے! جب تم کو اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور معرفت حاصل ہوئی۔ اور اس کی رحمت اور مہربانی، اور اس کی بخشش و کرم، اور اس کی قدرت کے اثر، اور اس کے علم کے احاطہ کا تم کو یقین ہو گیا۔ تو تم کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ جب تم نے اس سے کسی شے کے لئے سوال کیا۔ یا کسی چیز کا ارادہ کیا۔ یا تم کو کسی چیز کی حاجت ہوئی۔ اور اس نے تم کو اس سے منع (محروم) کر دیا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے اس چیز سے تم کو منع تمہارے اوپر رحمت اور احسان کی بنا پر کیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے بخل، یا عاجزی، یا جہالت، یا غفلت کی وجہ سے تم کو منع نہیں کیا ہے کیونکہ وہ ان عیوب سے پاک ہے۔ بلکہ اس نے ایسا تمہاری طرف اچھی نظر رکھنے کے باعث تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کرنے کے لئے کیا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ پوری نظر رکھنے والا، اور بہترین انجام کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور ممکن ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو ناگوار سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ممکن ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔ اور ہر چیز کی حقیقت اور انجام اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے ہو۔

پس بعض اوقات ہم کسی کام کی تدبیر کرتے ہیں اور اس کو اپنے لئے بہتر خیال کرتے ہیں۔ اور وہ ہمارے لئے مصیبت اور وبال جان بن جاتا ہے۔ اور بعض اوقات فوائد سختیوں، اور مصیبتوں کی شکل میں آتے ہیں۔ اور مصیبتیں فوائد کی صورت میں نازل ہوتی ہیں۔ اور بعض اوقات احسانات، زحمتوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اور زحمتیں، احسانوں میں۔ اور اکثر اوقات ہم کو دشمنوں کے ہاتھوں سے فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ اور دوستوں کے ہاتھوں سے مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات خوشی نقصانات کی طرف سے، اور نقصان خوشیوں کی طرف سے آتا ہے۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے اپنے حزب میں فرمایا ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا عَجَزْنَا عَنْ دَفْعِ الضُّرِّ عَنْ أَنْفُسِنَا مِنْ حَيْثُ نَعْلَمُ بِمَا نَعْلَمُ، فَكَيْفَ لَا نَعْجِزُ عَنْ ذٰلِكَ مِنْ حَيْثُ لَا نَعْلَمُ بِمَا لَا نَعْلَمُ

''اے اللہ! جن چیزوں کا ہم کو علم ہے۔ ان کا علم رکھتے ہوئے بھی ہم ان کے نقصان کو اپنی ذات سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ تو جن چیزوں کا ہم کو علم نہیں ہے ان کا علم نہ رکھنے کی حالت میں ہم ان کے نقصانات کو کس طرح دور کر سکیں گے؟''

پس اے مرید! جب تمہارے لئے منع میں اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور معرفت کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اس میں جو بھلائی اور برائی ہے۔ اور تمہاری طرف جو اچھی نظر ہے۔ اس کو جان لو گے تو منع تمہارے حق میں عین عطا ہو جائے گا۔

محرومی عین عطا کی مثال نمبرا

اس کی مثال: اس بچے کی طرح ہے جو بہترین کھانا، یا حلوا، یا شہد دیکھتا ہے۔ لیکن اس میں زہر ملا ہوتا ہے۔ اور اس کا باپ جانتا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ تو جب بچہ اس کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ تو اس کا باپ اس کو روک دیتا ہے۔ بچہ علم نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے لئے روتا ہے۔ اور اس کا باپ علم رکھنے کی وجہ سے غصے کے ساتھ اس کو روکتا ہے۔ تو اگر بچہ اس میں زہر ملے ہونے کی سمجھ رکھتا، تو اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتا۔ اور اپنے باپ کی خیر خواہی، اور اپنے ساتھ اس کی شفقت اور محبت کو معلوم کرتا۔

کر خبر دیا: تو جب گدھا مرا تو ان لوگوں نے ان سے کہا: ہمارا گدھا مر گیا۔ بزرگ نے فرمایا: اچھا ہوا۔ پھر جب کتا مرا۔ تو ان لوگوں نے آ کر ان سے کہا۔ کتا بھی مر گیا۔ انہوں نے فرمایا۔ اچھا ہوا۔ پھر مرغا مرا۔ ان لوگوں نے ان سے کہا۔ مرغا بھی مر گیا۔ انہوں نے فرمایا۔ اچھا ہوا۔ تو گھر والوں نے غصہ ہو کر کہا۔ اس میں کیا اچھائی ہے۔ ہماری پونجی ختم ہو گئی۔ اور ہم خاموش دیکھ رہے ہیں؟ پھر ایسا ہوا۔ کہ اسی رات میں کچھ عرب بدوؤں نے اس قبیلہ پر جو اسی میدان میں رہتے تھے، ڈاکہ ڈالا۔ اور جو کچھ مال اور سامان ان لوگوں کے پاس تھا۔ سب لوٹ کر چل دیئے اور ڈاکو خیموں کا پتا، گدھوں کے چیخنے، اور کتوں کے بھونکنے، اور مرغ کی بانگ سے لگاتے تھے۔ تو ان کا خیمہ محفوظ رہ گیا۔ کیونکہ ان کی موجودگی کو راز فاش کرنے والا کوئی باقی نہیں تھا۔

پس غور کرو، کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا پر کتنی اچھی نظر ہوتی ہے۔ اور ان کے کاموں کی تدبیر کیسے بہتر طریقے پر کرتا ہے۔ اور مرد عارف جیسی ہی مرتبہ کس طرح سمجھ لیتا ہے جو اس میں راز ہے۔ یہی یہی اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور معرفت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس میں سے پورا حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا ہے: صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں بچے کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت، اور ان کی تدبیر کی سرپرستی کرتا ہے اور ان کو ان کے نفسوں کے سپرد نہیں کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ کی عدم معرفت

اور اللہ تعالیٰ کی سمجھ نہ ہونے کا سبب، اشیاء کے ظاہر کے ساتھ ٹھہر جانا یعنی ان کے ظاہر میں مشغول ہو جانا، اور ان کے باطن کی طرف نظر نہ کرنا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کو بیان فرمایا ہے:۔

﴿اَلْاَکْوَانُ ظَاهِرُهَا غِرَّةٌ، وَ بَاطِنُهَا عِبْرَةٌ﴾ "مخلوقات کا ظاہر دھوکا، اور ان کا باطن نصیحت ہے"۔

میں کہتا ہوں: مخلوقات کا ظاہر دو وجہوں سے دھوکا ہے۔

پہلی وجہ۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو (دنیا) کی زیب و زینت اور خوبصورتی بنائی

ہے۔ اور جن کی نفوس خواہش کرتے ہیں۔ مثلاً قسم قسم کے کھانے پینے کی چیزیں، پہننے کے کپڑے، سواریاں، اور نکاحوں، اور مکانوں، اور باغوں، اور باغیچوں کی خواہش، اور مال و دولت کی زیادتی، اور اصحاب و احباب، اور خاندان اور قوموں کی کثرت وغیرہ، سب لوگ ان کے حاصل کرنے اور جمع کرنے کی مشغولیت پر مدت تک عمل کرتے ہیں۔ اور رات اور دن، اور صبح و شام، اسی کوشش میں گزارتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے اوپر موت اچانک آ پہنچتی ہے تو شرمندگی اور حسرت ان کا آخری انجام ہوتی ہے اور اب شرمندگی سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ قلم نامۂ اعمال لکھ کر خشک ہو گیا۔ اب وہ بغیر زاد راہ کے سفر کرتے ہیں۔ اور بغیر تیاری اور سامان کے بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھگانے اور دور کرنے کے لائق ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے دنیا کے مکر و فریب، اور اس کی نمائشی زینت، اور اس کے ظاہر میں مشغول ہونے سے ڈرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ○ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ○

”لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت زینت دی گئی ہے۔ یعنی لوگوں کو خوشنما معلوم ہوتی ہے، مثلاً عورتیں، اور بیٹے اور سونے، چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر، نشان لگے ہوئے گھوڑے، اور دوسرے مویشی، اور کھیتی، یہ سب دنیاوی زندگی کی فائدے کی چیزیں ہیں۔ اور آخرت کی بھلائی تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے! کیا میں تم لوگوں کو ان چیزوں سے بہتر چیز بتاؤں؟ تو سنو، ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، ان کے رب کے پاس ایسے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کے لئے پاک و صاف بیویاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھنے والا ہے“۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اس کے عاجل یعنی اسی دنیا کے وقتی فوائد کے لئے کوشش کی۔ پس دنیا کی جس چیزوں سے متعلق ان کو یہ خوف ہوا، کہ وہ انہیں مار ڈالے گی، اس کو انہوں نے مار ڈالا۔ اور دنیا کی جس چیز کے بارے میں انہوں نے سمجھا کہ وہ ان کو عنقریب چھوڑ دے گی اس کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ پس دنیا کے عطیات میں سے ملنے والی کوئی چیز جو انکے سامنے آئی اسکو انہوں نے چھوڑ دیا اور اس کی ترقیوں اور درجات میں سے کوئی فریب دینے والی چیز، جو ان کے فریب دینے کے لئے آئی۔ تو اس کو انہوں نے رکھ دیا۔ یعنی ہاتھ نہیں لگایا۔ دنیا ان کے دلوں میں بوسیدہ (پرانی) ہوگئی۔ تو انہوں نے اس کی تجدید نہیں کی۔ اور اس نے ان کی دیوار گرادی۔ تو وہ تعمیر نہیں کرتے ہیں اور دنیا ان کے سینوں میں مرگئی۔ تو وہ اس کو زندہ نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس کو منہدم کر دیتے ہیں۔ پھر اسی پر اپنی آخرت کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اور دنیا کو بیچ کر اس کے بدلے میں وہ چیز خریدتے ہیں جو ان کے لئے باقی رہے گی یعنی آخرت۔ اور دنیا والوں کو وہ پچھاڑ کھا کر گرا ہوا دیکھتے ہیں ان کے اوپر سختیاں گزر چکی ہیں۔ تو اب وہ اپنی امیدوں میں امن ہی دیکھتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ پاتے ہیں، اس میں کوئی خوف نہیں ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کا مکتوب حضرت سلمانؓ کے نام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس خط میں جو انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ فرمایا ہے:۔

إِنَّمَا مَثَلُ الدُّنْيَا كَمَثَلِ الْحَيَّةِ لَيِّنٌ مَسُّهَا قَاتِلٌ سَمُّهَا، فَأَعْرِضْ عَنْهَا وَ عَمَّا يُعْجِبُكَ مِنْهَا لِقِلَّةِ مَا يَصْحَبُكَ مِنْهَا، وَدَعْ عَنْكَ هُمُوْمَهَا لِمَا تَيَقَّنْتَ مِنْ فِرَاقِهَا، وَكُنْ أَسَرَّ مَا تَكُوْنُ فِيْهَا أَحْذَرَ مَا تَكُوْنُ مِنْهَا فَإِنَّ صَاحِبَهَا كُلَّمَا اطْمَأَنَّ فِيْهَا إِلَى سُرُوْرٍ أَشْخَصَ مِنْهَا إِلَى مَكْرُوْهٍ

دنیا سانپ کی طرح ہے

"فی الحقیقت دنیا کی مثال سانپ کی طرح ہے۔ چھونے میں نرم محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس کا زہر قاتل ہے۔ پس تم دنیا سے، اور دنیا کی ان تمام چیزوں سے جو تمہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، منہ پھیر لو۔ اس وجہ سے کہ وہ تمہارے ساتھ تھوڑی مدت تک رہے گی۔ اور دنیا کی فکروں کو اپنے دل

سے دور کر دو۔ کیونکہ تم اس کے جدا ہونے کا یقین کر چکے ہو۔ اور جب تک دنیا میں رہو، خوش رہو۔ اور اس کی طرف سے جو کچھ تمہارے سامنے آئے، اس سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اہل دنیا جب اس کی کسی خوشی سے مطمئن اور پر سکون ہوتا ہے۔ تو وہ کسی برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پس حق سبحانہ تعالیٰ نے دنیا اور دنیا میں شامل ہونے والی تمام چیزوں کے ظاہر کو فتنہ (آزمائش) اور اس کے باطن کو نصیحت بنائی ہے۔ تو جو شخص اس کے ظاہر میں مشغول ہوا۔ وہ دھوکا میں مبتلا ہوا۔ اور جو اس کے باطن تک پہنچا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوا۔ پس غافل اور دنیا پرست لوگ دنیا کے وقتی فوائد، اور ظاہری زینت میں مشغول ہوئے۔ تو اس نے ان کو اپنی نمائشی زینت کے فریب میں مبتلا کیا۔ اور اپنے دھوکے میں پھنسائے رکھا۔ یہاں تک کہ موت نے اچانک ان کو پکڑ لیا۔ اور بیدار اور ہوشیار لوگ اس کے باطن میں پہنچے۔ تو انہوں نے پہچان لیا۔ کہ وہ جلد چھوٹنے والی اور بہت تھوڑا اون ساتھ رہنے والی ہے۔ تو وہ زاد راہ (راستے کا سامان) جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور آخرت کے لئے سامان تیار کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اوپر دنیا اور آخرت میں کوئی خوف نہیں ہے۔ اور نہ وہ دنیا میں کسی غم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ نہ آخرت میں مبتلا ہوں گے۔

سلف صالحین کا معمول

سلف صالحین یعنی بزرگان متقدمین کا معمول یہ تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ جب دنیا ان کے سامنے آئی۔ تو وہ فرماتے تھے: یہ ایسا گناہ ہے جس کی سزا جلد ملے گی۔ اور جب ان کے سامنے فقر آتا۔ تو وہ فرماتے تھے: مرحبا (شاباش، مبارک ہو) یہ صالحین کی سنت ہے۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات (دنیا) کے ظاہر کو اپنا سر (راز) چھپانے، اور اپنی حکمت ظاہر کرنے کے لئے دھوکا بنایا ہے اور یہ اس طرح کہ:

جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کے مظاہر میں تجلی کی۔ تو اس کی حکمت کے ظاہر ہونے کے ساتھ، اس کا سر پوشیدہ ہو گیا۔

یا تم اس طرح کہو: مخلوقات (دنیا) کا ظاہر ظلمت، اور اس کا باطن نور ہے۔ تو جو شخص ظلمت میں ٹھہر گیا وہ محجوب ہو گیا۔ اور جو شخص نور کے مشاہدہ میں پہنچ گیا۔ وہ عارف اور محبوب ہو گیا۔ یا اس

طرح کہو: مخلوقات کا ظاہر حس (محسوس) ہے۔ اور اس کا باطن حقیقت ہے۔ پس جو شخص محسوس میں مشغول ہو گیا۔ وہ باطل رہ گیا۔ اور جو شخص حقیقت میں پہنچ گیا۔ وہ عارف ہو گیا۔

یا تم اس طرح کہو: دنیا کا ظاہر ملک ہے۔ اور اس کا باطن ملکوت ہے تو جو شخص ملک میں ٹھہر گیا۔ وہ عوام اہل یمین ہے۔ اور جو ملکوت کے شہود میں پہنچ گیا۔ وہ خواص مقربین میں ہو گیا۔

میں نے اپنے قصیدہ تائیہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں:

فإن حبست نفس في سجن الهوى لكي　　تقيد به العقل في قهر قبضة

"جب کوئی نفس خواہش کے قید خانہ میں بند ہو جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ عقل بھی قبضہ کے قہر میں مقید ہو جاتی ہے"۔

وأشغلها علم الأكوان لحكمة　　فلم تر إلا الكون في كل وجهة

"اور اس کو مخلوقات کا علم حکمت کی بنا پر مشغول رکھتا ہے۔ تو وہ ہر طرف صرف مخلوق ہی کو دیکھتا ہے"۔

فذلك عين الملك وهم ثبوته　　وناظره محجوب في سجن ظلمة

"تو یہی حقیقتاً ملک ہے۔ اور اس کا وجود وہم ہے۔ اور اس کی طرف دیکھنے والا ظلمت کے قید خانے میں گرفتار ہے"

وإن نفذت روح المقدس سره　　إلى درك نور الحق فاض بقدرة

"اور اگر روح جس کا سر پاکیزہ ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے نور کے ادراک تک پہنچ جائے تو وہ قدرت سے فیضیاب ہوتی ہے"۔

فذا ملكوت الله يسمو بوسعه　　وعارفه يحظى بفتح بصيرة

"یہی اللہ تعالیٰ کا ملکوت ہے۔ جس میں وہ اپنی وسعت کے مطابق بلندی پاتی ہے اور اس کا عارف بصیرت کے کھلنے سے لطف حاصل کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر حضرت مصنف ؒ نے ظاہر میں مشغول ہونے والے، اور باطن کی طرف پہنچنے والے کا بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فَالنَّفْسُ تَنْظُرُ اِلٰی ظَاهِرِ غِرَّتِهَا وَالْقَلْبُ يَنْظُرُ اِلٰی بَاطِنِ عِبْرَتِهَا

"پس نفس اس کے دھوکا میں مبتلا کرنے والے ظاہر کی طرف دیکھتا ہے۔ اور قلب اس کے نصیحت کرنے والے باطن کی طرف دیکھتا ہے"۔

میں کہتا ہوں: نفس اس کے دھوکا میں مبتلا کرنے والے ظاہر کی طرف اس لئے دیکھتا ہے کہ اس میں اس کی خواہشات اور فوائد کے سامان ہیں۔ تو نفس کو اس میں سے نہیں نکال سکتا ہے۔ مگر بے قرار کرنے والا شوق، یا بھگانے والا خوف، یا اللہ تعالیٰ کی عنایت، جو شیخ کامل کے وسیلے سے، جس کے پاس ظاہر کو بدل دینے والی اکسیر ہو۔ یا بغیر وسیلے کے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے"۔

اور قلب، اس کے نصیحت کرنے والے باطن کی طرف نظر کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں عرفان کا نور ہے۔ جو حق اور باطل میں فرق کرتا ہے۔ اور مفید اور مضر میں تمیز کرتا ہے۔ اور یہ تقویٰ اور تصفیہ کا نتیجہ ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ قلب، باطن کی طرف اس لئے دیکھتا ہے کہ اس میں بصیرت کی آنکھ ہے۔ جو صرف حقیقت یعنی باطن کو دیکھتی ہے۔ بخلاف بصر کی آنکھ (سر کی آنکھ) کے جو صرف محسوس یعنی ظاہر کو دیکھتی ہے۔

تو حاصل یہ ہوا:۔ اہل نفوس:۔ اشیاء کے ظاہر میں مشغول ہو گئے۔ اور اس کے وقتی اور فوری فائدوں سے دھوکا کھا گئے۔ اور آنے والے وقت یعنی آخرت کے لئے تیاری نہیں کیا۔ پس وہ عمل سے باز رہے اور جھوٹی تمناؤں، اور لمبی امیدوں نے ان کو دھوکے میں رکھا۔

علماء سوء کی مثال بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خبر وارد ہوئی ہے۔ وہ فرماتے تھے۔

"وَيْلَكُمْ يَا عُلَمَاءَ السُّوْءِ مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ قِبَابٍ خَشَبٍ ظَاهِرُهَا جَصٌّ وَ بَاطِنُهَا نَتَنٌ"

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں ایسی عزت حاصل ہو جو فنا نہ ہو۔ تو تم ایسی عزت کی طلب نہ کرو جو فنا ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ جو عزت فنا نہیں ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے ماسوا سے فنا کے ساتھ عزت حاصل ہوتی، یا اس شخص کی قربت اور محبت سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی عزت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہو چکی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت، اس کی تعظیم و تکریم اور اس کی ہیبت، اور اس کی محبت اور معرفت اور ہر شے میں اور ہر حال میں اس کے ساتھ حسن ادب سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے احکام پر راضی ہونے، اور اسکے جلال و کبریائی کے غلبے کے سامنے جھک جانے، اور اس سے شرم و خوف کرنے سے، اور اسکے سامنے ذلت اور عاجزی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ایک شاعر کا کلام ہے:۔

تَذَلَّلْ لِمَنْ تَهْوَى لِتَكْسَبَ عِزَّةً فَكَمْ عِزَّةٍ قَدْ نَالَهَا الْمَرْءُ بِالذُّلِّ

تم جس سے محبت کرتے ہو اس کے سامنے ذلت اور عاجزی کے ساتھ جھک جاؤ۔ تا کہ تم عزت حاصل کرو۔ کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ آدمی اس کے سامنے ذلت و عاجزی اختیار کر کے عزت پاتا ہے۔

إِذَا كَانَ مَنْ تَهْوَى عَزِيزاً وَلَمْ تَكُنْ ذَلِيلاً لَهُ فَاقْرَ السَّلَامَ عَلَى الْوَصْلِ

جب کہ وہ عزیز اور غالب ہے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ تو اگر تم اس کے سامنے ذلت اور عاجزی اختیار نہیں کرتے ہو۔ تو وصل پر سلام پڑھو۔ یعنی وصل کا خیال ترک کر دو۔ اور ہم نے اپنے شیخ رضی اللہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے: حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: (وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ الْعِزَّ إِلَّا فِي الذُّلِّ) اللہ تعالیٰ کی قسم، میں نے ذلت ہی میں عزت دیکھی ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں۔ (وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ الذُّلَّ إِلَّا فِي الْفَقْرِ) ''اللہ کی قسم! میں نے فقر کے سوا کسی شے میں ذلت نہیں دیکھی''۔ یعنی شیخ نے ذلت کی تفسیر فقر سے کی۔ اس لئے کہ انسان کی ذلت فقر کے بغیر ثابت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سب ذلتوں سے بڑی ذلت ہے۔ اس بناء پر کہ فقر سے نفس مردہ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں

زندگی کی کوئی رگ باقی نہیں رہتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ عزت کا حاصل ہونا، یہ ہے:۔ اس کے حکم کی تعمیل کرنی، اور اس کے منع سے پرہیز کرنا، اور اس کے ذکر کی کثرت کرنی، اور اس کی بخشش حاصل کرنے کے لئے اپنی کمائی ہوئی چیزوں کا خرچ کرنا۔ اور جس شخص کی عزت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ اس کے قرب سے عزت حاصل کرنی، یہ ہے: ان کی صحبت اختیار کرے، اور ان کی تعظیم اور خدمت کرے، اور ان کے ساتھ حسن ادب کا لحاظ رکھے۔ اور یہی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی عزت حاصل کرنی ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہیں۔

تو جب اس کی عزت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت ہوتی ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت پانے کی وجہ سے، غیر اللہ کی عزت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تو جس شخص کو یہ عزت حاصل ہوئی۔ اور اس پر ثابت اور قائم ہوا۔ تو بے شک اس نے ایسی عزت پائی جو کبھی فنا نہ ہوگی۔ اور اس پر، اور اس کی اولاد پر، اور اس کی اولاد کی اولاد پر، قیامت تک جاری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (من كان يريد العزة فلله العزة جميعا)

''جو شخص عزت چاہتا ہے۔ تو سب عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا:۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو، اور اس کے رسول کو، اور مومنین کو دوست رکھتا ہے۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ کی جماعت والے ہی غالب ہونے والے ہیں''۔

اور ''الذین آمنوا'' سے مراد، کامل ایمان والے، اولیاء اللہ ہیں۔

اور تیسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔ (وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ) ''اور عزت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے، اور اس کے رسول کے لئے، اور مومنین کے لئے ہے۔ لیکن منافقین نہیں سمجھتے ہیں''۔

مال کے بغیر غناء

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:۔ (مَنْ اَرَادَ الْغِنٰى بِغَيْرِ مَالٍ،

وَالْكَثْرَةُ بِغَيْرِ عَشِيْرَةٍ، فَلْيَنْتَقِلْ مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِيَةِ اِلٰى عِزِّ الطَّاعَةِ) ''جو شخص بغیر مال کے غنا چاہتا ہے۔ اور بغیر خاندان کے کثرت چاہتا ہے۔ اس کو نافرمانی کی ذلت سے اطاعت کی عزت کی طرف منتقل ہونا چاہیے۔''

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت پا گیا۔ اس کو کوئی شخص ذلیل نہیں کر سکتا ہے۔ اس شخص کے واقعہ پر غور کرو۔ جس نے خلیفہ ہارون رشید کو نیکی کے لئے ہدایت کی۔ ہارون رشید ان کے اوپر ناراض ہوا۔ اور حکم دیا۔ اس کو بدمزاج خچر کے ساتھ باندھ دو۔ تا کہ وہ اس کو مار ڈالے۔ تو ان کو خچر کے ساتھ باندھا گیا۔ لیکن خچر نے ان کو کچھ نہیں چھیڑا۔ پھر ہارون رشید نے حکم دیا۔ اس کو قید خانہ میں ڈال کر دروازہ بند کر دو۔ چنانچہ ان کو قید خانہ میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ تو لوگوں نے ان کو ایک باغیچہ میں دیکھا۔ تو پھر ان کو پکڑ لائے۔ اور ہارون رشید کے سامنے حاضر کیا۔ ہارون رشید نے ان سے دریافت کیا۔ تم کو قید خانہ سے کس نے نکالا؟ انہوں نے جواب دیا۔ جس نے مجھے باغیچہ میں پہنچایا۔ ہارون رشید نے پوچھا۔ تم کو باغیچہ میں کس نے پہنچایا؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ جس نے مجھے قید خانہ سے نکالا۔ تب ہارون رشید نے یہ سمجھ لیا کہ وہ ان کو ذلیل نہیں کر سکتا ہے تو ہارون رشید نے حکم دیا۔ ان کو ایک گھوڑے پر سوار کر کے گشت کراؤ۔ اور ساتھ ساتھ یہ اعلان کرو۔ اے لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ یہ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے۔ ہارون رشید نے ان کو ذلیل کرنا چاہا مگر نہیں کر سکا۔

جو عزت فنا ہو جاتی ہے اس عزت کا حاصل ہوتا یہ ہے:

مخلوق کے ساتھ عزت حاصل ہو (مثلاً ظالم بادشاہوں، اور ان کے متعلقین کو، ملازمین، افسروں اور فوجوں کی طاقت اور ظلم کے سبب) اور جیسے کہ مال، اور مرتبہ، اور سرداری کے باعث عزت حاصل ہو اور ان کے علاوہ ان تمام چیزوں کے ذریعہ عزت حاصل ہو جو ختم اور فنا ہو جانے والی ہیں۔ تو جس شخص نے ان چیزوں کے ساتھ عزت پائی۔ اس کی عزت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ذلت برابر قائم رہتی ہے۔ پس مخلوق کے ساتھ عزت پانے کا نتیجہ یقینی طور پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ذلت ہے۔

اور اس شخص کی حالت پر غور کرو۔ جس نے حرم شریف میں تکبر کیا تو اس کے بعد اس کی یہ حالت ہوئی کہ وہ لوگوں سے اپنے خرچ کے لئے سوال کرے گا۔

تب اس نے کہا: میں نے ایسی جگہ تکبر کیا جہاں لوگ تواضع کرتے ہیں۔ تو اس نے ایسی جگہ مجھ کو پہنچا دیا جہاں آدمیوں کی بلندی ہوتی ہے۔ یہ دونوں واقعات تنبیہ کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اور جو شخص مخلوق کے ذریعہ عزت حاصل کرتا ہے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا جاتا ہے۔ جو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے گوسالہ کے بارے میں کہا تھا۔ (وَانْظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا) "اور تو اپنے اس معبود کی طرف دیکھ، جس کے سامنے تو نے اعتکاف کیا تھا۔ ہم اس کو جلا دیتے ہیں۔ اور اس کی راکھ کو دریا میں بکھیر دیتے ہیں۔"

ایک عارف ایک شخص کے پاس پہنچے۔ وہ رو رہا تھا۔ عارف نے دریافت کیا: تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: میرے استاد مر گئے ہیں۔ عارف نے فرمایا: تم نے اپنا استاد ایسے شخص کو کیوں بنایا جو مر جاتا ہے؟ پھر عارف نے اس کو اپنی ہمت بلند کرنے، اور اپنی بصیرت کے کھولنے پر آگاہ فرمایا۔ حالانکہ اس کے شیخ اس کے ہدایت پانے سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اے مرید! اگر تم غیر فانی اور دائمی عزت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ، اور اولیاء اللہ کی قربت اور صحبت کے ساتھ عزت حاصل ہونے کی خواہش کرو۔ اور فانی مخلوق کے ذریعہ عزت کی خواہش نہ کرو۔ کیونکہ جو شخص فنا ہونے والی اشیاء کے ساتھ عزت حاصل کرتا ہے۔ اس کی عزت فنا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

(أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا)

"کیا لوگ مخلوق کے پاس عزت چاہتے ہیں۔ حالانکہ سب عزت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔"

حضرت ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے مخلوق سے بہت اپنے لئے ان میں عزت دیکھی

(تنبیہ و ارشاد) تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے عظام کو جو عزت عطا فرماتا ہے۔ اس کا سبب اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت ہے۔ تو یہ عزت محبت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت وارد ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے:

(اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرِیْلَ۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ، فَیُحِبُّهٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ جِبْرِیْلُ فِی السَّمٰوَاتِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ، فَیُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ، فَیُحِبُّهٗ اَهْلُ الْاَرْضِ) وَفِیْ رِوَایَةٍ "یُلْقٰی لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْمَاءِ، فَیَشْرَبُهُ النَّاسُ، فَیُحِبُّوْنَهٗ جَمِیْعًا)

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبت کرتا ہے۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے:۔ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس حضرت جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبریلؑ سب آسمانوں میں پکار کر اعلان فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ تم لوگ بھی اس سے محبت کرو۔ تو آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس کے لئے زمین میں مقبولیت پیدا کی جاتی ہے۔ تب اس کو زمین والے بھی محبت کرنے لگتے ہیں"۔

اور دوسری روایت میں ہے اس کی مقبولیت پانی میں ڈال دی جاتی ہے اور لوگ اس پانی کو پیتے ہیں تو سب کے سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں یا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح فرمایا ہو اور بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب، دنیا میں اس کا زہد ہے۔

محبوب خدا اور محبوب خلق خدا بننے کا گر

ترمذی شریف کی حدیث میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے: "اِزْهَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِیْمَا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ یُحِبَّكَ النَّاسُ"

"دنیا میں زہد اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو محبت کرے گا۔ اور آدمیوں کے مال میں زہد اختیار کرو۔ آدمی تم کو محبت کریں گے"۔

"لَوْ أَشْرَقَ نُوْرُ الْيَقِيْنِ فِي قَلْبِكَ لَرَأَيْتَ الْآخِرَةَ أَقْرَبَ مِنْ أَنْ تَرْحَلَ إِلَيْهَا وَلَرَأَيْتَ الدُّنْيَا وَكَسْفَةُ الْفَنَاءِ ظَاهِرَةٌ عَلَيْهَا"

"اگر یقین کا نور تمہارے دل میں روشن ہو جائے۔ تو تم آخرت کو اس کی طرف سفر کرنے سے زیادہ قریب پاؤ گے۔ اور دنیا پر فنا کے ٹکڑے کو غالب دیکھو گے"۔

اور عنقریب اس حکمت کے بارے میں پوری بحث انشاء اللہ پھر آئے گی۔

چہارم:۔ طے نفوس: وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نفوس سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے نفس کا زوال، اور وصال کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت مصنف نے اس کا بیان اپنے اس قول میں جس کی تشریح آگے آئے گی۔ فرمایا ہے:

"لَيْسَ الشَّأْنُ أَنْ تَطْوِيَ لَكَ الْأَرْضَ، فَإِذَا أَنْتَ بِمَكَّةَ أَوْ غَيْرِهَا مِنَ الْبُلْدَانِ، إِنَّمَا الشَّأْنُ أَنْ تَطْوِيَ عَنْكَ أَوْصَافَ نَفْسِكَ، فَإِذَا أَنْتَ عِنْدَ رَبِّكَ"

"شان یہ نہیں ہے کہ تم اپنے لئے زمین کو طے کرو۔ کہ ابھی تم مکہ معظمہ میں ہو، اور ابھی دوسرے شہروں میں۔ بلکہ حقیقۃً شان یہ ہے، کہ تم اپنے نفس کے اوصاف کو اپنے سے لپیٹ دو۔ تو ابھی تم اپنے رب کے پاس ہو گے۔"

حقیقی طے

یہی حقیقی طے ہے۔ جو محققین کے نزدیک معتبر ہے۔ نہ کہ طے زمان، یا طے مکان اس لئے کہ کبھی وہ استدراج ہوتا ہے۔ یا مکر، یا تخیل، یا سحر۔

پس حقیقی طے یہ ہے: کہ دنیا کی مسافت اپنے سے پوری طرح لپیٹ دو۔ یہاں تک کہ موت تمہاری طرف تمہارے نفس سے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے، زیادہ قریب ہو جائے۔

جیسا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا:

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ   وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

ہر شخص اپنے اہل و عیال میں صبح کرتا ہے۔ اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے زیادہ قریب

میں کہتا ہوں: مخلوق کی طرف سے بخشش، نعمت ہونے سے اللہ تعالیٰ کی بخشش سے محرومی ہے۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ مخلوق کی عطا میں نفس کا فائدہ اور اس کی خوشی ہے۔ اور اس کی خواہشات اور فوائد کا حاصل ہونا ہے۔ اور اس میں قلب کی تنگی اور دوری ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ اس میں درجات کی کمی اور مرتبوں اور مقامات کے کمال سے پیچھے ہٹنا ہے۔ اور اسی وجہ سے بزرگان دین نے خواہشات سے فائدہ اٹھانا ترک کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا) ”تم لوگوں نے اپنی بہترین چیزیں دنیا میں حاصل کر لیں۔“

اور کہا جاتا ہے: مرید اپنے نفس کی موت اور دنیا کی حیات کے لئے سوال کرتا ہے۔ لیکن جب اس پر مخلوق کی طرف سے بخشش ہوتی ہے تو نفس خوش ہوتا ہے اور مانوس ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کا ارادہ جلدی نہیں مرتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب اس کا سامنا محرومی سے ہوتا ہے تو وہ جلدی مر جاتا ہے۔ کیونکہ محرومی میں اس کے لئے کچھ حصہ نہیں ہے۔ اسی بناء پر جس جہاد میں مال غنیمت حاصل نہیں ہوتا ہے، اس کا ثواب اس جہاد سے بڑا ہے، جس میں مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔

صحیح حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے:

(اِذَا خَرَجَتْ صَائِفَةٌ يَغْزُو فَسَلِمُوا وَغَنِمُوا فَقَدْ تَعَجَّلُوا ثُلُثَيْ اَجْرِهِمْ، وَاِذَا لَمْ يَغْنَمُوا يَحْصُلُ لَهُمْ اَجْرُهُمْ كَامِلًا) ”جب کوئی گروہ جنگ کے لئے نکلتا ہے۔ پھر وہ لوگ جہاد کرتے ہیں۔ اور بعد میں مال غنیمت پاتے ہیں۔ تو وہ لوگ اپنے اجر کا دو تہائی حصہ فوراً پا لیتے ہیں (اور ایک تہائی ان کو آخرت میں ملے گا) اور جب انہیں مال غنیمت نہیں ملتا ہے تو وہ پورا اجر لے کر لوٹتے ہیں۔ (یعنی آخرت میں ان کو پورا اجر ملے گا)“ یا حضرت نے جس طرح فرمایا ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ مخلوق کی بخشش میں مخلوق کی طرف توجہ ہے، اور ان کی طرف محبت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وصیت

جتنا لوگوں کی برائی سے بھاگتے ہو اس سے کہیں زیادہ بھلائی سے بھاگو!

محرومی بھی نعمت ہے

باب دہم

اعمال کے صلہ کی کیفیت، اعمال کا صلہ طلب کرنے پر تعجب، اور عطا و منع میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، اور اس کی طرف سبقت و قبولیت کے لئے آمادہ ہونے، اور اس کے سامنے ہمیشہ بے قراری، اور اس کی نعمت کے لئے محتاجی، اور اس کی محبت میں اس کی مخلوق سے وحشت کے بیان میں:۔ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جَلَّ رَبُّنَا اَنْ يُعَامِلَهُ الْعَبْدُ نَقْدًا فَيُجَازِيَهُ نَسِيئَةً

"ہمارے رب سبحانہ تعالیٰ کی شان اس سے پاک اور بلند ہے کہ بندہ اس سے نقد معاملہ (سودا) کرے اور وہ اس کو اس کا صلہ دیر میں عطا کرے یعنی قرض رکھے"۔

میں کہتا ہوں:۔ کریم کی شان یہ ہے کہ جب کوئی چیز خریدے تو اس کی قیمت نقد عطا کرے۔ اور قیمت کے علاوہ بخشش اور انعام عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہماری جانوں، اور مالوں کو خرید لیا ہے۔ اور اس کی قیمت میں ہم کو جنت عطا کی ہے۔ تو جس شخص نے اپنی جان اور مال کو بیچ دیا۔ اور نقد اس کے سپرد کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں اس کو معرفت کی جنت فوراً عطا کی۔ اور خوشنما جنت کی بخشش آخرت میں عطا فرمائے گا۔ اور اس کے ساتھ قسم قسم کی نعمتوں کا، اور اپنے دیدار کے ہمیشہ مشاہدے کا تحفہ عطا فرمائے گا۔

چند نقد انعامات

پس ہمارا رب اس سے پاک اور بلند ہے کہ بندہ اس سے نقد سودا کرے۔ اور وہ اس کا صلہ ادھار رکھ دے۔ بلکہ ضروری ہے کہ جو کچھ اس کے لئے اس دنیائے فانی میں لائق اور مناسب ہے۔ وہ اس کو فوراً نقد عطا کرے۔ اور جو کچھ اس کی آخرت کے لئے لائق اور موزوں ہو، وہ وہاں جمع کرے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ

توثیق کے تین طریقے

آخرت کی جنت کا مشتاق ہوتا ہے نہ کسی دوسری شے کا۔ نہ اسے کبھی وحشت ہوتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ عارف نے فرمایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ ایک عالم نے فرمایا ہے: اس دنیا میں جنت کی نعمتوں سے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے۔ مگر مناجات کی وہ شیرینی، جس کو خوشامد کرنے والے رات کے وقت اپنے قلوب میں پاتے ہیں۔

ایک عارف فرماتے تھے: دنیا میں دوست کے سامنے خوشامد، اور قریب یعنی اللہ تعالیٰ سے مناجات (سرگوشی) دنیا کی چیزوں میں سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ جنت کی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ظاہر کر دیا ہے۔ اور اس کو صرف اللہ والے ہی جانتے ہیں۔ اور ان کے قلوب کو اسی میں راحت ملتی ہے۔''

اور ان امور میں سے پانچواں امر: وہ پھل ہیں جو ان کو عمل کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ اور اسی کو حضرت مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:

وَمَا هُوَ مُوْرِدُهٗ عَلَيْهِمْ مِنْ وُجُوْدِ مُؤَانَسَتِهٖ

''اور اللہ تعالیٰ کی وہ انسیت جو اللہ تعالیٰ عمل کرنے والے پر وارد کرتا ہے۔''

تین طرح کے عمل کے بعد انسیت حاصل ہوتی ہے

میں کہتا ہوں۔ وہ انسیت جس کو عامل عمل کرنے کے بعد پاتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

اول۔ ذکر کی انسیت: اور وہ فنافی الافعال والوں کے لئے ہے۔

دوم: قرب کی انسیت: وہ فنافی الصفات والوں کے لئے ہے۔

سوم: شہود کی انسیت: وہ فنافی الذات والوں کے لئے ہے۔

پس اول: اہل اسلام کے لئے۔ دوم: اہل ایمان کے لئے۔ سوم: اہل احسان کے لئے ہے۔

پہلی انسیت: آدمیوں سے نفرت اور بھاگنے کا سبب ہوتی ہے۔

دوسری انسیت: پرہیز کرتے ہوئے آدمیوں سے قریب رہنے کا سبب ہوتی ہے۔

تیسری انسیت: آدمیوں سے محبت اور میل جول کا سبب ہوتی ہے اس لئے کہ وہ ان لوگوں

سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ تو پہلی قسم کے شخص کے لئے اس کی کمزوری کی وجہ سے عزلت مناسب ہے۔ اور دوسری قسم کے شخص کے لئے حفاظت اور پرہیز کے ساتھ صحبت موزوں ہے تا کہ قوت کے ساتھ علم حاصل کرے۔ پس وہ ان لوگوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے قلب کے ساتھ ان لوگوں سے دور رہتا ہے۔

اور تیسری قسم کے شخص کے لئے قوت کے ساتھ ثابت و قائم ہونے کی وجہ سے صحبت ہی لائق ہے۔ کیونکہ وہ ہر شی سے حصہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن اس سے کوئی شی حصہ حاصل نہیں کر سکتی ہے۔ ہر شی کی کدورت اس کے ذریعہ صاف ہو جاتی ہے لیکن اس کی صفائی کی کوئی شی مکدر نہیں کرتی ہے۔

اور ذکر کی انسیت:۔ قرب کی انسیت تک پہنچاتی ہے۔ اور قرب کی انسیت:۔ شہود کی انسیت تک پہنچاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی گھاٹی پر چڑھتا ہے تو وہ اس کو اپنے بعد کی آرام تک پہنچا دیتی ہے۔

مشقت کی گھاٹی

ایک عارف نے فرمایا ہے: طاعتوں میں سے کوئی طاعت ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ مشقت اور سختی کی گھاٹی نہ ہو۔ اور اس میں طاعت کرنے والے کو صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو جو شخص اس کی سختی پر صبر کرتا ہے۔ وہ آرام اور آسانی تک پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ گھاٹی نفس کا مجاہدہ، اور خواہش کی مخالفت ہے۔ پھر اللہ کی قسم، دنیا کے ترک کرنے میں مکابدہ یعنی سختیوں کا برداشت کرنا لازمی ہے۔ پھر اس کے بعد طاعت کی لذت، اور معرفت کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اخلاص کی کمی اور عبودیت کی سچائی کا خاتمہ

پس اے مرید! تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ تم ان امور میں سے کسی چیز کی خواہش نہ کرو۔ جو اللہ تعالیٰ اعمال کے صلے میں تم کو عطا کرتا ہے۔ خواہ وہ نقد ہو یا ادھار۔ کیونکہ یہ تمہارے اخلاص میں کمی کا باعث، اور تمہاری عبودیت کی سچائی کو ختم کرنے والی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

اور تیسری قسم کے لوگوں کی عبادت۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے لئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت، کسی ایسی چیز کے لئے کرتا ہے، جس کی وہ اس سے دنیا میں یا آخرت میں امید رکھتا ہے۔ یا اس لئے کرتا ہے کہ اس کی طاعت کے صلے میں دنیا میں یا آخرت میں اس سے عذاب دور ہو۔ تو وہ ربوبیت کے اوصاف کے حق کے ساتھ قائم نہیں ہوتا ہے۔ (یعنی ربوبیت کا حق ادا نہیں کرتا ہے) اور ربوبیت کے اوصاف: عظمت و کبریائی اور عزت و غنا اور کمال کے تمام اوصاف، اور جلال و جمال کی تمام صفات ہیں۔ اور ربوبیت کی صفات عظمت و جلال کا تقاضا ہے۔ عاجزی، اور ذلت کے ساتھ عبودیت کا خضوع۔

کیا تم نے غور کیا ہے؟ کیا اگر جنت اور دوزخ نہ ہوتی۔ تو اللہ واحد قہار عبادت کے لائق نہ ہوتا؟

کیا تم نے غور کیا ہے؟ وہ ذات جس نے ایجاد (پیدا کرنا) اور امداد (زندگی قائم رکھنے اور آرام کے لئے ضروری تمام چیزیں) کی نعمتوں سے نوازا۔ کیا وہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ تمام بندے اس کا شکر بجا لائیں؟

تو جو شخص اپنے آقا کا زر خرید غلام ہوتا ہے۔ وہ اپنے آقا کی خدمت، اس کے احسان اور بخشش کے بدلے میں نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اس کی بندگی اور غلامی کی وجہ سے کرتا ہے اور اس کا آقا لامحالہ اس کی ضرورتوں اور روزی کا انتظام کرتا ہے۔

کیا اس اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ذات کے لئے پیدا کیا۔ پھر تم کو اپنی بخشش سے محروم کر دے گا؟ اور کیا وہ تم کو اپنے گھر میں داخل کرے گا تو تم کو اپنے احسان سے محروم کر دے گا؟ اگر تم یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ اگر تم اس کی عبادت نہ کرو گے، تو وہ اپنی عظیم بخشش سے تم کو محروم کر دے گا۔ تو تم اللہ رب کریم کے ساتھ بدگمانی اور بے ادبی کر رہے ہو۔ بے شک جب تم ماں کے شکم میں تھیلیوں کی تاریکی میں تھے۔ تو اس وقت اس نے اپنا احسان اور روزی تمہارے اوپر جاری کیا۔ تو پھر اب جب کہ اس نے تم کو اپنا وجود ظاہر کرنے کے لئے ظاہر کیا۔ اور اپنی نعمتیں تمہارے سامنے پھیلا دیں اور

کے ساتھ۔ تو تم طمع کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہو۔ اور غم اور پریشانی تم سے دور ہو جاتی ہے۔ اور تم بھی رحم و کرم، اور احسان کی صفت سے موصوف ہو جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا بندہ اس کے خلق سے آراستہ ہو جائے۔

خدائی اخلاق سے آراستہ ہو جاؤ

حدیث شریف میں ہے:

(تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ الرَّحْمٰنِ) ''تم لوگ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے آراستہ ہو جاؤ''۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے:

کَانَ خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنُ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہے''

اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں۔ تو گویا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضرت رسول کریم ﷺ کے اخلاق، اللہ تعالیٰ کے اخلاق ہیں۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احترام، اور ربوبیت کی ادب کا لحاظ کیا۔

اور جب تم کو محروم کرتا ہے یا قبض کی حالت میں کرتا ہے تو تم کو اپنے قہر اور کبریائی کا مشاہدہ کراتا ہے۔ تو تم پہچانتے ہو۔ کہ وہ قہار و جبار ہے۔ تو تمہارا خوف بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری حیاء اور ہیبت زیادہ ہوتی ہے۔ پس لامحالہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعظیم و تکریم کرتا ہے۔ اور تمہاری حفاظت کرتا ہے اور وہ تم سے اسی طرح شرم کرتا ہے جس طرح تم اس سے شرم کرتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اسی منزل میں اتارتا ہے۔ جس منزل میں اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے نزدیک رکھا ہے اور بندہ اپنے رب کی طاعت، اس کی معرفت اور خوف کے مطابق کرتا ہے

قبض و بسط سے وہ اپنا تعارف کراتا ہے

پس اللہ سبحانہ تعالیٰ ان سب عطا و منع، اور قبض و بسط میں تمہیں اپنا تعارف کراتا ہے۔ یعنی تم سے اس بات کا طالب ہے کہ تم اس کی صفات اور اسماء کے ذریعے اس کی معرفت حاصل کرو۔ اور

اسمائے باری تعالیٰ میں سے ہر اسم اپنے مفہوم اور منشاء کے ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا اسم پاک "کریم" عطا اور احسان کا تقاضا کرتا ہے۔ اور وہ اس کی مخلوق میں ظاہر ہے اور اس کا اسم پاک "مانع" منع کے ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ تو یہ اس کے بندوں میں ظاہر ہے اور اس کا اسم پاک "منتقم" ایسے لوگوں میں ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے جن کا منشا اس نے اپنی مخالفت کی طرف پھیرا۔ اور اس کا اسم پاک "قہار" ایسے لوگوں میں ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے جن پر وہ قہر و غضب، منع کی صورت میں، یا کسی دوسری صورت میں، جس طرح وہ چاہے کرتا ہے اور اس کا قہر اس کے بندوں میں موت کی شکل میں بھی ظاہر ہوا تو یہ اس کے اسم پاک "قہار" کے تقاضوں سے ہے اور اسی طرح ہر اسم پاک مخلوق میں اپنے ظہور کا تقاضا کرتا ہے اور کل اسمائے حسنیٰ باری تعالیٰ کا ظہور بنی آدم (آدمیوں) ہی میں مشیت الٰہی ہے۔

تو جب عطا اور منع کی حالت میں تم نے اس حقیقت کا یقین کر لیا تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف، اور احسان کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہے۔ کیونکہ وہ ہر شے میں تمہیں اپنا تعارف کراتا ہے۔ اور ہر صورت میں تمہارے اوپر توجہ کر رہا ہے۔ تو تم بھی ہر حال میں اس کی معرفت طلب کرو۔ اور جلال و جمال میں اپنے اوپر اس کا احسان پہچانو۔ اور پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور اپنی روح، اور جسم کے ساتھ اس کے قہر کے سامنے سر تسلیم خم کر دو تو تم اس کے حقیقی بندے ہو جاؤ گے اور وہ تمہارا حقیقی اور سچا رب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حکمت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دارومدار صرف روحانی قوت پر ہے جو جلال، اور جمال میں پہچاننے والی قوت ہے نہ کہ قوت بشری پر۔ اس لئے کہ قوت بشری سے محروم کرنے ہی میں بندے کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق

عارف باللہ ہی ان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے

ان سب کا ذائقہ صرف وہی لوگ چکھتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی مجھ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ حضرت مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:۔ ﴿إِنَّمَا يُؤْلِمُكَ الْمَنْعُ

میرا حبیب اور محبوب ہر حالت میں ہے۔ تو ہر حال میں اس سے راضی رہے۔ اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ تو اگر ہر حال میں اپنے اندر رضا و تسلیم کو نہ پائے تو عشق و محبت کے مرتبے کا دعویٰ نہ کرے اور اپنی قدر و منزلت کو پہچانے اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ اور اللہ والوں کے مرتبوں کی چوری کرنے سے باز رہے۔ جو شخص اس چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو امتحان کے گواہ اس کو رسوا کر دیتے ہیں۔ حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

لَإِنْ شِئْتَ اَنْ تَحْيَا سَعِيْدًا فَمُتْ بِهٖ ۔۔۔ شَهِيْدًا وَّاِلَّا فَالْغَرَامُ لَهٗ اَهْلٌ

"اگر تم نیک بخت ہو کر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اس کی شہادت دیتے ہوئے مر جاؤ ورنہ تم تباہی کے مستحق ہو گئے"۔

دو خصلتوں بنا فقر کہاں؟

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: فقیر کے لئے فقر درست نہیں ہوتا جب تک اس کے اندر دو خصلتیں نہ ہوں۔ اول: اللہ تعالیٰ پر وثوق کامل (پورا بھروسہ) دوم: اللہ تعالیٰ کا ان چیزوں میں شکر گزار ہونا۔ جو اس سے روایت کی گئی ہیں۔ اور جن کے ذریعے دنیا کے دوسرے لوگوں کی آزمائش کی گئی ہے۔

زہد کیا ہے؟

ایک عارف سے دریافت کیا گیا: آپ کے نزدیک زہد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جب ہم پاتے ہیں تو شکر کرتے ہیں اور جب ہم کھو دیتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ہمارے خیال میں بلخ کے کتوں کا بھی یہی حال ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا: سنو! جب ہم کھو دیں تو شکر کریں۔ اور جب پائیں تو صبر کریں۔ پس یہی اللہ تعالیٰ کی سمجھ ہے۔ کہ وہ کھو جانے کے وقت شکر کرتا ہے۔ یعنی کھو جانے کو نعمت، اور فاقہ کو غنا سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اسی میں بخشش اور اسرار کو پاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ اس کے بعد واردات و انوار کے نازل ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ اور یہ شواغل (غافل کرنے والی چیزیں) اور اغیار سے فراغت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور اسی سے احوال پاکیزہ ہوتے ہیں۔ اور اعمال کی عظمت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس کا مالک قبولیت اور توجہ کا اہل ہوتا ہے۔

ورنہ اعمال کی ظاہری شکل کا عدم قبولیت کے ساتھ کوئی اعتبار نہیں ہے۔

بنا قبولیت طاعت کا کوئی فائدہ نہیں

جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے:

"رُبَّمَا فُتِحَ لَكَ بَابُ الطَّاعَةِ وَمَا فُتِحَ لَكَ بَابُ الْقَبُوْلِ"

"اکثر اوقات تمہارے لئے طاعت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ لیکن قبولیت کا دروازہ نہیں کھولا جاتا"۔

میں کہتا ہوں: طاعت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ قبولیت نہ ہو۔ جیسا کہ سوال کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اگر امید حاصل نہ ہو۔ اس لئے کہ طاعت:۔ مطاع (معبود) کی محبت کے لئے، اور طاعت کرنے والے پر اس کی توجہ کے لئے صرف وسیلہ ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کے سامنے دروازہ کھول دے۔ اور اس کے قلب سے حجاب کو دور کر دے۔ اور اس کو احباب کے فرش پر بٹھائے۔ تو اگر تمہارے سامنے عمل کا دروازہ کھل گیا۔ اور تم اس کے حاصل کرنے میں اپنی امید کی انتہا تک پہنچ گئے۔ لیکن تمہیں عمل کا پھل نہیں ملا۔ نہ تم نے اس کا مزہ چکھا۔ اور عمل کا پھل اور اس کا مزہ: مثلاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسیت، اور اس کے ماسوا سے وحشت، اور اس کے ساتھ غنا، اور اس کے سامنے خوف اور بے قراری، اور اس کے علم کو کافی سمجھنا، اور اس کی قسمت پر قناعت کرنا ہے۔

پس اے مرید! تم اس سے دھوکا نہ کھاؤ۔ کیونکہ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنی طاعت کا دروازہ کھول دیتا۔ اور اپنی خدمت کے لئے تم کو آمادہ کر دیتا ہے۔ لیکن تمہارے لئے قبولیت کا دروازہ نہیں کھولتا ہے۔ اور وصول (پہنچنے) سے تم کو روک دیتا ہے۔ اس طرح کہ تم عمل پر بھروسہ کر لو۔ اور اس کی طرف متوجہ، اور اسی سے مانوس ہو جاؤ۔ اور وہ تمہیں مشغول کر کے منعم حقیقی اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کی طرف ترقی سے غافل کر دے۔ اسی لئے ایک عارف نے فرمایا ہے:

طاعتوں کی حلاوت سے بچو۔ کیونکہ وہ زہر قاتل ہے۔ اس لئے کہ وہ اسی میں مشغول ہونے والے کو خدمت کے مقام میں ٹھہرا دیتی ہے۔ اور محبت کے مقام سے محروم کر دیتی ہے۔ اور خدمت کے لئے مقرر کئے جانے والے اور محبت اور حضوری کے لئے منتخب کئے جانے والے، دونوں میں بڑا

بعض گناہ قرب کا ذریعہ بن جاتے ہیں

أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ أَجْلِي

''میں ان لوگوں کے قریب ہوں جنکے قلوب میری وجہ سے عاجزی کرتے ہیں''

اور طاعت سے مقصود: خشوع وخضوع، فرماں برداری، اور عاجزی ہے۔ تو جب طاعت ان صفات سے خالی ہو جاتی ہے۔ اور ان کے مخالف بری صفات سے موصوف ہو جاتی ہے۔ تو جو گناہ ان بہترین صفات کا سبب ہوتا ہے۔ اور ان خوبیوں کو پیدا کرتا ہے۔ وہ اس طاعت سے افضل ہے۔ اس لئے کہ نہ طاعت کی ظاہری شکل کا کوئی اعتبار ہے۔ نہ معصیت کی ظاہری شکل کا۔ بلکہ در حقیقت اعتبار صرف اس نتیجہ کا ہے۔ جو ان دونوں (طاعت اور معصیت) سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: (إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَلَا إِلَى أَعْمَالِكُمْ، وَإِنَّمَا يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ) ''بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے، نہ تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ صرف تمہارے قلوب کی طرف دیکھتا ہے۔

پس طاعت کا نتیجہ عاجزی ہے۔ اور معصیت کا نتیجہ تکبر ہے۔ نتائج بدل جاتے ہیں۔ تو حقیقتیں بھی بدل جاتی ہیں۔ اور طاعت معصیت ہو جاتی ہے۔ اور معصیت طاعت بن جاتی ہے۔

اسی لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اپنے بندوں سے اللہ تعالیٰ کا مقصود در حقیقت ان کے قلوب ہیں۔ تو جب عالم یا عابد نے تکبر کیا۔ اور جاہل یا گناہگار نے عاجزی کیا۔ اور اللہ عزوجل کے خوف سے ذلت اور شرمندگی اختیار کی۔ تو وہ اپنے قلوب کے ساتھ اللہ عزوجل کا زیادہ طاعت گزار اور فرماں بردار ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ جس بے ادبی کا نتیجہ ادب ہو، وہ بے ادبی نہیں ہے۔ اور حضرت شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے زیادہ امید رکھنے والے تھے۔ اور ان کے اوپر رحمت کی وسعت کا مشاہدہ غالب تھا اور حضرت شیخ رضی اللہ عنہ آدمیوں کی عزت و تعظیم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مرتبے کے موافق کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات ان کے پاس کوئی طاعت گزار آتا تھا تو اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور اکثر اوقات ان کے پاس کوئی گناہگار آتا تھا تو اس کی عزت و تعظیم کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ طاعت

سے وہ اللہ کے بندوں پر فخر کرے۔

عینیہ کے مصنف نے کیا خوب اشعار فرمائے ہیں:

وَاَسْلَمْتُ نَفْسِیْ حَیْثُ اَسْلَمَنِیَ الْھَوٰی وَمَالِیْ عَنْ حُکْمِ الْحَبِیْبِ تَنَازُعٌ

"میں نے اپنے نفس کو اس کے سپرد کر دیا۔ جس کے سپرد مجھے عشق نے کیا۔ اور مجھ کو دوست کے حکم سے کوئی اختلاف نہیں"۔

فَطَوْرًا تَرَانِیْ فِی الْمَسَاجِدِ رَاکِعًا وَاِنِّیْ طَوْرًا فِی الْکَنَائِسِ رَاتِعٌ

"پس تم مجھ کو کبھی مسجدوں میں رکوع کرتے ہوئے اور کبھی کنیسوں میں مقیم دیکھتے ہو"۔

اَرَانِیْ کَالْاٰلَاتِ وَھُوَ مُحَرِّکِیْ اَنَا قَلَمٌ وَالْاِقْتِدَارُ اَصَابِعٌ

"میں اپنے کو مشین کی طرح دیکھتا ہوں۔ اور وہی مجھ کو حرکت دینے والا ہے۔ میں قلم ہوں اور طاقت و اختیار انگلیوں میں ہے۔

وَلَسْتُ بِجَبْرِیٍّ وَلٰکِنْ مُشَاھِدٌ فِعَالَ مُرِیْدٍ مَا لَہٗ مِنْ مُدَافِعٌ

"اور میں جبریہ نہیں ہوں۔ لیکن ارادہ کرنے والے مختار مطلق کے افعال کو مشاہدہ کرتا ہوں۔ جس کے ارادے کی مدافعت کوئی نہیں کر سکتا ہے"۔

فَاَوْنَۃً یَقْضِیْ عَلَیَّ بِطَاعَۃٍ وَحِیْنًا بِمَا عَنْہُ نَھَتْنَا الشَّرَائِعُ

"پس اکثر اوقات وہ میرے اوپر طاعت کے لئے حکم جاری کرتا ہے۔ اور کبھی اس چیز کے لئے حکم دیتا ہے جس سے شریعت نے ہم کو منع کیا ہے۔

لِذَاکَ تَرَانِیْ کُنْتُ اَتْرُکُ اَمْرَہٗ وَاٰتِی الَّذِیْ اَنْھَاہُ وَالْجَفْنُ دَامِعٌ

"اسی لئے تم مجھ کو دیکھتے ہو کہ میں اس کے حکم کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس کو کرتا ہوں حالانکہ ناگواری کی وجہ سے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں"۔

وَلِیْ نُکْتَۃٌ غَرَّاءُ سَوْفَ اَقُوْلُھَا وَحُقَّ لَھَا اَنْ تَرْعَوِیْھَا الْمَسَامِعُ

"اور میرے سامنے ایک روشن نکتہ ہے۔ جس کو میں عنقریب بیان کروں گا اور وہ اس لائق ہے کہ کان اس کو توجہ سے سنیں

صالح اور فاسق کی نافرمانی میں فرق ہے

ہے۔ تیسری وجہ: وہ معصیت پر اصرار نہیں کرتا ہے یعنی دوبارہ نہیں کرتا ہے۔ اور فاسق، تینوں وجوہ میں اس کے برعکس (الٹا) ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا۔ کیا عارف زنا کر سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا:
(وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا) ''اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے سے تجویز کر کے مقدر کیا ہوا ہے۔
لیکن ولی کی معصیت تو اس کی صرف ظاہری ہے۔

اسی لئے حضرت ابن عطاء اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اے کاش مجھے معلوم ہوتا۔ اگر اس سے دریافت کیا جائے۔ کیا عارف کی ہمت غیر اللہ کی طرف متعلق ہوتی ہے؟ تو وہ جواب دے: نہیں۔

اور چونکہ نعمتیں بندے سے شکر کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور نعمتوں کا شکر: ان میں اللہ کی طاعت کے ساتھ عمل کرنا ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: شکر یہ ہے، کہ نعمتوں کی ناشکری کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

دو نعمتیں ایجاد و امداد

حضرت مصنفؒ نے نعمتوں کے اصول و فروع کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:
(نِعْمَتَانِ ، مَا خَرَجَ مَوْجُودٌ عَنْهُمَا ، وَلَا بُدَّ لِكُلِّ مُكَوَّنٍ مِّنْهُمَا: نِعْمَةُ الْإِيجَادِ، وَنِعْمَةُ الْإِمْدَادِ)
''دو نعمتیں ہیں، جن سے کوئی موجود خارج نہیں ہے۔ اور کل موجودات (مخلوقات) کے لئے دونوں لازمی و ضروری ہیں''۔

میں کہتا ہوں: ایجاد کی نعمت: وہ عالم غیب سے عالم شہادت میں، یا عالم امر سے عالم خلق میں، یا عالم ارواح سے عالم اجسام میں، یا عالم قدرت سے عالم حکمت میں، یا عالم تقدیر سے عالم تکوین میں ظاہر کرنا ہے۔

امداد کی نعمت: وہ اشیاء کے وجود کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ قائم ہونا ہے۔ اور ان کے

۔ اور کلام صرف خواص کے ساتھ ہے۔ کیونکہ آدمیوں کے خواص الخواص: یعنی انبیاء علیہم السلام فرشتوں کے خواص سے مرتبے میں بلند ہیں۔ اور فرشتوں کے خواص، یعنی مقربین آدمیوں کے خواص، یعنی عارفین سے مرتبے میں بلند ہیں۔ اور عارفین: عام فرشتوں سے مرتبہ میں بلند ہیں۔ اور عوام فرشتے: آدمیوں کے عوام سے مرتبہ میں بلند ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اے انسان! حق سبحانہ تعالیٰ نے پہلے ایجاد کی نعمت سے تیرے اوپر انعام کیا۔ اور رحمت اور محبت کو تیرے ساتھ کر دیا۔ تاکہ تیری فضیلت ظاہر ہو۔ اور تیری نعمت پوری ہو جائے۔ پھر دوبارہ ظاہری و باطنی امداد کی نعمت سے تیرے اوپر انعام کیا۔

ظاہری امداد: وہ بشریت کی غذا ہے۔ اس کی پیدائش کی ابتداء سے، اس کی آخری انتہا تک۔

باطنی امداد: وہ یقین وعلوم، معارف و اسرار سے روح کی غذا ہے۔

اور باطنی امداد: اپنی کیفیت کے اعتبار سے تین قسم میں منقسم ہے۔

پہلی باطنی امداد: وہ ہے جو نہ زیادہ ہوتی ہے نہ کم۔ اور وہ فرشتوں کی امداد ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ) "اور ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر مقام ہے"۔

باطنی امداد کی دوسری قسم: وہ ہے جو زیادہ اور کم ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ عوام آدمیوں کی امداد ہے۔

باطنی امداد کی تیسری قسم: وہ ہے۔ جو زیادہ ہوتی ہے کم نہیں ہوتی۔ اور وہ خواص آدمیوں کی امداد ہے۔ مثلاً انبیاء و مرسلین علیہم السلام، و اولیائے عظام رضی اللہ عنہم اور وہ فقراء و مریدین سائرین جو ان سے تعلق رکھتے، اور ان کی تربیت میں داخل ہوتے، اور ان کی خانقاہوں میں جمے رہتے ہیں۔ پس ان کی امداد ہمیشہ زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

اور روح کے لئے یہ امداد: اس کے بشریت کے ساتھ ملنے سے قبل ثابت ہے۔ کیونکہ اسی امداد کے سبب ارواح نے عالم ذر (عالم ارواح) میں ربوبیت کا اقرار کیا۔

مصنف نے تنبیہ میں فرمایا ... تعالیٰ ... اپنی تدبیر سے تمام حالات

میں تمہاری سرپرستی فرمائی اور ان تمام حالات میں اپنے احسانات کو تمہارے ساتھ قائم رکھا۔ پھر تمہارے لئے بہترین تدبیر کے ساتھ یوم مقادیر: روز اول یوم (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی) میں قائم ہوا۔ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا۔ ہاں، ہیں۔

اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی بہترین تدبیروں میں سے یہ ہے: اس نے تمہیں اپنی معرفت عطا کی۔ تو تم نے اس کو پہچانا۔ اور تمہارے سامنے تجلی کی۔ تو تم نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اور اس نے تمہیں بات کرنی سکھائی۔ اور اپنی ربوبیت کے اقرار کرنے کا تم کو الہام کیا۔ تو تم نے اس کی وحدت کا اقرار کیا۔ پھر اس نے تم کو نطفہ بنا کر پشتوں میں امانت رکھا۔ وہاں اس نے اپنی تدبیر کے ساتھ تمہاری، اور جس میں تم تھے، اس کی حفاظت کرتے ہوئے تمہاری سرپرستی فرمائی۔ اور اپنے باپ داداؤں میں حضرت آدم علیہ السلام تک، جتنے لوگوں میں تم تھے، ان کے وسیلے سے تم کو مدد پہنچا کر تمہاری سرپرستی کی۔ پھر اس نے تم کو ماں کے رحم میں ڈالا۔ پھر بہترین تدبیر سے تمہاری سرپرستی فرمائی۔ اور رحم کو تمہارے لئے قبول کرنے والی زمین بنائی، تا کہ اس میں تمہارا پودا پروان چڑھے۔ اور امانت گاہ بنائی۔ تا کہ اس میں تم کو تمہاری زندگی عطا کی جاسکے۔ پھر اس سبحانہ تعالیٰ نے تمہیں دو نطفوں ماں اور باپ کے درمیان جمع کیا۔ اور تمہارے لئے ان دونوں میں محبت پیدا کی۔ پھر تمہیں دونوں کے ذریعے تم اس چیز کے اہل ہوئے جس پر حکمت الٰہی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یعنی کہ ازدواج ہی پر وجود کا بالکل انحصار ہے۔ پھر تم کو نطفہ کے بعد ایسا علقہ (جونک کی طرح جما ہوا خون) بنایا، جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

پھر علقہ کے بعد مضغہ بنایا۔ (لوتھڑا) پھر اللہ تعالیٰ نے لوتھڑے میں تمہاری صورت کا نقشہ، اور تمہاری بنیاد یعنی ڈھانچہ بنایا۔ پھر اس کے بعد تمہارے اندر روح پھونکی۔ پھر اس نے رحم مادر میں حیض کے خون سے تم کو غذا پہنچائی۔ پھر اس نے تم کو رحم مادر سے نکال کر وجود میں لانے سے پہلے تمہارے لئے اپنی روزی مقرر کی۔ پھر اس نے تم کو رحم مادر میں باقی رکھا۔ یہاں تک کہ تمہارے اعضا وقوی اور ہاتھ پاؤں مضبوط ہو گئے تا کہ وہ تم کو اس کی طرف جو تمہارے لئے یا تمہارے اوپر مقدر کی گئی ہے نکلنے کے لئے تیار کر دے۔ اور تا کہ وہ تم کو نکال کر ایسے گھر کی طرف لے جائے جس

(اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ٥)

"بے شک متقی لوگ سچائی کے مقام میں اقتدار والے بادشاہ کے پاس باغوں میں، اور جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔"

تو تم اللہ تعالیٰ کے کس کس احسان کا شکر ادا کرو گے؟ اور کن کن نعمتوں کو یاد کرو گے؟ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان سنو: (وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ) "اور تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔"

تم ہمیشہ اس کے کرم کے حصار میں ہو

تم یہ جان لو۔ تم اللہ تعالیٰ کے احسان سے باہر نہیں ہونے ہو۔ اور اس کا فضل و کرم تم کو نہیں چھوڑے گا۔

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی کتاب تنویر میں بیان کیا ہے۔ اور وہ ایجاد اور امداد دونوں نعمتوں پر شامل ہونے کی وجہ سے اس حکمت کی شرح ہے۔ اور باطنی امداد کی نعمت میں سے اسلام اور احسان کی نعمت ہے۔ اور اس کی حفاظت، اور اس کا ہر وقت اور ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہمیشہ رہنا، اور معرفت اور یقین میں ترقی کی زیادتی ہے قیامت تک۔ (فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥) "لہٰذا سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔"

پھر چونکہ ان دونوں نعمتوں کی طرف نظر کرنے سے مقصود انسان ہے۔ اگرچہ دونوں نعمتیں تمام مخلوق میں عام ہیں۔ کیونکہ ان کا شکر ادا کرنے کے لئے اور ان کا ذکر بیان کرنے کے لئے انسان ہی مطلوب ہے۔ اسی لئے مصنف نے خاص طور پر اس کو خطاب کیا ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا۔

اَنْعَمَ عَلَيْكَ اَوَّلًا بِالْاِيْجَادِ ، وَ ثَانِيًا بِتَوَالِي الْاِمْدَادِ

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر، پہلے تم کو پیدا کر کے، اور دوبارہ تم کو متواتر و متصل امداد پہنچا کر انعام کیا۔"

میں کہتا ہوں: توالی امداد۔ متواتر اور متصل امداد ہے۔ خواہ وہ محسوس ظاہری ہو، خواہ

ہو جائیں۔ اور اصلی ذاتی محتاجی کو عوارض دور نہیں کر سکتے ہیں۔ اور عوارض:۔ تندرستی، اور آرام ہیں۔
پس جب تک بندہ آرام میں ہے۔ اس کی محتاجی پوشیدہ ہے۔ عارفین کے سوا دوسرے لوگ اس کو
نہیں سمجھتے اس لئے کہ عارفین کی مجبوری اور محتاجی زائل نہیں ہوتی ہے۔ پس جب بندے پر جلال، یا
حرکت دینے والا کوئی سبب واقع ہوتا ہے۔ تو اس کی محتاجی ظاہر، اور اس کی مجبوری ثابت ہو جاتی
ہے۔ حالانکہ اس کا ظاہر اور باطن ہمیشہ محتاجی میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر یہ کہ کسی شی کا اپنی اصل کی طرف لوٹنا پسندیدہ ہے۔ اور اپنی اصل سے دور ہونے میں کچھ
بھلائی نہیں ہے۔ اور اے انسان! تیری اصل: محتاجی، اور مجبوری اور ذلت، اور عاجزی ہے۔ پس
ہر وہ شی جو تجھے اپنی اصل کی طرف لوٹاتی ہے۔ وہ تیرے لئے بہت بہتر اور اختیار کرنے کے لائق
ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں واضح کیا ہے:

"خَيْرُ اَوْقَاتِكَ وَقْتٌ تَشْهَدُ فِيْهِ وُجُوْدَ فَاقَتِكَ ، وَتُرَدُّ فِيْهِ اِلٰى وُجُوْدِ ذِلَّتِكَ"

سب سے بہترین وقت

"تمہارے سب وقتوں میں بہتر وہ ہے جس وقت تم اپنی محتاجی کو دیکھتے ہو۔ اور تم اس وقت اپنی
ذلت کی ظہور کی طرف لوٹائے جاتے ہو"۔

میں کہتا ہوں: محتاجی کا دیکھنا: تمہارے کل وقتوں سے بہتر دو وجوہ سے ہے۔

پہلی وجہ:۔ یہ ہے کہ اس میں عبودیت کا اثبات، اور ربوبیت کی شان کی تعظیم ہے۔ اور اسی
میں بندے کی بزرگی اور کمال ہے۔ اس لئے کہ ظاہر میں عبودیت کے ثابت ہونے کے مطابق،
باطن میں ربوبیت کا مشاہدہ زیادہ ہوتا ہے۔

یا تم اس طرح کہو:۔ ظاہر میں غلامی کے مطابق، باطن میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔

یا اس طرح کہو: ظاہر میں ذلت کے مطابق، باطن میں عزت حاصل ہوتی ہے۔

یا اس طرح کہو: ظاہر کی پستی کے مطابق، باطن کی بلندی ہوتی ہے۔

جو شخص اپنے مرتبہ سے گر کر تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مرتبہ سے اوپر بلند کرتا ہے۔

غور کرو:۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی افضل ترین مخلوق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کس طرح

خطاب فرمایا؟ ان کو صرف عبودیت کے ساتھ خطاب فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا) "وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے جو اپنے بندے کو رات میں لے گیا"۔ (وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ) "اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم، اور اسحاق، اور یعقوب علیہم الصلوۃ والسلام کو" (وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ) "اور ہمارے قوت و اختیار والے بندے داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کو یاد کرو"۔ (وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ) "اور ہمارے بندے ایوب علیہ الصلوۃ والسلام کو یاد کرو۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے عبودیت کو پسند فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو اختیار عطا فرمایا: کہ آپ بادشاہ نبی ہونا چاہتے ہیں۔ یا بندہ نبی؟ تو آپ نے بندہ نبی ہونے کو پسند فرمایا۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی اشرف ترین حالت: عبودیت ہے۔ پس وہ ظاہر میں عبودیت پر جتنا ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق باطن میں اس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب بندہ ظاہر میں آزادی اختیار کر کے بندگی سے نکل جاتا ہے تو قدرت اس کو ادب دیتی (تنبیہ کرتی) ہے۔ اور تہریت اس کو لوٹاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے اور اپنے نفع اور نقصان کو پہچانے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ محتاجی میں اللہ تعالیٰ کی امداد زیادہ ہوتی ہے۔ اور بندے کی اللہ تعالیٰ سے امداد کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ) "صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں"۔

زیادہ بخشش چاہیے تو اس کے در کا فقیر بن جا

اگر تم اپنے اوپر بخششوں کی زیادتی چاہتے ہو تو اپنے فقر اور محتاجی کو درست کرو جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ آگے آئیگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے امداد اور فتح کو محتاجی، اور ذلت، اور کمزوری اور کمی کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ) "اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی۔

ہو جائے۔ اور تم کریم وہاب اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھو۔

میں نے اپنے شیخ حضرت بزیدی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے: انسان کے اس فعل سے تعجب ہے کہ وہ بھلائی یا فتح کو اپنے قریب پہنچتے اور اپنے پاس آتے دیکھتا ہے تو وہ اٹھتا ہے اور اپنا دروازہ اس کے لئے بند کرنے میں جلدی کرتا ہے اور اس طریقے پر:۔ وہ تنگی کو اپنے پاس آتے دیکھتا ہے تو وہ ان اسباب کے اختیار کرنے میں جلدی کرتا ہے جو اس کو اس کے پاس پہنچنے سے پہلے جدا کر دیتے ہیں۔ پس بھلائی اس کے پاس پہنچنے والی تھی لیکن وہ اٹھا اور اسے لوٹا دیا۔ حضرت شیخ کے فرمان کا مفہوم یہی ہے:

نیز تمہارے سب وقتوں میں بہتر وقت وہی ہے، جس وقت تم اپنی ذلت کے ظاہر ہونے کا مشاہدہ کرو۔ جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا۔ اس لئے کہ ذلت کا ظاہر ہونا تمہاری عزت اور نصرت کا سبب ہے۔ کیونکہ اشیاء اپنی ضد یعنی مخالف چیزوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

عزت ذلت میں، غنا فقر میں، طاقت کمزوری میں، علم جہالت کے ظاہر کرنے میں، وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝

"اور ہم چاہتے ہیں، کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے"۔

"اور ہم ان کو امام بنادیں۔ اور ہم ان کو ملک کا وارث (بادشاہ) بنادیں"۔

اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دینے کے لئے اس وقت یہ آیۃ نازل فرمائی جب وہ کمزوری اور تکلیف کی حالت میں تھے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ جو ان سے پہلے گزر

چکے ہیں"۔

اور سنت الٰہیہ یہ ہے

اور ان امور میں سے جن میں سنت الٰہیہ جاری ہے۔ یہ ہے: کہ تنگی کے مطابق کشادگی ہوتی ہے۔ اور فقر کے مطابق غنا ہوتی ہے۔ اور ذلت کے مطابق عزت ہوتی ہے۔ اور دشواری کے مطابق آسانی ہوتی ہے۔ اور سب کا حاصل یہ ہے کہ جلال کے مطابق جمال ہوتا ہے۔ فوراً ہو، یا دیر میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:(فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) "بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے (دو دفعہ)"۔ (وَلَنْ تَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ) "اور ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہو سکتی ہے"۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) "تم یہ جان لو کہ یقیناً صبر کے ساتھ مدد، اور تکلیف کے ساتھ آرام، اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے"۔

پھر جب تمہاری محتاجی اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست، اور تمہاری ذلت اس کے سامنے ثابت ہو جاتی ہے تو وہ تمہیں اپنی محبت کا تحفہ عطا کرتا ہے۔ اور اپنی بارگاہ قدس میں تم کو داخل کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے اس حقیقت کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:(مَتٰى أَوْحَشَكَ مِنْ خَلْقِهِ فَاعْلَمْ أَنَّهُ يُرِيْدُ أَنْ يَّفْتَحَ لَكَ بَابَ الْأُنْسِ بِهٖ) "جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے تمہارے دل میں نفرت پیدا کر دے تو تم یہ سمجھو، کہ وہ تمہارے لئے اپنی محبت کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے"۔

میں کہتا ہوں: اپنی مخلوق کے اندر اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے: کہ جب وہ اپنے بندے کو اپنے ذکر سے مانوس کرنا، اور اپنی معرفت کا تحفہ عطا کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنی مخلوق کی طرف سے اس کے قلب میں نفرت پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کو اپنی خدمت میں مشغول کرتا ہے۔ اور اپنا ذکر اس کو الہام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کا قلب انوار سے معمور ہو جاتا ہے اور مشاہدہ و دیدار کے مقام میں ثابت ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس کو پھر اپنی مخلوق کی طرف، ان کے اوپر رحمت نازل کرنے کے لئے واپس پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ اپنی قوت کے سبب ان سے [illegible] وہ حاصل کرتا ہے، اور وہ [illegible]

اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں۔

اور اس کی مثال: اس فتیلہ کی طرح ہے، جس کو تم نے جلایا۔ تو جب تک وہ کمزور ہوتا ہے۔ اس وقت تک اس کو ہوا سے بچانا، اور پوشیدہ و محفوظ مقام میں رکھنا ضروری ہے۔ پھر جب اس کی روشنی تیز ہو جاتی ہے اور اس کا شعلہ تم لکڑی میں لگا دیتے ہو تو اس کو لے کر تم پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے ہو۔ اور اب اس میں جتنی ہوا لگتی جاتی ہے اس کا شعلہ بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح فقیر جب تک ابتداء میں ہے اس کے لئے مخلوق سے نفرت اور فرار ہی لائق ہے۔ پھر جب وہ مشاہدہ کے مقام میں ثابت و قائم ہو جاتا ہے تو اب اس کے لئے مخلوق کے ساتھ میل جول ہی مناسب ہے کیونکہ اب مخلوق اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔

پس اے فقیر! جب اللہ تعالیٰ تم کو اپنی مخلوق سے متنفر کر دے اور تمہارے قلب کو ان سے خالی کر دے تو تم سمجھ لو کہ وہ تم کو اپنی محبت اور معرفت عطا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا زمانہ جب قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خلوت کو محبوب بنا دیا۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے غار حرا میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور اس گوشہ نشینی کی حکمت، شواغل، (مشغول کرنے والی چیزوں) اور شوائب، (شور و فساد) سے باطن کو صاف کرنا ہے تا کہ وہ ان انوار کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں جو ان پر نازل کئے جائیں گے پھر جب حضرت ﷺ کدورتوں سے پاک ہو گئے تو انوار سے بھر دیئے گئے۔ اور آپ کے قلب مبارک میں عرفان کے آفتاب روشن ہو گئے اور مشاہدہ وعیاں کے مقام میں متمکن ہو گئے۔ تو اولیائے کرام، اور اصفیائے عظام کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے وہ پہلے آدمیوں سے دور رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو آدمیوں سے مایوسی حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ان کی ناگواری کے باوجود ارشاد و رہنمائی کے مقام پر فائز کر کے آدمیوں کی طرف واپس کر دیتا ہے۔ تو بندے ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں کے وجود سے ملک زندہ اور قائم رہتے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شاعر نے فرمایا ہے:

تَحْیَا بِکُمْ کُلُّ اَرْضٍ تَنْزِلُوْنَ بِھَا ۔۔۔ کَاَنَّکُمْ فِیْ بِقَاعِ الْاَرْضِ اَمْطَارٌ

سے اللہ تعالیٰ کی طرف کوچ کر لیا ہے تو اس کو اب غیر اللہ سے کچھ وحشت باقی نہیں رہی۔ یعنی اس کا سکون صرف ذات اقدس کے مشاہدہ میں ہے۔ پھر اگر وہ حقوق کے آسمان یا فوائد کی زمین کی طرف نزول کرتا ہے تو تمکین اور یقین میں ثبات اور رسوخ (ثابت قدمی اور مضبوطی) کے ساتھ نزول کرتا ہے۔ لہٰذا عارف کو اپنے نفس کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ نہ اس کو غیر اللہ کے ساتھ قرار ہوتا ہے۔ نیز عنایت الٰہی اس کو چھوڑتی بھی نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ کی طرف مائل ہو۔ تو جب کبھی اس کا قلب کسی شے کی طرف مائل ہوتا ہے تو عنایت الٰہی اس کو پریشان کر دیتی ہے۔ اور حفاظت الٰہی اس کو اپنی پناہ میں لے لیتی ہے کیونکہ وہ غیرت سے محفوظ انوار کی مدد سے ہر طرف سے گھرا ہوتا ہے۔ اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے چوری سننے سے آسمان کی حفاظت فرمائی۔ تو پھر ان سے اپنے اولیاء کے قلوب کی حفاظت کیوں نہ فرمائے گا؟ اور اس نے ان کو اپنی محبت کے ساتھ اپنا ولی اس وقت تک نہیں بنایا جب تک اپنے غیر کے مشاہدہ سے ان کی حفاظت نہ کر لی۔ تو اب وہ اس کے غیر کی طرف کیسے مائل ہو سکتا ہے۔ اور اس کے غیر کے ساتھ کیسے قرار حاصل کر سکتا ہے؟

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔

جس کا ظاہر انوار سے گھرا ہوا ہو۔ اور جس کا باطن اسرار الٰہی سے بھرا ہوا ہو وہ غیر اللہ کے مشاہدہ کی طرف کیسے مائل ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ مصنف نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے۔

أَنَارَ الظَّوَاهِرَ بِأَنْوَارِ آثَارِهِ، وَأَنَارَ السَّرَائِرَ بِأَنْوَارِ أَوْصَافِهِ

"اللہ تعالیٰ نے ظاہر کو اپنے آثار کے انوار سے، اور باطن کو اپنے اوصاف کے انوار سے روشن فرمایا۔"

ظاہری انوار

میں کہتا ہوں: ظاہر کے انوار وہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار، اور اس کی حکمت کی تخلیق (پیدا کرنے) سے مخلوقات کی تجلیوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً ستاروں، اور چاند، اور سورج، اور کامل مضبوطی، اور ان کی ترتیب سے آسمان کو آراستہ کرنے جو اس میں موجود ہیں۔ اور مثلاً پھولوں،

تو مقام اسلام والوں کے انوار ستاروں کی طرح کمزور ہیں۔ اور مقام ایمان والوں کے انوار، چاند کی روشنی کی طرح درمیانی ہیں۔ اور مقام احسان والوں کے انوار سورج کی روشنی کی طرح بہت زیادہ روشن ہوتے ہیں۔

انوار باطنی کی تین اقسام

تو حاصل یہ ہوا کہ باطن کے انوار کی تین قسمیں ہیں: ایک: نجوم الاسلام، دوسری: قمر التوحید، تیسری: شمس المعرفت۔ اور اسی حقیقت کی طرف ابن فارض نے اشارہ کیا ہے:۔

لَھَا الْبَدْرُ کَاسٌ وَھِیَ شَمْسٌ یُدِیْرُھَا ہِلَالٌ وَ کَمْ یَبْدُوْ اِذَا مُزِجَتْ نَجْمٌ

"شراب محبت کے لئے بدر (چودھویں رات کا چاند) پیالہ ہے۔ اور شراب محبت سورج ہے۔ پیالہ کو ہلال (نیا چاند) چلاتا ہے۔ اور جب اس کو پینے کے لئے ملایا جاتا ہے تو بہت سے ستارے پیدا ہوتے ہیں۔"

شراب محبت معرفت کا سورج ہے۔ جب پینے کے لئے ملایا گیا۔ تو نجم الاسلام (اسلام کا ستارہ) ظاہر ہوا۔ اور جب پیالہ میں شراب رکھی گئی۔ تو قمر التوحید (توحید کا چاند) یعنی ایمان طلوع ہوا۔ اور جب پیا گیا۔ تو شمس المعرفت (معرفت کا سورج) روشن ہوا۔ اور پینے والوں پر پیالے کا دور چلانے والا، ہدایت کا ہلال ہے۔ ابن فارض کے کلام کا یہی مفہوم ہے۔ اور باطنی انوار کی مشابہت ظاہری انوار سے صرف سمجھانے کے لئے ہے۔ ورنہ قلوب کے انوار سب سے بڑے ہیں۔

گنہگار مومن کا نور اگر ظاہر کر دیا جائے؟

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اگر گنہگار مومن کا نور ظاہر کر دیا جائے تو آسمان اور زمین کی درمیانی فضا نور سے بھر جائے۔ تو اطاعت شعار مومن کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

حضرت شیخ ابوالعباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اگر ولی کی حقیقت ظاہر کر دی جاتی تو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرنے لگتے۔

ظاہر و باطنی انوار میں فرق

پھر مصنفؒ نے ظاہری انوار اور باطنی انوار کے درمیان فرق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لِأَجْلِ ذٰلِكَ أَفَلَتْ أَنْوَارُ الظَّوَاهِرِ، وَلَمْ تَأْفِلْ أَنْوَارُ الْقُلُوبِ وَالسَّرَائِرِ

"اسی وجہ سے ظاہر کے انوار غروب ہو جاتے ہیں۔ اور قلوب اور ارواح کے انوار غروب نہیں ہوتے ہیں"۔

یعنی اس وجہ سے کہ ظاہر کے انوار اثر کے انوار ہیں۔ اور اثر کی شان یہ ہے کہ وہ متاثر ہوتا ہے اور طلوع اور غروب کے ساتھ متغیر ہوتا ہے تو فنا ہو جاتا ہے۔ یعنی ظاہر کے انوار غروب ہو جاتے ہیں خواہ معلوم غروب کے ذریعہ خواہ قطعی و یقینی عدم کے ذریعہ۔

اور قلوب کے انوار غروب نہیں ہوتے ہیں۔ اور قلوب کے انوار: اسلام اور ایمان کے انوار ہیں۔ اور ارواح کے انوار: احسان کے انوار ہیں۔ اور اسلام و ایمان کے انوار: توجہ کے انوار ہیں۔ اور احسان کے انوار: مواجہت کے انوار ہیں۔

نور کیا ہے؟

اور نور:۔ وہ یقین ہے جو عمل کی لذت کے نتیجہ میں قلب میں حاصل ہوتا ہے۔ تو جب یقین قوی ہوتا ہے۔ تو نور بھی قوی ہوتا ہے اور لذت بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مشاہدہ کی لذت سے مل جاتی ہے۔ پھر وہ عمل کی لذت پر غالب آ جاتی ہے۔ اسی لئے عارف کے جسمانی اعضاء کے عمل کم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ مشاہدہ کی لذت ہر شے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور سنی ہوئی خبر، آنکھ سے دیکھے ہوئے واقعہ کی طرح نہیں ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْعِلْمُ بِاللّٰهِ، قَالُوْا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ سَأَلْنَاكَ عَنِ الْعَمَلِ، قَالَ: اَلْعِلْمُ بِاللّٰهِ. ثُمَّ قَالَ فِي الثَّانِيَةِ عَمَلٌ قَلِيلٌ كَافٍ مَعَ الْعِلْمِ بِاللّٰهِ

"حضرت رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے سوال کیا: کون سا عمل سب اعمال سے افضل ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ علم ہونا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے عمل کے متعلق سوال کیا ہے۔ آپ نے دوبارہ فرمایا: اللہ کے ساتھ علم۔ پھر تیسری مرتبہ فرمایا۔ علم باللہ کے ساتھ تھوڑا عمل بھی کافی ہے"۔

اور اصل میں نور کی حقیقت: ایسی کیفیت ہے جو چاند، اور سورج کی روشنی سے زیادہ انسان کے جسم پر پہنچتی ہے۔ (روشن ہوتی ہے) پھر آنکھ کے ذریعے اس کے گرد کی چاروں طرف کی اشیاء واضح ہو جاتی ہیں۔

اور مصنف نے علم اور یقین، اور معرفت کی تشبیہ اس نور کے ساتھ اس لئے دی ہے کہ اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے، اور ان کی تمیز کرنے میں دونوں کے درمیان ایک قسم کی مشابہت ہے۔ اور ظاہری نور، اپنی اصل کے منقطع ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اور باطنی نور یعنی قلب اور روح کا نور کبھی ختم نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے مصنف نے ایک شعر تحریر فرمایا ہے: چنانچہ فرمایا: ولذالك قيل:

إِنَّ شَمْسَ النَّهَارِ تَغْرُبُ بِاللَّيْلِ وَشَمْسُ الْقُلُوبِ لَيْسَتْ تَغِيبُ

"دن کا سورج، رات میں غروب ہو جاتا ہے لیکن قلب کا سورج کبھی غائب نہیں ہوتا"

نوٹ: اور یہ شعر مصنف کا نہیں بلکہ یہ دوسرے بزرگ کا شعر ہے

اور انشاء اللہ عن قریب مناجات کے ضمن میں کل اشعار بیان کئے جائیں گے۔

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: قلوب کا سورج کبھی غائب نہیں ہوتا وہ کبھی منقطع اور ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ باقی اور قائم رہتا ہے کیونکہ اس کی مدد ہمیشہ باقی رہتی اور پہنچتی رہتی ہے۔ اور وہ اوصاف ربانی کی حقیقتیں ہیں۔ اور اس کے مقامات ہمیشہ کے لئے قائم ہیں۔ اور وہ عالم روحانیت ہے۔ تو اس سے تعلق رکھنے والا، ایسی حقیقت سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے صوفیائے کرام کی غنا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسباب کے ساتھ نہیں۔ اور ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا اس کے سوا کسی دوسری شی کے ساتھ نہیں۔ "یہاں دسواں باب ختم ہوا۔

دسویں باب کا خلاصہ

اس باب کا حاصل: ایمان پر صادق کیفیت، اور وصل طلب کرنے پر تنبیہ، اور اس کی بخشش اور محرومی میں معرفت حاصل کرنے، اور اس کی توجہ اور قبولیت حاصل کرنے میں، نہ کہ خدمت میں، مشغول ہونے، اور اس کے سامنے ہمیشہ عاجزی اور مجبوری، اور اس کی نعمت کی احتیاجی، اختیار کرنے، اور اس کی ہمیشہ انسیت کے ساتھ، اس کی مخلوق سے نفرت کرنے کا بیان کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اولیائے کرام کے قلوب پر، اور اس کے اصفیائے عظام کے اسرار و ارواح پر، اللہ تعالیٰ کے انوار کا ظاہر ہونا۔ اس کی طرف ان کی توجہ اور اس کے سامنے ان کی عاجزی اور بے قراری کا صلہ ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تحفہ عطا کیا اور اس چیز کے لئے جو اس مقام تک ہے، ان کو آمادہ کیا تو ان کے لئے اس نے اپنی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

"اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ"

"کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تمہارے اوپر ان لوگوں کی طرح آزمائشیں نہیں آئیں جو تم سے پہلے گزر چکے"۔ اور مصنف نے گیارھواں باب کی ابتداء میں اسی کو بیان فرمایا ہے"۔

تو کیا تو نے احسان کے سوا اس کی طرف سے کچھ اور بھی پایا ہے؟ اور کیا بھلائی اور انعام کے سوا اس کی طرف سے کچھ اور بھی دیکھا ہے؟ تو جس ذات سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے قضا و قدر کے احکام تیرے سامنے آتے ہیں اسی ذات سبحانہ تعالیٰ نے تجھ کو حسن اختیار عطا فرمایا ہے۔ اور جس ذات پاک کی طرف سے تیرے سامنے قہر کے احکام آتے ہیں، اسی ذات پاک نے تجھے اپنے تمام احسانات کا عادی بنایا ہے اور جس ذات مقدس کی جانب سے تیرے اوپر ظاہری سختیاں اور تکلیفیں نازل ہوئی ہیں اسی نے تجھ کو باطنی نعمتیں عطا کی ہیں اور وہ ذات مقدس جس کی قہاریت کی بارگاہ سے تیرے اوپر مصیبتیں نازل ہوئی ہیں وہی ہے، جس نے تجھ کو انواع و اقسام کی انعامات و اکرامات کا تحفہ عطا کیا ہے:

صاحب عینیہ نے اس سلسلہ میں کیا خوب اشعار فرمائے ہیں:

تَلَذُّ لِيَ الْاٰلَامُ اِذْ اَنْتَ مُسْقِمِيْ وَاِنْ تَمْتَحِنِّيْ فَهِيَ عِنْدِيْ صَنَائِعُ

"بیماریاں مجھ کو مزیدار معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ مجھے بیمار کرنے والا تو ہے اور اگر مجھ کو آزمائش میں تو مبتلا کرتا ہے تو وہ میرے لئے بہتر ہے۔ (بہتر ہے)"

تَحَكَّمْ بِمَا تَهْوَاهُ فِيَّ فَاِنَّنِيْ فَقِيْرٌ لِسُلْطَانِ الْمَحَبَّةِ طَائِعُ

"میرے بارے میں جو تیری مرضی ہے وہ فیصلہ کر کیونکہ میں محبت کے بادشاہ کا محتاج اور فرماں بردار ہوں"۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں اپنے شیخ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کے سامنے سویا ہوا تھا۔ تو شیخ نے مجھ کو جگا کر ارشاد فرمایا: اے جنید! میں نے دیکھا: گویا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: اے سری! میں نے مخلوق کو پیدا کیا، تو سب نے میری محبت کا دعویٰ کیا، پھر میں نے دنیا کو پیدا کیا۔ تو ان کے دس حصوں میں سے نو حصے، مجھ سے بھاگ گئے۔ اور میرے ساتھ صرف دسواں حصہ باقی رہا۔ پھر میں نے جنت پیدا کی۔ تو اس دسویں حصہ کے دس حصوں میں سے نو حصے مجھ سے بھاگ گئے۔ اور میرے پاس دسویں حصے کا دسواں حصہ باقی رہا۔ پھر میں نے ان کے اوپر بلا کا ایک ذرہ مسلط کیا تو میرے پاس سے دسویں حصے کے دسویں

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا اس کے قضا وقدر سے جدا نہ ہونا، اس کے عظیم احسانوں میں سے ہے۔ تو جب قضا وقدر کا کوئی حکم جاری ہوتا ہے تو اس کے جاری ہونے سے پہلے ہی لطف وکرم کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور وہ لطف وکرم اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

اور عقل اور نقل سے یہی ثابت ہے:

عقل سے اس طرح: بندے پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اس سے بھی بڑی مصیبت ہے اور اکثر پائی جاتی ہے۔

تو اے انسان! جب تیرے اوپر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس شخص کو یاد کر، جس کی مصیبت تیری مصیبت سے بڑی ہے۔ تو بہت سے انسان دردوں سے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے انسان جذام اور برص، اور جنون، اور اندھے پن میں مبتلا ہیں۔ اور بہت سے انسان مسافر خانوں میں بے یار ومددگار پڑے ہوئے ہیں اور کوئی ایسا ہمدرد وغمخوار نہیں پاتے جو ان کو اس مصیبت سے نجات دے۔ مگر وہی جس نے ان کو اس مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور بہت سے انسان اندھے ہیں، یا لنجے ہیں۔ یا عرصہ دراز سے بخار میں مبتلا ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دونوں عالم میں اس کی دائمی ہدایت مانگتے ہیں۔

اور نقل سے اس طرح: مریضوں، اور دردوں کے ثواب میں بہت سی احادیث اور آیات قرآنی صابرین کی تعریف میں وارد ہوئی ہیں۔ انہیں آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝) ''بے شک صابرین کو ان کا اجر بغیر حساب کے پورا دیا جائے گا'' اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے: (وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝) ''اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے'' اور آیہ کریمہ: (اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝) ''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ اور اس کے علاوہ بہت سی آیات اس بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث شریف میں ہے:

(مَا يُصِيْبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَصَبٍ وَلَا نَصَبٍ وَلَا سَقَمٍ وَلَا حَزَنٍ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا وَحَتَّى الْهَمِّ يُهِمُّهُ اِلَّا كُفِّرَ بِهِ سَيِّاٰتُهُ)

والے نہ تھے تمہارے اوپر مشتبہ ہو جاتی کیونکہ راستہ تو بالکل واضح ہے۔ بلکہ تمہارے لئے اس بات کا خطرہ ہے کہ نفسانی خواہش تمہارے اوپر غالب ہو جائے۔ پھر وہ تم کو اندھا اور بہرا کر دے۔ ع

إِنَّ الْهَوَىٰ مَا تَوَلَّى يُصْمِ أَوْ يَصِمِ ”خواہش نفسانی کی اتباع حق کے سننے سے بہرا کر دیتی ہے۔“

پس تمہارے لئے ہدایت کے مشتبہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے خواہش نفسانی کی اتباع کا خطرہ ہے تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کے مشتبہ ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے مخلوق کی اطاعت کا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

”اور اگر آپ اس زمین میں سے اکثریت کی پیروی کریں گے تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔“

تمہارے لئے اہل حقیقت کے موجود نہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے اس راستے کے ڈاکوؤں کا خطرہ ہے۔ تمہارے لئے اہل حق کے پوشیدہ ہونے کا خوف نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے سچائی کی کمی کا خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ”اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سچے ہوتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔“

اور اللہ تعالیٰ نے اہل حق اولیاء اللہ کو تم سے پوشیدہ نہیں کیا مگر صرف تمہارے عدم صدق کی وجہ سے۔ تو اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء اللہ کے ساتھ اپنا گمان اچھا کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان سے حجاب اٹھا دے گا۔ اور تم کو سفر کر کے ان کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ تم ان کو اپنے قریب ہی پاؤ گے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اولیاء کو ان کے ظاہر ہونے کی حالت میں پوشیدہ رکھا اور ان کی پوشیدگی کی حالت میں ان کو ظاہر کیا۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس پر آگاہ فرمایا

سُبْحَانَ مَنْ سَتَرَ سِرَّ الْخُصُوصِيَّةِ بِظُهُورِ وَصْفِ الْبَشَرِيَّةِ، وَظَهَرَ بِعَظَمَةِ الرُّبُوبِيَّةِ فِي إِظْهَارِ الْعُبُودِيَّةِ

”وہ ذات پاک ہے جس نے اپنی خصوصیت کے راز کو بشریت کے وصف کے ظاہر ہونے سے

کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اور ربوبیت کی عظمت کے ساتھ عبودیت کے ظاہر کرنے میں ظاہر ہوا"۔

میں کہتا ہوں: خصوصیت، اللہ سبحانہ تعالیٰ کا وہ نور ہے۔ جس کو وہ اپنے خواص مقربین بندوں کے قلوب میں ان کو کدورتوں سے پاک کرنے، اور عیوب واغیار سے صاف کرنے کے بعد روشن کرتا ہے۔ پھر وہ اس نور کے ذریعہ اپنے محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں اپنے نفسوں کے مشاہدہ سے غائب ہو جاتے ہیں۔

خصوصیت کا سر: وہ کمالات عالیہ، اور اوصاف قدسیہ، اور صفات منورہ ہیں جن کو خصوصیت کا نور گھیرے ہوئے ہے۔ اور جو اس نور سے آراستہ ذات کے لئے سزاوار ہیں۔ جیسے کبریائی، اور عزت، اور قوت، اور عظمت، اور بزرگی۔ اور جیسے کہ قدرت کاملہ، اور علم محیط (ہر شے کا احاطہ کرنے والا علم) اور سارے کمال کے اوصاف سے موصوف ہونا۔ پھر بے شک اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی عظیم حکمت، اور غالب قدرت سے ان اوصاف کو جو اس نور کے لئے لازمی ہیں۔ ان کی ضدوں یعنی مخالفوں کے ظہور کے ساتھ یعنی عبودیت کے اوصاف کے ساتھ پوشیدہ کر دیا ہے۔

چنانچہ اپنی کبریائی اور عظمت کو بندے پر عاجزی، اور محتاجی اور کمزوری کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اور اپنی قدرت، اور ارادے کو، اس کے اوپر عاجزی اور مغلوبیت کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اور اپنے علم محیط کو، اس کے اوپر جہالت اور سہو کے ظہور کے ساتھ پوشیدہ کیا۔ اور ان کے علاوہ، ان تمام اوصاف عبودیت کے ظہور کے ساتھ جو اوصاف ربوبیت کے بالمقابل ہیں۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو ان کے مخالف اشیاء میں پوشیدہ کیا۔ ربوبیت کے کمالات کو عبودیت کے نقائص میں پوشیدہ کیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو سر غیر محفوظ، اور خزانہ غیر مدفون رہتا۔ اور عنقریب حضرت مصنف کا یہ قول آئے گا۔

سَتَرَ اَنْوَارَ السَّرَائِرِ بِكَثَائِفِ الظَّوَاهِرِ اِجْلَالًا لَّهَا اَنْ تُبْتَذَلَ بِالْاِظْهَارِ ، وَ اَنْ يُّنَادٰى عَلَيْهَا بِلِسَانِ الْاِشْتِهَارِ

"اللہ تعالیٰ نے ارواح کے انوار کو، ظاہروں کی کثافتوں کے ذریعہ پوشیدہ کر دیا۔ تا کہ اظہار کے ذریعہ حقیر اور بے وقعت نہ ہوں۔ اور اشتہار کی زبان سے ان کا اعلان نہ ہو۔ اسی لئے حضرت

اولیاء اللہ اصحاب کہف ہیں

حسن ادب کیا ہے

تو حقیقت میں تمہاری حاجت پوری کر دی جائے گی۔ اگرچہ ظاہر میں نہ پوری ہو۔ اور یہاں حسن ادب تمہارا اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنا۔ اور اس کے حکم پر تمہارا راضی رہنا۔ اور تمہارا اس پر بھروسہ کرنا جو اس نے تمہارے لئے پسند کیا ہے۔ نہ کہ اس پر بھروسہ کرنا جو تم نے اپنے نفس کے لئے پسند کیا ہے۔ کیونکہ تمہارا علم کم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قبولیت کی ذمہ داری اس چیز میں لی ہے، جو وہ چاہتا ہے۔ نہ کہ اس چیز میں جو تم چاہتے ہو۔ اور اس وقت میں لی ہے، جس میں وہ چاہتا ہے نہ کہ اس وقت میں جو تم چاہتے ہو۔ کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے۔

وَکَمْ رُمْتُ اَمْرًا خِرْتَ لِیْ فِی انْصِرَافِہٖ　　فَلَا زِلْتَ لِیْ مِنِّیْ اَبَرَّ وَ اَرْحَمَا

اکثر میں نے ایسے کام کا ارادہ کیا جس کے الٹا ہونے ہی میں تو نے میری بھلائی رکھی۔ پس تو ہمیشہ میرے لئے مجھ سے زیادہ بھلائی کرنے والا اور مہربان رہا ہے۔

عَزَمْتُ عَلٰی اَلَّا اُحِسَّ بِخَاطِرٍ　　عَلَی الْقَلْبِ اِلَّا کُنْتَ اَنْتَ الْمُقَدَّمَا

''میں نے یہ پختہ ارادہ کیا کہ میں اپنے دل کے خیال کو نہ محسوس کروں۔ مگر تو میرے سامنے آ گیا''۔

وَاَلَّا تَرَانِیْ عِنْدَ مَا قَدْ نَہَیْتَنِیْ　　لِاَنَّکَ فِیْ نَفْسِیْ کَبِیْرًا مُعَظَّمًا

''اور یہ ارادہ کیا کہ تو مجھے اس کے قریب نہ دیکھے جس سے تو نے مجھے منع کیا ہے۔ اس لئے کہ تیری کبریائی اور عظمت میرے دل میں ہے''۔

وہب بن منبہ کا قول

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے: اے آدم کی اولاد! تم میری اطاعت اس چیز میں کرو جس کے کرنے کا میں نے تم کو حکم دیا ہے۔ اور تم مجھے یہ نہ بتاؤ کہ میرے لئے یہ مفید و مناسب ہے۔ میں اپنی مخلوق کے بارے میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ میں صرف اس شخص کی عزت کرتا ہوں جو میری عزت کرتا ہے اور میں اس شخص کو رسوا کرتا ہوں، جو میرے حکم کو اپنے اوپر ہلکا اور حقیر سمجھتا ہے۔ اور میں اپنے بندے کے حق میں اس وقت تک نظر نہیں کرتا جب تک میرا بندہ میرے حق میں نظر نہیں کرتا

سب سے بڑا ادب

اور سب سے بڑا اور کامل ادب: اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل، اور اس کے غلبے کے سامنے سر جھکانا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس پر اپنے اس قول میں تنبیہ فرمائی ہے:

مَتٰى جَعَلَكَ فِي الظَّاهِرِ مُمْتَثِلًا لِأَمْرِهِ ، وَفِي الْبَاطِنِ مُسْتَسْلِمًا لِقَهْرِهِ ، فَقَدْ أَعْظَمَ الْمِنَّةَ عَلَيْكَ۔

''جب اللہ تعالیٰ تم کو ظاہر میں اپنے حکم کی تعمیل کرنے والا، اور باطن میں اپنے غلبے کے سامنے سر جھکانے والا بنادے تو یہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے''

میں کہتا ہوں: یہ سب سے بڑا احسان اس وجہ سے ہے کہ وہ اس معرفت کا مشاہدہ کرنے والا ہے جو نعمتوں کی انتہائی حد، اور نعمتوں کا آخری درجہ ہے۔ کیونکہ ظاہر میں حکم کی تعمیل کرنا شریعت کے کمال اور عبودیت کے ثابت ہونے کی دلیل ہے اور باطن میں غلبے کے سامنے سر جھکانا طریقت کے کمال اور حقیقت کی انتہا کی دلیل ہے اور دونوں کا جمع ہونا انتہائی کمال ہے۔

پس اے انسان! جب اللہ تعالیٰ تجھ کو ظاہر میں اپنے حکم کی تعمیل کرنے والا، اور اپنے منع سے پرہیز کرنے والا، اور باطن میں اپنے غلبے (یعنی قضا وقدر) کے سامنے جھکنے والا بنادے۔ تو یہ تیرے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس نے تیرے ظاہر کو مخالفت کی زحمت سے آرام دیا۔ اور تیرے باطن کو جھگڑے کی تکان سے سکون عطا کیا۔

یا تم اس طرح کہو۔ اس حیثیت سے کہ تیرے ظاہر کو طاعت سے، اور تیرے باطن کو معرفت سے آراستہ کیا۔ تو تیرے اوپر واجب ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اس کی قدر پہچانے تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت تیرے قلب میں بڑھ جائے اور یہ تیرے مقصد اور ارادے کی انتہا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ٥ ''اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے''

اور جب تمہارے لئے یہ حالت ثابت اور قائم ہو جائے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے نفس کی قید سے نجات دے دی۔ اور تمہارے فوائد کی غلامی سے تم کو آزاد کر دیا۔ تو اس حالت کے موجود ہوتے ہوئے تمہاری غلامی کی طلب [illegible] تم کو [illegible] کر دیا۔ (یعنی عطا نہیں

ہے۔ اور عظمت وجلال کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بے ادب ہو جاتا ہے اور مقصد کے حاصل ہونے سے محروم ہو جاتا ہے۔

پس جب عنایت الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ اور ہدایت کی ہوا اس پر چلتی ہے تو اس کا ظاہر (جسمانی اعضاء) عبودیت کے وظائف میں، اور اس کا باطن ربوبیت کے مشاہدہ میں مشغول ہوتا ہے۔ تو وہ ظاہر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے والا، اور باطن میں اس کے قہر یعنی قضاء وقدر کے احکام کو رضا مندی کے ساتھ تسلیم کرنے والا ہوتا ہے۔ جب اس کے اندر اس کے مولائے حقیقی کی محبت پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس کے نفس اور اس کی خواہشات کی غلامی سے اس کی نجات مکمل ہو جاتی ہے اور اس وقت وہ اپنے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کی مشیت کی عزت و تعظیم کرتا ہے۔ اور اس کی محبت اور رضا مندی کے اسباب میں سے کسی شی کو حقیر نہیں سمجھتا ہے۔

اور مصنف نے بارھویں باب کی ابتداء میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

وارد:- وہ الٰہی خوشبوئیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے عظام کے قلوب کو تحفہ عطا کرتا ہے۔ پھر یہ وارد ان کے اندر قوت محرکہ بن جاتا ہے (حرکت دینے والی قوت) اور اکثر اوقات وہ انہیں مدہوش کر دیتا ہے اور ان کو ان کے ظاہر سے غائب کر دیتا ہے اور یہ اچانک آتا ہے اور ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔

اوراد کی اقسام

اور ورد کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:- مجتہدین عابدوں اور زاہدوں کا ورد ہے۔

دوسری قسم:- سائرین اہل سلوک کا ورد ہے۔

تیسری قسم:- عارفین اہل وصول کا ورد ہے۔

پہلی قسم:- مجتہدین عابدین وزاہدین کا ورد:- تمام قسم کی عبادتوں میں وقتوں کا مستغرق ہونا ہے اور ان کی عبادت:- ذکر، اور دعا، اور نماز، اور روزہ کے درمیان ہے اور مصنف نے اپنی کتاب "الاحیاء والقوۃ" میں دن اور رات کے اوراد ووظائف کو بیان فرمایا ہے، اور ہر وقت کیلئے ایک خاص ورد مقرر کیا ہے۔

دوسری قسم:- سائرین اہل سلوک کا ورد:- شواغل (اپنے میں مشغول کر کے اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزوں) اور شواغب (شور وہنگاموں) سے دور رہنا، اور دنیاوی تعلقات، اور اللہ تعالیٰ سے روکنے والی چیزوں کو ترک کرنا، اور قلب کو بری صفتوں سے خالی کر کے بہترین اوصاف سے آراستہ کرنا ہے۔ اور ان کی عبادت:- اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جمعیت قلب کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے حضور کے ساتھ جو اس کیلئے اس کا شیخ مقرر کرتا ہے۔ اور وہ اپنی طرف سے اس پر کچھ اضافہ نہیں کرتا ہے۔

تیسری قسم:- عارفین واصلین کا ورد:- خواہشات کا ترک کرنا، اور مولائے حقیقی کی محبت ہے اور ان کی عبادت:- اللہ تعالیٰ کے حضور میں قائم ہونے کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کرتا ہے تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی ورد میں قائم کر دے تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تو جن چیزوں کیلئے انسان کوشش کرتا ہے ان میں سے زیادہ بہتر وہ چیز ہے جس کا وجود اس کی موت کے بعد ختم ہو جائے گا اور وہ ورد ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ جب تک اس دنیائے فانی میں ہے وردکو غنیمت سمجھے۔ اس لیے کہ آخرت میں عمل نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت بدلہ ملنے اور مید کے حاصل ہونے کا گھر ہے۔ پس دنیا۔ عمل کی جگہ۔ یہاں بدلہ نہیں ہے اور آخرت میں بدلہ ملنے کی جگہ ہے وہاں عمل نہیں ہے۔ تو انسان کو چاہیے کہ وہ موت سے پہلے اپنی زندگی کو غنیمت سمجھے کیونکہ جو وقت ورد سے خالی گزرتا ہے وہ اس سے فوت یعنی ضائع ہو جاتا ہے۔

جو لمحہ ذکر کے بغیر گزرا وہ روز قیامت حسرت کا سبب ہوگا

حدیث شریف میں وارد ہے:۔

لَا تَمْضِیْ عَلَی الْعَبْدِ سَاعَةٌ لَا یَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْهَا اِلَّا کَانَتْ عَلَیْهِ حَسْرَةٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

"بندے پر کوئی ایسا وقت جس میں وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا ہے، مگر وہ قیامت کے روز اس کیلئے افسوس کا سبب ہوگا" یعنی بندے کا جو وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی گزرتا ہے وہ اس وقت کے ضائع ہونے پر قیامت کے روز افسوس کرے گا۔

ذاکرین کے حال کے مطابق ذکر کی بہت اقسام ہیں

ذکر کرنے والے کے حال کے موافق ذکر کی بہت قسمیں ہیں:۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا ہے:۔ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو پایا:۔ کہ جتنا تم لوگ اپنے دیناروں، اور درہموں (روپیوں اور شرفیوں) کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہو تم سے کہیں زیادہ وہ اپنے وقتوں کے ضائع ہونے سے ڈرتے تھے۔

اسی حقیقت کے بارے میں یہ شعر کہا گیا ہے:۔

اَلسِّبَاقَ السِّبَاقَ قَوْلًا وَّفِعْلًا   حَذِّرِ النَّفْسَ حَسْرَةَ الْمَسْبُوْقِ

"قول اور فعل میں سبقت کرو، سبقت کرو۔ اپنے کو گزرے ہوئے وقت کے افسوس سے بچاؤ"

اور بعض احادیث میں حضرت محمد ﷺ سے روایت ہے:

"تو اے میرے دوست اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر مضبوطی سے رکھو، (شریعت پر مضبوطی سے قائم رہنے کا عہد کرو)"

فَحَصِّلْ جَمِيعَ مَا لَهُ الشَّرْعُ يَرْتَضِي ... وَكُنْ لِكُلِّ مَا سِوَاهُ رَافِضًا

"ان سب کو حاصل کرو جن کو شریعت نے پسند کیا ہے اور شریعت کے خلاف سب کچھ ترک کر دو۔"

تَرَى الْفُؤَادَ صَافِيًا وَشَارِقًا ... وَعَنْ سِوَى الْمَوْلَى إِلَى الْمَوْلَى ارْتَقَى

"تم اپنے قلب کو صاف اور روشن دیکھو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرتا ہوا پاؤ گے۔"

پھر ارشاد فرمایا۔

فَبِالشَّرِيعَةِ الْوِصَالُ لِلْمُنَى ... كَالْفَوْزِ بِالْبَقَاءِ مِنْ بَعْدِ الْفَنَاءِ

"تو شریعت ہی کے ذریعے امیدوں کی کامیابی ہوتی ہے۔ جیسے کہ فنا کے بعد بقا کے ذریعے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔"

وَمَنْ يَظُنُّ الْخَيْرَ فِي سِوَاهَا ... فَإِنَّهُ وَاللَّهِ مَا دَرَاهَا

"اور جو شخص شریعت کے سوا کسی دوسری شے میں کامیابی کا خیال کرتا ہے تو بخدا قسم اللہ کی وہ اس کی حقیقت سے ناواقف ہے۔"

میں کہتا ہوں: میں نے بہت سے فقراء کو دیکھا ہے کہ انہوں نے شریعت کی پابندی میں کوتاہی کی۔ تو وہ طریقت سے خارج ہو گئے۔ اور حقیقت کا نور ان سے چھین لیا گیا۔ اور بہت سے دوسرے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بہت زمانہ تک صوفیائے کرام کی صحبت میں رہے۔ لیکن ان کے اندر یقین کی خوشبو اور معرفت کی تازگی ظاہر نہیں ہوئی۔ اور یہ صرف شریعت کے احکام کی مکمل اتباع نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔ اور ہمارے شیخ حضرت بوزیدی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جو شخص جذب اور عشق کے بغیر شریعت کو ترک کر دیتا ہے وہ بہت بڑا خسارہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ کی قسم، ہم نے شریعت ہی میں بھلائی دیکھی۔ اور شریعت ہی سے

مدد بقدر صلاحیت اور صلاحیت اوراد کی پابندی سے حاصل ہوتی ہے

وُرُودُ الإمْدَادِ بِحَسَبِ الاسْتِعْدَادِ

امداد کی بارشیں کہاں نازل ہوتی ہیں؟

انوار کا ظہور و اسرار کی صفائی کے مطابق ہوتا ہے

پھر حضرت مصنف نے انوار و اسرار کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

وَشُرُوْقُ الْاَنْوَارِ ، عَلٰی حَسَبِ صَفَاءِ الْاَسْرَارِ

''اور انوار کا ظاہر ہونا، اسرار کی صفائی کے مطابق ہوتا ہے''۔

میں کہتا ہوں: قلوب کے آسمان کے افق پر معرفتوں کے انوار کا ظاہر ہونا، آثار اور اغیار کی بدلیوں، اور انوار کے حجابوں سے ان کے صاف ہونے کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

اِنْ تَلَاشَى الْكَوْنُ عَنْ عَيْنِ قَلْبِيْ ‏ ‏ ‏ شَاهَدَ السِّرُّ غَيْبَهُ فِيْ بَيَانِ

''اگر مخلوق میرے قلب کی آنکھ سے غائب ہو جائے۔ تو سر اپنے غیب (اللہ تعالیٰ) کا علانیہ مشاہدہ کرے''۔

فَاطْرَحِ الْكَوْنَ عَنْ عِيَانِكَ وَامْحُ ‏ ‏ ‏ نُقْطَةَ الْغَيْنِ اِنْ اَرَدْتَ تَرَانِيْ

''پس مخلوق کو اپنی آنکھوں سے گرا دو۔ اور غین (تاریکی۔ بدلی) کے نقطہ کو مٹا دو (عین بن جاؤ) اگر مجھے دیکھنا چاہتے ہو۔''

تو قلوب کی صفائی کے مطابق، معرفت کے نور کا ظہور حاصل ہوتا ہے۔ تو جب قلوب کے آسمان سے آثار، اور اغیار کی بدلیاں چھٹ کر صاف ہو جاتی ہیں۔ تب ان میں حق کا نور چمکتا ہے۔ پھر قلب اور روح رسوم (مخلوق کی صفائی) سے غائب ہو جاتے ہیں۔ اور صرف حی و قیوم اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ باقی رہ جاتا ہے۔ اور جب اسرار سے انوار کا حجاب دور ہو جاتا ہے۔ تب ان میں بقاء کا نور چمکتا ہے۔ پھر جو کچھ فانی ہے، وہ فنا ہو جاتا ہے۔ اور صرف وہی سبحانہ تعالیٰ باقی رہتا ہے جو کبھی فنا نہیں ہوگا۔

اس حقیقت کے بارے میں خمریہ کے مصنف رضی اللہ عنہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

فَنِيْتُ بِهَا عَنِّيْ فَمَا لِيْ اَنِيَّةٌ ‏ ‏ ‏ هَوِيَّةُ لَيْلٰى لِلْاَنِيَّةِ قَاطِعٌ

''اس کے ساتھ میری ذات فنا ہو گئی تو اب میرے پاس انا (خودی) نہیں ہے۔ لیلیٰ کی محبت خودی کو

ختم کرنے والی ہے۔"

وَكُنْتُ كَمَا إِنْ لَمْ أَكُنْ وَهُوَ أَنَّهُ ‏ كَمَا لَمْ يَزَلْ فَرْدًا وَلٰكِنْ جَامِعٌ

"اب میں ویسا ہوں جیسا کہ میں نہ تھا۔ اور وہ ایسا ہے جیسا کہ ہمیشہ سے ہے۔ فرد (تنہا) ہے اور سب کا جامع ہے۔"

فَشَمْسِي فِي أُفْقِ الْأُلُوهِيَّةِ مُشْرِقٌ ‏ وَبَدْرِي فِي شَرْقِ الرُّبُوبِيَّةِ طَالِعٌ

"پس میرا سورج الوہیت کے افق میں چمکتا ہے۔ اور میرا چاند ربوبیت کے مشرق میں طلوع ہوتا ہے۔"

فَأَفْنَيْتُهُ حَتّٰى فَنِيتُ وَهِيَ لَمْ تَكُنْ ‏ وَلٰكِنَّنِي بِالْوَهْمِ كُنْتُ أُطَالِعُ

"پس میں نے اپنی ذات کو فنا کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ فنا ہو گئی۔ اور وہ موجود بھی نہ تھی۔ لیکن میں وہم کی بنا پر اس کو موجود سمجھتا تھا۔"

اور ان انوار کے ظاہر ہونے کی علامت: تدبیر اور اختیار کو ترک کرنا، اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو کافی سمجھنا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

اَلْغَافِلُ إِذَا أَصْبَحَ يَنْظُرُ مَاذَا يَفْعَلُ، وَالْعَاقِلُ يَنْظُرُ مَاذَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِهٖ

"غافل جب صبح کو اٹھتا ہے۔ تو وہ یہ سوچتا ہے کہ آج کیا کرے گا۔ اور عاقل (عارف) یہ غور کرتا ہے کہ آج اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا (یعنی تقدیر الٰہی اس کے حق میں کیا ہے)۔"

عاقل کون ہے؟

میں کہتا ہوں: غافل: وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے جاہل ہو۔ اگرچہ اس کی زبان کا ذکر زیادہ ہو۔

اور عاقل: وہ اللہ تعالیٰ کا عارف ہے۔ اگرچہ اس کی زبان کا ذکر کم ہو۔ اس لئے کہ معتبر قلب کا ذکر ہے۔

تو غافل: کا نفس موجود ہوتا ہے۔ اور اس کی [illegible] جب صبح کرتا

وہ سوچتا ہے کہ آج اپنے لئے کیا کرے گا۔ پھر وہ اس کے احوال، اور ضروریات کی تدبیر اپنی عقل اور فکر سے کرتا ہے۔ تو وہ اپنے فعل پر نظر رکھتا ہے۔ اور اپنے اختیار اور قوت پر بھروسہ کرتا ہے۔ لیکن جب قضائے الٰہی اس کی ان تدبیروں کو الٹ دیتی ہے، جن کو اس نے بڑی مضبوطی سے کیا تھا۔ اور اس کی امیدوں کو فنا کر دیتی ہے تو وہ ناراض ہوتا، اور رنج و ناامیدی میں مبتلا ہوتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرتا ہے۔ اور بے ادبی سے پیش آتا ہے۔ تو لازمی طور پر وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اس کے قلب میں وحشت اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ کہ توفیق الٰہی سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع حاصل ہو جائے۔ اور وہ برابر امید لگائے ہوئے دروازہ پر کھڑا رہے۔ یہاں تک کہ اس سے حجاب اٹھ جائے۔ اور اب وہ احباب میں شامل ہو جاتا ہے۔

اور عاقل: وہ عارف ہے۔ جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ثابت ہو چکی ہے، اور وہ اپنے قلب کی پوری توجہ کے ساتھ اس کے سامنے موجود ہے، اور اس کے قلب میں عرفان کے سورج روشن ہو چکے ہیں۔ اور اس کی نظر سے مخلوق کا وجود چھپ گیا ہے۔ تو اب اس کو اپنے نفس کی کچھ خبر نہیں ہے۔ نہ اسے غیر اللہ کے ساتھ قرار ہے۔ اس کا تصرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس سے فنا ہو چکا ہے۔ اور اپنے رب اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو گیا ہے۔ تو اب وہ اپنے لئے نہ حرکت دیکھتا ہے، نہ فعل، نہ قوت دیکھتا ہے، نہ اختیار۔ تو جب وہ صبح کرتا ہے تو وہ یہ غور کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ تو وہ رضامندی اور خوشی، اور فرحت و سرور سے اس کا سامنا کرتا ہے جو اس پر وارد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو حق الیقین، اور اللہ رب العالمین کے ساتھ غنا حاصل ہے۔

حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ مجھ کو کوئی خوشی نہیں ہے۔ مگر قضا و قدر کے موقعوں کی۔

ایک بزرگ کا قول ۴۰ سال کے عرصے میں ہر حال میں اللہ سے راضی رہا

حضرت ابوعثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: چالیس سال کا زمانہ گزرا، جب سے میرا یہ حال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی حال میں قائم کیا تو میں نے اس کو ناگوار نہیں سمجھا۔ اور جب کسی

اس: عارفین سے مقصود ان کے معانی و مفہوم کو سمجھنا ہے۔ اور دل میں بٹھانا ہے۔ نہ کہ صرف ان کے الفاظ کو زبان سے پڑھنا۔ کیونکہ مقصود معانی ہیں۔ نہ کہ ظاہری لفظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک اہم اور جامع وصیت

اور ہماری طریقت کے شیخ حضرت قطب ابن مشیش رضی اللہ عنہ کی وہ وصیت ان معانی پر جامع ہے۔ جو انہوں نے اس شخص کو فرمائی: جس نے ان سے عرض کی۔ میرے لئے آپ وظائف اور اوراد مقرر فرمائیں۔ تو حضرت شیخ نے ناراض ہو کر فرمایا: کیا میں رسول ہوں۔ جو واجبات کو واجب کروں؟ فرائض معلوم ہیں۔ اور گناہ مشہور ہیں۔ تو فرائض کی حفاظت کرو۔ اور گناہوں کو ترک کرو۔ اور دنیا کی ہوس، اور عورتوں کی محبت سے، اور مرتبہ اور خواہشات کے اختیار کرنے سے اپنے قلب کی حفاظت کرو۔ اور ان سب میں اس پر قناعت کرو۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے۔ جب تمہارے لئے رضامندی کی کوئی صورت پیدا ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا ہے۔ تو تم اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور جب تمہارے لئے ناراضی کی کوئی شکل ظاہر ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا ہے۔ تو تم اس پر صبر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت۔ قطب (مرکز) ہے۔ جس کے گرد ساری نیکیاں گھومتی ہیں۔ اور یہی وہ اصل ہے جو تمام کرامات کی جامع ہے۔ اور ان سب کا قلعہ چار چیزیں ہیں:۔

۱۔ ارادہ کی سچائی ۲۔ نیت کی درستی ۳۔ عمل کا اخلاص ۴۔ علم کی محبت

اور یہ چاروں چیزیں مکمل نہیں ہوتی ہیں۔ جب تک صالح بھائی۔ یا نصیحت کرنے والے شیخ کی صحبت نہ حاصل ہو۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ تم اس کی حرص کرو۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کی سپردگی، اور اس کی رضا پر راضی ہونے کی حالت میں صبح اور شام کرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف نظر کرے۔ پھر تمہارے اوپر رحم کرے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ پاتا ہے۔ اس کو اپنے نفس کی طرف راستہ نہیں ملتا ہے۔ اور جس شخص کو اپنے نفس کی طرف راستہ ملتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

راستہ نہیں پاتا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے، وہ اپنے نفس سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس کو دیکھتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے۔

اور عاقل: وہ ہے جو یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرے گا۔ وہی عارف ہے۔ جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا۔ کیونکہ وہ ایسا شخص ہے جس میں تسلیم و رضا مخلوق سے وحشت ہو باقی ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے: وہ کسی شے سے وحشت اور نفرت نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ اس کو ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ اور غیر عارف عابدین اور زاہدین کا حال اس کے خلاف ہوتا ہے۔

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

إِنَّمَا يَسْتَوْحِشُ الْعُبَّادُ وَالزُّهَّادُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ لِغَيْبَتِهِمْ عَنِ اللّٰهِ فِي كُلِّ شَيْءٍ فَلَوْ شَهِدُوْهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ لَمْ يَسْتَوْحِشُوْا مِنْ شَيْءٍ

"عابدین اور زاہدین ہر شے سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ وہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ سے غائب ہیں۔ لیکن اگر وہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے تو کسی شے سے نفرت نہ کرتے۔"

میں کہتا ہوں: عابدین: وہ لوگ ہیں جن کے اوپر عمل غالب ہے۔ اس لئے وہ ظاہری عبادت میں مستغرق ہیں۔ رات کو نفل نمازوں میں قیام کرتے (کھڑے رہتے) ہیں۔ اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ عبادت کی حلاوت نے ان کو مشغول کر کے معبود حقیقی تعالیٰ کے مشاہدہ کی حلاوت سے روک دیا ہے۔ تو وہ اپنی عبادت کے سبب اپنے معبود سے حجاب میں ہو گئے ہیں۔

اور زاہدین: وہ لوگ ہیں جن کے اوپر ترک غالب ہے۔ اس لئے وہ دنیا اور اہل دنیا سے بھاگ گئے ہیں۔ انہوں نے زہد کی حلاوت چکھی ہے۔ اس لئے زہد کے ساتھ ٹھہر گئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہو گئے ہیں۔ تو وہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ سے غائب ہونے کی وجہ سے ہر شے سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اگر وہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے تو کسی شے سے نفرت نہ کرتے۔ بلکہ وہ ہر شے سے محبت کرتے۔ اور ہر شے کے ساتھ ادب سے پیش آتے۔

اور عارفین:۔ اپنی بصیرت کے طاقتور ہونے کی بناء پر مخلوق کو حق سبحانہ تعالیٰ کے مظاہر میں سے مظاہر سمجھتے ہیں۔ تو پہلے وہ حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق سے، اور باطن کے ساتھ ظاہر سے، اور قدرت کے ساتھ حکمت سے محجوب ہوئے۔ پھر وہ مخلوق میں حق سبحانہ تعالیٰ کے مشاہدے کی طرف، اور حکمت میں قدرت کے مشاہدے کی طرف لوٹائے گئے۔ تو جب انہوں نے ہر شئی میں حق سبحانہ تعالیٰ کو پہچانا۔ تو وہ ہر شئی کے ساتھ مانوس ہو گئے۔ اور ہر شئی کے ساتھ مؤدب ہو گئے۔ اور ہر شئی کی تعظیم کرنے لگے۔

اسی حقیقت کے بارے میں حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

اَلْخَلْقُ نَوَّارٌ وَاَنَا رَعَیْتُ فِیْهِمْ　　　هُمُ الْحُجُبُ الْاَکْبَرُ وَالْمَدْخَلُ فِیْهِمْ

”مخلوق قابل نفرت ہے۔ اور میں انہیں میں چلا ہوں۔ وہ بڑے حجابات ہیں اور داخل ہونے کی جگہ انہیں کے اندر ہے (یعنی انہیں میں رہنا ہے)“

جب حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے مخلوق کی شان میں فرمایا: میں مخلوق کو ہوا میں ذرات غبار کی طرح دیکھتا ہوں۔ اگر تم انہیں تلاش کرو گے تو کچھ نہ پاؤ گے۔ تو حضرت سیدی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اگر تم ان کو تلاش کرو گے تو ایک شئی پاؤ گے۔ اور یہ شئی ایسی ہو گی، جس کے مثل دوسری کوئی شئی نہ ہو گی۔ یعنی تم ان کو اللہ تعالیٰ کے مظاہر میں سے مظاہر، اور ملکوت کے انوار میں سے انوار پاؤ گے۔ جو جبروت کے سمندر سے آتے ہیں۔

عینیہ کے مصنف نے فرمایا ہے:

تَجَلَّیْتَ فِی الْاَشْیَاءِ حِیْنَ خَلَقْتَهَا　　　فَهَاهِیَ یَحُطُّ عَنْكَ فِیْهَا الْبَرَاقِعُ

”تو اشیاء کے اندر اسی وقت جلوہ گر ہوا۔ جب تو نے ان کو پیدا کیا۔ تو ان کے اندر تیرے اوپر سے پردے ہٹے ہوئے ہیں“۔

قَطَعْتَ الْوَرٰی مِنْ ذَاتِ نَفْسِكَ قِطْعَةً　　　وَلَمْ یَكُ مَوْصُوْلٌ وَلَا فَصْلٌ قَاطِعٌ

”تو نے مخلوق کو اپنی ذات سے پوری طرح جدا کیا۔ تو اب نہ وصل ہے۔ نہ فصل۔

اور ہمارے شیخ الشیخ حضرت ... رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

طَلَعَ النَّهَارُ عَلَى قَلْبِي حَتَّى نَظَرَتْ بِعَيْنِهَا
أَنْتَ دَلِيلِي يَا رَبِّي أَنْتَ أَوْلَى مِنِّي بِيَا

"میرے اوپر دن طلوع ہوا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا۔ اے میرے رب تو میری دلیل ہے۔ اور تو مجھ سے زیادہ میرے قریب ہے"

حاصل یہ ہے۔ عارفین باللہ۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے مشاہدے میں مخلوق کے مشاہدے سے غائب ہو چکے ہیں۔ تو وہ مخلوق کے ساتھ جسموں کے ساتھ ہیں۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ اور ان کے ساتھ ہیں۔ وہ مر چکے۔ پھر اٹھائے گئے۔ اور ان کی قیامت قائم ہو چکی۔ اور ان کے حق میں اس زمین و آسمان کے علاوہ دوسری زمین اور آسمان بدلے جا چکے۔ اور وہ اللہ واحد قہار کے سامنے حاضر ہو گئے۔ تو وہ انوار اور آثار کو غیرت کی ظلمت میں دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے فانی میں ان کے سامنے اپنے ان پوشیدہ اسرار کو کھول دیا ہے۔ جن کو اس کی پوشیدگی کی قہاریت ڈھانپے ہوئے ہے۔ اور عنقریب آخرت میں ان کے سامنے اپنی ذات کے اسرار کو ظاہر کرے گا۔ اور ان کے اوپر سے حکمت کے حجاب کو جو اس کی صفات کا اثر ہے، ہٹا دے گا۔ جیسا کہ مصنف نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

أَمَرَكَ فِي هَذِهِ الدَّارِ بِالنَّظَرِ فِي مُكَوَّنَاتِهِ، وَسَيَكْشِفُ لَكَ فِي تِلْكَ الدَّارِ عَنْ كَمَالِ ذَاتِهِ

"اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے فانی میں تم کو اپنی مخلوقات میں غور کرنے کا حکم دیا ہے اور عنقریب آخرت میں تمہارے سامنے اپنی ذات کے کمالات میں سے کچھ ظاہر فرمائے گا"۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے فانی میں تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کی مخلوقات کے واسطے سے اس کی طرف نظر کرو۔ اس لئے کہ تم اپنی طاقت کی کمزوری کی بنا پر اس کی مقدس ذات کی حقیقت کی طرف داخلی جبروت کی عظمت میں بغیر واسطے کے نظر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہو۔ اگرچہ یہ عقل کی رو سے جائز ہے۔

اسی لئے سیدنا حضرت موسیٰ [illegible] لیکن حکیم مطلق کی

حکمت کا تقاضا الوہیت کی پاکیزگی کے انوار سے ربوبیت کے اسرار کو چھپانا تھا۔ اس کے لئے حسینوں کے لئے نقاب، اور سورج کے لئے بدلی ضروری ہے۔ اور اگر وہ کبریائی کی چادر کے بغیر ظاہر ہوتے۔ تو ادراک واقع ہوتا۔ (یعنی حاصل ہو جاتا) اور پھر ترقی باقی نہ رہتی۔ کیونکہ اس مقدس ذات کے اسرار میں ترقی صرف صفت کے انوار کی طرف نظر کرنے سے ہے۔ اور وہ دونوں جہان میں کبھی ختم نہیں ہو سکتی ہے۔ پس ذات بغیر مظہر کے مطلق پائی نہیں جا سکتی ہے۔ کیونکہ حقیقت مظاہر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ اہل حقیقت میں سے اہل تحقیق کا یہی مسلک ہے۔

تو اگر تم یہ اعتراض کرو۔ کہ مصنف رضی اللہ عنہ نے دنیا اور آخرت کے اعتبار سے دونوں رویتوں کے درمیان کس طرح فرق کیا ہے۔ جب کہ تحقیق یہ ہے کہ رویت ایک ہے۔ اس لئے کہ مظہر متحد ہے؟

تو جواب یہ ہے: ۔ چونکہ اس دنیائے فانی کے مظہر میں حس یعنی ظاہر باطن پر غالب ہے۔ اور حکمت ظاہر ہے۔ اور قدرت باطن ہے۔ اور آخرت کا مظہر اس کے برعکس ہے۔ وہاں حقیقت ظاہر پر غالب ہے۔ اور قدرت ظاہر ہے۔ اس لئے وہاں ذات کی حقیقت اس سے زیادہ ظاہر ہوگی جتنی یہاں ہے۔ اسی مفہوم سے دونوں رویتوں کے درمیان فرق واقع ہوا ہے۔

اس کی مثال: حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جو انہوں نے اپنے حزب کبیر میں فرمایا ہے: ۔ دنیا کی عزت، ایمان اور معرفت سے ہے۔ اور آخرت کی عزت، ملاقات اور مشاہدہ سے ہے۔ یہ خواص کے اعتبار سے ہے۔

لیکن عوام: تو وہ ظاہر کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں۔ دنیا میں بھی۔ اور آخرت میں بھی۔

لیکن وہ رویت (دیدار) جو ان کو جنت میں حاصل ہوگی۔ تو احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انوار قدس میں سے کوئی نور ان کے سامنے ظاہر کر دے۔ اور اس میں ان کو اپنی معرفت کا الہام فرما دے۔ یہ حدیث شریف کا ظاہری مفہوم ہے۔ یا یہ کہ اس وقت ان کو ان کے ظاہر سے فنا کر دے۔ یہاں تک کہ وہ ذات کی حقیقت کا مشاہدہ کر لیں۔ اور اس کے دیدار کا لطف حاصل کر لیں۔ اور پھر ان کو ان کے ظاہری حس کی طرف لوٹا دے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی قائم مخلوقات کے واسطے تمہیں اپنی طرف دیکھنے کا علم اس لئے دیا ہے کہ تمہیں اس کی ذات کے شہود اور اس کی طرف دیکھنے سے تسلی اور اطمینان حاصل ہو۔ کیونکہ عاشق اپنے معشوق کے دیدار کے بغیر بے تاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں واضح کیا ہے

لِمَا عَلِمَ أَنَّكَ لَا تَصْبِرُ عَنْهُ، أَشْهَدَكَ مَا بَرَزَ مِنْهُ

"اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم کیا کہ تم اس کے دیدار کے بغیر صبر نہیں کر سکتے ہو۔ اس وجہ سے اس نے تم کو اپنی مخلوقات کا مشاہدہ کرایا۔ جو اس کی ذات سے نمودار ہوئی ہے۔"

میں کہتا ہوں۔ جب حق سبحانہ تعالیٰ نے اس روح کو جو لطیف اور نورانی ہے۔ اس کی اصل سے جدا کیا۔ اور وہ اپنے وطن سے دور ہو کر غریب الوطن ہو گئی۔ تو وہ اپنے اصلی وطن میں پہنچنے کی مشتاق ہوئی۔ اور اپنے آقائے حقیقی کی محبت کی پیاسی ہوئی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ وہ اس کے دیدار کے بغیر صبر نہیں کر سکتی ہے۔ (یعنی اس کو چین اور سکون نہیں ہوگا) لیکن جب تک روح اس جسم فانی کے قفس میں قید ہے۔ اس کے اندر یہ طاقت بھی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے جلال کے کمال اور اس کے جمال کے نور کے ساتھ دیکھ سکے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ذات کی ان تجلیوں کا مشاہدہ کرایا۔ جو اس کی مخلوقات کے مظاہر اور مصنوعات کے آثار میں ظاہر ہوئیں۔ لیکن چونکہ حسینوں کے لئے نقاب اور سورج کے لئے بدلی لازمی اور ضروری ہے۔ اس وجہ سے جبروت کے انوار ملکوت کے بادلوں میں نمودار ہوئے۔ پھر ان کو ظلمات کی بدلیوں اور قدرت کی نشانیوں نے ڈھانپ لیا۔ تو روح آثار کی بدلیوں کی اوٹ سے اپنی اصل سے عشق رکھنے والی باقی رہ گئی۔ پھر جب بادل چھٹ جائے گا۔ اور حجاب ہٹ جائے گا۔ تو ہر دوست اپنے دوست کی ملاقات کا شرف حاصل کرے گا۔ اور ہر انسان اپنا ٹھکانا اور اپنا مقام پہچان لے گا۔ اس لئے روح نے مخلوق کے پردے کی اوٹ سے حقیقت کے مشاہدہ پر قناعت کر لی۔

حضرت غوث شیخ ابو مدین رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کی طرف اپنے مندرجہ ذیل کلام میں اشارہ فرمایا ہے

اور حضور کے ساتھ نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے پانچ آدمی بھی نہیں پایا۔

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جتنی جگہوں میں مصلین کا ذکر تعریف کے مقام میں کیا گیا ہے۔ تو درحقیقت تعریف کے مقام میں صرف انہی لوگوں کا ذکر آیا ہے، جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ کسی جگہ پر اقامت کے لفظ کے ساتھ ذکر آیا ہے اور کہیں پھر ایسے مفہوم کے ساتھ ذکر ہوا ہے جو اقامت کی طرف لوٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

"جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔"

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ "اے میرے رب! تو مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا" نیز أَقَامُوا الصَّلٰوةَ، وغیرہ اور یہ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ اور نماز کے قائم کرنے والے اور جب غفلت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کا ذکر کیا تو فرمایا۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ "پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ نماز قائم کرنے والوں کے لئے خرابی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں خشوع کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ۔ خوف اور عاجزی اور ذلت کا خشوع ہے۔ اور یہ عابدین و زاہدین کے لئے ہے۔

دوسرا درجہ۔ تعظیم اور ہیبت اور بڑائی کا خشوع ہے۔ اور یہ مریدین سالکین کے لئے ہے۔

تیسرا درجہ۔ خوشی اور سرور اور حضور کا خشوع ہے۔ اور یہ عارفین تمکین والے واصلین کے لئے ہے۔ اور اس مقام کا عنوان و حقیقت (آنکھوں کی ٹھنڈک) ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

پھر تم یہ جان لو۔ کہ جس نماز کے ساتھ خشوع اور حضور نہ ہو، وہ صوفیائے کرام کے نزدیک باطل ہے۔ جس طرح بعض صوفیائے کرام کے نزدیک [illegible] کے لئے

اس کی نماز میں اتنا ہی حصہ ہے جتنے میں اس کا قلب حاضر رہا۔ تو کبھی اس کے لئے اس کی نماز کا چوتھائی حصہ، اور کبھی نصف حصہ، نماز میں اس کے حضور قلب کے اندازے سے ہوتا ہے۔

خشوع، پیدا ہونے میں مدد کرنے والی چیزوں میں سب سے بڑی اور اہم ''دنیا میں زہد'' (ترک دنیا) ہے۔ یہی سب سے بڑی دوا اور اکسیر اعظم ہے۔ اس لئے کہ یہ محال ہے کہ تمہارے پاس ابلیس کی لڑکی ہو اور اس کا باپ اس کو دیکھنے کے لئے نہ آئے۔ تو اخلاص پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک قلب میں خواطر (وسوسے) موجود ہوں۔ اور وسوسے اگر بھی ہوں۔ تو بھی بہت ہیں۔ تو جس شخص کے اندر دنیا کا کچھ حصہ بھی باقی ہے۔ تو بلاشبہ اس کے مطابق وسوسے اس کے دل میں آئیں گے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ تمہارے قلب میں دنیا کا درخت موجود ہو۔ اور تم وسوسوں سے محفوظ رہو۔

اور اس کی مثال جیسے: مثلاً تمہارے قریب باغ میں ایک درخت ہو۔ اس پر چڑیاں جمع ہوتی ہوں۔ اور وہ تم کو اپنی آوازوں سے خوفزدہ اور پریشان کرتی ہوں تو جب تم ان کو پریشان کر کے بھگاتے ہو۔ تو وہ پھر لوٹ آتی ہیں۔ تو وہ ہرگز تم سے اس وقت تک دور نہیں ہوں گی جب تک تم اس درخت کو نہ کاٹ دو گے۔ تو جب تم اس درخت کو کاٹ دو گے ان کی آوازوں سے نجات پا جاؤ گے۔

اسی طرح جب تک دنیا تمہارے ہاتھ میں ہے اور ہاتھ اس سے بھرا ہوا ہے۔ قلب اس کے وسوسوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔ جب تک قلب اس سے نکل نہ جائے۔ اور جب قلب اس سے نکل جائے گا۔ تو وہ اس کی برائیوں اور شرارتوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خشوع کس طرح پیدا ہوگا؟

نیز خشوع پیدا ہونے میں مدد کرنے والی چیزوں میں:۔ قلب اور جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت ہے۔ اور ہمیشہ طہارت (پاکی) کو قائم رکھنا۔ اس لئے کہ ظاہر کو باطن سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے جب ظاہر پاک ہوتا ہے تو باطن بھی پاک ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

نماز کے نتائج وثمرات اور ان کی تعداد

پھر مصنف نے نماز کے نتائج وثمرات (فوائد) اور فضائل کا ذکر کیا ہے۔ ہر نتیجہ اچھے

چاہتا ہے۔ تو اس کو نماز کا الہام کرتا ہے۔ اور نماز کو اس کے لئے محبوب بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کے اندر سے برائیاں اور عیوب مٹ جاتے ہیں۔ تب وہ دوست کی بارگاہ سے، اور قریب کی سرگوشی سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ اور حجاب کے دور ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور شیخ مصنفؒ کے حسب ذیل قول کا بھی مفہوم ہے۔ اور یہ دوسرا نتیجہ ہے۔

دوسرا نتیجہ: حضرت مصنفؒ نے فرمایا: (وَاسْتِفْتَاحٌ لِبَابِ الْغُيُوْبِ) ''اور نماز غیوب کے دروازے کو کھولنا ہے''۔

میں کہتا ہوں:۔ غیوب سے مراد: ملکوت کے اسرار، اور جبروت کے اسرار ہیں۔ اور نماز غیوب کے دروازے کو اس وجہ سے کھولتی ہے کہ وہ ظاہر اور باطن کی پاکیزگی کو شامل ہے۔

حضرت محمد بن علی ترمذی حکیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے موحدین کو ان پنجگانہ نمازوں کی طرف اس لئے بلایا۔ (حکم دیا) تا کہ ان کے اوپر رحمت نازل فرمائے۔ اور ان کے لئے ان نمازوں میں مہمانی کے بہت قسم کے سامان تیار کئے تا کہ بندہ ہر قول اور فعل سے، اللہ تعالیٰ کے عطیات میں سے کچھ حاصل کرے۔ پس افعال، کھانے کی چیزوں کی طرح ہیں۔ اور اقوال پینے کی چیزوں کی طرح ہیں۔ اور نماز: موحدین کا عرش ہے۔ جس کو اللہ رب العالمین اپنی رحمت والے بندوں کے لئے ہر روز پانچ مرتبہ تیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے اندر اغیار کی کثافت باقی نہیں رہتی ہے۔ پھر جب ظاہر، ظاہری طہارت سے اور باطن، حقیقی طہارت سے پاک ہو جاتا ہے۔ تب وہ بارگاہ قدس میں داخل ہونے کا مستحق ہوتا ہے۔ اس وقت اس کو جو پہلا تحفہ دیا جاتا ہے وہ اس کا بارگاہ الٰہی کے دروازے کے قریب ہونا، اور احباب کے خطاب کا پردے کے اوٹ (آڑ) سے سننا ہے۔ پھر احباب کی سرگوشی، اور خطاب کی لذت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔ جو نماز کا تیسرا نتیجہ ہے۔

نماز رب سے مناجات ہے

تیسرا نتیجہ: حضرت مصنفؒ نے فرمایا: (اَلصَّلٰوةُ مَحَلُّ الْمُنَاجَاةِ) ''نماز بندے کی

اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کا مقام ہے۔

میں کہتا ہوں: مناجات کے معنی: احباب کے ساتھ چپکے چپکے بات کرنی ہے۔ (یعنی کانا پھوسی) ۔ تو بندے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرگوشی: تلاوت، اور اذکار کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کے ساتھ سرگوشی: سمجھ، اور معرفت کے دروازے کھلنے، اور تجلیات کے ذریعے کے ساتھ ہوتی ہے۔

صحیح حدیث شریف ہے۔ ''اَلْمُصَلِّی یُنَاجِیْ رَبَّہٗ'' نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔

یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی: قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ. فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، قَالَ تَعَالٰی: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ. فَاِذَا قَالَ: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ. فَاِذَا قَالَ: مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ. فَاِذَا قَالَ: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ھٰذِہٖ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ. فَاِذَا قَالَ: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، اَلْاٰیَۃَ (وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک) قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ھٰذِہٖ لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ) اَلْحَدِیْثُ.

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور میرے بندے کا حصہ وہ ہے جو اس نے سوال کیا۔ تو جب بندہ کہتا ہے۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت و بزرگی بیان کی۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ وہ روز جزا کا مالک ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔ پھر جب بندہ کہتا ہے: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پوری آیت

وَلَا الضَّالِّیْنَ تک۔ ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ ان لوگوں کا راستہ نہیں، جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔ اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یہ میرے بندے کے لئے ہے۔ اور جو میرے بندے نے طلب کیا ہے وہ اس کے لئے ہے (یعنی میں اس کو عطا کروں گا)

پس نمازی ہمیشہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا رہتا ہے۔ اور اس کا قرب طلب کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے قلب میں اس کی طرف سے محبت، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور، مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے پھر محبت جفاء کی کدورتوں سے صاف ہو جاتی ہے اور محبت کرنے والا، اپنے دوست کے ساتھ صفائی کے مقام میں مل جاتا ہے۔ اور مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے جو نماز کا چوتھا نتیجہ ہے۔

چوتھا نتیجہ:۔ حضرت مصنفؒ نے فرمایا (وَمَعْدَنُ الْمُصَافَاةِ) "اور نماز مصافات کی کان ہے"۔

میں کہتا ہوں: معدن: کے معنی ہیں، سونا، چاندی کی کان۔ اور یہاں، اجسام کی کثافت والی ہوئی مٹی کی آلائش سے قلوب و ارواح کو صاف کرنے کی وجہ سے قلوب و ارواح کی صفائی کے لئے استعارہ کیا گیا ہے۔

اور مصافات:۔ ظاہری کی فکر و پریشانی، اور وسوسوں کی کدورت سے مناجات کا خالص ہونا ہے۔ پس مصافات: مناجات سے زیادہ لطیف اور صاف ہے۔

حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَوْتُ مَعَ الْحَبِیْبِ وَبَیْنَنَا سِرٌّ اَرَقُّ مِنَ النَّسِیْمِ اِذَا سَرٰی

"میں (ہر شے سے کنارہ کش ہو کر) دوست کے ساتھ تنہا ہو گیا۔ اور اب ہمارے درمیان نسیم سحری کی لطیف رفتار سے بھی زیادہ لطیف ایک راز ہے"۔

اور یہ بندے کی مصافات اپنے رب کے ساتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مصافات اپنے بندے کے ساتھ، اس کے اوپر حضور کی حالت کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اپنے غیر کے ساتھ

عَجِبَ رَبُّكَ مِنْ قَوْمٍ يُسَاقُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ

"تمہارے رب کو ایسے لوگوں پر تعجب ہے۔ جو زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ یا لے جائے جائیں گے۔"

اور جب نماز کی تعداد گھٹا دی۔ تو اس وجہ سے کہ اسے علم تھا۔ کہ تم اس کے احسان کے محتاج ہو۔ اس نے اپنی امداد (یعنی ثواب) کو بڑھا دیا۔

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

عَلِمَ احْتِيَاجَكَ اِلَى فَضْلِهِ فَكَثَّرَ اِمْدَادَهَا

امداد کا مطلب

"چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم اس کے فضل کے محتاج ہو۔ اس لئے اس نے اپنی امداد (ثواب) کو زیادہ کر دیا۔"

میں کہتا ہوں: امداد سے مراد: وہ اجر ہے جو نماز کے صلہ میں ملتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کو۔ ایک کا صلہ دس مقرر فرمایا۔ تو وہ پانچ بھی ہے۔ اور پچاس بھی ہے۔ ظاہر میں پانچ ہے۔ باطن میں پچاس ہے۔ یعنی ثواب میں پچاس ہے۔ اور اگر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے تو ہر ایک پچیس ہے۔ اور ہر ایک کا درجہ دس ہے۔ لہذا جماعت کے نماز کی تعداد ہر ایک نماز دو سو پچاس ہے۔

(وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ) "اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے"

اور جماعت کی کثرت، اور اس کے کمال سے بھی درجہ مختلف ہوتا رہتا ہے۔ اور حضور دل اور خشوع، اور اپنے نفس سے غائب ہونے، اور حجاب کے اٹھنے کے مطابق درجہ بدلتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

"کوئی شخص نہیں جانتا ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک (نعمامات) ان کے لئے پوشیدہ کر کے رکھی گئی ہے۔ ان کے ان اعمال کے صلے میں جو وہ کرتے تھے۔"

اور مقام کے مرتبے کے مطابق بھی درجہ میں فرق ہوتا رہتا ہے۔ جیسے بیت اللہ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اور امام کے مرتبے کے مطابق بھی درجے میں فرق ہوتا ہے:۔

مَنْ صَلّٰی خَلْفَ مَغْفُوْرٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ "جو شخص کسی بخشے ہوئے شخص کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ لیکن اے فقیر! تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم اس فائدے کی طرف توجہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس شخص کے لئے بہت ہے۔ جو اپنی ہمت اللہ عزوجل کی طرف بلند کرتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:

"مَتٰی طَلَبْتَ عِوَضًا مِنْ عَمَلٍ طُوْلِبْتَ بِوُجُوْدِ الصِّدْقِ فِیْهِ، وَیَكْفِی الْمُرِیْبَ وِجْدَانُ السَّلَامَةِ"۔

"اگر تم اپنے عمل پر بدلہ چاہتے ہو۔ جس میں تم سے صدق طلب کیا گیا ہے تو تم یہ سمجھ لو۔ کہ ملزم کے لئے سزا سے سلامت رہنا ہی کافی ہے"۔

بدلہ کی نیت سے عبادت نہ کی جائے یا صلے کی تمنا بھی چھوڑ دے

میں کہتا ہوں:۔ جب تم سے اعمال صالحہ میں سے کوئی عمل صادر ہو۔ اور تم یہ چاہو کہ اللہ تعالیٰ اس عمل خیر پر تم کو بدلہ دے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے تم سے صدق طلب کیا ہے۔ اور صدق: اخلاص کا سر اور اس کا مغز ہے۔ اور وہ اختیار اور قوت سے بری ہو جانا، اور نفس کا حضور کے ثابت ہونے کے بعد اپنے عمل کے دیکھنے سے بالکل کنارہ کش ہو جانا، اور وسوسوں اور خطروں سے پاک ہو جانا ہے۔ یہاں تک کہ تمہاری نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ اور تم اس نماز میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے غائب ہو جاؤ۔ تمہارا قلب اللہ تعالیٰ کی عظمت سے اس طرح بھر جائے۔ کہ تم اللہ میں اللہ کے ساتھ غائب ہو جاؤ۔ پس اگر یہ امور تمہارے اندر ثابت اور قائم ہو جائیں تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے وہ اجر (بدلہ) طلب کرنا درست ہے۔ جو اس نے عمل پر مرتب فرمایا ہے۔ اور اگر تمہارے نفس میں یہ امور ثابت اور قائم نہیں ہوئے ہیں۔ تو جان لو کہ تمہارا عمل مدخول ہے۔ اس لئے تم اس پر اللہ تعالیٰ سے شرم کرو، کہ تم مدخول عمل کا بدلہ چاہتے ہو۔ پس تمہارے لئے

ہونے کا علم بھی تم کو نہیں ہے؟

جیسا کہ مصنف ؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

لَا تَطْلُبْ عِوَضاً عَلَى عَمَلٍ لَسْتَ لَهُ فَاعِلاً ، يَكْفِي مِنَ الْجَزَاءِ لَكَ إِنْ كَانَ لَهُ قَابِلاً

"تم اللہ تعالیٰ سے ایسے عمل کا اجر نہ چاہو، جس کے کرنے والے تم نہیں ہو۔ تمہارے لئے اس عمل کا یہی اجر کافی ہے کہ وہ قبول ہو جائے"۔

میں کہتا ہوں: اہل حق کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بندہ مختار قالب (ڈھانچہ) کے اندر مجبور ہے۔ اس وجہ سے اس کے لئے کوئی فعل اور اختیار نہیں ہے اور حقیقتاً فعل صرف اللہ واحد قہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ) "تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے"۔ اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام میں فرمایا: (وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○) "اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا۔ اور اس کو بھی جو تم عمل کرتے ہو۔ یعنی تمہارے اعمال اور اللہ تعالیٰ نے تیسری جگہ فرمایا: (وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ○) "تم صرف وہی چاہتے ہو، جو اللہ رب العالمین چاہتا ہے"۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

كُلُّ شَيْءٍ بِقَضَاءٍ وَقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ

"سب چیزیں قضا و قدر کے ماتحت ہیں۔ یہاں تک کہ مجبوری اور خوشی بھی"

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، فَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ، ثُمَّ قَرَأَ۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى اَلْآيَةَ

"ہر شخص آسان یعنی موافق بنا دیا جاتا ہے۔ اس کام کے لئے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا

ہے۔ (یعنی ہر شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ کام اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے) تو جو شخص نیک بختوں میں سے ہے۔ وہ نیک بختوں کے عمل کے لیے موافق بنا دیا جائے گا۔ اور جو شخص بدبختوں میں سے ہے۔ وہ بدبختوں کے عمل کیلئے موافق بنا دیا جائے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى آخر آیۃ لِلْیُسْرٰی تک۔ لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال دیا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا۔ اور نیکی (اسلام) کی تصدیق کی۔ تو ہم اس کو آرام کی جگہ تک جانے کیلئے راستہ آسان بنا دیں گے۔"

تو جب یہ ثابت ہو گیا، تو بندہ ایسے عمل پر جس کا کرنے والا وہ نہیں ہے اجر کی خواہش کیسے کرتا ہے؟ اور عمل کی نسبت بندے کے ساتھ ہونے کی صورت میں بھی عمل کا اجر، عمل کی قبولیت پر موقوف ہے۔ تو تم کو یہ کس طرح معلوم ہوا:۔ کیا تمہارا عمل مقبول ہے، یا نہیں ہے؟ اور اگر اس میں نقص اور خلل کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول کر لے۔ تو اس عمل کو یہی اجر تمہارے لیے کافی ہے۔ تو اگر اس کی پردہ پوشی بہترین نہ ہوتی۔ تو کوئی بھی عمل قابل قبول نہ ہوتا۔ اور اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ معافی اور برداشت کے ساتھ اپنے بندوں پر فضل و کرم نہ فرماتا تو وہ کسی عمل کو ہرگز قبول نہ فرماتا۔ کیونکہ اعمال کی پاکیزگی تقریباً محالات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ) "اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی۔ جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ یعنی جیسا اس کی تعظیم کا حق ہے۔ ویسی تعظیم اس کی نہیں کی"۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا اَمَرَهٗ) "ہرگز نہیں، انسان کو جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ اس کو اس نے پورا نہیں کیا" یعنی انسان کو جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس کو اس نے اس طریقے پر انجام نہیں دیا، جس طریقے پر انجام دینے کا حکم اس نے دیا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں غور کرو:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا

"یہی وہ لوگ ہیں جن سے بہترین عمل کو ہم قبول کرتے ہیں"

اور اللہ تعالیٰ نے "تَقَبَّلُ مِنْهُمْ" نہیں فرمایا۔ کیونکہ من کا تقاضا ہے کہ عمل کامل ہو۔ بلکہ "عَنْهُمْ" فرمایا ہے۔ کیونکہ "عن" تجاوز کا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل میں جو نقص اور خلل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے تجاوز یعنی درگزر فرما کر بہترین جانتا ہے۔ پھر اس کو قبول فرماتا ہے۔ اور اگر اس میں درگزر نہ فرماتا تو وہ بہترین نہ ہوتا۔ پھر قابل قبول نہ ہوتا تو اس کو ان کی جانب سے قبول نہ فرماتا۔ لیکن بخشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کنجوسی نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اپنی عظیم بخشش کی بناء پر جو کچھ اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے سب قبول کر لیتا ہے۔

عمل کا جذبہ اللہ ہی پیدا کرتے ہیں

پس سب تعریفیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ اس نے اس دنیا میں بندے کے اندر عمل پیدا کیا۔ اور پھر ہمارے اندر اس کیلئے انتہائی آرزو اور تمنا عطا کی۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

إِذَا أَرَادَ أَنْ يُظْهِرَ فَضْلَهُ عَلَيْكَ خَلَقَ فِيكَ وَنَسَبَ إِلَيْكَ

"جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنا فضل و کرم ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے تمہارے اندر عمل پیدا کیا اور اس کو تمہاری طرف منسوب کیا"

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے مشیت اور اختیار کے ساتھ فاعل ہے۔

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ

"اللہ تعالیٰ سے جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن وہ لوگ سوال کیے جائیں گے"

یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس کے متعلق حقیقت کے اعتبار سے سوال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان سے اس کے متعلق شریعت کے اعتبار سے سوال کیا جائے گا۔

بندوں کی تین قسمیں ہیں

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تین قسموں میں تقسیم فرمائی ہے۔

پہلی قسم :- وہ لوگ ہیں، جن کو انتقام کیلئے پیدا کیا۔ اس لیے ان کے اندر اپنے اسم پاک "منتقم" اور اسم پاک "قہار" کی تجلی ظاہر کی۔ اور اپنی حکمت کے ساتھ ان کے اوپر نافرمانی کی صورت ظاہر کی، اور اپنے عدل اور قہر کے ساتھ اس کی نسبت ان کی طرف کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ - وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا اَشْرَكُوْا

"اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ لوگ اس کو نہ کرتے۔ اور تمہارا رب چاہتا، تو وہ لوگ شرک نہ کرتے"

پس ان کے اوپر نسبت، اور حکمت کے ظاہر کرنے کے اعتبار سے حجت قائم ہوئی۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

"اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں"

دوسری قسم :- وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے حلم یعنی برداشت کیلئے پیدا کیا تاکہ ان کے اندر اپنے اسم پاک "حلیم" اور اسم پاک "رحیم" کی تجلی ظاہر کرے۔ ان کے اوپر نافرمانی جاری کی۔ اور ان کو ایمان سے آراستہ کیا۔ پس وہ نافرمانی کی بنا پر سزا کے مستحق ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور رحم سے ان کو معاف فرما دیا۔ اور ان کو جنت میں داخل فرمایا:-

تیسری قسم :- وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے بخشش کرنے کیلئے تیار کیا تاکہ ان کے اندر اپنے اسم پاک "کریم" اور اسم پاک "رحیم" کی تجلی ظاہر کرے۔ ان کے اندر طاعت اور احسان کو پیدا کیا اور ان کو اسلام اور احسان کے ساتھ آراستہ کیا۔ اور اکثر اوقات ان کے اندر احسان کے ساتھ مزید تجلی کی۔ پھر ان کو وسیع باغیچہ میں داخل کیا اور ان کو اللہ رحمن کی صورت کی طرف دیکھنے سے شاد کام کیا۔ تو جب اللہ تعالیٰ تم کو ان بزرگوں سے ملانا چاہتا ہے۔ تو تم کو مختلف قسم کی طاعتوں کیلئے تیار کرتا ہے اور تمہارے اندر نیکیاں کرنے کی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔ پھر اس فعل کو تمہاری طرف سے منسوب کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے:- اے میرے بندے! تو نے فلاں نیکی کی ہے۔ تو میں تم کو اس

عمل کی بناء پر اجر دیتا ہوں:- میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اپنے عمل کے ذریعہ ترقی کر کے اپنے مقام پر پہنچ جاؤ۔ اور تمہارا مقام وہی ہے، جہاں تمہارا عمل ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝
انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا

"آپ کے رب کی بخشش سے ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں اور ان کی بھی، اور تمہارے رب کی بخشش کسی کیلئے بند نہیں ہے۔ دیکھئے! ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت دی ہے اور البتہ آخرت درجوں کے اعتبار سے بھی، اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے" اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

"تم لوگ اپنے ان اعمال کے صلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم دنیا میں کرتے تھے"

لہٰذا اے انسان! تمہارے لیے یہ مناسب ہے کہ بادشاہ دیان اللہ تعالیٰ کے ساتھ باادب رہو، اور نقص اور نافرمانی کو اس کی طرف منسوب نہ کرو تم کو صرف تمہارے نفس اور شیطان نے بہکایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ أَيِ الشَّيْطَانُ

"پس تم لوگوں کو دنیا کی زندگی ہرگز دھوکہ نہ دے اور نہ تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھوکہ دینے والا شیطان دھوکہ دے"

پس جو کمال اور خوبی ہو، وہ اللہ بزرگ و برتر کی طرف منسوب کرو اور جو نقصان و نافرمانی ہو، وہ نفس اور شیطان کے رومال میں باندھ دو۔

خیر کی نسبت اللہ کی طرف اور نقصان کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرے

حضرت سہل بن عبداللہ نے فرمایا ہے:- جب بندہ کوئی نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے:- اے رب! تو نے اپنے فضل سے مجھ کو نیک کام میں استعمال کیا۔ اور نیک کام میں تو نے میری مدد فرمائی

اور تو نے نیکی کو میرے لئے آسان کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی تعریف کرتا ہے اور فرماتا ہے:- اے میرے بندے! بلکہ تو نے میری طاعت کی اور تو میرے قریب ہوا۔

اور جب بندہ اپنے نفس کی طرف نظر کرتا ہے اور کہتا ہے:- میں نے عمل کیا اور میں نے اطاعت کی اور میں قریب ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے:-

اے بندے میں نے تجھ کو عمل کی توفیق دی میں نے نیک عمل کیلئے تیری امداد فرمائی اور اس کو تیرے لیے آسان کر دیا۔

اور بندہ جب کوئی برائی کرتا ہے، اور کہتا ہے:- اے میرے رب! تو نے یہ میری تقدیر میں لکھا تھا۔ اور تو نے ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔ اور یہ تیرا ہی حکم تھا۔ تو اللہ عزوجل غصہ میں آ کر فرماتا ہے:- اے میرے بندے! بلکہ تو نے برا کیا، اور تو نے جہالت اور نافرمانی کی اور۔ اور جب بندہ کہتا ہے:- اے میرے رب! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور میں نے برا کیا اور میں نے نادانی کی۔ تو اللہ عزوجل اس کے اوپر توجہ کرتا ہے، اور فرماتا ہے:- اے میرے بندے! یہ فیصلہ میں نے کیا تھا اور یہ میں نے تیری تقدیر میں لکھا تھا۔ جا، میں نے تجھ کو بخش دیا۔ اور تیرے اوپر کرم کیا اور تیرے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائی۔

تو جو عمل اللہ تعالیٰ نے بندے کے اندر پیدا کر کے اس کے ساتھ منسوب کیا اس نسبت کے سبب وہ تعریف اور برائی کا مستحق ہوتا ہے۔

تو اگر بندے میں طاعت پیدا کر کے اس کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ شریعت کی زبان میں تعریف کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے اوپر نافرمانی جاری کر کے اس کے اوپر اس کو پورا کرتا ہے تو وہ شریعت کی زبان میں برائی کا مستحق ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

لَا نِهَايَةَ لِمَسَاوِيكَ إِنْ أَرْجَعَكَ إِلَيْكَ ، وَلَا تَفْرُغُ مَدَائِحُكَ إِنْ أَظْهَرَ جُودَهُ عَلَيْكَ

" تمہاری برائیوں کی انتہا نہیں ہے اگر تم کو تمہاری طرف رجوع کر دے اور تمہاری خوبیاں

اور تعریفیں ختم نہیں ہو سکتی ہیں۔ اگر تمہارے اوپر اپنی بخشش ظاہر کرے۔

جب اللہ کسی کو رسوا کرے تو؟

میں کہتا ہوں:- جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل اور رسوا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کو اس کے نفس، اور اس کی خواہش کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ پھر وہ اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے پھر وہ جو اختیار کرتا ہے اس کا مالک ہو جاتا ہے پھر جب اس پر خواہش غالب ہو جاتی ہے تو اس کو تباہی کے گڈھوں میں گرا دیتی ہے۔

جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:-

تَرْكُ يَوْمًا نَفْسَكَ وَهَوَاهَا سَعْيٌ لَهَا فِي رَدَاهَا

"تمہارے نفس کو ان کی خواہش کے ساتھ ایک دن کیلئے بھی چھوڑنا، اس کی تباہی کی کوشش کرنی ہے"

پس خواہش ذلت کا خلاصہ، اور اس کا سبب ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے:-

لَا تَتَّبِعِ النَّفْسَ فِي هَوَاهَا إِنَّ اتِّبَاعَ الْهَوٰى هَوَانٌ

"نفس کی پیروی اس کی خواہش میں نہ کرو۔ کیونکہ بلاشبہ خواہش کی پیروی رسوائی ہے"

اللہ جب کسی کو عزت دینا چاہے؟

اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عزت دینے، اور اس پر مہربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اوپر اپنی بخشش اور کرم ظاہر فرماتا ہے پھر اس کی سرپرستی اور حفاظت کرتا ہے اور اس کو ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے نفس، اور اس کی خواہش کے ساتھ نہیں چھوڑتا ہے۔

پس اے انسان! تیرے برائیوں کی انتہا نہیں ہے اگر تجھ کو تیرے نفس کی طرف لوٹا دے اور اس کو تیرے اوپر حاکم بنا دے یہ تجھ کو چھوڑ دینے اور اللہ تعالیٰ کی نظر سے تیرے گر جانے کی علامت ہے۔

اور میں ہر نقصان اور وبال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

اور تیری خوبیاں، اور تعریفیں ختم نہیں ہو سکتی ہیں اگر تیرے اوپر اپنی بخشش ظاہر کر دے۔ پھر تجھ کو اپنی حفاظت میں لے لے۔ اور اپنی عنایت سے تیری نگرانی فرمائے۔ اور تم کو تمہارے نفس سے روک دے اور تمہارے اور تمہاری تدبیر اور فکر کے درمیان حائل ہو جائے۔

مولا! مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر

اور حضرت محمد ﷺ کی دعاؤں میں سے یہ دعا ہے:-

إِنْ تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي تَكِلْنِي إِلَى ضَعْفٍ وَعَوْرَةٍ وَذَنْبٍ وَخَطِيئَةٍ وَإِنِّي لَا أَثِقُ إِلَّا بِرَحْمَتِكَ

"اے اللہ! اگر تو مجھ کو میرے نفس کے حوالے کر دے گا تو تو مجھے کمزوری اور محتاجی اور گناہ اور خطا کے حوالے کر دے گا اور میں صرف تیری رحمت پر بھروسہ کرتا ہوں"

حاصل یہ ہے:- کہ اگر تم اپنے رب کے ساتھ وابستہ رہو گے تو تمہاری عزت مکمل ہو جائے گی اور تمہاری تعریف اور خوبی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اور اگر تم اپنے نفس کے ساتھ متعلق رہو گے تو نقص مکمل ہوگا۔ اور تمہاری برائی کی انتہا نہ ہوگی۔

یا تم اس طرح کہو:- جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کے نفس، اور اس کی خواہش کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے اس کے برائیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ نفس کیلئے اتنے ہی عیوب ہیں۔ جتنے اللہ تعالیٰ کیلئے کمالات ہیں۔ اور جس کی سرپرستی اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس پر اپنی بخشش ظاہر فرماتا ہے اور اس کو اس کے نفس کے ساتھ نہیں چھوڑتا ہے اور اس کو اس کے قاعدے سے نکال لیتا ہے۔ اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اس کی خوبیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں ہے اور یہاں اس دنیا میں اس کے مظاہر کے سوا کچھ نہیں ہے تو جس طرح اس کے جلال کی کوئی انتہا نہیں ہے اسی طرح اس کے جمال کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں بارھواں باب ختم ہوا۔

کے ساتھ چھوڑ دے تو تمہارے برائیوں کی انتہا نہ ہوگی۔ اور اگر تم کو تمہارے نفس سے لیلے اور اپنی بخشش اور فضل سے تمہاری سرپرستی فرمائے۔ تو تمہاری خوبیوں کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور وہ کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اس حیثیت سے کہ تم اس کے اولیا میں سے ایک ولی، اور اس کے مقبول دوستوں میں سے ایک دوست ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و کرم سے ان کی جماعت میں شامل فرمائے، آمین۔

پھر اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنی بخشش ظاہر فرمائے اور تمہارے گرد اپنی عطاؤں کو پھیلا دے تو تم اپنی عبودیت کے وصف کے ساتھ قائم، اور اس کی ربوبیت کے وصف کے ساتھ متعلق ہو جاؤ، اور حضرت مصنفؒ نے تیرہویں باب کی ابتداء میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

تیرھواں باب

ربوبیت کے اوصاف کے متعلق ہونے، اور عبودیت کے اوصاف پر ثابت و قائم ہونے، آزادی کے وصف میں، اور اپنی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارے شریک نہ ہونے کے بیان میں

حضرت مصنف نے فرمایا:- كُنْ بِاَوْصَافِ رُبُوْبِيَّتِهٖ مُتَعَلِّقًا وَبِاَوْصَافِ عُبُوْدِيَّتِكَ مُتَحَقِّقًا "اللہ تعالیٰ کے ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ متعلق ہو جاؤ اور اپنی عبودیت کے اوصاف پر ثابت قدمی سے قائم ہو جاؤ"

ربوبیت کے اوصاف

میں کہتا ہوں:- ربوبیت کے اوصاف:- عزت، اور کبریائی، اور عظمت اور غنا، اور قدرت، اور علم ہے اور ان کے سوا وہ تمام کمالات کے اوصاف ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

عبودیت کے اوصاف

اور عبودیت کے اوصاف:- ذلت، اور محتاجی اور عاجزی اور کمزوری اور جہالت ہے اور ان کے علاوہ وہ تمام عیوب ہیں جو بندگی کیلئے مناسب ہیں۔

تعلق باوصاف اللہ

اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ تعلق کی کیفیت یہ ہے کہ تم اپنے تمام معاملات میں اسی سے التجا کرو اور اپنی کل حاجتوں میں اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے ماسوا سب کو چھوڑ دو اور وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ دیکھو کیونکہ اگر تم اس کی عزت، اور کبریائی اور عظمت کی طرف نظر کرو گے تو تم اس کے ساتھ عزت حاصل کرو گے اور اس کے غیر کے ساتھ عزت نہ حاصل کرو گے۔ (یعنی

اس کے غیر کے ساتھ عزت حاصل کرنے کی حاجت اور پرواہ ختم ہوگی ۔ اور تمہاری نظر میں اس کے سوا ہر شی حقیر ہو جائے گی۔ اور جب تم اللہ تعالیٰ کے وصف غنا کی طرف نظر کرو گے تو تم اس کے غنا سے وابستہ ہو جاؤ گے اور اس کے ماسوی سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ اور تم کسی شی کے محتاج نہیں رہو گے۔ اور تم کو اس کے ساتھ ہر شی سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ اور جب تم اللہ تعالیٰ کے وصف قدرت، اور قوت کی طرف نظر کرو گے تو تم اپنی عاجزی اور کمزوری کے حال میں صرف اسی کی قدرت، اور قوت سے التجا کرو گے۔ اور تم ہر شی کو عاجز اور کمزور سمجھو گے اور جب تم اس کے علم کی وسعت، اور اس کے احاطہ کرنے کی کیفیت کی طرف دیکھو گے تو تم اس کے علم ہی کو کافی سمجھو گے اور اس سے مانگنے سے بے نیاز ہو جاؤ گے اور زبان حال سے کہو گے:۔ عِلْمُهُ بِحَالِي يُغْنِي عَنْ سُؤَالِي "اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہونا میرے سوال سے مجھ کو بے نیاز کرتا ہے"

اور اسی طرح اس کے تمام اوصاف اور اسماء حسنہ میں نظر کرو کیونکہ سب کے سب تعلق پیدا کرنے اور ان سے اپنے اخلاق کو آراستہ کرنے اور ان کے ساتھ مضبوطی سے قائم ہونے کے لائق ہیں۔

تخلق باخلاق اللہ

اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ تخلق (اپنے اخلاق کو آراستہ کرنے) کی کیفیت:۔ یہ ہے کہ تم اپنے باطن میں اس کے ساتھ عزیز اور قوی ہو جاؤ گے۔ اور اس کے نزدیک عظیم اور کبیر ہو جاؤ اور اس کے دین میں مضبوط اور اس کی معرفت میں کامل اور اس کے احکام کے عالم ہو جاؤ اسی طرح کل اوصاف سے اپنے اخلاق کو آراستہ کرتا ہے۔ اور اس کا حاصل باطن میں آزادی اور ظاہر میں بندگی کا استعمال کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ کے ساتھ تحقق (ثابت قدمی سے قائم ہونے) کی کیفیت یہ ہے کہ یہ حقیقتیں تمہارے اندر مضبوط اور ان کا وجود تمہارے اندر ثابت اور قائم ہو جائے۔ پس تخلق (اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے اپنے اخلاق کو آراستہ کرنا) مجاہدہ ہے۔ اور تحقق (اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی حقیقتوں میں ثابت اور قائم ہو جانا) مشاہدہ ہے۔ یعنی اس کا وجود اصلی اور فطری ہے۔

تخلق باوصاف العبودیۃ

اور عبودیت کے اوصاف کے ساتھ اپنے اخلاق کو آراستہ کرنے کی کیفیت:۔ یہ ہے کہ ظاہر میں ذلت اور عاجزی کے ساتھ قائم ہونا اس طرح کہ ذلت اور عاجزی تمہارے نزدیک پیشہ اور طبیعت بن جائے جس سے تم کوناگواری نہ محسوس ہو۔ بلکہ اس میں تم کو لذت حاصل ہو اور اس کے ساتھ تم رشک (فخر) کرو اور اسی طرح محتاجی، اور کمزوری، اور جہالت اور عبودیت کے تمام اوصاف اپنے وجود کے ساتھ تمہارے ظاہر میں مضبوطی سے قائم ہو جائیں اس طرح کہ یہ تمہارے نزدیک عزت بن جائے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علیؒ فرماتے تھے:۔ اہل ظاہر بلندی کی حرص رکھتے ہیں کہ کون ان میں اعلیٰ درجہ حاصل کرتا ہے اور اہل باطن عاجزی کی رغبت رکھتے ہیں، کہ ان میں سے کون زیادہ عاجزی وانکساری کرنے والا ہے۔

ربوبیت کے اوصاف اربعہ اور ان کے مقابل

حضرت شیخ زروق ؒ نے فرمایا ہے:۔ ربوبیت کے اوصاف چار ہیں اور ان کے مقابل یعنی مخالف چار اوصاف ہیں وہی عبودیت کے اوصاف ہیں۔

پہلا وصف:۔ غنا (بے نیازی) ہے۔ اس کے مقابلے میں محتاجی ہے۔

دوسرا وصف:۔ عزت ہے اس کے مقابلے میں ذلت ہے۔

تیسرا وصف:۔ قدرت ہے اس کے مقابلے میں عاجزی ہے۔

چوتھا وصف:۔ قوت ہے اس کے مقابلے میں کمزوری ہے۔

اور یہ سب اوصاف لازم ملزوم ہیں اگر ان میں سے ایک وصف پایا جائے گا تو کل اوصاف پائے جائیں گے اور مقابل وصف کا موجود ہونا، اپنے مقابل وصف کے موجود ہونے کیلئے لازم ہے۔

اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیاز ہوتا ہے وہ اس کا محتاج ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ بے نیاز ہوتا ہے۔ یعنی اس کو کافی سمجھتا ہے اور جو شخص اللہ

صرف عظمت کو دیکھتا ہے وہ ربوبیت کی عظمت کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے اور جو شخص مظہر کے ظاہر کو دیکھتا ہے وہ عبودیت کے اوصاف کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور کامل:۔ دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے اس لیے وہ باطن میں ربوبیت کی عظمت کے ساتھ، اور ظاہر میں عبودیت کے اوصاف کے ساتھ قائم ہوتا ہے اس لیے وہ ہر حقدار کو اس کا حق دیتا ہے۔ تو اس کے باطن میں سب عیاں ہوتا ہے اور اس کے ظاہر میں فرق موجود ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر اگر وہ ربوبیت کے اوصاف کو ظاہر کرتا ہے تو وہ اپنی حد سے نکل گیا اور اس نے اپنی قدر کو نہیں پہچانا۔ تب یہ ضروری ہوتا ہے کہ قدرت اس کو تنبیہ کرے اور اسی کی طرف مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

مَنَعَكَ أَنْ تَدَّعِيَ مَا لَيْسَ لَكَ مِمَّا هُوَ لِلْمَخْلُوقِينَ ، أَفَيُبِيحُ لَكَ أَنْ تَدَّعِيَ وَصْفَهُ وَهُوَ رَبُّ الْعَالَمِينَ

"اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ تم اپنے لیے اس چیز کا دعویٰ کرو، جو تمہارے لیے نہیں ہے بلکہ وہ دوسرے مخلوق کیلئے ہے تو کیا وہ تم کو اس کی اجازت دے گا کہ تم اس کے وصف کا دعویٰ کرو حالانکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے"

غیرتِ خداوندی

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ غیرت مند ہے لہٰذا وہ اپنے بندے کیلئے یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ وہ اس کی خصوصیت کے راز کو فاش کرے اور نہ وہ اپنے بندے کیلئے یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اس کی ربوبیت کے اوصاف میں اس کا شریک ہو۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضہ ہے کہ اس نے بشریت کے وصف کو ظاہر کر کے خصوصیت کے راز کو پوشیدہ کیا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو ربوبیت کا راز حقیر اور بے وقعت اور کھلا ہوا ہوتا اور یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ وہ فرماتا ہے:۔

إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ "بیشک آپ کا رب حکمت والا، اور علم والا ہے" اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضہ ہے کہ اس نے ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ خاص کیا اور ہم کو اس کے ظاہر کرنے سے، اور حال اور قول میں اس کے ساتھ موصوف ہونے سے منع کر دیا۔ اور یہ اسی طرح

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلیمی سفر

(تنبیہ) تم یہ جان لو، اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم کرے اور تم کو اپنے اولیائے کرام کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ جب باطن میں نور ذوق قائم ہو جاتی ہے تو ظاہر پر بھی اس کے آثار کا ظاہر ہونا لازمی ہے۔

فَكُلُّ إِنَاءٍ بِالَّذِي فِيهِ يَرْشَحُ

"ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے"

اور فرمانے کے مالک پر خوشی کا ظاہر ہونا لازمی ہے اور وہ شخص خوشی اور سرور سے خالی نہیں ہوتا ہے جیسے کہ ایک شاعر نے فرمایا ہے۔

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَ امْرِئٍ مِنْ خَلِيقَةٍ وَإِنْ خَالَهَا تَخْفَى عَلَى النَّاسِ تُعْلَمِ

"کسی انسان کے اندر جو صفت ہوتی ہے وہ معلوم ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ خیال کرے کہ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہے۔

اسی لیے تم اہل باطن کو ظاہر میں بہت طاقت ور پاتے ہیں اور اسی لیے اکثر اوقات ان سے ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں جو قدرت ان سے نکلواتی ہے۔ لیکن ناواقف ان کی اس حالت پر گمان کرتا ہے کہ یہ صرف دعویٰ اور مشہور ہونے کی کوشش ہے اور در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ در حقیقت باطنی قوت کے آثار ہیں جن کو روکنے کی انہیں قدرت نہیں ہے۔

ان میں سے بعض باتیں نعمتوں کے ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے اور ان میں سے بعض باتیں بندوں کی نصیحت حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہیں تا کہ وہ ان کے حال کو پہچانیں اور ہدایت کی راہ میں ان سے فائدہ حاصل کریں۔

اور اسی ناواقفیت کی بنا پر اہل ظاہر میں سے بہت سے لوگوں نے اور عبودیت میں مشغول رہنے والوں نے یا ظاہری شریعت پر قائم رہنے والوں نے، ان لوگوں نے جن کی صحبت طریقت میں ان کے ساتھ زیادہ دن نہیں رہی ہے۔ اگرچہ وہ بھی کامل ہیں ان لوگوں کو چھوڑ دیا ہے۔

اور اسی نوعیت کا وہ واقعہ ہے، جو حضرت شیخ زروق کو حضرت شیخ ابو المواہب تونسی کے ساتھ پیش آیا۔ جس وقت حضرت شیخ ابو المواہب کی باطنی قوت کے آثار ظاہر ہوئے، یہاں تک کہ

"تم نے محبت میں مجھ سے میری روح کو لے لیا ہے اس لیے جب سے میں نے تم کو پہچانا ہے تمہارے غیر کو نہیں پہچانتا ہوں"

نَسِيتُ كُلَّ طَرِيقٍ كُنْتُ أَعْرِفُهَا إِلَّا طَرِيقًا تُؤَدِّينِي لِرَبْعِكُمْ

"جتنے راستوں کو میں پہچانتا تھا سب کو میں بھول گیا ہوں مگر صرف وہ راستہ جو مجھ کو تمہارے گھر تک پہنچاتا ہے"

فَمَا الْمَنَازِلُ لَوْلَا أَنْ تَحُلَّ بِهَا وَمَا الدِّيَارُ وَمَا الْأَطْلَالُ وَالْخِيَمُ

"اگر تم نہیں ہو تو کیا گھر اور خیمہ اور کیا شہر اور ٹیلے سب برابر ہے"

لَوْ كَانَ مَا شَاقَنِي رَبْعٌ وَلَا طَلَلٌ وَلَا سَعَتْ بِي إِلَى نَحْوِ الْحِمَى قَدَمُ

"اگر تم نہ ہوتے تو مجھ کو کسی گھر یا ٹیلے کا شوق نہ ہوتا اور نہ کسی چراگاہ کی طرف میرے پاؤں چلتے"

اور حضرت شعرانی نے اپنی کتاب "ترجمۃ الطبقات" میں ان کی خصوصیات کے کامل ہونے اور ان کی وراثت کے مکمل ہونے کے دلائل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت شیخ زروق کو حضرت شیخ ابو المواہب کے اسی قسم کے مقولوں (کلاموں) کی بنا پر جو باطنی قوت کے سبب صادر ہوئے ایسا گمان ہوا۔ کیونکہ ان کی صحبت ان کے ساتھ زیادہ دنوں نہیں رہی۔ اور اس کے باوجود جو ان سے حضرت شیخ ابن عباد کے بارے میں صادر ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور عارفین کی اس قوت کے بارے میں جو ہم نے بیان کیا ہے۔ بس وہی لوگ ناواقف ہیں جن کی رسائی ان کے مقام تک نہیں ہوئی ہے اور جو لوگ ان کے مقام تک نہیں پہنچے ہیں ان کیلئے ان کو حق سمجھنا اور ان کی باتوں کو تسلیم کر لینا ہی کافی ہے۔

اور اس قوت کا راز جو عارفین کے اندر ظاہر ہوتی ہے، یہ روح کی طرف سے ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے۔ روح عزت اور قوت کے عالم سے آئی ہے پھر جب وہ اس بدن میں داخل کی گئی تو وہ محجوب اور مغلوب ہو گئی تو اس نے اپنی اصل کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا اور اس نے اصلی عزت اور اصلی قوت کی خواہش کی تو وہ اس سے روک دی گئی۔ تو وہ ذلت اور محتاجی کے دروازے سے داخل ہوئی اور اپنے نفس کی خواہشوں کو ختم کر دیا اس وقت اس کیلئے حجابات ہٹ گئے اور وہ اپنی اصل کی

طرف لوٹ گئی۔ پھر جب وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی تو اسی قوت سے موصوف ہوگئی جو اس کو پہلے حاصل تھی پھر اس کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس قوت کو اپنے باطن میں چھپا کر رکھے تو اس نے ایسا ہی کیا لیکن اکثر اوقات قوت کے غلبے کی وجہ سے اس میں سے کچھ آثار ظاہر پر بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضرت مصنف نے خرق عادات کا بیان قیام عبودیت کے بیان کے بعد ہی فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا:-

كَيْفَ تُخْرَقُ لَكَ الْعَوَائِدُ ، وَأَنْتَ لَمْ تَخْرِقْ مِنْ نَفْسِكَ الْعَوَائِدَ

ترا کے میسر شود ایں مقام

" تمہارے لیے عادتوں کے خلاف کس طرح کیا جا سکتا ہے (یعنی تم کو کرامات کس طرح عطا کی جا سکتی ہیں)؟ جبکہ تم نے اپنے نفس کی عادتوں کو ختم نہیں کیا (یعنی اس کی خواہشات کو فنا نہیں کیا ہے)۔"

میں کہتا ہوں:- عوائد (عادات):- ان تمام چیزوں کو کہتے ہیں جن کا نفس عادی ہو اور ان سے محبت کرتا ہو اور اس کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہو اس طرح کہ اس کا ان کو چھوڑنا دشوار ہو خواہ وہ چیزیں ظلمانی ہوں یا نورانی جیسے فضائل اور کثرت نوافل کی پیروی کی خواہش۔

اور عادات کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم:- عادات حسی ظاہری (محسوس ہونے والی ظاہری عادتیں)۔ دوسری قسم۔ عادات باطنی حقیقی (باطن اور حقیقت کی غیر محسوس عادتیں)۔

پہلی قسم۔ عادات حسی ظاہری کی مثال:- کھانا اور پینا اور سونا اور لباس اور دعوتوں سے مکمل خوب اور اسباب و ذرائع کو اختیار کرنا اور بات چیت، لڑائی جھگڑا، ملامت و شکایت کی زیادتی اور ظاہری محسوس عبادتوں، اور اوراد کے عموم میں مستغرق ہونا وغیرہ ہے۔

دوسری قسم۔ عادات حقیقی باطنی (غیر محسوس) کی مثال۔ مرتبہ و مال اور سرداری کی محبت، اور خصوصیات کی خواہش اور دنیا کی محبت اور تعریف کی خواہش اور جیسے کہ حسد اور کبر اور عجب اور ریا اور مخلوق کی حرص اور محتاجی کا خوف اور روزی کی فکر اور بے رخی اور سخت دلی ہے اور ان کے علاوہ وہ تمام صفات جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

تو جو شخص اپنے نفس سے اس کے ظاہری محسوس عادتوں کو سخت ریاضتوں کے ذریعے فنا کر دیتا ہے اس کیلئے ظاہری محسوس عادتوں کو خلاف ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ (یعنی ظاہری محسوس کرامات عطا کی جاتی ہیں) جیسے ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا اور آواز کا دور تک پہنچنا اور ان کے علاوہ دوسرے ظاہری محسوس کرامات۔

اور جو شخص اپنے نفس سے حقیقی باطنی عادتوں کو فنا کر دیتا ہے اس کیلئے باطنی خرق عادات ظاہر کیے جاتے ہیں۔ (باطنی کرامات عطا کیے جاتے ہیں) جیسے غفلت کے پردوں کا اٹھانا اور قلوب کو پاک کرنا اور حجاب کو دور کرنا اور دروازے کا کھولنا اور عرفان کو ثابت ہونا اور احسان کے مقام کی طرف ترقی کرنا اور یہی اہل العقل کے نزدیک معتبر ہے اور تمام آدمیوں کی خلقت سے یہی مقصود ہے۔

لیکن محسوس خرق عادات یعنی ظاہری کرامات بھی ان لوگوں سے بھی صادر ہوتے ہیں جن کو خصوصیت حاصل نہیں ہوتی ہے جیسے جادوگر اور نظر بندی کرنے والے شعبدے باز۔

ہاں جو شخص دونوں (خرق عادات ظاہری و باطنی) کا جامع ہوتا ہے اس کو دونوں قسم کے کرامات عطا کیے جاتے ہیں۔

تو اے مرید! تم یہ کس طرح چاہتے ہو کہ تمہارے لیے تمہارے نفس کی عادتیں خلاف کر دی جائیں (باطنی کرامات عطا کر دی جائیں) یہاں تک کہ تم کو اپنی بارگاہ قدس میں داخل کر لے۔ حالانکہ تم نے اپنے نفس کی عادتوں کو فنا نہیں کیا ہے اور نفس شہود سے صرف اس وجہ سے حجاب میں ہوا ہے کہ اس وجود کو دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے تو اگر وہ اس وجود کے دیکھنے سے غائب ہو جائے تو البتہ اس کیلئے شہود و معاینت قائم ہو جائے اور نفس کی عادتوں کے فنا کیے بغیر اس وجود کے دیکھنے سے غائب ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور اس شخص کا قصہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جو حضرت ابو یزید کی صحبت میں تیس سال رہا۔ لیکن اس کو کچھ ذوق حاصل نہیں ہوا۔ تو حضرت ابو یزید نے اس سے فرمایا:۔ اگر تم اسی طرح تین سو سال نماز پڑھتے رہو تو بھی تم کو کچھ ذوق حاصل نہ ہوگا کیونکہ تم اپنے نفس کے ساتھ محجوب ہو پھر اس سے فرمایا۔ تم اسی وقت حجام کے پاس جاؤ اور اپنے سر اور داڑھی کو منڈوا دو اور یہ لباس اتار دو اور ایک عبا پہن لو اور اپنی گردن میں ایک جھولی لٹکا لو اور اس میں اخروٹ بھر لو اور اپنے گرد بچوں کو جمع

کرلو اور بلند آواز سے پکار کر کہو:- اے بچو! جو مجھ کو ایک تماچہ مارے گا میں اس کو اخروٹ دوں گا۔ اور اسی حالت پر تم بازار میں جاؤ۔ یہاں تک کہ تم کو تمہارے سب جاننے والے دیکھیں۔ پھر اس سر فرمایا:- کسی شخص کیلئے غیب کے ان اسرار میں جو عام لوگوں سے پوشیدہ ہیں حرص کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نفس مر جائے اور عوام کی عادتیں فنا ہو جائیں اور جب تم ایسا کرو گے تو اس وقت تمہارے لیے خرق عادات (کرامات) اور فوائد ظاہر ہوں گے۔ اور خمول کے باب میں حضرت غزالی، حضرت ششتری اور حضرت مجذوب اور ان کے علاوہ دوسرے عارفین کے قصے بیان کیے جا چکے ہیں۔ جنہوں نے نفس کی عادتوں کو فنا کیا تو ان کیلئے خرق عادات، اور فوائد ظاہر ہوئے اور لیکن جو شخص اپنے نفس کی عادتوں کے ساتھ باقی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس سے لطف حاصل کرنے کی حرص نہ کرنی چاہیے۔

حضرت شیخ ابوالمواہبؒ نے فرمایا ہے:- جو شخص جلال کے ذریعے باادب ہونے سے قبل جمال کے شہود کا دعویٰ کرتا ہے اس کو چھوڑ دو وہ دجال ہے۔ اور نفس کیلئے اس کی عادتوں کے خلاف کرنے سے بڑا کوئی جلال نہیں ہے جیسے عزت کے خلاف ذلت، اور غنا کے خلاف محتاجی اور مرتبہ کے خلاف گمنامی اختیار کرنا اور اس کے سوا دوسری عادتیں۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے:- اے اللہ تعالیٰ تو نے صوفیائے کرام کی جماعت پر ذلت کا فیصلہ کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے عزت پائی اور تو نے ان کیلئے گم ہونے کا فیصلہ کیا، یہاں تک کہ انہوں نے پالیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت پانے میں حرص کی گنجائش نہیں ہے جب تک اس کیلئے ذلت ثابت نہ ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنا حاصل ہونے میں حرص کی کوئی گنجائش ہے جبتک اس کے ماسویٰ سے گم ہونا ثابت نہ ہو۔

سچا صوفی

حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ نے فرمایا ہے:- سچے صوفی کی پہچان یہ ہے کہ وہ دولتمند ہونے کے بعد محتاج ہو جائے اور عزت والا ہونے کے بعد ذلیل ہو جائے اور مشہور ہونے کے بعد گمنام ہو جائے۔

پس یہ سب خبر ... نفس کی عادتوں کی مخالفت خصوصیت کے ثابت ہو

قائم ہونے کیلئے شرط ہے اس لیے اگر کوئی شخص نفس کی عادتوں کے خلاف کیے بغیر خصوصیت کا دعویٰ کرتا ہے وہ بہت بڑا جھوٹا ہے ، جیسا کہ ابو المواھب ؒ کے قول میں گزر چکا ہے ۔ اور ہمارے شیخ الشیوخ ؒ نے اپنے بعض احباب کو خط لکھا :- اگر تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تمہارے اعمال پاکیزہ ، اور تمہارے احوال پسندیدہ ہوں تو نفس کی عادتوں کو کم کرو کیونکہ وہ فائدہ کو روکتی ہیں ۔

اور میں نے حضرت شیخ الشیوخ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :- جملہ عادات میں سے فضائل کی تلاش اور نوافل کی کثرت ہے کیونکہ وہ قلب کو پراگندہ کرتی ہے ۔ مرید کو چاہیے کہ صرف ایک ذکر اور ایک عمل اپنے اوپر لازم کرے جو اس کیلئے مناسب ہو ۔

نفس خرق عادات :- عادتوں کو اس کی ضد (مخالف) سے تبدیل کرتا ہے جیسے کھانے اور سونے کی زیادتی کو بھوک اور بیداری سے تبدیل کرنا اور جیسے لباس کی زیادتی کو لباس کی کمی سے یا موٹے کپڑے مثلاً گدڑی وغیرہ سے تبدیل کرنا اور جیسے لوگوں سے میل ملاپ کو گوشہ نشینی سے اور اسباب و ذرائع کو ترک سے اور گفتگو کو خاموشی سے اور بد خلاقی کو خوش اخلاقی سے تبدیل کرنا اور جیسے کہ مرتبہ اور سرداری کی محبت کو ذلت اور گمنامی سے اور لوگوں کے نزدیک مرتبہ کے گرنے سے تبدیل کرنا اور دنیا کی محبت کو ترک دنیا سے تبدیل کرنا اور جیسا کہ برے اوصاف سے اپنے آپ کو پاک کر کے بہترین اوصاف سے آراستہ کرنا ۔ تو جب مرید ان امور پر ثابت قدمی سے قائم ہو جاتا ہے تو اس کیلئے خرق عادات ظاہر کیے جاتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ موافقت نہیں ، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت حاصل ہو جاتی ہے ۔ تب اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے ۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

"اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ دشوار نہیں ہے ۔" اور باطنی عادتوں کی مخالفت کیلئے ایسے شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے جو حقیقت اور شریعت کا جامع ہو جو تم کو اپنی ہمت سے اٹھائے اور گرنے سے بچائے اس لیے کہ جب تم اپنے نفس کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے تو شیخ کی ہمت تم کو سنبھالے گی اور قدرت تمہاری مدد کرے گی تو تم اس کو ایک ہی وار میں فنا کر دو گے ۔

لیکن جب تمہارا کوئی شیخ نہ ہوگا تو جب تم نفس کو مارو گے تو وہ پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ لوٹے گا اور زندہ نفس نہیں مرتا ہے۔ مگر مردوں کے ہاتھ سے یعنی ان شیوخ کے ہاتھ سے جن کے نفوس مردہ ہو چکے ہیں جیسا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا ہے۔ یہ طریقہ مجرب ہے۔ وباللہ التوفیق۔

وصل یار مگر آرزو کی بات نہیں!

اور باطنی خرق عادات:۔ یعنی حجابات کا اٹھنا اور محبوب کا مشاہدہ کرنا:۔ صرف طلب (خواہش) سے حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ ادب کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اس کے ذرائع میں کوشش کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس سے آگاہ فرمایا ہے۔

لَيْسَ الشَّانُ وُجُوْدَ الطَّلَبِ، إِنَّمَا الشَّانُ أَنْ تُرْزَقَ حُسْنَ الْأَدَبِ

"طلب کا موجود ہونا کچھ شان نہیں بلکہ درحقیقت شان یہ ہے کہ تم کو حسن ادب کی توفیق دی جائے۔

میں کہتا ہوں:۔ اس کتاب کے پہلے باب میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ اہل عقل محققین کے نزدیک کل طلب:۔ مدخول ہے یعنی اس میں فساد شامل ہے کیونکہ غضب کرنے کی خواہش نفس کے موجود ہونے اور حس ظاہر کے ساتھ ٹھہرنے سے ہوتی ہے اس لیے کہ محقق عارف کیلئے کوئی کی حاجت باقی نہیں رہتی ہے جس کو وہ طلب کرے۔ کیونکہ اس کو غناء اکبر (بہت بڑی بے نیازی دولت) حاصل ہو چکی ہے اور وہ اپنے مولائے حقیقی کی طرف سے بہت بڑا منصب پانے میں کامیاب ہو چکا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ماسوا سے غائب ہوتا ہے تو تم نے جو کچھ پایا ہے۔ اگر وہ گم ہو جائے تو طلب کی صورت کو پایا جانا کچھ شان نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت شان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر مقصد سے بے نیاز ہو جاؤ اور تم کو اس کے ساتھ حسن ادب اور اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ ٹھہرنے کی توفیق عطا کی جائے۔

آداب کی تین صورتیں

حضرت شیخ زروق نے فرمایا ہے: ادب کی تین صورتیں ہیں:

چودھواں باب

حضرت مصنفؒ نے اسی احسان اور فضل و کرم کو چودھویں باب کی ابتداء میں بیان فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، بہترین ساتھی، یقین کے نور، مخلوق کی حیثیت حجاب کی حقیقت کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا

لَوْلَا جَمِيْلُ سَتْرِهٖ لَمْ يَكُنْ عَمَلٌ اَهْلًا لِلْقَبُوْلِ

اگر اللہ تعالیٰ کی بہترین پردہ پوشی نہ ہوتی تو کوئی عمل قبول کرنے کے لائق نہ ہوتا۔

میں کہتا ہوں: اس لئے کہ وہی عمل قبول کرنے کے لائق ہوتا ہے۔ جس میں قبولیت کے لوازمات کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور قبولیت کے لوازمات: اخلاص کا سر اور اتباع کی وجہ کی حضوری اور اپنے اختیار اور قوت سے بری ہونا ہے۔ اور یہ بہت ہی کم ہوتا ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اپنی بہترین پردہ پوشی سے ہمارے اوپر فضل و کرم نہ فرماتا اور اپنے عظیم لطف و احسان سے ہمارے عیوب کو نہ ڈھانپتا تو کوئی عمل قبول کرنے کے لائق نہ ہوتا۔ لیکن وہ اللہ محسن و رحیم ہے جس نے ہم کو اعمال کی توفیق عطا کرنے کے احسان فرمایا۔ اور پھر اس کو قبول کرکے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر احسان فرمایا۔ ایک عارف نے فرمایا ہے: یہاں صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور ہم اس کی

پردہ پوشی میں زندگی گزارتے ہیں۔ اگر پردہ اٹھادیا جائے تو بہت بڑا معاملہ (فساد) برپا ہو جائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ ۔ بیچارہ آدم کی اولاد، ایک معیوب جسم اور معیوب قلب کا مجموعہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ان دو معیوب چیزوں سے بغیر عیب کا عمل کرکے نکل جائے (لیکن یہ ممکن نہیں ہے)

میں کہتا ہوں ۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا

یہی وہ لوگ ہیں۔ جن سے بہترین عمل کو قبول کرتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے " عَنْهُمْ " فرمایا۔ کیونکہ " عن " تجاوز پر دلالت کرتا ہے۔ " مِنْهُمْ " نہیں فرمایا کیونکہ " من " عمل کو اس کا تقاضا کرتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَجَاوَزُ عَنْهُمْ فِيْ اَعْمَالِهِمْ فَنَتَقَبَّلُهَا مِنْهُمْ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن سے ان کے اعمال میں ہونے والے نقائص سے ہم تجاوز کرتے ہیں۔ (نظر انداز کرتے ہیں) پھر ان اعمال کو ہم ان کی طرف سے قبول کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اَعْلَمُ

حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے :۔

اَلْبَلَاءُ وَالْهَوٰى وَالشَّهْوَةُ مَعْجُوْنَةٌ بِطِيْنِ اٰدَمَ

مصیبت ، خواہش اور شہوت آدمی کی مٹی میں ملائی ہوئی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے :۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ

ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفے سے پیدا کیا۔ تاکہ ہم اس کی آزمائش کریں۔

پس انسان کی تخمیر میں بلا ، خواہش اور شہوت ملائی ہوئی ہے۔ تو آدمی انہیں سے مرکب ہے۔ لہذا یہ تینوں اس وقت تک انسان کے ساتھ لازم رہتی ہیں، جب تک اس کی بشریت قائم رہتی ہے۔ پھر جب بشریت ظاہری یا معنوی طریقے پر زائل ہو جاتی ہے۔ تو نطفہ کا حکم باقی نہیں رہتا ہے بلکہ روحانی روح کا حکم اس کے اوپر صادر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى :- أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ أَجْلِي

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- میں اُن کے قریب ہوں۔ جن کے قلوب میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔
اور جس شخص کے قریب اللہ تعالیٰ ہو۔ وہ اپنے ہزار طاعت کرنے والے سے بڑھ کر ہے۔ جن کے لئے اُن کی طاعت ، اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا سبب بنتی ہو۔

بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی :- میرے سچے بندوں سے کہہ دیجئے :- وہ دھوکا نہ کھائیں۔ کیونکہ اگر میں اُن پر اپنا عدل اور انصاف قائم کروں گا۔ تو میں اُن کو اُن کے اوپر ظلم کئے بغیر عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔

اور میرے خطا وار بندوں سے فرما دیجئے :- وہ میری رحمت سے نا امید نہ ہوں۔
کیونکہ میرے لئے کوئی گناہ اتنا بڑا نہیں ہے۔ (کہ میں اُس کو معاف نہ کر سکوں)
میں اُن کو بخش دوں گا۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے :- گناہ کے لئے ایک مرتبہ توبہ کافی ہے لیکن طاعت کے لئے ہزار مرتبہ توبہ کی ضرورت ہے۔
اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے تھے اور ایسا صرف گناہ کی حالت میں امت کو تعلیم دینے کے لئے کرتے تھے۔
ورنہ حضرت نبی مختار ﷺ کے لئے اطاعت اور گناہ سے استغفار کی کوئی ضرورت نہ تھی۔
اور چونکہ نافرمانی ، ذلت اور محتاجی کا سبب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لہذا بندگی کے مقام سے زیادہ قریب ہے اور طاعت ، عزت اور بلندی کا سبب ہے۔ اس لئے تم اللہ تعالیٰ کی معافی اور برداشت کے زیادہ محتاج ہو۔

چونکہ لوگ معصیت میں ، یا معصیت سے ، پردہ پوشی ، اُس نتیجہ کے خوف سے چاہتے ہیں۔ جو معصیت سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس کی وضاحت فرمائی ہے :-

السَّتْرُ عَلٰى قِسْمَيْنِ : سَتْرٌ عَنِ الْمَعْصِيَةِ ، وَ سَتْرٌ فِيْهَا ، فَالْعَامَّةُ يَطْلُبُوْنَ السَّتْرَ مِنَ اللهِ فِيْهَا خَشْيَةَ سُقُوطِ مَرْتَبَتِهِمْ عِنْدَ الْخَلْقِ ، وَالْخَاصَّةُ يَطْلُبُوْنَ مِنَ اللهِ السَّتْرَ عَنْهَا

خَشْيَةَ سُقُوْطِهِمْ مِنْ نَظَرِ الْحَقِّ

پردہ پوشی دو قسم کی ہے:۔ ایک قسم:۔ معصیت سے پردہ پوشی ہے اور دوسری قسم:۔ معصیت میں پردہ پوشی ہے۔

پس عوام:۔ معصیت میں مبتلا ہونے کی حالت میں، مخلوق کے نزدیک اپنے مرتبہ سے گرنے کے خوف سے، اللہ تعالیٰ سے پردہ پوشی چاہتے ہیں۔

اور خواص:۔ اللہ تعالیٰ کی نظر سے اپنے گرنے کے خوف سے معصیت سے محفوظ رہنے کے لئے، اللہ تعالیٰ سے پردہ (حفاظت) چاہتے ہیں۔''

میں کہتا ہوں:۔ ستر:۔ کے معنی حفاظت کرنا اور ڈھانپنا ہیں اور وہ ظاہر میں:۔ ان آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرتا ہے جو بندے کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں۔ اور باطن میں:۔ رسوائی اور غضب و ناراضی اور مرتبہ کے گرنے سے بچاتا ہے۔

اور پردہ معصیت کے اعتبار سے دو قسم کا ہے۔

پہلی قسم:۔ وہ ہے۔ جو معصیت کے اندر واقع ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے معصیت کرنے والا رسوا نہیں ہوتا ہے۔

دوسری قسم:۔ وہ ہے جو معصیت سے واقع ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے بندہ معصیت میں مبتلا نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ معصیت کرنا چاہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی اس کے شامل ہوتی ہے۔

پس عوام:۔ معصیت میں مبتلا ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے پردہ پوشی چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ مخلوق کی نظر سے گر نہ جائیں۔ لہذا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہیں:۔

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ

'' وہ لوگ آدمیوں سے چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔''

وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ

اشیاء اُن کے نزدیک ایک شی ہو گئی ہیں۔اور وہ ایک کے شہود میں ہر ایک سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔
اس لئے وہ یہ دیکھتے ہیں۔کہ قدرت کی اصل سے کیا ظاہر ہوتی ہے۔پھر وہ قبول اور رضا کے ساتھ
اُس کا استقبال کرتے ہیں۔پھر اگر وہ طاعت ہوتی ہے۔تو اُس میں احسان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔
اور اگر وہ معصیت ہوتی ہے تو اُس میں قہریت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔اور اُس میں اللہ تعالےٰ کے
ساتھ توبہ اور عاجزی کے ذریعے حضرت نبی مختار ﷺ کی شریعت کے ادب کو قائم رکھتے ہوئے
باادب رہتے ہیں۔

ان تینوں مقامات کے بارے میں امت کو تعلیم دینے کے لئے احادیث شریف وارد
ہوئی ہیں۔چنانچہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گناہوں پر اور گناہوں سے حفاظت کیلئے
اور اللہ تعالیٰ کے احکام قہریہ کے سامنے رضا و تسلیم کے مقام کو طلب کرنے کے لئے دعا فرمائی۔یہ
سب دعائیں حدیث کی کتابوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔اس لئے ہم انھیں طویل ہونے کے خوف سے
بیان نہیں کرتے ہیں۔

پھر جب اللہ تعالےٰ تمہارے عیوب اور گناہوں کو چھپا دے اور لوگ تمہاری طرف تعظیم و
تکریم اور بزرگی کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔تو تم اپنے اوپر اللہ تعالےٰ کے احسان کو پہچانو۔اور تم اس کو
فی الحقیقت اللہ تعالےٰ کی طرف سے سمجھو۔

کیا تم قابل تعریف ہو یا وہ مقدس ذات ، جس نے تمہارے عیوب اور گناہوں کی
پردہ پوشی فرمائی؟ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے۔

مَنْ اَكْرَمَكَ فَاِنَّمَا اَكْرَمَ فِيْكَ جَمِيْلَ سَتْرِهٖ ، فَالْحَمْدُ لِمَنْ سَتَرَكَ لَيْسَ الْحَمْدُ لِمَنْ
اَكْرَمَكَ وَ شَكَرَكَ

"جس شخص نے تمہاری عزت اور تعظیم کی تو حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اندر صرف اللہ تعالےٰ کی
بہترین پردہ پوشی نے عزت اور تعظیم پیدا کی۔اس لئے سب تعریفیں اسی ذات پاک کے لئے سزاوار
ہیں۔جس نے تمہاری پردہ پوشی فرمائی۔اس کے لئے کوئی تعریف نہیں ہے۔جس نے تمہاری عزت
اور تعظیم کی اور تمہارا شکر ادا کیا۔"

میں کہتا ہوں:- جب اللہ تعالیٰ اپنی نگرانی کے ساتھ تمہاری حفاظت کی سرپرستی فرمائے اور اپنے مہربانی کے پردے سے تمہاری برائیوں کو چھپا دے۔ پھر تمہارے وصف کو اپنے وصف سے ڈھانپ دے۔ پھر تمہاری طرف لوگ عزت اور تعظیم اور بزرگی کے ساتھ متوجہ ہوں۔ تو تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچانو۔ اور اپنے نفس کے دیکھنے سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ کیونکہ جس نے تمہاری عزت و تعظیم کی تو حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اندر صرف اللہ تعالیٰ کی بہترین پردہ پوشی نے عزت و تعظیم پیدا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا

"اور اگر تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تم لوگ شیطان کی پیروی کرتے۔"

(وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا)

"اور اگر تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو تم لوگوں میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا۔"

اس لئے درحقیقت سب تعریفیں صرف اسی ذات پاک کے لئے سزاوار ہیں۔ جس نے تمہاری پردہ پوشی فرمائی۔ شکر اس کے لئے جس نے تمہاری تعظیم کی۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے عیبوں اور گناہوں میں سے ایک ذرہ بھی لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتا۔ تو سب لوگ تمہارے دشمن ہو جاتے۔ اور تم سے نفرت کرتے۔ لہٰذا تم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ کہ اس نے تمہارے اوپر اپنا فضل و کرم نازل فرمایا۔ اور ان عیبوں اور گناہوں سے جو تمہارے لئے طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سبب ہوتیں۔ تمہاری پردہ پوشی فرمائی۔

حضرت شیخ زروق نے فرمایا ہے:- اگر گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی تو تم مطیع و فرماں بردار نہ ہوتے۔ اور اگر گناہوں کے اندر اس کی پردہ پوشی نہ ہوتی تو تم مخلوق کے نزدیک ذلیل و خوار اور ان کے درمیان نفرت و عداوت کے ساتھ مخصوص ہوتے۔

(... نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ)

اگر میرے عیب کی لعنت میرے شامل حال نہ ہوتی تو میں حاضر کیے گئے لوگوں میں ہوتا۔

پس کل مخلوق آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کی وجہ سے معاملہ کرتی ہے۔

اور اگر اس کا بندہ اس کی پردہ پوشی سے خالی (باہر) ہو جائے تو لوگوں میں اس کا سب سے زیادہ محبت کرنے والا، اس کا سب سے بڑا دشمن بن جائے۔ اور مخلوق میں اس کا سب سے بڑا شفیق و مہربان دوست اس کو تکلیف پہنچانے لگے۔ اور مخلوق میں اس کے لئے سب سے بڑا رحم دل اس کو ہلاک کر دے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے جنہوں نے یہ اشعار فرمائے ہیں:۔

يَظُنُّوْنَ بِيْ خَيْرًا وَّ مَابِيْ مِنْ خَيْرٍ　　وَلٰكِنَّنِيْ عَبْدٌ ظَلُوْمٌ كَمَا تَدْرِيْ

" لوگ مجھ کو نیک آدمی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ میرے اندر کوئی نیکی نہیں ہے۔ بلکہ میں ایک ظالم (گنہگار) بندہ ہوں۔ جیسا کہ اے اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔"

سَتَرْتَ عُيُوْبِيْ كُلَّهَا عَنْ عُيُوْنِهِمْ　　وَاَلْبَسْتَنِيْ ثَوْبًا جَمِيْلًا مِنَ السَّتْرِ

" تو نے میرے کل عیوب کو لوگوں کی آنکھوں سے چھپا دیا ہے اور تو نے مجھ کو پردہ پوشی کا بہترین کپڑا پہنا دیا ہے۔"

فَصَارُوْا يُحِبُّوْنِيْ وَ مَا اَنَا بِالَّذِيْ　　يُحَبُّ ، وَلٰكِنْ شَبَّهُوْنِيْ بِالْغَيْرِ

" اس لئے مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ میں ان لوگوں سے نہیں ہوں۔ جن سے محبت کی جاتی ہے۔ لیکن مجھ کو لوگوں نے دوسرے (نیک لوگوں) کے مشابہ سمجھ لیا ہے۔"

فَلَا تَفْضَحَنِّيْ فِي الْقِيَامَةِ بَيْنَهُمْ　　وَكُنْ لِّيْ يَا مَوْلَايَ فِيْ مَوْقِفِ الْحَشْرِ

" لہذا تو مجھے قیامت کے دن ان لوگوں کے سامنے رسوا نہ کرنا اور میرے مولا حشر کے میدان میں تو میرے لئے ہو جا۔"

اور جب اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت نبی کریم ﷺ کی تکلیف اچھا ہو گئی۔ تو آپ

نے صرف اتنا فرمایا :-

لَا غِنٰی لِی مِنْ عَافِیَتِكَ ، عَافِیَتُكَ اَوْسَعُ لِی

میرے لئے تیری عافیت سے بے نیازی نہیں ہے۔ تیری عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔"

اور نعمتوں کی حالت میں مخلوق کے دیکھنے میں تقسیم کا بیان عنقریب آئے گا۔ نیز یہ کہ آدمی تین قسم کے ہیں :-

پہلی قسم :- عوام ہیں :- یہ لوگ صرف مخلوق کو دیکھتے ہیں۔

دوسری قسم :- خواص ہیں :- یہ لوگ صرف خالق کو دیکھتے ہیں۔

تیسری قسم :- خواص الخواص ہیں :- یہ لوگ مخلوق کے اندر خالق کو اور واسطے کے اندر موسوط کو دیکھتے ہیں۔ تو یہ لوگ ہر مستحق کو اس کا حق عطا کرتے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب اس کا بیان وضاحت کے ساتھ آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اور جب تم کو یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ تمہاری عزت و تکریم اسی مقدس ذات نے کی ہے جس نے تمہارے عیوب کو چھپایا اور تمہاری برائیوں کو اس کی ہر پوشیدگی کا علم رکھتے ہوئے ڈھانپ لیا۔ تو تم اس کو اپنا ساتھی بناؤ۔ اور اس کے مراقبہ میں رہو۔ اور لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

مَا صَحِبَكَ اِلَّا مَنْ صَحِبَكَ وَ هُوَ بِعَيْبِكَ عَلِيْمٌ ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ اِلَّا مَوْلَاكَ الْكَرِيْمُ

" تمہارا ساتھی کوئی نہیں ہے۔ مگر وہ ذات پاک ، جو تمہارے عیب کا علم رکھتے ہوئے بھی ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ صرف تمہارا مولائے کریم اللہ تعالیٰ ہے۔"

میں کہتا ہوں :- جب تم نے یہ معلوم کر لیا۔ کہ تمہارا کوئی ساتھی تمہارے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں ہے تو تم اس کی صحبت کی حقیقت کو پہچانو۔ اور اپنے ظاہر و باطن میں اس کے ساتھ ادب اختیار کرو۔ اور تم اس سے شرم کرو۔ کہ وہ تم کو کسی ایسے حال میں دیکھے۔ جس سے اس نے تم کو منع فرمایا ہے۔ یا جس طریقے کا اس نے تم کو حکم دیا ہے۔ اس طریقے پر تم کو نہ پائے۔

اللہ سے شرم کرو!

حدیث شریف میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب کرامؓ سے فرمایا:-

اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ ، قَالُوْا :- اِنَّا نَسْتَحْیِي وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ، قَالَ لَھُمْ :- اَلْحَیَاءُ مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ ، اَنْ تَحْفَظَ الرَّاْسَ وَمَا حَوٰی ، وَالْبَطْنَ وَمَا وَعٰی ، وَ تَذْکُرَ الْقَبْرَ وَالْبِلٰی ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدِ اسْتَحْیَا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ

" تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایسا شرم کرو۔ جیسا کہ شرم کرنے کا حق ہے۔ صحابہ کرامؓ نے کہا:- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ، ہم لوگ شرم کرتے ہیں۔ آں حضرت نے اُن لوگوں سے فرمایا - اللہ تعالیٰ سے شرم جیسا کہ شرم کرنے کا حق ہے ، یہ ہے۔ کہ تم اپنے سر کی ، اور اُن اعضا کی ، جو سر میں شامل ہیں (زبان ، آنکھ ، کان) حفاظت کرو ، اور اپنے پیٹ کی ، اور اُن اعضا کی جو پیٹ سے متعلق ہیں (شرمگاہ) حفاظت کرو۔ اور قبر کو اور بوسیدگی کو یاد رکھو۔ پس جس شخص نے ایسا کیا۔ تو اُس نے اللہ تعالیٰ سے ایسا شرم کیا۔ جیسا کہ شرم کرنے کا حق ہے۔"

پس وہ ساتھی جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے۔ وہی ہے۔ جو تمہارے عیوب کا علم رکھتے ہوئے بھی تمہارے ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ تکلف ، اور ریا ، اور بناوٹ سے سلامت رہنے کی دعوت دیتا ہے ، اور وہ تمہارے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ جو تمہارے پوشیدہ عیوب کا عالم ، اور تمہارے خفیہ و علانیہ سے آگاہ ہے۔ اگر تم اُس کی نافرمانی کرتے ہو۔ تو تمہاری پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اور اگر تم اُس سے معذرت (توبہ) کرتے ہو۔ تو وہ تمہاری معذرت کو قبول فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ

" بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانوں ، اور اُن کے مالوں کو خرید لیا ہے۔"

باوجود یہ کہ کل (جان و مال ، اور سب کچھ) اُسی کی ملکیت ہے۔

بیان کیا گیا ہے:- اس قول میں تین حکمتیں ہیں۔

ہیں۔ وہ پوشیدہ نہیں ہیں۔ وہ صرف انہیں لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سے دور رکھنا چاہتا ہے۔

اور عطا کے بعد سلب سے (بخشش کے بعد اس کے چھن جانے سے)، اور بری قضا سے، اور دشمنوں کی ہنسی سے، اور بیماری کی سختی سے، اور امید کی ناکامی سے، اور نعمت کے زوال سے، اور سزا کے اچانک آجانے سے، میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

عارفین کی صحبت کا فائدہ

پھر مصنفؒ نے عارفین کی صحبت کا فائدہ بیان فرمایا۔ اور وہ یقین کا حاصل ہونا ہے۔

چنانچہ فرمایا:۔

(لَوْ اَشْرَقَ لَکَ نُوْرُ الْیَقِیْنِ لَرَاَیْتَ الْاٰخِرَۃَ اَقْرَبَ اِلَیْکَ مِنْ اَنْ تَرْحَلَ اِلَیْھَا وَلَرَاَیْتَ مَحَاسِنَ الدُّنْیَا قَدْ ظَھَرَتْ کِسْفَۃُ الْفَنَاءِ عَلَیْھَا)

"اگر تمہارے اندر یقین کا نور روشن ہو جائے۔ تو تم آخرت کو اس کی طرف سفر کر کے پہنچنے سے اپنے زیادہ قریب پاؤ گے۔ اور تم دنیا کی خوبیوں کو اس طرح دیکھو گے۔ کہ ان کے اوپر فنا کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ یقین:۔ ایسا علم ہے جس میں وہم کی مزاحمت، اور شک کی آمیزش نہ ہو اور اس کے ساتھ کوئی گھبراہٹ اور بے قراری نہ ہو۔

"یقین" کا لفظ "یقن الماء" سے بنایا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ پانی رکا ہوا ہے۔ اس میں کچھ حرکت نہیں ہے۔ یقین کے ساتھ علم کی مشابہت اس وقت کی جاتی ہے جب اس کے ساتھ اطمینان ہوتا ہے۔ اور قلب کے اندر اس کے بارے میں کوئی تردد، اور حرکت باقی نہیں رہتی ہے۔

اور اس کے نور کا روشن ہونا:۔ اعضائے جسم پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کے اندر دنیا سے نفرت، اور آخرت سے رغبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف، اور اس کے جمال کی بارگاہ میں پہنچنے کا شوق

اور اس کے جلال کے غلبے کے سامنے خاموشی سے جھک جانا، اور اس کی مرضی کی طلب میں دوڑنا

اور اس کی محبت حاصل ہونے کی جگہ کی طرف سبقت کرنا اور اس
کے ذکر سے زبان کو تر رکھنا اور اس کی عظمت کی فکر میں قلب کو مشغول رکھنا۔ اور اس کے قرب کی
بارگاہ میں داخل ہونے کے لئے روح کا سرگرداں ہونا۔ اور اسکی محبت کے شراب سے اس کا مست
ہونا۔ اور اس کے قرب کے شہود میں اس کا غرق ہونا۔ یہ حالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہی حالات
قلب میں یقین کے نور کے روشن ہونے کی علامت ہیں۔ اور یہی اس کی علامت ہے۔ کہ آجل
(دیر میں ہونے والی)
عاجل۔ جلد ہونے والی) اور دور نزدیک اور غیب شہادت بن جائے۔
(إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَآتٍ وَّمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ) " درحقیقت جو کچھ تم لوگوں سے وعدہ کیا جارہا
ہے۔ وہ ضرور آئے گا۔ اور تم لوگ عاجز نہ کر سکو گے۔ اور اسی حقیقت کے بارے میں ہمارے
مندرجہ ذیل اشعار ہیں :-

فَلَا تَرْضَىٰ بِغَيْرِ اللهِ حُبًّا   وَكُنْ اَبَدًا بِعِشْقٍ وَّاشْتِيَاقٍ

" پس تم غیر اللہ سے محبت کرنے کے لئے راضی نہ ہو۔ اور ہمیشہ عشق اور اشتیاق میں مشغول
رہو۔

تَرَى الْاَمْرَ الْمُغَيَّبَ ذَا عِيَانٍ   وَتَحظَى بِالْوِصَالِ وَبِالتَّلَاقِ

" تم چھپے ہوئے غیبی امور کو آنکھوں سے دیکھو گے۔ اور وصال اور ملاقات کا لطف حاصل کرو گے۔"

اور ان دو اشعار کے ساتھ میں نے ایک شاعر کے دو اشعار شامل کئے تھے۔ جو درج ذیل ہیں:-

فَلَا تَعْشَ وَحَامِ الْحَيِّ حَيٌّ   وَلَا عَطَشٌ وَسَاقِي الْقَوْمِ بَاقِ

"تو کچھ خوف اور پریشانی نہیں ہے۔ جبکہ زندہ کا مددگار زندہ ہے اور کچھ پیاس نہیں ہے۔ جبکہ قوم کا
ساقی باقی ہے۔

فَمَا الدُّنْيَا بِبَاقِيَةٍ لِحَيٍّ   وَمَا حَيٌّ عَلَى الدُّنْيَا بِبَاقِ

"پس دنیا کسی زندہ کے لئے باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی زندہ دنیا میں باقی رہنے والا ہے۔
تو اگر یقین کا نور تمہارے قلب میں روشن ہو جائے تو تم آنے والی آخرت کو اپنے سامنے حاضر

دیکھو گے۔ اور اس کی طرف سفر کرنے کے بجائے زیادہ اپنے قریب پاؤ گے۔ کیونکہ وہ تمہاری طرف سفر کرنے والی اور تم کو پانے والی ہے۔ اور تم دنیا کی ذمی ، اور فانی خوبیوں کو ایسا دیکھو گے۔ کہ اس کے اوپر فنا کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ یعنی اس کے وجود کا نور اس کی فنا کی ظلمت ظاہر ہونے سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔ پھر تم دیکھو گے۔ کہ جو ظاہر تھا ، وہ باطن ہو گیا ہے۔ اور جو باطن تھا ، وہ ظاہر ہو گیا۔ اور جو کثیف تھا ، وہ لطیف ہو گیا ہے۔ اور جو لطیف تھا ، وہ کثیف ہو گیا ہے۔ اور جو غیب تھا ، وہ شہادت ہو گیا ہے۔ اور جو شہادت تھا ، وہ غیب ہو گیا ہے اور یہ مخلوق سے صرف ان کے ایمان کی کمزوری اور ان کے یقین کے نور کی کمی کی وجہ سے دور ہے۔ اگر ان کے قلوب میں یقین کا نور روشن ہو جائے۔ تو وہ دنیا کی خوبیوں کو پوشیدہ ، اور اس کے عیوب کو ظاہر دیکھیں گے۔ جیسا کہ اس کو حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت دیکھا۔ جس وقت انھوں نے اپنے ایمان کی حقیقت بیان کی۔

ایمان کی حقیقت

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ انھوں نے فرمایا:-

بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي إِذِ اسْتَقْبَلَهُ شَابٌّ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ ؟ قَالَ :- أَصْبَحْتُ بِاللهِ حَقًّا ، فَقَالَ لَهُ :- انْظُرْ مَا تَقُوْلُ ، فَإِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيْقَةً ، فَمَا حَقِيْقَةُ إِيْمَانِكَ ؟ فَقَالَ :- يَا رَسُوْلَ اللهِ عَزَفَتْ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا (أَيْ أَدْبَرَتْ وَ هَرَبَتْ) فَأَسْهَرْتُ لَيْلِي ، وَ أَظْمَأْتُ نَهَارِي ، فَكَأَنِّي بِعَرْشِ رَبِّي بَارِزًا ، وَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا ، وَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَعَاوَوْنَ فِيْهَا ، فَقَالَ لَهُ :- أَبْصَرْتَ فَالْزَمْ ، عَبْدٌ نَوَّرَ اللهُ الْإِيْمَانَ فِي قَلْبِهِ ، قَالَ :- يَا رَسُوْلَ اللهِ ادْعُ اللهَ لِي بِالشَّهَادَةِ ، فَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ شَهِيْدًا ، فَجَاءَتْ أُمُّهُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ - يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ عَلِمْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّي ، فَإِنْ يَكُنْ فِي

الْجَنَّةِ اَصْبِرْ، وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْجَنَّةِ تَرٰى مَا اَصْنَعُ، فَقَالَ:- اَوَ هُبِلْتِ؟ اَجَنَّةٌ هِيَ؟ اِنَّهَا جِنَانٌ، وَاِنَّ ابْنَكِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰى، فَرَجَعَتْ وَهِيَ تَضْحَكُ وَتَقُوْلُ بَخٍ بَخٍ يَا حَارِثَةُ

"اس درمیان میں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ چل رہے تھے۔ کہ انصار میں سے ایک نوجوان آپ کے سامنے آئے۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا:- اے حارثہ! تم نے کس حال میں صبح کی؟ حضرت حارثہؓ نے جواب دیا:- میں نے اللہ تعالیٰ پر حقیقی ایمان رکھتے ہوئے صبح کی۔ پھر حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ اس پر غور کرو۔ کیونکہ ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تو تم یہ بتاؤ۔ کہ تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو

حضرت حارثہؓ نے جواب دیا:- یا رسول اللہ! میرا نفس دنیا سے رک گیا ہے۔ یعنی منہ پھیر لیا۔ اور بھاگ گیا ہے۔ تو میں رات کو جاگتا ہوں۔ اور دن میں پیاسا (روزہ) رہتا ہوں۔ تو گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کے سامنے موجود ہوں۔ اور گویا کہ میں اہل جنت کو جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دوزخ میں شور و فریاد کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا:- تم نے حقیقت کو دیکھ لیا ہے۔ تو اب اس حالت پر مضبوطی سے قائم رہو۔ تم ایک ایسے بندے ہو۔ جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو روشن فرما دیا ہے۔ حضرت حارثہؓ نے کہا:-

یا رسول اللہ! آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے شہادت پانے کی دعا فرمائیے۔ پس حضرت رسول اللہ ﷺ نے اُن کے لئے دعا فرمائی۔ تو وہ جنگ بدر کے دن شہید ہو گئے۔ پھر اُن کی والدہ حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور دریافت کیا:- یا رسول اللہ! آپ کو میرے بیٹے حارثہ کا مرتبہ معلوم ہے۔ پس اگر وہ جنت میں ہے۔ تو میں صبر کروں۔ اور اگر وہ جنت میں نہیں ہے۔ تو آپ دیکھیں گے، میں اُس کے لئے کیا کروں۔ حضرت نے فرمایا - کیا تم بے اولاد ہو گئی ہو۔ یا کیا تمھارا

بیٹا گم ہو گیا ہے؟ ایک جنت کی کیا حقیقت ہے؟! اس کے لئے بہت سی جنتیں ہیں۔ بیشک تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں پہنچ گیا ہے۔ تو وہ تسلی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی واپس ہو گئیں۔ شاباش، شاباش، اے حارثہؓ اور جیسا کہ اس حقیقت کو حضرت معاذ بن جبلؓ نے دیکھا۔ جب وہ روتے ہوئے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آنحضرت نے ان سے دریافت فرمایا:-

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَامُعَاذُ؟ قَالَ :- اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا ، فَقَالَ :- اِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ مِصْدَاقًا ، وَلِكُلِّ حَقٍّ حَقِيْقَةً ، فَمَا مِصْدَاقُ مَا تَقُوْلُ؟

ایمان کی حقیقت

فَقَالَ :- يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَصْبَحْتُ صَبَاحًا قَطُّ اِلَّا ظَنَنْتُ لَا اُمْسِيْ ، وَمَا اَمْسَيْتُ قَطُّ اِلَّا ظَنَنْتُ لَا اُصْبِحُ ، وَلَا خَطَوْتُ خُطْوَةً قَطُّ اِلَّا ظَنَنْتُ اَنِّيْ لَا اُتْبِعُهَا بِاُخْرٰى وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى كُلِّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتَابِهَا مَعَهَا نَبِيُّهَا وَاَوْثَانُهَا الَّتِيْ كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى عُقُوْبَةِ اَهْلِ النَّارِ وَثَوَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ ۔ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :- عَرَفْتَ فَالْزَمْ

"اے معاذ! تم نے کس حال میں صبح کی؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا:- میں نے ایمان کی حالت میں صبح کی۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:- ہر بات کے لئے ایک مصداق، (سچائی کو پرکھنے کی کسوٹی) اور ہر حق کے لئے ایک حقیقت ہے۔ لہذا جو تم کہہ رہے ہو۔ اس کی سچائی کا مصداق کیا ہے؟ تو حضرت معاذؓ نے جواب دیا:- یارسول اللہ! کسی دن بھی جب میں صبح کرتا ہوں۔ تو میں یہ گمان کرتا ہوں۔ کہ میں شام تک زندہ نہ رہوں گا۔ اور جب میں شام کرتا ہوں۔ تو میں یہ گمان کرتا ہوں۔ کہ میں صبح تک زندہ نہ رہوں گا۔ اور جب چلنے کیلئے ایک قدم اٹھاتا ہوں، تو میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس کے بعد دوسرا قدم نہ اٹھا سکوں گا۔ اور گویا کہ میں ہر امت کو دیکھ رہا ہوں۔ کہ وہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہر امت اپنے اعمالنامے کی طرف بلائی جا رہی ہے۔ اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کے نبی علیہ السلام ہیں۔ اور وہ بت ہیں۔ جن کی وہ اللہ تعالیٰ

میں کہتا ہوں :- جب یقین کا نور پوری طرح روشن ہو جاتا ہے تو وہ کائنات کے وجود کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اور آنکھوں کے مفقود ہو جانے پر بھی عیاں (ظاہر و کھلا) واقع ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالے کے نور کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

مَا حَجَبَكَ عَنِ اللّٰهِ وُجُوْدُ مَوْجُوْدٍ مَعَهٗ اِذْ لَا شَيْءَ مَعَهٗ ، وَ لٰكِنْ حَجَبَكَ عَنْهُ تَوَهُّمُ مَوْجُوْدٍ مَعَهٗ

تم کو اللہ تعالے سے، اس کے ساتھ کسی موجود کے وجود نے حجاب میں نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ کوئی شی نہیں ہے۔ بلکہ تم کو اس کے ساتھ موجود کے وہم نے اس سے محجوب کر دیا ہے۔"

میں کہتا ہوں:- حق سبحانہ تعالے ظاہر ہے۔ اور اس کا نور آنکھوں کے سامنے عیاں ہے اور در حقیقت اس کو صرف اس کے اسم پاک "حکیم" اور "قہار" کے تقاضے نے محجوب کر دیا ہے۔ لہذا تم کو اس کے ساتھ کسی شی کے وجود نے اللہ تعالے کے مشاہدے سے محجوب نہیں کیا ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اللہ تعالے اس سے بلند اور پاک ہے۔ جو یہ لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں) لیکن تم اللہ تعالے کے ساتھ موجود کے وجود کے وہم نے حجاب میں کر دیا ہے۔ حالانکہ اس کے ساتھ کوئی شی نہیں ہے۔ اور وہ جیسا تھا، ویسا ہی ہے۔ اور نہ کوئی شی باقی رہتی، نہ رہتی ہے:-

(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ)

"وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے۔"

وہ اپنی ذات اور اپنی صفات، اور اپنے افعال میں یکتا ہے۔ پس فعل بغیر صفت کے صادر نہیں ہوتا ہے۔ اور صفت موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی ہے۔ لہذا فعل متحد ہے۔ اور فاعل واحد ہے۔ اور صفت متحد ہے اور صفت کے ساتھ موصوف واحد ہے۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ کا کلام ہے:-

صِفَاتِي لَا تَخْفَى لِمَنْ نَظَرْ — وَذَاتِي مَعْلُومَةٌ بِتِلْكَ الصُّوَرْ

فَافْنِ عَنِ الْإِحْسَاسِ تَرَى عِبَرْ

"میری صفات دیکھنے والے کے لئے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور میری ذات ان صورتوں میں نمایاں ہے۔ اس لئے تم احساس سے (محسوسات سے) فنا ہو جاؤ۔ تم عبرتوں (حقیقتوں) کو دیکھو گے۔"

اور غیر کے لازم ہونے کے سبب فکر کا شہود ہوتا ہے۔ اور تفرقہ ہونے کا سبب، جمع حاصل ہونے والی شئی دنیا کی محبت ہے۔ کیونکہ دنیا، علام الغیوب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف سیر کرنے سے دلوں کو غافل کرنے والی ہے۔ اور دنیا کی محبت کی علت قہریت کا ظاہر ہونا ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی قہاریت ہے کہ وہ بغیر حجاب کے محجوب ہو گیا ہے۔ اور اپنے سورج کے نور کو بغیر بادل کے ڈھانپ دیا ہے۔ نیز عبودیت کے اجسام نے ربوبیت کے انوار کے مظہروں کو چھپا دیا ہے۔ اور حکمت کے وجود نے قدرت کے ظہور کو پوشیدہ کر دیا ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:- اللہ تعالیٰ زمان و مکان، اور جہت، (طرف) اور کیفیت، اور مادہ اور صورت سے پاک ہے۔ اور اس کے باوجود وہ اس سے زمان و مکان خالی ہے نہ کمیت و کیفیت، نہ جسم، نہ جوہر و عرض۔ کیونکہ وہ اپنی لطافت کی وجہ سے ہر شئی میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اور اپنی نورانیت کی وجہ سے ہر شئی میں ظاہر ہے۔ اور اپنے اطلاق (مطلق ہونے) اور احاطہ (محیط ہونے) کی وجہ سے، ہر کیفیت سے اس کے ساتھ مقید ہوتے ہوئے متکیف ہے۔ اور جو شخص اس کا ذوق نہیں رکھتا ہے اور اس کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔ وہ بصیرت کا اندھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدے سے محروم ہے۔

حضرت ابن وفا رضی اللہ عنہ کا کلام ہے:-

هُوَ الْحَقُّ الْمُحِيطُ بِكُلِّ شَيْءٍ — هُوَ الرَّحْمٰنُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ

"وہی حق سبحانہ تعالیٰ ہر شئی کا احاطہ کئے ہوئے (گھیرے ہوئے) ہے۔ وہی بڑا مہربان عرش کا مالک، بزرگی والا ہے۔"

هُوَ النُّوْرُ الْمُبِيْنُ بِغَيْرِ شَكٍّ هُوَ الرَّبُّ الْمُحَجَّبُ فِي الْعَبِيْدِ

"بغیر کسی شک و شبہ کے وہ کھلا ہوا نور ہے۔ وہ پروردگار بندوں میں چھپا ہوا ہے۔"

هُوَ الْمَشْهُوْدُ فِي الْأَشْهَادِ يَبْدُوْ فَيُخْفِيْهِ الشُّهُوْدُ عَنِ الشَّهِيْدِ

وہی مشہود (موجود و حاضر) ہے۔ جو مشاہدہ کرنے والوں کے اندر ظاہر ہوتا ہے۔

پس شہود ہی اس کو مشاہدہ کرنے والے سے چھپا دیتا ہے۔"

هُوَ الْعَيْنُ الْعِيَانُ لِكُلِّ غَيْبٍ هُوَ الْمَقْصُوْدُ مِنْ بَيْتِ الْقَصِيْدِ

"وہ ہر غیب کے لئے عین ظاہر ہے۔ ہر ارادہ کرنے والے کے گھر کا وہی

مقصود ہے۔"

جَمِيْعُ الْعَالَمِيْنَ لَهُ ظِلَالٌ سُجُوْدٌ فِي الْقَرِيْبِ وَفِي الْبَعِيْدِ

"تمام عالم اس کا سایہ ہے۔ نزدیک ہوں یا دور سب اس کے سامنے سجدہ کرنے والے ہیں۔"

وَهٰذَا الْقَدْرُ فِي التَّحْقِيْقِ كَافٍ فَكُفَّ النَّفْسَ عَنْ طَلَبِ الْمَزِيْدِ

"اور حقیقت حاصل کرنے کے لئے اتنا کافی ہے۔ لہذا اپنے نفس کو زیادہ کی طلب سے باز رکھو۔"

حضرت شیخ شاذلیؒ کو اُن کے شیخ کی وصیت

حضرت شیخ قطب مولائی عبد السلام بن مشیش رضی اللہ عنہ نے اپنے خلیفہ حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے اُن کے لئے اپنی وصیت میں فرمایا ہے۔ ایمان کی نظر کو تیز کرو۔ تم اللہ تعالیٰ کو ہر شی میں، اور ہر شی کے نزدیک اور ہر شی کے ساتھ، اور ہر شی کے قبل، اور ہر شی کے بعد، اور ہر شی کے اوپر، اور ہر شی کے نیچے، اور ہر شی سے قریب۔ اور ہر شی کو محیط پاؤ گے۔ اس قرب اور احاطے کے ساتھ جو اس کا وصف ہے۔ اور ظروف (زمان و مکان) حدود اور اطراف، اور صحبت، اور مسافتوں میں نزدیکی، اور دوری، اور مخلوقات میں دورہ اور حلول، کے خیال کو ترک کرو۔ اور اس کے وصف اول، اور آخر، اور ظاہر، اور باطن میں سب کو فنا کر دو۔ اور وہ وہی ہے۔ جیسا کہ وہ ہے۔"

(كَانَ اللّٰهُ وَ لَا شَيْءَ مَعَهُ . وَ هُوَ الْآنَ عَلٰى مَا عَلَيْهِ كَانَ)
"اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شی نہ تھی۔ اور وہ اب بھی اسی حالت پر ہے جس حالت پر پہلے تھا۔"

ایک عارف نے ان کے قول کی تشریح میں فرمایا ہے:۔ حضرت شیخ عبدالسلام بن مشیش نے اپنے قول (ظرف ، اور حدود وغیرہ کو ترک کر دو۔ آخر تک) میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ان کے کلام میں ظرف سے مراد، زمان و مکان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مخلوقات میں سے ہے۔ اور وہ صرف ذوق کے امور ہیں۔ لہذا تم پوری پاکیزگی اور مشابہت کے باطل ہونے پر مکمل اعتقاد رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کو مضبوطی سے پکڑو:۔

(لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ)
" اس کے مثل کوئی شی نہیں ہے۔ اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اور تم اس حقیقت کو اس کے اہل کے سپرد کر دو۔ کیونکہ بیشک وہ لوگ اس شی میں جس کی طرف انھوں نے رمز کیا ہے۔ بصیرت پر قائم ہیں۔ اور اس کو انھوں نے ذوق سے پایا ہے۔ بلکہ وہ خالص ایمان اور خالص عرفان میں سے ہے اور وہی توحید کی حقیقت اور ایمان کا خلاصہ ہے۔

اور حضرت شیخ ابن مشیش کا یہ قول (وہ اب بھی اسی حال پر ہے۔ جس حال پر پہلے تھا) اگرچہ صحیح حدیث شریف میں وارد نہیں ہوا ہے۔ پھر بھی ذوقی طور سے صحیح ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اشیاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف خیال کی طرح ہیں اور سایہ کے وجود کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت منسوخ نہیں ہوتی ہے اور اس کی فردانیت ختم نہیں ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے:۔ کہ جس شخص پر احدیت کا شہود غالب ہو جاتا ہے۔ اور وحدانیت کا راز منکشف ہو جاتا ہے۔ اور وہ صمدیہ حقیقت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس کے شعور (احساس) سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور ماسوی اللہ سے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو نفس کے شعور کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اور اس میں اور اس کے ساتھ ظاہر اور

مَنْ لَا وُجُوْدَ لِذَاتِهِ مِنْ ذَاتِهِ فَوُجُوْدُهُ لَوْلَاهُ عَيْنُ مُحَالِ

'' جس کی ذات کا بذات خود کوئی وجود نہیں ہے۔ تو اس کا وجود قطعی محال ہوتا۔ اگر اس کے ساتھ حق تعالے کا وجود نہ ہوتا۔''

اور دوسرے عارف کا شعر ہے:۔

فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا الْحَقُّ لَمْ يَبْقَ كَائِنٌ فَمَا ثَمَّ مَوْصُوْلٌ وَ مَا ثَمَّ بَائِنُ

'' پس حق سبحانہ تعالے کے سوا کچھ باقی نہیں ہے نہ کچھ ہونے والا۔ تو نہ وہاں کوئی ملا ہوا ہے۔ نہ کوئی جدا ہے۔

بِذَا جَاءَ بُرْهَانُ الْعِيَانِ فَمَا أَرَى بِعَيْنِي شَيْئًا غَيْرَهُ إِذْ أُعَايِنُ

'' آنکھوں کی رہنمائی اس کے ساتھ ہوئی۔ تو میں اپنی آنکھ سے جب دیکھتا ہوں۔ اس کے سوا کوئی شئی نہیں دیکھتا ہوں۔''

اور مخلوق کے اندر تجلیوں کے واسطے سے اللہ تعالے کا ظہور بہت بڑی مہربانی ہے کیونکہ اس کا شہود اور اس کی معرفت ان تجلیوں کے واسطہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ ان اوصاف کے ساتھ جن اوصاف پر وہ ازل میں تھا، بلا واسطہ ظاہر ہو جاتا۔ تو کائنات فنا ہو جاتی۔ حدیث شریف میں وارد ہے:۔

(حِجَابُهُ النُّوْرُ، لَوْ كُشِفَ عَنْهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ كُلَّ شَيْءٍ أَدْرَكَهُ بَصَرُهُ)

اللہ تعالے کا حجاب نور ہے۔ اگر اس کے اوپر سے یہ حجاب دور ہو جائے۔ تو اس کی شکل کی تجلیاں ان تمام اشیا کو جلا دیں گی۔ جو اس کے سامنے ہوں گی۔

اور مصنف کے اس قول کا یہی مفہوم ہے:۔ (اگر اس کی صفات ظاہر ہو جاتیں تو اس کی مخلوقات فنا ہو جاتی) یعنی اگر اس کا اصلی ازلی صفات ظاہر ہو جاتیں تو حادث مخلوقات فنا ہو جاتیں۔ کیونکہ تمام مخلوقات ان لطیف اسرار کے لئے جو اس ازلی قدیم جوہر کی صفات ہیں، کثیف پردہ ہیں۔

جیسا کہ حضرت ششتری نے اپنے بعض اشعار میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

صَفَاءٌ وَلَا مَاءٌ وَلُطْفٌ وَلَا هَوًى　　　وَنُورٌ وَلَا نَارٌ وَرُوْحٌ وَلَا جِسْمٌ

"صفائی ہے۔ اور پانی نہیں ہے۔ اور لطف ہے اور خواہش نہیں ہے اور نور ہے اور آگ نہیں ہے اور روح ہے اور جسم نہیں ہے۔"

تَقَدَّمَ كُلَّ الْكَائِنَاتِ حَدِيثُهَا　　　قَدِيمٌ وَلَا شَكْلٌ هُنَاكَ وَلَا رَسْمٌ

"اس کی بات کل کائنات پر مقدم ہے۔ وہ قدیم ہے۔ اور وہاں نہ کوئی شکل ہے نہ رسم ہے۔ تو اگر لطیف اسرار ظاہر ہو جائے۔ تو کثیف کائنات فنا ہو جاتی۔ اس لئے کہ جب لطیف سامنے آتا ہے۔ تو کثیف ظاہر نہیں ہوتا ہے۔

اور مخلوق کی مثال برف کی طرح ہے۔ اس کی ظاہری صورت جامد (ٹھوس) اور اس کا باطن بہنے والا پانی ہے۔ لہٰذا جب برف پگھل جاتی ہے تو وہ اپنی اصل پانی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اور برف کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا ہے۔

اسی طرح ظاہری مخلوقات ہیں۔ جب اُن کے وہ اسرار لطیف ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ قائم ہیں۔ تو ان کی کثیف ذاتیں پگھل جاتی ہیں اور فنا ہو کر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ عینیہ کے مصنف نے اسی حقیقت کی طرف اپنے کلام میں اشارہ فرمایا:۔

وَمَا الْكَوْنُ فِي التِّمْثَالِ إِلَّا كَثَلْجَةٍ　　　وَأَنْتَ لَهَا الْمَاءُ الَّذِي هُوَ نَابِعٌ

" اور مخلوق ظاہری صورت میں برف کی طرح ہے اور تم وہ پانی ہو، جو اس سے ٹپکتا رہتا ہے۔

فَمَا الثَّلْجُ فِي تَحْقِيقِنَا غَيْرُ مَائِهِ　　　وَغَيْرَانِ فِي حُكْمٍ دَعَتْهُ الشَّرَائِعُ

" تو ہماری تحقیق میں برف اپنے پانی کا غیر نہیں ہے۔ اور دو غیر کو شریعت نے حکم میں ترک کر دیا ہے۔

وَلٰكِنْ بِذَوْبِ الثَّلْجِ يَرْفَعُ حُكْمُهُ　　　وَيُوْضَعُ حُكْمُ الْمَاءِ وَالْأَمْرُ وَاقِعٌ

" لیکن پانی کے پگھلنے کے ساتھ ہی برف کا حکم اٹھ جاتا ہے۔ اور پانی کا حکم عائد ہو جاتا ہے۔ اور یہی امر واقعی ہے۔"

تو جس شخص کی نظر برف کے ظاہری سطح تک محدود رہتی ہے۔ وہ اس پانی کا انکار کرتا ہے۔

مگر ان کو باطنی عمل کے سوا کوئی شی سکون نہیں دیتی ہے۔ تو حضرت شیخ نے مجھ کو جواب دیا:- اے میرے عزیز! جب تمہاری ہمت ظاہری عبادت کی طرف مائل تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہاری مدد کی۔ اس لئے تم ظاہری عبادت پر قناعت کر بیٹھے۔ اور اب معاملہ اس وجہ سے الٹا ہو گیا ہے۔ کہ چونکہ اب تم نے اہل باطن سے موافقت کر لی ہے۔ اس لئے ان کی معرفت نے تمہارے اندر تمہاری ہمت کو باطنی مقامات کی طرف مائل کرنے کے لئے اثر پیدا کیا ہے۔ اور جب تمہاری ہمت ظاہری مقامات سے پھر کر باطنی مقامات کی طرف مائل ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہاری مدد فرمائی۔ اس لئے تم باطن کا یقین کرنے لگے۔ جس طرح تم ظاہر کا یقین کرتے تھے۔

پس جو شخص اہل باطن کی صحبت اختیار کرتا ہے اور اس کی ہمت باطنی مقامات کی طرف پھر جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی عبادت باطنی حقیقی ہو جاتی ہے۔ تو اس کے حق میں اوانی (ظاہر) لطیف ہو جاتے ہیں اور وہ باطن کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں:- اللہ تعالیٰ نے اہل باطن کی صحبت کے سلسلہ میں جو احسان میرے اوپر فرمایا۔ اس کے آثار میں سے یہ ہے۔ جب میں اپنی بصیرت کی آنکھ سے اس کے عرش سے اس کے فرش تک مخلوق کی طرف نظر کرتا ہوں۔ تو ساری مخلوق فنا اور نیست و نابود نظر آتی ہے۔ اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں دکھائی دیتا۔

﴿ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔"

(تنبیہ) حضرت سیدی احمد بن یوسف ملیانی رضی اللہ عنہ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوال کیا گیا:- کیا وہ معنوی ہے یا حسی؟ (باطنی ہے یا ظاہری) تو انھوں نے جواب دیا:- اس کی ذات ایسی ظاہری ہے جو کبھی نہیں جا سکتی ہے۔

حضرت سیدی عبد اللہ الہبطی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا: ان کا قول۔ معرفت میں ان کے ثابت و قائم ہونے کی دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں:- اللہ سبحانہ تعالیٰ کی مقدس ذات موجود ہے لطیف ہے۔ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتی ہے۔ اور عقلیں اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی ہیں۔ وہ باطنی اور حقیقی صفات سے

متصف ہے۔ اور اگر وہ مقدس ذات صفت یا حقیقت ہوتی۔ جیسا کہ اس کو عیسائیوں نے گمان کیا ہے۔ تو وہ باطنی اور حقیقی صفات سے متصف نہ ہوتی۔ اس لئے کہ صفت اور حقیقت بذات خود قائم نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ لازمی ہے کہ وہ اپنے غیر کے ساتھ قائم ہو۔ اور صفت دوسری صفت سے متصف نہیں ہوتی ہے۔

لیکن بعض متاخرین کا قول:- '' باطن '' ظاہر کے بغیر کبھی نہیں جا سکتی۔ '' نیز ان کا یہ قول:- '' ظاہر کی طرف نہ دیکھو۔ باطن کے سمندر میں گھسو۔ '' نیز ان کا یہ قول :- '' مخلوق '' حقیقتوں کو اٹھانے والے ظروف ہیں۔ ''

لہذا تم یہ جان لو:- یہ بیان پہلے گزر چکا ہے۔ کہ عارفین، ذات کے اسرار یعنی ازلی قدیم جوہر کو اس کی پوشیدگی اور لطافت کی بنا پر '' معانی '' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس وجہ سے معانی کے مشابہ ہو گیا ہے۔

تو حاصل یہ ہوا :- کہ باطن کے بغیر ظاہر قائم نہیں ہو سکتا ہے۔

اور باطن :- ذات کے اسرار کی حقیقتیں ہیں۔

پس تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ اور اس کے ساتھ ان کا وجود نہیں ہے اور حضرت ابن فارض نے اسی کی طرف اپنے کلام میں اشارہ فرمایا ہے :-

وَ قَامَتْ بِهَا الْأَشْيَاءُ ثُمَّ لِحِكْمَةٍ بِهَا احْتَجَبَتْ عَنْ كُلِّ مَنْ لَا فَهْمَ لَهُ

'' تمام اشیاء اسی مقدس ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ پھر وہ حکمت کی بنا پر اس کے ساتھ ہر نا سمجھ سے پوشیدہ ہو گئی ہے۔ ''

یعنی تمام اشیاء اس ذات عالی کے ساتھ یعنی اس کے لطیف ازلی اسرار کے ساتھ قائم ہیں۔

نیز اس کا یہ قول:- '' ذات عین صفت ہے۔ اور صفات عین ذات ہے۔ ''

پس تم یہ جان لو :- چونکہ صفات کے انوار کے بغیر ذات ظاہر نہیں ہو سکتی ہے۔ اور ذات

کے بغیر صفات قائم نہیں ہو سکتی ہیں اور صفات موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ایسا ہوا کہ گویا یہ عین ہے۔

لہذا ان حضرات نے منع کے خوف اور تفریق سے بچنے کے لئے اس عبارت میں کلام کیا ہے۔

اور یہ عارفین کی اصطلاح ہے:۔ جو لطیف ہوگئی اور حس کے سامنے ظاہر ہوئی: اس کا نام انہوں نے "صفات" رکھا اور ربوبیت کے راز میں سے جو باطن (پوشیدہ) ہے۔ اس کا نام انہوں نے "ذات" رکھا۔ یعنی (حقیقت) کے ساتھ موسوم کیا۔ اور صفات موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی ہے۔

جس طرح تم برف کو دیکھتے ہو۔ اس کا ظاہر برف ہے اور اس کا باطن پانی ہے تو برف صفات ہے اور پانی ذات ہے۔ برف محسوس ہے اور پانی حقیقت ہے۔ اپنی لطافت اور پوشیدگی کی بنا پر گویا کہ وہ حقیقت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

(وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ)

" جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تابع فرمان بنایا ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ ہر شی میں اس کے اسماء حسنٰی میں سے ایک اسم ہے اور ہر شی کا نام اس کے نام سے ہے۔ لہذا تم اس کے اسماء اور صفات اور افعال کے درمیان ہو۔ اس حال میں کہ وہ اپنی قدرت کے ساتھ باطن (پوشیدہ) اور اپنی حکمت کے ساتھ ظاہر ہے۔ وہ اپنی صفات کے ساتھ ظاہر ہے۔ اور اپنی ذات کے ساتھ باطن ہے۔ اس نے ذات کو صفات سے پوشیدہ کیا اور صفات کو افعال سے پوشیدہ کیا اور علم کو ارادے کے ساتھ اور ارادہ کو حرکتوں کے ساتھ ظاہر کیا اور صانع کو صنعت میں پوشیدہ کیا اور صنعت کو ذاتوں میں ظاہر کیا۔ لہذا وہ اپنے غیب میں باطن ہے۔ اور اپنی حکمت اور قدرت کے ساتھ ظاہر ہے۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے۔ تفاوت کے سبب صفات کے آثار ہیں۔ نیز صفات وہ ہیں جن کا مشاہدہ ممکن ہو اور جن کی معرفت حاصل ہو سکے۔ بخلاف ذات کی تجلی کے۔ کیونکہ ذات۔ خالص جلال ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ اگر ایک ذرہ بھی اس کے اصلی نور سے بلا واسطہ ظاہر ہو جائے۔ تو مخلوق بالکل جل جائے۔

حدیث شریف میں وارد ہے:۔

(حِجَابُهُ النَّارُ) وَفِي رِوَايَةٍ۔ (النُّورُ) لَوْ كَشَفَهَا لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ كُلَّ شَيْءٍ أَدْرَكَهُ بَصَرُهُ

"اس کا حجاب آگ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ اس کا حجاب نور ہے۔ اگر اس کے چہرے سے حجاب اٹھ جائے تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام اشیا کو جلا دیں گی۔ جو اس کے سامنے ہوں گی۔ (اور کل مخلوق اس کے سامنے ہے)

لہذا صفات کی کل تجلیاں جمال ہیں اور ذات کی کل تجلیاں جلال ہیں۔

اس لئے تجلی کے ظہور اس طرح ہوتے ہیں۔

ہر وہ شے جو نفس کے لئے دشوار ہوتی ہے۔ وہ ذات ہے۔ کیونکہ وہ ذات کی تجلی کی طرح جلال ہے۔ اور ہر وہ شے جو نفس کے لئے آسان ہوتی ہے۔ وہ صفات ہے۔ کیونکہ وہ صفات کی تجلی کی طرح جمال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور میں نے اس مسئلہ کی تشریح کے لئے اس وجہ سے مضمون طویل نہیں کیا۔ کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ جس نے اس کی تشریح کی ہو۔ اور یہ حاصل بحث ہی ہو۔

اور میں اس سے بھی مزید بحث کرتا۔ لیکن مجھ کوئی ایسا شخص نہیں ملا۔ جو اس مسئلے میں میری تحقیق کرتا۔ اور یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ وہ وہ ہے۔ جو اس لمحے میں میرے سامنے ظاہر ہوا ہے۔ اور یہ میری فکر کا نتیجہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ وباللہ التوفیق

پھر مصنف نے مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے پر متنبہ کرتے ہوئے

اس قول سے استدلال کیا ہے۔

(هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ)

"وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے۔"

چنانچہ ظاہر اور باطن کی تشریح کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا:۔

أَظْهَرَ كُلَّ شَيْءٍ بِأَنَّهُ الْبَاطِنُ ، وَطَوَى وُجُودَ كُلِّ شَيْءٍ بِأَنَّهُ الظَّاهِرُ

" اللہ تعالیٰ نے ہر شی کو ظاہر کیا۔ اس وجہ سے کہ وہ باطن ہے اور ہر شی کے وجود کو پوشیدہ کیا۔ اس وجہ سے کہ وہ ظاہر ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ اس کا مفہوم یہ ہے:۔ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک " باطن"

جس کے حال میں اشیاء کے ظاہر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ تاکہ اس کے جس کے ظاہر ہونے کے سبب وہ باطن (پوشیدہ) ہو جائے۔ کیونکہ جس باطن کے اسرار کی چادر ہے۔

اور اس کا اسم پاک "ظاہر" اشیاء کے چھپ جانے یعنی فنا ہو جانے کا تقاضا کرتا ہے تاکہ وہ اس شی کے ساتھ ظاہر ہو۔ جو اس سے ظاہر ہوئی ہے۔

مصنف کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔" اس نے ہر شی کو ظاہر کیا۔ اس سبب سے کہ وہ باطن ہے تاکہ اس کی پوشیدگی اس کے ساتھ ثابت ہو جائے۔ اور ہر شی کے وجود کو پوشیدہ کر دیا۔ اس سبب سے کہ وہ ظاہر ہے۔ تاکہ اس کے انفرادیت

(یکتائی) اس کے اندر ظاہر ہونے کے ساتھ ثابت ہو جائے۔

حاصل یہ ہے:۔ اللہ تعالیٰ کے قول:۔ "وہی ظاہر ہے" میں حصر (محدود کرنا)

اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ظاہر نہیں ہے۔ لہذا اشیاء کا وجود پوشیدہ اور فنا ہو گیا۔ اور اس کے قول:۔ "وہی باطن ہے" میں حصر، اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے سوا کوئی باطن (پوشیدہ) نہیں ہے۔ لہذا تمام اشیاء اپنے ظاہر ہونے کے باوجود فنا ہو گئیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا کلام اس بات پر دلیل ہے۔ کہ وہ شی، جس کے ساتھ وہ ظاہر ہے وہی ہے۔ جس کے اندر وہ پوشیدہ ہے۔ اور وہ وہی، جس کے اندر وہ پوشیدہ ہے۔ وہی ہے، جس کے ساتھ وہ ظاہر ہے۔ ورنہ حصر

واللہ تعالیٰ اعلم

(تنبیہ) میں نے اپنے شیخ اور ان کے شیخ سے ازلی جوہر کے بارے میں اس کے ظاہر ہونے سے پہلے کے متعلق سوال کیا تھا: کیا اس کا نام ظاہر اور باطن رکھا جا سکتا ہے۔ یا اب اس کی لطافت کی بنا پر اس کو صرف باطن کہا جا سکتا ہے؟

تو انہوں نے مجھے جواب دیا: جو ظاہر ہونے سے پہلے تھا۔ وہ ظاہر ہونے کے بعد بھی وہی ہے۔ اور جو ظاہر ہے۔ وہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ جو ازل میں تھا۔

كَانَ اللّٰهُ وَ لَا شَيْءَ مَعَهُ ، وَ هُوَ الْآنَ عَلٰى مَا عَلَيْهِ كَانَ

''اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور وہ اس وقت بھی اسی حال پر ہے۔ جس حال پر پہلے تھا۔''

یعنی وہ ذات عالیہ ازل میں جس طرح اپنی صفات اور اپنے اسماء سے متصف تھی۔ اسی طرح اب بھی ہے اور اسی طرح ہمیشہ باقی رہے گی۔ لہذا وہ ازل میں بھی ظاہر و باطن تھی۔ اور ظاہر ہونے کے بعد بھی ظاہر و باطن ہے۔ اپنی ذات کے لئے ظاہر اور اپنی مخلوق سے باطن ہے۔ اس نے ظاہر ہونے کی حالت میں جس کے ساتھ تجلی کی۔ اسی میں وہ باطن (پوشیدہ) بھی ہے۔

حضرت قاشانی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن فارض کی تائیہ کی شرح فرمایا ہے اور اس کو انہوں نے کچھ کلام کے بعد واضح فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کے راز کو افعال کے مظہروں میں ظاہر فرمایا اور اس کے پہلے اس کے اوپر اس کی پوشیدگی نہیں تھی۔

جیسا کہ انہوں نے جمع کی زبان میں محبوب حقیقی کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے اپنے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔

مَظَاهِرُ لِيْ فِيْهَا بَدَوْتُ وَ لَمْ اَكُنْ عَلَيَّ بِخَافٍ قَبْلَ مَوْطِنِ بَرْزَتِيْ

'' میرے لئے مظاہر ہیں۔ جن میں میں ظاہر ہوا۔ اور میں اپنے اوپر پہلے بھی پوشیدہ نہیں تھا۔ میرے لئے ظہور کا مقام تھا۔''

کے سوا کسی حالت کو پسند نہیں کرتا ہے۔“

تو اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ اجازت دی ہے۔ کہ تم آسمانوں اور زمین میں اس لطیف نور کو دیکھو جس کے ساتھ اشیاء روشن ہیں اور تم کو یہ اجازت نہیں دی ہے۔ کہ مخلوقات کی ذات میں مشغول ہو جاؤ۔ چھلکے میں مشغول ہو کر مغز کی طرف سے غافل ہو جاؤ۔ اور مصنف کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔“ مخلوقات کا ظاہر دھوکا ہے۔ اور اس کا باطن عبرت ہے۔“ تو جو شخص اس کے ظاہر میں مشغول ہوا۔ وہ محجوب ہو گیا اور جو شخص اس کے باطن تک پہنچ گیا۔ وہ عارف محبوب ہو گیا۔ اور یہی راز ہے۔ جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

” آپ فرما دیجئے! جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس میں نظر کرو۔“ یعنی جو ان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی ذات کی حقیقتیں اور اس کی قدرت اور ارادے کا کمال اور اس کی تمام صفات ہیں۔ ان میں نظر کرو۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سمجھ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ تاکہ تم اس کے ذریعے چھلکے کے ظاہر سے مغز کے باطن میں پہنچ جاؤ۔ یہاں تک کہ تم ہر شے میں اللہ تعالیٰ کو پہچان لو۔ اور ہر شے میں تم اس کی سمجھ حاصل کرو۔

اور اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ ﴿قُلِ انْظُرُوْا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

تم لوگ آسمانوں اور زمین کو دیکھو۔“

وہ تمہاری رہنمائی اجرام اور اجسام کی طرف کرتا اور تمہارے اوپر سمجھ کا دروازہ بند کر دیتا۔ لیکن وہ اجرام و اجسام کی طرف تمہاری رہنمائی کیسے کرتا۔ جبکہ وہ غیر ہیں۔ اور غیر۔ انوار الٰہی کے مشاہدہ میں پہنچنے سے روک دیتا ہے۔

اور آسانی سے سمجھنے کے لئے اس کی مثال۔ یہ ہے

اگر کوئی شخص تم سے کہے:۔ اس برف کو دیکھو۔ تو اس نے برف کے ظاہری جسم کی طرف تمہاری رہنمائی کی۔

اور اگر وہ تم سے یہ کہے:۔ تم اس کو دیکھو جو برف میں ہے۔ تو اس نے تمہارے لئے برف کے

مقسوم ہیں۔ (تقسیم ہو کر سب کے لئے حصہ مقرر ہو چکا ہے) اُن کے سانس گن کر تعداد متعین کر کے مقرر کی ہوئی ہے۔ ان کے اجسام ، ایک مقرر وقت تک محفوظ ہیں۔ اُن کی جنسیں معلوم ہیں۔ اُن کی شکلیں ظاہر ہیں اور اُن کے انوار پوشیدہ ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے توحید صفاتی کے بارے میں فرمایا:- یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی سننے والا ہے، نہ کوئی دیکھنے والا، نہ کوئی قدرت رکھنے والا، نہ کوئی بات کرنے والا :-

(إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) "بیشک وہی اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ یعنی اس کے غیر کے سوا، بہرا ہے اور دیکھنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

(إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ) "اللہ تعالیٰ ہی حکمت والا اور علم رکھنے والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :- (وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ) "اور تم نہیں چاہ سکتے ہو مگر وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے۔"

اور ان کے علاوہ بھی دوسری بہت سی آیات کریمہ ہیں۔ جو توحید صفاتی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

اور توحید ذاتی کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

(وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ) "اور وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں ہے (اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ) " اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یہ اس اشارہ یعنی اہل باطن کی تفسیر کے مطابق ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ) تم جس طرف بھی منہ پھیرو، اسی طرف اللہ تعالیٰ کا منہ ہے۔ (وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ) "اور جب ہم نے تم سے کہا - تمہارا رب آدمیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔" (إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ) جو لوگ آپ کے مقدس ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔" اور واسطہ

(وسیلہ، ذریعہ) ختم کرنے کے بارے میں فرمایا:-

اور وہ اللہ تعالیٰ کی احدیت کا وجود ہے۔

اور احدیت:۔ وحدت میں مبالغہ ہے۔ اور احدیت اس وقت ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ وحدت اس انتہائی حیثیت (درجہ) میں ہو کہ اس سے زیادہ شرط اور قید کا قبول ہونا ثابت نہ ہو۔ یعنی اس کی حقیقت کا تقاضا ہو کہ ثنویت کا اسقاط بالذات واجب ہو جاتا ہے۔

اس طریقے پر کہ وہ موجود نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ موجود ہوں تو احدیت نہ ہوگی۔ پھر اس صورت میں اللہ اور بندگی ایک ہو جائے گا۔

جیسا کہ کسی عارف شاعر نے کہا ہے:۔

أَرَبٌّ وَعَبْدٌ وَنَفْيُ ضِدٍّ　　　قُلْتُ لَهُ لَيْسَ ذَاكَ عِنْدِي

"کیا ربوبیت کی ضدی (مثلیت) کی نفی کے باوجود رب اور بندہ دونوں موجود ہو سکتے ہیں؟"

میں نے اس سے کہا:۔ میرے نزدیک ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔

فَقَالَ مَا عِنْدَكُمْ فَقُلْتُ　　　وُجُودُ فَقْدٍ وَفَقْدُ وَجْدٍ

"تو اس نے کہا: تمہارے نزدیک کیا ہے۔ تو میں نے کہا:۔ گمی کا وجود اور وجود کی گمی ہے" (نہ ہونے کا ہونا اور ہونے کا نہ ہونا ہے)

تَوْحِيدُ حَقٍّ بِتَرْكِ حَقٍّ　　　وَلَيْسَ حَقٌّ سِوَايَ وَحْدِي

"حق تعالیٰ کی توحید غیر کا حق ترک کرنے میں ہے۔ اور میرے تنہا کے سوا کوئی حق موجود نہیں ہے۔"

شاعر کے کلام کا مفہوم یہ ہے:۔ اس شخص کی بات کی تردید کر رہے ہیں۔ جس نے فرق کو اس طریقے پر ثابت کیا ہے۔ کہ اس نے عبودیت کے لئے مستقل مقام قرار دیا ہے۔ جو ربوبیت کی حقیقتوں کے اسرار سے جدا ہے اور بذات خود قائم ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس فرق کی بنا پر عبودیت، ربوبیت کے اوصاف کی ضد ہو جاتی ہے۔ اور تم حق سبحانہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں کہتے ہو۔ "توحید کی کوئی ضد نہیں ہے" پس تم نے اپنے قول کی خود تردید کر دی۔ اسی بنا پر شاعر نے فرمایا۔ "ضد کی نفی کیا تھی" تو پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں "واو" معیت کے معنی میں

" یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ ثابت شدہ نسبت ہے تا کہ اس نسبت کو ترک کرنے والے کی مذمت کی جائے اور اس کو قائم رکھنے والے کی تعریف کی جائے۔

یہاں چودھواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس کا حاصل :- یہ ہے۔ بندوں کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنا، اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کرم و احسان اور حقیقی مہربانی اور بخشش کا ذکر کر کے بندوں کے دل میں اس کی محبت پیدا کرنا ہے۔

اور وہ احسان و کرم یہ ہے :- اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو طاعت اور عمل کی توفیق عطا کر کے ہمارے اوپر احسان کیا۔ پھر دوسری مرتبہ باوجود اس کے کہ ہمارے عمل میں نقص اور خلل شامل تھا۔ اس کو قبول کر کے ہمارے اوپر فضل و کرم کیا۔

پھر جب ہم سے کوئی نافرمانی یا لغزش سرزد ہوتی ہے۔ تو اپنی پردہ پوشی اور مغفرت سے ہم کو ڈھانپ لیتا ہے

پھر جب ہم اس کی طرف حضور قلب کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں، تو معصیت اور ہمارے درمیان پردہ ڈال کر ہماری حفاظت فرماتا ہے۔ تا کہ ہمارا مرتبہ بڑھائے اور ہمارا شکر ظاہر فرمائے۔

پھر ہم اس کو اپنا ساتھی بناتے ہیں اور اس کے غیر کو کنارہ کش ہو کر چھوڑ دیتے ہیں۔ تو اب ہمارے قلوب میں یقین کے انوار روشن ہوتے ہیں۔ اور ہم بہت ہی کم وقت میں آخرت کی طرف سفر کرتے ہیں۔

پھر ہمارے اوپر احسان کے انوار روشن ہوتے ہیں۔ تو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نور کے مشاہدے کے سبب کائنات کا دیکھنا ہمارے سے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

تب اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں کے سامنے ہماری خوبیاں ظاہر فرماتا ہے۔ تو وہ لوگ تعریف اور محبت اور دوستی کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں۔

حضرت مصنفؒ نے اس کو پندرھویں باب کی ابتداء میں بیان فرمایا ہے

پندرھواں باب

تعریف اور برائی میں مرید کے آداب کے بیان میں

لوگوں کی مدح وستائش سے دھوکہ نہ کھاؤ

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

اَلنَّاسُ يَمْدَحُوْنَكَ لِمَا يَظُنُّوْنَ فِيْكَ ، فَكُنْ اَنْتَ ذَامًّا لِنَفْسِكَ لِمَا تَعْلَمُهُ مِنْهَا ۔ ''

لوگ تمہارے اندر حسن ظن رکھنے کی وجہ سے تمہاری تعریف کریں

تو تم اپنے نفس کی مذمت کرو۔ کیونکہ تم اس کی برائی کو جانتے ہو۔''

میں کہتا ہوں:۔ جب لوگ تمہاری تعریف کسی ایسی صفت کے ساتھ

کریں ، جو تمہارے اندر موجود نہیں ہے۔ تو تم یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی آواز دینے والے فرشتے تمہیں آواز دیتے ہیں۔ اور عمل کی زیادتی کے لئے تم کو مائل اور آمادہ کرتے ہیں۔ اور وہ تم سے کہتے ہیں:۔ نیکی تمہارے اس مقام سے آگے ہے۔ لہذا تم اس پر قناعت نہ کرو۔ اور جس مقام پر ہے اسی پر مائل نہ رہو۔ بلکہ اپنے نفس کی ملامت اور مذمت کرو۔ اور لوگوں کی تعریف سے دھوکا نہ کھاؤ۔ کیونکہ وہ لوگ تمہاری ظاہری پاکدامنی اور برائی سے پرہیز کرنے کے سوا کچھ نہیں جانتے ہیں۔ اور تم اپنے نفس کے باطن مغز یعنی پوشیدہ برائی کو جانتے ہو۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ جو شخص لوگوں کی تعریف سے خوش ہوا۔ تو بلاشبہ اس نے شیطان کو اپنے پیٹ میں داخل ہونے کا موقع دے دیا۔

ایک عمدہ دعا

بعض عارفین یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

(اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ خَیْرًا مِّمَّا یَظُنُّوْنَ وَلَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ، وَاغْفِرْ لَنَا مَا لَا یَعْلَمُوْنَ)

" اے میرے اللہ! لوگ میرے بارے میں جو حسن ظن رکھتے ہیں۔ تو مجھے اس سے بہتر بنا دے اور میرے متعلق لوگ جو کچھ کہتے ہیں تو اس پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کر۔ اور میرے جن گناہوں کو لوگ نہیں جانتے ہیں۔ تو ان کو بخش دے۔"

اور ہم نے لوگوں کی تعریفوں کو، اللہ تعالیٰ کے ہواتف (یعنی آواز دینے والے) اس نے کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا وجود میں کوئی نہیں ہے۔ (یعنی اس کے سوا کسی کا وجود نہیں ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَکَ

" اے ہمارے رب تو نے اس کائنات کو بے فائدہ نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے۔"

لہذا اللہ تعالیٰ کے متعلق مجبور رکھنے والے اس آواز کی طرف کان لگاتے ہیں۔ یعنی توجہ کے ساتھ سنتے ہیں) تو جب وہ اس سے کسی شی کے ساتھ اپنی تعریف سنتے ہیں۔ تو غور و فکر کرتے ہیں۔ اگر وہ شی ان کے اندر موجود ہوتی ہے۔ تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے لئے شکر کے مقام پر قائم ہونے کے لئے تنبیہ ہے۔ اور اگر وہ اس شی کو اپنے اندر نہیں پاتے ہیں۔ تو سمجھتے ہیں۔ کہ یہ ان کے لئے اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے تنبیہ ہے۔ اسی لئے جب حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ لوگوں سے اس طرح اپنی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ کہ وہ تمام رات قیام کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ صرف آدھی رات قیام کرتے تھے۔ تو وہ تمام رات قیام کرنے لگے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے۔ جنھوں نے یہ پسند کیا۔ کہ ان کی تعریف ایسے عمل کے ساتھ کی جائے۔ جسے انھوں نے نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ

" اور وہ لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ان تعریف ایسے اعمال کے ساتھ کی جائے جو انہوں نے نہیں کیا تو تم ان لوگوں کو ہرگز عذاب سے نجات پانے کے مقام پر نہ سمجھو۔"

غلط تعریف سے خوش ہونے والے کی مثال

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص غلط تعریف سے خوش ہوتا ہے

اس کی مثال :- اس شخص کی طرح ہے جس سے یہ کہا جائے :- تمہارے پیٹ سے جو پاخانہ نکلتا ہے اس میں مشک کی خوشبو ہوتی ہے اور وہ یہ سن کر خوش ہو۔ اور وہ سچے ساتھ اس مسخرہ پن کو پسند کرے۔

پھر جب مخلوق تمہاری طرف مدح وثنا کے ساتھ متوجہ ہو تو اپنے نفس کی مذمت کر لی، ور حقیقت یہ تمہارا اپنے رب سے شرم کرنا ہے۔ اس طرح کہ اس نے تمہارے عیوب کو چھپایا اور تمہاری خوبیوں کو ظاہر فرمایا۔

حضرت مصنف نے اسی چاہنے اس قول میں تنبیہ فرمائی ہے :-

(اَلْمُؤْمِنُ اِذَا مُدِحَ اِسْتَحْیٰی مِنَ اللّٰہِ اَنْ یُّثْنٰی عَلَیْهِ بِوَصْفٍ لَا یَشْهَدُهٗ مِنْ نَفْسِهٖ)

" جب مومن کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس بنا پر شرم کرتا ہے کہ اس کی تعریف ایسے وصف کے ساتھ کی جارہی ہے جس کو وہ اپنے اختیار سے نہیں دیکھتا ہے۔"

میں کہتا ہوں :- یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے۔ کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی سابق توفیق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور تمہارے لئے اس کی بہت بڑی نعمت ہے۔ کہ تمہارے اندر عمل اور وصف اس نے پیدا کیا۔ اور اس کو تمہاری طرف منسوب کر دیا۔

تو جب کسی ایسی شی کے ساتھ تمہاری تعریف بیان کی جائے جس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور تم صرف اس کے ظاہر ہونے کا مقام ہو۔ تو تم اس بات پر اللہ تعالیٰ سے شرم کرو۔ کہ ایسی شی کے

ساتھ تمہاری تعریف کی جارہی ہے۔ جس کے متعلق تم خوب جانتے ہو۔ کہ وہ تمہارے سوا دوسرے کا فعل ہے۔ (یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار سے ظاہر ہوئی ہے) یا اس شئی سے جو تمہارے اوپر ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ لہذا اگر کسی ایسی وصف کے ساتھ تمہاری تعریف کی جائے جو اس سے زیادہ ہو جو تمہارے اندر ہے۔ تو تم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کی توفیق مانگو:۔

(اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ)

"بیشک تمہارا رب جو ارادہ کرتا ہے اس کو پوری طرح کرتا ہے۔"

اور اپنے عمل کے ساتھ جسے تم کر رہے ہو تمہاری تعریف سے تم کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ اگر تمہارے دل میں تعریف کی خواہش نہیں ہے۔

حدیث شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔

حضرت نے فرمایا ہے:۔

(اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُؤْمِنُ ؟ قَالُوْا :۔ اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ، قَالَ :۔ اَلَّذِیْ لَا يَمُوْتُ حَتّٰى يَمْلَأَ مَسَامِعَهٗ مِمَّا يُحِبُّ ، وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا عَمِلَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ فِیْ جَوْفِ بَيْتٍ اِلٰى سَبْعِيْنَ بَيْتًا عَلٰى كُلِّ بَيْتٍ بَابٌ مِّنْ حَدِيْدٍ لَاَلْبَسَهُ اللّٰهُ رِدَاءَ عَمَلِهٖ حَتّٰى يَتَحَدَّثَ النَّاسُ بِذٰلِكَ وَ يَزِيْدُوْنَ ،

قِيْلَ :۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَزِيْدُوْنَ ؟ قَالَ :۔ اَلْمُؤْمِنُ يُحِبُّ مَا زَادَ فِیْ عَمَلِهٖ) اَلْحَدِيْثُ

کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مومن کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:۔ مومن وہ ہے:۔ جس کی موت اس وقت تک نہیں آتی ہے، جب تک اس کے کان اس چیز سے نہ بھر جائیں، جس کو وہ محبت کرتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر کے اندرونی حصے میں چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، جس میں ستر کمرے ہوں۔ اور ہر کمرے میں لوہے کا دروازہ ہو۔ (جس میں سے گزر کر کوئی شخص اس کی عبادت کو نہ دیکھ سکے) لیکن اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عمل کی چادر اڑھا

دیتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اس کی عبادت کو بیان کرتے ہیں اور اس کو زیادہ کرتے ہیں (یعنی اس کو زیادہ عبادت کرنے پر آمادہ کرتے ہیں) صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا:- یارسول اللہ!
لوگ کیسے زیادہ کرتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا:- مومن اس چیز کو دوست رکھتا ہے، جو اس کے عمل میں زیادتی پیدا کرے۔"

اور دوسری حدیث میں وارد ہے:-

(قِيْلَ : يَا رَسُوْلَ اللهِ الرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ خُفْيَةً ثُمَّ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِهِ فَيَفْرَحُ ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ :- لَهُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ :- اَجْرُ الْعَمَلِ ، وَاَجْرُ الْفَرَحِ)
حضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا:- یارسول اللہ! آدمی چھپ کر کوئی عمل کرتا ہے۔ پھر لوگ اس کو مشہور کرتے ہیں۔ تو وہ خوش ہوتا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ
نے فرمایا:- اس کے لئے دوگنا اجر ہے۔ ایک :- عمل کا اجر۔ دوسرا:- خوش ہونے کا اجر۔
پس اگر کسی ایسے وصف اور عمل کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے جو اس کے اندر نہیں ہے اور وہ اس سے دھوکے میں مبتلا ہو جائے۔ تو وہ اپنے رب اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

(اَجْهَلُ النَّاسِ مَنْ تَرَكَ يَقِيْنَ مَا عِنْدَهُ لِظَنِّ مَا عِنْدَ النَّاسِ)
"سب آدمیوں سے زیادہ جاہل وہ شخص ہے۔ جو لوگوں کے حسن ظن کی بنا پر، اپنے پاس موجود چیز کے یقین کو ترک کر دے۔"

میں کہتا ہوں: اپنے پاس موجود کا یقین:- وہ اپنی برائیوں اور اپنے پوشیدہ عیوب اور اپنی ان باطنی خامیوں اور خطاؤں پر، جو اس سے مخفی ہوئی ہیں، اس کا علم ہے۔
اور لوگوں کا حسن ظن:- وہ ہے جو وہ کمالات اور طاعتوں کے انوار اس کے ظاہر میں دیکھتے ہیں۔ اگرچہ ان طاعتوں میں باطنی خرابیاں اور نفسانی فوائد شامل ہیں۔ تو وہ مدح و ثنا کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو اگر اس نے اسی پر قناعت کر لیا اور اسی سے خوش ہو گیا۔ جو اس کے پاس ہے۔ تو وہ آدمیوں میں زیادہ جاہل اور احمق ہے۔ کیونکہ اس نے مخلوق کے علم پر قناعت

کیا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا خوف نہیں کیا اور فقیر کی ذات سے اس کے برعکس مطلوب ہے۔

مدح و ذم دونوں برابر ہو جائیں

فقیر سے مطلوب :۔ یہ ہے۔ کہ تعریف سے اس کو ناگواری محسوس ہو۔ اور برائی سن کر وہ خوش ہو۔ یہاں تک کہ اس کے نزدیک مدح و ثنا اور عیب جوئی و بدگوئی دونوں برابر ہوں۔

اور یہ اس وقت ہے۔ جبکہ تعریف کرنے والا دیندار اور پرہیزگار ہو لیکن اگر تعریف کرنے والا جاہل یا فاسق ہو۔ تو ان لوگوں کی تعریف کو پسند کرنے اور اس خوش ہونے سے بڑھ کر کوئی جہالت اور ناسمجھی نہیں ہے۔

حکیموں میں سے ایک حکیم کے متعلق یہ روایت کی گئی ہے :۔ عوام میں سے کسی نے ان کی تعریف کی۔ تو وہ رونے لگے۔ ان کے ایک شاگرد نے ان سے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ اس نے تو آپ کی تعریف کی ہے؟ حکیم نے اس شاگرد سے فرمایا :۔ اس نے میری تعریف اس وجہ سے کی ہے۔ کہ میری کوئی عادت اس کی عادت سے موافق ہو گئی ہے۔ (یعنی اس کی کوئی بری عادت میرے اندر پیدا ہو گئی ہے) اسی لئے میں رو رہا ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے :۔ برے لوگوں کی تعریف تمہارے لئے ذلت ہے۔ اور تم سے ان کی محبت تمہارے لئے عیب ہے۔

کسی حکیم سے کہا گیا :۔ عوام تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ تو حکیم نے اس سے نفرت ظاہر کی اور کہا :۔ شاید ان لوگوں نے میرے اندر کوئی ایسی صفت دیکھی ہے۔ جو ان کو پسند آئی ہے۔ اور اس صفت میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ جو ان لوگوں کو پسند ہو اور مجھ کو برا بنا دے۔

بہذا فقیر کے لئے مناسب یہ ہے۔ کہ وہ اپنی ان خوبیوں اور اعمال کو چھپائے جن سے اس کی تعریف کی جائے اور جائز اعمال میں سے ایسا عمل ظاہر کرے۔ جس کی وجہ سے وہ عوام کی نظروں سے گر جائے۔ جیسا کہ گمنامی کے باب میں گزر چکا ہے۔

طرف اندروں آشنا باش و ز بیرو بیگانہ نخود

ہمارے شیخ [illegible]

فقیر کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس کی شہرت، اس کے قدم (عمل) سے زیادہ نہ ہو۔
بلکہ اس کا عمل، اس کی شہرت سے زیادہ اور اس کا مرتبہ اس کے دعوے سے بڑا ہونا چاہئے۔ پس فقیر کو ظاہر میں جلالی اور باطن میں جمالی ہونا چاہئے۔ لہٰذا جس قدر جلال تم اپنے ظاہر پر ظاہر کرو گے، اسی قدر جمال تمہارے باطن میں داخل ہوگا۔ اور جتنا جمال تم اپنے ظاہر پر ظاہر کرو گے، اتنا جلال تمہارے باطن میں داخل ہوگا۔ اس لئے ظاہر کا آراستہ کرنا باطن کو خراب کرتا ہے۔ اور ظاہر کی خرابی باطن کو آراستہ کرتی ہے۔ تو جتنا تم ظاہر کو خراب کرو گے، اتنا ہی باطن آراستہ ہوگا۔ اور جتنا تم ظاہر کو آراستہ کرو گے، اتنا ہی باطن خراب ہوگا۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔
انھوں نے جاہلوں کی شان میں بہت خوب فرمایا ہے:۔

اِتَّقَقُوْا عَلَى الدِّيْنِ تَرَكُوْهُ تَعَانَقُوْا فِي الْمَالِ وَالْكَسَاوِيْ

" ان لوگوں نے دین کو متفق ہو کر چھوڑ دیا۔ لیکن مال اور لباسوں میں ایک دوسرے کی مخالفت کی۔

اَلثَّوْبُ مِنْ فَوْقٍ غَسَلُوْهُ وَ خَلُّوا الْقَلْبَ خَاوِيْ

" انھوں نے کپڑے کو اوپر سے دھویا۔ اور قلب کو خالی چھوڑ دیا۔"

تو جب تم جلال کو ظاہر کرو اور جمال کو پوشیدہ کرو۔ پھر اللہ بزرگ و برتر تمہاری تعریف ایسے وصف کے ساتھ ظاہر فرمائے، جس کے تم اہل نہیں ہو۔ تو تم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس طریقے پر کرو۔ جس کا وہ مستحق ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:۔

(اِذَا اَطْلَقَ الثَّنَاءَ عَلَيْكَ وَلَسْتَ بِاَهْلٍ فَاَثْنِ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ)

" جب اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدح و ثنا جاری فرمائے اور تم اس کے اہل (مستحق) نہیں ہو۔ تو تم اس کی حمد و ثنا اس شے کے ساتھ کرو جس کا وہ مستحق ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی زبان پر تمہاری تعریف اس وصف کے ساتھ جاری فرمائے، جس کو تم اپنے نفس (اختیار و قوت) سے نہیں سمجھتے ہو۔ اور تم اس کے اہل نہیں

ہو۔ تم تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس طریقے پر کرو۔ جس کا وہ مستحق ہے۔ یعنی اس تعظیم کے ساتھ جس کا وہ مستحق ہے۔ تاکہ یہ تمہاری تعریف میں مخلوق کی زبان جاری کرنے کی نعمت کا شکر ہو جائے۔ اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے عیوب کو مخلوق سے چھپایا اور تمہاری خوبیاں ان کے سامنے ظاہر کیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری برائیوں کا ایک ذرہ بھی انکے سامنے ظاہر کر دیتا ہے۔ تو وہ تم سے نفرت کرتے اور تمہارے دشمن ہو جاتے۔

پس بیشک بندہ نقص (عیوب) کا مقام ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کمالات کا مقام ہے۔
لہٰذا جو کمال بھی تمہارے اندر ظاہر ہوا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے کمالات سے ٹپکا ہوا ہے۔

لہٰذا سب حمد و ثنا فی الحقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ تو جب وہ تمہارے اوپر واقع ہو (یعنی تمہاری تعریف ہونے لگے) تو تم اس کو اس کی اصل طرف واپس کر دو۔ اور تعریف درحقیقت اپنی اصل ہی میں واقع ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ ارادہ مختلف ہو گیا۔ لہٰذا حکم بھی مختلف ہو گیا۔

ایک سید زادے کا اپنی تعریف پر خاموشی

سادات میں سے کسی کی تعریف کی گئی۔ لیکن وہ خاموش تھے۔ تو ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو انھوں نے جواب دیا۔ اس تعریف میں سے میرے اندر کچھ نہیں ہے اور میں اپنے نفس کے بارے میں زیادہ سخت نہیں ہوں۔ بلکہ درمیانی حالت میں بھی نہیں ہوں۔ اور جاری ہونے اور پیدا ہونے کا سبب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ جمع کے مرتبہ والوں کی حالت ہے۔

اور بعض سادات فرق کو استعمال کرتے تھے۔ جب وہ اپنی تعریف سنتے تھے۔ تو اپنی خلوت میں اپنے سر پر مٹی ڈالتے تھے۔

مدح و ثنا میں تین قسم کے افراد ہیں

پس تعریف اور برائی کی حالت کے اعتبار سے آدمیوں کی تین قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم:۔ وہ لوگ ہیں جو تعریف سے خوش ہوتے ہیں۔ اور برائی کو ناپسند کرتے ہیں۔
کیونکہ ان کے نفوس ان کے اوپر غالب ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ نفوس عزت اور بلندی

سے خوش ہوتے ہیں اور مذمت اور ذلت سے ناخوش ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ غافل عوام ہیں۔

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔ جو مدح و ثنا کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور مذمت کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے نفوس کے مجاہدہ میں مشغول ہیں۔ اس لئے جو شئی بھی نفس کو تکلیف دیتی اور اس کو قتل کرتی ہے۔ یہ لوگ اس کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور جو شئی نفس کو زندہ کرتی اور طاقت پہنچاتی ہے۔ اس سے بھاگتے ہیں اور یہ لوگ عابدین اور زاہدین اور مریدین میں سے سائرین ہیں۔

تیسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔ جو مدح و ثنا سے اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اس کو اپنے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھتے ہیں۔ اور مذمت کو بھی گوارا سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کو اپنے دوست اللہ تعالیٰ کا جلال سمجھتے ہیں۔ اور یہ لوگ عارفین ہیں۔

اور مصنف نے اپنے اس قول میں دوسری اور تیسری قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا:۔

(اَلزُّهَّادُ إِذَا مُدِحُوْا انْقَبَضُوْا لِشُهُوْدِهِمُ الثَّنَاءَ مِنَ الْخَلْقِ، وَالْعَارِفُوْنَ إِذَا مُدِحُوْا انْبَسَطُوْا لِشُهُوْدِهِمْ ذٰلِكَ مِنَ الْمَلِكِ الْحَقِّ)

”زاہدین:۔ جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ تعریف کو مخلوق کی طرف سے دیکھتے ہیں۔ اور عارفین:۔ جب ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ تعریف کو بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں۔“

میں کہتا ہوں:۔ عابدین و زاہدین:۔ چونکہ یہ لوگ مخلوق کے دیکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ سے محجوب ہیں۔ اس لئے جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ اس کو مخلوق کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ اور فرق کے سبب جمع کے مقام سے دور رہ گئے ہیں۔ اس لئے وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اور اپنے نفس کے لئے ڈرتے ہیں۔ کہ وہ اس سے دھوکا نہ کھا جائے۔ اور اسی میں مشغول نہ ہو جائے اور یہ لوگ ان طریقوں پر عمل کرتے ہیں جن کے ذریعے نفس مردہ ہو جائے اور قلب زندہ ہو جائے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ تعریف میں نفس کا زیادہ حصہ ہے۔ اس وجہ سے اکثر اوقات وہ مدح و ثنا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور اپنے کو دوسروں سے افضل و اعلیٰ سمجھ لیتا ہے۔ پھر یہ اس کے لئے تکبر اور خود پسندی کا سبب بن جاتا ہے۔ اور یہی دونوں تمام گناہوں کی جڑ ہیں۔

لیکن مذمت تو نفس کے لئے اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مذمت میں اس کی موت ہے اور اس کی موت میں قلب کی زندگی ہے۔

پس اسی وجہ سے جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ رنجیدہ ہوتے ہیں اور جب ان کی برائی بیان کی جاتی ہے۔ تو وہ خوش ہوتے ہیں۔

اور مصنف انتا ہی کہہ کر خاموش ہو گئے۔ گویا کہ اتنے ہی سے مفہوم حاصل ہو جائے گا۔

لیکن عارفین واصلین ۔ تو اس وجہ سے کہ وہ اپنے نفوس سے فنا ہو چکے ہیں۔ اور اپنے رب کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں۔ بادشاہ حقیقی اللہ تعالے کے مشاہدہ میں مخلوق سے غائب ہو گئے ہیں۔ جب ان کی مدح وثنا کی جاتی ہے۔ تو وہ مخلوق کی زبان کو اللہ تعالے کا قلم سمجھتے ہیں۔ اور عین فرق میں جمع کو دیکھتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے مولائے حقیقی کی تعریف سے خوش ہوتے ہیں اور خوشی کی حالت میں اپنے دوست کے نزدیک رہتے ہیں۔ پھر اس کی محبت اور شوق میں بڑھتے جاتے ہیں اور اس کی محبت اور عشق میں فنا ہو جاتے ہیں۔

اور ایسے لوگوں کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے :-

(إِذَا مُدِحَ الْمُؤْمِنُ رَبَا الْإِيْمَانُ فِيْ قَلْبِهِ رَبْوَةً)

"جب مومن کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو ایمان اس کے قلب میں پوری طرح ترقی کرتا ہے۔ اور جب عارفین کی مذمت کی جاتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالے کی قہریت کے ماتحت سکون اور اس کے جلال کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے رنجیدہ ہوتے ہیں۔

اور یہ رنج ، بدگوئی کی نسبت مخلوق کی طرف ہونے کی حیثیت سے اس کے ناپسند ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ مخلوق کو اللہ تعالے کی قدرت کے ساتھ گردش کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اس کی نشانی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ مذمت (بدگوئی) کرنے والے کو معاف کر دیتے ہیں۔ بلکہ اس پر مہربانی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ محبت سے دوستانہ سلوک کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عارف شاعر نے کہا ہے :-

دیں۔ اور جب لوگ ان کی برائی بیان کرتے ہیں۔ اور مخلوق ان کی طرف سے منہ پھیر لیتی ہیں۔ تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ عبادت کے لئے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور اس مجاہدہ کی طرف بڑھتے ہیں۔ جس میں وہ مشغول ہے۔

تیسری قسم :۔ مریدین سالکین :۔ تو وہ لوگ اپنے نفوس کی موت اور اپنے قلوب کی زندگی کے لئے عمل کرتے ہیں۔ اس لئے جب ان کی برائی بیان کی جاتی ہے اور مخلوق ان سے منہ پھیر لیتی ہے۔ تو وہ اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ اس میں ان کے نفوس کی موت اور ان کے قلوب کی زندگی ہے۔ اور جب ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو وہ اپنے نفوس کے طاقت ور ہونے اور اپنے قلوب کے کمزور ہونے کے خوف سے ناگواری محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ نفوس کی موت میں قلوب کی زندگی ہے اور نفوس کی زندگی میں قلوب کی موت ہے۔

چوتھی قسم۔ عارفین :۔ تو وہ اپنے نفوس پر غالب ہو چکے ہیں۔ اور اپنے معبود کے شہود میں پہنچ چکے ہیں۔ لہذا وہ ہر شے سے نسبت (محبت) رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کو ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے۔ وہ ہر شے سے حصہ حاصل کرتے ہیں اور ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی تجلی رکھتے ہیں۔ اس لئے جب ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ تعریف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف مشاہدہ کرتے ہیں اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف سے زیادہ محبوب کوئی نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

اور جب ان کی برائی بیان کی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کے ساتھ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے یا اللہ تعالیٰ کے بندوں پر شفقت کے خیال سے ناگواری محسوس کرتے ہیں:۔

(مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ) "جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی۔ تو میں نے اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا۔"

پس ان کا بسط (خوشی) بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اور ان کا قبض (ناگواری) بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا سے بے نیاز ہیں۔

اور اس مفہوم یعنی نفوس کی فنا کی بنا پر ان کی تعریف ان کی ذات کے لئے ان کے اوپر

اللہ تعالٰی کے انعام کو ظاہر کرنے کے لئے درست ہے۔

جیسے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی اور حضرت

شیخ ابوالعباس مرسی اور حضرت شیخ زروق اور انہیں جیسے دوسرے حضرات رضی اللہ عنہم۔ اور ان

اکابر عارفین کی طرف سے مدح و ثنا

نظم و نثر میں مشہور ہے۔

اور اسی بنا پر ان حضرات نے اس شخص کو تسلیم کیا۔ جس نے ان کی مدح و ثنا بیان کی اور

ان کے مدح و ثنا بیان کرنے کے وقت خوشی ظاہر فرمائی۔

اور حضرت مصنف کے اپنے شیخ ابوالعباس کی تعریف میں قصیدے ہیں اور حضرت شیخ

ان سے فرمایا کرتے تھے:۔ اللہ تعالٰی روح القدس کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے۔ جیسا کہ حضرت

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت حسان بن ثابت سے جبکہ وہ آپ ﷺ کی مدح و ثنا بیان

کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:۔ اللہ تعالٰی روح القدس سے تمہاری مدد فرمائے۔

اور شیوخ کرام کی تعریف: بہت بڑی قربت اور اللہ تعالٰی تک پہنچنے کے وسیلوں میں

سب سے زیادہ قریب وسیلہ ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ اللہ تعالٰی کا بہت بڑا دروازہ ہیں۔ اور اللہ

تعالٰی کا دوہاتھ ہیں۔ جو اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں داخل ہونے والوں کا ہاتھ پکڑ کر اس کی بارگاہ تک

لے جاتا ہے۔ لہذا جس نے ان کی تعریف کی، اس نے درحقیقت اللہ تعالٰی کی تعریف کی۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے:۔

(إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ)

” بے شک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ صرف اللہ تعالٰی سے

بیعت کرتے ہیں۔

اور جس شخص نے ان کو برا کہا اس نے اللہ تعالٰی کو برا کہا۔

نعتِ رسول کریم ﷺ بارگاہ خداوندی میں پہنچنے کا مؤثر ترین ذریعہ

اسی طرح حضرت رسول کریم ﷺ کی مدح و ثنا (نعت شریف)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کا بہت بڑا دروازہ ہے۔

پس اگر تم پر اعتراض :- یہ ہو۔ کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی

حدیث:-

(اُحْثُوْا التُّرَابَ فِیْ وُجُوْہِ الْمَدَّاحِیْنَ)

"تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی (دھول) ڈال دو"

سب کے لئے عام ہے لہذا عارفین اور غیر عارفین سب کی تعریف پر

صادق ہوگا۔

تو میرا جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث جس کے سبب جھوٹی تعریف پر محمول (چسپاں) ہو

گا۔ جیسا کہ عہدہ دار دولت کی حرص میں بادشاہوں اور دولت

مندوں کی تعریف کی جاتی ہے۔

یا یہ حدیث ان کے اوپر محمول ہوگا۔ جو اپنے نفس کے ساتھ باقی ہیں۔ اور اس پر غافل

ہونے کا خوف رکھتے ہیں۔ جیسے عابدین اور زاہدین۔

لہذا جب کوئی شخص ان کی تعریف کرے۔ تو انہیں چاہئے کہ اس کو روک دیں۔ اور اس

کے منہ میں دھول ڈال دیں۔ اور " دھول ڈالنے " حقیقتاً فرمایا گیا ہے۔ یا اس کی تعریف کو ناکامی

کے ساتھ رد کرنے اور روک دینے سے کنایہ کیا گیا ہے۔

لیکن عارفین محققین (حقیقت میں ثابت اور قائم ہو جانے والے) وہ ایسے لوگ ہیں۔

کہ انہوں نے ممدوح (جس کی تعریف کی جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ) کو پہچان لیا۔ اور وہ تعریف

کرنے والے اور تعریف کئے جانے والے کے درمیان واسطہ کے دیکھنے سے غائب ہو چکے

ہیں۔

پس اے فقیر! اگر تمہاری یہ حالت ہو کہ جب تم کو تمہارے فوائد عطا کئے جاتے ہیں، اور تمہاری تمنائیں پوری کر دی جاتی ہیں اور تم اپنی عادات و خواہشات مثلاً دولتمندی اور عزت اور مرتبہ اور خوشحالی اور تندرستی اور آرام اور ان کے علاوہ دوسرے فوائد اور خواہشات کے پانے میں کامیاب ہو جاتے ہو، تو تم خوش ہوتے ہو، اور جب تم اپنے فوائد اور خواہشات سے محروم کر دیے جاتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دولتمندی کو فقیری اور محتاجی سے اور عزت کو ذلت سے اور مرتبہ اور شہرت کو گمنامی سے اور خوشی کو رنج و غم سے، اور تندرستی کو بیماری سے اور آرام کو مصیبت سے بدل دیتا ہے۔ تو تم رنجیدہ اور پریشان ہوتے ہو تو تم حضرت مصنفؒ کے کلام کے مطابق اس بات کو اپنے طفیلی ہونے کی دلیل سمجھو۔ اور تم کو ان کے مقام سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور درحقیقت تم صرف عرسوں کے کھانے میں بغیر دعوت کے شامل ہونے والے طفیلی ہو۔ اور ہمیشہ خواب غفلت میں ہو۔ اور نیز اس حالت کو تم اپنی عبودیت میں سچائی نہ ہونے کی دلیل تصور کرو۔

عبودیت کی سچائی

کیونکہ عبودیت میں سچائی: نعمت اور مصیبت میں یکسانیت (برابری) چاہتی ہے۔ جیسا کہ ایک عارف شاعر نے فرمایا:۔

أَحِبَّايَ أَنْتُمْ أَحْسَنَ الدَّهْرُ أَمْ أَسَا ... فَكُونُوا كَمَا شِئْتُمْ أَنَا ذٰلِكَ الْخِلُّ

" تم لوگ ہر حال میں میرے دوست ہو۔ زمانہ خواہ اچھا ہو یا برا۔ لہٰذا تم جس طرح چاہو رہو۔ (یعنی تم لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کرو یا برا) میں وہی تمہارا دوست ہوں۔"

کمال کی نشانی

حضرت ابوعثمان حیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ کوئی آدمی کامل نہیں ہوتا ہے۔ جب تک اس کے دل میں چار چیزیں برابر نہ ہو جائیں۔ محرومی اور بخشش اور عزت اور ذلت۔"

طفیلی

تو اگر فقیر دینے کے وقت مسرور (بے قرار) ہوتا ہے اور نہ دینے کے وقت

شکست کھا جائے تو سمجھ لو کہ وہ کمزور حال والا ہے اور اللہ والوں کی شکل وصورت اور لباس میں طفیلی ہے۔

حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب تنویر میں فرمایا ہے :- اور در حقیقت اللہ تعالے اپنی حکمت اور اپنے احسان سے ایسے فقیروں کو آزماتا ہے جو اپنی پوشیدہ رغبت اور خواہش کے ظاہر کرنے میں سچے نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے کو اہل دنیا کے سامنے (اپنی ذات کو ان کے لئے استعمال کر کے) ذلیل کرتے ہیں۔ اس طرح کہ ان سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں۔ ان کے مرغوبات (پسند) میں ان کی موافقت کرتے ہیں۔ ان کے دروازوں پر دھکے کھاتے ہیں۔

پس تم ان میں سے بعض ایسا شخص بھی دیکھو گے۔ کہ وہ دلھن کے بناؤ سنگار کی طرح بناؤ سنگار کرتا ہے۔ وہ اپنے ظاہر کی درستی میں مشغول رہتا ہے اور اپنے باطن کی اصلاح سے غافل رہتا ہے اور کبھی اللہ تعالے ان کے اوپر کوئی نشان لگا کر اس کے ذریعے ان کے عیوب کو کھول دیتا ہے اور ان کے خبروں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ پس اس کے بعد کہ اگر اس کی نسبت اللہ تعالے کے ساتھ سچی ہوتی تو اس کو عبد القلیب کہا جاتا لیکن چونکہ وہ اپنے سچا نہ ہونے کے سبب اس نسبت سے خارج ہو گیا۔ اس لئے وہ ایسا ہو گیا۔ اس کو شیخ الامیر (امیر کا شیخ) کہا جائے۔ یہی لوگ اللہ تعالے پر جھوٹا بہتان لگانے والے اور اللہ تعالے کے بندوں کو اولیاء اللہ کی محبت سے روکنے والے ہیں۔ کیونکہ عوام ان کا جو حال دیکھتے ہیں۔ اس کو اس جماعت سے منسوب ہر شخص پر اوڑھا دیتے ہیں (چسپاں کر دیتے ہیں) خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ لہذا یہ لوگ اہل حقیقت کے پردے ہیں۔ اور اہل توفیق کے سورجوں کے چھپانے والے بادل ہیں۔ اپنے طبلے بجاتے ہیں۔ اور اپنے جھنڈے لہراتے ہیں۔ اور اپنی زرہوں کو پہنتے ہیں۔ پھر جب حملہ ہو جاتا ہے۔ تو اپنی ایڑیوں پر پھر کر بھاگتے ہیں۔ وہ صرف زبانی دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے قلوب تقویٰ (اللہ تعالے کے خوف) سے خالی ہیں۔ کیا انہوں نے اللہ تعالے کا یہ قول نہیں سنا ہے :-

(لِيَسْئَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ)

سولہواں باب

سیر کرنے کی حالت میں سالک کے آداب کے بیان میں

گناہ رب سے مایوس نہ کرے

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

(إِذَا وَقَعَ مِنْكَ ذَنْبٌ فَلَا يَكُنْ سَبَبًا يُؤَيِّسُكَ مِنْ حُصُوْلِ الْاِسْتِقَامَةِ مَعَ رَبِّكَ فَقَدْ يَكُوْنُ ذٰلِكَ اٰخِرَ ذَنْبٍ قُدِّرَ عَلَيْكَ)

"جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ تمہارے رب اللہ تعالیٰ کے ساتھ استقامت کے حاصل ہونے سے تمہارے مایوس ہونے کا سبب نہ ہو جائے۔ کیونکہ کبھی یہاں گناہوں کا آخری گناہ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مقدر کیا ہے۔"

میں کہتا ہوں:- سچا سالک یا حقیقت تک پہنچا ہوا واصل، تیز رفتار سوار کی طرح ہے۔ چلنے میں کوشش کرنے والا اس قدر تیز رفتار کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اڑ رہا ہے۔ پھر اگر وہ پھسلتا ہے اور گر جاتا ہے۔ تو اپنے گھوڑے پر مضبوطی سے جم کر بیٹھتا ہے اور اپنے مقصود کے حاصل کرنے کے لئے برابر اس کو چلاتا رہتا ہے۔ پھر جب اس طرح گرتا ہے۔ کہ مرغ کی طرح لوٹنے لگتا ہے۔ تو یہ اس کے کمزور ہونے اور اپنے مقصد کے حاصل نہ کرنے کی دلیل ہے۔

لہذا اے فقیر! اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے تم کو جدا کرنے کا، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ استقامت سے تم کو مایوس کرنے کا سبب نہ ہو جائے۔ ورنہ تمہارے اوپر گناہ کا عذاب دوگنا ہو جائے گا۔ اور تمہارے حق میں مصیبت اور بلا بڑھ جائے گی۔ کیونکہ یہ معصیت

بھی تمہارے لئے رحمت اور تمہاری عادتوں پر تمہارے لئے تنبیہ ثابت ہوتی ہے۔ جیسے کہ غم، اور کمزوری کا واقع ہونا۔

لہٰذا اگر تم گر پڑو۔ تو پھر اٹھ جاؤ۔ اور جب اٹھ جاؤ تو کوشش کرنے لگ جاؤ۔ اور کبھی یہ ان گناہوں میں سے آخری گناہ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ازل میں مقدر فرمایا ہے۔

اور ان واقعات میں غور کرو۔ جو بہت سے اکابر (بڑے بڑے) اولیائے کرام کو پیش آئے۔ پہلے وہ چور اور ڈاکو تھے۔ پھر وہ خواص ہو گئے۔ جیسے حضرت ابراہیم ابن ادہم اور حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت ابو یعزی رضی اللہ عنہم۔ اور ان کے علاوہ بے شمار حضرت اولیائے عظام۔ لہٰذا یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کے بارے میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہونے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ)

" آپ فرما دیجئے! اے میرے وہ بندو، جو اپنے اوپر زیادتی کر چکے ہو۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

(وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ)

اور گمراہ لوگوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

(لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ)

" کافر قوم کے سوا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی ناامید نہیں ہوتا ہے"

بہترین خطا کار

اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

(كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ)

تمھارے لئے اسی پر قناعت نہیں کیا۔ بلکہ تمھارے لئے دارالسلام (سلامتی کا گھر) جنت تیار کی جو ہمیشہ ہمیشہ باقی اور قائم رہے گی۔ پھر اس نے اپنے سابق قدیم احسان کو پورا کرنے کے لئے اپنے بزرگ و مقدس چہرہ کے دیدار کا تحفہ عطا فرمایا۔

اور اگر تم یہ چاہتے ہو، کہ تمھارے لئے غم اور خوف کا دروازہ کھل جائے۔ تو تم اپنی برائی اور عبادت میں کوتاہی اور خواہش کی موافقت اور غفلت کے ساتھ خوشی اور رانسیت کو دیکھو۔ جو تم نے اس کی طرف روانہ کیا ہے۔ کیونکہ بیشک اگر تم ان کو دیکھو گے۔ تو تمھارا غم ہمیشہ رہے گا۔ اور تمھارا خوف مضبوط ہو جائے گا۔ لیکن اکثر اوقات یہ تمھارے رب کے ساتھ تمھاری بدظنی کا سبب ہو جائے گا۔

(فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا) "پھر قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا۔"

حدیث شریف میں ہے۔

(لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَ جَاءَ بِقَوْمٍ آخَرِيْنَ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)

"اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو لے جاتا۔ (فنا کر دیتا) اور ایک دوسری قوم کو لے آتا۔ (پیدا کرتا) وہ گناہ کرتے۔ پھر استغفار کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا۔ بے شک وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔"

یہ حدیث شریف اس بات کی دلیل ہے:۔ کہ لطف و کرم کا دیکھنا، انتقام کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ہے۔

دو خصلتیں ایسی ہیں، جن سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے:۔ پہلی:۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن۔ دوسری:۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ حسن ظن ہے۔

اور دو خصلتیں ایسی ہیں، جن سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں ہے:۔

پہلی:۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی۔ دوسری:۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بدظنی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

اور تیسرا مرتبہ:- جس کا بیان باقی رہ گیا ہے۔ وہ ان کے مشاہدہ میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ امید اور خوف سے غائب ہوتا ہے۔ اور یہ اہل شہود کا مقام ہے۔ اسی وجہ سے ان کا معاملہ تمام حالات میں یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر خیر سے ہم لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

پھر چونکہ امید کا پھل اور نتیجہ بسط (خوشی اور اطمینان) ہے۔ اور خوف کا پھل اور نتیجہ قبض (غم اور بے قراری) ہے۔ اس لئے مصنف نے امید اور خوف کے بعد بسط اور قبض کا بیان فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا:-

رُبَّمَا اَفَادَكَ فِيْ لَيْلِ الْقَبْضِ مَا لَمْ تَسْتَفِدْهُ فِيْ اِشْرَاقِ نَهَارِ الْبَسْطِ ، لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا

”اکثر اوقات اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو قبض کی رات کی تاریکی میں وہ فائدہ عطا فرماتا ہے۔ جس کو تم بسط کے دن کی روشنی میں نہیں پا سکتے ہو۔ تم کو معلوم نہیں کہ دونوں (قبض اور بسط) میں کون تمہارے لئے زیادہ مفید ہے۔“

میں کہتا ہوں - قبض اور بسط:- دو ایسی حالتیں، جو انسان پر یکے بعد دیگرے آتی رہتی ہیں۔ جس طرح رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔ رات سکون اور آرام کا وقت ہے۔ اور دن حرکت اور پریشانی (محنت اور کوشش) کا وقت ہے۔ قبض میں نفس کو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اور بسط سے نفس اپنا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اور جس چیز میں نفس کو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ وہ سلامتی سے زیادہ قریب ہے۔ اور بہت زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہے۔

تو قبض رات کی طرح اور راحت، مناجات اور مصاحبت کا اور احباب کی ملاقات اور پردے کے اٹھنے کا وقت ہے۔ لہذا اکثر اوقات اللہ تعالیٰ نے تم کو قبض کی رات میں نفس کے فنا ہونے اور حس کے ختم ہونے اور محبت کے قائم ہونے کا ایسا فائدہ عطا فرماتا ہے۔ جو تم بسط کے دن میں نہیں حاصل کر سکتے ہو۔ اور بسط کے دن میں علوم و فنون کے حاصل کرنے اور شیوخ اور بزرگ حضرات کی صحبت اختیار کرنے کا وہ فائدہ تم کو پہنچاتا ہے۔ جو تم قبض کی رات میں نہیں حاصل کر سکتے

کے علاوہ کسی دوسرے حال میں ظاہر ہونے کے تصور اور عقیدے سے پاک ہونا لازمی ہے۔

اسی طریقے سے بندے کا قلب روشن ہوتا ہے۔ اس کا سِرّ اور روح پاک ہوتی ہے۔ پھر اس کے سامنے سے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ اور انوار اور اسرار کے نازل ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے۔

مَطَالِعُ الْاَنْوَارِ الْقُلُوْبُ وَالْاَسْرَارُ

''انوار کے طلوع ہونے کے مقامات قلوب، اور اسرار ہیں۔''

میں کہتا ہوں:۔ انوار سے مراد:۔ واردات اور کشوفات ہیں۔ (کشف کی جمع) جو حجابات کو کھول دیتی ہیں۔ اور کائنات کے مظہروں سے حفاظت کا چادر دور کر دیتی ہیں۔

اور یہ بیان پہلے گزر چکا ہے:۔ کہ نفس، اور عقل اور قلب اور روح اور سِرّ اکثر صوفیائے کرام کے نزدیک، ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ اور وہ صرف روح ہے۔ جو صفائی اور ترقی کے مطابق مختلف نام اور حالت اختیار کرتی ہے۔

تو جب تک وہ اپنے فوائد اور خواہشات میں مشغول رہتی ہے۔ تو وہ نفس ہے۔ اور اس کا نور تہ میں چھپا ہوا ہے۔ پھر جب وہ روک دی جاتی ہے اور شریعت کی رسی سے باندھ دی جاتی ہے۔ مگر وہ نافرمانیوں اور گناہوں کی طرف مائل ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی نافرمانی کرتی اور توبہ کرتی ہے۔ اور کبھی طاعت کرتی اور ثواب پاتی ہے۔ تو اس کا نام عقل رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا نور تھوڑا سا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کائنات کے قید خانے میں گرفتار ہے۔ دلیل و برہان کی بندش سے بندھی ہوئی ہے۔ پھر جب وہ گناہوں سے باز آ جاتی ہے۔ لیکن غفلت اور بیداری اور طاعت اور معصیت کے درمیان پھرتی رہتی ہے۔ تو اس کا نام قلب رکھا جاتا ہے۔ اور یہ انوار کا پہلا مطلع ہے۔ کیونکہ اس پر توجہ کے انوار روشن ہوتے ہیں پھر ہمیشہ واردات یعنی توجہ کے انوار متواتر اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سکون حاصل کرتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتی ہے۔ تو اب اس کا نام روح رکھا جاتا ہے۔ اور یہ مواجہت کے انوار کا پہلا مطلع ہے۔ پھر جس میں انوار سے حجاب دور ہوتا ہے۔ اور دروازہ کھلتا ہے اور وہ احباب کی بارگاہ میں داخل ہوتی ہے۔

پھر جب وہ حس (ظاہر) کی تاریکی سے صاف اور اغیار کی کدورتوں سے پاک ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کا نام سِرّ رکھا جاتا ہے۔ اور یہ مشاہدہ کے انوار کا پہلا مطلع ہے۔ پھر جب وہ انوار کی آلودگی سے پاک ہو جاتی ہے۔ اور یہ مقامات قرب میں قیام اور کرامات کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ تو اس کا نام سِرّ السِرّ رکھا جاتا ہے۔ اور یہ معاینہ اور مکالمہ (دیکھنا اور بات کرنا) کے انوار کا پہلا مطلع ہے۔ پھر اس کے بعد نہ کوئی حال ہے۔ نہ کوئی مقام ہے۔

(يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا)

"اے یثرب والوں تمہارے لئے کوئی مقام نہیں ہے۔ تو لوٹ جاؤ۔"

لیکن علوم و معارف میں ترقی تو اس کی کبھی انتہا نہیں ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ جاری رہتی ہے

پس قلوب:- توجہ کے انوار کے مطلعین اور مشرقین (طلوع ہونے اور روشن ہونے کی جگہ) ہیں۔

اور اسرار:- مواجہہ اور مشاہدہ اور معاینہ کے مطلعین اور مشرقین ہیں۔ اور روح اور سِرّ:- مرتبہ میں ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ اسی لئے مصنف نے ارواح کے بیان سے خاموشی اختیار کی ہے۔ کیونکہ ارواح اسرار میں داخل ہیں۔

حاصل یہ ہے:- کہ نفسوں اور عقلوں پر ظلمت غالب ہے۔ اس وجہ سے کہ دونوں محسوس میں مشغول ہیں۔ اور تاریکی اور چھپے رہنے میں فنا ہیں۔ اس لئے یہ دونوں کسی نور کے مطلع نہیں ہیں۔ کیونکہ دونوں کی توجہ کریم اور غفور اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہے۔

لیکن قلب اور روح اور سِرّ:- انوار کے مطالع، یعنی انوار کے طلوع ہونے اور روشن ہونے کے مقامات ہیں۔ مگر یہ کہ قلب:- توجہ کے انوار کا مطلع ہے۔

اور روح اور سِرّ:- مواجہت کے انوار کا مطلع ہیں۔ اور دونوں کی تشریح مصنف کے اس قول:- "سفر کرنے والے ہدایت پاتے ہیں" کے ضمن میں پہلے گزر چکی ہے۔ اور مصنف نے دونوں کو برابری کے درجے میں رکھا ہے۔ اور اُن کا مراد وہی ہے۔ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پھر مصنف نے اس نور کے ابتدائی مطلع کو بیان کیا اور وہ ابتدائی مطلع قلب ہے۔ پھر یہ

نور روح کے اوپر روشن ہوتا ہے۔ پھر سر کے اوپر روشن ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

نُوْرٌ مُسْتَوْدَعٌ فِي الْقُلُوْبِ ، مَدَدُهُ النُّوْرُ الْوَارِدُ مِنْ خَزَائِنِ الْغُيُوْبِ

''جو نور قلوب میں امانت رکھا گیا ہے۔ اس کو اس نور سے مدد پہنچتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے غیبی خزانے سے وارد ہوتا ہے۔''

انوار کی قسمیں

میں کہتا ہوں: قلوب میں امانت رکھا ہوا نور، یقین کا نور ہے۔ اور وہ پہلے ستاروں کی روشنی کی طرح کمزور ہوتا ہے۔ اور وہ اسلام کا نور ہے۔ پھر وہ بڑا طاقتور ہوتا رہتا ہے۔ اور غیبی خزانوں سے وارد ہونے والے نور سے مدد حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چاند کی روشنی کی طرح طاقتور ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایمان کا نور ہے۔

پھر وہ نور طاعت اور ذکر اور اولیائے کرام کی صحبت سے ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سورج کی روشنی کی طرح بہت طاقتور ہو جاتا ہے۔ اور وہ احسان کا نور ہے۔ اور غیبی خزانے - صفات کے انوار اور ذات کے اسرار ہیں۔ وہ انھیں سے اسلام اور ایمان کے انوار مدد حاصل کرتے ہیں۔ پھر احسان کے انوار روشن ہوتے ہیں۔ پھر کائنات کا وجود چھپ جاتا ہے۔

حضرت مصنف نے اپنی کتاب تنویر میں فرمایا ہے -

جب وہم کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔ تو مخلوق کے وجود کے گم ہونے کی بنا پر عیان (مشاہدہ) حاصل ہوتا ہے۔ اور یقین کا نور روشن ہوتا ہے۔ تو کائنات کا وجود چھپ جاتا ہے۔

اور تم کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ حضرات صوفیائے کرام رضی اللہ عنہم کی اصطلاح میں ترتیب اس طریقے پر ہے - پہلے اسلام۔ پھر ایمان۔ پھر احسان۔ اس کی وجہ یہ ہے:-

بندہ جب تک ظاہری محسوس عبادات میں مشغول رہتا ہے۔ اس مقام کا نام ''مقام اسلام'' رکھا جاتا ہے۔

پھر جب عمل قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور وہ بشری عیوب سے پاک ہونے اور معرفت سے آراستہ ہونے اور اخلاص کے ثابت و قائم ہونے کے ساتھ قلب کی صفائی میں بندے کا

مشغول ہوتا ہے۔ تو اس کا نام "مقام ایمان" رکھا جاتا ہے۔

پھر جب عمل روح اور سر کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور وہ فکر و نظر ہے۔ تو اس کا نام "مقام احسان" رکھا جاتا ہے۔

فقہائے کرام کے خلاف:۔ کیونکہ وہ حضرات ایمان کو اسلام پر مقدم کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔ ایمان کے بغیر کچھ درست نہیں ہے۔ اور اصطلاح میں کچھ مخالفت نہیں ہے۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

"سب لوگوں نے اپنے پانی پینے کے گھاٹ کو پہچان لیا۔"

بعض محققین نے فرمایا ہے:۔ تم جان لو! کہ عالم ملک یعنی عالم شہادت کے لئے ظاہری انوار ہیں۔ اور عالم ملکوت یعنی عالم غیب کے لئے باطنی انوار ہیں۔

اور عالم ملک میں زیادہ مشہور تین انوار ہیں:۔

ایک:۔ سورج کا نور۔ دوسرا:۔ چاند کا نور۔ تیسرا:۔ ستاروں کا نور۔ اور ان تینوں کے مقابل عالم ملکوت میں تین انوار ہیں:۔ ایک:۔ معرفت کا نور۔ دوسرا:۔ سمجھ کا نور۔ تیسرا:۔ علم کا نور۔

پس جہالت کی رات میں علم کے ستارے کے طلوع ہونے سے آخرت اور غیبی امور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور توحید کے افق میں سمجھ کے چاند کے طلوع ہونے سے اللہ تعالیٰ کے قرب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور تفرید کے افق میں معرفت کے سورج کے طلوع ہونے سے یقین مضبوط ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ روشن ہوتا ہے۔

اور پہلا نور، جو جسد میں داخل ہوتا ہے۔ اسلام کا نور ہے۔ تو جب اس سے قلب کھل جاتا ہے۔ تو اس میں ایمان کا نور داخل ہوتا ہے اور جب وہ قلب میں مضبوط ہو جاتا ہے۔ تو وہ شہود ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ اسی نور کی بنا پر قلب اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت کو سما لیتا ہے اور اسی کی طرف حدیث قدسی میں اشارہ فرمایا ہے:۔

(لَنْ يَسَعَنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَ وَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ)

''نہ مجھ کو میری زمین سما سکتی ہے، نہ میرا آسمان اور میرے مومن بندے کا قلب مجھ کو سما لیتا ہے۔

''(یعنی مومن کے قلب میں میری گنجائش ہے۔ میں اسی میں رہتا ہوں۔

لہذا تم اس قلب پر غور کرو۔ جو اللہ رب العزت سبحانہ تعالیٰ کو اپنے اندر سما لیتا ہے۔ وہ کتنا بڑا اور وسیع ہے۔ اس لئے اے میرے بھائی! تم ایسے قلب والوں سے جو اللہ علام الغیوب کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہیں محبت کرو۔ تا کہ وہ تم کو اسی غیوب کے علم تک پہنچا دیں۔ جس کے پاس وہ خود پہنچے ہوئے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

پھر مصنف نے اس نور کے حاصل ہونے کا نتیجہ بیان فرمایا اور وہ نتیجہ:- اشیاء کی حقیقتوں کا ظاہر ہونا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

نُورٌ يَكْشِفُ لَكَ بِهِ عَنْ آثَارِهِ ، وَنُورٌ يَكْشِفُ لَكَ بِهِ عَنْ أَوْصَافِهِ

''ایک نور ہے، جس کے ذریعے تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایک نور ہے جس کے ذریعے تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کے اوصاف ظاہر ہوتے ہیں۔''

میں کہتا ہوں:- نور کی حقیقت اس حیثیت سے کہ وہ کشف ہے۔ تو ظاہری محسوس نور، محسوسات کو ظاہر کرتا ہے اور معنوی نور مفہومات کو ظاہر کرتا ہے۔

یا تم اس طرح کہو۔ ظاہری نور، اوانی (حقیقت کا ظرف) کو ظاہر کرتا ہے اور باطنی نور، حقیقتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اوانی کے دیکھنے کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ جبکہ وہ حقیقتوں سے خالی ہوں۔

اور باطنی نور، اپنی طاقت اور کمزوری کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی قسم:- اسلام کا نور۔ وہ ستاروں کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارے سامنے اپنے آثار کے وجود کو ظاہر کرتا ہے۔ تا کہ تم ان آثار (مخلوق) کے ذریعے ان کے بنانے والے (خالق) پر استدلال کرو۔ (اس کی طرف رہنمائی حاصل کرو)

دوسری قسم:- ایمان کا نور:- وہ چاند کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارے سامنے اپنے اوصاف کے ثبوت کو ظاہر کرتا ہے۔ لہذا جب کوئی شے حرکت کرتی ہے یا ٹھہرتی ہے۔ تو تم اس کی حرکت اور سکون کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور اس کے علم اور اس کی حیات اور

اس کی دوسری صفات کے ساتھ دیکھتے ہو۔

تیسری قسم:- احسان کا نور۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارے سامنے اپنی ذات کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا تم کسی شے کو نہیں دیکھتے ہو۔ مگر اس کے اندر اس کے خالق کو اس کی تجلیوں کے واسطے سے دیکھتے ہو۔ اور یہ نور سورج کی طرح ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

" اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

پس پہلے نور کے ظاہر ہونے کا انجام افعال میں فنا ہوتا ہے۔ اور دوسرے نور کے ظاہر ہونے کا انجام صفات میں فنا ہوتا ہے۔ اور تیسرے نور کے ظاہر ہونے کا انجام فنائی الذات میں ثابت اور قائم ہوتا ہے۔

اور مصنفؒ نے دوسرے نور کے بیان کو کافی سمجھا اور تیسرے نور کے بیان کو ضروری نہیں سمجھا۔ اس لئے اس کو بیان نہیں کیا۔ کیونکہ فنائی الصفات، فنائی الذات کے قریب ہے۔ اس لئے کہ صفات اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا جو شخص اپنے سننے اور اپنے دیکھنے اور اپنی حرکت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتا ہے۔ وہ اپنے وجود کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اسی لئے بعض عارفین نے فنائی الذات کے بیان کے ساتھ فنائی الصفات کا بیان ضروری نہیں سمجھا ہے۔ کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ اس لئے جب دونوں میں سے کوئی ایک بھی ثابت ہو گیا۔ تو دوسرا بھی ثابت ہو گیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اور احتمال یہ ہے۔ کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول سے " ایک نور ہے۔ جس کے ذریعے تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کے آثار (مخلوقات ظاہر ہوتے ہے) وہ ظاہری نور مراد لیا ہو۔ جو ظاہری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔

اور اس قول سے " ایک نور ہے۔ جس کے ذریعے تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کے اوصاف ظاہر ہوتے ہیں " بصیرت کا باطنی نور مراد لیا ہو۔

اور حضرت شیخ ابن عباد رضی اللہ عنہ نے اسی کو کافی سمجھا ہے۔

لیکن ظاہری آنکھ کا نور، اثر میں مؤثر کو (مخلوق میں خالق کو) مستقل طریقے پر نہیں دیکھ سکتا ہے۔ جب تک باطنی عقلی انوار اس کی مدد نہ کرے۔ تو یہ صرف باطنی انوار پر منحصر ہے۔

لیکن ظاہری انوار:۔ تو وہ ہر شخص کو نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ جانور بھی ان کو دیکھتے ہیں۔ لہذا اس کے لئے کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق

اور بندے سے مطلوب، اثر کے دیکھنے والے نور سے، صفات کے مشاہدہ کرنے والے نور کی طرف اور پھر ذات کے مشاہدہ کرنے والے نور کی طرف ترقی کرنی ہے۔ اور کبھی بعض قلوب پہلے ہی نور میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ دوسرے نور سے محجوب رہ جاتے ہیں اور کبھی دوسرے نور کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ تو تیسرے نور سے محجوب رہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ مصنف نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے۔

رُبَّمَا وَقَفَتِ الْقُلُوْبُ مَعَ الْاَنْوَارِ ، كَمَا حُجِبَتِ النُّفُوْسُ بِكَثَائِفِ الْاَغْيَارِ

”اکثر اوقات دل انوار کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ جیسا کہ نفوس اغیار کی کثافتوں کے ساتھ محجوب ہو جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں:۔ بعض قلوب مقامات کے انوار کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ابھی انتہا تک نہیں پہنچے ہیں۔ (یعنی انتہا تک پہنچنے کے بغیر انوار میں مشغول ہو کر آگے بڑھنے سے رک جاتے ہیں) لہذا وہ پہنچنے سے محجوب ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ نفوس محسوسات کی کثافتوں کے سبب، معانی و مفہوم (حقیقتوں اور مقصود) کی باریکیوں کے دیکھنے سے محجوب ہوتے ہیں۔

اور ایسا یا تو شیخ تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا پھر ترقی کرنے سے ہمت کی کمزوری کی بناء پر ہوتا ہے۔

تو کبھی بعض قلوب پر تو حید افعال کا سر ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ عمل میں فنا ہو جاتے ہیں اور اس کی شیرینی چکھتے ہیں۔ اس لئے وہ اسی کے ساتھ ٹھہر جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت کے غیبی آواز دینے والے فرشتے ان کو پکارتے ہیں کہ اس جگہ نہ ٹھہرو۔ تم جس کو چاہتے ہو۔ وہ ابھی اور آگے ہے۔

ہیں۔ آمین

اور عقلی اور زبانی علوم بھی اغیار میں داخل ہیں۔ لہذا ان علوم میں مشغول ہونا اور ان کی لذت کے ساتھ ٹھہرنا، اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے، یعنی خاص معرفت کے لئے سب سے زیادہ سخت حجاب (حجاب اکبر) ہے۔

اور ظاہری کرامات، جیسے ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا بھی اغیار میں شامل ہیں۔ لہذا اس کے ساتھ ٹھہرنا بھی سخت ترین حجاب ہے۔

اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہونے میں زیادہ سخت علما ہیں، پھر عابدین ہیں، پھر زاہدین ہیں۔

پس پاک ہے وہ ذات، جس نے علما کو ان کے علم کے سبب ان کے معلوم (اللہ تعالیٰ) سے اور عابدین کو ان کی عبادت کے سبب ان کے معبود حقیقی سے، اور صالحین کو ان کی صلاحیت کے سبب ان کے مصلح سے محجوب کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے بالاتر اور آگے ہے۔ اور اسی کے بارے میں حضرت ششتری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔

تَقَيَّدْتَ بِالْأَوْهَامِ لَمَّا تَدَاخَلَتْ   عَلَيْكَ وَ نُوْرُ الْعَقْلِ اَوْرَثَكَ السَّجْنَا

"تم وہموں کے ساتھ مقید ہو گئے۔ جب وہ تمہارے اندر داخل ہوئے۔ اور عقل کے نور نے تم کو مقید کر دیا۔

وَهِمْتَ بِاَنْوَارٍ فَهِمْنَا اُصُوْلَهَا   وَ مَنْبَعُهَا مِنْ اَيْنَ كَانَ فَمَا هِمْنَا

"اور تم انوار کے عاشق ہو گئے۔ لیکن ہم نے ان کے اصول اور سرچشمے کو سمجھ لیا ہے۔ کہ وہ کہاں سے آئے ہیں۔ اس لئے ہم ان پر عاشق نہیں ہوئے۔

وَقَدْ تَحْجُبُ الْاَنْوَارُ لِلْعَبْدِ مِثْلَ مَا   تُبْعِدُ مِنْ اَظْلَامِ نَفْسٍ حَوَتْ جِبْنَا

"انوار بھی بندے کو اسی طرح روک دیتے ہیں۔ جس طرح وہ نفس کی تاریکی کی وجہ سے دور ہو جاتا ہے۔ جو کینہ اور دوسرے برے اوصاف کو شامل ہے۔"

اور ان ظاہری [illegible] قائم [illegible] کی [illegible] بعض [illegible] اگر کوئی ڈھانپنا اور چھپانا

ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:-

(سَتَرَ اَنْوَارَ السَّرَائِرِ بِكَثَائِفِ الظَّوَاهِرِ ، اِجْلَالًا لَهَا اَنْ تُبْتَذَلَ بِوُجُوْدِ الْاِظْهَارِ ، وَ اَنْ يُّنَادٰى عَلَيْهَا بِلِسَانِ الْاِشْتِهَارِ)

"اللہ تعالیٰ نے سرائر (باطن) کے انوار کو، ظاہری کثافتوں سے، ان کی عزت و تعظیم قائم رکھنے کے لئے پوشیدہ کیا۔ تا کہ ظاہر کر کے ان کو ذلیل اور حقیر نہ کیا جائے۔ اور شہرت کر کے ان کا اعلان نہ کیا جائے۔

میں کہتا ہوں:- سرائر کے انوار:- لدنی علم اور ربانی معارف ہیں۔ اور ان کو ربوبیت کا وہ علم جمع کرتا ہے، جس کا چھپانا اس کے نااہل سے واجب ہے اور جس شخص نے اس کے ظاہر کرنے کو مباح (جائز) کیا۔ اس کا خون مباح کر دیا گیا۔ (اس کو قتل کر دیا گیا) اور انھیں سرائر کو ظاہر کرنے کے سبب حضرت منصور حلاج رحمہ اللہ قتل کئے گئے۔

اور ظاہری کثافتیں:- ظاہری بشریت ہے۔

یا تم اس طرح کہو:- سرائر کے انوار:- باطنی آزادی ہے۔ اور ظاہری کثافتیں:- ظاہری بندگی ہے۔

یا تم اس طرح کہو:- سرائر کے انوار:- باطنی قدرت کا علم ہے۔ اور ظاہری کثافتیں:- ظاہری حکمت کا علم ہے

پس سرائر کے انوار:- لطیف، باریک حقیقتیں ہیں۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری کثافتوں سے پوشیدہ فرما دیا ہے۔ اسی لئے سرائر کے انوار والوں کا ظاہر دیکھنے والے لوگوں نے ہمیشہ انکار کیا۔ خواہ وہ پرانے زمانے کے لوگ ہوں، یا نئے زمانے کے لوگ ہوں۔

یہاں تک کہ کافروں نے کہا:-

(مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ)

"یہ کیسا رسول ہے۔ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے"

(وَقَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ)

اور کافروں نے کہا:۔ یہ نہیں ہے۔ مگر ہماری طرح بشر ہے۔

اور اولیاء اللہ کا انکار کرنا۔ پرانی سنت ہے اور اس کی حکمت، ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا ہے اور اس سے ان کو محفوظ کرتا ہے کہ وہ ظاہر کر کے حقیر کر دیئے جائیں۔ اور ان کو مشہور کر دیا جائے۔ پھر نہ ان کا راز باقی رہے، نہ عزت قائم رہے۔

اسی لئے اولیائے کرام نے گمنامی اور خراب (لوگوں کی نظروں سے گرانے والے طریقے اور تلبیس (احوال کو چھپانے والے طریقے) کو پسند فرمایا ہے:۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

إِذَا رَأَيْتَ الْوُجُوْدَ قَدْ لَاحَ لِيْ ذَاتِكَ

"جب تم وجود کو دیکھو۔ کہ تمہاری ذات میں ظاہر ہوا ہے۔"

فَوَسْوِسْ وَ لَازِمِ الْجُحُوْدَ ذَاتَكَ وَ صِفَاتَكَ

"تم بے وقوف بن جاؤ۔ اور اپنی ذات اور صفات کا انکار کر دو۔"

وَ اضْرِبْ بِخُرْسِكَ الْعُقُوْدَ وَأَلْقِ عَصَاتَكَ

"اور اپنی تلوار سے تعلقات کو کاٹ دو۔ اور اپنی بھروسہ (سہارا) ختم کر دو۔

ترس:۔ کے معنی ہیں ڈھال۔ یہاں تلوار مجازاً لیا گیا ہے۔ اور عقود سے مراد، تعلقات اور شواغل (بانعات روکنے والی چیزیں) یعنی اپنے عزم کی تلوار سے تعلقات اور بانعات کو ختم کر دو۔

اور القاء العصا:۔ لاٹھی ڈال دینا۔ سہارا ختم کرنا ہے، ان تمام اشیاء کے ختم کرنے سے جن پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ جیسے اصحاب (ساتھی) یا احباب (دوست) یا اسباب (ذریعے اور وسیلے) یا اختیار یا طاقت، یا ان کے سوا ہر وہ شئی جس کی طرف انسان مائل ہوتا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے:۔ کہ مصنف نے سرائر کے انوار سے صفات کی حقیقتیں مراد لی ہوں، جو ذات میں سرایت کی ہوئی ہیں۔ اور ظاہر کی کثافتوں سے ظاہری محسوسات مراد لی ہو۔ تو صفات محسوس ذاتوں کے بغیر ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ اور محسوس ذاتیں صفات کے بغیر قائم نہیں ہوتی ہیں۔

لہذا اللہ ... صفات ... کثیف ذاتوں کے ظہور

میں پوشیدہ کیا۔ تا کہ ربوبیت کا رز ظاہر ہو کر حقیر نہ ہو۔ یا مشہور ہو کر راز ظاہر نہ ہو جائے۔ بلکہ ربوبیت کا راز، راز کی حیثیت سے محفوظ رہے۔ حاصل یہ ہے کہ کل اشیاء ذات اور صفات کے درمیان ظاہر اور باطن کے درمیان قدرت اور حکمت کے درمیان قائم ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے لطیف ذات کے اسرار کی حقیقتوں کو کثیف ذاتوں کے ظہور میں پوشیدہ کر دیا اور لطیف حقیقت کو کثیف محسوس میں پوشیدہ کر دیا اور قدرت کو حکمت میں پوشیدہ کر دیا۔

اور لطیف حقیقت کو کثیف محسوس میں پوشیدہ کر دیا۔ اور قدرت کو حکمت میں پوشیدہ کر دیا۔

اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شی موجود نہیں ہے۔ اور یہ ظاہری کثافتیں:۔ لطیف حقیقتوں کی چادریں اور قمیصیں ہیں۔

یا تم اس طرح کہو:۔ یہ ظاہری کثافتیں:۔ حفاظت کی چادر ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے کائنات پر اوڑھا دیا ہے۔

لہٰذا جب چادر چاک ہوتی یا دور ہو جاتی ہے۔ تو مسلم حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔ پس تصرفات قہر یہ صرف چادروں اور پردوں کو کھینچتے ہیں۔ نہ کہ حقیقتوں اور نور کو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ کہ اس کو وہ شے لاحق ہو، جو بندوں کو لاحق ہوتی ہے۔ اس لئے تم کو زیادتی کی طلب سے باز رہنا چاہئے۔

اور ادراک سے عاجز ہونا ہی بندوں کا وصف ہے۔

اور عارفین نے لطیف حقیقتوں کے کثیف اجسام میں پوشیدہ ہونے کی مثال، ان خشک داتوں اور پھلوں سے دی ہے۔ جو تر و تازہ شاخوں میں نکلتے ہیں۔ تو وہ پھل اسی شاخ میں پوشیدہ ہیں۔ تو جب بارش ہوتی ہے۔ درخت سرسبز ہو جاتے ہیں۔ اور ان پھلوں کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ جو ان کے اندر چھپے ہوتے ہیں۔

اور حضرت ابن بناء نے اپنے مباحث اصلیہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

وَهِيَ مِنَ النُّفُوْسِ فِيْ كُمُوْنٍ ۔۔۔ كَمَا يَكُوْنُ الْحَبُّ فِي الْغُصُوْنِ

"اور لطیف حقیقتیں نفوس میں اسی طرح چھپی ہوئی ہیں۔ جس طرح دانہ یا پھل شاخوں کے اندر چھپے

ہوتے ہیں۔

حَتّٰی اِذَا اَرْعَدَتِ الرُّعُوْدُ　　　وَانْسَکَبَ الْمَاءُ وَ لَانَ الْعُوْدُ

یہاں تک کہ جب بادل گرجتا ہے اور پانی برستا ہے اور شاخیں نرم ہوتی ہیں۔

وَجَالَ فِی اَغْصَانِهَا الرِّیَاحُ　　　فَعِنْدَهَا یُرْتَقَبُ لُقَاحُ

"اور ان کی شاخوں کے اندر ہوا گزرتی ہے تو اس وقت پھل کا انتظار کیا جاتا ہے۔

یہاں سولہواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اور اس کا حاصل :- سیر کرنے کی حالت میں سائر کے آداب ہیں۔ اس طرح کہ کسی نافرمانی کے ساتھ نہ ٹھہرے۔ اور نہ کسی طاعت کی طرف جھکے۔ (یعنی کسی نافرمانی میں مشغول نہ ہو جائے اور کسی طاعت پر اعتماد نہ کر بیٹھے) نہ اس کے اوپر خوف غالب ہو، نہ رجاء، نہ قبض غالب ہو، نہ بسط۔ بلکہ اس پر نظر رکھے جو غیب سے ظاہر ہو۔ پھر اسکو معرفت اور کشادہ دلی کے ساتھ قبول کرے۔

لہٰذا جب وہ ایسا کرے گا۔ تو اس کے اوپر انوار روشن ہوں گے۔ اور اس کو مخلوق کی غلامی سے آزاد کر دینگے۔ یہاں تک کہ اس کو بادشاہ قہار اللہ تعالیٰ کے شہود تک پہنچا دیں گے۔ لیکن حسینوں کے لئے نقاب اور سورج کے لئے بادل اور یاقوتوں کے لئے حفاظت ضروری ہے۔ اس لئے انوار، اغیار کی کثافتوں سے پوشیدہ ہو گئے۔ تا کہ ظاہر اور مشہور ہونے سے محفوظ رہ کر ان کی قدر و منزلت قائم رہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اپنی مخلوق میں پوشیدہ کر دیا ہے۔ لہٰذا وہ ان سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا ہے۔ مگر اس شخص کو جس کو وہ اپنے راز سے خاص کرنا چاہتا ہے۔ جس راز سے اولیائے کرام کو خاص کیا ہے۔

مصنفؒ نے اس کو سترھویں باب کی ابتداء میں بیان کیا ہے۔

سترہواں باب

اللہ تعالے کی معرفت اور اولیاء اللہ کی معرفت دونوں کے لازم ملزوم ہونے، ولایت کے اسرار کی تشریح، عارف میں شہود حق تعالے، ہر شی سے فنا ہونے اور ہر شی سے اللہ تعالے کی محبت زیادہ ہونے کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ الدَّلِيْلَ عَلٰى اَوْلِيَائِهٖ اِلَّا مِنْ حَيْثُ الدَّلِيْلِ عَلَيْهِ، وَلَمْ يُوْصِلْ اِلَيْهِمْ اِلَّا مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّوْصِلَهٗ اِلَيْهِ۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اولیا تک پہنچنا اپنی ذات تک پہنچنے کی دلیل بنائی۔ (یعنی اولیاء اللہ کی معرفت کو اپنی ذات کی معرفت کے لئے لازمی قرار دیا۔ اور وہ جس شخص کو اپنی ذات تک پہنچانا چاہتا ہے، اسی کو اپنے اولیا تک پہنچاتا ہے۔"

اہل اللہ کی بارگاہ تک رسائی وصول الی اللہ کا دیباچہ ہے

میں کہتا ہوں:- دلیل وہ ہے:- جو مقصود تک پہنچا دے۔ پس جب اللہ تعالے تم کو کسی عارف باللہ ولی تک پہنچائے اور اس کی طرف تمہاری رہنمائی کرے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ وہ تم کو اپنی معرفت تک پہنچانا اور اپنی ذات کی طرف تمہاری رہنمائی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے جب اس نے تمہاری رہنمائی اپنے کسی ولی کی طرف کی اور تم کو اس کے راز سے آگاہ کیا۔ تو یقینی طور پر وہ تم کو اپنی معرفت کی طرف رہنمائی کریگا اور تم اپنی بارگاہ میں جلد پہنچ جاؤ گے۔ لہذا اللہ تعالے نے اولیاء اللہ کی طرف رہنمائی اور ان کے پاس پہنچنا، اپنی معرفت کی دلیل بنائی۔ اور جس کو اپنی معرفت تک پہنچانا

سے جس کا نام عالم غرق ہے، فنا ہو جاتے ہو۔ اس حقیقت کے بارے میں حضرت ابن بناء نے فرمایا
ہے:-

مَهْمَا تَعَدَّيْتَ عَنِ الْأَجْسَامِ أَبْصَرْتَ نُوْرَ الْحَقِّ ذَا ابْتِسَامِ

"جب تم اجسام سے تجاوز کر کے آگے بڑھ گئے۔ تو تم نے اللہ تعالیٰ کے نور کو مسکراتے دیکھا۔"

اور تمہارے اوپر رحمت کی بنا پر اپنے بندوں کے پوشیدہ راز تم سے چھپا دیتا ہے۔ اس لئے
کہ تم بندوں کے رازوں سے آگاہی کے سبب ملکوت کے شہود سے محجوب ہو جاتے ہو۔

لہذا محققین کے نزدیک بندوں کے رازوں کے مکاشفہ (آگاہ ہونا) کا کچھ اعتبار نہیں
ہے۔ بلکہ یہ کبھی آگاہ ہونے والے کے حق میں مصیبت بن جاتی ہے۔ جیسا کہ عنقریب اس کا بیان
آئے گا۔

اور بندوں کے رازوں سے آگاہی، ایسے لوگوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جن کو عبادت
سے بالکل تعلق نہیں ہوتا ہے۔ جیسے کاہن اور جادوگر وغیرہ

اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ملکوت کا مشاہدہ کرنے والے، بندوں کے رازوں کی آگاہی سے
محجوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس حالت میں مشغول ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی
اور بہت مفید ہے۔

اور یہ مکاشفات (بندوں کے رازوں سے آگاہی) صرف عابدین، زاہدین، اور
ریاضت و مجاہدہ کرنے والوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور عارفین کے لئے بھی مکاشفات کے حاصل
ہونے سے انکار نہیں ہے۔ کبھی ان کو مکاشفہ اور کشف دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی بندوں کے
رازوں کا مکاشفہ اور قلب سے حجاب کا کشف۔ لیکن اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ روح ملکوت کے شہود
میں مستغرق رہتی ہے۔ نہ یہ کہ بندوں کے رازوں سے آگاہ ہونے کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ اس کا
تعلق عالم ملک سے ہے۔

حضرت شیخ ابو عزی رضی اللہ عنہ لوگوں کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہو جاتے تھے۔ اور
ان کو رسوا کرتے تھے۔ تو ان کے شیخ حضرت ابو شعیب [illegible] رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس اس

وباللہ التوفیق

مقاطعہ مقتدی کیلئے وبال ہے

ہوتی ہے۔ جو حق ہوتی ہے۔

حضرت ابو محمد مرتعش نے فرمایا ہے:۔ میں نے تجرید کی حالت میں (یعنی دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو کر) متعدد حج کئے۔ بعد میں مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ سب کے سب نفس کے فوائد سے مخلوط تھے۔

اور یہ بات مجھ کو اس طرح معلوم ہوئی۔ کہ ایک روز میری والدہ محترمہ نے مجھ سے فرمایا:۔ میرے لئے ایک گھڑا پانی لا دو۔ تو یہ میرے اوپر گراں گزرا۔ اس واقعہ سے میں نے یہ جان لیا۔ کہ حج کرنے میں میرے نفس کی موافقت کسی فائدہ اور آمیزش کے لئے تھی۔ کیونکہ اگر میرا نفس فنا ہو گیا ہوتا۔ تو اس کے اوپر وہ شی گراں نہ گزرتی جو شریعت میں حق ہے۔ (یعنی والدہ کے حکم کی اطاعت)

حضرت شیخ احمد بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ مجھ کو میرے نفس نے جہاد میں جانے کے لئے کہا۔ تو میں نے کہا:۔ سبحان اللہ (تعجب ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ

”نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔“

اور یہ مجھ کو بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نفس تنہائی سے گھبرا گیا ہے۔ وہ لوگوں سے ملنا چاہتا ہے تا کہ ان سے مل کر سکون و آرام حاصل کرے اور اپنی جہاد کی تیاری لوگوں کو سنانا چاہتا ہے تا کہ لوگ تعظیم کے ساتھ اس کا استقبال کریں۔ لہٰذا میں نے اس سے کہا:۔ میں آبادی میں نہیں جاؤں گا۔ اور پہچاننے والوں کے ساتھ نہیں ٹھہروں گا۔ اس پر بھی اس نے لبیک کہا اور راضی ہو گیا۔ تو میں اس سے اور زیادہ بدظن ہو گیا۔ اور کہا:۔ اللہ تعالیٰ کا قول زیادہ سچا ہے۔ پھر میں نے اس سے کہا:۔ میں دشمن سے بغیر ہتھیار اور ڈھال کے صرف نیزے سے جنگ کروں گا۔ لہٰذا تو پہلے ہی قتل ہو جائے گا۔ نفس نے اس کو بھی قبول کیا۔ میں نے اور بھی بہت سی چیزیں اس کو شمار کرائیں۔ اس نے ان سب کو قبول کر لیا۔ تو میں نے کہا:۔ اے میرے رب تو ہی مجھے نفس کی حالت سے آگاہ فرما۔ بیشک میں اپنے نفس کو مجرم قرار دیتا ہوں۔ اور تیرے قول کی تصدیق کرتا ہوں۔ تب مجھ کو الہام کیا گیا کہ نفس کہتا ہے: تم ہر روز میری مخالفت کر کے

اور میری خواہشات کو روک کر مجھ کو قتل کرتے ہو۔ اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر تم جہاد کرو گے اور قتل کر دیئے جاؤ گے۔ تو صرف ایک مرتبہ قتل ہو گا۔ اور میں تم سے نجات پا جاؤں گا۔ اور لوگ سنیں گے۔ تو کہیں گے۔ احمد شہید ہو گئے۔ تو اس سے لوگوں میں میری عزت اور شہرت ہو گی۔ اس لئے میں بیٹھ گیا اور میں اس سال جہاد کے لئے نہیں گیا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ایک رات میرے نفس نے مجھ کو اتنا تنگ کیا کہ میرے اندر صبر کرنے کی طاقت نہیں رہی۔ پھر میں اپنے سونے کی طرف روانہ ہوا۔ تو میں ایک ایسے شخص کے پاس پہنچا۔ جو قبرستان میں سر چھپائے پڑا تھا۔ جب اس نے میری آہٹ محسوس کی تو اس نے کہا:۔ کون ابو القاسم؟

میں نے کہا۔ ہاں۔ اس نے دریافت کیا۔ نفس کی بیماری کب اس کے لئے دوا بن جاتی ہے؟ میں نے جواب دیا۔ جب تم نفس کی خواہش کی مخالفت کرتے ہو۔ تو اس کی بیماری اس کے لئے دوا بن جاتی ہے۔ پھر اس نے اپنے نفس سے کہا:۔ تو اس کو سن لے۔ میں نے بہت مرتبہ تجھ کو یہ جواب دیا ہے۔ لیکن تو کہتا رہا:۔ جب تک میں یہ بات جنید سے نہ سنوں گا۔ نہ مانوں گا۔ تو اب تو نے جنید سے بھی سن لیا۔

حضرت جنید فرماتے ہیں:۔ پھر میں واپس آ گیا اور میں نے اس شخص کو نہیں پہچانا۔

پھر مصنف نے اس دوا کی تشریح کی جو طاعت کے اندر اپنی خفی جزئیت کے ساتھ پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ بہت بڑی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

رُبَّمَا دَخَلَ الرِّيَاءُ عَلَيْكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَنْظُرُ الْخَلْقُ إِلَيْكَ

"اکثر اوقات ریا تمہارے اندر اس حال میں بھی داخل ہوتی ہے کہ مخلوق تمہاری طرف نہیں دیکھتی ہے۔"

ریا کی تعریف

میں کہتا ہوں: ریا: لوگوں کے نزدیک قدر و منزلت کی خواہش اور کسی نیک عمل کے ذریعے اس کے ارادہ کرنے کا نام ہے۔ خواہ وہ عمل لوگوں کے سامنے ظاہر ہو اور اکثر ایسا ہی ہوتا

ہے۔ خواہ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہو۔ کیونکہ ریا، پوشیدہ عمل میں بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا ریا تمہارے اندر اس حال میں بھی داخل ہوتا ہے۔ کہ کوئی شخص تمہارے عمل کو نہ دیکھے۔ اور یہ پہلے سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

بعض عارفین فرماتے تھے:۔ میں نے اپنے قلب سے ہر طریقے پر ریا کو دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب میں نے اس کو ایک طریقے سے دور کیا۔ تو وہ دوسرے طریقے سے پیدا ہو گیا۔ جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ بڑی ریاؤں میں سے یہ ہے:۔ کہ دینے اور روکنے اور نقصان اور فائدہ کو مخلوق کی طرف سے سمجھے۔

ریا کی تین اقسام اور تینوں مخرب دین ہیں

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ ریا کی تین قسمیں ہیں۔ اور تینوں دین کی خرابی کا سبب ہیں۔

پہلی قسم:۔ اور یہ سب سے بڑی ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ اپنے عمل سے مخلوق کا ارادہ کرے۔ اور اگر مخلوق موجود نہ ہو تو وہ عمل نہ کرے۔

دوسری قسم:۔ یہ ہے کہ مدح و ثنا کے لئے عمل کرے۔

تیسری قسم:۔ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے لئے عمل کرے۔ لیکن اس عمل سے ثواب حاصل کرنے یا عذاب دور ہونے کی امید کرے۔ اور یہ تیسری قسم:۔ ایک طریقے سے بہتر ہے اور ایک طریقے سے بری ہے۔ عارفین کے نزدیک یہ ریا ہے۔ اور عام مسلمانوں کے نزدیک یہ اخلاص ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ

''اور عمل صالح کو اللہ تعالےٰ بلند کرتا ہے۔

اور عمل صالح:۔ وہ ہے جو ظاہری اور باطنی ریا سے اس طرح محفوظ ہو کہ اس عمل کا کرنے والا دنیا اور آخرت کے کسی فائدے کا ارادہ نہ کرے۔

علامات ریا

اور ریا کاری کی بہت سی علامات ہیں۔ جو پوشیدہ نہیں ہیں:-

ان علامات میں سے ہے:- لوگوں کے سامنے اس کا خوشی اور سرگرمی سے عمل کرنا۔ اور تنہائی میں، اس کا عمل میں کاہلی اور سستی کرنا ہے۔ یعنی جب لوگ اس کو دیکھتے ہوں، تو پوری مستعدی سے عمل کرتا، اور جب اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ دیکھتا ہو، تو کاہلی اور سستی سے عمل کرتا ہے۔

اور ریا کی علامات میں سے ہے:- اس کا اپنے دل میں لوگوں سے اپنی عزت اور تعظیم کی خواہش رکھنا ہے اور اپنی ضروریات کے پورا کرنے میں، لوگوں کے ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لینے کا طلبگار ہونا ہے۔ اور جب کوئی شخص اس کے اس حق میں کوتاہی کرے، جس کا وہ اپنے نزدیک اپنے کو مستحق سمجھتا ہے۔ تو وہ اس سے دور رہے۔ اور اس کو برا سمجھے۔

اور یہ کہ وہ اپنی عزت اور اپنے غیر کی عزت اور اپنی توہین اور اپنے غیر کی توہین میں اپنے ساتھیوں کے سلوک میں فرق محسوس کرے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات بعض کم عقل اور کم ظرف لوگ اس کو اپنی زبان سے ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر جو لوگ ان کے حق کے معاملے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے جلد سزا دینے کی دھمکی دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ کہ ان کی مدد کرے۔ اور ان کا بدلہ لے۔

لہذا اگر فقیر اپنے اندر ان علامات کو پائے۔ تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے عمل میں ریاکاری کر رہا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے عمل کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے:- اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فقیروں سے فرمائے گا۔ کیا تم لوگ اپنا بھاؤ سستا نہیں کرتے تھے؟ کیا تم لوگ سلام کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے؟ کیا تم اپنی حاجتوں کو پورا نہیں کرتے تھے؟ (یعنی اپنی حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے اہل دنیا کے پاس نہیں جاتے تھے) حدیث شریف میں ہے:-

لَا أَجْرَ لَكُمْ قَدِ اسْتَوْفَيْتُمْ أُجُورَكُمْ

میں کہتا ہوں:- اے فقیر! جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی خصوصیت میں سے کسی خصوصیت کے ساتھ تم کو خاص کرے (یعنی کوئی خصوصیت تم کو عطا کرے) جیسے زہد، یا ورع، یا توکل، یا رضا، یا تسلیم، یا محبت، یا قوی یقین، یا معرفت یا تمہارے ہاتھ سے کوئی ظاہری یا باطنی کرامت ظاہر کرے۔ یا تمہاری فکر کبھی یا لدنی حکمتیں یا بخششیں حاصل کرے۔ پھر تمہاری خواہش یہ ہو کہ لوگ تمہاری اس خصوصیت سے آگاہ ہوں، جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے۔ تو یہ تمہارے باطن میں پوشیدہ ریا کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور اپنی عبودیت میں تمہارے سچا نہ ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ تم اپنی عبودیت میں جھوٹے ہو۔ اس لئے اگر تم اپنی عبودیت میں سچے ہوتے، تو تم اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھتے اور اپنے لئے اس کی حفاظت اور نگرانی پر قناعت کرتے اور اس کے مشاہدے میں اس کے سوا کے مشاہدے سے بے نیاز ہوتے۔

اخفاء راز لازم ہے

لہٰذا فقیر کے اوپر واجب ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی خصوصیت سے مخصوص کرے۔ تو وہ اس کو چھپائے اور اپنے اندر اس کے موجود ہونے سے انکار کرے اور اس کو اپنے شیخ کے سوا کسی پر ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ اس کو ظاہر کرے گا۔ تو وہ خطرے میں مبتلا ہوگا۔ اس لئے کہ ظاہر کرنا، کبھی بیان کے طور پر ہوتا ہے اور کبھی فخر اور بڑائی کے طور پر ہوتا ہے۔ اور چھپانے ہی میں سلامتی ہے۔

وہ جاہل ہے

اور حضرت مصنف کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے:- " جس شخص کو تم ہر سوال کا جواب دینے والا اور اپنے ہر مشاہدے کا ظاہر کرنے والا اور اپنی ہر معلوم کا بیان کرنے والا دیکھو۔ تو سمجھ لو کہ وہ جاہل ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے اسی مفہوم کے بارے میں یہ اشعار فرمایا ہے:-

إحْفَظْ لِسِرِّكَ وَدُكَّ ... لَوْ اَكَّدْتَ سِنِّيْنَ قِيَامًا

"تم اپنے راز کو زمین میں سپرد کر کے ہمیشہ کے لئے مدفون کر دو"

وَ خَلِّ الْخَلَائِقَ یَشْکُوْ ۔۔۔۔۔ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

"اور مخلوق کو چھوڑ دو۔ وہ قیامت تک شکایت کرتے رہیں۔"

اور ہمارے برادران طریقت میں بعض ایسے تھے۔ کہ جب ان سے دریافت کیا جاتا تھا۔

آپ لوگوں نے اس طریقت کے راستے میں کیا پایا اور کیا مزہ چکھا؟

تو وہ فرمایا کرتے تھے: ہم نے اس میں سردی اور فاقہ پایا ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ اس جواب کو پسند فرماتے تھے۔ اور ان کی تعریف کرتے تھے۔ کیونکہ یہ جواب ان کے اخلاص کی صداقت کی دلیل ہے۔

اور ہمارے اور ان لوگوں کے شیوخ رضی اللہ عنہم اپنے باطنی حالت کی حفاظت کے لئے ہمیشہ اپنے ظاہر میں خرابی کا استعمال کیا کرتے۔

اور اسی وجہ سے پوشیدہ عمل کو ظاہری عمل پر ستر درجہ زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

نیک اعمال کو کس طرح چھپائے

اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

جس روز تم میں سے کسی شخص نے روزہ رکھا ہو۔ تو اس کو چاہئے کہ اپنی داڑھی میں تیل لگائے۔ اور ہونٹوں پر بھی لگا دے۔ تاکہ جب وہ لوگوں کے سامنے جائے تو لوگ اسے دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ روزہ دار نہیں ہے۔ اور جب کسی شخص کو کچھ دے تو اپنے داہنے ہاتھ سے اس طرح دینا چاہئے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ اور جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے۔ تو اس کو چاہئے کہ اپنے دروازے کا پردہ بند کر دے۔ کیونکہ مدح و ثنا بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح تقسیم کرتا ہے۔ جس طرح روزی تقسیم کرتا ہے۔

حضرت شیخ ابو عبد اللہ قرشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جو شخص اپنے افعال و اقوال میں اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے پر قناعت نہیں کرتا۔ اس کے اندر ریا کا داخل ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

طرف عزت و تعظیم کے ساتھ متوجہ ہونے کے دیکھنے سے غائب ہو جاؤ۔"

ماسوی اللہ خیالی وغبار ہے

میں کہتا ہوں: مخلوق، درحقیقت عدم ہے۔ اور صرف اللہ واحد، احد ہی وجود ہے۔ لہٰذا ماسوی کا وجود، ہوا میں خیالی غبار کی طرح، یا لوگوں کے سایوں کی طرح ہے۔ اگر تم اس کو تلاش کرو تو اس کو کچھ نہ پاؤ گے۔

لہٰذا اے فقیر! تم اللہ تعالیٰ کے اپنی طرف دیکھنے کو کافی سمجھ کر، مخلوق کے اپنی طرف دیکھنے کو اپنے دل سے مٹا دو۔ کیونکہ ماسوی کو دیکھنے کی قوت نہیں ہے اور بزرگ بادشاہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے اور متوجہ ہونے کے مشاہدے میں مشغول ہو کر، مخلوق کے عزت و تعظیم کے ساتھ اپنی طرف متوجہ ہونے کے شہود سے، تم غائب ہو جاؤ۔ یعنی تم علم کے ثابت ہونے کے ساتھ وہم سے دور ہو جاؤ۔ اس لئے کہ تمہارا مخلوق کی طرف متوجہ ہونا، اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر لینا ہے۔ اور مخلوق سے منہ پھیر لینا، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور دونوں یعنی منہ پھیر لینا اور متوجہ ہونا، ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی ہے:-

اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ ، اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَ اعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ ، جَفَّتِ الْاَقْلَامُ وَ طُوِيَتِ الصُّحُفُ

"اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق اور احکام کی حفاظت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے موجود پاؤ گے۔ جب تم کچھ مانگو، تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اور جب تم مدد چاہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو۔ اور تم یہ جان لو:- بیشک اگر امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تم کو کچھ فائدہ پہنچائیں۔ تو تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہیں مگر اتنا ہی، جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب اس بات پر متفق ہو جائیں، کہ تم کو کچھ نقصان پہنچائیں۔ تو وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ مگر اتنا ہی، جتنا ہی، جتنا اللہ تعالیٰ نے

تمھارے لئے لکھ دیا ہے۔ قلم خشک ہو گیا اور صحیفے لپیٹ دیئے گئے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

میں اپنے نفس کے لئے اپنے فائدے سے ناامید ہو گیا ہوں۔ تو میں اپنے غیر کے فائدے سے جو اس کے نفس کے لئے ہوں کیسے ناامید نہ رہوں۔ اور جب میں اپنے غیر کے لئے اللہ تعالیٰ سے امید کروں گا۔ تو اپنے لئے کیوں نہ کروں گا۔

حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا ہے:- ولی کی بنیاد:- اللہ تعالیٰ کو کافی سمجھنا۔ اس کے علم پر قناعت کرنا اور اس کے شہود کا ارادہ کرنا ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ

''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللّٰهَ يَرٰى

''کیا انسان کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

''کیا تمھارا رب اس کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔''

طریق صوفیاء کرامؒ

پس صوفیائے کرام کا طریقہ:- ابتدا میں مخلوق سے دور رہنا اور بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا اور اعمال کو چھپانا اور احوال کو پوشیدہ رکھنا ہے۔ تاکہ ان کی فنا قائم اور ان کا زہد ثابت اور ان کا قلب سلیم ہو جائے۔ یہاں تک کہ جب یقین مضبوط ہو جائے۔ اور وہ مضبوطی اور ثابت قدمی کی تائید حاصل کر لیں۔ اور فنا میں ثابت ہو جائیں۔ اور بقا میں پختہ ہو جائیں۔

تو اس وقت اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہادی بنا کر ظاہر

اور ان کے بیٹے کے قصے پر غور کرو اور وہ قصہ مشہور ہے۔ اس قصے سے تم پر یہ واضح ہو جائے گا کہ مخلوق کا راضی ہونا محال اور دشوار ہے اور سب لوگوں سے بڑا جاہل وہ شخص ہے جو ایسی چیز طلب کرتا ہے جو حاصل نہیں کی جا سکتی ہے۔ لقمان کا قصہ یہ ہے: وہ سفر پر جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا لڑکا اور ایک گدھا تھا۔ لڑکے کو گدھے پر سوار کر کے خود پیدل چل رہے تھے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ کچھ لوگ ملے وہ لوگ کہنے لگے: یہ لڑکا بڑا بدتمیز ہے۔ خود تو گدھے پر سوار ہے اور ضعیف باپ پیدل چل رہا ہے۔ یہ سن کر لقمان نے لڑکے کو گدھے سے اتار دیا۔ اور خود سوار ہو گئے۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ پھر کچھ لوگ ملے کہنے لگے: یہ باپ کتنا سخت دل ہے کہ خود گدھے پر سوار ہے اور لڑکا پیدل چل رہا ہے۔ یہ سن کر لقمان نے لڑکے کو بھی گدھے پر سوار کر لیا۔ اس حال میں کچھ دور چلے کہ پھر کچھ لوگ ملے اور کہنے لگے: یہ دونوں بڑے بے رحم ہیں کہ ایک بے زبان جانور پر دونوں سوار ہو کر چل رہے ہیں۔ ان کو تو یہ چاہئے کہ اس کمزور گدھے کو یہ دونوں اپنے کندھے پر اٹھا کر لے جائیں۔ یہ سن کر لقمان نے ایک رسی لی اور گدھے کا پاؤں رسی سے باندھا اور دونوں باپ بیٹے دو طرف سے رسی کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے۔ کہ کچھ مرد اور عورت کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ ان کی نظر گدھے پر پڑی تو وہ لوگ قہقہہ لگا کر ہنسنے اور پاگل دیوانے کا شور مچانے اور تالیاں بجانے لگے۔ اس وقت یہ دونوں ایک نہر کے پل کے اوپر گزر رہے تھے۔ شور سن کر گدھا بدکا اور پاؤں کے بندھنوں سے تڑا کر گدھا نہر میں گر گیا۔

ایک عارف کا قول

بعض عارفین نے فرمایا ہے: میرا لوگوں سے کیا تعلق ہے؟ میں اپنی ماں کے شکم میں تنہا تھا اور میں دنیا میں تنہا آیا اور میں تنہا مروں گا۔ اور میں قبر میں تنہا جاؤں گا۔ اور مجھ سے قبر میں تنہا سوال کیا جائے گا۔ اور میں اپنی قبر سے تنہا اٹھوں گا۔ اور مجھ سے تنہا حساب لیا جائے گا۔ پھر اگر میں جنت میں داخل ہوں گا تو تنہا داخل ہوں گا۔ اور اگر میں دوزخ میں داخل ہوں گا تو تنہا داخل ہوں گا۔ تو جب ان سب جگہوں میں کوئی شخص نہ میرا ساتھ دے سکتا ہے۔ نہ میرے کچھ کام آ سکتا ہے۔ تو مجھے لوگوں سے کیا تعلق ہے اور میں ان کی فکر میں کیوں پڑوں۔

بیان کیا گیا ہے: سچے ولی کی مخلوق کے نزدیک کچھ قدر و منزلت نہیں ہوتی ہے۔ اور اللہ کے نزدیک مخلوق کی کچھ قدر و منزلت [illegible] اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حق

"میں نے کسی شی کو نہیں دیکھا۔ مگر اس کے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

عارف، بقا کے مقام میں ہے۔ اور فانی، فنا کے مقام میں مجذوب ہے۔

فانی سائر (سیر کرنے والا) ہے۔ عارف، متمکن واصل (اللہ تعالیٰ تک پہنچا ہوا) ہوتا ہے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس کے اوپر اپنے فوائد اور اپنے نفس کی خواہش سے کسی شی کو ترجیح نہیں دیتا۔ اگر چہ اس میں اس کی موت واقع ہو جائے۔

جیسا کہ ایک شاعر نے فرمایا ہے :۔

قَالَتْ وَ قَدْ سَأَلْتُ عَنْ حَالِ عَاشِقِهَا بِاللّٰهِ صِفْهُ وَ لَا تَنْقُصْ وَ لَا تَزِدِ

"اس نے کہا اور اپنے عاشق کا حال پوچھا۔ تم اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ موصوف کرو اور نہ کم کرو نہ زیادہ۔"

فَقُلْتُ لَوْ كَانَ رَهْنَ الْمَوْتِ مِنْ ظَمَاءٍ وَ قُلْتِ قِفْ عَنْ وُرُوْدِ الْمَاءِ لَمْ يَرِدِ

"پس میں کہتا ہوں کہ اگر وہ پیاس سے موت کے ہاتھ میں گرو ہو جائے۔ لیکن اگر تم کہو: پانی کے پاس نہ جاؤ۔ تو وہ نہ جائے۔"

اور محبت کی تشریح بہت لمبی ہے۔ مصنف نے اس کی تعریف اپنی کتاب لطائف المنن میں بہترین جملوں کے ساتھ فرمائی ہے۔ اور مصنف کا کلام نزول کے مقام میں ہے۔

لہذا معرفت: تمام مقامات سے اعلیٰ درجے کا مقام ہے اور اس کے پہلے فنا کا مقام ہے اور فنا کو محبت بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی معرفت کی ابتداء۔

تو اپنے جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ کے لئے منتخب کرتا اور اپنی معرفت اس کو عطا کرنا چاہتا ہے۔ تو پہلے اس کے قلب میں اپنی محبت پیدا کرتا ہے۔ پھر بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ اور اپنے جسم کے اعضا کو اس کی خدمت میں تکلیف دیتا ہے اور اس کی معرفت کا پیاسا ہوتا ہے۔ پھر وہ برابر نوافل عبادتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کو اس کے نفس سے فنا کر دیتا ہے۔ اور اس کو اس کی حس سے غائب کر دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کا کان اور اس کی آنکھ اور اس کا ہاتھ اور اس کا سب (جسم و روح) ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو اس کی طرف لوٹاتا ہے۔ اور اس کو اپنے ساتھ باقی رکھتا ہے۔ پھر وہ ہر شی میں اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔ اور اس کو ہر شی

کے ساتھ قائم اور ہر شی میں ظاہر دیکھتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مصنف ؒ نے جو علامات بیان فرمائی ہیں۔ وہ انہیں مقامات کے ثابت ہونے کی دلیل ہیں۔ لہذا جو شخص اپنے اندر یہ علامات پائے۔ اس کا دعویٰ ان مقامات کے لئے یا اس کے بعض کے لئے درست ہے اور جو شخص یہ علامات اپنے اندر نہ پائے۔ اس کا ان مقامات کے حاصل ہونے کا دعویٰ کرنا جھوٹ ہے اور اس کی رسوائی کا سبب ہے۔ اس کو اپنا مقام پہچاننا اور اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا چاہئے۔ وباللہ التوفیق

اور چونکہ معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر شی میں ظاہر ہونا اس طرح ہو کہ تم اس کو ہر شی میں ظاہر دیکھو۔ اس لئے مصنف ؒ نے اس کے پوشیدہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

إِنَّمَا حَجَبَ الْحَقَّ عَنْكَ شِدَّةُ قُرْبِهِ مِنْكَ ، وَ إِنَّمَا احْتَجَبَ لِشِدَّةِ ظُهُوْرِهِ وَ خَفِيَ عَنِ الْأَبْصَارِ لِعَظِيْمِ نُوْرِهِ

"تم سے اللہ تعالیٰ کی انتہائی قربت نے تم سے اللہ تعالیٰ کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ظہور کی زیادتی کی وجہ سے تم سے پوشیدہ ہے۔ اور اپنے نور کی عظمت اور بڑائی کے سبب آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔"

شدت ظہور کے باوجود خفا کی حکمتیں

میں کہتا ہوں:۔ مصنف ؒ نے اللہ تعالیٰ کے شدت سے ظاہر ہونے کے باوجود اس کے پوشیدہ ہونے میں تین حکمتیں بیان فرمائی ہیں:۔

پہلی حکمت:۔ بہت زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بہت زیادہ قریب ہونا پوشیدہ ہونے کا لازمی سبب ہوتا ہے۔ جیسے کہ انسان کے آنکھ کی سیاہی۔ کیونکہ انسان اپنی آنکھ کی سیاہی کو صرف اس وجہ سے نہیں دیکھتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر شی سے زیادہ تم سے قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

"اور البتہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ان کو جانتے ہیں۔ اور ہم انسان کے، اس کی گردن کی رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کا تم سے بہت زیادہ قریب ہونا تمہاری انتہائی کمزوری کا سبب ہے۔

مصنف نے اپنی کتاب لطائف المنن میں فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ قربت ہی نے قربت کے مشاہدہ کو تم سے غائب کر دیا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

قربت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ تم بہت زیادہ قربت کی وجہ سے قربت میں غائب ہو جاؤ۔ اس شخص کی طرح جو مشک کی خوشبو سونگھتا ہے۔ پھر وہ برابر اس کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور جتنا اس سے قریب ہوتا ہے۔ اس کی خوشبو زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ پھر جب وہ اس گھر میں پہنچ جاتا ہے۔ جس میں مشک بھرا ہوا ہے۔ تو مشک کی خوشبو کا احساس اس سے ختم ہو جاتا ہے۔

بعض عارفین کا کلام ہے۔

كَمْ ذَا تُمَوِّهُ بِالشِّعْبَيْنِ وَالْعَلَمِ وَالْأَمْرُ أَوْضَحُ مِنْ نَارٍ عَلَى عَلَمِ

"تم کب تک دونوں درہ اور پہاڑ میں جھوٹی باتیں بھرتے (یعنی باتیں کرتے) رہو گے حالانکہ یہ معاملہ پہاڑ کی آگ سے زیادہ واضح ہے۔"

أَرَاكَ تَسْأَلُ عَنْ نَجْدٍ وَأَنْتَ بِهَا وَعَنْ تِهَامَةَ هٰذَا فِعْلُ مُتَّهَمِ

"میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم نجد اور تہامہ کے متعلق پوچھتے ہو۔ حالانکہ تم اس میں موجود ہو۔ یہ شک اور وہم میں مبتلا شخص کا کام ہے۔"

دوسری حکمت:۔ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ ہونے میں دوسری حکمت اس کا بہت زیادہ ظاہر ہونا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ بہت زیادہ ظاہر ہونا پوشیدہ ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت مصنف نے فرمایا ہے۔

وَمِنْ شِدَّةِ الظُّهُوْرِ الْخَفَاءُ

"ظہور کی شدت کی وجہ سے ہی پوشیدگی ہے۔"

شدت ظہور ہی پوشیدگی کی نشانی ہے اس کی حسی مثال

اور سورج سے ہم نے اس کی مثال دی:۔

سورج کے طلوع ہونے سے دیکھ لو۔ جب اس کی شعاع تیز ہو جاتی ہے۔ اور وہ پوری طرح روشن ہو جاتا ہے۔ تو اس کے زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ سے کمزور آنکھیں اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی ہیں۔

لہذا بہت زیادہ ظاہر ہونا ہی پوشیدہ ہونے کا سبب ہے۔ جیسا کہ ایک عارف شاعر نے فرمایا ہے:۔

وَ مَا احْتَجَبَتْ اِلَّا بِرَفْعِ حِجَابِهَا وَ مِنْ عَجَبٍ اَنَّ الظُّهُوْرَ تَسَتُّرٌ

''وہ پردہ اٹھانے کے سبب پوشیدہ ہوا۔ اور تعجب یہ ہے کہ ظاہر ہونا ہی پوشیدہ ہونا ہے''

لہذا اللہ تعالیٰ کمزور آنکھوں سے بغیر کسی حجاب کے پوشیدہ ہے۔

تیسری حکمت :۔ نور کی شدت ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ نور کی شدت (تیزی) دکھائی نہ دینے کا سبب ہے۔ کیونکہ آنکھ بہت تیز روشنی کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں معراج کے قصہ میں ہے:۔

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ ؟ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ ؟

استفہام کے لفظ کے ساتھ:۔ ہم لوگوں نے کہا:۔ یا رسول اللہ ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا وہ نور ہے اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے استفہام کے الفاظ کے ساتھ فرمایا:۔ یعنی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا نور غالب ہو گیا۔ تو میں اس کو کس طرح دیکھتا۔

اور دوسری روایت میں ہے:۔

رَاَيْتُ نُوْرًا

''میں نے نور دیکھا۔''

لہذا احتمال یہ ہے:۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے پہلی مرتبہ نور دیکھا۔ پھر بصیرت سے اس کا مشاہدہ ثابت رہنے کے باوجود آنکھ سے اس کے مشاہدہ کی طاقت نہیں رہی۔

تیز آنکھ، چمکنے اور چکا چوند کر دینے والی بجلی کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

اس کے بارے میں عارفین کے حسب ذیل اشعار ہیں:۔

بِالنُّوْرِ يَظْهَرُ مَا تَرٰى مِنْ صُوْرَةٍ وَ بِهٖ وُجُوْدُ الْكَائِنَاتِ بِلَا امْتِرَا

''جو صورت تم دیکھتے ہو، وہ اسی نور سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور بلاشبہ کائنات کا وجود اسی سے ہے۔''

لٰكِنَّهٗ يَخْفٰى لِفَرْطِ ظُهُوْرِهٖ حِسًّا وَّ يُدْرِكُهُ الْبَصِيْرُ مِنَ الْوَرٰى

''لیکن وہ نور اپنے زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ سے حس (محسوس کرنے والی قوت) سے پوشیدہ ہے۔ اور دیکھنے والا اس کو مخلوق میں دیکھتا ہے۔''

مصنف

احمد بن محمد عجیبہ الحسنی رحمہ اللہ

مترجم

حضرت مولانا محی الدین نظامی رحمہ اللہ

ناشر

حضرت مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب مدظلہم

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ
کندیاں ضلع میانوالی
فون 0300-6092045

المیزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سن اشاعت ۲۰۱۵ء

محمد شاہد عادل نے

ندیم یونس پرنٹرز سے چھپوا کر

المیزان اردو بازار لاہور سے شائع کی۔

ملنے کے پتے

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کندیاں ضلع میانوالی

فون 0300-6092045

مکتبہ سراجیہ

بالمقابل جامعہ مفتاح العلوم چوک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

مدرسہ تعلیم القرآن حسینیہ سرگودھا

0300-9601939

فہرست

اٹھارھواں باب

دعا کے آداب کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

لَا يَكُنْ طَلَبُكَ سَبَبًا إِلَى الْعَطَاءِ مِنْهُ . فَيَقِلَّ فَهْمُكَ عَنْهُ . وَلْيَكُنْ طَلَبُكَ لِإِظْهَارِ الْعُبُوْدِيَّةِ ، وَقِيَامًا بِحُقُوْقِ الرُّبُوْبِيَّةِ

''اللہ تعالیٰ سے تمہاری دعا اس کے عطا کرنے کا سبب نہیں ہے۔ (لہذا تم اس سے کچھ حاصل کرنے کی نیت سے دعا نہ کرو) اور اگر تم ایسا کرتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کی سمجھ تمہارے اندر کم ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے تمہاری دعا عبودیت (بندگی) کے ظاہر کرنے اور ربوبیت کے حقوق کے ساتھ قائم رہنے کے لئے ہونی چاہئے۔''

میں کہتا ہوں:۔ اس کتاب کی ابتدا میں یہ بیان گزر چکا ہے۔ کہ عقل و سمجھ والوں (عارفین) کے نزدیک ساری دعائیں معلول (ناقص۔ یا۔ ناپائدار) ہیں۔ لہذا اگر دعا مانگو اور دعا مانگنی شرعاً ضروری ہے تو عبودیت کے ظاہر کرنے اور ربوبیت کے حقوق ادا کرنے کیلئے دعا مانگنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تمہاری دعا اس کے دینے کا سبب نہیں ہے اور اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہارے اندر سمجھ کی کمی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سمجھ کا تقاضا ہے: اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنا اور اس کی معرفت کے ساتھ بے نیاز ہونا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی سمجھ رکھنے والا شے کی شے کا محتاج ہوتا ہے نہ کسی شے میں مشغول ہوتا ہے۔ تو جب کوئی شے اس کو نہیں ملتی ہے تو اس کی نظر صرف اس چیز پر ہوتی ہے جو قدرت کی اصل سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا ہے۔ جو

اس کے لئے اس کے مولا کی مرضی ہے۔

بعض عارفین سے دریافت کیا گیا:- آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا:- جو اللہ تعالیٰ نے چاہتا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

دعا سے اور اپنے محبوب کی مناجات سے تمھارا مقصود اپنی حاجتوں کے پورے ہونے کی خوشی نہ ہونی چاہئے۔ تاکہ تم محجوبین میں شامل ہو جاؤ۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:- دعا کا فائدہ:- اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنی ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے:- حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:- اے میرے رب! میں بھوکا ہوں۔ مجھ کو کھانا کھلا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی:- مجھ کو معلوم ہے کہ تم بھوکے ہو۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:- اے میرے رب! مجھ کو کھلا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- جب میری مرضی ہوگی۔ کھلاؤں گا۔ اور یہ انتہائی درجہ والوں کا مقام ہے۔

لیکن ابتدائی درجہ والے:- تو ان کے لئے حاجتیں طلب کرنے اور کثرت سے دعا مانگنے اور عاجزی کرنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ ان کے لئے دعا واجب یا مستحب ہے۔ اور انھیں کے بارے میں دعا کرنے کی ترغیب اور اس میں عاجزی کرنے کی ہدایت وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

"تم لوگ مجھ سے دعا کرو۔ میں تمھاری دعا کو قبول کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

"کون ہے۔ جو مجبور کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ جب وہ اس سے دعا کرتا ہے۔"

بعض اخبار میں وارد ہوا ہے:- حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

مجھ سے شکوہ کیا تھا کہ اپنے آنے کا سبب مجھ سے مانگو۔ یہ کمزوروں کے لئے بطور شرعی قانون کے فرمایا گیا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کمزور اور طاقتور سب کے لئے معلم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اور دعا میں پوری طرح ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ اسی چیز کے لئے دعا نہ کرنی چاہئے۔ جو شریعت میں منع کی گئی ہے۔ اور ناممکن چیز کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ جو عقل کے نزدیک محال ہے۔ اور دعا، عاجزی و انکساری اور مجبوری و محتاجی کے ظہور کے ساتھ کرنی چاہئے۔ نہ کہ شوخی و نازبرداری کے ساتھ۔ کیونکہ شوخی اور ناز کے ساتھ دعا، ایسے اللہ والوں کا مقام ہے جو اہل رسوخ و تمکین ہیں۔

اور اسی سلسلے میں حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جو انہوں نے اپنے حزب کبیر میں فرمایا ہے:- یہ بزرگی نہیں ہے کہ تم صرف اسی کے ساتھ نیک سلوک کرو، جس نے تمہارے ساتھ نیک سلوک کیا ہے۔

قوت القلوب میں بیان کیا گیا ہے:- بنی اسرائیل سات سال تک قحط میں مبتلا رہے۔ پس حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر دعا استسقا (پانی طلب کرنے) کے لئے نکلے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی کی۔ میں ان لوگوں کی دعا کس طرح قبول کروں۔ جبکہ ان کے اوپر ان کے گناہوں کی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں۔ اور ان کے باطن خبیث (ناپاک) ہیں۔ یہ لوگ یقین کے بغیر دعا کرتے ہیں اور میری حکمت سے بے خوف رہتے ہیں۔ تم ان کو لے کر واپس جاؤ۔ میرے خاص بندوں میں سے ایک بندہ ہے۔ جس کا نام برخ ہے۔ تم اس سے کہو کہ وہ پانی مانگنے کے لئے نکلے۔ تو میں اس کی دعا قبول کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے برخ کے متعلق دریافت کیا۔ لیکن ان کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسی درمیان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک راستے پر جا رہے تھے کہ اچانک ایک حبشی غلام ان کے سامنے آیا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر سجدے کا نشان تھا۔ وہ اپنے کندھے پر ایک چادر رکھے ہوئے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اللہ تعالیٰ کے نور سے پہچانا۔ تو اس کو سلام کیا۔ پھر پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا- میرا نام برخ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے ان سے فرمایا:- میں کچھ عرصے سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ آپ باہر میدان میں چلئے اور ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کیجئے۔ تو وہ میدان میں تشریف لے گئے۔ اور اپنی دعا و مناجات میں اللہ تعالیٰ سے اس طرح خطاب کیا۔

'' کیا یہ تیرا کام ہے۔ اور کیا یہ تیرا حلم ہے۔ اور کیا تجھ کو یہ معلوم ہے۔ کہ تیرے پانی کے چشمے تیرے لئے خشک ہو گئے ہیں؟ یا ہواؤں نے تیرے حکم کی فرماں برداری سے منہ موڑ لیا ہے۔ یا تیرا خزانہ ختم ہو گیا ہے۔ یا تیرا غضب گنہگاروں پر سخت ہو گیا ہے؟ کیا تو خطا کاروں کی خطا سے پہلے غفار (بخشنے والا) نہیں تھا؟ تو نے رحمت کو پیدا کیا۔ اور بخشش کا حکم دیا۔ تا کہ تو اپنے حکم کی مخالفت کرنے والے کے لئے ہو۔ یا تو ہم کو یہ دکھاتا ہے۔ کہ تو روکنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یا تو فوت ہونے سے ڈرتا ہے۔ اس لئے سزا دینے میں جلدی کرتا ہے؟'' وہ برابر یہی فرماتے رہے اور اتنی بارش ہوئی کہ بنی اسرائیل پانی سے تر ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدھے دن میں گھاس اور سبزیاں اگا دیں۔ اور وہ بڑھ کر گھوڑے پر سوار کے برابر ہو گئیں۔ پھر برخ واپس آئے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا استقبال فرمایا اور ان سے کہا۔ آپ کا یہ خطاب کیسا ہے جس سے آپ نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی:۔ ان کو چھوڑ دو۔ کیونکہ ان کی دعا سے مجھ کو ہنسی آجاتی ہے۔

پس تم اس حکایت میں غور کرو۔ دعا کس طرح خوش طبعی (مذاق) کے طور پر واقع ہوئی ہے۔ جس کو اہل معرفت اور تمکین کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے اور جو شخص اللہ والوں کے مقامات تک نہیں پہنچا ہے۔ اس کے لئے اللہ رب العالمین کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھنا اور اس سے ڈرنا لازمی ہے۔

پھر حضرت مصنفؒ نے اپنے اس قول کی وجہ بیان کی۔ کہ دعا۔ صرف اظہار عبودیت کے لئے ہونی چاہئے۔ نہ اس لئے کہ وہ بخشش (کچھ دینے) کا سبب ہے۔

چنانچہ فرمایا:-

كَيْفَ يَكُوْنُ طَلَبُكَ اللَّاحِقُ سَبَبًا فِي عَطَائِهِ السَّابِقِ جَلَّ حُكْمُ الْأَزَلِ أَنْ يُضَافَ إِلَى

بالعلل

"یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہاری اس وقت ہونے والی دعا اللہ تعالےٰ کے ازلی عطا کا سبب ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ازلی حکم اس سے بلند و بالاتر ہے۔ کہ اس کی نسبت اسباب کے ساتھ کی جائے۔"

میں کہتا ہوں:۔ عطاء سابق، ازلی حکم:۔ وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا قدیم علم، کائنات کی تخلیوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی وابستہ ہو چکا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ تعالےٰ نے ازل ہی میں، جو کچھ ہوا اور جو کچھ ابداً باد تک ہونے والا ہے اس کو مقدر فرما دیا ہے۔ لہذا اللہ تعالےٰ نے ظاہری اور باطنی روزیوں کو تقسیم فرما دیا ہے۔ اور وقتوں کو مقدر کر دیا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ

"بیشک ہم نے ہر شی کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا۔" اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ

"اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک، ہر شی ایک اندازے کے ساتھ ہے۔" نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ

"ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ لہذا جب ان کا مقرر وقت آ جاتا ہے۔ تو وہ ایک گھنٹہ بھی نہ آگے کر سکتی ہیں، نہ پیچھے۔

نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ

"کسی زندہ شخص کی عمر دراز نہیں کی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے۔ مگر وہ کتاب میں درج ہے۔"

نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا

"اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مر جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک وقت مقرر ہے۔"

لہٰذا اے انسان! جب تم کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ قضا و قدر نے تمھاری روزی، اور موت کو پہلے ہی مقدر کر دیا ہے۔ اور یہ کہ تمھاری قسمت (حصہ) اور بخشش پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے تو اب تم کیا مانگتے ہو؟

اور اگر تم دعا کرتے ہو تو تمھاری اس وقت پیچھے ہونے والی دعا۔ اللہ تعالیٰ کی سابق (پہلے ہی سے مقرر کی ہوئی) عطا کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔ اس لئے کہ تمھاری طرف سے دعا صادر ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا مقرر ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ازلی قدیم حکم اس سے بلند و بالاتر ہے کہ حادث اسباب کے ساتھ اس کو منسوب کیا جائے۔ اس لئے وجود اور حکم دونوں حیثیت سے قدیم پر حادث کا مقدم ہونا محال ہے۔

حضرت ذوالنون مصری کا ارشاد

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

توحید اس علم کو کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اشیاء کے اندر بغیر کسی تدبیر کے جاری ہے۔ اور اس کی صنعت بغیر آمیزش کے ہے۔ اور ہر شی کے وجود کا سبب اس کی صنعت (تخلیق) ہے۔ اور اس کی صنعت کے لئے کوئی سبب نہیں ہے۔ اور بلند آسمانوں اور پست زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تدبیر کرنے والا نہیں ہے۔ اور ہر وہ شی جو تمھارے عقل و ذہن کے دائرے میں آ جائے، اللہ تعالیٰ اس کے برعکس ہے۔

اور بعض عارفین نے فرمایا:۔ جو کچھ وجود میں آیا اس سے بہتر ہونا ممکن نہیں ہے۔ یعنی علم اور مشیت کے اعتبار سے نہ کہ قدرت کے اعتبار سے۔

اور "جو کچھ وجود میں آیا" اس سے مراد سابق قضا و قدر ہے۔

لہٰذا قدرت نے جس چیز کو پیدا اور ظاہر کیا۔ اس سے بہتر ہونا، قدیم علم کے تعلق کی حیثیت سے ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں ہے۔ اگر چہ عقل کے نزدیک یہ جائز

ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز ہی پیدا کرے۔ اور قدرت الٰہی کامل و محیط ہے۔ لیکن چونکہ جو کچھ ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے آ چکا ہے اور قضائے الٰہی اس پر جاری ہو چکی ہے۔ اس لئے اس سے عاجز نہیں ہو سکتا ہے۔

پھر اسی طرح کہو۔ عالم امکان میں جو کچھ ہوا اس سے عاجز نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ عالم امکان یعنی عالم شہادت میں وہی ظاہر ہوا ہے۔ جو قدیم معانی (حقیقتیں) عالم غیب میں تھیں۔ لہٰذا اس سے عاجز نہ ہوا۔ اور نہ ہرگز کبھی ہوگا۔ پس تم اس کو سمجھو۔ یہ کلام درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اس حقیقت کی طرف "کہ تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ بے سبب ہے"۔

جو شے تمہاری رہنمائی کرتی ہے وہ تمہارے ظاہر ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی [illegible] عنایت کا تمہارے ساتھ موجود ہونا ہے۔ جیسے کہ مصنف نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

عِنَايَتُهُ فِيْكَ لَا لِشَيْءٍ مِنْكَ، وَأَيْنَ كُنْتَ حِيْنَ وَاجَهَتْكَ عِنَايَتُهُ، وَقَابَلَتْكَ رِعَايَتُهُ، لَمْ يَكُنْ فِيْ أَزَلِهِ إِخْلَاصُ أَعْمَالٍ، وَلَا وُجُوْدُ أَحْوَالٍ، بَلْ لَمْ يَكُنْ هُنَاكَ إِلَّا مَحْضُ الْإِفْضَالِ، وَعَظِيْمُ النَّوَالِ

"تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی عنایت تمہاری طرف سے ہونے والی کسی شے کے سبب نہیں ہے۔ اور اس وقت تم کہاں تھے جب ازل میں اللہ تعالیٰ کی عنایت تمہاری طرف متوجہ ہوئی اور اس کی نگرانی اور حفاظت تمہارے سامنے آئی؟ اس کے ازل میں نہ اعمال کا اخلاص تھا، نہ احوال کا وجود تھا۔ بلکہ وہاں صرف اللہ تعالیٰ کے فضل اور بخشش کے سوا کچھ نہ تھا"

میں کہتا ہوں۔ شرعی اور عقلی دلیلیں جو اس کے لئے متواتر وارد ہوئی ہیں، وہ منقول اور معقول اس بات پر متفق ہیں وہ یہ ہے کہ "جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہوا۔ اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت قدیم ہے۔ کیونکہ وہ اس کا قدیمی ارادہ ہے اور اس کا ارادہ اس کے علم کے موافق ہے۔ اور اس کا علم قدیم ہے لہٰذا جو کچھ عالم شہادت میں ظاہر ہوتا ہے وہ صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے عالم غیب میں مقدر کیا ہے۔

جَفَّتِ الْأَقْلَامُ وَطُوِيَتِ الصُّحُفُ

"قلم خشک ہو گئے اور صحیفے لپیٹ دئے گئے۔"

اللہ تعالے نے فرمایا ہے:۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا

"زمین میں اور تمہارے اوپر جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس کے ظاہر ہونے سے پہلے کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔"

لہذا نیک بختی اور بد بختی، دونوں کا فیصلہ قضا و قدر میں پہلے ہی ہو چکا ہے۔ پس نیک بخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں نیک بخت ہوا اور بد بخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں بد بخت ہوا۔

اور مصنف کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے:۔ تمہارے ہر سانس لینے کے برابر وقت میں تمہارے لئے ایک فیصلہ مقدر ہو چکا ہے۔

لہذا اے انسان! جب تم کو یہ معلوم ہو گیا تو تم اللہ تعالے کے سابق علم کو کافی سمجھو۔ اور اپنی لاحق (بعد میں ہونے والی) دعا سے باز رہو۔ اور تمہاری دعا صرف عبودیت کے ظاہر کرنے اور ربوبیت کے ادب کو قائم کرنے کے لئے ہو۔ کیونکہ تمہارے وجود سے پہلے تمہارے اوپر اللہ تعالے کی عنایت، تمہاری طرف سے صادر ہونے والی کسی طاعت یا عمل کے سبب نہ تھی۔ جس کی بنا پر تم اسکی عنایت اور احسان کے مستحق تھے اور اس وقت تم کہاں تھے۔ جبکہ اس کے ازل میں اس کی عنایت تمہاری طرف متوجہ ہوئی اور تمہاری طرف بڑھی اور تم کو حفاظت اور ہدایت والوں کے زمرے میں لکھ دیا؟ پھر جب اس نے اقرار لینے کے دن تم کو بات کرنے کی طاقت عطا کی تو تم نے اس کے رب ہونے کا اقرار کیا۔

اور اس وقت تم کہاں تھے۔ جبکہ اس کی نگرانی اور حفاظت تمہارے شامل حال تھی۔ حالانکہ تم پیٹ کے اندھیرے میں تھے۔ جبکہ اللہ تعالے نے تم کو اپنی روزی خون کی رگ سے پہنچائی۔ اور اس عارضی چند روزہ جگہ یعنی ماں کے پیٹ میں تمہاری حفاظت فرمائی۔ یہاں تک کہ تمہارے اعضا سخت اور باتھ پاؤں مضبوط ہو گئے؟ پھر تم کو نرمی اور مہربانی سے پیٹ سے نکال کر عالم وجود میں

لایا۔ وہ اپنی روزی تم کو آسانی سے پہنچاتی۔

ازل میں جب اس کی عنایت تمہاری طرف متوجہ ہوئی اور ماں کے حمل میں جب اس کی حفاظت تمہارے ساتھ تھی، اس وقت نہ اعمال کا اخلاص تھا، نہ احوال کا وجود تھا۔ جن کی وجہ سے تم عنایت اور حفاظت کے مستحق تھے۔ بلکہ اس وقت صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا۔

حضرت واسطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ قسمتیں تقسیم کر دی گئیں۔ اور صفتیں مقرر کر دی گئیں۔ تو حرکات و معاملات سے وہ کیسے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ایک شاعر نے کہا ہے:۔

فَلَا عَمَلٌ مِّنِّي إِلَيْهِ اكْتَسَبْتُهُ　　سِوَى مَحْضِ فَضْلٍ لَا بِشَيْءٍ يُعَلَّلُ

"نہ میری جانب سے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی عمل نہیں ہے جو میں نے کیا ہو، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کا سبب کوئی شے نہیں ہے۔"

اور دوسرے شاعر نے فرمایا ہے۔

وَكُنْتُ قَدِيمًا أَطْلُبُ الْوَصْلَ مِنْهُمُ　　فَلَمَّا أَتَانِي الْعِلْمُ وَارْتَفَعَ الْجَهْلُ

"میں بہت زمانے سے ان کا وصل طلب کرتا تھا لیکن جب مجھ کو علم حاصل ہوا اور جہالت دور ہوئی۔"

عَلِمْتُ بِأَنَّ الْعَبْدَ لَا طَلَبَ لَهُ　　فَإِنْ قَرَّبُوا فَضْلٌ وَإِنْ بَعَّدُوا عَدْلُ

"تو میں نے جان لیا کہ بندے کے لئے کوئی طلب نہیں۔ لہذا اگر قریب کر لئے جائیں تو فضل و کرم ہے۔ اور اگر دور کر دئے جائیں تو عدل و انصاف ہے۔"

وَإِنْ أَظْهَرُوا لَمْ يُظْهِرُوا غَيْرَ وَصْفِهِمْ　　وَإِنْ سَتَرُوا فَالسِّتْرُ مِنْ أَجْلِهِمْ يَحْلُو

"اور اگر وہ ظاہر کر دیئے جائیں۔ تو ان کے وصف کے ساتھ ظاہر کئے جائیں گے اور اگر چھپائے جائیں۔ تو ان کی وجہ سے چھپنا شیریں ہو جاتا ہے۔"

اور دوسرے شاعر نے فرمایا ہے:۔

قَدْ كُنْتُ أَحْسِبُ أَنَّ وَصْلَكَ يُشْتَرَى　　بِنَفَائِسِ الْأَمْوَالِ وَالْأَرْبَاحِ

"میں سمجھتا تھا کہ تمہارا وصل بہترین مالوں اور فائدوں سے خریدا جا سکتا ہے۔

وَظَنَنْتُ جَهْلًا أَنَّ حُبَّكَ هَيِّنٌ تَفْنَى عَلَيْهِ كَرَائِمُ الْأَرْوَاحِ

"اور میں نادانی سے یہ گمان کرتا تھا کہ تمہاری محبت آسان ہے۔ مگر اس پر قیمتی روحیں قربان کر دی جاتی ہیں۔"

حَتَّى رَأَيْتُكَ تَجْتَبِي وَتَخُصُّ مَنْ تَخْتَارُهُ بِلَطَائِفِ الْأَمْنَاحِ

"یہاں تک کہ میں نے تجھ کو دیکھا کہ تو جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے لطف و کرم سے چن لیتا ہے اور خاص کر لیتا ہے۔"

فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَا تُنَالُ بِحِيلَةٍ فَلَوَيْتُ رَأْسِي تَحْتَ طَيِّ جَنَاحِي

"پس میں نے جان لیا کہ تم کسی تدبیر سے نہ ملو گے۔ تو میں نے تیرے پر تہ سمیٹ لیا اور چھپا لیا۔"

وَجَعَلْتُ فِي عُشِّ الْغَرَامِ إِقَامَتِي فِيهِ غُدُوِّي دَائِمًا وَرَوَاحِي

"اور محبت کے آشیانے میں میں نے اپنے ٹھہرنے کی جگہ بنا لی۔ اور ہمیشہ صبح و شام اسی میں رہتا ہوں۔"

اسی وجہ سے عارف کا قلب خوف اور امید کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے سوا کوئی مراد باقی نہیں رہتی ہے۔

حاصل یہ ہے: کہ عنایت و مناسبت ازلی کا راز ہے جو عمل اور طلب سے حاصل نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت سے۔ کہ جس کا حال جیسا ہے اس کے لئے اس کا مقصد آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: آپ نے اپنے رب کو کس کے ذریعے پہچانا؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعے پہچانا۔ اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچانتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا گیا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے پہچانا؟ حضرت [illegible]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا:- اگر میں اللہ تعالٰی کو حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے پہچانتا تو اللہ تعالٰی کی عبادت نہ کرتا۔ لیکن میرے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالٰی سے زیادہ خصوصی نسبت قائم ہیں۔ لیکن اللہ تعالٰی نے پہلے مجھ کو اپنی ذات کی پہچان کرائی پھر میں نے اللہ تعالٰی کے ذریعے حضرت محمد ﷺ کو پہچانا۔

اور یہی مقام عارفین کی معرفت کی انتہا ہے۔ یعنی جب وہ سابق قضا وقدر کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں۔ تو اپنے نفسوں سے جدا ہو کر اپنے اللہ تعالٰی کی ذات میں گم ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ رضا و تسلیم کے سایہ میں آرام و سکون حاصل کرتے ہیں اور عارف کے ہاتھوں سے ان کے اوپر خوف کو اُٹھا لیا جاتا ہے۔ لیکن آخری درجے میں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔

اَلْمَاءُ وَاحِدٌ وَالزَّهْرُ اَلْوَانٌ

"پانی ایک ہے اور کلیاں اور پھول بہت رنگ کے ہیں۔"

لہٰذا عارفین میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کے اوپر خوف اور غم کا غلبہ ہوتا ہے۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

بعض عارفین نے فرمایا ہے:- جس شخص کو جتنی زیادہ اللہ تعالٰی کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اتنا ہی زیادہ اللہ تعالٰی کا خوف اس پر غالب ہوتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالٰی کو زیادہ پہچانتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ خوف کرتا ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

"اللہ تعالٰی سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

اور عارفین میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے اوپر شوق اور اشتیاق غالب ہوتا ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:- جو شخص اللہ تعالٰی کو پہچان لیتا ہے۔ اس کے اندر بقا کی علامت اور اللہ تعالٰی کی ملاقات کا شوق غالب ہوتا ہے۔ اور دنیا اپنی تمام وسعتوں کے باوجود اس کے لئے تنگ ہوتی ہے۔

شوق ہی عارفین کا مقام بلند ہے

حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ عارف کا سب سے اونچا اور بزرگ مقام شوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے۔ میرے کچھ خاص بندے ایسے ہیں کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں ان کا مشتاق رہتا ہوں وہ میرے مشتاق رہتے ہیں۔ میں ان کا ذکر کرتا ہوں اور وہ میرے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ اور میں ان کی طرف دیکھتا ہوں وہ میری طرف دیکھتے ہیں۔ جو شخص ان کے طریقے پر چلتا ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جو ان سے منہ پھیر لیتا ہے میں اس سے ناراض ہوتا ہوں۔ عرض کیا گیا۔ اے ہمارے رب! ان کی پہچان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ دن میں سایوں کا اس طرح خیال رکھتے ہیں۔ جس طرح مہربان چرواہا اپنی بکریوں کا خیال رکھتا ہے۔ اور وہ آفتاب کے غروب ہونے کے اس طرح مشتاق ہوتے ہیں۔ جس طرح چڑیاں غروب آفتاب کے قریب اپنے آشیانوں کے مشتاق ہوتی ہیں۔ پھر جب ان کے اوپر رات کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ اور بستر بچھائے جاتے ہیں۔ اور سب لوگ آرام کرنے لگتے ہیں۔ اور ہر دوست اپنے دوست کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو وہ میرے لئے نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی پیشانی میرے سامنے بچھا دیتے ہیں۔ اور میرے کلام سے مناجات (سرگوشی) کرتے ہیں۔ اور میرے سامنے میرے انعام کے لئے خوشامد کرتے ہیں۔ لہذا چیخنے اور رونے اور آہ و فریاد اور قیام و قعود اور رکوع و سجود سے جو تکلیف وہ میرے لئے برداشت کرتے ہیں۔ وہ میری آنکھ کے سامنے ہے۔

اور میری محبت میں جو آہ و فریاد وہ کرتے ہیں۔ اس کو میرے کان سنتے ہیں۔

مشتاقین الٰہی کے تین انعام

تو پہلے میں ان کو تین چیزیں عطا کرتا ہوں:۔

پہلی چیز:۔ یہ ہے کہ میں ان کے قلوب میں اپنا نور ڈال دیتا ہوں تو وہ میرے متعلق خبر دیتے ہیں جیسا کہ میں ان کے متعلق خبر دیتا ہوں۔

دوسری چیز:۔ یہ کہ اگر ساتوں آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے سب ان کے میزان میں رکھ دی

ہوتی ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے۔ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ پہچاننے والا لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حیرت میں ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ زِدْنِيْ فِيْكَ تَحَيُّرًا۔ اے میرے اللہ! تو اپنے بارے میں میری حیرت زیادہ کر دے۔

اور عارفین میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے اوپر تواضع اور خضوع اور عاجزی وانکساری غالب ہوتی ہے۔

عارف کی مثال

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ عارف کی مثال: زمین کی طرح ہے جس پر اچھے اور برے سب چلتے ہیں اور بادل کی طرح ہے۔ جو سرخ وسفید سب پر سایہ کرتا ہے اور بارش کے پانی کی طرح ہے جو چلنے والے اور رشوت لینے والے سب کو سیراب کرتی ہے۔

اور عارفین میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی معرفت وسیع ہوتی ہے۔ وہ توحید کے سمندر میں غرق ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو کوئی شے مکدر نہیں کرتی ہے۔ نہ کوئی شے ان پر غالب ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ہر شے سے اپنا حصہ حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کے حصے سے کچھ کم نہیں کیا جا سکتا ہے وہ ہر شے سے مانوس ہوتے ہیں۔ کسی شے سے متنفر نہیں ہوتے ہیں۔

حضرت ابوتراب نے فرمایا ہے:۔ عارف کے وسیلے سے ہر شے کی گندگی دور ہو کر پاک وصاف ہو جاتی ہے۔ اور اس کو کوئی شے گندہ نہیں کرتی ہے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ عارف کیلئے اس کے بستر پر حکمت ومعرفت کا وہ دروازہ کھول دیتا ہے جو اس کیلئے نماز کے قیام میں بھی نہیں کھولتا ہے۔

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ عارف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس قدر مانوس ہوتا ہے کہ اس کی مخلوق سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ذلیل ورسوا ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مخلوق میں عزیز ومقبول بنا دیتا ہے۔

عَلِمَ اَنَّهُ لَوْ خَلَّاهُمْ وَ ذَالِكَ لَتَرَكُوا الْعَمَلَ اِعْتِمَادًا عَلَى الْاَزَلِ ، فَقَالَ :- اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

"اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ بندے اس کی عنایت کے راز کے ظاہر ہونے کے مشتاق ہیں۔ اس لئے فرمایا :-

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

"وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اگر بندوں کو سابق ازلی مشیت کیساتھ چھوڑ دیا جائے تو ازل کے فیصلے پر (قضاء وقدر) اعتماد کر کے عمل کو ترک کر دیں گے۔ اس لئے فرمایا:-

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

"بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان والوں کے قریب ہے۔"

میں کہتا ہوں: چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی یہ خبر دے دی ہے کہ عنایت سابق ازل (قضاء وقدر) پر منحصر ہے۔ لہذا جس کے لئے عنایت مقدر ہو چکی ہے۔ اس کو گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔ اور کل مخلوق اس عنایت کے راز کے ظاہر ہونے کی مشتاق ہے۔ اس وجہ سے ہر شخص یہ گمان کرتا ہے۔ کہ وہ اس ازلی عنایت کا اہل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ خبر دی:- یہ عنایت کا راز کچھ لوگوں کے لئے ہے اور کچھ لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

"اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ نے عنایت کے راز کو اپنی مشیت کے ساتھ منسوب کیا۔ نہ کہ لوگوں کی مشیت (خواہش) کے ساتھ۔ لہذا لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ازلی عنایت بعض لوگوں کے لئے ہے سب لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے۔ کہ وہ ان بعض لوگوں میں سے ہو۔ لیکن اکثر اوقات لوگ سابق ازل (مقدر) پر بھروسہ کر کے عمل کو ترک کر دیتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ خبر دی۔

اس عنایت کے راز کی کچھ علامتیں ہیں۔ جو اس شخص کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ جو اس کا اہل ہے اور اس کے ساتھ مخصوص ہے (یعنی ان علامات سے اس شخص کی پہچان ہوتی ہے۔ جو ازلی عنایت کا اہل ہے۔ اور اس کے ساتھ مخصوص ہے)

کون عنایت ازلی کا مستحق ہے

لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ

''بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان والوں کے قریب ہے۔''

اس آیہ کریمہ میں رحمت سے مراد:۔ ازلی عنایت ہے۔ اور وہ ان احسان والوں سے قریب ہے جنھوں نے اپنے رب کی بہتر طریقے پر عبادت کی اور اپنے رب کے بندوں کے ساتھ احسان کیا۔

تو حاصل یہ ہوا:۔ عنایت کا راز صرف ان احسان والوں کے لئے ظاہر ہوتی ہے۔ جو اپنے اعمال پر مضبوطی سے قائم اور اپنے رب کی عبودیت (بندگی) میں مخلص ہیں۔ لہذا جو لوگ ازلی حکم (مقدر) پر بھروسہ کر کے عمل کو ترک کر دیتے ہیں وہ حکمت کو باطل کرنے کی وجہ سے دھوکے میں جتلا اور مردود ہیں۔ اور جو لوگ قدرت اور ازلی مشیت کو نظر انداز کر کے عمل پر بھروسہ کرتے ہیں وہ جاہل، بارگاہ الہی سے دور، غافل ہیں۔ اور جو شخص دونوں حالتوں کا جامع ہے۔ وہ محقق کامل ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ازلی عنایت الہی کا راز اس پر ظاہر ہوگا۔

حضرت ابوعثمان مغربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ عارفین کے قلوب، نا گہانی مقدر کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ ایسا نہیں ہے۔ کہ جو شخص طلب کرے، وہ پالے۔ اور جو شخص پا جائے، وہ پہنچ جائے اور نہ ایسا ہے کہ جو شخص پہنچ جائے، وہ ادراک کرے اور جو ادراک کرے، وہ پا جائے۔ اور جو پا جائے، وہ سعادت مند ہو جائے۔ بہت سے ایسے ہیں جو اپنی تمناؤں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور بہت ایسے ہیں جو قربتوں کے بالا خانے پر پہنچ جاتے ہیں۔ جس شخص کو

توفیق کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ وہ ایک پل میں مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

ایک مرد صالح کی حکایت

جیسا کہ کسی صالح کی حکایت ہے۔ انھوں نے ابلیس لعین کو خواب میں دیکھا کہ وہ چیختا، روتا اور فریاد کرتا ہے۔ اس کی فوج اس کے پاس جمع ہو گئی۔ اور انھوں نے پوچھا: تم کو کیا ہو گیا ہے؟ ابلیس نے کہا: میں کئی سال سے فلاں شخص کو بہکانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن اب میں نے یہ دیکھا کہ اس کا ظاہر اور باطن اور پوشیدہ و علانیہ یکساں مضبوط اور درست ہو گیا اور ایسا اچانک ہوا۔ لہذا میں اس کے بہکانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ صدق سے آراستہ ہو کر سچائی کے مقام پر بادشاہ مقتدر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گیا۔ اور میرے مکر سے محفوظ ہو گیا۔

اللہ کی مشیت کسی شے پر موقوف نہیں

پھر مصنف نے مشیت سے سابق تھم کی حقیقت بیان کی۔ چنانچہ فرمایا:

إِلَى الْمَشِيئَةِ يَسْتَنِدُ كُلُّ شَيْءٍ، وَلَيْسَتْ تَسْتَنِدُ هِيَ إِلَى شَيْءٍ

"ہر شی مشیت کا سہارا لیتی ہے۔ اور مشیت کسی شی کا سہارا نہیں لیتی ہے۔"

میں کہتا ہوں۔ مشیت اور ارادہ دونوں ایک شی ہیں اور کل اشیاء کے وجود کا سبب دونوں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ

"اور تم لوگ نہیں چاہتے ہو مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے چاہتا ہے۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ لوگ اس کو نہ کرتے۔"

اور اس آیۂ کریمہ کے علاوہ بہت سی آیتیں اس کی دلیل ہیں کہ ہر شی کی علت (سبب سابق) ازلی مشیت ہے۔

لیکن مشیت ۔ نہ کسی شی کا سہارا لیتی ہے۔ نہ کسی شی پر موقوف ہوتی ہے۔ لہذا وہ کسی سوال اور دعا پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ وہ بغیر کسی سبب اور سوال کے ہو

ہے۔ اور جو ہمارا رب نہیں چاہتا ہے۔ وہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے بغیر کسی عمل کے قریب کر لیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے۔ بغیر کسی سبب کے دور کر دیتا ہے:۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ

" اللہ تعالٰی جو کرتا ہے۔ اس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا ہے اور لوگوں سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

لہذا وہاں تحقیق (پہنچنے اور حاصل ہونے) کا ازلی توفیق کے سوا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر واسطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالٰی کسی فقیر کو اس کی فقر کی وجہ سے قریب نہیں کرتا ہے اور نہ کسی دولت مند کو اس کی دولتمندی کی بنا پر دور کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اسباب کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کہ ان کے ذریعے تعلق قائم کرے۔ اور ان کی بنا پر جدا کر دے۔ اگر تم دنیا و آخرت نثار کر دو تو اس کے سبب تم کو اپنے قریب نہیں کرتا اور اگر تم سب کو لے لو تو اس کے سبب تم کو اپنے سے دور نہیں کرتا۔

جس کو چاہتا ہے بغیر کسی سبب کے قریب کر لیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بغیر کسی سبب کے دور کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:۔

وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

" اور جس کے لئے اللہ تعالٰی نے نور نہیں بنایا ان کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔"

لہذا مشیت پر نظر رکھنا حقیقت ہے اور سبب پر نظر رکھنا شریعت ہے۔ یا تم اس طرح کہو:۔ مشیت کی طرف نظر کرنا قدرت ہے۔ اور سبب کی طرف نظر کرنا حکمت ہے اور دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے۔

پس حقیقت مقرر ہے اور شریعت واضح ہے۔ شریعت حکمت ہے اور حقیقت قدرت ہے اور باطن میں حقیقت شریعت پر حاکم ہے اور ظاہر میں شریعت حقیقت پر حاکم ہے۔ اور قدرت کا علم حکمت کے وصف سے اس کے مقام میں افضل نہیں ہے۔ اور نہ حکمت کا وصف قدرت کے علم سے اس کے مقام میں افضل ہے۔

حضرت شبلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ تم جان لو کہ آدمیوں کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم۔ وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ازلی علم یعنی قضا و قدر پر نظر رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قضا و قدر کا حکم بندے کی کوشش سے بدل نہیں سکتا ہے۔

دوسری قسم۔ وہ لوگ ہیں۔ جو انجام پر نظر رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ اعمال اپنے انجام کے ساتھ وابستہ ہیں۔

تیسری قسم۔ وہ لوگ ہیں جو وقت پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ نہ سابق قضا و قدر میں مشغول ہوتے ہیں نہ نتیجے کی فکر کرتے ہیں۔ وہ صرف موجودہ وقت کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں جس کے کرنے کی ان کو تکلیف دی گئی ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ عارف ابن الوقت (اپنے وقت کا پابند) ہوتا ہے۔ وہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہیں پڑتا اور نہ اس وقت کے سوا جو اس کے سامنے موجود ہے دوسرے وقت کی طرف نظر کرتا ہے۔

چوتھی قسم۔ وہ لوگ ہیں۔ جو صرف اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ماضی و مستقبل اور حال اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور اس کے حکم سے بدلتے رہتے ہیں۔ اور کل اوقات تغیر اور تبدیلی کو قبول کرنے والے ہیں اس لئے وہ ہر شے سے منہ پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتے ہیں۔

ایک بزرگ نے ایک شیخ کے پاس سے جانے کا ارادہ کیا۔ تو شیخ نے پوچھا: تم کہاں اور کیوں جانا چاہتے ہو؟

انھوں نے کہا۔ یہ حضرت میں جا رہا ہوں تاکہ آپ کو اپنے وقت سے غافل نہ کروں یعنی میری طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے آپ کا وقت ضائع نہ ہو۔ شیخ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ وقت ہے نہ مقدار ہے۔ ہم وقت کو نہیں دیکھتے ہیں۔ بلکہ ہم صاحب وقت کے رب کو دیکھتے ہیں اور جس کے اندر شعور کی حالت منتقل ہو کر قائم ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو کر موجودات سے غائب ہو جاتا ہے۔

وَتَحْقِيقُهُ اِيْقَاظًا وَهُوَ رَقُوْدٌ

"تم ان کو پیاسا ہوا سمجھتے ہو حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔" ایک شخص نے حضرت بایزید رضی اللہ عنہ سے پوچھا ابویزید کہاں ہیں؟ تو حضرت نے جواب دیا ابویزید یہاں نہیں ہیں۔

حکایت: ایک شخص نے حضرت شبلی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:۔ شبلی کہاں ہیں؟ حضرت شبلی نے جواب دیا:۔ شبلی مر گیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہ کرے۔ اس سے حضرت شبلی نے یہ مراد لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے رب کے مشاہدہ سے دور کر کے اس کے احساس کی طرف لوٹا دے۔

حکایت:۔ حضرت ابویزید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مسجد میں دیکھا کہ ان کو دریافت کر رہا ہے۔ حضرت بویزید نے اس سے فرمایا:۔ میں بھی ابویزید کو سالوں سے تلاش کر رہا ہوں۔ اس شخص نے خیال کیا:۔ یہ کوئی دیوانہ ہے۔ پھر جب اس کو بتایا گیا کہ یہی ابویزید ہیں۔ تو اس نے کہا:۔ یا حضرت میں آپ ہی کو دریافت کر رہا ہوں اور آپ ہی سے ملنا چاہتا ہوں۔ تو ابویزید نے اس سے فرمایا:۔ تم جس ابویزید کو تلاش کر رہے ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ میں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے لئے، جانے والوں میں شامل ہو کر چلا گیا۔ اب اس کو اللہ تعالیٰ ہی لوٹائے۔

یہاں اٹھارھواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس باب کا حاصل:۔ دعا اور طلب کے آداب ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ دعا:۔ بندگی ظاہر کرنے کیلئے ہونی چاہئے۔ نہ کہ کچھ مانگنے کے لئے۔ اس لئے تمہارا حصہ ازل ہی میں تمہارے مانگنے سے پہلے مقدر ہو چکا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی عنایت تمہارے مانگنے سے پہلے ہی تمہارے اوپر ہے۔

یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

"اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے۔"

لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت عمل چاہتی ہے۔ لہذا عمل، مشیت پر موقوف ہونے کے باوجود ازل کی خصوصیت پر حاکم ہے۔ کیونکہ ہر شی مشیت کا سہارا لیتی ہے (یعنی ہر شے کے وجود کا سبب مشیت ہے) اور مشیت کسی شے کی محتاج نہیں ہے۔ لہذا سکون اور ادب لازم ہے۔ یہاں تک کہ طلب کے ترک کرنے میں بھی ادب و سکون لازم ہے۔

مصنف نے انیسویں باب کی ابتدا میں اسی کو بیان فرمایا ہے:۔

انیسواں باب

ترکِ طلب کے ادب کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

رُبَّمَا دَلَّهُمُ الْاَدَبُ عَلٰى تَرْكِ الطَّلَبِ

"اکثر اوقات ادب، عارفین کی رہنمائی، دعا اور طلب کے چھوڑ دینے کی طرف کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں:- ایسا اس لئے ہے۔ کہ عارفین اور اہل فنا پر قضا و قدر کا احکام کے ماتحت خاموشی اور سکون غالب ہوتا ہے، اس وجہ سے دعا اور طلب ان سے کم ہی صادر ہوتا ہے۔ کیونکہ عارف اپنے نفس سے فانی اور اپنی حس سے غائب ہوتا ہے نہ اس کو اپنی ذات کی خبر ہوتی ہے۔ نہ اس کو غیر اللہ کے ساتھ قرار ہوتا ہے۔ لہذا اس کی طرف سے کسی قسم کے سوال کا یا اس کے کسی مقصد کے فوت ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:-

مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِىْ عَنْ مَسْئَلَتِىْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اُعْطِى السَّائِلِيْنَ

"جس شخص کو میرے ذکر کی مشغولیت نے مجھ سے سوال کرنے سے غافل کر دیا ہے میں اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔"

اشیاء اس کی مشتاق ہوتی ہے۔ اور وہ ان سے بے نیاز ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:-

" يَشْتَاقُ الْجَنَّةُ اِلٰى عَمَّارٍ وَّ صُهَيْبٍ وَّ بِلَالٍ

"جنت:- حضرت عمار اور حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کے لئے مشتاق ہے۔"

حاصل یہ ہے ۔ کہ بندہ جب تک اپنے نفس سے غائب اور اپنے رب کے
مشاہدے میں فانی اور اپنے حس سے جدا ہوتا ہے۔ اس سے طلب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس لئے جب وہ ولی جو حق ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ وہ دریائے وحدت میں ڈوبا ہوا
ہے۔ لہذا اس وقت اس کا طلب کرنا اس کے حق میں بے ادبی ہے۔

پھر اگر وہ اپنے نفس کے شعور کی طرف لوٹا دیا جائے۔ اور یہ بقا کا مقام ہے۔ تو عبودیت
کے طریقے پر، نہ کہ کچھ چاہنے اور طلب کرنے کے طریقے پر، اس کی طرف سے سوال کا تصور کیا جا
سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

پھر مصنف نے دعا وطلب ترک کرنے میں عارفین کے بھروسہ کی وضاحت فرمائی۔

اِعْتِمَادًا عَلٰى قِسْمَتِهِ ، وَاشْتِغَالًا بِذِكْرِهِ عَنْ مَسْئَلَتِهِ

"اپنے قسمت پر بھروسہ کرنے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ دعا اور طلب
سے باز رہتا ہے۔"

میں کہتا ہوں: ازلی قسمت پر بھروسہ کا بیان حکمت کی بحث میں اس سے پہلے گزر چکا
ہے۔

اور ذکر میں مشغول ہونے کی بنا پر سوال سے غافل ہونا۔ اس سلسلے میں ایک یہ حدیث
شریف درج ہوئی ہے:-

مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي

حضرت واسطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ازل میں تمہارے لئے جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ
اس وقت کے جھگڑے یعنی فوری طلب سے بہتر ہے۔

حضرت قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

صوفی جب اپنے قلب میں دعا کے لیے اشارہ پائے تو دعا کرے مثلاً جب دعا کے لئے اپنے قلب
میں خوشی اور فراخی پائے تو دعا بہتر ہے اور جب اپنے قلب میں تنگی اور رکاوٹ پائے تو خاموشی بہتر
ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے: پچاس سال ہوئے میں نے اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں مانگا اور نہ میں دعا کرنا چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ میرے لئے دعا کی جائے۔

اور یہ اس لئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ غافل نہیں ہے کہ اس کو یاد دہانی کی جائے۔ بلکہ وہ تمہارے پوشیدہ معاملات سے بھی خوب آگاہ ہے۔ لہذا جو کچھ تمہارے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ تم کو ضرور ملے گا۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

إِنَّمَا يُذَكَّرُ مَنْ يَجُوزُ عَلَيْهِ الْإِغْفَالُ

"حقیقت یہ ہے کہ یاد اس کو دلایا جاتا ہے جس کے لئے غفلت جائز ہو۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

"اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔"

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ

"کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جو کچھ تمہاری قسمت میں ہے۔ اس کے دینے میں وہ تم کو چھوڑ نہیں دے گا۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:-

وَإِنَّمَا يُنَبَّهُ مَنْ يَجُوزُ عَلَيْهِ الْإِهْمَالُ

"اور تنبیہ اس کو کی جاتی ہے جس کے لئے چھوڑ دینا جائز ہو۔"

اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی قدرت کا کامل ہونے اور اس کے علم کے ہر شے کا احاطہ کرنے کی وجہ سے چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ لیکن اس کی حکمت، اسباب و ذرائع کا تعلق اور اشیاء کا مقدم اور موخر (آگے پیچھے) ہونا چاہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ

"اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہر شے ایک اندازے کے ساتھ ہے۔"

"جب تم میرے سامنے ہوتے ہو اور میں تمہاری باتیں سنتا ہوں تو زمانہ میرے لئے عید ہو جاتا ہے۔"

اور ایک دوسرے شاعر کا کلام ہے:۔

قَالَتْ غَدًا الْعِيدُ بِالْبُشْرٰى فَقُلْتُ لَهَا　اَلْعِيدُ وَالْبِشْرُ عِنْدِي يَوْمُ لُقْيَاكِ

"اس نے کہا۔ کل خوشی کے ساتھ عید ہے۔ تو میں نے اس کو کہا: میری عید ہے اور خوشی تمہاری ملاقات کا دن ہے۔"

اَللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّ النَّاسَ قَدْ فَرِحُوا فِيهِ وَمَا فَرَحِي اِلَّا بِرُؤْيَاكِ

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ لوگ عید میں خوشی مناتے ہیں۔ اور میری خوشی صرف تمہارے دیدار میں ہے۔"

پھر مصنف نے فاقہ کے مفید ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

رُبَّمَا وَجَدْتَ مِنَ الْمَزِيدِ فِي الْفَاقَاتِ مَا لَا تَجِدُهُ فِي الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ ۔ اَلْفَاقَاتُ بُسُطُ الْمَوَاهِبِ ، اِنْ اَرَدْتَ بَسْطَ الْمَوَاهِبِ عَلَيْكَ ، صَحِّحِ الْفَقْرَ وَالْفَاقَةَ لَدَيْكَ ۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ

"اکثر اوقات، فاقوں میں تم کو وہ ترقی حاصل ہوتی ہے، جو روزہ اور نماز میں بھی تم کو حاصل نہیں ہوتی ہے۔ فاقے۔ عطیات الٰہی کے کشادہ ہونے کا سبب ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ عطیات الٰہی کی کشائش تم پر ہو تو اپنے فقر و فاقہ کو درست کرو۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں۔"

میں کہتا ہوں: یہ حقیقت ہے کہ انسان فاقہ میں اس قدر ترقی حاصل کرتا ہے جس قدر وہ روزہ اور نماز میں نہیں حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ فاقہ (محتاجی) قلوب کے اعمال میں سے ہے۔ اور روزہ و نماز جسمانی اعضاء کے اعمال میں سے ہے۔ اور قلبی اعمال کا ایک ذرہ جسمانی اعمال کے پہاڑ جیسے اعمال سے افضل ہے۔ فاقے۔ روح کی غذا ہیں اور روزہ و نماز۔ قلب کی غذا ہے۔ روح۔ مشاہدہ کا مقام ہے اور قلب۔ مراقبہ کا مقام ہے۔ اور دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: وہ مدد جس کا نام شیخ ربانی ہے صرف اتنی توجہ میں اتنی

ہوتی ہے۔ جو عوائق (روکنے والی اشیاء) اور شواغل (مشغول کرنے والی اشیاء) سے خالی ہوتے ہیں اور ایسے بندے بھی موجود ہیں۔ جو کثرت سے نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے قلب کا دروازہ دنیاوی معاملات میں مشغول ہونے کی وجہ سے بند ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کی تعداد زیادہ ہے اور تھوڑے ایسے بندے بھی موجود ہیں۔ جو نمازیں کم پڑھتے اور روزے کم رکھتے ہیں۔ مگر ان کے قلوب کا دروازہ علوم لدنیہ کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اور ایسے لوگ کم ہیں۔

اور کل عبادتوں میں ریا داخل ہو جاتی ہے۔ مگر صرف فاقہ میں ریا داخل نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ فاقہ میں نفس کو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لِعَبْدِهٖ تَخَلَّقْ بِالْفَاقَةِ تَكُوْنُ ذَهَبًا

" اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے۔ میں نے تم کو فاقہ میں اس لئے جکڑا یا تاکہ تم سونا ہو جاؤ"

حضرت مصنفؒ نے اپنی کتاب تنویر میں فرمایا ہے۔ تم یہ جان لو کہ بلائیں اور فاقے منن و کرم کے ان اسرار میں سے ہیں جن کو اہل بصیرت کے سوا کوئی نہیں سمجھتا ہے۔ اور اگر کچھ نہ بھی ہو پھر بھی نفس کی ذلت اور حقارت اور اس کا بے قوت ہو جانا کافی ہے اور فاقے کا اصلی مقصد یہی ہے۔

اور بیان کیا گیا ہے۔ جب ذلت ثابت ہوتی ہے تو مدد الٰہی اس کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

" اور اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تمہاری مدد فرمائی۔ جبکہ تم ذلیل اور کمزور تھے۔"

لہٰذا اے مرید! اگر تم عطیات الٰہی کی خواہش اور اپنے اوپر ان کا وارد ہونا چاہتے ہو تو اپنے فقر و فاقہ کو درست کرو۔ پھر جب تمہارا فقر و فاقہ درست ہو جائے۔ تو عطیات الٰہی کے نزول کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ اب وہ تمہارے اوپر بادلوں کی طرح نازل ہوں گی اور اس کے بارے میں مصنف نے ایک قصیدہ کہا ہے۔ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

وَاِنْ تُرِدْ وُرُوْدَ الْمَوَاهِبِ عَلَيْكَ ، صَحِّحِ الْفَقْرَ وَالْفَاقَةَ لَدَيْكَ

" اور اگر تم فوراً عطیاتِ الٰہی کی کشائش چاہتے ہو۔ تو سمجھ لو کہ فقر و فاقہ کے اندر عطیات کی خوشبو پھیلتی ہے۔"

اور عطیات :۔ سے مراد معارف اور کشف اور اطمینان اور تسکین اور علوم اور اسرار ہیں۔ جو غیب کے خزانوں سے قلوب پر اس وقت وارد ہوتے ہیں جب وہ غیر اللہ کی آلائش سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ اور قلب سب سے زیادہ صاف اس وقت ہوتا ہے، جبکہ نفس ختم ہو جاتا ہے۔ اور نفس کا خاتمہ :۔ صرف اس کے فوائد کے ترک ہونے سے ہوتا ہے۔ اور نفس کا خاتمہ :۔ اکثر اوقات فقر و فاقہ کے سوا کسی دوسرے حال میں نہیں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرات صوفیائے کرام فقر و فاقہ سے خوش ہوتے اور تونگری و خوش حالی سے غمگین ہوتے ہیں۔

ایک صوفی کا فتوحات کو سزا سمجھنا

ایک صوفی پر دنیا کا دروازہ کچھ کھول دیا گیا۔ تو انھوں نے فرمایا:۔ یہ سزا ہے اور اس سزا کے ملنے کا سبب مجھ کو نہیں معلوم ہے۔

حضرت ہروی نے فرمایا ہے:۔ فقر و فاقہ چھوڑی ہوئی صفت ہے اور جتنی چیزیں عارف کو حاصل ہوتی ہیں ان میں سب سے زیادہ لذیذ یہی ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں داخل کرتا ہے اور اس کے سامنے بٹھاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے روکنے والی اشیاء کو ختم کرنے اور تعلقات سے پاک ہونے اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ قلب کے مشغول ہونے کے لئے سب مقامات سے زیادہ مشہور یہی مقام ہے۔

سچا فقیر

بیان کیا گیا ہے:۔ سچا فقیر۔ نہ کسی شی کا خود مالک ہوتا ہے اور نہ کوئی شی اس کا مالک ہوتی ہے۔ یعنی نہ وہ حاکم ہوتا ہے۔ نہ محکوم۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا۔

فقیر کو سب آرام و سکون ملتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا:۔ جب وہ غیر اللہ کو نہیں دیکھتا ہے۔

حضرت شبلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ فقیر صرف اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو کر ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ سہروردی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں فرمایا ہے:۔ فقر و زہد۔ تصوف کی بنیاد ہے۔ اور فقر ہی سے تصوف قائم رہتا ہے۔ اور تصوف کے لئے فقر کا ہونا لازمی ہے۔ اس لئے کہ تصوف ایسا جامع نام ہے۔ جس میں فقر اور زہد کے معانی ان احوال کی ترقی کے ساتھ شامل ہیں جو صوفی کے لئے لازمی ہیں اگرچہ وہ فقیر زاہد ہو۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ فقر کی انتہا تصوف کی ابتدا ہے۔ کیونکہ تمام اعلیٰ اخلاق کے مجموعے اور پست اخلاق سے پاکیزگی کا نام تصوف ہے۔ بلکہ ہمارے صوفیائے کرام اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں داخل ہونے کا دروازہ صرف فقر ہے اور جو شخص فقر میں ثابت قدمی سے قائم نہیں ہوا اس کو ان فیوض و برکات میں سے کچھ بھی نہیں ملا جس کی طرف صوفیائے کرام نے اشارہ فرمایا ہے۔

اور فقر میں ثابت قدمی سے قائم ہونا:۔ اس سے مانوس ہونا اور اس کے حاصل ہونے کے لئے رغبت کرنا اور اس کے ساتھ مضبوطی سے قائم ہونا ہے۔ یہاں تک کہ فقر و فاقہ اس کے لئے شہد سے زیادہ میٹھا اور مال و دولت اس کے لئے حنظل سے زیادہ کڑوی ہو جائے۔ اور جب اس حال پر قائم ہو جاتا ہے۔ تو اس کے اوپر معرفیات الٰہی کا نزول متواتر ہوتا ہے۔ اور معارف کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں۔ پھر وہ سب سے زیادہ غنی اور خوشحال ہو جاتا ہے۔

ایک زاہد کا قصہ

ایک صالح نے فرمایا ہے:۔ میرے پاس کچھ مال تھا۔ میں نے حرم شریف میں ایک درویش کو چند روز سے اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ نہ کچھ کھاتے ہیں۔ نہ پیتے ہیں۔ اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ مال ان کو دیدوں چنانچہ میں نے وہ مال ان کی گود میں ڈال دیا اور کہا:۔ اس مال سے اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کیجئے۔ لیکن انھوں نے

اس مال کو پتھریلی زمین پر پھینک دیا اور مجھ سے فرمایا:- میں نے اپنے رب کے ساتھ یہ نشست اپنے کل مال کے معاوضے میں خریدی ہے۔ اور تم اس کو خراب کرنا چاہتے ہو۔ یہ کہ کر وہ چلے گئے۔ لہذا اللہ کی قسم، میں نے ان سے زیادہ بزرگ اور باعزت نہیں دیکھا کیونکہ انھوں نے مال کو پھینک دیا۔ اور میں نے اپنے سے زیادہ حقیر اور ذلیل نہیں دیکھا کہ میں مال کو حفاظت سے جمع کرتا تھا۔

اور ظاہر و باطن میں فقر و فاقہ کی درستی یہی ہے۔

بعض صوفیائے کرام کی یہ حالت تھی:- جب ان کے پاس کچھ مال ہو جاتا تو وہ رنجیدہ ہو جاتے اور جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا، تو وہ خوش ہوتے تھے۔ ان سے کہا گیا:- دوسرے سب لوگوں کا حال آپ سے الٹا ہے۔ انھوں نے فرمایا:- جب میرے پاس کچھ نہیں ہوتا ہے۔ تو میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہوتا ہوں۔ اور جب میرے پاس کچھ ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ مجھ سے ترک ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں:- ہمارے شیوخ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی حالت تھی اور ہے۔ اور ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ ان کے احوال کی پیروی کریں۔

مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے:- ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولاء عربی رضی اللہ عنہ رات کو چراغ جلا کر گھر میں چاروں طرف دیکھتے تھے اگر گھر میں کچھ پا جاتے تو وہ اس کو فوراً صدقہ کر دیتے تھے۔ اور رات فاقہ کی حالت میں گزارتے تھے۔ تجرید کی حالت میں ان کا یہی حال تھا۔ اسی حال کی شہادت میں مصنفؒ نے اس آیۂ کریمہ کو پیش کیا ہے:-

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ

"صدقات صرف فقرا و مساکین کے لئے ہیں۔"

مصنفؒ نے اس مقام میں یہ آیۂ کریمہ پیش کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ جو عطیات اور معارف عطا فرماتا ہے۔ وہ سب صرف صدقات و احسانات ہیں۔ اعمال و احوال کا بدلہ نہیں ہیں۔ کیونکہ صدقہ کسی عمل کے معاوضے میں نہیں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے

وَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ

"بیشک اللہ تعالیٰ کل عالم سے بے نیاز ہے۔"

یہ فقر میں ثابت و قائم ہونا۔ عبودیت کے تمام اوصاف میں قائم ہونا ہے اور عبودیت کے اوصاف یہ ہیں۔

ذلت اور عاجزی اور کمزوری۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:

تَحَقَّقْ بِأَوْصَافِكَ يُمِدَّكَ بِأَوْصَافِهِ وَتَحَقَّقْ بِذُلِّكَ يُمِدَّكَ بِعِزِّهِ

وَتَحَقَّقْ بِعَجْزِكَ يُمِدَّكَ بِقُدْرَتِهِ . وَتَحَقَّقْ بِضَعْفِكَ يُمِدَّكَ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ

"تم اپنی عبودیت کے اوصاف سے موصوف ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کے اوصاف سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تم اپنی ذلت سے موصوف ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ اپنی عزت کے وصف سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تم اپنی عاجزی کے وصف سے موصوف ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے وصف سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تم اپنی کمزوری کے وصف سے موصوف ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ اپنے اختیار اور اپنی قوت کے وصف سے تمہاری مدد فرمائے گا۔"

اوصاف سے مدد کرنا۔ اوصاف سے موصوف کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں: عبودیت کے اوصاف چار ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں ربوبیت کے اوصاف بھی چار ہیں:

عبودیت کا پہلا وصف۔ فقر (محتاجی) ہے۔ اس کے مقابلے میں ربوبیت کا وصف۔ غنا (بے نیازی) ہے۔

عبودیت کا دوسرا وصف۔ ذلت ہے۔ اس کے مقابلے میں ربوبیت کا وصف۔ عزت ہے۔ عبودیت کا تیسرا وصف۔ عاجزی ہے۔ اس کے مقابلے میں ربوبیت کا وصف۔ قدرت ہے۔ عبودیت کا چوتھا وصف۔ کمزوری ہے۔ اس کے مقابلے میں ربوبیت کا وصف۔ قوت ہے۔ اور وصف کے ساتھ ثابت و قائم ہونے کا مفہوم۔ قلب اور جسم کا وصف سے آراستہ و موصوف ہونا ہے۔

بڑی بے نیازی ہے۔"

وَإِنْ تُرِدْنَ بَسْطَ الْمَوَاهِبِ عَاجِلاً فَفِي الْفَاقَةِ رِيحُ الْمَوَاهِبِ يَنْشُرُ

"اور اگر تم فوراً عطیات کی کشائش چاہتے ہو۔ تو سمجھ لو۔ کہ فاقہ میں عطیات کی خوشبو پھیلتی ہے۔"

وَإِنْ تُرِدْنَ عِزًّا مَنِيعًا مُؤَيَّدًا فَفِي الذُّلِّ يَخْفَى الْعِزُّ بَلْ ثَمَّ يَظْهَرُ

"اور اگر تم مضبوط اور تائید والی رکھنے والی عزت چاہتے ہو۔ تو جان لو۔ کہ یہ عزت ذلت میں پوشیدہ ہے۔ بلکہ ذلت ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔"

وَإِنْ تُرِدْنَ رَفْعًا لِقَدْرِكَ غَالِبًا فَفِي وَضْعِكَ النَّفْسَ الدَّنِيَّةَ يَحْضُرُ

"اور اگر تم اپنے مرتبہ کو بلند کرنا چاہتے ہو۔ تو تم یہ جان لو۔ کہ اپنے نفس کو پست و ذلیل کرنے ہی میں مرتبہ کی بلندی حاضر ہوتی ہے۔"

وَإِنْ تُرِدِ الْعِرْفَانَ فَافْنَ عَنِ الْوَرَى وَعَنْ كُلِّ مَطْلُوبٍ سِوَى الْحَقِّ تَظْفَرُ

"اور اگر تم عرفان چاہتے ہو۔ تو مخلوق سے اور اللہ تعالےٰ کے سوا ہر مطلوب سے فنا ہو جاؤ۔ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔"

تری الحق فی الاشیا حین تلطفت ففی کل موجود حبیبی ظاهر

"جب اشیا لطیف ہو کر غائب ہو جائیں گی۔ تو تم ان میں اللہ تعالےٰ کو دیکھو گے۔ کیونکہ ہر موجود میں میرا دوست ظاہر ہے۔"

بندگی اختیار کرو

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

عبودیت کی درستی: اللہ تعالےٰ کے لئے محتاجی اور کمزوری اور ذلت اختیار کرنے سے ہوتی ہے۔ اور اس کی ضد: ربوبیت کے اوصاف ہیں اور تم کو اس سے کیا نسبت ہے؟ تو تم اپنے اوصاف کو اپنے اوپر لازم کرو۔ اور اللہ تعالےٰ کے اوصاف سے تعلق پیدا کرو۔

اور حقیقی محتاجی اختیار کرتے کہو۔ اے بے نیاز اللہ! تیرے سوا محتاج بندے کا کون ہے۔

اور حقیقی کمزوری اختیار کرتے ہو۔ اے طاقتور اللہ تیرے سوا کمزور بندے کا کون ہے اور حقیقی عاجزی اختیار کرتے ہو۔ اے قادر مطلق اللہ! تیرے سوا عاجز بندے کا کون ہے اور حقیقی ذلت اختیار کرتے ہو۔ اے عزیز (رب العزت اللہ) تیرے سوا ذلیل بندے کا کون ہے۔

جب تم ایسا کرو گے۔ تو قبولیت اس طرح تمہارے پاس آئے گی۔ گویا کہ وہ تمہاری فرماں بردار ہے۔

اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا   اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

”اللہ تعالیٰ سے مدد پاؤ اور صبر کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اور عبودیت کے وصف سے موصوف ہونا اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے مولا حقیقی اللہ تعالیٰ کے ان اوصاف سے تعلق نہ پیدا کرے۔ جو اس کی عبودیت کے اوصاف کی ضد ہیں۔ لہٰذا فقیر، عاجزی اور محتاجی اور کمزوری میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے التجا نہ کرے۔

بادشاہ کو فقیر کا جواب

منقول ہے۔ ایک بادشاہ نے ایک فقیر سے کہا۔ آپ کی جو کچھ حاجت ہو، میرے سامنے پیش کیجئے۔ فقیر نے اس کو جواب دیا۔ میں نے اپنی کل حاجتیں اس مقدس ذات کے سامنے پیش کی ہیں۔ جو آپ سے زیادہ قدرت رکھنے والی ہے۔ تو اس نے ان میں سے میری جس حاجت کو پوری کر دیا۔ میں اس پر راضی ہوں۔ اور جس حاجت نے مجھ کو محروم کر دیا۔ میں اس پر بھی راضی ہوں۔ پھر بادشاہ نے اس سے کہا: آپ کو مجھ سے کوئی بھی حاجت نہیں ہے؟ فقیر نے کہا: ہاں ایک حاجت ہے۔ بادشاہ نے کہا: وہ کیا ہے؟ فقیر نے کہا۔ وہ حاجت یہ ہے کہ آئندہ نہ آپ مجھ کو دیکھیں۔ اور نہ میں آپ کو دیکھوں۔

اسی کے متعلق ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:۔

مَلَکْتُ نَفْسِیْ وَ کُنْتُ عَبْدًا   فَزَالَ رِقِّیْ وَ طَابَ عَیْشِیْ

"میں اپنے نفس کا مالک ہو گیا۔ حالانکہ پہلے میں اس کا غلام تھا۔ لیکن اب میری غلامی دور ہو گئی اور میری زندگی خوشگوار ہو گئی۔

أَصْبَحْتُ أَرْضَى بِحُكْمِ رَبِّي　　　إِنْ لَمْ أَكُنْ رَاغِبًا فَإِنِّي

"میں اپنے رب کے حکم پر راضی ہوں۔ کیونکہ اس کے حکم پر راضی رہنے کے سوا میرے لئے کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔

پس بندہ ربوبیت کے وصف سے تعلق پیدا کرتا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت حاصل کرتی ہے۔ جس کی عزت فنا نہیں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

اور عزت اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے۔"

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے سامنے ہر شی عاجز اور فرماں بردار ہو جاتی ہے۔

نوکر دار زخم دادو پیچ

منقول ہے۔ حضرت شیبان راعی رضی اللہ عنہ، حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ دونوں حضرات ایک میدان میں جا رہے تھے۔ کہ اچانک ایک شیر ان کے سامنے آ گیا۔ حضرت سفیان راستے سے الگ ہٹ گئے۔ اور حضرت شیبان راعی شیر کی طرف بڑھے اور اس کا کان پکڑ کر اینٹھنے لگے۔ اور شیر اپنی دم ہلاتا رہا پھر دم ہلاتے ہوئے واپس چلا گیا۔ حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ اے شیبان! یہ کس طرح ہوا؟ حضرت شیبان نے فرمایا۔ اگر آپ چاہتے تو میں اس پر سوار ہو کر مکہ معظمہ تک پہنچا جاتا۔

اے دنیا میرے خادم کی نوکری کر چا

منقول ہے۔ ایک بڑھیا عورت روتی ہوئی حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کے گھر آئی تھی اور ان کے گھر میں جھاڑو دیتی تھی اور ان کے لئے بازار سے کچھ کھانے کا سامان خرید لاتی تھی۔ ان سے دریافت کیا گیا۔ یہ کون ہے؟ حضرت نے جواب دیا۔ یہ دنیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو میری

فرماں بردار بنا دیا ہے۔ کیونکہ میں نے دنیا کو ترک کر دیا ہے۔ اور اسی سے متعلق یہ حدیث شریف ہے:-

یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِلدُّنْیَا:- یَا دُنْیَا اُخْدُمِیْ مَنْ خَدَمَنِیْ، وَ اَتْعِبِیْ مَنْ خَدَمَکِ

"اللہ تعالیٰ دنیا سے فرماتا ہے:- اے دنیا! جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو شخص تیری خدمت کرتا ہے، تو اس کو رنج اور محنت میں مبتلا کر۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ کا قول

حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

جو شخص فقیری چاہتا ہے اس کے سامنے تونگری آتی ہے اور جو شخص تونگری چاہتا ہے۔ اس کے سامنے محتاجی آتی ہے اور تونگری۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہو کر ہر شے سے بے نیاز ہو جانا ہے۔

جب جھکا تو غیر کے آگے؟

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- جو شخص غیر اللہ کے سامنے جھک گیا۔ اس کو یقین کی خوشبو سونگھنی نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت ابوتراب نے فرمایا ہے:- میں نے ایک نوجوان کو ایک جنگل میں بغیر کچھ کھانے کے سامان کے چلتے دیکھا۔ میں نے اس سے کہا: ایسے جنگل میں آپ سفر کر رہے ہیں۔ اور آپ کے پاس کھانے کا کچھ سامان نہیں ہے۔ اس نے کہا:- میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہوں۔

تب میں نے اس سے کہا:- جب آپ کا یہ حال ہے۔ تو آپ جہاں چاہئے تشریف لے جائیے۔

ابراہیم خواصؒ کی حکایت

حضرت ابراہیم خواصؒ نے فرمایا ہے:- ایک جنگل میں ایک درویش سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا:- آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا:- میں مکہ معظمہ جا رہا ہوں۔ میں نے ان سے کہا:- آپ سواری اور زاد راہ کے بغیر جا رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا:- جو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے۔ اور ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ اس کو بغیر کسی وسیلے

اور ذریعے کے میری روزی عاجز نہیں کر سکتی ہے۔ میں نے کہا:۔ آپ نے بالکل حق فرمایا۔ پھر اس کے بعد میں نے ان کو مکہ معظمہ میں دیکھا کہ طواف کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں:۔

یَا عَیْنُ سُحِّی اَبَدًا یَا نَفْسُ مُوْتِی کَمَدًا

اے آنکھ ہمیشہ روتی رہ۔ اے نفس غم سے مر جا

وَ لَا تُحِبِّی اَحَدًا اِلَّا الْاِلٰہَ الصَّمَدَا

"اور تو کسی سے محبت نہ کر۔ مگر صرف اس اللہ تعالٰی سے جو بے نیاز ہے۔"

جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھ سے فرمایا:۔

کیا ابھی تک آپ کا یقین کمزور ہے؟

میں نے کہا:۔ نہیں بلکہ مجھ کو یہ یقین ہو گیا کہ اللہ تعالٰی ہر شے پر قادر ہے۔

یہاں انیسواں باب ختم ہوا۔

خلاصہ

اس باب کا حاصل:۔ یہ ہے کہ اکثر اوقات ادب: عارفین کی رہنمائی اس بات کی طرف کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالٰی سے کچھ نہ مانگیں اور اس کے علم کو کافی سمجھیں۔

اس لئے کہ یاد دہانی غافل کو اور تنبیہ بھولنے والے کو کی جاتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالٰی کی شان غفلت اور بھول سے بالکل پاک صاف اور بہت بلند ہے۔ لہذا جب ان کے اوپر فاقہ یا تنگی نازل ہوتی ہے۔ تو وہ اس کے دور ہونے کے لئے دعا نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اس کو حج اور عید کی خوشی کی طرح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ان کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کے قلوب پر توحید اور آفرید کی ہوا چلتی ہے۔ اور وہ عطیات ربانی اور علوم لدنی ہیں۔ پھر وہ اپنی عبدیت کے اوصاف سے موصوف ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی نے ان کو اپنے اوصاف سے آراستہ فرماتا ہے۔ تو وہ ظاہر میں بندے اور باطن میں آزاد۔ ظاہر میں محتاج، کمزور اور ذلیل اور باطن میں تونگر، طاقتور اور عزت والے ہو جاتے ہیں اور یہی کرامت عظمٰی (بڑی کرامت) ہے۔ نہ کہ محسوس ظاہری کرامت۔

حضرت مصنفؒ نے کرامت ہی کا بیان بیسویں باب کی ابتدا میں بیان فرمایا ہے۔

تیسواں باب

کرامات و کلام و بیان و سوال کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رُبَّمَا رُزِقَ الْكَرَامَةَ مَنْ لَمْ تَكْمُلْ لَهُ الْاِسْتِقَامَةُ

"اکثر اوقات اس شخص سے بھی کرامت صادر ہو جاتی ہے۔ جس کو مکمل استقامت حاصل نہیں ہوتی ہے۔"

میں کہتا ہوں۔ محسوس ظاہری کرامت یہ ہے۔ پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، زمین کا فاصلہ ختم ہو جانا، پانی کا چشمہ جاری ہونا، کھانا حاضر کر دینا، پوشیدہ باتوں سے واقف ہو جانا اور ان کے علاوہ دوسرے خرق عادت (عادتوں کے خلاف واقعات) کا صادر ہونا۔

حقیقی باطنی کرامت یہ ہے۔ بندے کی اپنے رب کے ساتھ ظاہری و باطنی استقامت، اس کے قلب سے حجاب کا دور ہو جانا، اس طرح کہ اس کو اپنے مولائے حقیقی کی معرفت حاصل ہو جائے، اپنے نفس اور اس کی خواہش پر غالب ہونا، اس کے یقین اور اطمینان کا مضبوط ہونا ہے۔ اور محققین عارفین کے نزدیک یہی کرامت معتبر ہے۔

اور عارفین محسوس ظاہری کرامات کو نہیں چاہتے ہیں۔ نہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ظاہری کرامت اس شخص سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جس کی استقامت مکمل نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ایسے شخص سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جس کو کوئی استقامت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ جیسے جادوگر، کاہن اور راہب سے بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ کرامت نہیں ہے۔ بلکہ یہ درحقیقت استدراج ہے۔

حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ صرف یہی دو کرامتیں جامع اور محیط ہیں۔

اول:۔ ایمان کی کرامت یقین کی ترقی اور عیان شہود کے ساتھ۔

دوم:۔ عمل کی کرامت، اطاعت اور اتباع کے ساتھ، ودعووں اور فریب کاری سے کنارہ کشی کے ساتھ۔

تو اگر کسی شخص کو یہ دونوں کرامتیں عطا کر دی جائیں۔ لیکن وہ ان دونوں کے علاوہ دوسری اشیاء کا مشتاق ہو۔ تو وہ دھوکا باز اور جھوٹا ہے۔ یا علم و عمل میں سیدھے راستے سے بھٹکنے والا ہے۔ ایسے شخص کی مثال۔ اس شخص کی طرح ہے۔ جس کو بادشاہ کی رضا مندی اور مشاہدے کا شرف حاصل ہو جائے لیکن وہ بادشاہ کی رضا مندی کی پرواہ نہ کر کے جانوروں کا انتظام اور دیکھ بھال کا مشتاق ہو جائے۔

حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جس کرامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی نہ ہو۔ ایسی کرامت والا شخص مستدرج دھوکا میں مبتلا ہے۔ یا ناقص ہے۔ یا ہلاک ہونے والا ہے۔ یا ہلاک ہو چکا ہے

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اس شخص کے اندر کوئی کمال نہیں ہے۔ جس کے لئے زمین کا فاصلہ ختم کر دیا جائے۔ کہ ابھی وہ مکہ معظمہ میں ہے۔ اور ابھی وہ دوسرے شہر میں ہے۔ بلکہ در حقیقت کمال اس کے اندر ہے۔ جس کے نفس کی صفات ختم ہو جائیں اور وہ اچانک اپنے رب کے قریب پہنچ جائے۔

میں کہتا ہوں:۔ حقیقی کرامت:۔ دین پر مضبوطی سے قائم ہونا اور کامل یقین کا حاصل ہونا ہے۔ اور محسوس ظاہری کرامت کے ساتھ اگر ظاہری و باطنی استقامت بھی حاصل ہو۔ تو ایسے صاحب کرامت بزرگ کی تعظیم واجب ہے۔ کیونکہ استقامت کے ساتھ (۱) کرامت اس کے اندر موجود کمال کی شہادت ہے اور اگر ظاہری کرامت کے ساتھ استقامت (۲) نہ ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

اور اکثر ایسا ہوتا ہے:- اہل باطن کی کرامت باطنی ہوتی ہے۔ مثلاً حجاب کا دور ہونا، ایمان کی زیادتی اور شہود وعیاں کی معرفت۔

اور اسی طرح اہل باطن کے ستانے اور تکلیف پہنچانے والوں کی سزا بھی باطنی ہوتی ہے۔ جس کو وہ ستانے والے سمجھتے بھی نہیں ہیں۔ جیسے کہ دل کا سخت ہو جانا، اس طرح کہ حق باتیں سمجھنے کی صلاحیت باقی نہ رہے اور گناہوں میں پوری طرح منہمک ہونا، اللہ تعالیٰ سے غافل اور اس کی بارگاہ سے دور ہونا۔ لیکن وہ اس کو سزا نہیں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ظاہری محسوس سزا سے بہت بڑی سزا ہے۔

حاصل یہ ہے:- ظاہری استقامت والوں کی کرامت، محسوس ظاہری ہوتی ہے اور باطنی استقامت والوں کی کرامت، حقیقی باطنی ہوتی ہے۔

ظاہری استقامت والے کے ستانے والوں کو ظاہری سزا ملتی ہے۔ اور باطنی استقامت والے کے ستانے والوں کو باطنی سزا ملتی ہے۔ اور کبھی ان ستانے والوں کو کچھ بھی سزا نہیں دی جاتی ہے۔ کیونکہ اہل باطن سراپا رحمت ہوتے ہیں۔ جو شخص بھی ان سے قریب ہوتا ہے۔ ان کی رحمت اس کے شامل ہوتی ہے۔ خواہ وہ تسلیم کرتے ہوئے قریب ہو، یا انکار کرتے ہوئے قریب ہو۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی قدم بقدم پیروی کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے انتہائی تکلیف پہنچانے والے کافروں کے حق میں فرمایا:-

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے۔ کیونکہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

اور جس ولی کی ذات بابرکات سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فیض پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ حضرت رسول کریم ﷺ کی پیروی کی بنا پر، اپنے ستانے والوں کے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو اختیار دیا۔ کہ پہاڑوں کے فرشتے کو جس طرح چاہیں حکم دیں۔ اور پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر ہو کر عرض کیا:- اگر آپ حکم دیں۔ تو میں دونوں پہاڑوں کو اس شہر پر الٹ کر سب کو ہلاک کر دوں۔ لیکن حضرت رسول کریم ﷺ نے برداشت فرمایا

اور حتانے والوں کو معاف کر دیا۔ اور فرمایا:-

لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّخْرِجَ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّقُوْلُ - لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

"ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے پشتوں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے۔

جو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اور سب سے بڑی کرامت:۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ پیدا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی قضا (فیصلہ) پر راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنے اختیار اور تدبیر کو ترک کر دینا ہے اور جس حال میں اللہ تعالیٰ قائم کر دے، اسی میں قائم رہنا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:-

مِنْ عَلَامَاتِ اِقَامَةِ الْحَقِّ لَكَ فِي الشَّيْءِ اِدَامَتُهُ اِيَّاكَ فِيْهِ مَعَ حُصُوْلِ النَّتَائِجِ

"تم کو کسی شے میں اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے کی علامات میں سے اس شے کے فوائد حاصل ہونے کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کا تم کو ہمیشہ اسی میں رکھنا ہے۔" (یعنی تم کو کسی شے میں اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ اس کی ایک علامت یہ ہے۔ کہ اس شے میں قائم ہونے کے فائدے تم کو حاصل ہو رہے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کسی دوسری شے میں منتقل ہونے کی صورت بھی سامنے نہیں آتی ہے۔)

میں کہتا ہوں:- جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کسی ایسی حالت میں قائم کرے۔ جس کو شریعت بھی منع نہیں کرتی ہے۔ اور عقل سلیم بھی اس کو برا نہیں سمجھتی ہے۔ تو اپنی طبیعت سے اس حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا، بندے کے لئے مناسب نہیں ہے۔ جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ، جس نے اس کو اس حال میں قائم کیا ہے۔ اس کے اس حال سے نکلنے کا انتظام نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

"آپ کہہ دیجئے اے میرے رب تو مجھے سچائی کے ساتھ داخل کر اور سچائی کے ساتھ نکال"

"مدخل صدق":- یہ ہے کہ تم کسی شے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی سے داخل ہو، نہ کہ اپنے اختیار سے

اور خروج صدق: یہ ہے کہ تم اس شے سے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے نکلو، نہ کہ اپنے اختیار سے۔

لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو اسباب میں قائم کیا ہے تو تم اس میں سے اپنے اختیار سے نہ نکلو۔ کیونکہ اس طرح تم تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ لہٰذا تم اسباب ہی میں ٹھہرے رہو اور اس وقت تک انتظار کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شیخ کی زبان سے واضح اشارہ کے ذریعہ تمہارے رب کی طرف سے تجرید کی اجازت کے ذریعہ تم کو اسباب سے نکال کر دوسری شے میں منتقل کر دے اور اس کا بیان کتاب کی ابتدا میں گزر چکا ہے۔

اور تم کو اس شے میں جس میں تم ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے کی علامت: اللہ تعالیٰ کا تم کو اس شے میں فوائد کے حاصل ہونے اور دین کی سلامتی کے ساتھ ہمیشہ رکھنا ہے۔

اور فوائد سے مراد: یہ ہے کہ بندے پر جو واجب اور مستحب حقوق عائد ہوتے ہیں۔ ان کو ادا کرتے رہیں۔ مثلاً زکوٰۃ ادا کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، مظلوموں اور عاجزوں کی فریاد رسی کرنی اور ان کے علاوہ دوسری نیکیاں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ بندے کو علم ظاہری کی نشر و اشاعت میں قائم کرے۔ تو اس میں اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے کی علامت: یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے تعلیم دیتا ہے اور اس کے بندوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسی کی خواہش کرتا ہے اور تواضع اختیار کرتا ہے اور طلباء کی گستاخیوں اور بے ادبیوں پر صبر کرتا ہے۔

اسی طرح ہر ظاہری صنعت و حرفت میں۔ جبکہ وہ اس میں شریعت کے طریقے پر قائم ہو۔ تو اپنے اختیار سے نہ منتقل ہو۔

اور اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو تجرید میں قائم کرے۔ تو تم دروازے پر کھڑے رہو اور آداب سے آراستہ ہو۔ یہاں تک کہ تمہارے لئے دروازہ کھول دیا جائے۔

اور تم کو تجرید میں اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے کی علامت: اس کے فوائد کا حاصل ہونا ہے۔

اور تجرید کے فوائد: احوال و مقامات میں ترقی کرنا ہے۔ یہاں تک کہ تم آخری مقام پر پہنچ جاؤ۔

اور مقامات [illegible]

اور اخلاص و صدق اور اطمینان قلب و مراقبہ اور مشاہدہ و معرفت ہیں۔

اور ہر مقام کے لئے :۔ علم اور عمل اور حال ہے۔ پہلا درجہ۔ علم۔ دوسرا درجہ:۔ عمل اور تیسرا درجہ :۔ حال ہے۔ پھر اس کے بعد مقام ہے۔

پھر جب معرفت کے مقام پر پہنچ جاتا اور اس میں ثابت و قائم ہو جاتا ہے۔ تو سب مقامات ختم ہو جاتے ہیں۔

ایک عارف نے فرمایا:۔ توحید کے سمندر میں احوال ڈوب جاتے ہیں اور مقامات نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى

"اور بیشک تمہارے رب کے پاس آخری مقام ہے۔"

اس وقت بندہ، احسان کے سمندر میں غوطہ لگاتا اور ڈوب جاتا ہے۔ پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کے مقام پر فائز ہو کر بیان کرتا ہے۔ تو اگر اس سے کچھ غلطی یا لغزش بھی ہو جائے تو وہ خاموش نہیں ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

مَنْ عَبَّرَ مِنْ بِسَاطِ اِحْسَانِهٖ اَصْمَتَتْهُ الْاِسَاءَةُ وَ مَنْ عَبَّرَ مِنْ بِسَاطِ اِحْسَانِ اللّٰهِ اِلَيْهِ لَمْ يَصْمُتْ اِذَا اَسَاءَ

"جو شخص اپنے احسان کے مقام سے بیان کرتا ہے۔ غلطی اور خطا اس کو خاموش کر دیتی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احسان کے مقام میں قائم ہو کر بیان کرتا ہے وہ غلطی اور لغزش ہونے پر بھی خاموش نہیں ہوتا ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ بیان کرنے والے:۔ وہ وعظ و نصیحت کرنے والے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور ان علوم و عطیات اور فتوحات و کرامات کو بیان کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔

ان بیان کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں:۔ ایک قسم:۔ علمائے کرام ہیں اور دوسری قسم:۔

عارفین باللہ ہیں۔

یا تم اس طرح کہو:- ایک قسم:- اہل حجاب ہیں اور دوسری قسم:- اہل فتح ہیں۔ پہلی قسم اہل حجاب تھا:- وہ لوگ اپنے نفوس کے احسان کے مقام سے بیان کرتے ہیں۔ لہذا وہ اس طرح کہتے ہیں:- ہم نے ایسا کیا اور ہم نے ایسا دیکھا اور ہمارے واسطے اس چیز کا دروازہ کھول دیا گیا اور اے لوگو! تم اس کو کرو اور اس کو چھوڑ دو۔ تو جب وہ لوگ کسی لغزش یا خطا میں مبتلا ہو جاتے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہو کر اور اس خوف سے کہ وہ لوگوں کو ایسے فعل کے کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ جو وہ خود نہیں کرتے ہیں، خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے نفوس کے ساتھ باقی اور اپنے رب سے محجوب ہیں۔ لہذا جب وہ طاعت کرتے ہیں، تو اس سے خوش ہوتے اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور جب ان سے کوئی لغزش یا خطا سرزد ہوتی ہے۔ تو وہ رنج و غم کرتے اور شرمندہ ہوتے ہیں۔ تو چونکہ وہ اپنے نفوس کے احسان کے مقام سے بیان کرتے ہیں، اس لئے خطا اور لغزش ان کو خاموش کر دیتی ہے۔

اور دوسری قسم، اہل فتح عارفین:- وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احسان کے مقام میں قائم ہو کر بیان کرتے ہیں۔ وہ مخلوق کے دیکھنے سے غائب، اپنے نفوس سے فانی اور اپنے رب کے ساتھ باقی ہیں۔ لہذا وہ لوگ جب ان معارف و اسرار اور علوم و انوار اور کرامات و فتوحات اور عطیات کو بیان کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ اور نصیحت کرتے ہیں۔ تو وہ نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے منع کرتے ہیں۔ اور ان کا بیان ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اور ان کی نصیحت لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ پھر اگر ان سے کوئی لغزش اور خطا سرزد ہوتی ہے تو ان کی لغزش اور خطا ان کو خاموش نہیں کرتی ہے۔ اس لئے کہ ان کی لغزش اور خطا ان کے نفس کی طرف سے ہوتی ہے لیکن ان کا بیان اللہ تعالیٰ کے احسان کے مقام سے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو کوئی شے مکدر نہیں کر سکتی ہے اور ہم نے جو یہ کہا ہے۔ " ان کی خطا ان کے نفس کی طرف سے ہوتی ہے " یہ صرف ادب کے لحاظ سے کہا ہے۔ ورنہ چونکہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے تصرف کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں، اس لئے ان کی خطا ان کو خاموش نہیں کرتی ہے۔ کیونکہ وہ احسان کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور وہ کائنات

میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں۔

نیز جو شخص اپنے نفس کے مقامات سے بیان کرتا ہے۔ اس کے عیوب اس کو پکار کر کہتے ہیں: خاموش رہو!

کیونکہ وہ اپنے برے عمل اور برے اخلاق یاد کرتا ہے، لہٰذا وہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو جاتا ہے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احسان کے مقامات سے بیان کرتا ہے۔ اس کے عیوب اس سے غائب ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مولائے حقیقی کی خوبیوں میں گم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ لہٰذا جب وہ کچھ بیان کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نور اس کے بیان سے قلوب کی طرف بڑھتا ہے۔ اس لئے اس کا بیان لوگوں کے اندر سرایت کر جاتا ہے اور نصیحت ان کے قلوب میں بیٹھ جاتی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے قول میں بیان فرمایا ہے:

تَسْبِقُ أَنْوَارُ الْحُكَمَاءِ أَقْوَالَهُمْ ، فَحَيْثُ مَا صَارَ التَّنْوِيرُ وَصَلَ التَّعْبِيرُ

"حکیموں کے انوار ان کے اقوال سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تو جس قدر نور پہنچتا ہے، اسی قدر بیان اثر کرتا ہے۔"

میں کہتا ہوں: حکماء عارفین باللہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاموش رہتے ہیں۔ وہ اپنے نفسوں سے غائب ہوتے ہیں۔ وہ صرف اسی کا مشاہدہ کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ لہٰذا جب وہ اپنے علوم و معارف کو بیان کرنا چاہتے ہیں، جو ان کو ان کے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ تو ان کے نور کا اثر سننے والوں کے قلوب کی طرف پہلے ہی بڑھ جاتا ہے اور ان کے صدق و اخلاص کے مطابق ان کے اندر سرایت کرتا ہے۔ (اثر انداز ہوتا ہے)

پھر ان سننے والوں میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کے قلب کی گہرائی میں وہ نور داخل ہو جاتا ہے۔ اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کے قلب کے ظاہر پر وہ نور ٹھہر جاتا ہے۔ اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کے قلب کے کنارے پر وہ نور چمکتا ہے۔ لہٰذا جب عارف مقامات و احوال کو بیان کرتا ہے۔ تو اس کا بیان نور کی تاثیر کے مطابق اثر انداز ہوتا ہے۔ لہٰذا جس

شخص کے قلب کی گہرائی میں نور داخل ہو جاتا ہے، وہ فوراً اپنے رب کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ اور جس شخص کے قلب کے ظاہر پر وہ نور ٹھہرتا ہے، وہ خشوع و خضوع اختیار کرتا ہے اور تجلی و تقویٰ کا پختہ ارادہ کرتا ہے اور جس شخص کے قلب کے کنارے پر وہ نور چمکتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا اور تصدیق کرتا ہے۔ لہذا جس حد تک نور پہنچتا ہے، اسی حد تک بیان کا اثر ہوتا ہے۔

اور عقلاء کی تفسیر میں ہم نے کہا ہے :- کہ وہ عارفین ہیں۔ اس کے لئے ہماری سند حضرت نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث شریف ہے :-

راس الحکمة مخافة اللہ

"حکمت کی جڑ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔"

اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا وہی ہے، جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرنے والا۔ انہیں لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

"اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے (عارفین) ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔"

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے حکمت کے متعلق دریافت کیا گیا :- حضرت امام مالک نے جواب دیا :-

جب کوئی بندہ زہد و تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر حکمت کی باتیں جاری کر دیتا ہے۔

پھر حضرت امام نے فرمایا :- جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کی آنکھ کھول دے، تو اس کو پوشیدہ عمل، علانیہ عمل سے زیادہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ پوشیدہ عمل، اخلاص کا سرچشمہ ہے اور اخلاص حکمت کا سرچشمہ ہے۔

پھر جب دوبارہ ان سے حکمت کے بارے میں پوچھا گیا :- تو انہوں نے فرمایا :- حکمت ایک نور ہے، جو اللہ تعالیٰ مومن بندے کے قلب میں عالم ملکوت سے ڈالتا ہے۔ لہذا اہل نور ہی عقل

اور عارف باللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اس شاعر کو جس نے ان کی شان میں یہ اشعار فرمائے ہیں:۔

هَيْنُوْنَ لَيْنُوْنَ اَيْسَارٌ بَنُوْ يَسَرٍ ... سُوَّاسُ مَكْرُمَةٍ اَبْنَاءُ اَيْسَارِ

"وہ نرم طبیعت، نرم مزاج، خوش حال، بزرگی پر قائم رہنے والے، خوشحال لوگوں کی اولاد ہیں۔"

لَا يَنْطِقُوْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ اِنْ نَطَقُوْا ... وَلَا يُمَارُوْنَ اِنْ مَارُوْا بِاِكْثَارِ

"اگر وہ بات کرتے ہیں، تو حق بات کرتے ہیں۔ اور اگر جنگ کرتے ہیں، تو ظلم و زیادتی نہیں کرتے ہیں۔"

مَنْ تَلْقَ مِنْهُمْ تَقُلْ لَاقَيْتُ سَيِّدَهُمْ ... مِثْلُ النُّجُوْمِ الَّتِيْ يَسْرِيْ بِهَا السَّارِيْ

"ان میں سے جس شخص سے تم ملو گے، تو یہی کہو گے کہ میں ان کے سردار سے ملا ہوں۔ وہ ان ستاروں کے مانند ہیں۔ جن سے اندھیری رات میں چلنے والا رہنمائی حاصل کرتا ہے۔"

اور حکماء یعنی عارفین کے بارے میں جو ہم نے کہا:۔ وہ صرف اسی کا مشاہدہ کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ اپنے نفوس سے غائب ہوتے ہیں۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی تصرف کو اس کے انوار کے مظہروں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ آدمی تین قسم کے ہیں۔

پہلی قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔ جو اس کو دیکھتے ہیں، جو ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا ہے۔ (یعنی اپنے اعمال)

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جو اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی طرف پہنچتے ہیں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات)

تیسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جو اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

پہلی قسم کے لوگ:۔ غم اور فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ:۔ خوشی اور شکر

گزاری میں مشغول رہتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ:- ان کو نہ دوزخ کا خوف اللہ تعالیٰ سے غافل کرتا ہے، نہ جنت کی خوشخبری۔

پہلی قسم کے لوگ:- محنت اور تکلیف میں مصروف رہتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ:- مہربانی اور تعریف میں مشغول رہتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ:- اللہ تعالیٰ کے مشاہدے میں محو ہوتے ہیں۔

پھر حضرت شیخ نے فرمایا- بیان کیا گیا ہے:- اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کے ساتھ تھوڑا عمل اپنے نفس کی کوتاہی دیکھنے کے ساتھ زیادہ عمل سے بہتر ہے۔

پھر مصنف نے اس بیان کی علامت جس کے پہلے بیان کرنے والے کا نور آگے بڑھ جاتا ہے، اور اس بیان کی علامت جس کے پہلے بیان کرنے والے کی کثافت اور ظلمت آگے بڑھ جاتی ہے، بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

كُلُّ كَلَامٍ يَبْرُزُ وَعَلَيْهِ كِسْوَةُ الْقَلْبِ الَّذِي مِنْهُ بَرَزَ

''جو بات نکلتی ہے۔ اس کے اوپر اس قلب کا غلاف ہوتا ہے جس سے وہ نکلی ہے۔''

میں کہتا ہوں: جس کلام سے پہلے کلام کرنے والے کا نور آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس کی علامت:- قلوب میں اس کا اثر کرنا اور روحوں کا واجد ہونا اور اسرار الٰہی کا شوق پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا جب غافل اس کو سنتا ہے تو ہوشیار ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کو اطاعت کرنے والا سنتا ہے تو اس کی خوشی بڑھتی اور اس کا شوق زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب اس کو نافرمان گنہگار سنتا ہے تو وہ گناہ اور نافرمانی سے رک جاتا ہے۔ اور جب اس کو مریض سنتا ہے تو اس کے مرض کی تکان اور تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ اور جب اس کو جاہل سنتا ہے تو اپنے حال میں مشغولی سے قائم ہو جاتا ہے۔ چونکہ کلام، کلام کرنے والے کی صفت ہے۔ اس لئے جب کلام کرنے والا نورانی اور روشن ضمیر ہوتا ہے تو اس کا کلام سننے والوں کے قلوب میں اثر کرتا ہے۔ اور اگر کلام کرنے والا سیاہ قلب اور کثافت والا ہوتا ہے تو اس کے کلام کی حد صرف سننے والوں کے کان ہے۔ یعنی اس کی بات صرف کانوں تک رہ جاتی ہے (انہیں

[illegible]

اس لئے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:- جو شخص بات کرتا ہے، ہم اس کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ اور جو شخص بات نہیں کرتا ہے، ہم اس کو اس کے دن سے پہچانتے ہیں۔ (یعنی کن چیزوں میں وہ دن گزارتا ہے)

بزرگوں نے بیان کیا ہے:- آدمی، بند دوکانوں کی طرح ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ بیطار (جانوروں کا ڈاکٹر) ہے۔
یا عطار (عطر فروش)

اور یہ بھی بزرگوں نے فرمایا ہے:- بات جب دل سے نکلتی ہے تو دل میں اثر کرتی ہے۔ اور جب زبان سے نکلتی ہے تو وہ صرف کانوں تک رہ جاتی ہے۔ اور حال کا ابھرنا، قال (زبانی باتوں) سے زیادہ ضروری ہے اور اگر کسی شخص میں حال اور قال دونوں جمع ہو جائیں تو وہ موجیں مارتا ہوا گہرا سمندر اور پوری طرح روشن ستارہ ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:- جس شخص کا قلب روحانی ہوتا ہے۔ اس کی باتیں حقیقت میں ذوقی ہوتی ہیں۔ وہ اپنے قلب سے نکلتی ہیں جس کا میدان بہت وسیع ہے۔ اور جس شخص کا قلب نفسانی ہوتا ہے۔ اس کی باتیں ظاہری ہوتی ہیں۔ اور جس شخص کے قلب کے کان کو دنیا کے حجابات نے بند کر دیا ہے۔ وہ نہ کچھ کہتا ہے، نہ سن سکتا ہے۔

اور آدمیوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو زبانی علم کے عالم ہوتے ہیں۔ اور ان کا قلب معرفت سے خالی ہوتا ہے۔ اور ان کی پہچان:- دنیا کی باتوں کو آخرت کی باتوں پر یا ظاہر کی باتوں کو باطن کی باتوں پر ترجیح دینا ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے پرہیز کرو اور دور بھاگو۔ کیونکہ ان کے قلوب مردہ ہیں۔ لہذا ان کی باتیں مردار کے متعلق ہوتی ہے۔ اور مردار انتہائی بدبودار ہوتا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

الدُّنْيَا جِيفَةٌ وَ طُلَّابُهَا كِلَابٌ

" دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ لہذا جو شخص دنیا کے متعلق باتیں کرتا ہے، اس کی مثال کتے کی طرح ہے اور کتے میں کچھ بھلائی نہیں ہے، اگرچہ وہ عالم ہو۔ حضرت امام قشیری نے

فرمایا ہے۔۔

اور کلام پر تاثیر کا نور باقی ہوتا ہے۔ وہ کلام کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے اجازت دینے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کرنے کی اجازت حاصل ہو تو ایسے کلام پر تاثیر کا باقی رہنا یقینی ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے

مَنْ أُذِنَ لَهُ فِي التَّعْبِيرِ ، حَسُنَتْ فِي مَسَامِعِ الْخَلْقِ عِبَارَتُهُ ، وَ جُلِّيَتْ إِلَيْهِمْ إِشَارَتُهُ

'' جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کا بیان مخلوق کے کانوں میں بھلی معلوم ہوتی ہے اور اس کا اشارہ ان کو واضح ہو کر پہنچتا ہے۔''

میں کہتا ہوں: بیان کرنے کی اجازت ایسے کامل اور عارف شیخ کے واسطے سے ہوتی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے تربیت کرنے کا اہل بنایا ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے مقرر کیا ہے۔ لہٰذا جب وہ شیخ مرید میں بیان کرنے کی اہلیت دیکھتا ہے تو اس کو بیان کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا جب وہ مرید بیان کرتا ہے۔ تو وہ قلوب کی گہرائی میں اتر جاتا ہے۔ اور جو بھی علوم کے جواہر اس کی زبان سے جاری ہوتے ہیں۔ وہ مخلوق کے کانوں میں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس کا اشارہ ان کے ادراک پر واضح ہوتا ہے۔ اور ان کی سمجھ میں آتا ہے۔ اور محققین کے نزدیک کلام کی آواز اور اعراب کا اور پیش اور زبر اور زیر کے صحیح اور ٹھیک ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور درحقیقت اعتبار حقیقت کا ہے۔ نہ کہ نحو اور صرف کا۔

حکایت۔ ایک نحوی حضرت حسن بن سمعون کی مجلس میں ان کا کلام سننے کے لئے آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ کلام میں غلطی کر رہے ہیں۔ وہ ان کی مذمت کرتے ہوئے لوٹ گیا۔ یہ بات حسن بن سمعون کو معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے اس نحوی کے پاس ایک رقعہ لکھا۔

تم غرور اور خود پسندی کی زیادتی کی وجہ سے ہمہ وقت اپنی [illegible] کے دروازے [illegible] پریشان ہو گئے ہو۔ اس وجہ سے تم نے اپنے افعال کے غلط ہونے کے باوجود اپنے کلام کے درست ہونے پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اور تم پیش اور زبر اور زیر اور جزم کی درستی سے مغرور ہو کر مقصود اصلی سے دور ہو گئے ہو۔ تم نے اپنی تمام عمر حرفوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں نہیں درست کیا اور تمام [illegible]

کیوں نہیں دور کیا اور خواہشات کو کیوں نہیں ترک کیا ، اور اپنی آنکھوں کے سامنے موت کو کیوں نہیں رکھا؟ اللہ تعالیٰ کی قسم ، اے میرے بھائی! قیامت کے دن کسی بندے سے یہ نہیں پوچھا جائے گا ، کہ تم نے اعراب کو کیوں درست نہیں کیا؟ بلکہ اس سے یہ پوچھا جائے گا ، کہ تم نے گناہ کیوں کیا؟ کلام کی خوبی مقصود نہیں ہے ۔ بلکہ افعال کی خوبی مقصود ہے ۔ اگر زبان کی فصاحت میں فضیلت ہوتی ، تو حضرت سیدنا ہارون علیہ السلام ، سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ رسالت کے لئے موزوں اور مستحق ہوتے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول بیان فرمایا ہے :۔

وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا

"اور میرے بھائی ہارون زبان اور بیان کی فصاحت میں مجھ سے زیادہ ہیں ۔"

اور ان اشعار میں سے جو علامہ خلیل یا سیبویہ رحمہما اللہ سے منسوب ہیں ، چند اشعار درج ذیل ہیں :۔

لِسَانٌ فَصِیْحٌ مُعْرِبٌ فِیْ کَلَامِهٖ   فَیَا لَیْتَهٗ مِنْ وَقْفَةِ الْعَرْضِ یَسْلَمُ

"فصیح زبان ، جو اپنے کلام میں صحیح اعراب لگاتی ہے ۔ اے کاش کہ وہ قواعد کے چکر سے محفوظ رہتی ۔"

وَ لَا خَیْرَ فِیْ عَبْدٍ اِذَا لَمْ یَکُنْ تَقِیٌّ   وَ مَا ضَرَّ ذَا تَقْوٰی لِسَانٌ مُعْجَمٌ

"کسی بندے کے اندر کچھ بھلائی نہیں ہے ، اگر وہ متقی نہیں ہے اور تقویٰ والے کو عجمی زبان کچھ نقصان نہ پہنچائے گی ۔"

اور دوسرے شاعر کا کلام ہے :۔

مُتَعَرِّفٌ بِالْفِعَالِ وَ ذُوْ زَلَلٍ   وَ اِنْ تَکَلَّمَ فِیْ جِدَالِهٖ وَزْنَهٗ

"وہ اپنے افعال میں راہ راست سے بھٹکا ہوا اور خطا کار ہے ۔ اگرچہ وہ اپنے مباحثہ میں فصیح کلام کرتا ہے ۔"

فَقَالَ :۔ وَ قَدْ عَجِبْتُ لَفْظَةً   تِیْهًا وَ عُجْبًا اَخْطَأَ مَا لَحَنَهٗ

اس نے غرور اور خود پسندی سے کہا :۔ میں نے اس کے لفظ کو لکھا ہے ، اس نے کلام میں غلطی کی ۔

وَاِنَّمَا اَخْطَاَ مَنْ قَامَ غَدًا   وَلَا یَرٰی فِیْ کِتَابِهٖ حَسَنَةً

اور در حقیقت غلطی اس نے کی ہے، جو کل قیامت کے دن اٹھے گا اور اپنے اعمال نامہ میں نیکی نہ دیکھے گا

اور ہمارے شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ جب کسی ایسے شخص کو نصیحت فرماتے تھے، جو عربی کا ماہر ہوتا تھا۔ تو اس سے فرماتے تھے۔ آپ اپنی عربیت کو چھوڑ دیجئے۔ اور میں اپنی پیدائشی زبان کو چھوڑ دوں۔ پھر ہم دونوں طریقت کی طرف متوجہ ہوں۔

حاصل یہ ہے:۔ جس شخص میں حال اور قال دونوں کی خوبیاں جمع ہوں، وہ سراپا کمال ہے۔ اور یہ اسی وجہ سے ہے:۔ کہ اس کے کلام سے اس کی موت کے بعد لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت امام غزالی اور حضرت ششتری اور حضرت ابوالحسن شاذلی اور حضرت ابوالعباس مرسی اور حضرت شیخ مصنف کتاب ہذا رضی اللہ عنہم

اور اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ ان حضرات کے کلام سے بہت زیادہ فیض پہنچا اور پہنچ رہا ہے اور ان شاء اللہ پہنچتا رہیگا۔ اور ان حضرات میں حضرت مصنف رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بلند درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ کلام میں ان کا قلم سب سے آگے بڑھا ہوا ہے۔ اور ان کی کتابوں نے صوفیائے کرام کی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور ان کے شیخ نے ان کے لئے اس بات کی شہادت پہلے ہی دی تھی۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم، یہ نوجوان نہیں مرے گا۔ یہاں تک کہ یہ داعی ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے۔ نیز ان کے شیخ نے ان سے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ کی قسم تمہاری بڑی شان ہوگی، اللہ تعالیٰ کی قسم، ضرور تمہاری بڑی شان ہوگی۔ اور مصنف نے جب کتاب التنویر لکھی۔ تو ان کے شیخ نے ان کے بارے میں فرمایا:- اللہ تعالیٰ کی قسم، میں تم کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ایک ایسا ہدایت کا پیشوا بنا دوں گا۔ کہ ظاہر و باطن میں تمہاری پیروی کی جائے گی۔ اور ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم، میں ان کے لئے ان کے دادا بزرگوار کی خدمت میں بیٹھنا صرف اس لئے پسند کرتا ہوں، تاکہ وہ ان سے تصوف زیادہ حاصل کر لیں۔ ان کے دادا بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ ان کا نام عبدالکریم تھا۔ انھوں نے بہت سی

کتابوں کی شرح لکھی تھی۔

اور مصنف رضی اللہ عنہ کا کلام بھی ان کے مرتبے کے مطابق ہے۔ اور تصوف انھیں کے ہاتھوں سے واضح اور درست ہوا۔ انھوں نے منزلوں کو قریب کر دیا اور مسلکوں کو بہترین طریقے پر اور مختصر لفظ و اشارہ میں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو مسلمانوں کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے۔

پھر حضرت مصنف نے اس کلام کو بیان فرمایا: جس کے بیان کرنے کی اجازت کلام کرنے والے کو نہ دی گئی ہو۔ چنانچہ فرمایا۔

رُبَّمَا بَرَزَتِ الْحَقَائِقُ مَكْسُوفَةَ الْأَنْوَارِ إِذَا لَمْ يُؤْذَنْ لَكَ فِيهَا بِالْإِظْهَارِ

"اکثر اوقات حقیقتیں نور سے خالی ہونے کی حالت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ کیونکہ تم کو انھیں ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔"

میں کہتا ہوں: کبھی انسان حکمتوں اور حقیقتوں کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ بے ساختہ بیان کرتا ہے۔ لیکن وہ نور اور اسرار سے خالی ہوتی ہیں۔ تو ان میں کچھ تاثیر نہیں ہوتی ہے۔ نہ ان میں کوئی خوبی اور قبولیت ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کو ان کے بیان کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کو ان کے بیان کرنے کی اجازت دی جاتی تو نور کا لباس ان کے اوپر ضرور ہوتا اور سننے والوں کے قلوب پر ان کا اثر یقیناً ہوتا۔

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے لطائف المنن میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کو جو نعمتیں اور بخششیں عطا فرماتا ہے۔ ان میں بہت بڑی بخشش حسن بیانی اور عبارت کی فصاحت ہے۔

نیز مصنف نے فرمایا ہے۔ میں نے اپنے شیخ حضرت ابو العباس سے سنا۔ وہ فرماتے تھے۔ ولی معارف اور علوم سے بھرپور ہوتا ہے۔ اور اس کے نزدیک حقیقتیں مشہور ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کو بیان عطا کیا جاتا ہے تو یہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرنے کی اجازت کی شکل ہے۔

نیز مصنف نے فرمایا۔ میں نے حضرت ابوالعباس کو فرماتے ہوئے سنا:۔ اجازت پانے ہوئے کا کلام جب نکلتا ہے۔ تو اس کے اوپر نور اور قبولیت کا غلاف ہوتا ہے۔ اور سننے والوں کے قلوب میں اس کا اثر ہوتا ہے۔ اور جس کو اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اس کا کلام نور سے خالی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کے قلوب میں اس کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دو شخص ایک ہی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ لیکن ایک شخص کا بیان مقبول ہوتا ہے اور دوسرے شخص کا بیان مقبول نہیں ہوتا ہے اور رد کر دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں۔ بیان کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق خطاب کریں اور ابتدائی درجہ والوں کے سامنے انتہائی درجہ والوں کی طرح بیان نہ کریں۔

حدیث شریف میں وارد ہے:۔

خَاطِبُوا النَّاسَ بِقَدْرِ مَا يَفْهَمُوْنَ

"لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق خطاب کرو۔"

ہاں اگر وقت تنگ ہو اور ہر ایک کے لئے علیحدہ بیان کرنا ممکن نہ ہو تو ابتدائی اور درمیانی وانتہائی درجہ والے سب کے لئے ایک ساتھ بیان کریں۔ ہر شخص اپنا حصہ لیگا۔ وہ اپنے چشمے سے پانی پئے گا۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

"ہر شخص نے اپنے پانی پینے کے گھاٹ کو پہچان لیا ہے۔"

حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا یہی طریقہ تھا:۔ وہ حاضرین کے سامنے علانیہ حقائق بیان فرماتے تھے۔ ان سے اس کے بارے میں کہا گیا۔ آپ سب کے سامنے حقائق و معارف کیوں بیان فرماتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہمارا علم اس سے محفوظ ہے کہ نااہل اس کو سمجھے۔ یا اسی قسم کی بات فرمائی جس کا مفہوم یہی ہے۔

پھر اجازت کے بعد ان کا کلام صرف حکمت ہوتا ہے۔ جس کو مصنف نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

عِبَارَتُهُمْ إِمَّا لِفَيَضَانِ وَجْدٍ أَوْ لِقَصْدِ هِدَايَةِ مُرِيْدٍ

"ان کا بیان، یا تو وجد کے فیضان کی بنا پر ہوتا ہے۔ یا مرید کی ہدایت کے ارادہ سے ہے۔"

میں کہتا ہوں۔ معارف، اور توحید کے اسرار اور پوشیدہ علوم، تو عارفین کے قلوب پر وارد ہوتے ہیں۔ سمجھ اور بوجھ والے ان کے سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ہوتے ہیں۔ اور عارفین ان اسرار پر اللہ تعالیٰ کے امین (امانت دار) ہیں۔ لہذا وہ ان اسرار کی اطلاع انہیں کو دیتے ہیں، جن کو ان کا اہل سمجھتے ہیں۔ مگر وہ عارف جس پر حال غالب ہوتا ہے۔ وہ ان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ اور وہ بے اختیاری کی حالت میں بیان کر دیتا ہے۔ اور وہ تمیہ حال کی وجہ سے اسرار الٰہی کی حفاظت میں مستقل اور مضبوطی سے قائم نہیں ہوتا ہے۔

لہذا عارفین کا بیان، یا تو وجد کے فیضان کی بنا پر ہوتا ہے، جو ان پر غالب ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ ان اسرار الٰہیہ کو ضبط کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ یا ان کا بیان کسی مرید کی ہدایت اور ارشاد کے لئے اور اس کو اس مقام تک ترقی دینے کے لئے ہوتا ہے۔ جس مقام پر پہنچنے کا وہ مستحق ہو جاتا ہے۔ ورنہ عارفین ان اسرار میں سے نہ کم ظاہر کرتے ہیں، نہ کم سے بھی زیادہ کم۔ نہ قلیل کچھ نہیں ظاہر کرتے ہیں (اور اس کے بارے میں بعض عارفین کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔

قُلُوْبُ الْاَحْرَارِ قُبُوْرُ الْاَسْرَارِ

"آزاد لوگوں کے قلوب، اسرار الٰہیہ کی قبریں ہیں۔ اور ایک شاعر نے کہا ہے۔

لَا يَكْتُمُ السِّرَّ إِلَّا كُلُّ ذِيْ ثِقَةٍ فَالسِّرُّ عِنْدَ خِيَارِ النَّاسِ مَكْتُوْمٌ

"قابل اعتماد لوگ ہی راز کو چھپاتے ہیں۔ لہذا بہترین لوگوں کے پاس ہی راز پوشیدہ رہتا ہے۔

پھر مصنف نے دونوں گروہ کے لوگوں کا حال اور مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْاَوَّلُ حَالُ السَّالِكِيْنَ

"پہلی حالت، (یعنی وجد سے مغلوب ہو جانا) سالکوں کی حالت ہے۔"

اور وہ سالکین میں سے ترقی کرنے والے لوگ ہیں۔ وہ حقیقت تک پہنچے ہیں۔ لیکن تمکین کے

مقام تک نہیں پہنچے ہیں۔ وہ لوگ احوال کے قبضے میں غلام کی طرح ہوتے ہیں۔ جب ان کے اوپر وجد غالب ہوتا ہے: تو وہ فیضیاب ہوتے ہیں۔ لیکن مجھتے نہیں ہیں۔ لہذا جب وہ اپنے نفوس کی طرف لوٹتے ہیں۔ تو شرمندہ ہوتے اور استغفار کرتے ہیں۔

پھر مصنف نے دوسرے گروہ کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَالثَّانِي حَالُ أَرْبَابِ الْمُكْنَةِ وَالْمُتَحَقِّقِيْنَ

"اور دوسری حالت، اہل تمکین اور محققین (حقیقت میں مضبوطی سے قائم ہونے والوں) کی حالت ہے۔"

وہ لوگ اسرار الہیہ کو صرف مریدین کی ہدایت اور سالکین کی تربیت اور سائرین کی ترقی کے لئے بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کے سامنے وہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ لہذا اگر کوئی سالک بغیر وجد کے غلبے کے اسرار الہیہ میں سے کچھ بیان کرتا ہے تو یہ ایک قسم کا دعویٰ ہے۔ اور اگر کوئی متمکن ہدایت کے ارادہ کے بغیر کچھ بیان کرتا ہے۔ تو یہ ربوبیت کے اسرار کا افشا (ظاہر کرنا) ہے۔

اور وہ اسرار الہیہ عارفین متمکنین کے نزدیک کیمیا سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اور کبھی آدمی سالوں سال ان کی خدمت میں رہتا ہے۔ لیکن وہ اس کے سامنے ان اسرار میں سے کچھ نہیں ظاہر کرتے ہیں۔ نہ زیادہ نہ کم۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کو بخوبی دیکھ لیتے ہیں: کہ اس نے اپنے نفس اور مال کو بالکل دے دیا۔ اور اپنی روح کو بالکل خرچ کر دیا۔ تب وہ اس کو پوشیدہ اشارے سے اسرار الہیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے:۔ مریدین کی ایک جماعت نے ہمارے شیخ کی خدمت تیس سال کی۔ پھر ان لوگوں نے شیخ سے عرض کیا:۔ حضرت! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو ہمارے رب کے ساتھ ملوا دیں۔ (یعنی معرفت الہی تک پہنچا دیں) انھوں نے فرمایا:۔ اچھا کل تم لوگ میرے پاس میرے گھر پر آؤ۔ لہذا جب وہ لوگ ان کے پاس گئے۔ تو انھوں نے ان لوگوں کے سامنے ایک چھوٹا سا پیالہ کر اس کا منہ ان لوگوں کی طرف کر

دیا۔ پھر وہ شعر میں چپ ہو گئے۔ لہذا تم غور کرو۔

یہ اشارہ کتنا لطیف اور پوشیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، کہ اس نے اس زمانے کے لوگوں پر ایسے اولیائے کرام پیدا کر کے احسان کیا۔ کہ جو شخص ظاہر و باطن کی سچائی کے ساتھ ان کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ تو وہ اس کو تھوڑے زمانے میں وہ اسرار الہٰی عطا فرما دیتے ہیں۔ جن کو متقدمین لمبے زمانے میں حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ ﷺ کی طرف سے ان اولیائے کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے سالکین اور واصلین کے حال پر بحث کی ہے۔ جس کو مصنفؒ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں بیان فرمایا ہے۔ اور حضرت مصنفؒ نے اس کو نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے افعال کو اپنے افعال میں اور ان کے اوصاف کو اپنے اوصاف میں اور ان کی ذات کو اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ فنا کر دیتا ہے۔ اور ان کو اپنے اوصاف میں سے ایسا وصف عطا فرماتا ہے۔ جس کو سننے اور سمجھنے کی طاقت عام لوگوں کو نہیں ہوتی ہے۔ لہذا وہ لوگ ذات کے سمندر اور صفات کے دریا میں غرق ہوتے ہیں۔ وہ اپنے افعال سے فانی، پھر اپنی صفات سے فانی، پھر اپنی ذات سے فانی ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے ساتھ باقی ہوتے ہیں۔ پھر ان کے پاس ان کا کچھ نہیں باقی رہتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ میں فنا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اور جس شخص کی فنا درست ہو جاتی ہے۔ اس کی بقا بھی درست ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا۔ فنا۔ ماسوی اللہ سے غائب ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ یہ سالکوں کا مقام ہے۔ اور بقا۔ ہر شے کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ لہذا اہل فنا، اللہ تعالیٰ سے قائم ہوتا ہے۔ اور اہل بقا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ سے قائم ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں ولایت کی دو قسمیں ہیں۔

لیکن ایک قسم ایسے اولیاء اللہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول، اور مومنوں کو دوست رکھتے ہیں۔

اور دوسری قسم: وہ ایسے اولیاء اللہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔"

وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ

"اللہ تعالیٰ صالحین کا دوست اور سرپرست ہوتا ہے۔"

حضرت شیخ ابوالحسن نے فرمایا ہے: ولایت کی پہچان۔ قضائے الٰہی پر راضی رہنا، بلاؤں پر صبر کرنا اور نعمتوں اور مصیبتوں کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا اور آفتوں کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ لہذا جس شخص کو اعمال و مجاہدے کے خزانے سے یہ چار صفتیں عطا کی گئیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے اس کی ولایت درست ہوگئی۔ اور جس شخص کو یہ چاروں صفتیں احسان اور دوستی کے خزانے سے عطا کی گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی ولایت اس کے لئے مکمل ہوگئی۔

پہلی ولایت — ولایت صغریٰ ہے اور دوسری ولایت — ولایت کبریٰ۔ ان سے دریافت کیا گیا: لوگ کس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنین کے ولی (دوست) ہوتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے ولی مجاہدہ کے ذریعے ہوتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

"جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ (یعنی چلنے کیلئے جدوجہد کرتے ہیں) ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ کے ولی ان کی اتباع سے ہوتے ہیں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

"آپ فرما دیجئے! اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

"جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

اور مومنین کے ولی ان کی اقتداء کرنے (ان کے طریقے پر چلنے) سے ہوتے ہیں۔

یہ ان لوگوں کی نشانیاں ہیں، جو ولایت کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہیں۔

لیکن وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ وہ، وہ لوگ ہیں، جو اس کی بارگاہ سے نئے موڑوں ہیں۔ اور اس کی مخلوق سے غائب ہیں۔ وہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو موجود دیکھتے ہیں۔ اور اس کے سوا ہر شے کو معدوم سمجھتے ہیں۔

پہلی قسم کی ولایت کا نام۔ ایمان کی ولایت ہے اور دوسری قسم کی ولایت کا نام۔ یقین کی ولایت ہے۔

پھر ان سے دریافت کیا گیا: ایمان اور یقین میں کیا فرق ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہر یقین ایمان ہے۔ لیکن ہر ایمان یقین نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان میں اکثر اوقات غفلت داخل ہو جاتی ہے۔ اور یقین میں غفلت داخل نہیں ہوتی ہے۔ مومن کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تجلی کبھی کبھی ہوتی ہے۔ اور موقن (یقین والے) کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تجلی ہر شے میں ہوتی ہے۔ مومن ہر شے سے فانی ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو نہیں دیکھتا ہے۔ اور موقن ہر شے میں باقی ہوتا ہے۔ لہذا وہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ حضرت شیخ ابو الحسن کا قول ختم ہوا۔

پھر مصنف رضی اللہ عنہ نے بیان کا فائدہ اور نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

الْعِبَارَةُ قُوْتٌ لِعَائِلَةِ قُلُوْبِ الْمُسْتَمِعِيْنَ، وَ لَيْسَ لَكَ مِنْهَا إِلَّا مَا أَنْتَ لَهُ آكِلٌ

"بیان سامعین

فقراء کے لئے غذا ہے اور اس غذا میں سے تمہارا حصہ اتنا ہی ہے، جتنا تم کھاتے ہو۔"

میں کہتا ہوں: عارفین کا بیان۔ طالبین فقراء کے قلوب کی غذا ہے۔ کیونکہ عارفین کے بیان سے طالبین کے قلوب کا یقین زیادہ ہوتا ہے۔ اور ان کے محبوب حقیقی کے مشاہدے میں ترقی ہوتی ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ شیوخ اور ان کے خلفا کی تربیت میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا یقین کامل ہو جاتا ہے۔ اور ان کے احوال درست ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ بذات خود مستقل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے رشد و ہدایت کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر شے سے اپنا حصہ حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کے حال میں سے کچھ کم نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی سمجھ اور معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اور ہر شے

سے بچتے ہیں اور جب وہ ایسا ہو جاتے ہیں۔ تو وہ بذات خود مستقل، دوسروں کی ہدایت کے اہل ہو جاتے ہیں۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ جو لوگ دروازے کی آواز اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور کتوں کے بھونکنے کو نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ عقلمندوں میں سے نہیں ہیں۔

لیکن جو شخص اس قدم میں نہیں پہنچا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص کی تربیت اور نگرانی میں آشیانہ بنا کر رہنا اپنے لئے لازم کرے۔ جو اس کو روحانی غذا کھلائے اور تربیت کرے۔ کیونکہ بچہ۔ اگر اپنے بازوؤں کی درستی اور مضبوطی سے پہلے آشیانے سے اڑ کر باہر آتا ہے۔ تو اس کو کتے اور باز شکار کر لیتے ہیں اور عورتیں اور بچے اس کے ساتھ کھیلتے ہیں۔

اور جب وہ شیخ کے آشیانہ تربیت میں ہو اور وہ اس کو دوسرے طالبین کے ساتھ روحانی غذا کھلائے۔ تو اس کو اسی قدر خوراک کھلائے۔ جس قدر وہ ہضم کر سکتا ہو۔ ورنہ وہ غذا اس کو مار ڈالے گی۔ کیونکہ چھوٹے بچے کی غذا جوان آدمی کی غذا کی طرح نہیں ہوتی ہے۔ ایسے ہی مریدین کے لئے شیوخ کا کلام بھی ہے۔ ہر شخص اپنے حال کے مطابق فیض حاصل کرتا ہے۔ لہذا شیوخ کرام ابتدا اور انتہا اور ادنیٰ درجے کے احوال سب ایک ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور ہر مرید اپنی صلاحیت و لیاقت کے مطابق فیض حاصل کرتا ہے:

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

"ہر شخص نے اپنے پینے کا گھاٹ پہچان لیا ہے۔"

لہذا مبتدی (ابتدائی درجے والا) منتہی (انتہائی درجہ والے) کے مذاکرات سے تعلق نہ رکھے۔ ورنہ وہ تباہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ اگر چھوٹا بچہ، جوان آدمی کا کھانا کھائے گا۔ تو وہ اس کے حلق میں اٹک جائے گا۔ اور اگر جوان آدمی، چھوٹے بچے کا کھانا کھائے گا۔ تو اس کا پیٹ نہ بھرے گا۔ حضرت مصنفؒ کے اس قول کا یہی مقصود ہے:۔ اس میں سے تمہارا حصہ اتنا ہی ہے، جتنا تم کھا سکتے ہو۔ یعنی بیان کی غذا سے تمہارے لئے اتنا ہی مفید ہے جتنا کھانے کی تم طاقت رکھتے ہو۔ ورنہ تمہارا گلا گھٹ جائے گا۔

مجھ سے میرے بعض احباب نے روحانیت اور بشریت کی غذا کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا: بشریت کی غذا تو معلوم ہے اور روحانیت کی غذا بشریت کی غذا کے مطابق ہے۔ جس طرح بچہ جب تک بڑا نہ ہو، سخت غذا نہیں کھا سکتا ہے۔ اسی طرح روح کی تربیت بھی بتدریج کی جاتی ہے۔ ایک شے کے بعد دوسری شے دی جاتی ہے۔

لہذا پہلے اس کو فقط زبانی ذکر کی غذا کھلائی جاتی ہے۔ پھر زبانی ذکر کے ساتھ قلبی ذکر، پھر فقط قلبی ذکر، پھر روح کا ذکر اور وہ فکر ہے۔ پھر سر کا ذکر اور وہ شہود ہے۔ پھر وہ عرفانی دودھ پیتی ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کی کائنات کو نگل جاتی ہے۔ تو اگر تم اس کو فکر، جو عارفین راسخین کی غذا ہے، پہلے ہی مرتبہ کھلاؤ گے، حالانکہ وہ بچوں کے مقام میں ہے، تو وہ اس کو قتل کر دے گی۔ پھر جب روح اس درجے کو پہنچ جائے کہ وہ ہر چیز کھائے اور ہر چیز پیئے تو اس کے لئے یہ درست ہے کہ وہ ملکوت کی فضا میں پرواز کرے، اور جہاں چاہے جائے۔ اور ایک جماعت کے لئے ایک ہی نعمت سے ان لوگوں کے مقامات کے اختلاف کی وجہ سے غذا کی حیثیت مختلف ہوتی ہے۔

اس کی مثال: ان لوگوں کا واقعہ ہے، جنہوں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا: "یا سعتر بری" اور یہ واقعہ اس طرح ہے۔ کہ تین شخص موجود تھے، ایک شخص نے "یا سعتر بری" کہہ کر دوسرے شخص کو پکارا۔ اس کا نام بھی تھا۔ یہ آواز تینوں نے سنی۔ ہر شخص کے ذہن میں اس کا مفہوم ان کے حال کے مطابق آیا۔ ایک شخص نے سنا کہ پکارنے والا کہہ رہا ہے: "الساعۃ تری بری" اور دوسرے شخص نے اس طرح سنا: "اسع تری بری" اور تیسرے شخص نے یہ سنا: "ما اوسع بری" تو پہلا شخص مستشرف (ترقی کرنے والا) تھا اور دوسرا مبتدی اور تیسرا واصل تھا۔

اور ایسا ہی واقعہ حضرت علامہ ابن جوزی کا ہے۔ وہ بغداد میں پڑھ کر علم حاصل کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ وہ کسی ضرورت سے باہر گئے۔ ایک شخص کو انہوں نے یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:-

إِذَا الْعِشْرُوْنَ مِنْ شَعْبَانَ وَلَّتْ ۔۔۔ فَوَاصِلْ شُرْبَ لَيْلِكَ بِالنَّهَارِ

"جب شعبان کی بیس تاریخ گزر جائے، تو تم رات کے پینے کو دن سے ملا دو۔"

وَلَا تَشْرَبْ بِأَقْدَاحٍ صِغَارٍ ۔۔۔ فَقَدْ ضَاقَ الزَّمَانُ عَلَى الصِّغَارِ

"اور تم چھوٹے پیالوں سے نہ پیو۔ کیونکہ زمانہ چھوٹوں پر تنگ ہو گیا ہے۔"

یہ اشعار سنتے ہی وہ پریشان و بدحواس ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ اور وہاں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

تو انہوں نے شاعر کے ان اشعار سے یہ سمجھا کہ زندگی ختم ہو گئی اور دنیا کا کل زمانہ تنگ ہو گیا۔

مصنف نے لطائف المنن میں فرمایا:- تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ حقیقی مفہومات جو ظاہری سمجھ سے باہر اور بلند ہیں الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتے ہیں۔ بلکہ وہ عام سمجھ سے زائد سمجھ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اہل قلوب میں عارفین کو عطا فرماتا ہے۔ اور وہ باطنی حکمت ہے۔ جو اس کے ظاہر میں اس طرح پوشیدہ ہے، جس طرح بیج میں درخت پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور یہ اس طرح کہ مدد ذوقی اور فتح روحی کا کچھ حصہ ظاہری کنارے کے سمجھنے سے ملتا ہے، اس طریقے پر کہ جہاں قوت ختم ہوتی ہے، وہیں ادراک ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ اکثر اوقات جو کچھ باطنی معنی کے ظاہر کے موافق ہوتا ہے، وہ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات جو باطنی معنی کے ظاہر کے کسی جہت سے خلاف ہوتا ہے۔ وہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے اور اکثر اوقات سمجھ اس کے ظاہر کے خلاف ہوتی ہے۔

حضرت شیخ مکین الدین بن اسمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے لئے حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ ولایت کبریٰ اور مکاشفہ عظمیٰ کی شہادت دیتے تھے۔ ایک شخص نے ان کی مجلس میں یہ اشعار پڑھا:-

لَوْ كَانَ لِي مُسْعِدٌ بِالرَّاحِ يُسْعِدُنِي
لَمَّا انْتَظَرْتُ لِشُرْبِ الرَّاحِ إِفْطَارًا

"اگر میرا کوئی مددگار ہوتا، جو شراب پینے میں میری مدد کرتا تو میں شراب پینے کے لئے کسی کا انتظار نہ کرتا۔"

الرَّاحُ شَيْءٌ شَرِيفٌ أَنْتَ شَارِبُهُ   فَاشْرَبْ وَلَوْ حَمَّلَتْكَ الرَّاحُ أَوْزَارًا

"جو شراب تم پیتے ہو، وہ بہترین شئی ہے، البتہ اگرچہ شراب تم کو گناہوں پر آمادہ کرے۔"

یَا مَنْ یَلُوْمُ عَلٰی صَہْبَاءِ صَافِیَۃٍ   خُذِ الْجِنَانَ وَ دَعْنِیْ اَسْکُنُ النَّارَ

"اے صاف ستھری شراب پینے پر ملامت کرنے والے! تم جنت لے لو۔ اور مجھ کو دوزخ میں رہنے کے لئے چھوڑ دو۔"

کسی عالم نے کہا:۔ ان اشعار کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ حضرت شیخ تقی الدین نے فرمایا:۔ اس کو کہہ دو:۔ شاعر پر اعتراض نہ کرے۔ وہ عالم محجوب آدمی ہے۔ وہ صرف ظاہری شراب کو سمجھتا ہے۔ وہ باطن کو نہیں سمجھتا ہے اور یہ بے حسی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پھر تم کو یہ حقیقت معلوم ہونی چاہئے:۔ بیان:۔ بیان کرنے والے کی حالت پر دلیل اور رہنما نہیں ہے۔ کبھی بیان کرنے والا اپنے بیان سے بلند مقام پر ہوتا ہے۔ اور کبھی اس سے نیچے پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

رُبَّمَا عَبَّرَ عَنِ الْمَقَامِ مَنِ اسْتَشْرَفَ عَلَیْہِ، وَ رُبَّمَا عَبَّرَ عَنْہُ مَنْ وَصَلَ اِلَیْہِ، وَ ذٰلِکَ مُلْتَبِسٌ اِلَّا عَلٰی صَاحِبِ بَصِیْرَۃٍ

"اکثر اوقات مقام کو وہ شخص بیان کرتا ہے جو ترقی کرنے کی حالت میں اس کو دور سے دیکھتا ہے اور اکثر اوقات وہ شخص بیان کرتا ہے۔ جو مقام تک پہنچ چکا ہے۔ اور یہ حالت مشتبہ ہوتی ہے۔ مگر اہل بصیرت پہچان لیتے ہیں، کہ وہ مستشرف (ترقی کرنے والا) ہے۔ یا واصل ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ بیان:۔ بیان کرنے والے کی انتہا کی طرف رہنمائی نہیں کرتا ہے اور نہ جس مقام کا بیان وہ کرتا ہے۔ اس مقام تک اس کے پہنچنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ کبھی مقام کا بیان وہ شخص بھی کرتا ہے، جو مقام تک نہیں پہنچا ہے، لیکن ترقی کرنے کی حالت میں اس کی نظر اس پر پڑتی ہے اور کبھی مقام کا بیان، وہ شخص کرتا ہے، جو مقام تک پہنچا ہوا ہے۔ اور اکثر اوقات مقام کا بیان وہ شخص کرتا ہے، جس کا قدم اس بیان کردہ مقام سے بھی آگے ہے۔ اور اس کی پہچان مشکل ہے۔ اس لیے کہ مستشرف اور واصل کو صرف تیز بصیرت والا ہی پہچان سکتا ہے۔ یعنی جس کے اوپر معرفت الہٰی کا دروازہ کھل چکا ہے۔

لہذا جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ کھل گیا ہے اور اس سے حجاب دور

ہو گیا ہے۔ وہ واصل اور مستشرف کے کلام کو پہچان لیتا ہے۔

کیونکہ جو شخص شہر کے اندر جاتا ہے اور اس کے اوصاف سے واقف ہو کر شہر کے متعلق بیان کرتا ہے، اس شخص کا بیان اس کی طرح نہیں ہوتا ہے، جو شہر کے اندر گئے بغیر اس کے متعلق بیان کرتا ہے۔

ایک عارف نے فرمایا:- مستشرف لمبی تقریر سے اور واصل مختصر تقریر سے پہچانا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مستشرف بیان کو لمبا کرتا ہے۔ اور لفظوں اور جملوں کو دہراتا ہے۔ اور واصل ایک ہی مرتبہ مختصر جملے سے کمال سمجھا دیتا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے:- موسیقی کا ماہر:- بے قاعدہ زیادہ تال نہیں کرتا ہے اور فضل و کمال والا:- زیادہ فضول گوئی نہیں کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں:- یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے عارفین واصلین کی عبارت لمبی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ خطاب کی تفصیلات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور بہت سے مستشرفین کی عبارت مختصر ہوتی ہے۔

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

اَلْاِسْتِشْرَافُ وَالْوُصُوْلُ لَيْسَ اِلَّا مَرَاتِبُ التَّوَجُّهِ لِلتَّحَقُّقِ بِالْعَجْزِ فَمَنْ وَصَلَ لِمَعْرِفَةِ الْعَجْزِ عَنِ الْوُصُوْلِ فَهُوَ الْوَاصِلُ ، لٰكِنِ الْعَجْزُ لَا يَكُوْنُ اِلَّا بَعْدَ الْاِتِّصَافِ بِهٖ حَقِيْقَةً لَا مَجَازًا ، وَ ذٰلِكَ اَنَّ الْجَاهِلَ عَجْزُهٗ حَالِيٌّ قَهْرِيٌّ ، وَالْعَارِفُ عَجْزُهٗ جَلَالِيٌّ وَ جَمَالِيٌّ

”استشراف اور وصول، صرف عاجزی کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے توجہ کرنے کے مرتبے اور درجے ہیں۔ لہذا جو شخص عاجزی کی معرفت تک پہنچ گیا، وہی واصل ہے۔ لیکن عاجزی نہیں پیدا ہوتی ہے، جب تک حقیقتاً عاجزی کی صفت سے موصوف نہ ہو۔ نہ کہ مجازاً اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ جاہل کی عاجزی، حالی قہری ہوتی ہے اور عارف کی عاجزی، جلالی رحمانی ہوتی ہے۔“

میں کہتا ہوں:- اس کے حق تک عاجزی سے مراد یہ ہے کہ پہلے اس کو حیرت اور دہشت ہوتی

لاحق ہو۔ پھر بعد میں احاطہ اور حقیقت سے عاجزی پیدا ہو۔

پھر مصنف ؒ نے فرمایا:۔ اس بات کی شہادت یہ ہے کہ جاہل جب حرکت کرتا ہے تو فوائد نفسانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور عارف حقوق پر قائم رہتا ہے۔ اور جاہل کا مقصد وہم ہے اور عارف کا مقصد سمجھ ہے۔ جاہل علم کو طلب کرتا ہے۔ اور عارف اللہ تعالیٰ کو طلب کرتا ہے۔ جاہل کی نظر صرف ظاہری صورتوں کے تابع ہوتی ہے۔ لیکن وہ صرف ظاہری صورتوں کو دیکھتا ہے۔ اور عارف اپنے قلب کی بصیرت کے ساتھ باطنی ارواح کے ساتھ غوطہ لگاتا ہے۔ اور سب مرتبے اور مقامات ظاہر اور باطن کی درمیانی منزلیں ہیں۔ اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ مثلاً جسمانی شکلوں سے قلبی عالموں کی طرف، پھر قلبی عالموں سے روحانی حقیقتوں کی طرف، پھر روحانی حقیقتوں سے ربانی اسرار کی طرف، پھر ربانی اسرار سے توحیدی معارف کی طرف منتقل ہونا۔

اور سالک کے لئے یہ مناسب نہیں ہے، کہ سلوک کے راستے میں جب اس کے سامنے یہ اسرار آئیں۔ تو وہ ان کو بیان کرے۔ بلکہ انہیں پوشیدہ رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ مصنف ؒ نے اس کو اپنے اس قول میں واضح فرمایا ہے:۔

لَا يَنْبَغِيْ لِلسَّالِكِ اَنْ يُعَبِّرَ عَنْ وَارِدَاتِهٖ ، فَإِنَّ ذٰلِكَ مِمَّا يُقَلِّلُ عَمَلَهَا فِيْ قَلْبِهٖ وَ يَمْنَعُهٗ وُجُوْدَ الصِّدْقِ فِيْهَا مَعَ رَبِّهٖ

” سالک کو واردات الہیہ بیان نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کو بیان کرنا، ان چیزوں میں سے ہے جو واردات کے اثر کو اس کے دل سے کم کر دیتی ہیں۔ اور واردات میں اس کے رب کے ساتھ سچائی اور اخلاص سے اس کو روک دیتی ہیں۔ “

میں کہتا ہوں۔ مرید اپنے سیر کی حالت میں اپنے علم و عمل اور اپنے واردات کے حال کو چھپانے پر مامور ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا اپنے عمل کو ظاہر کرنا، اس کے اخلاص کی کمی کی وجہ سے ہے۔ اور اس کا اپنے احوال کو ظاہر کرنا، اپنے رب کے ساتھ اس کی سچائی کی کمی کی وجہ سے ہے۔

تیسری قسم احوال: اللہ قہار کی بارگاہ سے آتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ قلوب کو خوف سے ہلا دیتے ہیں اور شوق میں بے تاب کر دیتے ہیں۔ لیکن جب مرید ان کو ظاہر کر دیتا ہے، تو وہ احوال ٹھنڈے ہو جاتے

ہیں اور ان کا نور بجھ جاتا ہے۔

اس کی مثال :- اس شخص کی طرح ہے۔ جس کی دیگچی چولھے پر جوش کھا رہی ہو۔ جب وہ اس میں پھر پانی ڈال دیتا ہے تو وہ دوبارہ ابلنے لگتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس کی آگ کو کم کر دیتا ہے اور دیگچی کو جلا دیتا ہے تو اس کا سالن ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح واردات الٰہیہ کا حال ہے۔ وہ قلوب کو ان کے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ تو جب مرید ان کو ظاہر کرتا اور لوگوں سے بیان کر دیتا ہے۔ تو اس کے قلب میں ان واردت کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ اس کو ان واردات میں اپنے رب کے ساتھ تنہائی کم ہے۔

میں کہتا ہوں :- اسی طرح ان احوال کا استعمال کرتا ہے۔ جن کا ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا ظاہر کرنا قلوب کو مردہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے بیان کرنے میں نفس کا فائدہ ہے۔ کیونکہ نفس کی فطرت یہی ہے کہ وہ تعریف اور اچھے ذکر کو پسند کرتا ہے۔ اگرچہ وہ دوستوں اور بھائیوں ہی کی طرف سے ہو۔ اکثر ہم دیکھتے ہوئے بعض فقراء احوال کو بیان کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ ہاں، اگر لوگ اس کی پیروی کرتے ہوں اور وہ پیروی کرنے اور فقراء کو آگے بڑھانے کے لئے بیان کرے تو اس اچھی نیت کے ساتھ بیان کرنا بہتر ہے۔ اور اکثر یہ احوال سوال کرنے کی حالت میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے مصنف نے اس کے فوراً ہی بعد سوال کا بیان کیا۔

یا تم اس طرح کہو :- چونکہ واردات الٰہیہ کو بیان کرنا ان امور سے ہے، جو لوگوں کی توجہ اور تعظیم کا سبب بنتے ہیں۔ اور توجہ اور تعظیم اس درجے پر پہنچاتا ہے کہ لوگ نذرانے پیش کریں۔ لہذا فقیر کو قبض کے آداب کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا:

لَا تَمُدَّنَّ يَدَكَ إِلَى الْأَخْذِ مِنَ الْخَلَائِقِ إِلَّا أَنْ تَرَى أَنَّ الْمُعْطِيَ فِيهِمْ مَوْلَاكَ ، فَإِنْ كُنْتَ كَذَٰلِكَ فَخُذْ مَا وَافَقَكَ الْعِلْمُ

"تم مخلوق سے لینے کے لئے اپنا ہاتھ ہرگز نہ بڑھاؤ۔ مگر اس وقت جبکہ تم یہ دیکھو کہ ان کے پاس

میں دینے والا تمہارا مولا نے حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا اگر تم اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہو، تو اتنا لو، جتنا تم کو علم اجازت دے۔"

میں کہتا ہوں:۔ مخلوق سے لینے کے لئے ہاتھ بڑھانے کی دو قسمیں ہیں:۔ ایک یہ کہ بغیر سوال کے ہو۔ دوسرا یہ کہ سوال کے بعد ہو اور دونوں قسموں میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا احکام ہیں۔

پہلی قسم: بغیر سوال کے لینا۔ اس کے لئے دو شرطیں ہیں:۔ ایک سمی اور دوسرا صوفی۔ لہذا اگر عالم ہے تو ان سے نہ لے، جن کی کمائی حرام ہے یا مخلوط ہے۔ یا جن کے مال میں تصرف کرنا منع کر دیا گیا ہے جیسے بچہ، پاگل، غلام۔

اور اگر صوفی ہے، تو وہ اس وقت تک نہ لے، جب تک کہ علم اور سالک سے ان کو پہچان نہ لے، جن سے لینا ہے۔ لہذا اگر صوفی کی معرفت وسیع ہو اور اس کی فنا اس طریقے پر قائم ہو گئی ہو، کہ اس کی نظر واسطے کی طرف نہ ہو۔ تو اکثر اوقات اس کے لئے قبض یعنی لینا بالکل درست ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیتا ہے۔ لیکن حقیقت اور شریعت کے درمیان جمع کرنا ہی کمال ہے۔ اور بہت سے محققین صوفیائے کرام، بادشاہوں کے عطیات کو لے لیتے تھے۔ پھر ان کو اپنے ہاتھوں سے تقسیم کر دیتے تھے۔

دوسری قسم: سوال کے بعد دینا:۔ اس کے بارے میں دو طریقے پر کلام ہے۔

پہلا طریقہ:۔ یہ ہے کہ سوال کرنا، جائز ہے یا منع ہے۔ دوسرا طریقہ:۔ یہ ہے کہ لینے کے بعد وہ اس کو استعمال کرے یا ذخیرہ کرے۔

پہلا طریقہ سوال کرنے کا حکم:۔ اس کی اصلیت یہ ہے کہ سوال کرنا جائز ہے۔

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ

"اور سائل (مانگنے والے) کو مت جھڑکو۔"

لہذا اگر سوال کرنا جائز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ سائل کو جھڑکنے سے منع نہ کرتا۔

مندوب سوال :- وہ ہے۔ جو دوسروں کے لئے سوال کرے۔ اور یہ تنگی یعنی مدد کے سلسلے میں سے ہے یا بچوں اور لوگوں سے کھانا اس لئے مانگے تا کہ اس شخص کو کھلائے جو مانگنے سے شرماتا ہے۔ یا کپڑا مانگے۔ یا ان کے علاوہ دوسری چیزیں مانگے۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے ان اصحاب کرام کے لئے سوال کیا ہے، جو آپ کے پاس ننگے آئے تھے۔ اور جو سوال نفس کی ریاضت کے لئے ہو، وہ مندوب میں داخل ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

مکروہ سوال :- وہ ہے۔ جو ضروری غذا کے لئے سوال کرے، باوجود یکہ وہ اسباب میں سے کوئی سبب اختیار کر کے اپنی غذا حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور یہ سوال اس حالت میں مکروہ ہے، کہ عبادت کے لئے اسباب سے علیحدہ اور ذکر کے لئے مجرد تنہا ہو۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اسباب سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ اس کے لئے سوال کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور بہت سے عارفین محققین نے ایسا کیا ہے۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے شیخ حضرت ابو جعفر حداد رضی اللہ عنہ ایک یا دو یا تین دروازوں پر مغرب و عشا کے درمیان مانگا کرتے تھے۔ پہلے عام لوگ ان کی اس حرکت پر تعجب کرتے تھے۔ پھر جب وہ اس معاملے میں مشہور ہو گئے۔ تو عوام ان کے مانگنے کو معیوب سمجھتے تھے۔ مگر خواص اور وہ باوجود اپنے بزرگ مرتبہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کامل ہونے کے مانگا کرتے تھے۔

اور حضرت ابو سعید خراز رضی اللہ عنہ :- جب ان کو سخت فاقہ کی نوبت آتی تھی تو دست سوال دراز کرتے تھے اور فرماتے تھے :- کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ عنایت کرے۔

اور حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ :- بصرہ کی جامع مسجد میں معتکف تھے اور تین تین دن پر افطار کرتے تھے۔ وہ مغرب کی نماز کے بعد باہر نکلتے تھے اور دروازوں پر اپنے افطار کے لئے مانگ لیا کرتے تھے۔

اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ :- اللہ تعالیٰ کے لئے کھانا مانگا کرتے تھے۔ اگر کبھی زیادہ مل جاتا تو اپنی ضرورت کے مطابق لے لیا کرتے۔ باقی چھوڑ دیا کرتے تھے

اور اکثر اولیاء اللہ نے باقی رہنے والی آخرت کو ترجیح دینے کی بنا پر، دنیائے فانی کو اسی حال میں گزارا ہے۔ اور یہ سب شریعت اور حقیقت میں نقص نہیں پیدا کرتا ہے۔ اور نہ معرفت کے نور کو بجھاتا ہے۔

اور حضرت ابن بناء نے سوال کی ان دونوں قسموں مندوب و مکروہ کی طرف اپنے حسب ذیل اشعار میں اشارہ فرمایا ہے:۔

وَ کَرِهُوْا سُؤَالَهٗ لِنَفْسِهٖ ثُمَّ اَبَاحُوْهُ لِاَجْلِ نَفْسِهٖ

"اور عارفین نے اپنی ذات کے لئے فقیر کے سوال کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لیکن اپنے ہم جنس یعنی دوسرے لوگوں کے لئے اس کے سوال کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔"

وَ لَمْ یَعُدُّوْهُ مِنَ السُّؤَالِ لٰكِنْ مِنَ الْعَوْنِ عَلَى الْاَعْمَالِ

"بلکہ عارفین نے دوسرے لوگوں کے لئے سوال کرنے کو سوال میں نہیں شمار کیا ہے۔ بلکہ اس کو اعمال پر مدد کی قسم میں شمار کیا ہے۔"

اِذْ كَانَ خَيْرُ الْخَلْقِ فِيْ اَتْرَابِهٖ يَسْاَلُ اِحْسَانًا اِلٰى اَصْحَابِهٖ

"اس لئے کہ تمام مخلوق سے افضل حضرت رسول کریم ﷺ بھی اپنے اصحاب کرام کے لئے چندہ طلب فرمایا کرتے تھے۔"

مباح سوال:۔ وہ یہ ہے کہ غیر ضروری حاجت کو پورا کرنے کے لئے سوال کرے۔ جیسے کہ اپنا قرض ادا کرنے کے لئے سوال کرے، یا اپنی ستر پوشی اور جان بچانے کے لئے جتنی ضرورت ہو، اس سے زیادہ سوال کرے یا ان کے سوا وہ چیزیں مانگے، جو اس کی زندگی کے لئے ضروری نہیں ہیں، مگر اس کو ان چیزوں کی حاجت ہے۔

حرام سوال:۔ وہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زیادہ مانگے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

مَنْ لَّهٗ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا فَالسُّؤَالُ عَلَيْهِ حَرَامٌ

"جس شخص کے پاس چالیس درہم ہوں۔ اس کے لئے سوال کرنا حرام ہے۔" اور اسی کے متعلق یہ حدیث شریف بھی وارد ہے۔

إِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ

"جس کے لئے مانگنا حرام ہے۔ ایسا مانگنے والا قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا نہ ہوگا۔

اور گڑگڑا کر اور ضد کر کے مانگنا بھی حرام ہے اور اس طرح مانگنا بھی حرام ہے کہ جس سے مانگا ہے۔ اس کو نقصان پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا

"وہ لوگوں سے اصرار اور ضد کے ساتھ نہیں مانگتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں:۔ بعض صوفیائے کرام جو گڑگڑانے اور ضد کرنے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے، کہ وہ دینے والوں کی سخت و ناگوار باتیں سن کر اپنے نفس کو مار ڈالیں اور ایسا وہ صرف انہیں لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں، جن کو وہ پہچانتے ہیں کہ وہ دینے سے انکار کریں گے۔ اس لئے وہ اپنے نفس کے امتحان اور درستی کے لئے دینے والوں سے سخت اور ناگوار باتیں نکلواتے ہیں۔ اور کبھی اس طرح کرنے سے ان کا ارادہ اخلاص کا ثابت کرنا اور اپنے حال کا چھپانا ہوتا ہے۔ لہذا وہ رغبت اور خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھنے کی بنا پر تمام لوگوں سے زیادہ زاہد اور تارک الدنیا ہوتے ہیں۔

اور یہ سب، عارفین سے قوت اور جذب کے حال میں ہوتا ہے۔ جبکہ سکر یعنی مدہوشی ان پر غالب ہوتی ہے۔

یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ سب ان حضرات سے تحقیق کر کے بیان کیا ہے۔ اور یہ سب حالتیں اس زمانہ میں ختم ہو چکی ہیں۔ کیونکہ اب صرف اہل صفا اور اہل وفا باقی رہ گئے ہیں۔ اور صوفیائے کرام کے طریقے میں سوال کے شامل ہونے کا سبب یہ ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی الجمل عمرانی رضی اللہ عنہ کو فاس میں مرتبہ اور وزارت، اور ریاست حاصل تھی۔ جب وہ شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور حضرت شیخ نے ان کی سچائی اور ریاضت دیکھا، تو ان سے فرمایا:۔

میں آپ کے اندر ایک ایسا جذبہ اور رشد دیکھتا ہوں، جو آپ سے پہلے کسی دوسرے شخص میں میں نے نہیں دیکھا۔ اور اگر میں آپ کے اندر صدق و ریاضت نہ پاتا تو طریقت کی طرف آپ کی رہنمائی نہ کرتا۔ حضرت شیخ علی نے دریافت کیا:۔ یا حضرت وہ کیا ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا:۔ وہ بازار میں مانگنا ہے۔ میں نے ان کے متعلق اسی طرح اپنے بعض برادران طریقت سے سنا ہے۔

لیکن جو میں نے ان کی کتاب میں دیکھا وہ یہ ہے حضرت شیخ نے ان سے فرمایا:۔ اے صاحبزادے! میں دیکھتا ہوں کہ تم یہ علم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ لیکن تم جو اس علم تصوف کا ارادہ رکھتے ہو۔

تو یہ بغیر رہنمائی کرنے والے پیر و مرشد کے تم حاصل نہ کر سکو گے۔ لہذا وہ ان کی بیعت میں داخل ہو کر علم تصوف حاصل کرنے لگے۔ اور اپنی موت تک تصوف ہی میں ثابت قدمی سے قائم رہے۔ پھر جب انھوں نے اس کے سر کا مزہ چکھا اور ان اسرار کو پایا جو اس کے اندر ہیں۔ اور ان منزلوں اور مقاموں کو طے کیا جو مریدانی سیر میں کرتا ہے۔ تو انھوں نے اپنے مریدین کو اس کی سیر کرائی اور اس پر عمل کرنے کے لئے ان کی رہنمائی کی۔

لہذا سوال کے جائز ہونے کی بنیاد:۔ نفس کو مارنا ہے۔ نہ کہ روپیہ پیسہ حاصل کرنا۔ اس لئے جس شخص نے نفس کے مارنے کے لئے سوال پر عمل کیا وہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ قدس میں داخل ہو گیا۔ کیونکہ صرف نفس کے زندہ رہنے ہی نے ہم کو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے محجوب کیا ہے۔

اور جو شخص روپیہ پیسہ حاصل کرنے کے لئے سوال کرتا ہے۔ وہ بدبختی اور تنگدستی میں مبتلا ہوتا ہے۔

اور مانگنے کی حالت میں سائل کے لئے مناسب یہ ہے:۔ یا تھ سے مخلوق کی طرف اشارہ کرے اور اس کا قلب اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہو۔ مباحث میں فرمایا ہے:۔

وَ آدَابُ الْفُقَرِ فِي عِنْدَ الْمَسْئَلَةِ ۔ اَنْ يَّدْخُلَ السُّوْقَ اِلَيْهِ بِمَسْئَلَةٍ

"اور سوال کرنے کے وقت صوفی کے آداب یہ ہیں کہ وہ بازار میں داخل ہو کر لوگوں سے سوال کرے۔

لِسَانُهُ يُخْبِرُ نَحْوَ الْخَلْقِ وَقَلْبُهُ مُتَعَلِّقٌ بِالْحَقِّ

"اس کی زبان مخلوق کی طرف اشارہ کرے اور اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔"

اور حضرت ابن لیون تجیبی نے سوال اور اس کی اصلیت کو بیان فرمایا ہے۔ اور زنبیل کے مسئلے کو بھی بیان فرمایا ہے۔

زنبیل کا طریقہ اس طرح بیان کیا ہے۔ پہلے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے۔ پھر زنبیل یعنی برتن اپنے داہنے ہاتھ میں لے اور بازار میں نکل جائے۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا آدمی بھی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور آدمیوں کا ذکر کرے۔ لوگ جو کچھ دیں وہ زنبیل میں رکھتا جائے۔ یہاں تک کہ جو کچھ میسر ہو، وہ سب درویشوں کے سامنے رکھ دے۔ پھر سب مل کر بغیر تکلیف اور زحمت کے یہ حلال کھانا کھائیں۔

سوال کے حکم کے بارے میں جو کچھ ہم کو معلوم ہوا، وہ میں نے بیان کیا ہے۔

اور اب اس زمانہ میں جو حال ہمارے سامنے ظاہر ہے۔ اس حال میں سوال کو ترک کر دینا سوال کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اب سوال کی اہمیت ختم ہو گئی ہے۔ اور دوسرے پیشوں کی طرح مانگنا بھی ایک پیشہ بن گیا ہے۔ اس لئے بہت سے فقیروں کا نفس اس کی طرف بڑھتا ہے اور یہ صرف اس لئے کہ اس میں نفس کا فائدہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور سوال کرنے میں جو کچھ ملے، اگر فقیر اس کا محتاج ہو تو خود اس کو لے لے اور اگر اس کو اس کی ضرورت نہ ہو تو وہ اس کو پوشیدہ طور پر رات میں صدقہ کر دے۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ سوال کرنے سے ہمارا مقصد ارواح کی غذا ہے۔ تو اگر اس سے اجسام کی غذا بھی نکل آئے تو "تبارک اللہ" یعنی جس شخص کو اس کی حاجت ہو وہ اس کو اپنے استعمال میں لائے۔ وباللہ التوفیق۔

اور حکمت جس کو حضرت مصنف نے بیان فرمایا ان اہم حکمتوں میں سے ہے، جن کی اس تحریر کو حاجت ہوتی ہے۔

اور مصنف کا مقصد سوال پر بحث کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ان کا مقصد یقین کی تربیت اور مخلوق

سے ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لہذا سائل کا قلب مخلوق سے وابستہ نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اگر اس کا قلب مخلوق کی طرف متوجہ ہو، تو اس کو وہ چیز نہ لینی چاہئے۔ جو اس کو دی جارہی ہے۔ اور جب تک وہ یہ نہ سمجھے کہ دینے والا اللہ تعالےٰ ہے، اس وقت تک مخلوق سے لینے کے لئے اپنا ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھائے۔ اور یہ سمجھ ذوق اور حال سے پیدا ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں:- یہ شرط صرف ان چیزوں میں ہے، جن کو وہ بغیر سوال کے لیتا ہے۔ لیکن سوال کی حالت میں یہ معرفت شرط نہیں ہے۔ بلکہ سوال علم اور مجاہدہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ تاکہ وہ ذوق بن جائے۔ لیکن جو چیزیں بغیر سوال کے ملے، اس کے لینے میں یہ معرفت ضروری ہے۔

دوسرے شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

یہ معرفت شرط نہیں ہے کہ دینے والا فی الحقیقت اللہ تعالےٰ ہے۔ بلکہ صرف اس بات کا علم کافی ہے اور یہی صحیح ہے کہ وہ اسوقت تک لوگوں سے لے سکتا ہے، جب تک اس کے نفس کی توجہ مخلوق کی طرف نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا نفس مخلوق کی طرف متوجہ ہو تو اس کو چاہئے کہ مخلوق سے لینے سے باز رہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی ضمانت کو کافی سمجھے۔ جیسا اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

''اور زمین میں کوئی چلنے والا جاندار نہیں ہے، مگر اس کی روزی کی ذمہ داری اللہ تعالےٰ پر ہے۔''

ایک عارف سے دریافت کیا گیا:- آپ نے دنیا کو کیسے ترک کیا۔ جبکہ پہلے دنیا آپ کے پاس تھی، اور آپ اس میں مشغول تھے؟ انھوں نے جواب دیا:- میں نے اللہ تعالےٰ کی اس آیۃ کریمہ کے مفہوم میں انصاف کے ساتھ غور و فکر کیا:-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

تو میں نے تمام مخلوقات، مچھر سے لے کر ہاتھی تک دیکھا کہ اللہ تعالےٰ ان سب کی روزی کا ضامن ہے۔ لہذا میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیا۔ اور اس کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے:- تم لوگ روزی کی فکر نہ کرو۔ کیونکہ ایک بچے کو چھوٹا ہونے کے باوجود بھی روزی ملتی ہے۔ یہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ حضرت حبیبؒ باہر نکلے، تو دیکھا کہ ایک غلام بہت سا کھانا لئے ہوئے
سخت سردی میں کھڑا رو رہا ہے۔ حضرت حبیبؒ نے دریافت کیا:- یہ کیا ہے؟ غلام نے کہا:- یہ کھانا
ہے۔ میرے آقا نے مجھ سے کہا ہے:- اگر یہ کھانا تمہارے ہاتھ سے حضرت حسن بصریؒ نے قبول کر
لیا تو میں تم کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے آزاد کر دوں گا۔ میں بہت دنوں سے اس کی غلامی کر
رہا ہوں۔ حضرت حبیب نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ، غلام کو آزاد کرنا، اور بھوکے کو کھانا کھلانا۔ پھر اس
غلام کو ساتھ لے کر حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا:- یا حضرت!
بیشک آپ کا علم زیادہ ہے اور یقین کم ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:- اے حبیب! تم ہم سے آگے
بڑھ گئے۔

میں کہتا ہوں:- ہمارے شیخ الشیوخ سے بھی اسی قسم کے واقعہ کی حکایت ہے۔ جو مجھ سے
ان کی بعض مریدینا نے بیان کیا۔ میں نے ان سے مزید تحقیق کے لئے پھر دریافت کیا انھوں نے
فرمایا:- یہ واقعہ صحیح ہے۔

اور وہ واقعہ اس طرح ہے:- ان کے گھر والوں نے بہترین کھانا تیار کیا۔ جب کھانا سب
کے سامنے رکھا گیا، تو اچانک ایک سائل سامنے آ کر سوال کرنے لگا۔ حضرت شیخ نے سب کھانا اٹھا
کر سائل کو دے دیے۔ اور ان کے اہل و عیال سب بھوکے رہ گئے۔ نماز عشا کے بعد دروازہ کھٹکھٹانے
کی آواز آئی۔ حضرت شیخ باہر نکلے تو دیکھا:- ایک شخص کھڑا ہے، اس کے ساتھ ایک خوانچہ ہے۔ جس میں
بہت قسم کے کھانے ہیں۔ حضرت اس کھانے کو لے کر اپنے اہل و عیال کے پاس تشریف لے گئے۔

ایک دولت مند آدمی نے بیان کیا ہے:- میں سو رہا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا:- ایک
آدمی میرے پاس کھڑا کہہ رہا ہے:- مظلوم کی فریاد رسی کرو۔ میں خوفزدہ ہو کر بیدار ہوا۔ میری سمجھ
میں کچھ نہیں آیا کہ میں کیا کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا۔ میں نے ایک تھیلی میں
ایک سو دینار لئے۔ اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس کا لگام چھوڑ دیا۔ وہ گھوڑا مجھے لے کر آبادی سے
باہر نکلا اور ایک ویران مسجد کے پاس پہنچ کر ٹھہر گیا۔ میں گھوڑے سے اتر کر مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے

دیکھا کہ ایک مسکین شخص لوگوں کے سامنے گریہ وزاری کرتے ہوئے اس کا فضل مانگ رہا ہے۔ میں نے اس مسکین سے اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا۔ میں صاحب عیال ہوں۔ میرے تین بچے ہیں۔ انہوں نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا ہے۔ اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگ رہا ہوں۔ میں نے وہ سونا، جو میں اپنے ساتھ لایا تھا، اس کو دیا۔ اور اس سے کہا۔ جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھ سے پھر مانگنا۔ میں فلاں شخص ہوں۔ تم میرے پاس چلے آنا۔ اس نے کہا۔ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم، میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ مانگوں گا۔ پھر میں اللہ تعالیٰ پر اس کے کامل اعتماد سے تعجب کرتا ہوا واپس آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فقیروں میں سے ایک شخص کی حکایت ہے۔ جو اللہ رب العالمین کے ساتھ یقین و مضبوطی رکھتا ہے۔ اور اعتماد کامل کا سبب یہی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عارف اس بات پر شرم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت پیش کرے۔ تو پھر غیر اللہ کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنے میں تو وہ بہت ہی زیادہ شرم کرے گا۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے قول میں بیان فرمایا ہے۔

إِنَّمَا اسْتَحْيَى الْعَارِفُ أَنْ يَرْفَعَ حَاجَتَهُ إِلَى مَوْلَاهُ لِاكْتِفَائِهِ بِمَشِيئَتِهِ ، فَكَيْفَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَرْفَعَهَا إِلَى خَلِيقَتِهِ

"آخر بات عارف اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنے سے شرم کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی مشیت کو کافی سمجھتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنے سے وہ کیوں نہ شرم کرے گا؟"

میں کہتا ہوں:۔ عارف:۔ وہ ہے، جو تقریب اور قرب کے اس مقام پر پہنچ گیا ہو کہ وہ اپنے نفس سے بالکل فنا ہو گیا ہو۔ اور اس سے غیبت اور غیریت اس طرح ختم ہو گئی ہو کہ اس کو اپنے وجود کی خبر نہ ہو اور اس کو اپنے مولائے حقیقی کے سوا کسی کے ساتھ قرار نہ ہو۔ لہذا جب وہ ضرورت کو طلب کرتا ہے۔ تو وہ اپنے مولائے حقیقی سے اس بات پر شرم کرتا ہے کہ اس کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرے۔ تو پھر اس کے غیر کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنے میں وہ کیوں شرم نہ کرے گا؟ اور اکثر حالت میں یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل چیز عطا فرماتا ہے، جو وہ مانگے

والوں کو دیتا ہے۔ اور پھر اس کو صدق کے مقام میں انبیاء علیہم السلام اور صدیقین رضی اللہ عنہم کے ساتھ قائم کرتا ہے۔

اور اس سے پہلے یہ حدیث شریف گزر چکی ہے:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ جس شخص کو میرے ذکر کی مشغولیت مجھ سے مانگنے سے غافل کر دیتی ہے۔ میں اس کو مانگنے والوں سے بہتر اور زیادہ عطا کرتا ہوں۔

حضرت سہل بن عبداللہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے بندوں کے قلوب سے باخبر رہتا ہے۔ تو جب کوئی قلب اپنی حاجت کے لئے اس کے غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور اپنے سے اس کو محجوب کر دیتا ہے۔

حضرت واسطی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا:۔

آپ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز کیوں نہیں مانگتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:۔ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھ سے یہ کہا جائے:۔ اگر تم ہم سے وہ چیز مانگتے ہو، جو ہم نے تمہارے لئے پہلے ہی مقدر کر رکھا ہے۔ تو تم ہمارے اوپر اتہام لگاتے ہو۔ اور اگر تم ہم سے وہ چیز مانگتے ہو، جو ہم نے تمہارے لئے مقدر نہیں کیا ہے۔ تو تم ہمارے ساتھ بے ادبی کرتے ہو۔ اگر تم اپنا معاملہ ہمارے سپرد کر دیتے اور ہماری نظر پر اعتماد کرتے۔ تو ہم تمہارے تمام معاملوں کو اپنی منشا کے مطابق حسن و خوبی انجام دیتے۔ یہاں بیسواں باب ختم ہوا۔

اس باب کا حاصل:۔

کرامات اور کرامات سے پیدا ہونے والی عبارت کو بیان کرتا ہے۔ کیونکہ حقیقی کرامات۔ عبودیت پر استقامت اور ربوبیت کے انوار کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اور جب استقامت اور مشاہدہ ولی کے اندر ثابت و قائم ہو جاتا ہے۔ تو وہ حقیقی معرفت سے فیضیاب ہوتا ہے۔ اور اس کو بیان کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور اس وقت اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ مخلوق نذرانے اور عطیات لے کر اس کے سامنے آتی ہے۔ تو اگر وہ ان نذرانوں کے اندر اپنے مولا کے حقیقی کی معرفت حاصل کرے۔ تو اس کے لئے مخلوق سے یہ نذرانہ لینا درست ہے اور اگر یہ معرفت اس کو حاصل نہیں ہے تو اس کا لینا درست

اکیسواں باب

درست اور ناقص اعمال اور احوال کے میزان کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

إِذَا الْتَبَسَ عَلَيْكَ أَمْرَانِ فَانْظُرْ أَثْقَلَهُمَا عَلَى النَّفْسِ فَاتَّبِعْهُ فَإِنَّهُ لَا يَثْقُلُ عَلَيْهَا إِلَّا مَا كَانَ حَقًّا

''جب دو چیزیں تمہارے لئے مشتبہ ہو جائیں (یعنی دو چیزوں میں حق پوشیدہ ہو جائے) تو تم یہ دیکھو کہ دونوں چیزوں میں سے تمہارے نفس پر کون زیادہ گراں (ناگوار) ہے۔ جو زیادہ گراں ہو اسی پر عمل کرو۔ کیونکہ نفس پر وہی چیز گراں ہوتی ہے جو حق ہوتی ہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ جو مجاہدین مجاہدہ میں مشغول ہیں، ان کے لئے یہ بالکل درست میزان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ

''تم لوگ اللہ کی راہ میں جہاد (جدوجہد) کرو۔ جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے'' اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

''جو لوگ ہمارے راستے میں جدوجہد کرتے ہیں، ہم اپنے راستوں کی طرف ان کی ہدایت ورہنمائی کرتے ہیں (یعنی ہم ان کو اپنے راستوں پر چلاتے ہیں)۔''

لہذا ہر وہ شے جو مرید کے نفس پر گراں گزرے اور اس کا نفس اس سے نفرت کرے وہی حق ہے۔ اور

مرید کے اوپر اس کی پیروی واجب ہے۔ یعنی مرید کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اور جو شے مرید کے نفس کو آسان اور ہلکا معلوم ہو، وہ باطل ہے۔ اور اس میں نفس کا فائدہ ہے۔ لہٰذا مرید کے لئے اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اور اس معاملے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ کیونکہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ایک نفس پر ایک شے گراں ہوتی ہے اور دوسرے نفس پر وہ گراں نہیں ہوتی ہے۔ کسی نفس پر خاموشی گراں و ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ اور کسی نفس پر گفتگو کرنا گراں گزرتا ہے۔ مثلاً اس صورت میں جبکہ اس کی تربیت خاموشی میں کی گئی ہو۔

بعض نفس ایسے ہوتے ہیں جن پر کوشش گراں گزرتی ہے۔ اور بعض لوگوں سے ملنا جلنا ناگوار ہوتا ہے۔ کسی نفس کے لئے روزہ دشوار و شاق گزرتا ہے اور کسی نفس کے لئے افطار کرنا۔ کسی نفس کے لئے مانگنا اتنا گراں اور شاق ہوتا ہے کہ وہ سوال کرنے کے ساتھ ہی مر جاتا ہے۔ اور کسی نفس کے لئے مانگنا آسان ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کے لئے جس کو مانگنے کا حکم ملنے سے پہلے ہی مانگنے کی عادت پڑی ہو۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کرو۔

لہٰذا بندے کو ہوشیاری کے ساتھ اپنے نفس کی نگرانی کرتے رہنا چاہیے۔ اور اس کے ساتھ اس کی مرضی کے خلاف معاملہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہمیشہ ہر معاملے میں اس کے حکم اور خواہش کی مخالفت کرتا رہے۔ اور ان تمام معاملات میں اس کو ملامت کرتا رہے، جن کو وہ بہتر شکل میں پیش کرتا ہے۔

پھر جب نفس محسوس ظاہر سے پاک و صاف ہو جائے۔ اور اس میں ظاہر کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے، اس وقت بندے پر اس کی موافقت کرنی واجب ہے۔ اس لئے کہ اب اس کے اندر معرفت اللہ تعالیٰ کی تجلی جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور وہ اب اس آیۂ کریمہ کا مصداق ہے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

"حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔"

لہٰذا عارف کا معاملہ سائر کا برعکس ہوتا ہے۔ سائر کو تدبیر و اختیار نقصان پہنچاتے ہیں اور عارف کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ سائر کے لئے لوگوں سے ملنا جلنا مضرت ہے اور عارف کے لئے مفید ہے۔ سائر

کے لئے کلام نقصان دہ ہے۔ اور عارف کے لئے نفع بخش۔ سالک کو دنیا نقصان پہنچاتی ہے۔ اس لئے اس سے بھاگتا ہے۔ اور عارف دنیا سے غائب ہوتا ہے۔ اس لئے دنیا اس کو نقصان نہیں پہنچاتی ہے۔ بلکہ اکثر اوقات اس کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

حاصل یہ ہے:۔ عارف اپنے تمام معاملات میں سالک کے برعکس ہے۔

وباللہ التوفیق

اور جو شخص اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو تربیت کرنے والے شیخ کے سپرد کر دے۔ کیونکہ اس کے نفس کے معاملات اس سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اور بالفرض اگر اس کو ان چیزوں کا علم بھی ہو، جو نفس کو مراد ہو تو اس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ شیخ کی ہمت کے بغیر اپنے نفس سے جہاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت اپنے بندوں میں جاری ہے۔ کیونکہ نفس اپنی رائے اور خواہش سے کبھی ہٹنا نہیں چاہتا ہے۔ لہذا جو شخص نفس سے جہاد کرنے میں بندے کی مدد کرتا ہے، بندے پر واجب ہے کہ نفس کو اس کا فرمانبردار بنا دے۔ اور اگر تم شرعی تکلیفات میں غور کرو۔ تو تم ان کو نفس کے خلاف پاؤ گے۔ اور جو شخص اپنی عادت شریعت کے مطابق نہیں کرتا ہے۔ وہ کافر ہے اور جو شخص بھی کافر ہوا ہے وہ خواہشات کی پیروی سے کافر ہوا ہے۔ واللہ اعلم

اور یہاں ایک دوسرا میزان بھی ہے۔ جس کے ذریعے تم اس عمل کو جس میں نفس کا فائدہ ہے، اور اس عمل کو جس میں نفس کا فائدہ نہیں ہے، پہچان سکتے ہو۔ اور وہ میزان یہ ہے:۔

کوئی بھی عمل ہو۔ تم اس میں مشغول رہتے ہوئے نفس کے سامنے موت کو پیش کرو۔ اگر نفس اس عمل میں مشغول رہتے ہوئے موت کے لئے راضی ہو جائے۔ تو سمجھو، یہ عمل درست ہے۔ اور اگر نفس اس عمل میں مشغول رہتے ہوئے موت کے لئے راضی نہ ہو۔ تو سمجھو، یہ عمل باطل ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کی خواہش اور اس کا فائدہ ہے۔

اسی طرح انسان اسی میزان پر اپنے نفس کو وزن کرے۔ تاکہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ وہ اس عالم سے سفر کر چکا ہے۔ یا ابھی اسی عالم میں باقی ہے۔ لہذا آرام اور بھلائی کی حالت میں وہ اپنے

فرائض کو کامل کرنے کے لئے ہیں:- جیسا کہ فرض سے پہلے اور اس کے پیچھے جو نفلیں مقرر کی گئی ہیں وہ صرف اس لئے ہیں کہ ان سے فرائض میں حضور قلب حاصل ہونے میں مدد ملے۔ کیونکہ اگر حضور قلب حاصل ہو جائے تو انسان وسیلے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اور ہمارے نزدیک سب سے بڑی نفل عبادت:- فکر و نظر کے درمیان اپنے مولائے حقیقی کے مشاہدہ میں غرق ہو جاتا ہے۔ یا اس مذاکرہ یا ذکر میں غرق رہنا ہے، جو مشاہدہ کے مقام تک پہنچاتا ہے۔

لہذا جس نے دنیا کو پورے طور پر چھوڑ دیا اور اپنے نفس اور جنس سے غائب ہو گیا۔ اس نے کل فرائض اور نوافل کو جمع کر لیا۔ اگرچہ اس نے رات سو کر، اور دن کھا کر گزارا ہو۔

بعض اخبار میں سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق منقول ہے۔ انہوں نے عرض کیا:- اے میرے رب! میں تجھ کو کہاں تلاش کروں؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:- اپنے نفس کو چھوڑ دو۔ اور میرے پاس آ جاؤ۔ یعنی تم اپنے نفس سے گم ہو جاؤ تو مجھ کو اپنے نفس سے بھی زیادہ اپنے قریب پاؤ گے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

تم صرف ایک ورد اپنے اوپر لازم کرو۔ اور وہ ورد یہ ہے۔ خواہش نفسانی کو ختم کر کے مولائے حقیقی کی محبت کرنی ہے۔

وباللہ التوفیق

اور چونکہ عبادتوں سے غفلت اور سستی کرنا نفس انسانی کی شان ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عبادتوں کے لئے وقت مقرر کر دیا۔ جیسا کہ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:-

قَيَّدَ الطَّاعَاتِ بِأَعْيَانِ الْأَوْقَاتِ ، لِئَلَّا يَمْنَعَكَ عَنْهَا وُجُودُ التَّسْوِيفِ ، وَوَسَّعَ عَلَيْكَ الْوَقْتَ لِيَبْقَى لَكَ حِصَّةُ الْإِخْتِيَارِ

"اللہ تعالیٰ نے عبادتوں کو مقررہ اوقات کے ساتھ مقید کر دیا۔ تاکہ ٹال مٹول اور کاہلی تم کو عبادت

سے تم روک دے۔ اور تمہارے لئے عبادتوں کے ادا کرنے کے وقت کو وسیع کر دیا۔ تا کہ تمہارے لئے اختیار باقی رہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ عمل میں سستی اور ٹال مٹول کرنا، اور لمبی امید باندھنا نفس کی شان ہے۔ تو اگر اس کو اس کے اختیار کے ساتھ چھوڑ دیا جائے، تو وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔ اور چونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو یہ علم ہے، کہ اس کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں، جن کو صرف محبت نہیں ابھارتی ہے اور صرف رغبت ان کو نہیں کھینچتی ہیں۔ بلکہ ان کو صرف دوزخ کا خوف اور امتحان کی زنجیریں اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچتی ہیں۔ یا جنت کی نعمت کے حرص کا جال، اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت سے پھر گیا، اس کے لئے اس نے دردناک عذاب کی وعید فرمائی۔ اور جس شخص نے اس کی اطاعت کی اور اس کا قرب حاصل کیا۔ اس کے لئے ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتوں کا وعدہ فرمایا۔ پھر وہ احکام اور فرائض ان کے اوپر واجب کئے، جن میں اس کی اطاعت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ان کے ادا کرنے کے لئے مخصوص وقت مقرر فرمایا۔ کیونکہ اگر وہ ان کو اپنے بندوں کا اختیار پر چھوڑ دیتا، تو فرائض و احکام کے ادا کرنے کے ساتھ بہت ہی کم لوگ یعنی صرف شوق و محبت والے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ کہ اس نے عبادتوں کے لئے مخصوص اوقات کو وسیع فرمادیا۔ اس طرح بندوں کے لئے اختیار کا حصہ باقی رہ گیا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ظہر کے وقت کو عصر تک اور عصر کے وقت کو سورج کے زرد ہونے تک اور مغرب کے وقت کو عشا تک اور عشا کے وقت کو آدھی رات تک اور فجر کے وقت کو طلوع آفتاب کے قریب تک وسیع کر دیا۔

اے بندو! اللہ تعالیٰ نے ان عبادتوں کو جو تمہارے اوپر واجب کیا ہے، مقررہ اوقات کے ساتھ مقید کر دیا۔ تا کہ کاہلی اور ٹال مٹول تم کو عبادتوں کے ادا کرنے سے روک نہ دے۔ پھر تم کو اس حد تک نہ پہنچا دے کہ تم عبادتوں کو بالکل چھوڑ دو۔ اور عبادتوں کے اوقات کو تمہارے لئے وسیع کر دیا۔ تا کہ تمہارے لئے اختیار کا کچھ حصہ باقی رہے۔

اس لئے اگر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے وقت کو تنگ کر دیتا، تو یہ بہت سی پریشانیاں اور

مجبوریوں کا سبب بن جاتی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی مِنَّتِهٖ وَرَضْعَةِ رَحْمَتِهٖ

سب تعریفیں اس کے احسان اور اس کی رحمت کے وسیع ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔"

منقول ہے :- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے - میں نے تم کو عدم سے وجود میں لایا۔ پھر میں نے فضل وکرم کی نمارت سے تمھاری مدد کی۔ میں نے تمھاری آنکھوں میں روشنی پیدا کی تاکہ تم اس سے میری قدرت کی دلیلوں اور عظیم الشان نشانیوں کو دیکھو۔ اور تمھاری بصیرت میں نور عطا فرمایا تاکہ تم اس سے میرے خطاب کو سمجھو۔ اور اطاعت کے ذریعے میرے عذاب سے بچو۔ اور میرے ثواب کی امید رکھو۔ کیونکہ میں نے طاعت پر تم سے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ اور نافرمانی پر تم کو عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ پھر میں نے تم کو ان اعمال کی تکلیف دی۔ جس کے کرنے کی تم طاقت رکھتے ہو اور میں نے تمھارے لئے اوقات کے سلسلے میں ہر تنگی کو وسیع کیا۔ لہٰذا اگر تم ان اعمال کو جو میں نے تمھاری ابتدائی عمر میں تمھارے اوپر واجب کیا ہے، آخری عمر میں بھی ادا کرتے تو میں ان کو تمھاری طرف سے قبول فرما لیتا۔ لہٰذا بتاؤ وہ کون ہے جس نے تم کو ان کے ادا کرنے سے روکا؟ اس کے لئے تمھارے پاس گمراہی اور سرکشی کے سوا کوئی عذر نہیں ہے۔

اور یہ مشہور مثل ہے :- جو طلب کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور جو ڈر جاتا ہے وہ ناکام ہو جاتا ہے۔

اور غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو مجاہدہ کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر پرورش واجب کر لی ہے اس کے اوپر واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کا قول سب سے سچا ہے۔

وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

"اور بیشک اللہ تعالیٰ احسان والوں کے ساتھ ہے۔"

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

"جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم اپنی راہوں کی طرف ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔"

اور مندرجہ ذیل اشعار میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے:۔

لَوْ صَحَّ مِنْكَ الْهَوٰى اُرْشِدْتَ لِلْحِيَلِ

وَالصِّدْقُ سَيْفٌ يُنِيْلُ غَايَةَ الْاَمَلِ

"اگر تمہارا عشق سچا ہوتا تو تمہاری طرف تمہاری رہنمائی کی جاتی۔ کیونکہ سچائی ایسی تلوار ہے، جو امید کے آخری درجے تک پہنچا دیتی ہے۔"

فَكُنْ اَخَاهِمَّةٍ تَسْمُوْ بِصَاحِبِهَا

وَلَا تَكُنْ بِالتَّوَانِيْ مُحْبِطَ الْعَمَلِ

"لہٰذا تم ایسی ہمت کے مالک ہو، جو اپنے مالک کو بلند کر دیتی ہے اور تم سستی سے عمل کو ضائع نہ کرو۔"

حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ اس آیہ کریمہ کو بار بار پڑھتے اور روتے تھے:۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

"کیا جن لوگوں نے گناہ کیا ہے، انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان لوگوں کو ان لوگوں کی طرح بنا دیں گے، جو ایمان لائے ہیں اور اچھا عمل کیا ہے۔"

اور چیخ کر کہتے تھے:۔ اے کاش مجھ کو یہ معلوم ہوتا، اے میرے نفس! تو دونوں گروہوں میں سے کس گروہ میں ہے؟

اور اس آیہ کریمہ کا نام: "مُبْكِيَةُ الْعَابِدِيْنَ"

عابدین کو رلانے والی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ اہل موافقت، اہل مخالفت کی طرح نہیں ہیں۔ اہل موافقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ

"قدرت والے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے پاس صدق کے مقام میں ہوں گے۔"

اور اہل مخالفت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فِي عَذَابِ السَّعِيْرِ

''عذاب دوزخ میں ہوں گے۔''

اور چونکہ مصنفؒ نے عبادت کے لئے وقت مقرر کرنے کی حکمت بیان کی۔ لہذا عبادت کے واجب کرنے کی حکمت بھی بیان کی۔ چنانچہ فرمایا:۔

عَلِمَ قِلَّةَ نُهُوْضِ الْعِبَادِ إِلَى مُعَامَلَتِهِ ، فَأَوْجَبَ عَلَيْهِمْ وُجُوْدَ طَاعَتِهِ

فَسَاقَهُمْ إِلَيْهِ بِسَلَاسِلِ الْإِيْجَابِ ، أَوْجَبَ عَلَيْكَ وُجُوْدَ طَاعَتِهِ ، وَ مَا أَوْجَبَ عَلَيْكَ إِلَّا دُخُوْلَ جَنَّتِهِ

''اللہ تعالیٰ نے معلوم کیا کہ بندے اس کے معاملہ (عبادت) کی طرف بہت ہی کم سبقت کریں گے۔ لہذا اس نے اپنی عبادت ان کے اوپر واجب کر دی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی طرف واجبات کی زنجیروں کے ذریعے کھینچا۔'' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے راضی ہوا، جو جنت کی طرف زنجیروں سے باندھ کر لے جائے جاتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی طاعت کو واجب کیا تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے تمہارے اوپر جنت میں داخل ہونے کو واجب کیا ہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ یہ تشریع کی حکمت ہے۔ لیکن مصنف نے صرف اہل ظاہر کی حکمت کو بیان فرمایا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے:۔ جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے علم اور حکمت سے یہ معلوم کیا کہ اس کے بندے اس کی عبادت کی طرف بہت ہی کم سبقت کریں گے۔

جیسا کہ اس نے فرمایا۔

وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ

''اور میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہیں۔''

اور دوسری جگہ فرمایا:۔

وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ '' اور شکر گزار بندے کم ہیں۔''

لہذا جب اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم کیا تو اس نے ان کے اوپر اپنی عبادت کو واجب کر دیا۔

اور بلاشبہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر قسم کے منفعتوں (فائدہ پہنچانے والی چیزوں) سے فائدہ اٹھانے سے بے نیاز ہے۔ اور اس نے تم کو عبادت کرنے کا حکم اس لئے دیا اور گناہوں سے اس لئے منع کیا ہے۔ کہ عبادت کرنے میں تم کو فوائد حاصل ہوں گے۔ اور گناہوں سے پرہیز کرنے میں تم نقصانات سے بچو گے گویا اس نے اپنی عبادت کو تمہارے اوپر واجب نہیں کیا ہے۔ بلکہ تمہاری جنت میں داخل ہونے کو تمہارے اوپر واجب کیا ہے۔

ایک حکیم یعنی عارف نے فرمایا ہے:- تم کو معلوم ہونا چاہیئے۔ اطاعت میں مختلف مرتبے اور درجے ہیں اور مخالفت میں مختلف کبیرہ گناہ اور دوزخ کے نیچے کے درجے ہیں۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:-

إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَتَرَاءَوْنَ الْغُرْفَةَ فَوْقَهُمْ كَمَا يَرَى أَهْلُ الْأَرْضِ الْكَوَاكِبَ الدُّرِّيَّ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ، قِيلَ:- يَا رَسُولَ اللَّهِ تِلْكَ مَنَازِلُ الْأَنْبِيَاءِ؟ قَالَ:- وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ رِجَالٌ آمَنُوا بِاللَّهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ

"اہل جنت اپنے اوپر کی طرف بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے۔ جس طرح زمین والے آسمان کے کناروں پر روشن ستارے کو دیکھتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا:- یا رسول اللہ! کیا وہ بالا خانے انبیاء علیہم السلام کے مقامات ہوں گے؟ آپ نے فرمایا:- اس ذات اقدس کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ وہ بالا خانے ان لوگوں کے لئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے اس کے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔"

اور ایک دوسرے عارف نے فرمایا ہے:- آدمی تین قسم کے ہیں۔

ایک قسم:- ایسے لوگ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت، عبودیت اور شکر اور تعمیل حکم اور خدمت کے حقوق کے ساتھ قائم ہونے کے لئے کرتے ہیں۔ لہذا وجب:- ان کے مرتبہ اور درجہ کو زیادہ کر دیتا ہے۔

اور دوسری قسم:- وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت، واجب کی تعظیم کے لئے کرتے ہیں۔ لہذا واجب ان کے [illegible]

اور تیسری قسم :- وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ تعالٰی کی عبادت ، اس کے عذاب کے خوف اور اس کے ثواب کی امید سے کرتے ہیں۔ لیکن اگر عذاب کا خوف اور ثواب کی امید نہ ہوتی تو وہ اس کی عبادت نہ کرتے۔ لہٰذا واجب ان کے لئے اللہ تعالٰی کا لطف و کرم ہے اور تینوں میں بھلائی ہے۔ اگرچہ تینوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

میں کہتا ہوں۔ تحقیق یہ ہے کہ لوگ دو قسم کے ہیں:

ایک قسم :- وہ لوگ ہیں جو تکلیف کی بنا پر اللہ تعالٰی کی عبادت کرتے ہیں اور وہ کثافت و حجاب والے ہیں۔

دوسری قسم :- وہ لوگ ہیں۔ جو تعظیم کی بنا پر اللہ تعالٰی کی عبادت کرتے ہیں اور وہ علم اور معرفت والے ہیں۔

اہل حجاب۔ خوف اور طمع سے اللہ تعالٰی کی اطاعت کرتے ہیں۔

اور اہل عیان - محبت اور شکر ادا کرنے کے لئے اللہ تعالٰی کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام اور خواص اولیائے کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ہے۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا

"کیا میں اللہ تعالٰی کا شکر گزار بندہ نہ ہوں"

لہٰذا اہل باطن کے نزدیک خدمت کے واجب ہونے میں صرف یہی حکمت ہے کہ ربوبیت کے اس سر کی پوشیدگی کو ظاہر کیا جائے جو عبودیت کے مظاہر میں ہے۔ کیونکہ عبودیت کے بغیر ربوبیت ایسا نقص ہے کہ اس کے اوپر اپنی حکمت کا باطل کرنا لازم آتا ہے۔ اور ربوبیت کے بغیر عبودیت ایسا محال ہے کہ اس کے وجود کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ایک عارف کا شعر ہے:-

مَنْ لَا وُجُوْدَ لِذَاتِہٖ فِیْ ذَاتِہٖ ۔۔۔ فَوُجُوْدُہٗ لَوْلَاہُ عَیْنُ مُحَالٖ

"جس شی کا وجود اپنی ذات سے مستقل نہیں ہے۔ اگر اس کا وجود نہ ہو اس کے لئے دوسری شی کا محتاج ہے۔

لہذا اگر اس کے وجود کی بات نہ ہوتی تو اس شی کا وجود کہاں ہوتا۔" یعنی عبودیت اپنے وجود کے لئے ربوبیت کی محتاج ہے۔ لہذا "اگر ربوبیت نہ ہوتی تو عبودیت کا وجود نہ ہوتا۔"

اور اسی بنا پر جب عارفین اس راز کی حد تک پہنچ جاتے ہیں، کہ عبودیت کے لئے بذات خود مستقل وجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کے وجود کی حکمت صرف یہ ہے کہ عبودیت کے احکام کے ظاہر کرنے کے ساتھ ربوبیت کے راز کی صورتیں متعلق ہیں۔ اور عارفین اس کو حال اور ذوق سے پہچانتے ہیں، تو ان کی عبادت شکر ہو جاتی ہے اور وہ عبودیت میں محمول (اٹھائے گئے) ہیں، نہ کہ حامل (اٹھانے والے)۔ ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ لہذا ایسے لوگوں کی عبادت حقیقت میں بہت زیادہ ہے۔ اگرچہ وہ ظاہر میں کم ہو۔ اور ان کی عبادت کبھی کم ہوتی بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے کل تصرفات عبادت ہیں۔ ان کا سونا اور ان کا کھانا پینا اور ان کا چلنا سب عبادت ہے۔

اسی قسم کے لوگوں کی شان میں یہ حدیث شریف وارد ہوئی ہے۔

نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ " عالم کا سونا عبادت ہے۔"

نیز حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

رِجَالٌ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ عَلَى الْفُرُشِ الْمُمَهَّدَةِ ، قِيْلَ : مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ فَقَالَ : الذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْرًا

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو فرش بچھے ہوئے راستے پر چل کر جنت میں داخل ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا:- وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے لوگ ہیں۔" یا حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے جس طرح فرمایا ہو۔ اس حدیث شریف کو منذری نے بیان کیا ہے۔

حضرت ابوسلیمان نے فرمایا ہے۔ کبھی عارف اپنے بستر پر وہ مقام پا لیتا ہے، جو وہ نماز میں نہیں پاتا ہے۔ اور بندہ اپنے لئے اس مقام پر پہنچنے کو تعجب خیز نہ سمجھے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل کسی سبب سے نہیں، بلکہ بغیر کسی سبب کے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر مطلب کو پانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا:۔

مَنِ اسْتَغْرَبَ اَنْ يُّنْقِذَهُ اللّٰهُ مِنْ شَهْوَتِهٖ ، وَاَنْ يُّخْرِجَهٗ مِنْ وُجُوْدِ غَفْلَتِهٖ ، فَقَدِ اسْتَعْجَزَ الْقُدْرَةَ الْاِلٰهِيَّةَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا

"جو شخص اس بات کو تعجب خیز سمجھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی شہوت سے نجات دے اور اس کو اس کی غفلت سے باہر نکالے۔ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عاجز سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر مقتدر ہے"

میں کہتا ہوں:۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی شی عاجز و مغلوب نہیں کر سکتی ہے۔ اس کا حکم سب پر غالب ہے۔ اور بندوں کے قلوب اس کے قبضے میں ہیں۔ وہ جس طرح اور جہاں کہیں چاہتا ہے۔ ان کے قلوب کو پھیرتا، اور بدلتا ہے۔ لہذا جو شخص غفلت میں منہمک اور خواہش کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے وہ اس کو حیرت انگیز نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو غفلت سے نکال دے اور اس کو خواہش کے سمندر سے نجات دے۔ کیونکہ ایسا سمجھنا اس کے ایمان میں نقص کی دلیل ہے۔ اور یہ تعجب خیز اور حیرت انگیز کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا

"بیشک اللہ تعالیٰ ہر شی پر قدرت رکھتا ہے۔"

اور تم بھی انہیں میں سے ایک شی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کے حق میں فرمایا ہے:۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

"اے میرے گناہگار بندو! تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا۔" اور دوسری جگہ فرمایا:۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ

"جس شخص نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ

دے کر کہا: اس سوکھی ہوئی شاخ کو لو۔ جب یہ شاخ تمہارے ہاتھ میں ہری ہو جائے تو سمجھ لینا کہ تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔ میں نے اس سوکھی شاخ کو عابد سے خلوص نیت کے ساتھ لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگا۔ وہ اس شاخ کو برابر دیکھا کرتا تھا۔ بالآخر ایک روز وہ سوکھی شاخ نرم اور سرسبز ہو گئی۔

میں کہتا ہوں: میں نے بہت سے لوگوں کو غفلت اور ترک نماز میں ڈوبے ہوئے پایا۔ وہ لوگ دین کی مشہور باتوں میں سے بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ تو یاد دہانی اور نصیحت کے طریقے سے ان کے واقف ہونے کا اقرار کرایا۔ پھر ان کی حالت میں انقلاب ہوا اور وہ خواص عارفین ہو گئے۔

اور میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو گناہوں میں مشغول، قربانیوں اور قوموں پر ظلم کرنے میں غرق تھے۔ لیکن آخر میں وہ بڑے صالحین میں سے ہو گئے۔

اور میں نے سوس کی سرحد پر عیسائیوں کو دیکھا۔ وہ ذکر کے حلقے کے پیچھے حاضر ہوئے۔ ان کے اندر کشش پیدا ہوئی۔ وہ لوگ ہمارے ساتھ چلے، یہاں تک کہ ہم اس سرحد سے باہر چلے آئے جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے۔ اور اگر ان لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنے کی آسانی میسر ہو جاتی تو وہ لوگ ضرور مسلمان ہو جاتے۔

اور ہمارے ایک بزرگ طریقت اپنے نفس کے غفلت سے نکل جانے پر تعجب سے فرمایا کرتے تھے: یہ بدبخت غلاموں کے بازار کا فروخت کرنے والا۔ لہذا جس شخص کے پاس جو شے بھی ہو، اس کو نکالنا چاہئے۔ پھر اس کے بعد میں نے ان کو ننگے سر، ننگے پاؤں مجذوبیت کی حالت میں دیکھا اور اب وہ خواص اولیائے کرام میں سے ہیں۔

اور ایسا اتفاق اکثر اس شخص کو ہوتا ہے، جو ایسے عارفین کاملین کی صحبت سے فیض یاب ہو جاتا ہے، جن کے پاس اکسیر (کیمیا) ہے اور ایسے عارفین ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں اور یہ بات بہت مشہور ہے۔ اس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ جس شخص کو شک ہو وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ لہذا اس شخص پر بہت ہی تعجب ہے، جو آفتاب کے نکلنے کے بعد اس کی روشنی سے اور چاند کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی روشنی سے انکار کرتا ہے۔ لیکن ان کا حال ویسا ہی ہے، جیسے کہ قصیدہ

نے اس پر کیا ہے۔

جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

رُبَّمَا وَرَدَتِ الظُّلَمُ عَلَيْكَ لِيُعَرِّفَكَ قَدْرَ مَا مَنَّ بِهِ عَلَيْكَ

''اکثر اوقات تمہارے اوپر تاریکیوں کو وارد کرتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس احسان کی قدر تم کو پہنچوائے، جو اس نے ان تاریکیوں کے ذریعے تمہارے اوپر کیا ہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کہ جو چیز تلاش اور محنت کے بعد ملتی ہے، وہ اس سے زیادہ مزے دار اور قابل قدر ہوتی ہے، جو بغیر محنت کے حاصل ہوتی ہے۔ اور جدائی کے بعد جو محبت پیدا ہوتی ہے، وہ اس محبت سے زیادہ شیریں اور پائدار ہوتی ہے، جو بغیر جدائی کے حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ خلوص اور صفائی جو ظلم اور سختی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس خلوص اور صفائی سے زیادہ خالص اور صاف ہوتی ہے، جو ظلم اور سختی کے بغیر حاصل ہوتی ہے۔ اور نفس کو اس کی مرغوب چیزوں اور عادتوں سے جدا کر کے فرماں بردار کرنا، اس سے زیادہ اہم ہے کہ وہ بغیر محنت اور سختی کے فرماں بردار ہو جائے۔ کیونکہ بردار اجرت ہو، یا قدر و منزلت، محنت اور کوشش کے مطابق ہوتی ہے۔

لہذا بندے کے اوپر پہلے غفلت اور شہوت وارد ہونے میں یہی حکمت ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو اس غفلت اور شہوت سے باہر نکالے۔ تو وہ اس نعمت کی قدر و منزلت کو پہچانے، جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے۔

لہذا اے انسان! اکثر اوقات اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ظلمتوں کو مسلط کرتا ہے اور ظلمتوں سے مراد:۔ غیر اللہ اور کدورت نفسانی اور خواہشات و عادات کی محبت ہے۔ لہذا تم غیروں اور کدورتوں اور خواہشوں اور عادتوں کے سمندر میں ڈوب جاتے ہو۔ اور ان کی تاریکیوں کے قید خانے میں مقید ہو جاتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ تم کو ایک گھڑی میں ان تاریکیوں سے نکال لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس لئے کرتا ہے۔ تاکہ تمہارے اوپر معرفت الٰہی کا دروازہ کھل جانے کے بعد تم اس احسان کی قدر و منزلت کو پہچانو، جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر کیا ہے۔ پھر تم اس کو پہچان کے بعد اللہ تعالیٰ

سے محبت اور اس کا شکر زیادہ سے زیادہ کرو۔ اور تمہارے نزدیک ان کے اسرار کا مرتبہ اور قدر بڑھ جائے اور تم ان کے حق کو پہچانو اور غیر مستحق سے ان کی حفاظت کرو۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کو مکروہات (سختیوں) سے گھیر دیا ہے۔ تاکہ بندے اس میں داخل ہونے کے بعد اس نعمت کی قدر کو پہچانیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرما کر ان کے اوپر احسان کیا ہے۔

اسی طرح عارفین کی جنت بھی سختیوں سے گھری ہوئی ہے۔ تاکہ عارف اس سر کی قدر و منزلت کو پہچانے، جو اللہ تعالیٰ نے اس پر ظاہر کیا ہے۔ اور اس کامیابی کی قدر کو جانے، جو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشی ہے۔

اور تم کو یہ جاننا چاہئے۔ کہ یہ ظلمتیں، جو قلوب پر وارد ہو کر علام الغیوب اللہ تعالیٰ سے روک دیتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے دنیا اور نفس اور شیطان کی طرف سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شخص دنیا کو ترک کر دیتا ہے۔ اور اپنے نفس سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور اپنے ہاتھ کو اس سے آزاد کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنا کرتا ہے۔ کہ شیطان جس کو چھوڑ دیتا ہے۔ تو وہ شخص احباب کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ علم غیوب کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب قلب کو پیدا فرمایا۔ تو اس کو اپنے اسرار کا خزانہ اور اپنے انوار کی کان اور اپنے بندے کے اندر اپنے دیکھنے کا مظہر بنایا اور اللہ تعالیٰ نے بندے کے وجود میں قلب سے افضل کوئی شئی نہیں پیدا فرمائی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قلب کے دروازے پر سب سے کثیر اور جنس تی والدی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ ہے:۔ مختلف متضاد اشیا کا ایک جگہ جمع ہونا۔ ان کے ایک جگہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو قدرت حاصل نہیں ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قلب کے دروازے پر مردار اور کتے کو ڈال دیا۔ مردار = دنیا ہے۔ اور کتا = شیطان ہے۔ کتا مردار کو نوچ کر کھا رہا ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے سر کے خزانے میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس کے لئے مردار دنیا سے آنکھ بند کر لینا اور کتے شیطان سے منہ پھیر لانا لازمی اور ضروری ہے۔

اس لئے کہ جس شخص نے شیطان سے اور اس کی مراد دنیا سے منہ پھیر لیا، اس پر شیطان کے غالب ہونے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

اور جو شخص دنیا اور شیطان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس سے وہ نور چھن جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اور یہ اس کے لئے اس تالے کی طرح ہے، جو خزانے پر ہوتا ہے۔ اور وہ تالا خزانے میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔

عارفین نے فرمایا ہے:۔ دنیا شیطان کی لڑکی ہے اور دنیا دار اس کا داماد ہے۔ لہذا باپ اپنی بیٹی سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک لڑکی شوہر کی حفاظت میں ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا زَهَّدَهُ فِي الدُّنْيَا وَرَغَّبَهُ فِي الْأُخْرَى وَ بَصَّرَهُ بِعُيُوبِ نَفْسِهِ ، قِيلَ :۔ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَيُّ النَّاسِ شَرٌّ ؟ قَالَ :۔ اَلْأَغْنِيَاءُ يَعْنِي الْبُخَلَاءَ . ثُمَّ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :۔ وَ مَنْ عَظَّمَ غَنِيًّا لِأَجْلِ غِنَاهُ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ كَعَابِدِ وَثَنٍ وَ مَنْ أَسِفَ عَلَى دُنْيَا فَاتَتْهُ اِقْتَرَبَ مِنَ النَّارِ مَسِيرَةَ سَنَةٍ

"جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کے اندر دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کو اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا:۔ یا رسول اللہ! کون لوگ برے ہیں؟ حضرت ﷺ نے فرمایا:۔ وہ مالدار جو بخیل ہیں۔ پھر حضرت علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:۔ جو شخص کسی دولتمند کی عزت و تعظیم اس کی دولت کی وجہ سے کرتا ہے۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک بت پرست کی طرح ہے۔ اور جو شخص دنیا کے کھو جانے پر افسوس کرتا ہے۔ وہ دوزخ کی طرف ایک سال کی مسافت (فاصلہ) کے برابر بڑھ کر قریب ہو جاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ جس شخص نے مال سے محبت کی۔ اس نے مجھ سے محبت نہیں کی۔ اور جس نے دنیا سے محبت کی۔ اس نے مجھ سے محبت نہیں کی۔ کیونکہ ایک قلب میں میری محبت اور دنیا کی محبت کبھی نہیں سما سکتی ہے۔

اے موسیٰ! جو شخص مخلوق سے ڈرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ڈرتا ہے اور جو شخص روزی کے کھو جانے سے ڈرتا ہے وہ میرے اوپر بھروسہ نہیں کرتا ہے۔ مجھ کو اپنی عزت و جلال کی قسم، جو بندہ میرے اوپر بھروسہ کرتا ہے، میں اس کے لئے کافی ہو جاتا ہوں۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ ملک اور ملکوت کی کنجیاں میرے ہی قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور جو بندہ مجھ کو مضبوط پکڑتا ہے۔ میں اس کو جنت میں داخل کرتا ہوں۔ اور اس کے کل اہم اور ضروری کاموں کے میں کافی ہوں۔ اور جو شخص میرے سوا غیر کو مضبوط پکڑتا ہے، تو میں اس کے اوپر کی طرف سے اسباب وذرائع کو منقطع کر دیتا ہوں۔ اور اس کے نیچے کی طرف سے زمین کو سخت کر دیتا ہوں اور مجھ کو اس کی پروا نہیں ہوتی ہے کہ اس کو کس طرح ہلاک کر دوں۔

اے موسیٰ! میں نے تمہارے لئے توریت کو پانچ کلموں (باتوں) پر ختم کیا ہے۔ اگر تم ان پر عمل کرو گے۔ تو کل علوم تمہارے لئے مفید ہوں گے۔ ورنہ کوئی علم بھی تم کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

پہلا کلمہ:- تمہارے لئے جس روزی کی ذمہ داری میں نے لی ہے۔ اس پر پورا یقین اور بھروسہ رکھو۔ جب تک میرا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ اور میرا خزانہ ہمیشہ بھرا رہے گا۔ کبھی خالی نہ ہوگا۔

دوسرا کلمہ:- جب تک میری بادشاہت ہے تم کسی بادشاہت سے نہ ڈرو۔ اور میری بادشاہت ہمیشہ رہے گی۔ کبھی نہ مٹے گی۔

تیسرا کلمہ:- جب تک تمہارے اندر کوئی عیب موجود ہے تم دوسرے کے عیب کو نہ دیکھو۔ اور بندہ عیب سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا ہے۔

چوتھا کلمہ:- جب تک تمہارے جسم میں تمہاری روح ہے۔ اس وقت تک تم شیطان سے جنگ کرنا بند نہ کرو۔ کیونکہ شیطان بھی تم سے جنگ کرنا بند نہیں کرے گا۔

پانچواں کلمہ:- جب تک تم اپنے کو جنت میں نہ دیکھو، مجھ سے بے خوف اور بے فکر نہ رہو۔ اور جنت میں بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ تم کو معلوم ہے۔ لہذا مجھ سے کبھی بے خوف اور بے فکر نہ رہو۔

میں کہتا ہوں:- یہ سب دوسروں کے لئے تشریع (قانون سازی) ہے کیونکہ تمام انبیاء

علیہم السلام معصوم ہیں۔ اور جو تعلیم وتربیت ان کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے مراد انبیاء کے علاوہ ان کی امت اور دوسرے لوگ ہیں۔

وباللہ التوفیق

پھر وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ احسان کرتا ہے اور اس کو اس کے نفس کی قید سے نکالتا ہے۔ اور اس کو اس کی غفلت کے قید خانے سے آزاد کرتا ہے۔ اگر وہ اس نعمت کی قدر نہیں کرتا ہے۔ تو اس سے یہ نعمت فوراً سلب کر لی جاتی ہے۔

جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ قَدْرَ النِّعَمِ بِوِجْدَانِهَا عَرَّفَهَا بِوُجُوْدِ فُقْدَانِهَا

"جو شخص نعمتوں کے حاصل ہونے پر ان کی قدر ومنزلت نہیں پہچانتا ہے۔ وہ ان نعمتوں کے کھو جانے کے بعد ان کی قدر پہچانتا ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ مصنفؒ نے جو بیان کیا وہ مجرب اور درست ہے۔ اور وہ اس طرح کہ کبھی بندے کو نعمتیں اور رحمتیں متواتر عطا کی جاتی ہیں۔ لیکن بندہ ان کی قدر نہیں کرتا ہے اور اس کے نزدیک پوری طرح ان کی عزت وتعظیم نہیں ہوتی ہے۔ پھر جب اس سے وہ نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ اور آفتوں اور دردوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو اب اس کو عافیت اور راحت کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح فقیر کی حالت ہے۔ اس کو حضور اور فکر ونظر حاصل ہوتی ہے۔ لیکن وہ ان کی زیادہ قدر ومنزلت نہیں کرتا ہے۔ پھر جب اس پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور وہ محسوس ظاہر کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اس کا قلب گم ہو جاتا ہے۔ تب وہ ان چیزوں کی قدر پہچانتا ہے، جو اس کے پاس تھیں۔ پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے التجا کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی چھنی ہوئی نعمت اس کو واپس کر دیتا ہے۔

منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا ہے:۔ اے جبرائیل! میری محبت کی شیرینی، میرے اس بندے کے قلب سے مٹا دو، جس کو میں آزماتا ہوں۔ لہٰذا حضرت

جبرئیل علیہ السلام اس بندے کے قلب سے محبت کی شیرینی مٹا دیتے ہیں۔ پھر جب وہ بے قراری
اور عاجزی کے ساتھ التجا کرتا اور روتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے۔ تم میری
محبت کی شیرینی اس بندے کے قلب میں واپس کر دو۔ کیونکہ میں نے اس کو سچا پایا ہے۔ اور جب
بندے کے قلب سے محبت کی شیرینی مٹا دی جاتی ہے۔ لیکن وہ گریہ وزاری اور عاجزی کے ساتھ التجا
نہیں کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو پھر واپس نہیں کرتا ہے۔ اور اس سے ہمیشہ کے لئے اس شیرینی کو
چھین لیتا ہے اور عطا کر دینے کے بعد چھین لینے سے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اور بندے کو چاہیئے۔ کہ نعمتوں کی قدر معلوم کر لینے کے بعد ان میں غور وفکر کرنے اور
نعمتوں کے حاصل ہونے سے پہلے اپنے نفس کی حالت میں غور وفکر کے ساتھ مدد طلب کرے۔ لہذا
اگر وہ دولتمند ہے تو اپنی پہلے کی محتاجی کی حالت پر ظاہری یا باطنی طور پر غور کرے۔ اور اگر وہ
تندرست ہے تو اپنے مرض کی حالت پر غور کرے۔ اور اگر وہ مطیع وفرماں بردار ہے تو اپنی نافرمانی
اور گناہ کی حالت پر غور کرے۔ اور اگر وہ ذکر کرنے والا ہے تو اپنی غفلت والی حالت پر غور کرے اور
اگر وہ عالم ہے تو اپنی جہالت کی حالت پر غور کرے اور اگر وہ کسی عارف شیخ کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو
اپنی گمراہی کی حالت پر غور کرے اور اگر وہ عارف ہے تو وہ اپنی جہالت کی حالت پر غور کرے۔ اسی
طرح ہر نعمت کی ضد کے موجود ہونے کی حالت پر غور کرے۔ جو اس کے اندر اس نعمت کے حاصل
ہونے سے پہلے موجود تھی۔ اس طرح غور کرنے سے وہ ان عطا کی ہوئی نعمتوں کی قدر پہچان لے گا۔
پھر ان کا شکر ادا کرے گا۔ تو وہ نعمتیں ہمیشہ اس کو حاصل رہیں گی۔

لیکن جو شخص نعمتوں کی حالت میں غور وفکر نہیں کرتا ہے۔ وہ ان کی قدر نہیں پہچان سکتا
ہے۔ اس لئے وہ ان کا شکر ادا کرنے سے غافل ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ نعمتیں اس سے اس طرح چھن
جاتی ہیں کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا۔ عاجزی کے طور پر
نعمت کا اعتراف کرنا ہے اور ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا خلوص کے ساتھ اس کی خدمت میں
مشغول ہونا ہے اور قلب سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔ احسان کا مشاہدہ کرنا اور حرمت کی حفاظت

اللہ تعالیٰ کا حمد و شکر کرتا ہے۔ تو یہ حمد و شکر اس کی نعمت سے افضل ہو جاتا ہے۔ اور تم کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم سے حاصل کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا۔ اور ان دونوں نے کہا: سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے ہم دونوں کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

اور دوسری جگہ فرمایا:-

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا

"وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرے۔ جنت کی طرف گروہ در گروہ بھیجے جائیں گے۔"

پھر تیسری جگہ فرمایا:-

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ

"اور وہ لوگ کہیں گے:- سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے کئے ہوئے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا۔" اور جنت میں داخل ہونے سے بڑھ کر کون سی نعمت ہے۔

اور چونکہ سب نعمتوں سے افضل اور اشرف نعمت قلب کی دوا اور اس کا شفا پانا ہے۔ اس نفسانی خواہش کے مرض سے جس نے اس کو شہوات کے قید خانے میں مقید کر دیا ہے۔ اور اس کو اس کے مولائے حقیقی کے غضب کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ لہذا مصنف نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ تاکہ اگر اللہ تعالیٰ نے بندے کو اس مرض سے شفا عطا کی ہو تو وہ اس نعمت کی قدر کرے۔ یا اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا نہ دی ہو تو وہ اپنے کو اس نعمت سے محروم کرنے پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ چنانچہ فرمایا:-

تَمَكُّنُ حَلَاوَةِ الْهَوٰى مِنَ الْقَلْبِ هُوَ الدَّاءُ الْعُضَالُ

"قلب کے اندر خواہش کی شیرینی کا قائم ہو جانا ہی [illegible]"

میں کہتا ہوں :- خواہش کی شیرینی دو قسم کی ہوتی ہے۔

ایک قسم، نفس کی خواہش :- دوسری قسم، قلب کی خواہش۔ پہلی قسم نفس کی خواہش :- وہ اس کی جسمانی خواہشات ہیں۔ جیسے کہ کھانے اور پینے کی چیزوں، اور لباسوں، اور سواریوں اور نکاحوں اور مکانوں کی شیرینی۔

دوسری قسم، قلب کی خواہش :- وہ اس کی باطنی خواہشات ہیں۔ جیسے کہ مرتبہ اور سرداری اور عزت اور تعریف اور خصوصیت اور کرامت کی خواہش، اور محسوس ظاہری عبادتوں کی شیرینی مثلاً زاہدوں اور عابدوں کا مقام، اور حروف کے علم کی شیرینی۔

لیکن نفس کی خواہش کا علاج :- اس کا معاملہ قریب یعنی آسان ہے۔ اور اس کا علاج :- اس کے مقام سے بھاگ کر اور زہد (ترک دنیا) اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرکے، کرنا ممکن ہے۔

لیکن قلب کی خواہش کا علاج :- جب وہ قلب میں قائم ہو جائے۔ تو بہت مشکل ہے اور وہ ایسی مشکل بیماری ہے، جس نے طبیبوں کو عاجز کر کے اس کے علاج سے روک دیا ہے۔ لہذا وہ برابر جھٹا رہتا ہے۔ اور دوا سے اس کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ اور اس مرض یعنی قلب کی خواہش کو صرف اللہ تعالیٰ سابق عنایت سے، کسی وسیلے کے ذریعے یا بغیر وسیلے کے دور کر سکتا ہے۔

جیسا کہ حضرت مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

لَا يُخْرِجُ الشَّهْوَةَ مِنَ الْقَلْبِ ، إِلَّا خَوْفٌ مُزْعِجٌ أَوْ شَوْقٌ مُقْلِقٌ

"ہلا دینے والے خوف، یا بے قرار کر دینے والے شوق کے سوا کوئی شے قلب سے خواہش کو نہیں نکالتی ہے۔"

میں کہتا ہوں :- جب خواہش قلب میں مضبوطی سے قائم ہو جاتی ہے۔ تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔

اور عام عادت کے مطابق اس کا نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کسی قہری واردجلالی، یا جمالی سے نکلتی ہے۔

اور وارد جلالی :- وہ ڈرا دینے والا خوف ہے۔ جو تم کو تھر تھرا کر تمہاری خواہش سے روک دیتا ہے۔ لہٰذا وہ تم کو تمہارے مقام اور اصل سے باہر کر دیتا ہے۔

اور وارد جمالی :- وہ بے قرار کرنے والا شوق ہے۔ جو تم کو بے قرار کر کے تمہاری مرادوں اور فوائد سے باز رکھتا ہے۔ پھر وہ تمہارے نفس کو تم سے بھلا دیتا ہے۔ اور تم کو تمہارے رب سے مانوس کرتا ہے۔ اور اس مرض کے مشکل اور سخت ہونے کی وجہ سے علمائے کرام اللہ تعالیٰ سے زیادہ حجاب میں ہوتے ہیں۔ پھر عابدین، پھر زاہدین زیادہ محجوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ خواہش پوشیدہ ہوتی ہے اور اس خواہش والا اس آیہ کریمہ کا مصداق ہے :-

أَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ

"اللہ تعالیٰ نے اس کو علم پر گمراہ کر دیا۔"

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا

اور وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے عمل کر رہے ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو خصوصیت کے راستے سے گمراہ کر دیا اور وہ لوگ عمومیت کے راستے میں باقی رہ گئے۔

لیکن ظاہری علمائے کرام :- تو وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے علم سے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ یعنی ان کا یہ ظاہری علم ہی سب سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ میں نے بعض علماء کو یہ کہتے سنا ہے :- احسان کا مقام ان علما کا ہی مقام ہے، جو وہ کتاب وسنت کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس سے اوپر کوئی کوئی مقام نہیں ہے۔ تو اس خیال کا ان کے قلوب سے نکلنا عنایت سابقہ کے سوا کس طرح ممکن ہے۔

لیکن عابدین اور زاہدین :- وہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ مجت اور عبادت کی انتہا یہی ہے۔ اور وہ ظاہری کرامات، جو وہ دیکھتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ان کا حجاب زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ اپنے اس حال میں مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔

لیکن عوام، اور غافل لوگ :- تو یہ لوگ اطاعت اور فرماں برداری اور اپنے رب کی طرف بڑھتے

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَ شَرِيكَهُ

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرتا ہے۔ جس میں وہ میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرتا ہے۔ تو میں اس عمل کو اور اس کے شریک کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے:۔

ثَلَاثَةٌ اَوَّلُ مَنْ تُسْعَرُ بِهِمْ جَهَنَّمُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، فَذَكَرَ الْقَارِيَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَ الشُّجَاعَ الَّذِي يُقَاتِلُ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَ الْغَنِيَّ الَّذِي يَتَصَدَّقُ لِغَيْرِ اللّٰهِ

"قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے دوزخ پہلے جلائی جائے گی۔ پھر آپ نے بیان فرمایا۔ پہلی قسم کے لوگ:۔ وہ قاری ہیں، جو غیر اللہ کے لئے پڑھتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ:۔ وہ بہادر ہیں، جو غیر اللہ کے لئے جنگ کرتے ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ:۔ وہ مالدار ہیں۔ جو غیر اللہ کے لئے صدقہ کرتے ہیں۔"

دوسری علت عجب:۔ وہ اپنے نفس کو دیکھنا اور عمل کو اس کی طرف منسوب کرنا اور اپنے کو دوسرے لوگوں پر فوقیت دینی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فَلَا تُزَكُّوا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى

"تم لوگ اپنے آپ کو پاک نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب جانتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔"

بیان کیا گیا ہے:۔ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں:۔ جب تم کوئی عمل کرو، تو یہ نہ کہو کہ میں نے کیا، اور اس عمل کو ان لوگوں کے سامنے ظاہر کرو، جو اس عمل کے معلوم کرنے کی وجہ سے تمہاری عزت کریں۔ اس لئے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ، شُحٌّ مُطَاعٌ، وَ هَوًى مُتَّبَعٌ، وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ

"تین چیزیں ہلاک اور تباہ کرنے والی ہیں۔ پہلی، وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے۔ دوسری، وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے۔ تیسری، انسان کا اپنے آپ کو بہتر سمجھنا۔"

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

نعمت ان سے چھن لی گئی۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے نفس سے رہا کر کے اور تم کو تمہارے ہی جنس کے خواص کے زمرے میں شامل کر کے تمہارے اوپر انعام کرے اور تم نعمتوں میں ڈوب جاؤ۔ تو اس کی شکر گزاری سے غافل اور مدہوش نہ ہو جاؤ۔ اور منعم حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں کے ملنے کا اقرار ہی اس کا شکر بجالانا ہے۔

لہذا جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو، جس کو اس کے نفس نے مقید کر لیا ہے۔ اور خواہش کا مرض اس کے قلب میں پیوست ہو گیا ہے۔ تو تم یہ سمجھو کہ یہ کیسا دشوار اور لا علاج مرض ہے۔ تو اب اس کو صرف ہلا دینے والا خوف، یا بیقرار کرنے والا شوق ہی اس کے قلب سے دور کر سکتا ہے۔ اور جب اس کو خوف ہلا دیتا ہے۔ یا شوق بیقرار کر دیتا ہے۔ تو اس کا قلب خواہش سے پاک اور اس کا عمل خالص ہو جاتا ہے اور اب اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اس کو انوار سے معمور کر دیتا ہے تو انمیں بعض ایسے ہوتے ہیں، جن کے قلب کی گہرائی میں انوار پہنچ جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ظاہر قلب پر انوار ٹھہر جاتے ہیں۔

جیسا کہ مصنف رضی اللہ عنہ نے بائیسویں باب کی ابتدا میں اسی کو بیان فرمایا ہے:-

بائیسواں باب

کدورتوں سے صاف ہو کر انوار کے حاصل کرنے کی ترغیب، وقت کی حفاظت، اللہ تعالیٰ کے بندے سے محبت کرنے کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

اَنْوَارٌ اُذِنَ لَهَا فِي الْوُصُوْلِ، وَاَنْوَارٌ اُذِنَ لَهَا فِي الدُّخُوْلِ

"بعض انوار کو ظاہر قلب تک پہنچنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور بعض انوار کو قلب میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔"

میں کہتا ہوں۔ وہ انوار جن کو قلب تک پہنچنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ وہ ایمان کے انوار ہیں۔ اور وہ کلیوجلی دیہات کے ہیں۔ کیونکہ ان کے قلوب اغیار سے خالی نہیں ہوتے ہیں۔ اور ان سے آثار یعنی تعلق کی صورتیں ختم نہیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا جب وہ انوار آتے ہیں، تو وہ قلب کے اندرونی حصے کو آثار کی صورتوں سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ اس لئے وہ ظاہر قلب پر ٹھہر جاتے ہیں۔ اور ایمان کے انوار کو نور واصل بھی کہتے ہیں۔

اور وہ نور جن کو قلوب میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔ وہ احسان کے انوار ہیں۔ جن کا تعلق شہود وعیان سے ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ چونکہ وہ لوگ اپنے قلوب کو اپنے رب کے ماسوا سے خالی کر لیتے ہیں۔ اس لئے انوار ان کے اندر داخل ہو جاتے ہیں اور قلوب کو کشادہ پا کر ان کی گہرائی میں ٹھہر جاتے ہیں۔ اور ان انوار کو نور داخل کہتے ہیں۔

اور نور واصل اور نور داخل کی پہچان یہ ہے:

نور وصل والا:- تم کبھی اس کو دنیا کے ساتھ دیکھتے ہو اور کبھی آخرت کے ساتھ کبھی اپنے نفس کے فوائد کے ساتھ دیکھتے ہو اور کبھی اپنے رب کے حق میں مشغول پاتے ہو۔ کبھی وہ غفلت میں مبتلا رہتا ہے اور کبھی ہوشیار رہتا ہے۔

نور واصل والا:- تم اس کو ہمیشہ اپنے رب اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھو گے۔ نہ اس کو دنیا کے فوائد اللہ تعالیٰ سے غافل کرتے ہیں، نہ آخرت کے فوائد۔ وہ اپنے نفس سے غائب ہوتا ہے۔ اور اپنے رب کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:- ایمان، جب قلب کے ظاہر میں ہوتا ہے، تو بندہ اپنی آخرت اور اپنی دنیا کو چاہتا ہے۔ لہٰذا ایسا ایمان والا کبھی اپنے رب کے ساتھ اور کبھی اپنے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جس قدر نور قلب میں داخل ہو کر قائم ہوتا ہے۔ اسی قدر بندے کو دنیا سے نفرت ہوتی ہے۔ اور اپنی خواہش کو ترک کرتا ہے۔

اسی مفہوم میں حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:-

اَلنُّوْرُ اِذَا دَخَلَ الْقَلْبَ انْفَسَحَ وَانْشَرَحَ ، قِيْلَ :- فَهَلْ لَهُ مِنْ عَلَامَةٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ :- نَعَمْ ، اَلتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ ، وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ ، وَالتَّزَوُّدُ لِسُكْنَى الْقُبُوْرِ ، وَالتَّاَهُّبُ لِيَوْمِ النُّشُوْرِ

"نور جب قلب میں داخل ہوتا ہے، تو قلب کشادہ ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا:- یا رسول اللہ! کیا نور کے داخل ہونے کی کوئی نشانی (پہچان) ہے؟ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:- ہاں ہے۔ بندے کے قلب میں نور کے داخل ہونے کی نشانی:- دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور آخرت کی طرف مائل ہونا اور قبر میں رہنے کے لئے سامان مہیا کرنا اور قیامت کے دن کے لئے تیاری کرنا ہے۔"

تم یہ جان لو وہ انوار جن کے قلب تک پہنچنے کی اجازت ہے۔ وہ تمام مومنین کے لئے عام ہیں۔

حضرت ابوالحسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے:- اگر گنہگار مومن کا نور ظاہر کر دیا

جائے تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان کی تمام چیزوں پر چھا جائے۔

اور وہ انوار، جن کے قلب میں داخل ہونے کی اجازت ہے، وہ ایسے خواص کے لئے مخصوص ہیں، جو اغیار سے اور انوار کی آلودگی سے پاک ہوتے ہیں۔

لہذا جن لوگوں کو قلب آثار کی صورتوں سے بھرا ہوا ہے، وہ ان انوار کے اسرار کو پانے کی طمع نہ کرے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

رُبَّمَا وَرَدَتْ عَلَيْكَ الْأَنْوَارُ فَوَجَدَتِ الْقَلْبَ مَحْشُوًّا بِصُوَرِ الْآثَارِ ، فَارْتَحَلَتْ مِنْ حَيْثُ جَاءَتْ

"اکثر اوقات تمہارے اوپر انوار وارد ہوتے ہیں۔ لیکن وہ تمہارے قلب کو آثار کی صورتوں سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ لہذا وہ جہاں سے آئے تھے، وہیں واپس چلے جاتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں:۔ اکثر تمہارے اوپر عالم غیب کے انوار وارد ہوتے ہیں، تا کہ تم کو عالم شہادت سے بے نیاز کر دیں۔ لیکن وہ تمہارے قلب کو عالم شہادت کی صورتوں سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ لہذا وہ تمہارے پاس سے رخصت ہو کر واپس چلے جاتے ہیں اور تم کو انہیں صورتوں کے ہاتھوں میں مقید چھوڑ جاتے ہیں۔

یا تم اس طرح کہو:۔ اکثر تمہارے اوپر حقیقت کے انوار وارد ہوتے ہیں۔ تا کہ وہ تم کو ظروف یعنی ظاہر کے قید خانے سے آزاد کرے۔ لیکن وہ تمہارے قلب کو ان سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ لہذا وہ تم کو انہیں کے درمیان ان سے محجوب ہونے کی حالت میں چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں۔

یا تم اس طرح کہو۔ اکثر تمہارے اوپر ملکوت کے انوار وارد ہوتے ہیں۔ لیکن وہ تمہارے قلب کو ملک کی ظلمت سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ لہذا وہ تم کو مخلوق کی ظلمت میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

یا تم اس طرح کہو۔ کبھی تمہارے اوپر جبروت کے انوار وارد ہوتے ہیں لیکن وہ تمہارے قلب کو ملکوت کے انوار سے بھرا پاتے ہیں اور تم کو اس سے خوش اور اس کی رونق اور خوبصورتی پر قناعت گزیں پاتے ہیں۔ لہذا وہ تم کو اسی کے ساتھ تنہا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

سے رحم کا حجاب اٹھ جائیگا اور تمھارا اندر سے ظاہر کی تاریکی دور ہو جائے گی۔ اور تم تمام اشیا کو ملکوتی انوار مشاہدہ کرو گے۔ اور یہ مشاہدہ ذوق و تحقیق کا مشاہدہ ہوگا۔ اور پھر تم پر جبروت کے اسرار سے بھی پھر جائے گا۔ لہذا تم حق کے ساتھ فرق سے نور جبروت کے مشاہدہ کے ساتھ ملکوت کے مشاہدہ سے غائب ہو جاؤ گے۔ اور قدرت کے اسرار تمھارے اوپر منکشف ہوں گے۔ پھر تمھارے اوپر رضا و تسلیم کی ٹھنڈی اور ٹھنڈی ہوا چلے گی اور تم برد باری کریم اللہ تعالیٰ کے پاس ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتوں میں ہوں گے۔

لہذا اس بیان کے مطابق اسرار:۔ معارف سے بلند درکاہ ہیں۔ کیونکہ معارف:۔ ملکوت کے انوار کو کہتے ہیں اور اسرار:۔ جبروت کے انوار کو کہتے ہیں۔

اور جب سائر کے سامنے ملکوت کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ کل کائنات کو نور ہی نور دیکھتا ہے۔ اور وہ ان انوار کا اس لئے محتاج ہے۔ تاکہ وہ ان کے ذریعے ذات کے مشاہدہ تمکین کی طرف ترقی کرے۔

جیسے کہ پڑھنے والا لفظوں کے دیکھنے اور پڑھنے کا محتاج ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ معنی کو یاد کر کے مضبوطی سے ذہن نشین کر لیتا ہے۔ تو اس کو لفظوں کی حاجت نہیں رہتی ہے۔ لہذا وہ ان کا خیال بھی نہیں کرتا ہے۔

اسی طرح، پہلے سائر کے سامنے کائنات کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ ظاہر کی تاریکی سے نکل کر اس نور میں گم ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ہمیشہ سیر کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حقیقت کے مقام پر قابض ہو کر متمکن یعنی مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو مشاہدہ کی حاجت باقی نہیں رہتی ہے۔ اور جبروت کے نور کے پہنچنے کی بنا پر وہ ملکوت کے نور سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اور اس حقیقت کا بیان مصنف کے اس قول کے ضمن میں پہلے ہو چکا ہے۔

"سیر کرنے والے، جب معرفت کو پا لیتے ہیں تو غیر اللہ ان کے قلوب کی آنکھ سے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ اور وہ احدیت کے مشاہدے میں اپنی ذات اور ظاہر سے بالکل گم ہو جاتے ہیں۔ ایک عارف شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

إِنْ تَلَاشَى الْكَوْنُ عَنْ عَيْنِ قَلْبِي فَشَهِدَ السِّرُّ غَيْبَهُ فِي بَيَانٍ

"اگر میرے قلب کی آنکھ سے مخلوق غائب ہو جائے۔ تو سر اپنے غیب کو عیاں دیکھے۔"

فَاطْرَحِ الْكَوْنَ عَنْ عِيَانِكَ وَامْحُ نُقْطَةَ الْغَيْنِ إِنْ أَرَدْتَ تَرَانِي

"لہٰذا تم اپنی آنکھ سے مخلوق کو گرا دو۔ اور غین کے نقطے (یعنی غیر کے عیب) کو مٹا دو۔ اگر تم مجھ کو دیکھنا چاہتے ہو۔"

اور یہ بھی احتمال ہے:۔ کہ مصنف نے معارف سے علوم عرفان اور اسرار سے، ذوق اور وجدان، مراد لیا ہو۔ کیونکہ معارف:۔ معرفت کے علوم ہی ہیں، اس حیثیت سے کہ وہ ہر شے میں معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور کسی شے کا انکار نہیں کرتا ہے۔ اور اسرار:۔ ان علوم کے ذوق کو کہتے ہیں اور معرفت پہلے علم ہوتی ہے۔ اور آخر میں ذوق بن جاتی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے:۔ کہ واؤ عطف تفسیر کے لئے ہو۔ اس صورت اسرار ہی معارف ہوں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اور جو شخص اس مقام تک سیر کر کے جلدی پہنچنا چاہتا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اپنے قلب کو اغیار سے خالی کر کے پوری طرح پاک وصاف کرے۔ کیونکہ قلب اغیار سے جس قدر خالی اور پاک ہوتا ہے۔ اسی قدر انوار ومعارف سے آراستہ ہوتا ہے۔ اور جس قدر صفائی ہوتی ہے۔ اسی قدر ترقی ہوتی ہے۔

اسی لئے عارفین نے سالک کو نکاح کرنے اور اسباب وذرائع کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے روک دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہر تعلق سے پاک نہیں ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی تعلق اس کو ہوتا ہی ہے۔ اور جب تک ہر تعلق سے پاک نہ ہو ترقی نہیں کر سکتا ہے۔

پھر جب وہ حقیقت میں مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ تو اس کے معروف اللہ تعالیٰ کی مراد کے سوا، اس کی کوئی مراد باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ جو کچھ اس کے مولائے حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوتا ہے۔ وہ اس کو بخوشی قبول کرتا ہے۔

اور اگر مرید کے لئے سفر لمبا ہو جائے۔ یعنی اس کی کامیابی میں تاخیر ہو جائے۔ اور وہ ان

اسرار کو نہ پائے، اور اس کے اوپر وہ انوار نہ ظاہر ہوں۔ تو وہ اس کو اپنے رب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش میں تاخیر نہ سمجھے۔ کیونکہ وہ بہت بڑا سخی اور بخشش کرنے والا ہے۔ بلکہ اپنی طرف سے توجہ کرنے اور اس کی طرف سبقت کرنے میں کوتاہی تصور کرے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

لَا تَسْتَبْطِئِ النَّوَالَ، وَلٰكِنِ اسْتَبْطِئْ مِنْ نَفْسِكَ وُجُوْدَ الْإِقْبَالِ

"تم اللہ تعالیٰ کی بخشش میں تاخیر اور دوری کا خیال نہ کرو۔ بلکہ تم اپنی طرف سے توجہ میں کوتاہی اور خلوص میں کمی کا تصور کرو۔"

میں کہتا ہوں:- اللہ سبحانہ تعالیٰ بڑا سخی و فیاض اور برداشت کرنے والا مہربان ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے

مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْهِ شِبْرًا تَقَرَّبَ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنْهُ ذِرَاعًا تَقَرَّبَ مِنْهُ بَاعًا، وَمَنْ أَتَاهُ يَمْشِيْ أَتَاهُ هَرْوَلَةً

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف ایک بالشت کے برابر قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ایک گز یعنی دو ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس چل کر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پاس دوڑ کر آتا ہے۔"

لہٰذا اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے قلب کے ساتھ متوجہ ہوئے ہو۔ پھر بھی اس کی طرف سے معرفت کا دروازہ کھلنے میں دیری ہو۔ تو اس کی طرف سے بخشش یعنی جواب کے ملنے میں تاخیر نہ سمجھو۔ بلکہ اپنی طرف سے توجہ میں کوتاہی اور خلوص میں کمی کا تصور کرو۔ کیونکہ شاید تمہاری توجہ اس کی طرف مکمل طریقے پر نہ ہوئی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ زبان حال سے فرماتا ہے۔ "وہ شخص میرے وصال کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ جس کے اندر میرے غیر کا کوئی شائبہ کسی طرح سے بھی باقی ہو۔"

لہٰذا اگر تم نے اغیار سے جنابت جو تمہارے وضو کو توڑنے والی ہے، دور کر لی ہے۔ اور اگر تم غفلت کی نجاست سے پاک ہو گئے۔ تو تم حضوری کی مسجد میں داخل ہونے کے مستحق ہو گئے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالے کی طرف تمھاری توجہ مکمل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالے کا ادب تم سے فوت ہو جاتا ہے۔ اور یہی تمھارے لئے بخشش میں تاخیر کا سبب ہوتا ہے۔ اگرچہ تمھاری توجہ اللہ تعالے کی طرف درست اور خالص ہوتی ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ تم یہ یقین کر لو کہ اللہ سبحانہ تعالے ہر فضل و کرم کا اہل ہے۔ لیکن یہ تم کوئی ایسا غلام بھی دیکھتے ہو۔ جو اپنے آقا کے سامنے بے ادبی کرتا ہو اور اپنے چہرے سے شرم و حیا ہٹا دیتا ہے۔ للہذا اگر بندہ ایسا کرتا ہے تو وہ بخشش سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

اہل معرفت نے فرمایا ہے۔ تمھارا اہل استقامت ہونا تمھارے اہل کرامت ہونے سے افضل ہے۔

اور جس شخص نے اپنے کو اللہ تعالے کے ہاتھ بیچ دیا اور اپنے مولا سے حقیقی کا خریدا ہوا غلام ہو گیا، تو اب وہ کسی شی کا حق اپنے تعلق کس طرح جتا سکتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ حکایت بیان کی گئی ہے:۔

انھوں نے ایک شخص کو دیکھا۔ جس نے ایک گھر خریدا اور اس کی رجسٹری کرانے کا ارادہ کیا۔ حضرت ذوالنون نے اس سے فرمایا:۔ تم ایسا گھر کیوں خریدتے ہو جو فنا ہو جائے گا۔ اور اس گھر کو نہ چھوڑو جو باقی رہے گا۔ اس شخص نے کہا:۔

کیا میں نے کوئی ایسا گھر خریدا ہے۔ جو باقی رہے گا؟ حضرت نے فرمایا:۔ کیا تم نے اللہ تعالے سے وہ گھر نہیں خریدا ہے جس کا نام دار السلام ہے؟ وہ سلامتی اور بزرگوں کی ہمیشگی کا گھر ہے۔ تاکہ تم اس گھر میں امن و چین حاصل کرو۔ اور ایسی نعمتوں کا لطف حاصل کرو۔ جو قیمتوں سے نہیں خریدی جا سکتی ہے۔ وہ ایسا گھر ہے۔ جس کی چار حدیں (چوحدی) یہ ہیں۔

ایک طرف:۔ خائفین (خوف خدا والوں) کی منزلیں ہیں۔ دوسری طرف:۔ عارفین کی منزلیں ہیں۔ تیسری طرف:۔ مشتاقوں کی منزلیں ہیں۔ چوتھی طرف:۔ محبین (محبت والوں) کی منزلیں

[illegible]

"اس لئے کہ جو وقت بھی آتا ہے، اس میں تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا ایک نیا حق اور تاکیدی حکم واجب ہوتا ہے۔ تو تم اس وقت میں دوسرے وقت کا حق کیسے ادا کرو گے۔ حالانکہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ کے واجب حق کو تم نے ابھی ادا نہیں کیا ہے۔"

میں کہتا ہوں: اے بندو! تمہارے اوپر جو وقت بھی آتا ہے، اس وقت میں تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا ایک نیا حق واجب ہوتا ہے۔ خواہ وہ ذکر ہو، غور و فکر یا مراقبہ یا مشاہدہ، ظاہری یا باطنی خدمت۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

"ہر شخص نے اپنے پینے کے گھاٹ کو پہچان لیا ہے۔"

اور عبودیت میں ثابت ہونے اور ربوبیت کے وظیفوں کے ساتھ قائم ہونے میں سے ایک تاکیدی حکم واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی وقت کے لئے حق یا مؤکد حکم سے تم غافل ہو گئے اور دوسرا وقت آ گیا۔ تو تم سے قضا فوت ہو گئی۔ اور گزرے ہوئے وقت کے لئے تم شرمندہ ہو گئے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک وقت کا حق تم دوسرے وقت میں ادا کرو۔ حالانکہ اس دوسرے وقت کا خود ایک مخصوص حق ہے۔ اور اس کا ادا کرنا اسی وقت میں تمہارے اوپر واجب ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تم ایک وقت کے حق کو دوسرے وقت میں ادا کرو۔ حالانکہ اس دوسرے وقت میں اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے، تم نے اس کو ادا نہیں کیا ہے۔

حاصل یہ ہے:۔ ہر وقت کا ایک حق ہے۔ اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کی کوئی قضا نہیں ہے۔ اسی لئے صوفیائے کرام نے آداب میں بیان کیا ہے:۔

تصوف: انفاس کو ضبط کرنا اور حواس کی حفاظت کرنی ہے۔

انفاس:۔ سانسوں کے حرکت اور سکون کو کہتے ہیں اور ان کا ضبط کرنا: مختلف قسم کی حالتوں سے ان کو آزاد رکھنا ہے۔ لہٰذا جو شخص سانسوں کے حقوق کو ضائع کر دیتا ہے، وہ تصوف کے ادب سے خارج ہو جاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

یعنی ان لوگوں نے ، اللہ تعالیٰ کی جیسی عبادت کرنی چاہئے تھی ، ویسی نہیں کی ۔ اور جیسا اس کے پہچاننے کا حق ہے ، ویسے نہیں پہچانا ۔ اسی لئے اوقات کے حقوق کی قضا ناممکن ہے ۔ کیونکہ اس میں سانسوں اور خطرات کی حفاظت لازمی ہے اور جبکہ ان کی حفاظت سے نماز کی حالت میں لوگ عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ ہر وقت کیوں نہ عاجز ہو جائیں گے یعنی کبھی ۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ

" اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے ، خاص کرتا ہے ۔"

بعض عارفین نے فرمایا ہے :۔ تیس سال کا زمانہ گزرا ، میرے قلب میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کا خیال نہیں پیدا ہوا ۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے :۔

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے ۔ وہ اپنے جسمانی اعضا کو اس چیز میں استعمال کرتا ہے ، جو اس کے محبوب کو پسند ہوتی ہے ۔ اور اس کے کل اوقات عبادت کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور اگر اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دنیا حائل ہو جائے ۔ تو وہ فوراً دنیا کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے ۔ اور چونکہ عبادت ایسے لوگوں کے ارواح کی غذا ہوتی ہے ۔ لہٰذا اگر وہ عبادت کو چھوڑ دیں تو وہ مر جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے فیض پہنچائے ۔ آمین

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اوقات کے حقوق ضائع کرنے میں عمر بھی ضائع ہوتی ہے : جو ہر چیز سے بھی زیادہ قیمتی ہے ۔ جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے ۔

مَا فَاتَ مِنْ عُمُرِكَ لَا عِوَضَ لَهُ ، وَمَا حَصَلَ لَكَ مِنْهُ لَا قِيمَةَ لَهُ

" تمہاری جو عمر فوت ہو گئی ، اس کا بدل کچھ نہیں ہے ۔ اور تمہاری عمر میں سے جتنا تم کو حاصل ہوا ۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے ۔"

میں کہتا ہوں ۔ مومن کی زندگی جو اس کا اصل سرمایہ ہے ۔ اسی میں اس کا نفع اور نقصان ہے ۔ لہٰذا جس نے اس کو مضبوطی سے پکڑا ۔ (یعنی نیک اعمال میں صرف کیا) وہ کامیاب ہونے والوں میں شامل ہوا اور جس نے اس کو فضولیات اور برے کاموں میں ضائع کیا ۔ وہ نقصان

انہوں نے والوں میں شامل ہوا۔ لہٰذا زندگی کا جو حصہ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے سوا دوسرے کاموں میں گزرا۔ وہ ضائع ہو گیا۔ اس کا بدل کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ جو وقت چلا گیا، وہ اب کبھی نہیں لوٹے گا۔ اور زندگی کا جو حصہ تم کو حاصل ہو گیا، اس کے لئے کوئی ایسی قیمت نہیں ہے۔ جو اس کے برابر ہو سکے۔ اس لئے کہ اگر تم اس حاصل شدہ زندگی کے حصے میں سے ایک گھنٹے کے بدلے میں زمین کے برابر سونا خرید لو۔ تو بھی اس ایک گھنٹے کے عوض یہ قیمت کم ہو گی۔ کیونکہ زندگی کا وہ ایک گھنٹہ جس میں تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو۔ تم اس کے عوض ایک بڑا ملک اور دائمی نعمت پاؤ گے۔ اگر ساری دنیا بیچ دی جائے۔ تو وہ اس دائمی نعمت کے ایک فی صد کے برابر بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

اسی بنا پر سلف صالحین، اوقات کی حفاظت بڑی سختی سے کرتے تھے۔ اور وقت کے ضائع ہو جانے میں وہ اپنی ساری کوشش خرچ کر دیتے تھے۔ وہ ہر وقت کوشش، تیاری میں لگے رہتے تھے۔ اور وقت کی حفاظت کے لئے کل راحت و آرام ترک کر دیتے تھے۔

حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے:-

لَا تَأْتِي عَلَى الْعَبْدِ سَاعَةٌ لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيهَا إِلَّا كَانَتْ عَلَيْهِ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"بندے پر جو گھڑی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر گزرتی ہے۔ وہ گھڑی قیامت کے دن اس کے لئے حسرت و افسوس کا باعث ہو گی۔"

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:- بندے کی عمر کے باقی حصے کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ بندہ اسی باقی حصے میں عمر کا جو حصہ فوت ہو گیا ہے، اس کا تدارک کرتا ہے۔ اور جو عمر بچی ہے، اس کو زندہ کرتا ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- جو وقت فوت ہو جاتا ہے، وہ پھر واپس نہیں ملتا ہے اور وقت سے زیادہ قیمتی کوئی شے نہیں ہے۔

اسی حقیقت کے بارے میں یہ شعر کہا گیا ہے:-

السَّابِقُ السَّابِقُ قَوْلاً وَ فِعْلاً ۔۔۔ حَذِّرِ النَّفْسَ حَسْرَةَ الْمَسْبُوقِ

"قول و عمل میں آگے بڑھو اور گزرے ہوئے وقت کی حسرت سے اپنے کو بچاؤ۔"

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں۔ جو اپنے انفاس اوقات کی حفاظت اور حرص اس سے زیادہ کرتے تھے۔ جتنی حفاظت اور حرص تم لوگ دینار اور درہم کی کرتے ہو۔ جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے دینار اور درہم کو کسی فائدہ کے بغیر خرچ نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنا کوئی سانس عبادت کے بغیر ضائع نہیں کرتے تھے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے۔ جب آپ کھانا بنایا کیجئے تو اس کو تھوڑا سا پتلا کر دیا کیجئے۔ کیونکہ پتلے اور خشک کے درمیان پچاس تسبیح کا فرق ہے۔"

حضرت ابو علی جرجانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

میں نے چالیس سال سے روٹی نہیں کھائی ہے۔ کیونکہ اس کے چبانے میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ میں صرف ستو پانی میں گھول کر پی لیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہوں۔ کیونکہ میں نے چبانے اور نگلنے کے درمیان ساٹھ تسبیح شمار کیا ہے۔

روایت ہے۔ رات اور دن کے چوبیس گھنٹے۔ قیامت کے دن چوبیس بار خزانے کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔ لہذا جس شخص نے ان کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد کیا ہے۔ وہ ان کو نعمتوں سے بھرے ہوئے خزانوں کی شکل میں پائے گا۔ اور جس نے ان کو ضائع کیا ہے۔ وہ ان کو خالی خزانوں کی شکل میں دیکھے گا۔ پھر افسوس کرے گا اور شرمندہ ہوگا۔

حدیث شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہے:۔

إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ بَيْنَمَا هُمْ فِي نَعِيمِهِمْ إِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُورٌ مِنْ فَوْقِ أَضَاءَتْ مِنْهُ مَنَازِلُهُمْ كَمَا تُضِيءُ الشَّمْسُ لِأَهْلِ الدُّنْيَا، فَيَنْظُرُونَ إِلَى رِجَالٍ مِنْ فَوْقِهِمْ أَهْلِ عِلِّيِّينَ يَرَوْنَهُمْ كَمَا يُرَى الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ وَقَدْ فُضِّلُوا عَلَيْهِمْ فِي الْأَنْوَارِ

وَالْجَمَالِ وَالنَّعِيمِ كَمَا فُضِّلَ الْقَمَرُ عَلَى سَائِرِ النُّجُومِ فَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِمْ يَسِيرُونَ عَلَى نُجُبٍ تَسْرَحُ بِهِمْ فِي الْهَوَاءِ يَزُورُونَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، فَيُنَادِي هَؤُلَاءِ يَا إِخْوَانَنَا مَا أَنْصَفْتُمُونَا، كُنَّا نُصَلِّي كَمَا تُصَلُّونَ وَنَصُومُ كَمَا تَصُومُونَ، فَمَا هَذَا الَّذِي فُضِّلْتُمْ بِهِ عَلَيْنَا، فَإِذَا النِّدَاءُ مِنْ قِبَلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّهُمْ كَانُوا يَجُوعُونَ حِينَ تَشْبَعُونَ، وَيَعْطَشُونَ حِينَ تَرْوَوْنَ، وَيَعْرَوْنَ حِينَ تَكْتَسُونَ، وَيَذْكُرُونَ حِينَ تَنْسَوْنَ، وَيَبْكُونَ حِينَ تَضْحَكُونَ، وَيَقُومُونَ حِينَ تَنَامُونَ، وَيَخَافُونَ حِينَ تَأْمَنُونَ، بِذَلِكَ فُضِّلُوا عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

''اہل جنت، جب کہ وہ اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے۔ کہ اچانک ان کے سامنے، ان کے اوپر سے ایک نور چمکے گا۔ اس سے ان کے مکانات اس طرح روشن ہو جائیں گے، جس طرح کہ سورج کے نکلنے سے دنیا والوں کے مکانات روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اوپر کی طرف دیکھیں گے۔ تو ان کو اہل علیین کے کچھ لوگ دکھائی دیں گے۔ وہ ان لوگوں کو ایسا روشن دیکھیں گے۔ جیسے کہ آسمان کے ستارو ں پر روشن ستارہ دکھائی دیتا ہے۔ اور ان لوگوں کے انوار اور جمال اور نعمتوں میں اسی قدر فضیلت (زیادتی) ہوگی۔ جس قدر چاند کی روشنی کی فضیلت سب ستاروں پر ہے۔

پھر وہ ان لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ لوگ ایسی سواریوں پر سوار ہیں۔ جو ان کو سوار کر کے ہوا میں اڑ رہی ہیں۔ اس حال میں کہ وہ لوگ اللہ بزرگ و برتر کے دیدار سے مشرف ہیں۔ لہذا اہل جنت، اہل علیین سے پکار کر کہیں گے:۔ اے ہمارے بھائیو! تم لوگوں نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ہم تمہاری ہی طرح نمازیں پڑھتے تھے۔ اور تمہاری ہی طرح روزے رکھتے تھے۔ پھر وہ کیا شے ہے، جس کی بنا پر تم لوگوں کو ہمارے اوپر اس طرح فضیلت عطا کی گئی ہے؟ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ جواب دیا جائے گا۔ جس وقت تم لوگ آسودہ ہو کر کھاتے تھے، اس وقت یہ لوگ بھوکے رہتے تھے۔ اور جس وقت تم پیٹ بھر پانی پیتے تھے، اس وقت یہ لوگ پیاسے رہتے تھے۔ اور جس وقت تم لوگ کپڑے پہنتے تھے۔ اس وقت یہ لوگ ننگے رہتے تھے۔ اور جس وقت تم لوگ غافل

رہتے تھے، اس وقت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ اور جس وقت تم لوگ ہنستے تھے، اس وقت یہ لوگ روتے تھے۔ اور جس وقت تم لوگ سوتے تھے، اس وقت یہ لوگ نوافل میں کھڑے رہتے تھے اور جس وقت تم لوگ بے خوف اور پرسکون رہتے تھے، اس وقت یہ لوگ خوف سے بے چین رہتے تھے۔ اسی وجہ سے آج ان لوگوں کو تم لوگوں پر یہ فضیلت عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

"کسی شخص کو نہیں معلوم ہے۔ جو کچھ آنکھ کو ٹھنڈک پہنچانے والی چیزوں میں سے، ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ یہ ان کے ان اعمال کا بدلہ ہے، جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔"

اور ان چیزوں میں سے، جو اوقات کی حفاظت اور مسلسل عبادت کرنے پر مدد کرتی ہیں۔ ماسوا اللہ کو ترک کرنا، اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی شے سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس کا ذکر اکثر کرتا رہتا ہے۔ اور اس کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور اس کے سامنے سرنگوں رہتا ہے۔ اور اس کا حقیقی غلام بن جاتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

مَا اَحْبَبْتَ شَيْئًا اِلَّا كُنْتَ لَهُ عَبْدًا ، وَهُوَ لَا يُحِبُّ اَنْ تَكُوْنَ لِغَيْرِهِ عَبْدًا

جب تم کسی شے سے محبت کرتے ہو تو تم اس کے غلام بن جاتے ہو۔ اور تمہارا محبوب یہ نہیں پسند کرتا ہے، کہ تم اس کے سوا کسی دوسرے کے غلام ہو۔"

میں کہتا ہوں:۔ قلب جب کسی شے سے محبت کرتا ہے۔ تو اس کی طرف بڑھتا اور اس کے سامنے جھکتا اور اس کے ہر حکم کی اطاعت کرتا ہے:۔

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

"محبت کرنے والا اس کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ (یعنی اپنے محبوب کا) اور عبودیت کی حقیقت یہی ہے:۔ عاجزی سے جھکنا اور اطاعت کرنا اور قلب کا صرف ایک رخ ہے اور انسان کے پہلو میں صرف ایک قلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

خواہش بنا لیا ہے۔ اس کے سوا کسی سے محبت نہیں کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے علم اور روشنی پر قائم ہے۔ اللہ تعالٰے نے اس کو اپنی محبت میں گم کر دیا ہے۔ اور اس کے کان اور قلب پر اپنی محبت کی مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال کر اس کو اپنے ما سوا کے دیکھنے سے روک دیا ہے۔ تو اس ہدایت عظمٰی کی طرف اللہ تعالٰے کے سوا کون اسکی رہنمائی کر سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالٰے کے سوا اس کا رہنما کوئی نہیں ہے۔

یہ تفسیر، عبادت کے ظاہر کے اعتبار سے آیہ کریمہ کے ظاہری سیاق سے خارج ہے۔ لیکن یہ اس آیہ کریمہ کی باطنی تفسیر ہے مگر اس آیہ کریمہ کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔

دوم تم کو یہ معلوم ہونا چاہئے۔ کہ اللہ تعالٰے کے کلام اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کے لئے اس گروہ صوفیائے کرام کی تفسیر مقررہ معنی کے خلاف ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ معنی مقصود معنی نہیں ہے۔ لیکن وہ لوگ آیت اور حدیث کو اس معنی پر مقرر کرتے ہیں۔ جس پر لفظ دلالت کرتا ہے۔ پھر یہ لوگ ان اشاروں اور باریکیوں اور اسرار کو سمجھتے ہیں جو ظاہری منشا سے خارج ہیں۔ اللہ تعالٰے نے ان کے اسرار کی صفائی کی بنا پر ان کو خاص طور پر یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ مصنف ؒ نے لطائف المنن میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

اب ہم اس بیان کی طرف لوٹتے ہیں، جو پہلے بیان کر رہے تھے۔ یعنی یہ کہ بندے کو اللہ تعالٰے کی عبودیت اور اس کے سوا سے آزادی طلب کرنی چاہئے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔

تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيْفَةِ

"دینار اور درہم اور چادر کا بندہ تباہ ہوا۔"

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ فرمایا۔

وَالزَّوْجَةُ تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَإِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ

اور بیوی کا بندہ تباہ و برباد ہوا اور اگر اس کو کانٹا چبھے تو نہ نکالا جائے۔"

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا:

بندہ کون ہے؟ حضرت نے جواب دیا۔ بندہ وہ ہے جس کے دل میں غیر اللہ کا ذرا سا تعلق باقی ہو۔ کیونکہ مکاتب وہ غلام ہے جس کے اوپر ایک درہم باقی ہو۔ پھر ان سے دریافت کیا۔ آزاد کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ آزاد وہ ہے۔ جو اپنی طبیعت کی غلامی سے نجات پا گیا ہو۔ اور اس کا قلب اس کے نفس کی خواہشات سے نکل گیا ہو۔

منقول ہے:۔ حضرت شبلی رضی اللہ عنہ کے ایک مرید تھے۔ ایک روز ایک شخص نے ان کو ایک عبا پہنا دیا۔ حضرت شبلی کے سر پر ٹوپی تھی مرید کے دل میں ٹوپی کی خواہش پیدا ہوئی تاکہ عبا کے ساتھ ٹوپی بھی ہو جائے۔ حضرت شبلی کو اس کے دل کا خیال کشف سے معلوم ہو گیا۔ لہذا عبا کو اس کے جسم سے اتروالیا۔ اور اس کو ٹوپی کے ساتھ شامل کر کے دونوں کو آگ میں ڈال دیا۔ اور مرید سے فرمایا۔ تم اپنے دل میں غیر اللہ کی طرف کوئی توجہ باقی نہ رکھو۔

بعض اہل ظاہر علماء نے جو ظاہری شریعت پر منجمد ہیں۔ اصل مقصد سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کے اس فعل پر اعتراض کیا ہے۔ اس لئے کہ صوفیائے کرام کے اعمال کی بنیاد قلبی عبادت پر ہے۔ کیونکہ اگر قلب ظاہری اعمال کے موافق نہ ہو تو وہ اعمال صرف ڈھانچے ہیں۔ جن کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

وباللہ التوفیق

اور تم یہ بیان کرو: جو شخص اپنی طبیعت کی غلامی سے نجات پا گیا اور اپنے نفس کی قید سے رہا ہو گیا۔ وہ اپنے رب کی محبت میں ثابت قدمی سے قائم ہو گیا۔

اور محبت کے لئے ابتدا اور وسط یعنی درمیان اور انتہا ہے۔

محبت کی ابتدا:۔ حکم کی تعمیل اور منع سے پرہیز کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

"آپ فرما دیجئے:۔ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو تم میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے محبت کرے گا۔"

محبت کا وسط:۔ زبان کا ذکر میں مشغول ہونا اور قلب کا محبوب کے مشاہدہ سے متعلق ہوتا ہے۔

محبت کی انتہا۔ اس کو نہ عبارت پا سکتی ہے۔ نہ وہ وہاں تک اشارہ پہنچ سکتا ہے۔

مندرجہ اشعار میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے:-

فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا اللّٰهُ لَا رَبَّ غَيْرُهٗ   حَبِيْبٌ لِقَلْبٍ غَابَ عَنْ كُلِّ مَقْصَدِ

''پس اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ اس قلب کا دوست ہے، جو ہر مقصد سے گم ہو گیا۔''

هَنِيْئًا لِمَنْ قَدْ نَالَ حُبَّ حَبِيْبِهٖ   وَ خَاضَ بِتَرْكِ الْغَيْرِ أَكْرَمَ مَوْرِدِ

''مبارک ہے وہ شخص، جس نے اپنے دوست کی محبت کو پا لیا اور غیر کو ترک کر کے بہترین چشمے میں غوطہ لگایا۔''

نَعِيْمٌ بِلَا حَدٍّ لَدَيْهِ مُجَدَّدٌ   عَلٰى عَدَدِ الْأَنْفَاسِ فِيْ كُلِّ مَشْهَدِ

''اس کے پاس غیر محدود نعمت ہے۔ جو سانسوں کی تعداد کے مطابق ہر منظر میں نئی شکل اختیار کرتی ہے۔''

روایت ہے:- حضرت بایزید رضی اللہ عنہ منبر کے سامنے تشریف فرما تھے۔ جب خطیب نے یہ آیہ کریمہ تلاوت کی:-

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہئے تھی۔''

تو انہوں نے اپنے اوپر اتنا ضبط کیا کہ ان کی آنکھوں سے خون جاری ہو گیا۔ لہٰذا ان حقیقتوں تک نہ عوام پہنچ سکتے ہیں، نہ خواص، بلکہ ان کے درجے سے صرف خاص الخاص حضرات ہی آشنا ہوتے ہیں۔

اسی حقیقت میں ایک عارف نے بہت خوب اشعار فرمائے ہیں:-

وَ حَقِّكَ لَوْ أَدْنَيْتَ قَلْبِيْ صَبَابَةً   لَكُنْتُ غَنِيْ هٰذَا حَبِيْبٌ إِلٰى قَلْبِيْ

''تیرے حق کی قسم، اگر تو میرے قلب کو محبت میں فنا کر دے۔ تو اس کے باوجود تو میرے قلب کو

محبوب رہے گا۔"

أَزِيْدُ عَلَى عَذْلِ الْعَذُوْلِ تَشَوُّقًا وَوَجْدًا عَلَى وَجْدٍ وَّ حُبًّا عَلَى حُبٍّ

"میں ملامت کرنے والے کی ملامت کے باوجود شوق میں بڑھتا جاتا ہوں اور وجد پر وجد اور محبت پر محبت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔"

أَبَى الْقَلْبُ إِلَّا أَنْتَ فِي كُلِّ حَالَةٍ حَبِيْبًا وَلَوْ دَارَتْ عَلَيْهِ يَدُ الْكَرْبِ

"میرے قلب نے ہر شی کی محبت سے انکار کر دیا ہے۔ مگر تم کو ہر حال میں محبوب بنایا ہے۔ اگرچہ اس پر مصیبت کا ہاتھ پھرے۔"

فَلَا تَبْتَلِيْهِ بِالْبِعَادِ فَإِنَّمَا تَلَذُّذُ أَنْفَاسِ الْمُحِبِّيْنَ بِالْقُرْبِ

"لہٰذا جدائی سے میرے قلب کا امتحان نہ لے۔ کیونکہ عاشقوں کے سانسوں کی لذت محبوب کے قرب میں ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کے اپنے بندے سے محبت کرنے کا مفہوم، جب وہ اس پر توجہ کرے:۔ اپنی بارگاہ سے اس کو قریب کرنا اور اپنے کسی فائدے کے بغیر اس کو اپنی محبت کی ہدایت کرنی ہے۔ اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے اطاعت کرتا ہے۔ اس کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس کی طرف سے منہ پھیر کر نافرمانی کرتا ہے۔ اس کی نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر شی سے بے نیاز ہے۔

جیسا کہ حضرت مصنف نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

لَا تَنْفَعُهُ طَاعَتُكَ ، وَلَا تَضُرُّهُ مَعْصِيَتُكَ ، وَ إِنَّمَا أَمَرَكَ بِهٰذَا وَ نَهَاكَ عَنْ هٰذَا لِمَا يَعُوْدُ إِلَيْكَ ، لَا يَزِيْدُ فِي عِزِّهِ إِقْبَالُ مَنْ أَقْبَلَ عَلَيْهِ ، وَ لَا يَنْقُصُ مِنْ قَدْرِهِ إِدْبَارُ مَنْ أَدْبَرَ عَنْهُ

"تمہاری اطاعت اللہ تعالیٰ کو فائدہ نہیں پہنچاتی ہے۔ اور تمہاری نافرمانی اس کو نقصان نہیں پہنچاتی ہے۔ اور اس نے تم کو جو اطاعت کا حکم دیا، اور نافرمانی سے منع کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ اطاعت کا نفع

اور نافرمانی کا نقصان تمہاری ہی طرف لوٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی طرف بڑھنے والے کا بڑھنا اس کی عزت میں کچھ اضافہ نہیں کرتا ہے۔ اور اس کی طرف سے منہ پھیر کر پیچھے ہٹنے والے کا پیچھے ہٹنا۔ اس کے مرتبہ اور شان کو کچھ کم نہیں کرتا ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز ہے۔ اور ہر شے اس کی محتاج ہے اطاعت کرنے والوں کی اطاعت سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔ اور معصیت کرنے والوں کی معصیت سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔

اور عنقریب مناجات کے سلسلے میں یہ بیان آئے گا:۔ اے میرے معبود تیری رضا مندی اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے تیری طرف سے اس کے لئے کوئی سبب ہو۔ تو پھر میری طرف سے اس کے لئے کوئی سبب کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اپنی ذات میں اس سے بے نیاز ہے کہ تجھ کو تیری طرف سے کوئی فائدہ پہنچے۔ پھر میری طرف سے تو کیوں بے نیاز نہ ہوگا۔؟

لہٰذا اے بندو یا انسانو! تمہاری اطاعت اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی ہے کہ وہ اس کا محتاج ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اور تمہاری معصیت سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس سے عاجز ہو۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ

"وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس نے تم کو اطاعت کا حکم صرف اس لئے دیا ہے تا کہ وہ تم کو اپنی طرف قریب کرے:۔

إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ

"بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان والوں سے قریب ہے۔"

اور اس نے معصیتوں سے تم کو اس لئے منع کیا ہے کہ اس نے معصیت کو اپنی بارگاہ سے دوری کی علامت مقرر کی ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تم کو جن چیزوں کا حکم دیا ہے۔ اس کی قربت اور حضوری کے آداب ہیں اور

جس شی سے تم کو منع کیا ہے۔ اس میں نقصان اور گناہ سے دوری ہے۔ کیونکہ اس میں بے ادبی ہے اور تحقیق یہ ہے ۔ کہ

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ

"وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (یعنی وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے) اور ان لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔ (یعنی سب لوگ اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔)

اس کی طرف متوجہ ہو کر بڑھنے والوں کا بڑھنا اس کی عزت اور مرتبہ میں کچھ اضافہ نہیں کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی عزت اور مرتبہ ازلی قدیم ہے اور اس سے منہ پھیر کر پیچھے ہٹنے والے کا پیچھے ہٹنا اس کی شان میں کچھ کمی نہیں کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کل عالم سے بے نیاز ہے۔ حدیث قدسی میں ہے ۔

لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَ جِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مَازَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا ، وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَ اٰخِرَكُمْ وَ اِنْسَكُمْ وَ جِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا

"اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور انسان اور جن سب کے سب صرف ایک سب سے زیادہ پرہیزگار شخص کے قلب پر جمع ہو جائیں۔ تو ان کے جمع ہونے سے میرے ملک میں کچھ زیادتی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور انسان اور جن سب کے سب صرف ایک سب سے زیادہ بدکار شخص کے قلب پر جمع ہو جائیں۔ تو اس سے میری ملک میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

اس حدیث کو حضرت امام مسلم نے "مسلم شریف" میں بیان کیا ہے۔"

اور اللہ تعالے کے ناموں میں سے ایک نام "قدوس" ہے اس کے معنی ہے۔ پاک۔

بعض محققین نے فرمایا ہے: قدوس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر ایسے کمال سے پاک ہے۔ جو اس کی عزت کے لائق نہیں ہے اور اس طرح نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ہر نقائص سے پاک ہے۔ کیونکہ اس کی طرف نقائص کی نسبت درست ہی نہیں ہے۔ پھر اس سے اس کو پاک سمجھنا کیسا۔ اس لئے کہ کسی شی سے نفی اسی کی ہوتی ہے۔ جس کا ثابت کرنا اس کے لئے درست ہو۔ لہذا اگر تم اس

شی کی نفی کرے۔ جس کا اثبات ہی درست نہیں ہے۔ تو اکثر اوقات یہ نقص ہو جائے گا۔ جیسا کہ یہ جو ہے کہ بادشاہ قصاب نہیں ہے۔ تو اس طرح کہنے سے اس کی ذات میں نقص پیدا ہو جائے گا۔

اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو نقائص سے پاک سمجھنے کی اجازت دی ہے۔ اس سے ان کی مراد کمال تقدیس و تنزیہ (کامل پاکیزگی) ہے۔

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ اگر خالق کی پاکیزگی مخلوق اپنی عاجز زبان سے بیان کرنے چاہے تو وہ نہیں کر سکتی ہے۔ اس لئے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

''میں تیری ثنا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ تو اسی طرح ہے۔ جس طرح تو نے اپنی تعریف کی ہے۔''

پھر بعض عارفین نے اس کو اس طرح فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسمائے حسنیٰ سب کے سب کل ہیں۔ اور مخلوق جزو ہے۔ اور جزو کل کو نہیں گھیر سکتا ہے نہ اس کی حقیقت کو پا سکتا ہے۔ لہذا ایسی تاویلوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مقدس شان کے لائق معنی سے خارج کر دینے والی ہیں۔ یہ تسلیم کرنا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں پہچان سکتا ہے۔

اس حقیقت کے متعلق ایک عارف کا شعر ہے:۔

لَا یَعْلَمُ اللّٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاتَّئِدُوْا ۔۔۔ وَالدِّیْنُ دِیْنَانِ اِیْمَانٌ وَّ اِشْرَاكٌ

''اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ لہذا تم لوگ اس کے جاننے سے عاجز بن جاؤ۔ اور دین دو ہیں۔ ایمان اور شرک''

وَلِلْعُقُوْلِ حُدُوْدٌ لَا تُجَاوِزُهٗ ۔۔۔ وَالْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ

''اور عقلوں کے لئے حدیں مقرر ہیں۔ وہ ان حدوں سے آگے نہیں جا سکتی ہیں۔ اور ادراک کے پانے سے عاجز رہنے ہی کا نام ادراک ہے۔'' یعنی سمجھنے سے عاجز ہونے کا نام سمجھنا ہے۔

اور یہ معرفت کی انتہا ہے۔

اور معرفت کا وسط (درمیان) :۔ حقیقت کے سمندر سے چلو بھر پانی پینا اور طریقت کے اسرار سے آگاہ ہونا ہے۔ اور عوام کی کامل عقلیں اس کو نہیں سمجھ سکتی ہیں۔ اس میں صرف خواص ہی غوطہ لگاتے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں نام سے ذات پر دلیل بیان کی گئی ہے اور یہ ایسا مقام ہے۔ جہاں نام اور ذات اور صفت اور موصوف کے درمیان فرق ختم ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا۔ اسی بنا پر صوفیائے کرام نے فرمایا ہے :۔

پھر فرق کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد صرف جمع الجمع باقی رہتا ہے۔ اور یہی معرفت کی انتہا اور کمال مقصد ہے۔

پس معرفت کی ابتدا :۔ صنعت سے صانع پر دلیل کرنا ہے اور معرفت کا وسط :۔ صانع سے صنعت پر دلیل کرنا ہے۔ اور معرفت کی انتہا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے کا فنا ہو جانا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

"جو کچھ زمین پر ہے وہ سب فنا ہو جانے والا ہے۔ اور صرف تمہارے بزرگی و عزت والے رب اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس باقی رہے گی۔

یہ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ نے مختصر طور پر بیان فرمایا ہے۔

یہاں پانچواں باب ختم ہوا۔

باب کا حاصل

کدورتوں سے پاک ہونے اور انوار کے حاصل کرنے کی رغبت دلانا ہے۔ تو جب تم اپنے قلب کو اغیار کی کدورتوں سے پاک کر لو۔ پھر بھی تمہارے لئے معرفت کا دروازہ نہ کھلے۔ تو تم اللہ تعالیٰ کی بخشش کو دور نہ سمجھو۔ بلکہ تم اس کی طرف اپنے متوجہ ہونے میں کوتاہی سمجھو۔ اور اپنے رب کی طرف بندے کی توجہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی ہے۔ جب تک کہ وہ ہر وقت اس کی طلب میں مستغرق نہ ہو۔ لہٰذا عمر کے ہر وقت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور وقت کی حفاظت بندے کے لئے اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ وہ کائنات کی غلامی سے آزاد نہ ہو جائے۔ اور جب وہ ما سوا کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تو وہ اپنے مولا کے لئے حقیقی بندہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اللہ

سبحانہ تعالے نے اپنی بارگاہ کی حضوری کے لئے اس کو منتخب کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالے کا کوئی فائدہ ہے، نہ نقصان۔ اور در حقیقت اس کا فائدہ اس کی طرف اور اس کا نقصان اس کے اوپر لوٹتا ہے۔ اس لئے کہ توجہ کرنے والے کی توجہ سے اللہ تعالے کی عزت میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی ہے۔ اور منہ پھیر کر پیچھے ہٹنے والے کے پیچھے ہٹنے سے اس کی عزت میں کچھ کمی نہیں ہوتی ہے۔ اور جو شخص بھی اس کے قریب پہنچا ہے، وہ صرف اس کے فضل سے پہنچا ہے۔ اور جو شخص اس سے دور ہوا ہے، وہ اس کے انصاف سے دور ہوا ہے۔

اور بندے کا اپنے مولا سے حقیقی تک پہنچنے کا مفہوم: اس کا اپنے رب کی عظمت کے نور اور اس کی بلندی کا علم ہونا ہے۔ مصنف رضی اللہ عنہ نے تصوف کے باب کی ابتدا میں اس کو بیان فرمایا ہے۔

تیئسواں باب

قرب و وصال اور اس سے پیدا ہونے والے نزول کے مقامات اور احوال کے نتائج اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیازی کے بیان میں

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

وُصُوْلُكَ اِلَيْهِ وُصُوْلُكَ اِلَى الْعِلْمِ بِهٖ ، وَ اِلَّا فَجَلَّ رَبُّنَا اَنْ يَتَّصِلَ هُوَ بِشَيْءٍ

''اللہ تعالیٰ تک تمہارا پہنچنا:۔ اس کے ساتھ علم یعنی اس کی معرفت تک تمہارا پہنچنا ہے۔ ورنہ ہمارا رب تعالیٰ اس سے بلند و پاک ہے کہ وہ کسی شے سے متصل ہو۔''

مصطلحات الفاظ و اصطلاحات

میں کہتا ہوں:۔ اہل فن یعنی صوفیائے کرام نے اس مقام میں کچھ اصطلاحات و الفاظ مقرر کئے ہیں۔ جن کو تم لوگ آپس میں معانی سمجھنے کے لئے استعمال کرتے ہو۔

ان اصطلاحات میں سے :۔ سیر اور رحیل اور منازل اور مناہل اور مقامات کے ذکر ہیں۔

اور انہیں اصطلاحات میں سے رجوع اور وقوف ہیں۔ اور یہ سب الفاظ نفس کے ساتھ مجاہدہ اور اس کے ساتھ جنگ کرنے اور نفس کے تعلقات اور عادات کے ختم کرنے یا ان میں سے کسی شے کے ساتھ ٹھہرنے سے کنایہ ہیں۔

اور عنقریب اس سلسلے میں مصنف کا یہ بیان آئے گا۔ اگر نفوس کے میدان نہ ہوتے تو سائرین کی سیر ثابت نہ ہوتی۔''

اور انہیں اصطلاحات میں سے وصول اور تمکین اور سکون اور اطمینان ہیں۔ اور انہیں

میں سے :- مشاہدہ اور مکالمہ اور مواصلہ اور مسامرہ ہیں۔

اور یہ سب اس سے کنایہ ہیں۔ جو اللہ تعالٰی کی عظمت اور جلال میں سے ان کی ارواح نے حاصل کیا اور جس کا مزہ ان کے اسرار نے چکھا ہے۔ اور ان میں سے کچھ اصطلاحات کی تشریح انشاء اللہ اپنے مقام میں آئے گی۔

اور وصول کے معنی :- صوفیائے کرام کے نزدیک۔ اللہ تعالٰی کے واحد وجود کے علم کا ثابت اور قائم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا تمہارا اللہ تعالٰی تک پہنچنا :- یہ ہے کہ تم کو اپنے عدم (نہ ہونے) کا شعور اس حد تک ہو جائے کہ تمہارے نزدیک تمہارا عدم ضروری ہو جائے اور اسی طرح اللہ تعالٰی کے متعلق تمہارا علم ہو۔ اور فی الحقیقت یہ امر تم کو حاصل ہے۔ لیکن تم کو اس کا شعور نہیں ہے۔

اور بعض صوفیائے کرام نے اس حقیقت کے بارے میں اشعار کہے ہیں۔ ان میں سے بعض شعر حضرت ششتری رضی اللہ عنہ کا ہے :-

بَیْنَ طُلُوْعٍ وَّ نُزُوْلٍ تَخَبَّلَتِ الْغُزُوْلُ

"طلوع اور نزول کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے۔"

اَفْنِ مَنْ لَّمْ یَکُنْ یَّبْقٰی مَنْ لَّمْ یَزُوْلُ

"حقیقت میں جس کا وجود نہیں ہے، اس کو فنا کر دو۔ تا کہ صرف وہ ذات باقی رہ جائے، جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔"

جُوْلْ فِیْ تَزُوْلُ اَوِ امْشِ تَرْجِعِ الْفُحُوْلِ

"فکر کو دوڑاؤ تا کہ تم فنا ہو جاؤ۔ یا مردوں سے مقابلہ کر کے چلو۔"

لہٰذا زوال یعنی فنا ہی معرفت ہے۔ اور یہی وصول کے معنی ہیں۔ اور اس کا سبب فکر کو کام میں لانا ہے۔ اسی لئے فکر کرنے کا حکم بندے کو دیا گیا ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ مشاہدہ سب لوگ کرتے ہیں۔ مگر ان کو معرفت حاصل نہیں ہوتی ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

انسان سب کے سب وحدت کے سمندر میں ہیں۔ لیکن وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ تک بندے کا پہنچنا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے ظہور میں غیبت اور فنا ہو جائے۔ اور اپنے نفس اور کل ماسوی سے فنا ہو جائے۔ ورنہ محسوس مقام کی طرح پہنچنے کا اعتقاد رکھنا باطل ہے۔ اور ایسا ہو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارا رب تعالیٰ اس سے بلند اور اعلیٰ ہے کہ کوئی شی اس سے قریب ہو۔ کیونکہ ہر شی کے لئے ایک مکان میں محدود ہونا لازم ہے۔ یا وہ کسی شے سے قریب ہو۔ کیونکہ ہر شی کے لئے مخلوق اور محدود ہونا لازم ہے۔ اور اللہ اس سے بلند اور پاک ہے۔ کیونکہ وہ غیر محدود اور بے نیاز ہے۔

اور تم یہ معلوم کرو۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ علم کبھی ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے نفس اور حس سے گم رہتا ہے۔ غور کے بعد فکر اور حیرت کے بعد حیرت ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بعد میں ہوشیار ہوتا ہے۔ اور حس کا پردہ اور جہالت کا بادل اور نفس کی ظلمت اس سے دور ہو جاتی ہے۔ پھر دن کا سورج اس کے اوپر روشن ہوتا ہے۔ اور اغیار کی ظلمت اس سے دور ہو جاتی ہے۔

اسی حقیقت کے بارے میں یہ اشعار کہے گئے ہیں:

لَيْلِي بِوَجْهِكَ مُشْرِقٌ　　　وَظَلَامُهُ فِي النَّاسِ سَارِ

"میری رات تمہارے چہرے کے سبب روشن ہے۔ حالانکہ دوسرے لوگوں پر اس کی تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔"

اَلنَّاسُ فِي سَدَفِ الظَّلَامِ　　　وَنَحْنُ فِي ضَوْءِ النَّهَارِ

"لوگ تاریکی کے پردے میں ہیں۔ اور ہم دن کی روشنی میں ہیں۔"

یعنی میرے وجود کی رات تمہاری ذات کے مشاہدے کے سبب روشن ہے۔ اور دوسرے لوگوں پر جدائی کی رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ وہ مخلوق کی ظلمت کے پردے میں ہیں اور ہم عرفان کے سورج کی روشنی میں ہیں۔"

پھر وہ ہمیشہ شیخ کی تربیت میں اس کے زیر سایہ رہ کر اس کی مدد حاصل کر کے اپنے صدق

واخلاص کے مطابق اللہ تعالےٰ کی طرف سیر کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ظلمتوں میں ڈوبا ہوا دشمن یعنی نفس اس کا فرماں بردار ہو جاتا ہے۔ اور خالص نورانی رہ جاتا ہے۔ اور وہ اس کو بذات خود بھی محسوس کرتا ہے۔ اس وقت وہ زبان حال سے کہتا ہے :- مقابلہ کرنے والے دشمن نفس نے شکست کا اقرار کرلیا ہے۔ اور جنگ ختم ہوگئی۔

پھر جب نفس خالص نورانی ہو جاتا ہے۔ تو وہ ہر شی سے مدد حاصل کرتا ہے۔ ہر شی سے پیتا ہے۔ اور ہر شی سے حصہ لیتا ہے۔ پھر اس کے بعد واسطہ تک اس کا پہنچنا شکر واحسان کے طور پر باقی رہتا ہے:-

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ

"تم میرا اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ"

اور اس وقت وہ اپنی زبان حال وقال سے یہ اشعار پڑھتا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا تَفْنٰى مَحَامِدُهٗ   وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فِي الْاٰصَالِ وَالْبُكَرِ

"سب تعریفیں اس اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں، جس کی خوبیاں ختم نہیں ہوں گی۔ اور سب تعریفیں صبح و شام اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہیں۔"

مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ اَضْحٰى عَالِمًا فَطِنًا   بِاللّٰهِ فِيْ كُلِّ مَا يَبْدُوْ مِنَ الصُّوَرِ

"جس شخص کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کو ان تمام صورتوں میں بخوبی پہچانتا ہے، جو ظاہر ہیں۔"

يَا طَالِبَ الْوَصْلِ جُدْ بِالنَّفْسِ مُلْتَفِتًا   عَنْهَا اِلٰى مَنْزِلِ الْاَشْيَاءِ بِالْقَدَرِ

"اے وصل کے طالب نفس سے منہ پھیر کر قضا و قدر سے موافقت کر کے اشیاء کے منزل کی طرف متوجہ ہو کر نفس کو خرچ کر دو۔"

فَاِنْ ظَفِرْتَ فَاَنْتَ الْفَرْدُ وَالْعَلَمُ   اَلْمَنْعُوْتُ بِالْحُسْنِ وَالْحُسْنٰى لِذِيْ نَظَرِ

"لہٰذا اگر تم اس طرح نفس کے خرچ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ تو تم وہ فرد اور نشان ہو۔ جس کی تعریف خوبی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اہل نظر کے سامنے تم بھلائی ہو۔"

اور ان اصطلاحات میں سے: قرب اور استشراف (آگاہی) اور مراقبہ ہیں۔

حضرت مصنفؒ نے قرب کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

قُرْبُكَ مِنْهُ أَنْ تَكُوْنَ مُشَاهِدًا لِقُرْبِهٖ، وَ إِلَّا فَمِنْ أَيْنَ أَنْتَ وَ وُجُوْدُ قُرْبِهٖ؟

''اللہ تعالیٰ سے تمہارے قرب کے معنی یہ ہیں کہ تم اس کے قرب کا مشاہدہ کرتے ہو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تم کہاں اور اس کا قرب کہاں'' چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

میں کہتا ہوں:- جب تم نے اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے اثبات کے ساتھ ثابت ہے اور اس کی ذات کی احدیت کے ساتھ فنا ہے۔ تو تم نے علم الیقین سے یہ جان لیا کہ کائنات اور مکان و زمان کا وجود نہیں اور یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا وجود تھا تو اور اس کے ساتھ زمان و مکان نہیں تھا۔ اسی طرح وہ اب بھی ہے۔ اس کے ساتھ زمان و مکان نہیں ہے۔ اس کی احدیت کے نور نے کائنات کو مٹا دیا ہے۔ لہٰذا اس کے وجود سے زمان و مکان ختم ہو گئے۔ اور صرف اللہ واحد منان باقی رہ گیا۔

بخاری شریف میں حضرت رسول اللہ ﷺ نے روایت کی ہے:-

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَسُبُّ ابْنُ اٰدَمَ الدَّهْرَ وَ أَنَا الدَّهْرُ بِيَدِيَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- آدمی زمانہ کو برا کہتا ہے۔ حالانکہ زمانہ میں ہوں۔ میرے ہی قبضے میں رات اور دن ہیں۔''

لہٰذا حقیقی وجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے ہے۔ اور اس کی صفات کے اثر کے لئے جو ظاہر ہوا۔ اور ان اشیاء میں پوشیدہ ہو گیا جو ظاہر ہوئیں۔

لہٰذا جب تم کو یہ معلوم ہو گیا۔ تو تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے قریب ہے اور ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور اس کے سوا کوئی شے موجود نہیں ہے۔''

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

''اس کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔''

لیکن حکیم مطلق کی حکمت نے حادث اور قدیم کو قائم کیا اور جس شخص کی بصیرت کی آنکھ

اللہ تعالیٰ نے کھول دی، وہ اس کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو عدم دیکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کو گھیرے ہوئے اور اس کے وجود کو فنا کرنے والا ہے اور جس شخص کی بصیرت کی آنکھ اللہ تعالیٰ نے اندھی کر دی۔ وہ فرق کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ اور دوری کے سوا کچھ نہیں پاتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کرنا چاہتا ہے، تو اس کی بصیرت کی شعاع کو کھول دیتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب اور اپنے کو گھیرے ہوئے دیکھتا ہے۔

روایت ہے:۔ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے ایک روز اپنے شیخ کے سامنے کہا:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ يَوْمَ لِقَائِكَ

''اے اللہ! تو اپنی ملاقات کے دن مجھ کو معاف کر دے۔'' ان کے شیخ نے فرمایا اللہ تمہاری رات اور تمہارے دن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے لیکن ظلم نے غفلت کو واجب کیا اور قضا و قدر پہلے ہی فیصلہ کر چکا ہے۔ محبت کے درجوں اور وصال کے مقاموں سے دور ہونے کا حکم دیا۔ اور ظالم کے لئے وہ دن مقرر ہے۔ جس دن وہ شک نہ کر سکے گا۔ نہ کوئی تدبیر کر سکے گا۔ اور سابق حال ظاہر ہو جائے گا۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ''جس روز وہ لوگ تمہارے پاس آئیں گے اس روز وہ اپنے ظلم اور اس کے انجام کو سنیں گے۔ اور دیکھیں گے۔ لیکن آج اس دنیا میں یہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں''

لہذا اللہ تعالیٰ سے تمہارے قریب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کو وجود اور احاطہ کے قرب کی حیثیت سے اپنے قریب مشاہدہ کرتے ہو۔ اور یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ تمہارا عالم لطیف اور تمہارے حس کا دائرہ فنا ہو جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے تمہارا قرب ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ

''اور جب ہم نے تم سے کہا، بیشک تمہارا رب لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ

"کیا تمہارے رب کو کافی نہیں سمجھتے ہو۔ حالانکہ وہ ہر شے کا دیکھنے والا ہے۔"

لیکن اگر تمہارا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ بلکہ تم اپنے نفس کے موجود ہونے اور اپنے حواس خمسہ کے ثابت ہونے کا یقین رکھتے ہو۔ تو تم صرف دوری دیکھو گے۔ کیونکہ کہاں تم اور تمہارا محسوس قرب اور کہاں اللہ تعالیٰ کا لطیف نور۔ کیسے ممکن ہے کہ تم اس کو محسوس آنکھ سے دیکھ سکو؟ ہذا جب تک تم عالم اجسام میں ہو۔ عالم ارواح سے قریب ہونے کی حالت میں بھی اس سے دور رہو گے۔

جیسا کہ ایک عارف نے اس حقیقت کو اشعار میں بیان فرمایا ہے:۔

وَمِنْ عَجَبٍ اَنِّيْ اَحِنُّ اِلَيْهِمْ وَ اَسْاَلُ شَوْقًا عَنْهُمْ وَ هُمْ مَعِيْ

"تعجب ہے کہ میں ان کا مشتاق ہوں اور ان کے بارے میں بڑے شوق سے دریافت کرتا ہوں۔ حالانکہ وہ میرے ساتھ ہیں۔"

وَ تَبْكِيْهِمْ عَيْنِيْ وَ هُمْ بِسَوَادِهَا وَ يَشْكُوْ النَّوٰى قَلْبِيْ وَ هُمْ بَيْنَ اَضْلُعِيْ

"میری آنکھ ان کے لئے روتی ہے۔ حالانکہ وہ میری آنکھ کی پتلی ہی میں ہیں اور میرا قلب جدائی کی شکایت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ میری پسلیوں کے درمیان ہیں۔"

وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، جو کچھ لوگوں سے ان کے قریب ہونے کی حالت میں بھی دور ہے۔ اور کچھ لوگوں سے ان کی دوری کے باوجود قریب ہے۔

اور مصنف کے قول شعاع البصیرت کے بیان میں جو تشریح میں نے پہلے کی ہے۔ تم اس کو پھر غور سے پڑھو۔ تو اس مسئلے کی حقیقت بخوبی تمہاری سمجھ میں آ جائے گی۔

اور اس حکمت یعنی قرب کا حق یہ ہے کہ اس کو وصول سے پہلے بیان کیا جائے کیونکہ قرب، وصول سے پہلے ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی قرب کا بیان پہلے ہونا چاہئے۔ کہ وصول کے بیان کے بعد ترتیب کے لحاظ سے وارادات کا بیان درست ہوتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

قرب کی اقسام

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے اس حکمت کی شرح میں فرمایا ہے :- قرب کی تین قسمیں ہیں :-

ایک قسم ، قرب کرامت :- اور وہ اللہ تعالے کا اپنے بندے کو اس طریقے پر قریب کرنا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالے کو اپنے قریب مشاہدہ کرے۔ پھر وہ اس کے ماسوا کو ترک کر کے اسی سے محبت کرے۔

دوسری قسم ، قرب احاطہ :- اور وہ اللہ تعالے کے علم اور قدرت اور ارادہ اور عام تصرف کا ہرشئی کو گھیرے ہوئے دیکھنا ہے۔ اور یہی اللہ تعالے کا اپنے بندے سے قریب ہوتا ہے۔

تیسری قسم ، قرب مناسبت و مسافت :- اللہ تعالے کی بارگاہ میں یہ قرب ممکن اور درست نہیں ہے۔ کیونکہ مسافت اس کے لئے محال ہے۔ اور اللہ تعالے سے بندے کی مناسبت ناممکن ہے۔

لہٰذا مصنف کے مقدر کلام سے مراد یہ ہے :-

قُرْبُكَ مِنْهُ عَلٰى وَجْهِ الْكَرَامَةِ اَنْ تَكُوْنَ مُشَاهِدًا لِقُرْبِهٖ مِنْكَ عَلٰى وَجْهِ الْإِحَاطَةِ وَ إِلَّا فَمِنْ اَيْنَ اَنْتَ وَوُجُوْدُ قُرْبِهٖ عَلٰى وَجْهِ التَّنَاسُبِ وَالْمُسَافَةِ

" اللہ تعالے سے تمہارا قرب ، کرامت کے طریقے پر اس طرح ہے کہ تم اپنے سے اللہ تعالے کے قرب کو احاطہ کے طریقے پر مشاہدہ کر رہے ہو۔ ورنہ تناسب اور مسافت کے طریقے پر تم کہاں اور اللہ تعالے کا قرب کہاں ؟

میں نے اس مضمون کو اس لئے نقل کیا ہے کہ مجھے معلوم ہے۔ کہ اس کتاب کا مطالعہ وہ لوگ بھی کریں گے جو علوم سے بخوبی واقف ہیں اور وہ لوگ بھی اس کا مطالعہ کریں گے۔ جو علوم سے بخوبی واقف نہیں ہیں۔ تو جب وہ سمندر میں ڈوبنے سے ڈریں گے تو وہ ایک جزیرہ پا جائیں گے۔ جس میں وہ پناہ لیں گے۔

وباللہ التوفیق

اور جو شخص قرب اور وصول کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے اوپر عرفانی حقیقتیں اور ربانی اسرار اور لدنی علوم وارد ہوتے ہیں۔ کبھی وہ مجمل طریقے پر وارد ہوتے ہیں۔ بعد میں ان کی تفصیل ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور کبھی وہ مفصل طریقے پر وارد ہوتے ہیں۔ اور مفصل واردات اکثر اہل تمکین پر وارد ہوتے ہیں۔ اور اکثر یہ واردات فتح اور وصول کے بعد ہی وارد ہوتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے کہا ہے:۔

اگر مصنف پہلے قرب کے مقام کو بیان کرتے اس کے بعد وصول کے مقام کو بیان کرتے، تو بہتر ہوتا۔ تاکہ واردات کا بیان اس کے قریب ہو کر ترتیب درست ہو جاتی۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا:

اَلْحَقَائِقُ تَرِدُ فِي حَالِ التَّجَلِّي مُجْمَلَةً ، وَ بَعْدَ الْوَعْيِ يَكُونُ الْبَيَانُ فَإِذَا ، قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

" حقائق تجلی کی حالت میں مجمل طور پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر یاد کر لینے کے بعد اس کی تشریح ہوتی ہے۔ جب ہم قرآن کو پڑھیں، تو آپ اس پڑھنے کی پیروی کیجئے۔ یعنی اس کو یاد کیجئے۔ پھر اس کو بیان کرنا، یعنی تشریح کرنا ہمارے ذمے ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ حقائق:۔ وہ علوم اور حکمتوں اور معرفتوں کی تجلیاں ہیں، جو عارف کے قلب پر وارد ہوتی ہیں۔ تو وہ حقائق کبھی علوم ہوتے ہیں اور کبھی وہ حکمتیں اور معارف ہوتے ہیں اور کبھی وہ اس غیب کا کشف ہوتے ہیں، جو گذر چکا یا آئندہ ہوگا۔

اور اس کی حکمت یہ ہے۔ کہ روح جب حس کی ظلمت سے نکل کر پاک و صاف ہو جاتی ہے۔ تو اکثر اس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے۔ وہ سچ ہوتا ہے۔ پھر یہ حقائق کبھی تجلی کی حالت میں مجمل طور پر وارد ہوتے ہیں۔ اور انسان ان کو اسی طرح یاد کر لیتا ہے، جس طرح کہ وہ وارد ہوتے ہیں۔ پھر ان میں غور و فکر کرتا ہے۔ تو ان کے معانی ظاہر ہوتے ہیں لہٰذا بیان یعنی معانی کی تشریح بعد میں ہوتی ہے۔

وحی کی چار اقسام

پھر مصنف نے وحی الٰہی کی آیۂ کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ وحی کی چار قسمیں

ہیں۔

ایک قسم:- وحی الہام۔ دوسری قسم:- وحی منام۔ تیسری قسم:- وحی اعلام۔ چوتھی قسم:- وحی احکام۔

اور اولیائے کرام رضی اللہ عنہم وحی کی تین قسموں، وحی الہام اور وحی منام اور وحی اعلام میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ شریک ہیں۔ اور وحی اعلام:- اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ حاصل ہونا ہے۔ اور وحی احکام صرف انبیا علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہذا اولیائے کرام کیلئے وحی الہام ہے۔ وہ پہلے قلب میں مجمل طور پر وارد ہوتی ہے۔ پھر جب وہ اس کو پڑھتا ہے اور اس کی پیروی کو ظاہر کرتا ہے:- اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

(فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ) كَمَا قَرَأْنَاهُ عَلَيْكَ (ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ)

"جب ہم اس کو پڑھیں، تو آپ اس پڑھنے کی پیروی کریں۔ یعنی جس طرح ہم نے پڑھا ہے، اسی طرح پڑھیں۔ پھر اس کے بعد اس کا بیان یعنی تشریح ہمارے ذمے ہے۔"

یہاں تک کہ وہ اس کو سمجھتا ہے اور لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل شدہ آیت کے بھول جانے کے خوف سے یہ طریقہ اختیار کرتے تھے۔ کہ جب کوئی آیہ کریمہ نازل ہوتی تھی۔ تو پہلے حضرت علیہ السلام حضرت جبریل علیہ السلام سے سنتے تھے۔ پھر اس آیہ کریمہ کو خود اسی طرح پڑھتے تھے۔ جس طرح وہ نازل کی گئی۔ لہذا وحی احکام محفوظ ہے۔ اس کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ وہ بھلائی نہیں جا سکتی ہے۔ بخلاف وحی الہام کے۔ لہذا ولی کو چاہیے کہ وہ ان واردات کو جلد یاد کرے۔ کیونکہ حکمت تجلی کی حالت میں پہاڑ کی طرح ہوتی ہے۔ لیکن جب اس سے غفلت کی جاتی ہے تو وہ اونٹ کی طرح ہو جاتی ہے۔ پھر دوبارہ اس کے بعد بھی اس سے غفلت کی جاتی ہے۔ تو وہ بکری کی طرح ہو جاتی ہے۔ پھر مینڈھے کی طرح، پھر انڈے کی طرح، پھر غائب ہو جاتی ہے۔

اسی لئے ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ دوات اور قلم اور کاغذ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ تاکہ واردات کو فوراً لکھ لیں۔ اور اسی طرح ہمارے سب شیوخ کرام کرتے تھے۔

اور ایسا ہی کرنے کا حکم دیتے تھے۔

میں کہتا ہوں:- یہ سب تشریحیں جو میں لکھ رہا ہوں۔ یہ سب درحقیقت واردات و مواہب ہی ہیں۔ کیونکہ جب میں حکمت کی تشریح لکھتا ہوں۔ اور مجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا لکھوں۔ تو میں اس کے انتظار میں ٹھہر جاتا ہوں، جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شی وارد ہوتی ہے۔ تو پہلے میں اسے لکھ لیتا ہوں۔ پھر میں حضرات صوفیائے کرام کی کتابوں میں دیکھتا اور غور کرتا ہوں۔ اگر میں کوئی بہترین نقل اس کے موافق پاتا ہوں، جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فیضیاب کیا ہے۔ تو میں اس کو حفاظت سے لکھ لیتا ہوں۔ ورنہ اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں عطا فرمایا ہے۔ اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ اور اکثر و بیشتر جب میں کسی کلام کی شرح لکھتا ہوں، پھر بعد میں اس کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھ کو تعجب ہوتا ہے، کہ یہ میں نے لکھا ہے۔ یا یہ عبارت مجھ سے صادر ہوئی ہے۔ اور یہ سب ہمارے شیوخ کرام کی برکتوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

اور اکثر میں ریاضت اور مجاہدہ کے حال میں ہوتے ہوئے جب تفسیر یا اس کے علاوہ کسی دوسری شی کے بارے میں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ تو میں بیان کرنا شروع کر دیتا ہوں، پھر میں گم ہو جاتا ہوں۔ ور میں محسوس کرتا ہوں، کہ بیان مجھ سے بے اختیار صادر ہو رہا ہے۔ گویا کہ وہ برسنے والا بادل ہے۔ اور اس وقت مجھ سے علوم اور حکمتیں صادر ہوتی ہیں۔ پھر جب میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ تو ان میں سے صرف تھوڑا سا باقی رہ جاتا ہے۔

ایک روز ہماری مجلس میں ایک نیک بوڑھا آدمی حاضر ہوا۔ اس نے ہماری گفتگو سنی اور تو اس نے کہا:- اللہ کی قسم، میں علمائے کرام اور صالحین عظام کی مجلسوں میں حاضر ہوتا رہا ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم، اس قسم کے جواہروں اور یاقوتوں کو جو فلاں حضرت کی زبان مبارک سے صادر ہوتے ہیں، میں نے ان کی مجلسوں میں صادر ہوتے نہیں دیکھا۔ میں ایک زمانہ تک اسی طرح رہا۔ نہ میں کچھ یاد کرتا تھا۔ اور نہ کچھ لکھتا تھا۔ پھر میری یہ کیفیت تبدیل ہوئی۔ اور اس کے بعد میرے لئے زبان کی عبارت سے قلم کی عبارت زیادہ فصیح ہو گئی۔ یعنی زبان کے بیان سے تحریر کی اہمیت زیادہ ہو گئی۔

بعض عارفین اپنے مریدین سے فرماتے تھے:۔ جب میں تم لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں، تو جو کچھ اللہ تعالیٰ میری زبان پر جاری کرتا ہے۔ اس سے میں خود بھی اسی طرح فائدہ حاصل کرتا ہوں، جس طرح تم فائدہ حاصل کرتے ہو۔

اسی حقیقت کے بارے میں حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

وَلَا تَكُ مِمَّنْ طَيَّشَتْهُ طُرُوْسُهٗ بِحَيْثُ اسْتَخَفَّتْ عَقْلَهٗ وَاسْتَفَزَّتْ

''اور تم ان لوگوں میں سے نہ ہو، جن کو ان کی کتابوں نے اس طرح ہلکا کیا۔ کہ انھوں نے اپنی عقل کو ہلکا سمجھ لیا۔

فَثَمَّ وَرَاءَ النَّقْلِ عِلْمٌ يَدِقُّ عَنْ مَدَارِكِ غَايَاتِ الْعُقُوْلِ السَّلِيْمَةِ

''لیکن نقل یعنی کتاب کے علاوہ بھی ایک علم ہے۔ جو صحیح عقلوں کی انتہائی سمجھ سے باریک ہے۔''

تَلَقَّيْتَهٗ مِنِّيْ وَ عَنِّيْ اَخَذْتَهٗ وَ نَفْسِيْ كَانَتْ مِنْ عَطَائِيْ مُمِدَّتِيْ

''تم نے اس علم کو مجھ سے حاصل کیا۔ اور میرا نفس میری بخشش سے میرا مددگار ہے۔''

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ جب بیان میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ اور ان کے اوپر علوم کا فیضان ہوتا تھا۔ تو وہ فرماتے تھے:۔ کیا کوئی شخص ہے، جو ہماری زبان سے نکلے ہوئے ان اسرار کو یاد کرے، یا لکھ لے۔ تم لوگ ایک ایسے شخص کے پاس (یعنی میرے پاس) آؤ۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم کا سمندر بنایا ہے۔ یا اسی قسم کی بات فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی مجلس میں ان کے زمانے کے اکابر اور مشہور علما و صوفیائے کرام حاضر ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت عزالدین بن عبدالسلام اور ابن حاجب، اور ابن عصفور، اور ابن دقیق العید اور عبدالعظیم منذری وغیرھم۔

حضرت عزالدین بن عبدالسلام جب حضرت کا کلام سنتے تھے تو فرماتے تھے:۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے اقرار سے قریب ہے۔

اور حضرت شیخ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے تھے:۔ اللہ کی قسم، میں نے ابوالحسن شاذلی سے زیادہ کوئی عارف باللہ نہیں دیکھا۔

حضرت شیخ ابوالحسن ہر سال قاہرہ تشریف لے جاتے تھے۔ ان کی مجلس میں قاہرہ اور مصر

کے اطراف کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور وہ لوگوں کو علوم و مواہب ربانی اور اسرار لدنی سے فیضیاب فرماتے تھے۔ جب حضرت شیخ ابوالحسن وفات فرما گئے۔ اور حضرت ابوالعباس مرسی ان کے خلیفہ ہوئے، تو وہ بھی اسی طرح قاہرہ تشریف لے جاتے تھے، جس طرح کہ ان کے شیخ تشریف لے جاتے تھے۔ ان کے پاس مصر کے اکابر اور علمائے کرام کی ایک جماعت جمع ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا:۔ اے شیخ! حضرت شیخ ابوالحسن جب یہاں تشریف لاتے تھے۔ اور ہم ان کی تشریف آوری سے برکت حاصل کرتے تھے۔ تو ہم ان سے اللہ تعالیٰ کی معارف و اسرار سنتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا قائم مقام اور خلیفہ بنایا ہے۔ لہذا ہم لوگوں کی خواہش ہے، کہ آپ کے بیان سے برکت حاصل کریں۔ حضرت ابوالعباس نے ان لوگوں سے فرمایا۔ انشاء اللہ کل صبح کے وقت ہم آپ لوگوں کے یہاں آئیں گے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اپنے مریدین کو مصر کی طرف چلنے کا حکم دیا اور حضرت امام قشیری رضی اللہ عنہ کے رسالہ قشیریہ کو ساتھ لے چلنے کا حکم دیا۔ ابن صباغ نے فرمایا ہے:۔ ہم رسالہ قشیریہ لے کر حضرت عمرو بن العاص کی جامع مسجد میں پہنچے۔ ہم نے جامع مسجد کو اہل مصر کے اکابر اور علمائے کرام سے بھری ہوئی پایا۔ حضرت نے فرمایا:۔ اس مجلس میں تنقید لینے والے بھی ہیں اور معتقد بھی۔ ابن صباغ نے فرمایا ہے:۔ ہم جامع مسجد کے مشرقی حصہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا:۔ رسالہ قشیریہ نکالو۔ میں نے رسالہ نکالا۔ حضرت نے فرمایا۔ پڑھو۔ میں نے کہا:۔ کیا پڑھوں؟ حضرت نے فرمایا:۔ جو تمہارے سامنے کھل جائے۔ لہذا ہم نے کتاب کھولی تو فراست کا باب ہمارے سامنے کھلا۔ میں نے باب فراست کے ابتدائی حصے کو پڑھا۔ جب میں حضرت رسول اللہ ﷺ کی حدیث شریف کو پڑھ کر فارغ ہوا۔ تو حضرت نے فرمایا:۔ کتاب بند کر دو۔ پھر فرمایا:۔ فراست کی چار قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم:۔ مومنین کی فراست۔ دوسری قسم:۔ موقنین کی فراست۔ تیسری قسم:۔ اولیاء اللہ کی فراست۔ چوتھی قسم:۔ صدیقین کی فراست۔

پہلی قسم، مومنین کی فراست:۔ اس کا حال ایسا ایسا ہے۔ اور اس کی حد اس اس جگہ سے پہنچتی ہے۔ پھر حضرت نے اس موضوع پر بہت بڑی تقریر فرمائی۔ پھر وہ اس موضوع سے موقنین کی

فراست کی طرف منتقل ہوئے۔ اور نہایت اعلیٰ درجے کی تقریر فرمائی۔ پھر حضرت نے اولیائے کرام کی فراست بیان کرتے ہوئے فرمایا:- اولیائے کرام کی فراست کو فلاں فلاں مقام سے مدد ملتی ہے اور اس کا حال کیا ایسا ہے۔ اور اس موضوع پر حضرت نے وہبی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی تقریر فرمائی۔ جو قطعاً غیر کسبی تھا۔ یعنی کتابوں سے اس کا کچھ تعلق نہیں تھا۔ حاضرین مجلس کی عقل گم ہو گئی۔ اور حضرت اس موضوع میں ظہر کی اذان تک مستغرق رہے۔ اور لوگ روتے رہے اور میں ان کی پیشانی سے پسینہ بہہ کر ان کی ڈاڑھی پر گرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور ان کی داڑھی لمبی تھی۔

مصنف نے لطائف المنن میں بیان فرمایا ہے:- کہ میں حضرت شیخ ابوالحسن کے معاملے میں انکار کرنے والوں اور ان کے اوپر اعتراض کرنے والوں میں سے تھا۔ اور یہ انکار اور اعتراض کسی ایسی شے کی بنا پر نہ تھا۔ جو میں نے ان سے سنی ہو۔ اور نہ کسی ایسی شے کی بنا پر تھا۔ جس کی روایت ان کے بارے میں صحیح ہو۔ یہاں تک کہ میرے اور ان کے بعض مریدین کے درمیان بحث کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور یہ واقعہ ان کی صحبت سے میرے فیض یاب ہونے کے پہلے کا ہے۔ اور میں نے اس مرید سے کہا۔ صرف علم ظاہر رکھنے والے علماء ہی کامل ہیں۔ اور یہ لوگ یعنی صوفیائے کرام بڑی بڑی باتوں کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ ظاہری شریعت ان کا انکار کرتی ہے۔ اس مرید نے کہا: جب تم شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ تب تم کو وہ بات معلوم ہو گی۔ جو شیخ نے مجھ سے اس روز فرمایا، جس روز تم نے مجھ سے بحث شروع کی ہے۔ پھر اس مرید نے کہا:- میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضرت شیخ نے پہلے ہی مجھ سے فرمایا:- یہ لوگ پتھر کے مثل ہیں جو تم سے خطا کر جائے، وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو لگ جائے۔ یہ سن کر میں نے یہ سمجھا، کہ میری بات شیخ کو کشف سے معلوم ہو گئی۔ پھر اس مرید نے کہا:- میری زندگی کی قسم میں بارہ سال سے حضرت شیخ کی خدمت میں ہوں۔ میں نے ان سے کوئی شے ایسی نہیں سنی، جس کا انکار علم ظاہر کرتا ہو۔ ہاں، ان لوگوں کے ظلم کے خلاف ہو سکتا ہے۔ جو ان کی ایذا رسانی کے لئے ان کی طرف سے کچھ فرضی باتیں نقل کرتے ہیں۔

پھر حضرت شیخ ابوالحسن کے ساتھ میری صحبت کا سبب یہ ہوا۔ میرے اور اس مرید کے

درمیان بحث ہونے کے بعد میں نے اپنے دل میں کہا۔ اس بحث کو چھوڑو۔ میں خود جا کر شیخ ابوالحسن کو دیکھوں گا۔ کیونکہ اہل حق کی ایک علامت (امیری) ہوتی ہے جس کی شان پوشیدہ نہیں رہتی ہے۔ لہذا میں شیخ موصوف کی مجلس میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو وہی باتیں کہتے ہوئے پایا۔ جن کا حکم حضرت شارع علیہ السلام نے دیا ہے۔

چنانچہ انھوں نے فرمایا: اول: اسلام ہے۔ اور دوسرا: ایمان ہے۔ اور تیسرا: احسان ہے۔

اور اگر تم چاہو تو اس طرح کہو: اول: عبادت ہے۔ اور دوسرا: عبودیت ہے۔ اور تیسرا: عبودت ہے۔

اور اگر تم چاہو تو اس طرح کہو: اول: شریعت ہے اور دوسرا: حقیقت ہے۔ اور تیسرا تحقق ہے یا اس کے مثل۔

اور وہ برابر یہی کہتے رہے: اگر تم چاہو تو اس طرح کہو۔ اگر تم چاہو تو اس طرح کہو۔ یہاں تک کہ انھوں نے میری عقل کو مبہوت کر دیا۔ اور میں نے یہ جان لیا کہ درحقیقت یہ شخص بحر الہی اور مدد ربانی سے چلو بھر رہا ہے۔ یعنی فیضیاب ہو رہا ہے۔ لہذا میرے دل میں جو کچھ بھی اعتراضات اور شک و شبہات تھے سب اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا۔

لہذا حقائق، جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کے قلوب پر فیضان کرتا ہے۔ پھر وہ اس کو بیان کرتے ہیں۔ پہلے وہ مجمل ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ یاد دلاتے ہیں تب ان کے معانی واضح ہوتے ہیں۔ ان حقائق میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو عقلیں سمجھتی ہیں۔ اور وہ منقول کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں۔ جن کو عقلیں نہیں سمجھتی ہیں۔ لہذا تم ان کو ان کے اہل کے سپرد کر دو اور ان کو سننے کے ساتھ ہی ان پر تنقید نہ کرو۔ اور حضرت ابن فارض رضی اللہ عنہ کے کلام میں غور کرو۔

فَثَمَّ وَرَاءَ النَّقْلِ عِلْمٌ يَدِقُّ عَنْ مَدَارِكِ غَايَاتِ الْعُقُولِ السَّلِيمَةِ

"وہاں کتاب کے علاوہ بھی ایک علم ہے۔ جو صحیح عقلوں کی انتہائی سمجھ سے بھی باریک ہے۔"

اس کے باوجود حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جب تمہارا صحیح کشف بھی قرآن و سنت کے خلاف ہو تو تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرو اور اپنے کشف کو چھوڑ دو۔ اور تم اپنے نفس سے کہو۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت میں میری حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ کشف والہام میں اس نے میری ذمہ داری نہیں لی ہے۔

اسی طرح حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا ہے۔ جب میرے قلب میں کشف سے کوئی نکتہ پیدا ہوتا ہے۔ تو میں اس کو کتاب و سنت کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا ہوں۔ اور اس پر عمل نہ کرنے سے یہ کہ اس پر تقلید لازم نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ علم وسیع ہے اور اس کے لئے ظاہر اور باطن ہے۔ لہذا اگر تم ان کو نہ سمجھ سکو۔ تو بھی تم ان کو تسلیم کرو۔ اور جن کو تم سمجھتے ہو ان کو بھی انہیں میں شامل کر دو جن کو تم نہیں سمجھتے ہو۔ (یعنی تم اپنے علم پر بھروسہ نہ کرو۔ بے علم اور نا سمجھ بن جاؤ)

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

صدیقین کی مجلس کے آداب میں سے یہ ہے کہ جو تم جانتے ہو اس کو بھی چھوڑ دو۔ تاکہ تم پوشیدہ امر کے حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔

یعنی صدیقین (عارفین) کے پاس جو پوشیدہ علم ہے، اگر تم اس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہونا چاہتے ہو۔ تو ان کے اقوال و افعال و احوال کو پرکھنا چھوڑ دو۔ کیونکہ جب تک تم اپنے علم کے ترازو سے ان کو تولتے اور پرکھتے رہو گے۔ اس وقت تک تم ان کے پوشیدہ علم کی خوشبو نہ سونگھ سکو گے۔

ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ ہمارے طریقت میں سے وہی شخص کچھ پاتا ہے، جو محال کی بھی تصدیق کرے۔

لہذا اے میرے بھائی! اگر تم چاہتے ہو کہ عارفین کے اسرار روحانیات کی بجلی اور خوشبودار ہوا تمہارے پاس پہنچے۔ تو تم جو کچھ جانتے ہو اس کو بھی نہ جانی ہوئی چیزوں کی طرح چھوڑ کر لاعلم بن جاؤ۔ اور اپنے علم و عمل سے ہاتھ دھو لو۔ اور صرف ان علوم و معارف کے لئے تیار ہو جاؤ جو ان کے پاس ہیں۔ جیسا کہ ہمارے شیخ طریقت حضرت ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا، جس پر مجھ کو پورا اعتماد ہے۔ کہ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ، حضرت شیخ ابن مشیش رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے علم کا ترازو لے کر گئے۔ تو ان کو ولایت کی خوشبو نہیں ملی۔ پھر وہ واپس چلے آئے۔ پھر اسی طرح وہ دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن جیسے گئے تھے۔ ویسے ہی خالی ہاتھ واپس آئے۔ لیکن جب انہوں نے ترازو کو چھوڑ دیا۔ اور اپنے علم و عمل سے ہاتھ دھو کر ان کے پاس محتاج بن کر گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم و معارف سے مالا مال کر دیا۔ حضرت شیخ ابن مشیش نے ان سے فرمایا: اے ابوالحسن! تم اپنے علم و عمل سے خالی ہو کر اور محتاج بن کر ہمارے پاس آئے۔ تو تم نے ہم سے دنیا و آخرت کی بے نیازی حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے ذکر سے فائدہ پہنچائے۔ اور ان علوم و اسرار سے ہم کو فیضیاب فرمائے۔ جن سے ان کو فیضیاب فرمایا۔ یہاں تک کہ ہم ان کے ذریعے سے ایسی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ جس کے ساتھ کوئی محتاجی نہیں ہوتی ہے۔ آمین۔

اور وہ واردات جو حقائق اور علوم کے ساتھ تجلی کرتے ہیں۔ وہ انتہائی درجہ والوں کے واردات ہیں۔ لیکن ابتدائی درجہ والوں کے واردات: تو وہ طاقت ور قہاری ہوتے ہیں۔ یا ہلا دینے والے خوف کے ساتھ یا بے قرار کر دینے والے شوق کے ساتھ، تاکہ ان کو ان کی خواہشات اور عادات سے منہدم کر دیں۔

جیسا کہ مصنف نے انہیں واردات کا بیان اپنے اس قول میں فرمایا ہے:-

مَتٰى وَرَدَتِ الْوَارِدَاتُ الْإِلٰهِيَّةُ إِلَيْكَ هَدَمَتِ الْعَوَائِدَ عَلَيْكَ، إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا

"جب واردات الٰہیہ تمہاری طرف وارد ہوتے ہیں، تو تمہاری بشری عادتوں کو منہدم کر دیتے ہیں۔ بیشک بادشاہ لوگ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو ویران کر دیتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں: وارد ایک :- وہ شوق یا اشتیاق یا محبت کی قوت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ بندے کے قلب میں پیدا فرماتا ہے۔ اور وہ کبھی خوف یا ہیبت یا جلال کی قوت سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ قوت بندے کو اپنے مولائے حقیقی کی طرف بڑھنے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ پھر وہ اپنی عادتوں اور

شہوتوں اور خواہشوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے رب کی معرفت اور اس کی رضامندی کی طرف سیر کرتا ہے اور کبھی اس کے اوپر اس محبت اور شوق کے انوار متواتر آتے رہتے ہیں اور اس کو اس کی حس سے گم کر دیتے ہیں۔ اور یہی جذب ہے اور مصنفؒ نے واردات کو جمع کے لفظ سے اس محبت اور شوق کی زیادتی کے اعتبار سے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ واردات اس کی عادتوں کو اسی وقت ختم کر سکتے ہیں، جبکہ وہ زیادہ ہوں۔ اور ان واردات کا نام "نفحات" بھی ہے۔

حضرت رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے:-

إِنَّ لِلّٰهِ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لِنَفَحَاتِهٖ

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نفحات یعنی واردات ہیں۔ لہذا تم اس کے نفحات حاصل کرنے کے لئے سامنے آؤ۔ (آگے بڑھو)

لہذا جس شخص پر یہ واردات اختیاری طور پر نہ وارد ہوں۔ اس کو چاہئے کہ ان واردات کے حاصل کرنے کے لئے ایسے عارفین کی صحبت اختیار کرے۔ جو اس اکسیر کے مالک ہیں، جو اشیاء کی ماہیت کو بدل دیتا ہے۔ اور اگر ان کی صحبت اختیار کرنے کے بعد بھی اس کے اوپر واردات الٰہیہ نہ وارد ہوں۔ تو اس کو چاہئے کہ اپنے نفس کی عادت کو ظاہر سے ختم کر دے۔ کیونکہ وہ ظاہر سے باطن میں داخل ہوتی ہیں۔ پھر جب واردات الٰہیہ تمہارے اوپر وارد ہوں گے تو وہ تمہاری عادات کو باطن سے بھی ختم کر دیں گے۔ پھر وہ تمہاری عزت کو ذلت میں اور تمہاری دولتمندی کو محتاجی میں اور تمہارے مرتبہ اور شہرت کو گمنامی میں اور تمہاری سرداری کو تواضع میں اور تمہارے کلام کو خاموشی میں اور تمہارے مزے دار کھانے کو بے مزہ اور تلخ کھانے میں اور تمہاری آسودگی کو بھوک میں اور تمہارے اپنے وطن میں قیام کو سیاحت اور سفر میں تبدیل کر دیں گے۔

واردالٰہی کی شان یہی ہے کہ وہ عادت کو ویران و منہدم کر دیتا ہے۔ لہذا وہ طاقتور صاحب فوج سرکش بادشاہ کی طرح ہے۔ جو کسی بستی میں داخل ہوتا ہے، تو اس کی عمارتوں کو ویران کر دیتا ہے۔ اور اس کے معمولات (طریقوں اور رواجوں) کو بدل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

(إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا) أَيْ نَزَعُوْهَا وَخَرَّبُوْهَا (وَجَعَلُوْا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا

أَذِلَّةً) أي ذليلة وصاغرًا أتباعًا مهانة زمينين (وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ)

"بے شک بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کو ویران اور برباد کر دیتے ہیں۔ اور اس کے معزز اور شریف باشندوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ یعنی اس کے منصبوں اور سرداروں کو غلام اور کمزور بنا دیتے ہیں۔ اور بادشاہوں کی شان یہی ہے کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں۔"

اور اس آیۂ کریمہ سے مصنف کا شہادت حاصل کرنا بہت ہی خوب اور مناسب ہے۔ پھر مصنف نے واردات کے انسان کی عادات منہدم کرنے کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

الْوَارِدُ يَأْتِي مِنْ حَضْرَةِ قَهَّارٍ لِأَجْلِ ذَٰلِكَ لَا يُصَادِمُهُ شَيْءٌ إِلَّا دَمَغَهُ - بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

"وارد قہار کی بارگاہ سے آتا ہے۔ اس وجہ سے جو شئے اس کے مقابلہ میں آتی ہے۔ وہ اس کو ذلیل کر دیتا ہے۔ ہم حق کو باطل سے ٹکراتے ہیں۔ تو حق باطل کو ذلیل کر دیتا ہے۔ لہٰذا باطل مٹ جاتا ہے۔"

میں کہتا ہوں: جو وارد سائرین یا سالکین کے قلوب پر وارد ہوتا ہے۔ وہ ہیبت کی قسم سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک "قہار" کی بارگاہ سے آتا ہے۔ تاکہ وہ اپنی قہریت سے نفس یا قلب میں، اغیار میں سے جو کچھ بھی پائے، اس کو مٹا دے۔ اور ہم نے "وارد اللہ تعالیٰ کے اسم پاک "قہار" کی بارگاہ سے آتا ہے" اس وجہ سے کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہیں اس کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد کے مطابق ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا اسم پاک "قہار" اس کی قہریت کی بارگاہ سے تجلی کرتا ہے۔ اور اس کا اسم پاک "جمیل" اس کے جمال کی بارگاہ سے تجلی کرتا ہے۔ اور اس کا اسم پاک "جلیل" اس کے جلال کی بارگاہ سے تجلی کرتا ہے۔ اور اس کا اسم پاک "رحیم" اس کی رحمت کی بارگاہ سے تجلی کرتا ہے۔ اور اس کا اسم پاک "حلیم" اس کے حلم کی بارگاہ سے تجلی کرتا ہے۔ اور اس کا اسم پاک "کریم" اس کے کرم کی بارگاہ سے تجلی کرتا ہے۔ اسی طرح ہر اسم پاک کی تجلی اس کے موافق بارگاہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ)

"ہر شئے کے خزانے ہمارے پاس ہیں"

اور اگر وہ وارد جو ابتدائی درجہ والوں کے قلوب پر وارد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک "رحیم" یا "حلیم" یا "جمیل" کی بارگاہ سے ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے سبب یہ ممکن نہیں ہے کہ جو باطل اس کے سامنے آئے، وہ اس کو مٹا دے۔

اور حضرت مصنف نے باطل یعنی کل ماسوی اللہ کو ایسے جانور سے مشابہت دی ہے، جس کے پاس دماغ ہوتا ہے۔ جب اس کے دماغ پر چوٹ لگتی ہے۔ اور وہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ تو وہ جانور مر جاتا ہے۔

یہی حالت باطل کی ہے:۔ جب اس سے حق ٹکراتا ہے اور اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے، تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور وارد الہٰی خالص ہوتا ہے، تو جب وہ باطل سے ٹکراتا ہے، تو اس کو مٹا دیتا ہے۔ اور ہلاک کر دیتا ہے۔

اسی لئے مصنف نے اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے، جو کفر کے مقابلے میں قرآن کریم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے۔ کہ جب قرآن کریم نازل ہوا، تو کفر پاش پاش ہو کر مٹ گیا۔ یہی حال ماسوا کا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نور کی قہریت کے ساتھ تجلی کرتا ہے۔ تو ماسوی پاش پاش ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ اسی مفہوم میں یہ اشعار اکثر پڑھا کرتے تھے:۔

فَلَوْ عَايَنْتَ عَيْنَاكَ يَوْمَ تَزَلْزَلَتْ　　　أَرْضُ النُّفُوْسِ وَدُكَّتِ الْأَجْبَالُ

"اگر تمہاری آنکھیں، نفوس کے زمین کے متزلزل ہونے اور عقلوں کے پہاڑوں کے پاش پاش ہونے کا دن دیکھیں۔

لَرَأَيْتَ شَمْسَ الْحَقِّ يَسْطَعُ نُوْرُهَا　　　عِنْدَ التَّزَلْزُلِ وَالرِّجَالُ رِجَالُ

"تو تم حق کے سورج کو نفوس کے زلزلہ کے وقت دیکھتے کہ اس کا نور روشن ہے۔ اور اللہ والے اللہ والے ہی ہیں۔"

یعنی وارد الہٰی: جب اللہ تعالیٰ کی قہاریت کی بارگاہ سے قوت کے ساتھ وارد ہوتا ہے۔ تو نفوس کے زمین کو منہدم کر دیتا ہے۔ اور عقول کے پہاڑ اس سے پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اس وقت

اس کے سامنے ایسے اسرار کھلتے ہیں۔ جو عقل کی سمجھ سے باہر ہوتے ہیں۔ اور نقل کی عبارت اس سے عاجز ہوتی ہے۔ لہذا وہ شخص جس پر یہ وارد نازل ہوتا ہے سراپا حق ہو جاتا ہے۔ وہ جس شی کے مقابل ہوتا ہے۔ اس کو ختم کر دیتا ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ قطب ابن مشیش رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اسی مفہوم کو مراد لیا ہے:۔

مجھ کو باطل پر مارو۔ میں اس کو مٹادوں گا۔ اس سے مراد یہ لیا ہے۔ کہ وہ ایسا خالص حق ہو جائے۔ کہ جب اس سے ماسوی پر ضرب لگائی جائے تو وہ اس کو مٹادے۔

لہذا جب ماسوی ختم اور فنا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ باقی رہ جاتا ہے۔ جو کبھی فنا نہیں ہو گا۔ اور ایسا ظاہر ہے۔ جو کبھی پوشیدہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے اس کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ ان کی نظر کتنی گہری اور باریک بین ہے۔ کہ ہر مقام کے مناسب اور مختصر کلام بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

كَيْفَ يَحْتَجِبُ الْحَقُّ بِشَيْءٍ وَالَّذِي يَحْتَجِبُ بِهِ هُوَ فِيهِ ظَاهِرٌ وَ مَوْجُودٌ حَاضِرٌ

''حق سبحانہ تعالیٰ کسی شی سے کس طرح محجوب ہو سکتا ہے! حالانکہ وہ جس شی سے محجوب ہوگا۔ وہ اس میں ظاہر اور موجود حاضر ہے''

میں کہتا ہوں :۔ مصنف نے اس مفہوم کو اپنی اس کتاب میں جمع پر آمادہ کرنے اور فرق سے محفوظ کرنے کے لئے بار بار بیان کیا ہے۔

جمع :۔ اس حالت کو کہتے ہیں کہ آدمی کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔ اور وہ ہر شی کو ایک دیکھے۔ اور فرق :۔ اس حالت کو کہتے ہیں کہ آدمی کا ظاہر اور باطن یکساں نہ ہو۔ اور وہ ہر شی کو جدا جدا دیکھے۔ اور ان میں امتیاز کرے۔

لہذا متواتر بیانات سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کسی شے سے محجوب نہیں ہے۔ اور یہ خیال باطل ہے کہ وہ کسی شی سے محجوب ہے۔ کیونکہ اگر وہ کسی وجودی شی سے محجوب ہوگا۔ تو یہ اس کی قدرت کے اثر سے ہوگا۔ اور اس کی قدرت اس کی ذات سے جدا نہیں ہے۔ اس لئے

کہ صفت اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شئی جبروت کے سمندر سے ظاہر ہوئی وہ اس کے انوار میں سے ایک نور ہے اور اس کی صفات کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ عینیہ کے مصنف نے فرمایا ہے:۔

فَلَوْ صَافُهُ وَالْاِسْمُ وَالْاَثَرُ الَّذِیْ ۔۔۔۔۔۔ هُوَ الْكَوْنُ عَیْنُ الذَّاتِ وَاللّٰهُ جَامِعٌ

"لہٰذا اس کے اوصاف اور اسم اور اثر جو مخلوق ہیں، عین ذات ہیں اور اللہ سب کو جامع ہے۔"

اسی وجہ سے مصنفؒ نے اللہ تعالیٰ کے محجوب ہونے کے تصور پر تعجب ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ ہر وہ شئی جو قدرت کے عنصر سے نکلی ہے۔ وہ سب کی سب اس کے ملکوت کے انوار میں سے ایک نور ہے۔ جو اس کے جبروت کے سمندر سے پہنچتی اور اچھلتی ہے۔

لہٰذا وحدت ثابت ہو گئی اور حجاب کی بالکل نفی ہو گئی۔ پس ہر موجود کے اندر اللہ تعالیٰ کا نور موجود حاضر ہے۔

پھر چونکہ واردات احوال ہیں اور احوال اعمال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اسی لئے مصنفؒ نے عمل کو بیان کیا۔ اور تم کو حکم دیا کہ تم اس وجہ سے عمل کو نہ چھوڑو کہ تم نے اس کی لذت نہیں چکھی۔ اور عمل کرنے والا عمل سے جو پھل پاتا ہے۔ وہی حال اور لذت ہے اور بعض عمل ایسا ہے۔ جس کا پھل عمل کرنے والا فوراً نہیں پاتا ہے۔ لہٰذا اس کو وہ عمل ترک نہ کرنا چاہئے۔ اور اس کا پھل سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اور نہ اس کی قبولیت سے ناامید ہونا چاہئے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

لَا تَیْأَسْ مِنْ قُبُوْلِ عَمَلٍ لَا تَجِدُ فِیْهِ وُجُوْدَ الْحُضُوْرِ ، فَرُبَّمَا قُبِلَ مِنَ الْعَمَلِ مَا لَمْ تُدْرِكْ ثَمَرَتَهٗ عَاجِلًا

"تم اس عمل کے قبول ہونے سے مایوس نہ ہو۔ جس میں تم کو حضوری قلب حاصل نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات وہ عمل مقبول ہوتا ہے۔ جس کا پھل فوراً نہیں ملتا ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ مصنفؒ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔ جس شخص کو اس کے عمل کا نتیجہ فوراً مل جاتا ہے۔ تو یہ اس کے عمل کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ کہ اگر کسی عمل

کا پھل دل کو فوراً نہ ملے، تو وہ عمل غیر مقبول ہے۔ بلکہ وہ عمل مسکوت عنہ ہے۔ یعنی اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ لہٰذا اگر اس عمل میں شریعت کے اعتبار سے قبولیت کے لوازمات زیادہ پائے جائیں۔ اور اگر اس میں اخلاص اور تقویٰ اور شرعی مضبوطی شامل ہو، تو انشاء اللہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ خواہ عامل کو فوراً (یعنی اس دنیا میں) اس کا پھل ملے یا نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ

''درحقیقت اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول کرتا ہے۔''

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْ مُسْمِعٍ وَ لَا مُرَاءٍ

''اللہ تعالیٰ سنانے والے اور دکھانے والے یعنی ریاکار کے عمل کو قبول نہیں کرتا ہے۔''

لہٰذا اگر تم اپنی طاقت کے مطابق اپنے ظاہر اور باطن میں تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہو۔ اور اپنے اعمال میں تم اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو۔ لیکن تم عمل کی لذت اور اپنے قلب کی حضوری نہیں پاتے ہو۔ اور وجد والوں کے احوال اور عارفین کے ذوق میں سے تم کو اپنے عمل کا پھل نہیں حاصل ہوتا ہے۔ تو تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے عمل کے قبول ہونے سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ حال کا موجود ہونا اور لذت کا حاصل ہونا، عمل کے لئے شرط نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف ایک علامت ہے اور علامت، اپنی ضد کو لازم نہیں کرتی ہے۔ لہٰذا اکثر اوقات وہ عمل مقبول ہوتا ہے۔ جس کا پھل فوراً نہیں ملتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کا ثواب تم کو آخرت میں عطا فرمائے گا۔ یا اسی دنیا میں دیر سے عطا کرے گا۔ لہٰذا تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم اپنے عمل کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ اس میں تم کو حضوری قلب حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ یا اس لئے کہ تم کو اس میں لذت نہیں مل رہی ہے۔ بلکہ تمہارے اوپر یہ واجب ہے۔ کہ تم ہمیشہ عمل کرتے رہو۔ یہاں تک کہ تم کو اس کا پھل حاصل ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کے لئے دروازہ کھول دیا جائے۔ ایک عارف شاعر کے کلام میں غور کرو:۔

أُطْلُبْ وَلَا تَضْجَرَنْ مِنْ مَطْلَبٍ ۔۔۔ فَآفَةُ الطَّالِبِ اَنْ يَتَضَجَّرَا

"تم طلب کرو۔ اور کسی مطلب سے تنگ دل اور پریشان نہ ہو۔ کیونکہ تنگ دل ہو جانا ہی طالب کے لئے مصیبت ہے۔"

اَمَا تَرَى الْحَبْلَ بِتَكْرَارِهٖ ۔۔۔ فِي الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ قَدْ اَثَّرَا

"کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ رسی جب سخت پتھر کی چٹان پر بار بار رگڑ کھاتی ہے تو پتھر میں نشان پیدا کر دیتی ہے۔"

تم اس عابد کے قصے کو یاد کرو۔ جو مکہ معظمہ میں چالیس سال تک مقیم رہ کر عبادت کرتے رہے۔ اور جب وہ کہتے (لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ) "اے میرے اللہ! میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔" تو ہاتف غیب اس کے جواب میں کہتا:۔

لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ وَ حَجُّكَ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكَ

"نہ میں تیرے پاس حاضر ہوں۔ (یعنی تیری حاضری میرے پاس مقبول نہیں ہے) نہ میں تیری مدد کروں گا۔ اور تیرا حج تیرے اوپر لوٹا دیا گیا۔" لیکن وہ عابد برابر اپنی جگہ پر قائم رہے۔ نہ وہاں سے ہٹے، نہ لبیک کہنے سے باز آئے۔

ایک روز ایک شخص ان کی زیارت کرنے کے لئے ان کے پاس آیا۔ جب عابد نے کہا:۔ لبیک۔ تو اس کے جواب میں ہاتف نے کہا:۔ لا لبیک۔ یہ سن کر زیارت کے لئے آنے والا شخص واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنے دل میں کہا:۔ یہ شخص مردود بارگاہ ہے۔ عابد نے اس کو پکار کر پوچھا۔ تم کو کیا ہوا۔ تم کیوں واپس جا رہے ہو؟ اس شخص نے کہا:۔ یا حضرت! آپ نے کہا:۔ لبیک۔ اس کے جواب میں غیب سے آواز آئی:۔ لا لبیک۔ اس لئے میں واپس جا رہا ہوں۔ عابد نے اس شخص سے کہا:۔ چالیس سال سے میں یہ جواب سن رہا ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ کیا یہاں اس دروازہ کے سوا کچھ دوسرے دروازے بھی ہیں۔ کہ میں وہاں جاؤں۔ اس لئے میں اسی کے دروازے پر کھڑا ہوں۔ اگر وہ مجھ کو ہزار مرتبہ بھی بھگائے گا۔ جب بھی میں اس کے دروازے سے نہ ہٹوں گا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا۔ اور جب پھر انھوں نے کہا:۔ لبیک۔ تو اس کے

جواب میں غیب سے آواز آئی۔ لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ

لہٰذا غور کرو۔ جو شخص مضبوطی سے دروازے پر کھڑا رہا۔ وہ کس طرح دوستوں میں شامل ہو گیا۔ اور اس کے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔

اسی لئے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:-

اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهٗ وَاِنْ قَلَّ

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ کم ہو۔''

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا

''جب تک تم نہیں تھکو گے۔ اللہ تعالیٰ نہیں تھکے گا۔''

اور عمل سے مراد: عبودیت کے طریقے پر قائم رہنا اور ربوبیت کی تعظیم کرنی ہے۔ اور عمل سے احوال اور مقامات کی خواہش مراد نہیں ہے۔ کیونکہ توحید خاص والوں کے نزدیک یہ اخلاق میں نقص ہے۔

اور کبھی حال، اس شخص کے لئے حجاب کا سبب ہو جاتا ہے۔ جو حال کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔ اور اس میں لذت حاصل کرتا ہے۔

اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے:- عبادت کی لذت سے بچو۔ کیونکہ بلاشبہ وہ اس شخص کے لئے زہر قاتل ہے۔ جو اس کے ساتھ ٹھہر گیا۔ اور اکثر بھید کو معبود برحق کا شہود اس کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا تم حال کے بندے نہ ہو۔ بلکہ حال پیدا کرنے والے کے بندے ہو۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے:-

لَا تُزَكِّيَنَّ وَارِدًا لَا تَعْلَمُ ثَمَرَتَهٗ فَلَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ السَّحَابَةِ الْاَمْطَارَ وَ اِنَّمَا الْمُرَادُ مِنْهَا وُجُوْدُ الْاَثْمَارِ

''جس وارد کا پھل تم نہیں جانتے ہو۔ اس وارد کو تم پاک نہ سمجھو۔ کیونکہ بدلی سے مقصد بارش نہیں ہے۔ بلکہ پھلوں کا پیدا ہونا مقصد ہے۔''

میں کہتا ہوں:- وارد کا پھل:- عادات کا ختم ہونا اور فوائد کا حاصل ہونا، دو برے اوصاف سے پاک ہونا اور بہتر اوصاف سے آراستہ ہونا ہے۔

اور اگر تم چاہو تو اس طرح کہو:- سچے وارد کا پھل:- وہ ہے جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً عاجزی، انکساری اور خشوع و سکون قلب اور رقت، رحم اور زہد اور سخاوت وایثار اور ردی، سافلی خواہشات اور نفسانی عادات کی غلامی سے نجات اور مخلوقات کی قید سے نکل جانا اور شہود و عیان کی فضا کی طرف ترقی کرنا اور اغیار کے قبضے سے آزاد ہونا اور معارف و اسرار کی تحقیق کی طرف خالص ہو کر بڑھنا اور مصنف نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

چنانچہ حضرت مصنف نے اس کتاب کی ابتدا میں بیان فرمایا:-

أَوْرَدَ عَلَيْكَ الْوَارِدَ لِتَكُوْنَ بِهٖ عَلَيْهِ وَارِدًا اِلٰی آخِرِهٖ

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر وارد کو اس لئے وارد کرتا ہے تا کہ تم اس کے ذریعے اس کی طرف آؤ۔ وہ تمہارے اوپر وارد کو اس لئے وارد کرتا ہے۔ تا کہ وہ تم کو اغیار کے قبضے سے محفوظ کرے۔ اور مخلوق کی غلامی سے آزاد کرے۔ وہ تمہارے اوپر وارد کو اس لئے وارد کرتا ہے۔ تا کہ وہ تم کو تمہارے وجود کی قید سے آزاد کر کے اپنے شہود کی فضا میں پہنچائے۔

اور اس سے کچھ پہلے اسی باب میں مصنف نے فرمایا ہے:- جب تمہارے اوپر واردات الہیہ وارد ہوتے ہیں۔ تو تمہاری عادات کو منہدم کر دیتے ہیں۔

نیز فرمایا وارد:- قہار کی بارگاہ سے آتا ہے۔ اس لئے جو شئی اس کے سامنے آتی ہے۔ وہ اس کو مٹا دیتا ہے۔

لہٰذا جب تمہارے اوپر وارد نازل ہو۔ اور تمہاری انسانی عادتوں کو ختم کر کے تمہارے اندر مذکورہ بالا خصلتوں کو نہ پیدا کرے۔ تو تم اس کو پاک نہ سمجھو۔ اور اپنے نفس کو ملامت کرو۔ کیونکہ ایسا نہ ہو کہ وہ وارد شیطانی ہو۔ کیونکہ وارد الہیہ کے بعد ٹھنڈک اور سکون قلب اور زہد و اطمینان اور عاجزی و انکساری پیدا ہوتی ہے۔ اور وارد شیطانی کے بعد:- گرمی اور سخت دلی اور تکبر اور تیز مزاجی اور انانیت یعنی خود پرستی پیدا ہوتی ہے۔

لہذا حال سے مراد:- خوشی اور ہلکا پن اور بے عملی اور غیر شرعی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ درحقیقت حال سے مراد وہ پھل ہیں۔ جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

پس حال: بجلی کے بادل کے مثل ہے۔ جس طرح بادل سے مقصد بارش نہیں ہے۔ بلکہ وہ پھل ہیں، جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا تم حال کے قائم رہنے کی خواہش نہ کرو۔ کیونکہ کبھی اس کا قائم رہنا تمہارے لئے مضر ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ بارش ہونے سے اس کا فائدہ نقصان سے بدل جاتا ہے۔

حضرت مصنفؒ نے اپنے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

لَا تَطْلُبَنَّ بَقَاءَ الْوَارِدَاتِ بَعْدَ اَنْ بَسَطَتْ اَنْوَارَهَا ، وَاَوْدَعَتْ اَسْرَارَهَا ، فَلَكَ فِي اللّٰهِ غِنًى عَنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَيْسَ يُغْنِيكَ عَنْهُ شَيْءٌ

”جب واردات اپنے انوار کو تمہارے قلب میں پھیلا چکے ہوں اور اپنے اسرار سپرد کر چکے ہوں، تو ان کے باقی رہنے کی خواہش نہ کرو۔ کیونکہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کو پالیا، تو تم ہر شے سے بے نیاز ہو گئے۔ اور تم کو کوئی شے اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں کر سکتی ہے۔“

میں کہتا ہوں:- کسی شے کو چاہنا، اس کی محبت کی دلیل ہے۔ اور کسی شے کی محبت اس کی عبودیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم اس کے غیر کے بندے بنو۔ لہذا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی حال کی خواہش کرو۔ نہ کسی مقام کی۔ تو اگر تمہارے اوپر احوال یعنی واردات الہیہ وارد ہوں۔ پھر وہ ختم ہو جائیں اور وہ لوٹ جائیں۔ تو اب اس کے بعد کہ وہ تمہارے قلب سے اغیار کی ظلمتوں اور مخلوق کی صورتوں کو مٹا کر اپنے انوار پھیلا چکے ہوں۔ اور اپنے اسرار یعنی یقین اور عیاں شہود سپرد کر چکے ہوں۔ تو تم ان واردات کے باقی رہنے کی خواہش نہ کرو۔

یا تم اس طرح کہو:- تم واردات کے باقی رہنے کی خواہش نہ کرو۔ جبکہ وہ اپنے انوار تمہارے قلب میں پھیلا چکے ہوں۔ اور تمہارے نفس کی عادات کو ختم کر چکے ہوں۔ اور تم روحانی خواہشات اور نفسانی عادات کی غلامی سے آزاد ہو گئے ہو اور برے اوصاف سے پاک ہو کر عاجزی اور پاکیزہ اوصاف سے آراستہ ہو چکے ہو۔ کیونکہ یہی واردات الہیہ کے انوار کی علامات

ہیں۔ اور مجبور و لاچار ہیں۔ اسرار حق یقین، اطمینان اور معرفت۔ یا زہد اور رضا و تسلیم۔ یا خشوع و تواضع اور عاجزی و انکساری تمہارے قلب کو سیر کر چکے ہوں۔ کیونکہ وارد الٰہی کی تجلی اور اس کا پھل حاصل ہونے کی علامت یہی ہیں۔ لہذا اب تجلی حاصل ہو گئی۔ تو حضرت مصنف کے نزدیک کسی شے کی حاجت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پالینے کے بعد تم ہر شے سے بے نیاز ہو گئے۔ اور اب تم کسی شے کے محتاج نہیں رہ گئے۔ لیکن تم اللہ تعالیٰ سے کوئی شے بے نیاز نہیں رکھتی ہے۔

اور عنقریب مصنف کا یہ قول آئے گا: تمہارے اللہ تعالیٰ کو پانے کے بعد تم سے کیا شے گم ہوئی؟ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو کھو دینے کے بعد تم کیا شے پائی؟

ایک عارف شاعر نے فرمایا ہے۔

لِكُلِّ شَيْءٍ إِذَا فَارَقْتَهُ عِوَضٌ   وَلَيْسَ لِلّٰهِ إِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٍ

"ہر شے کا بدلہ ہے، اگر تم نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا ہے تو اس کا کوئی بدلہ نہیں ہے۔"

اور اسی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم میرے سوا کسی شے پر بھروسہ نہ کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے لئے عذاب اور باعث ہلاکت ہے۔ اس لئے کہ اگر تم علم پر بھروسہ کرو گے تو ہم اس کو تم سے چھپا لیں گے۔ اور اگر تم عمل کی پناہ لو گے تو ہم اس کو تمہاری طرف لوٹا دیں گے۔ اور اگر تم حال پر اعتماد کرو گے تو ہم تم کو اسی کے ساتھ روک دیں گے۔ اور اگر تم وجد سے محبت کرو گے تو ہم تم کو اسی سے قریب رکھیں گے۔ اور اگر تم مخلوق کا لحاظ کرو گے تو ہم تم کو انہیں کے سپرد کر دیں گے۔ اور اگر تم معرفت سے دھوکا کھاؤ گے تو ہم اس کو تمہارے لئے جہالت بنا دیں گے۔ پھر تمہارے پاس کون سی تدبیر ہے؟ اور تمہارے ساتھ کون سی طاقت ہے؟ لہذا تم ہم کو رضامندی کے ساتھ اپنا رب بنا لو۔ تا کہ ہم تم کو رضامندی کے ساتھ اپنا بندہ بنا لیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی سے دریافت کیا گیا۔ ان چیزوں میں سب سے افضل کون سی چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ان چیزوں میں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، سب سے افضل اور قریب یہ ہے کہ

بندہ اپنے قلب سے مجرد ہو۔ اور وہ دنیا اور آخرت۔ نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہ چاہے۔ اس کے متعلق ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:۔

مَنْ عَرَفَ اللهَ فَلَمْ تُغْنِهِ   مَعْرِفَةُ اللهِ فَذَاكَ الشَّقِيُّ

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت نے اس کو بے نیاز نہیں کیا۔ تو وہ بدبخت ہے۔"

مَا يَصْنَعُ الْعَبْدُ بِعِزِّ الْغِنٰى   وَالْعِزُّ كُلُّ الْعِزِّ لِلْمُتَّقِي

"بندہ دولت کی عزت لے کر کیا کرے گا۔ اور کل عزت متقی کے لئے ہے۔"

لہٰذا جب تم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنا حاصل ہو جائے گا۔ تو تم کل ماسویٰ سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

اس لئے تم بادشاہ علام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی حال اور وارد اور مقام کی طرف توجہ نہ کرو۔ کیونکہ حال یا وارد کے باقی رہنے کی طرف تمہارا متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارے بے نیاز نہ ہونے کی دلیل ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

تَطَلُّعُكَ اِلٰى بَقَاءِ غَيْرِهٖ دَلِيْلٌ عَلٰى عَدَمِ وِجْدَانِكَ لَهٗ

"غیر اللہ کے باقی رہنے کی طرف تمہارا متوجہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پایا ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ اس لئے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو پا لیا ہوتا تو تم کسی شے کو نہ طلب کرتے اور نہ تم کسی شے کے محتاج ہوتے۔ لہٰذا جو شخص وارد اور حال سے خوش ہوتا ہے، وہ وصال کو نہیں پاتا ہے۔ اور جو شخص غیر اللہ کا محتاج ہے، وہ عارف باللہ نہیں ہے۔ اور جو شخص کسی شے کا محتاج ہوتا ہے۔ یا کسی شے پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کسی شی میں ہے۔ نہ کسی شی پر ہے۔ یعنی اس کو اللہ تعالیٰ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

اور اکثر میں فقرا سے کہتا ہوں۔ جس شخص کو تم دیکھو کہ وہ وارد کے چھن جانے کے بعد

اپنے شیخ کو چھوڑ کر دوسرے شیخ کے پاس جاتا ہے۔ تو تم سمجھ لو کہ وہ اپنی پچھلی حالت پر باقی ہے۔ اور عوام میں سے ہے۔ اور اپنے صدق کی کمی کی بنا پر وہ خصوصیت کے شہروں میں داخل نہیں ہوا ہے اگر وہ خصوصیت کے شہروں میں داخل ہوتا تو اس کی ہمت جمع ہوتی اور اس کا قلب مطمئن ہوتا ہے۔ اور وہ غیر اللہ کے پانی سے بے نیاز ہوتا۔ لہٰذا اسکا اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے کا پیاسا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس کا پانی نہیں پیا ہے۔ یعنی اس سے فیضیاب نہیں ہوا ہے۔ اور کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اشعار حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

كَانَتْ لِقَلْبِي اَهْوَاءٌ مُفَرَّقَةٌ فَاسْتَجْمَعَتْ مُذْرَاْتَكَ الْعَيْنُ اَهْوَائِي

" میرے قلب میں مختلف خواہشیں تھیں۔ لیکن میری آنکھ نے تم کو دیکھا تو میری سب خواہش سمٹ کر ایک ہو گئیں۔

فَصَارَ يَحْسُدُنِي مَنْ كُنْتُ اَحْسُدُهُ

وَصِرْتُ مَوْلَى الْوَرٰى مُذْصِرْتَ مَوْلَائِي

" پھر وہ لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے، جن سے پہلے میں حسد کرتا تھا۔ اور جب تو میرا مولا ہو گیا۔ تو میں مخلوق کا مولا ہو گیا۔

تَرَكْتُ لِلنَّاسِ دِيْنَهُمْ وَ دُنْيَاهُمْ

شُغْلاً بِذِكْرِكَ يَا دِيْنِيْ وَ دُنْيَائِي

" اے میرے دین اور دنیا! میں نے تیرے ذکر میں مشغول ہو کر لوگوں کے دین اور دنیا کو ان کے لئے چھوڑ دیا ہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر شے سے بے نیاز ہونے کی علامات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مانوس ہونا اور اس کے غیر سے متنفر ہونا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور اس سے کوئی شے بے نیاز نہیں کر سکتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص اپنے رب کے شہود کے سوا کسی حال یا مقام کو کھو دیتا ہے۔ پھر وہ اس کے کھو جانے پر غم کرتا اور پریشان ہوتا ہے۔ وہ بارگاہ الٰہی سے دور

ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

وَاسْتِيحَاشُكَ لِفُقْدَانِ مَا سِوَاهُ دَلِيْلٌ عَلٰى عَدَمِ وُصْلَتِكَ بِهٖ

"سوی اللہ کے گم ہونے سے تمہارا رنجیدہ اور پریشان ہونا اللہ تعالیٰ تک تمہارے نہ پہنچنے کی دلیل ہے۔"

میں کہتا ہوں:- احوال اور واردات کے گم ہونے سے تمہاری وحشت و پریشانی یا رنج وغم اللہ تعالیٰ تک تمہارے نہ پہنچنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر تم اس کے قریب پہنچ گئے ہوتے تو کسی شی کے گم ہونے سے تم کو غم یا وحشت نہ ہوتی۔ اور درحقیقت تم نے کوئی شی گم نہیں کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیازی کی علامت یہی ہے:- جب بندے کی کوئی ایسی شی گم ہو جائے جس کے گم ہونے سے گھبرانا اور پریشان ہونا یا رنج وغم کرنا بندے کی عادت ہوتی ہے۔ مثلاً اولاد یا اس کے قریب کوئی شی یا ظاہری عبادت یا اس کے علاوہ کوئی شی فوت ہو جائے۔ تو وہ معرفت ہی کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شی سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور بندوں سے یہی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ

"تاکہ تم اپنی فوت شدہ چیزوں پر غم نہ کرو۔ جو تم کو دیا ہے اس پر خوش نہ ہو۔"

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے تنویر میں بیان فرمایا ہے:- تم یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو جانوں میں اس لئے داخل کرتا ہے تاکہ تم اس سے کچھ حاصل کرو۔ نہ اس لئے کہ وہ تم سے کچھ حاصل کرے۔ اور وہ اس لئے آتا ہے کہ تم اس میں تعریف ظاہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اٹھا کر اپنی طرف لوٹا دو۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اسم پاک "مبدی" کے ساتھ توجہ کرو۔ کیونکہ اسی نے اس کو ظاہر کیا ہے اور باقی رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں جو حصہ تمہارا ہے، جب وہ تم کو مل جائے۔ اس کے بعد جب امانت واپس ہو جائے۔ تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اسم پاک "معید" کے ساتھ توجہ کرو۔ کیونکہ اسی نے اس کو لوٹایا اور اس کو فوت کیا ہے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی رسول کے بیٹی

رہنے کی خواہش نہ کرو، جبکہ اس نے اس کی رسالت پہنچا دی ہے۔ اور نہ کسی امانت دار کے باقی
رہنے کی خواہش کرو، جبکہ اس نے اس امانت پہنچا دی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ احوال کے زائل ہونے کے بعد، انسان کے مرتبوں سے معزول ہونے کے ہی کم ظرف، رسوا اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ اسی وقت عیوب ظاہر ہو جاتے اور پردے چاک ہو جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیازی کا دعویٰ کرنے والے کتنے ہیں اور در حقیقت اس کی بے نیازی اس کی عبادت، اور اس کے نور، اور اس کی معرفت کا دروازہ کھلنے کے ساتھ وابستہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت کا دعویٰ کرنے والے کتنے ہیں۔ اور اس کی عزت مخلوق پر اس کی معرفت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے مرتبہ اور شان کے ظاہر کرنے سے متعلق ہے۔ لہذا تم اللہ تعالیٰ کے بندے ہو۔ نہ کہ اسباب کے بندے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ بغیر سبب کے تمہارا رب ہے۔ اسی طرح تم بھی بغیر کسی سبب کے اس کے بندے بن جاؤ۔ تاکہ تم اسی طرح اس کے ہو جاؤ، جس طرح وہ تمہارا ہے۔

یہاں تک اس باب ختم ہوا

اس باب کا حاصل۔ قرب و وصال اور اس سے پیدا ہونے والے اعزاز کے مقامات اور احوال کے حقائق اور درجات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیازی کا بیان کرنا ہے۔ اور یہی وہ مقصد اور برابر قائم رہنے والی قوت ہے۔ جس کے بیان سے مصنف نے چودھواں باب شروع کیا ہے۔

تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا قرب معلوم کریں گے۔ لیکن ان لوگوں کے علم میں ایک دوسرے سے فرق ہوگا۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کبریائی چادر کے پیچھے سے دیکھ رہے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ چادر کے اندر داخل ہو کر اس کو دیکھ رہے ہیں۔

بخاری شریف میں یہ حدیث شریف روایت کی گئی ہے:۔

وَمَا بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ

"لوگوں کے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان، جنت عدن میں کبریائی کی چادر حائل ہوگی۔"

اور اس چادر کو صرف اہل ذوق ہی سمجھیں گے۔

اور اہل دوزخ اللہ تعالیٰ سے دوری محسوس کریں گے۔ اس لئے ان کا عذاب دوگنا ہو جائیگا اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اپنے جمال کی صفت کے ساتھ تجلی کرتا تو وہ اس دن عذاب کی تکلیف بھول جاتے اور اہل جنت سے اس دن اللہ تعالیٰ کے محجوب ہو جانا تو جنت کی وسعت ان کے اوپر تنگ ہو جاتی۔ اور ان کی نعمت عذاب بن جاتی۔

لیکن جو لوگ دنیا میں عارف باللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان سے محجوب نہ ہوگا۔ جس طرح یہاں وہ ان ذات کے انوار کے واسطے سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح وہاں وہ اس کو اس کے اسرار کے لطائف سے دیکھیں گے۔ بلکہ اس سے بہتر طریقے پر دیکھیں گے۔ کیونکہ باطن ظاہر پر اور قدرت حکمت پر غالب ہوگی۔ اور جو شخص یہاں محجوب ہے، وہ وہاں بھی محجوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى

"اور جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔"

اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں:۔ ایک ظاہری۔ دوسری باطنی۔ لیکن آخرت میں جان کی لطافت کی بنا پر جب بھی لطیف ہوگا، ان کے لئے ان کی نعمت قرب کے دیکھنے ہی سے مکمل ہوگی۔

گیا۔ تو وہ رونے اور فریاد کرنے لگے۔ اور جب ان سے اس کیفیت کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو انھوں نے جواب دیا:- جب وہ حاضر تھا اور دیکھ رہا تھا، جس کے لئے میرے اوپر مار پڑ رہی تھی۔ تو میں مارنے کے درد سے بے حس اور بے خبر تھا۔ لیکن جب وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا۔ تو مارنے کا درد مجھ کو محسوس ہوا۔

میں کہتا ہوں:- اسی حقیقت کی بنا پر عارفین نے فاقوں اور ہر قسم کی مصیبتوں اور آفتوں کو لذیذ سمجھا۔ کیونکہ ان میں انھوں نے اپنے محبوب کے سامنے ہونے اور اس کے راضی ہونے کا مزہ چکھا۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے:-

سنو! تمہیں ناپسند اشیاء میں سب اشیاء سے زیادہ مجھ کو پسند اور عزیز ہیں۔ فقر اور مرض اور موت۔

حضرت بلال کی زوجہ محترمہ موت کے وقت چیخ کر کہہ رہی تھیں (واکربہ) ہائے ہائے تکلیف۔ اور حضرت بلال موت کے وقت فرما رہے تھے:- "واطرباہ" واہ رے خوشی کل میں اپنے دوستوں حضرت محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کرام سے ملاقات کروں گا۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو جب پیٹھ میں نیزہ مارا گیا۔ اور وہ سینہ پار کر کے نکل گیا۔ تو انھوں نے فرمایا:-

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

"رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا۔"

اور ایک ولی اللہ کوڑھی تھے۔ وہ بیماروں کے لئے دعا کرتے تھے۔ تو وہ لوگ فوراً شفایاب ہو جاتے تھے۔ ان سے لوگوں نے کہا۔ آپ اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کو شفا عطا فرمائے۔ انھوں نے فرمایا:- میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے:- کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں تم کو ایک مصیبت میں مبتلا کروں۔ اور اس کے ذریعے میں تم کو اپنے سے بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچا دوں؟ میں نے کہا:- ہاں میں راضی ہوں۔ لہذا میں کوڑھی ہو گیا۔

اس لئے تم جان [illegible] جب وہ عالم اجسام

سے ترقی کر کے عالم ارواح تک پہنچ گئے تو ان کے لئے نہ کوئی جسمانی نعمت باقی تھی نہ جسمانی عذاب۔ بلکہ ارواح کی نعمت اور ارواح کا عذاب باقی تھا۔ روحانی نعمت اور عذاب سے وہ لوگ غائب تھے۔ لہذا ان لوگوں کی نعمت اور ان کی ارواح کی غذا۔ ان کے رب تعالیٰ کا ذکر اور اس کے قرب کا شعور ہوتی تھی۔ اور وہ ان کے لئے ایسی غذا بن گئی تھی کہ وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ اور اس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر وہ اس کو چھوڑ دیتے تو ان کی روحیں ان کے جسموں سے جدا ہو جاتیں۔

اسی حقیقت کے بارے میں ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:

بِالْقُوتِ حَيَاةُ الْجِسْمِ وَ ذِكْرُهُ　　تَحْيَا بِهِ الْأَلْبَابُ وَالْأَرْوَاحُ

"جسموں کی زندگی غذا سے ہوتی ہے اور عقلوں اور روحوں کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتی ہے۔"

ذِكْرُ عَيْشِهِمْ وَوُجُودِهِمْ وَحَيَاتِهِمْ　　حَقًّا وَرَوْحُ نُفُوسِهِمْ وَالرَّاحُ

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کا عیش اور ان کا وجود اور ان کی زندگی اور ان کے نفسوں کی روح اور راحت ہے۔"

اور میں نے اپنے قصیدہ عینیہ میں کہا ہے:

وَلِي لَوْعَةٌ بِالرَّاحِ إِذْ فِيهِ رَاحَتِي　　وَرَوْحِي وَرَيْحَانِي وَخَيْرٌ وَاسِعٌ

"مجھ کو وصل کی شراب سے عشق ہے۔ کیونکہ اس میں میرے لئے راحت اور خوشبو اور بڑی اور وسیع بھلائی ہے۔"

سَكِرْنَا فَهِمْنَا فِي بَهَاءِ جَمَالِهِ　　فَغِبْنَا عَنِ الْإِحْسَاسِ وَالنُّورُ سَاطِعٌ

"ہم مست ہو گئے پھر اس کے جمال کی رونق میں کھو گئے۔ پھر احساس سے گم ہو گئے۔ حالانکہ نور روشن ہے۔"

تَبَدَّتْ لَنَا شَمْسُ النَّهَارِ وَأَشْرَقَتْ
فَلَمْ يَبْقَ ضَوْءُ النَّجْمِ وَالشَّمْسُ طَالِعٌ

صدیقؓ سے اس وقت فرمایا، جب مشرکین ان کے دیکھ لینے کے قریب ہو گئے تھے۔ غور تیں کرتے ہو۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

''غم نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

چونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ عیاں و شہود کے مقام میں تھے۔ اس لئے ان کو کچھ فکر لاحق نہیں ہوئی۔ اور نہ کوئی غم ان کے مقام کے قریب پہنچا۔ اور اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ موقن (یقین کے مقام میں) تھے۔ مشاہدہ کے مقام میں نہ تھے۔ لہٰذا حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے مقام کمال کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔ کیونکہ شہود کا مقام، یقین کے مقام سے بلند ہے۔

اسی حقیقت کے بیان میں کسی عارف کا یہ شعر ہے:-

كَبُرَ الْعَيَانُ عَلَيَّ حَتّٰى إِنَّهُ   صَارَ الْيَقِيْنُ مِنَ الْعَيَانِ تَوَهُّمَا

''عیاں و شہود میرے اوپر اتنا غالب ہو گیا کہ اس کے سامنے یقین وہم ہو گیا۔''

اور ان تمام اشیاء میں سے جن کا اجتماع اس شخص کے لئے ضروری ہے۔ جس کا یقین کامل نہیں ہوا ہے۔ روزی کا معاملہ اور مخلوق کا خوف ہے۔

یہاں تک کہ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

اگر کوئی شخص مجھ کو ان دونوں چیزوں سے بے فکر ہونے کی ضمانت دے تو میں اس کے لئے ولایت حاصل ہونے کا ضامن ہوں۔

حضرت مصنفؒ نے روزی کے معاملہ کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:-

مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ عَلَيْكَ أَنْ يَّرْزُقَكَ مَا يَكْفِيْكَ ، وَ يَمْنَعَكَ مَا يُطْغِيْكَ

''اللہ تعالیٰ کی کامل نعمتوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو اس قدر روزی عطا فرمائے، جو تمہارے لئے کافی ہو۔ اور اس قدر سے تم کو روک دے، جو تم کو سرکش اور گمراہ کر دے۔''

میں کہتا ہوں ... یہ ہے کہ ... کی ... اس کی ہمت کو اپنی

طرف متوجہ کر دے۔ اور اپنے غیر کے ساتھ ہر قسم کے تعلق سے اس کے قلب کو پاک کر دے۔ اور اس کو اتنی روزی دے جو اس کے لئے کافی ہو۔ اور اس کے غیر کے ساتھ تعلق سے اس کو بے نیاز کر دے۔ اور یہی غنا باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیاز ہونا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے نیاز ہونے اور اس کے ماسوا سے غائب ہونے سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ اور ہر اس شئے سے اس کو محروم اور بے نیاز کر دے جو اس کو اپنے میں مشغول کر کے اس کو اس کے رب سے غافل کر دیتی اور سرکش و گمراہ بنا دیتی ہے۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے اتنا کھانا اور کپڑا اور مکان، جو تمہاری بشریت کے قائم رہنے کے لئے اور اتنا علم اور عمل اور ذوق اور معرفت، جو تمہاری روحانیت کے قائم رہنے کے لئے کافی ہو، تم کو عطا فرما دے اور جو اشیاء تم کو سرکش اور گمراہ کرتی ہو، تم کو اپنے میں مشغول کر کے، اپنے رب کے ساتھ تمہارے حضور سے تم کو غافل کرتی ہیں۔ ان سے تم کو محروم کر دے۔ تو یقینی طور پر اس نے اپنی نعمت تمہارے اوپر مکمل کر دی۔ لہذا تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے اور ان اشیاء کے معاملے میں جو تمہارے لئے دشوار کر دی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرو۔ اور ان اشیاء کو اپنے سے جدا کر دو، جو تمہارے قلب کو اپنے میں مشغول کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے سے روکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کی طرف سے مدافعت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ

"بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے، جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو احسان والے ہیں۔"

اور حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فقر اور غنا (محتاجی اور دولت) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے۔ جو اپنے میں مشغول کر کے غافل کر دیتی اور اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے والے فقر اور گمراہ کر دینے والی دولت سے پناہ مانگا کرتے

سے محبت کرتا ہے۔ اور محروم کرنے کو وہ پسند کرتا ہے۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جب اس سے چھین لیتا ہے۔ تو وہ رنج و غم کرتا ہے۔ لہذا جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی خوشی ہمیشہ قائم رہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی ایسی شے نہ لے، جس کے کھو جانے سے اس کو غم ہو۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:

لِيَقِلَّ مَا تَفْرَحُ بِهِ يَقِلَّ مَا تَحْزَنُ عَلَيْهِ

"جب وہ شے کم ہوگی، جس سے تم کو خوشی ہوتی ہے۔ تو وہ شے کم ہوگی، جس کے کھو جانے سے تم کو غم ہوتا ہے۔"

میں کہتا ہوں۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خوشی ہمیشہ قائم رہے۔ تو تم کسی ایسی شے کے مالک نہ ہو، جس کے کھو جانے پر تم کو غم ہو۔ اس لئے کہ اس کے کھو جانے پر تمہارا غم اس بات کی دلیل ہے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ لہذا اگر تم مال، یا مرتبہ، یا عزت یا اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں سے اپنی ضرورت اور حاجت کم کر دو گے۔ تو تم کھو جانے والی شے نہ پاؤ گے، کہ تم اس کے لئے غم کرو۔

کسی عارف سے دریافت کیا گیا۔ آپ غم کیوں نہیں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:۔ اس لئے کہ میں ایسی شے اپنے پاس رکھتا ہی نہیں ہوں، جو مجھ کو غم میں مبتلا کرے۔ اسی کے بارے میں کسی عارف نے یہ اشعار کہے ہیں:۔

وَمَنْ سَرَّهُ أَنْ لَا يَرَى مَا يَسُوْءُهُ   فَلَا يَتَّخِذْ شَيْئًا يَخَافُ لَهُ فَقْدًا

"جس شخص کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسی شے نہ دیکھے جو اس کو غم میں مبتلا کرے۔ اس کو چاہئے کہ ایسی کوئی شے نہ حاصل کرے، جس کے کھو جانے کا خوف ہو۔"

فَإِنَّ صَلَاحَ الْمَرْءِ يَرْجِعُ كُلُّهُ   فَسَادًا إِذَا الْإِنْسَانُ جَازَ بِهِ الْحَدَّا

"کیونکہ انسان کی ہر خوبی عیب اور خرابی ہے، جبکہ وہ اس شے میں حد سے بڑھ جاتا ہے۔"

حکایت: ایک بادشاہ کی خدمت میں جواہرات سے مرصع فیروزہ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا۔ جس سے

مثل دوسرا نہ تھا۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے ایک درباری حکیم سے پوچھا:۔ آپ کی نگاہ میں یہ پیالہ کیسا معلوم ہوتا ہے؟ حکیم نے جواب دیا:۔ میں اس پیالے کو آپ کے لئے ایک مصیبت اور محتاجی سمجھتا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ یہ کیسے؟ حکیم نے کہا:۔ اگر یہ ٹوٹ گیا، یا گم ہو گیا تو یہ ایک ایسی مصیبت ہوگی، جس پر آپ کو صبر نہ ہوگا۔ اور اگر چوری ہو گیا تو آپ اس کے لئے محتاج ہوں گے۔ اور اس کی طرح دوسرا پیالہ آپ پائیں گے نہیں۔ اور آپ کے پاس اس پیالہ کے آنے سے پہلے آپ مصیبت اور محتاجی سے محفوظ تھے۔ پھر اتفاقاً ایک دن وہ پیالہ ٹوٹ گیا۔ اور اس کا ٹوٹنا بادشاہ کیلئے ایک بڑی مصیبت بن گئی۔ تو بادشاہ نے کہا:۔ حکیم نے سچ کہا تھا۔ کاش، یہ پیالہ ہمارے پاس نہ لایا گیا ہوتا۔

اور یہاں اس سے بہتر ایک دوسرا میزان بھی ہے:۔

اور وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے نفس سے آزاد ہو گئے۔ اور اس کو اپنے رب تعالیٰ کے قضاو قدر کے تیروں کے نشانے پر پیش کر دیا تو اب جو کچھ بھی وہ تمہارے ساتھ کرے گا۔

تم اس سے مخالفت نہ کرو گے۔ اور اس طرح یقینی طور پر تم کو آرام ملے گا۔ اور تم ہمیشہ خوش رہو گے۔ اس لئے کہ اب تم اس کے منتظر رہو گے، جو تمہارے محبوب حقیقی کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ پھر تم خوشی سے مرحبا کہتے ہوئے اس سے ملاقات کرو گے۔ اور یہی رضا و تسلیم کی ٹھنڈک کی شیرینی ہے۔ پھر اگر اس شیرینی کے ساتھ فاعل حقیقی و مختار مطلق اللہ تعالیٰ کا شہود بھی شامل ہو۔ تو وہ ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت ہے۔ اور یہی ولایت کبریٰ ہے۔ جو شخص اس کی پیروی کرتا ہے وہ کبھی معزول نہیں ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنف ؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اِنْ اَرَدْتَ اَنْ لَّا تُعْزَلَ فَلَا تَتَوَلَّ وِلَايَةً لَا تَدُوْمُ لَكَ

''اگر تم معزول ہونا نہیں چاہتے ہو، تو تم ایسی ولایت کے مالک نہ بنو، جو تمہارے لئے ہمیشہ نہ رہے۔''

میں کہتا ہوں:۔ جو ولایت ہمیشہ قائم نہیں رہتی ہے۔ وہ وہ ولایت ہے، جو فرق کی طرف

سے آتی ہے اور وہ مخلوق کی ولایت (حکومت) ہے جیسا: سلطنت، اور قضا اور سرداری کا تعلق اور ان
کے علاوہ دوسرے تعلقات، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی گردنوں میں ڈال دیا اور اسی مخلوق کی ولایت
میں، مال کی ولایت بھی شامل ہے۔ جبکہ اس کی وجہ سے اس کی عزت و تعظیم کی جائے۔ یا نسب کی
ولایت جبکہ وہ تقویٰ سے خالی ہو۔ یا علم کی ولایت، جبکہ وہ عمل سے خالی ہو اور ان کے علاوہ دنیا کی
دوسری ولایتیں۔ کیونکہ بیشک وہ فنا اور ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد ذلت اور تنگی آتی ہے۔

اور جو ولایت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ وہ وہ ولایت ہے۔ جو حق کی طرف سے آتی ہے۔
اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت اور اس کے ساتھ غنا اور اس کی معرفت اور اس کے ماسوئی سے
غائب ہونا ہے۔ کیونکہ یا شبہ ایسی ولایت ہے، جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اور ایسا شرف ہے، جو کبھی زائل
نہ ہوگا۔ اور ایسی عزت ہے، جو کبھی فنا نہ ہوگی۔

حکایت:- سیدنا حضرت عبداللہ بن مبارک جو تبع تابعی تھے اور علمائے عاملین و زاہدین میں
سے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس تشریف لے گئے۔ جب وہ فوج میں داخل ہوئے تو سب
لوگ ان کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ بھیڑ کی وجہ سے بہت بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ یہاں تک کہ
جوتے پاؤں سے نکل گئے۔ اور غیرت ختم ہو گئی۔ ہارون الرشید کی ام ولد (لڑکے کی کنیز ماں) نے
اپنے لکڑی کے محل سے جھانک کر دیکھا۔ جب اس نے آدمیوں کی بھیڑ دیکھی، تو پوچھا۔ یہ بھیڑ کیسی
ہے؟ لوگوں نے کہا:- یہ خراسان کے عالم ہیں۔ اس نے کہا۔ اللہ کی قسم، سلطنت اور عزت یہ ہے۔ نہ
کہ ہارون کی سلطنت، جو لوگوں کو کوڑے اور ڈنڈے سے جمع کرتا ہے۔

اور جو ولایت ہمیشہ قائم رہتی ہے:- وہ اس ولی پر اور اس کی اولاد پر ہمیشہ جاری رہتی ہے
اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس ولی کے مرتبہ اور ولایت کی عظمت کے مطابق وہ ولایت ان میں ہمیشہ
قائم رہتی ہے۔ لہذا جس کی ولایت جتنی بڑی ہوتی ہے، اسی کے مطابق اس کی اولاد اور متبعین میں
ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

اور بعض تفسیروں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اس آیہ کریمہ کا یہی مفہوم ہے:-
وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ

"دودھ پلانے والی اچھی معلوم ہوتی ہے اور دودھ چھڑانے والی بری معلوم ہوتی ہے۔"

لہذا اگر اس فانی ولایت میں اس کی ابتدا کی شیرینی تم کو رغبت دلاتی ہے تو اس کی انتہا کی تلخی تم کو بے زار کر دیتی ہے۔ لہذا اگر وہ تم کو اپنی ظاہری رونق سے دھوکا دیتی ہے۔ تو تم اس کی باطنی حسرت سے عبرت حاصل کرو۔ اس میں تمہاری رغبت اس کے آنے کی شیرینی کی وجہ سے ہے۔ اور اس میں تمہاری پریشانی اور بیزاری اس کے آخر کی تلخی کی وجہ سے ہے۔

حضرت شیخ ابوعلی ثقفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

دنیا جب سامنے آئے تو اس میں مشغول ہونے پر افسوس ہے اور جب وہ پیچھے ہٹ جائے تو اس کے لئے حسرت ہونے پر افسوس ہے۔ اور عقلمند انسان کسی ایسی شے پر بھروسہ نہیں کرتا ہے۔ کہ جب وہ آگے بڑھتی ہے تو فتنہ ہوتی ہے اور جب وہ پیچھے ہٹتی ہے تو حسرت ہوتی ہے۔

اسی مفہوم میں ایک عارف کے اشعار ہیں:۔

وَمَنْ يَحْمَدِ الدُّنْيَا لِشَيْءٍ يَسُرُّهُ ۔۔۔ فَسَوْفَ لَعَمْرِي عَنْ قَرِيبٍ يَلُومُهَا

"جو شخص دنیا کی تعریف کسی ایسی شے کی وجہ سے کرتا ہے، جس سے اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تو میری عمر کی قسم۔ وہ عنقریب اس کو برا کہے گا۔"

إِذَا أَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً ۔۔۔ وَإِنْ أَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيرًا هُمُومُهَا

"جب دنیا پیچھے ہٹ جاتی ہے تو انسان پر حسرت ہو جاتی ہے اور جب سامنے آتی ہے تو اس کے لئے فکریں زیادہ ہو جاتی ہیں۔"

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس یہ خط لکھا۔ دنیا کی مثال سانپ کی طرح ہے۔ چھونے میں وہ نرم محسوس ہوتا ہے لیکن اس کا زہر قاتل ہے۔ لہذا دنیا کی ہر اس شے سے آپ پرہیز کیجئے۔ جو آپ کو اچھی معلوم ہو۔ کیونکہ وہ بہت تھوڑے وقت تک آپ کے ساتھ رہے گی۔ اور دنیا کے لئے اپنی فکروں کو اپنے سے دور کر دیجئے۔ اس لئے کہ آپ کو اس کے جدا ہونے کا یقین ہے اور آپ دنیا سے متنفر ہو کر جب تک اس میں زندہ ہیں خوش رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا دار دنیا پر جتنا مطمئن ہوتا ہے۔ اتنا ہی وہ اس کی ناگوار اشیاء سے فکر و غم

میں ظاہر ہوتا ہے۔

اور بیان کیا گیا ہے ۔ دنیا خواب ہے۔ اور اس کی خوشی بادل کا سایہ ہے۔ اور اس کے حادثات بہت ہیں۔ وہ اس کے قصے سوچتی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام وحشت رکھا ہے۔ اور اس کو مصیبتوں اور غفلتوں سے قریب کر دیا ہے۔ پھر اس کی طرف یہ وحی فرمائی۔ اے دنیا! تو میرے دوستوں کے لئے تلخ ہو جا اور میرے دشمنوں کے لئے کشادہ ہو جا۔ لہٰذا جو شخص دنیا کو انصاف کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کے لئے اس شے سے گھٹیا اور بے کار چیز کوئی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں جو قابل تعریف اور بہتر شے ہے۔ اس کے مقابل گھٹیا اور بری شے بھی ہے۔ مثلاً مال کے مقابلے میں اس کا کھو جانا اور جوانی کے مقابلے میں بڑھاپا اور تندرستی کے مقابلے میں بیماری، اور خوشی کے مقابلے میں غم اور عزت کے مقابلے میں ذلت اور زندگی کے مقابلے میں موت۔

میں کہتا ہوں ۔ قبیلہ بنو سعد کے صالح ولی سیدی حضرت قاسم بن نجیح کے متعلق روایت ہے کہ بعض حکام نے ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا۔ تو وہ تونس میں سیدی حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگ کر چلے گئے۔ اور وہ ان کے قبر شریف کے پاس بیٹھ کر زبان حال سے شکایت کر رہے تھے:۔ تو خوشبودار عود سے لکھا ہوا ایک کاغذ جس کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی قبر شریف سے ان کے سامنے بڑھا دیا گیا۔ اس میں یہ دو اشعار لکھے ہوئے تھے:۔

إِذَا مَا رَمَاكَ الدَّهْرُ يَوْمًا بِنَكْبَةٍ   فَهَيِّءْ لَهُ صَبْرًا وَ وَسِّعْ لَهُ صَدْرًا

"جب زمانہ کسی دن تم کو کسی مصیبت میں پھینک دے تو تم اس پر صبر کے لئے آمادہ ہو اور سینہ کشادہ کر لو۔"

فَإِنَّ تَصَارِيفَ الزَّمَانِ كَثِيرَةٌ   فَيَوْمًا تَرَى عُسْرًا وَ يَوْمًا تَرَى يُسْرًا

"کیونکہ زمانے کی گردشیں بہت ہیں۔ کسی دن تم دشواری اور بدحالی دیکھو گے۔ اور کسی دن آسانی اور خوش حالی دیکھو گے۔"

لہٰذا جو شخص دنیا کے ظاہر کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔ تو دنیا کے باطن میں فرشتے اس سے پکار کر کہتے ہیں:۔ حقیقت میں ہم صرف دھوکا ہیں۔ لہٰذا تم دھوکا نہ کھاؤ۔ اور مصنف کے اس قول کا

یہی مفہوم ہے۔

إِنْ دَعَاكَ إِلَيْهَا ظَاهِرٌ، نَهَاكَ عَنْهَا بَاطِنٌ

"اگر تم کو دنیا کا ظاہر اپنی طرف بلاتا ہے۔ تو اس کا باطن تم کو اپنی طرف آنے سے منع کرتا ہے۔"

میں کہتا ہوں: دنیا کا ظاہر تر و تازہ سرسبز اور شیریں ہے اور اس کا باطن گندہ اور تلخ ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، وَإِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيعُ مَا يَقْتُلُ أَوْ يُلِمُّ حَبَطًا

"دنیا تروتازہ اور شیریں ہے۔ اور بلاشبہ موسم بہار میں جو گھاس پیدا ہوتی ہیں، ان میں سے بعض گھاس ایسی بھی ہوتی ہے جو مار ڈالتی ہے۔ یا بیمار ہو کر مرنے کے قریب پہنچا دیتی ہے۔"

اس حدیث شریف میں حضرت نبی کریم ﷺ نے یہ خبر دی ہے: کہ دنیا کا ظاہر تروتازہ اور شیریں ہے۔ لیکن اس کا باطن زہر قاتل ہے۔

ایک عارف نے دنیا کو سات چیزوں سے تشبیہ دی ہے۔

پہلی چیز: دنیا کو سمندری پانی سے مشابہت دی ہے: وہ غرق کر دیتا ہے مگر آسودہ نہیں کرتا ہے اور وہ نقصان پہنچاتا ہے مگر فائدہ نہیں کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح دنیا کی محبت میں دنیادار کو غرق کر دیتی ہے۔ اور وہ اسی حال میں مرتا ہے کہ دنیا سے اس کی پیاس نہیں بجھتی ہے۔"

دوسری چیز: دنیا کو بادل کے سایہ سے مشابہت دی ہے۔ جو دھوکا دیتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ دھوکا یہ ہے کہ وہ بعض جسموں کو ڈھانپ لیتا ہے۔ پھر جب آفتاب روشن ہوتا ہے تو وہ بادل دور ہو جاتا ہے۔

تیسری چیز: دنیا کو چمکنے والی بجلی سے مشابہت دی ہے۔ جو جلد چلی جاتی اور پریشان کر دیتی ہے۔

چوتھی چیز: موسم گرمی کے بادل سے مشابہت دی ہے۔ جو نقصان پہنچاتا ہے مگر فائدہ

تکلیف دیتا ہے۔

پانچویں چیز:- موسم بہار کے پھول سے مشابہت دی ہے۔ جو اپنی تازگی اور خوبصورتی سے دھوکا دیتا ہے۔ پھر وہ جلد ہی زرد ہو جاتا اور خشک ہو کر بکھر جاتا ہے۔

چھٹی چیز:- سونے والے کے خواب سے مشابہت دی ہے۔ وہ اپنے خواب میں خوشی کی چیزیں دیکھتا ہے۔ لیکن جب بیدار ہوتا ہے، تو اپنے ہاتھ میں کچھ نہ پا کر حسرت و افسوس کرتا ہے۔

ساتویں چیز:- زہر قاتل ملے ہوئے شہد سے مشابہت دی ہے۔ وہ دھوکا دے کر مار ڈالتا ہے۔

ان عارف کے پوتے نے فرمایا ہے:- میں نے حج سال ان ساتوں چیزوں میں غور کیا۔ پھر میں نے ان میں ایک چیز کو مشابہ قرار دیا اور وہ یہ ہے کہ میں نے دنیا کو اس غول بیابانی (جنگل میں رہنے والا جن) سے مشابہت دی ہے، جو اس شخص کو مار ڈالتا ہے، جو اس کو جواب دیتا ہے اور اس کو چھوڑ دیتا ہے، جو اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اس کو حضرت ابن عباد رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے۔ لہٰذا تم اس میں غور کرو۔

پھر مصنف نے دنیا کے ان کدورتوں اور فکروں کا مقام ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

إِنَّمَا جَعَلَهَا مَحَلًّا لِلْأَغْيَارِ ، وَمَعْدَنًا لِوُجُودِ الْأَكْدَارِ ، تَزْهِيدًا لَكَ فِيهَا

"اللہ تعالیٰ نے دنیا کو غیر کا مقام اور کدورتوں کی کان تم کو دنیا میں زاہد بنانے کے لئے بنایا ہے۔"

میں کہتا ہوں:- درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان اوصاف کے ساتھ، یعنی اس کے فکروں اور غموں کا مقام ہونے اور کدورتوں اور فتنوں کی کان ہونے کے ساتھ اس لئے معیوب کیا ہے، تاکہ وہ تم کو دنیا سے کنارہ کشی کر کے زاہد بنائے۔ لہٰذا تم پورے طور پر اس کی طرف سے ہمت اور اپنی ہمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ یا اس لئے معیوب بنایا ہے، کہ تم دنیا سے منہ پھیر لو۔ اور آخرت کی طرف متوجہ ہو۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:- دنیا کی مثال:- گہرے پانی والے خوفناک سمندر کی طرح ہے

اور آخرت اس سمندر کے اس پار ہے اور آخرت کی طرف دیکھنے کے لئے قلب کی آنکھ سے حجاب صرف اسی صورت میں دور ہوتا ہے کہ صبر و رضا کی کشتی میں سوار ہو کر اس سمندر سے پار ہو جائے۔ کیونکہ وہ:

بَحْرٌ لُّجِّيٌّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ

''بہت بڑا اور گہرا سمندر ہے۔ جس کو موج ڈھانپے ہوئے ہے۔ اس موج کے اوپر پھر موج ہے۔ پھر اس کے اوپر سیاہ اور اندھیرا بادل ہے۔ ظلمتوں پر ظلمتیں ہیں۔''

اس کو خواہشات کی موج نے ڈھانپ لی ہے۔ پھر اس کے اوپر غفلتوں کی موج ہے۔

پھر اس کے اوپر کائنات کا بادل ہے۔

نیز اس لئے محبوب بنایا ہے کہ دنیا تمہارے لئے وسیع کر دی جاتی ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند نہ کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی تم سے ملنا پسند نہ کرتا۔ اور اگر تم کو دنیا دوام اور نعمتیں دی جاتیں۔ تو روح اسی دنیا پر بھروسہ کر لیتی۔ پھر وہ ہمیشہ عالم اجسام ہی میں پھنسی رہتی اور تمہاری ذات سے مقصود عالم ارواح کی طرف سیر کرنا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اس عالم حسی یعنی دنیا کو تنگ کر دیا ہے۔ تاکہ تم اپنی ہمت سے اس عالم حسی سے عالم معنوی کی طرف سیر کرو۔ لہذا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہے۔ لیکن امتحان کی شکل میں ہے۔ لہذا اہل بصیرت عارفین کے سوا اس کا مزہ کوئی نہیں چکھتا ہے۔

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

عَلِمَ مِنْكَ أَنَّكَ لَا تَقْبَلُ النُّصْحَ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ فَذَوَّقَكَ مِنْ ذَوَاقِهَا مَا سَهَّلَ عَلَيْكَ فِرَاقَهَا

''اللہ تعالیٰ نے معلوم کیا کہ صرف کہنے سے تم نصیحت کو قبول نہ کرو گے۔ تو اس نے تم کو دنیا کی سختیوں کا مزہ چکھایا تاکہ اس کا چھوڑنا تمہارے لئے آسان ہو۔''

میں کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم کیا کہ اس کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو صرف کہنے سے نصیحت نہ قبول کریں گے۔ نہ وہ وعظ و نصیحت سن کر دنیا میں زہد اختیار کریں گے۔ اس لئے کہ اکثر علم اور سمجھ والے قرآن کریم سنتے ہیں۔ جو ان کو دنیا کی برائی پر تنبیہ کرتا اور اس کے فریب

سے ڈراتا ہے۔ لیکن وہ اس نصیحت سے غافل رہتے ہیں۔ اور انھیں چیزوں میں مشغول رہتے ہیں، جن کی وجہ سے ان کے قلوب کے لئے نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اپنی بارگاہ اقدس کے لئے اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھے منتخب کرے۔ تو اس نے ان کے لئے دنیا کو خراب اور تلخ بنا دیا۔ اور ان کے اوپر سختی بلائیں اور تکلیفیں نازل کیں اور ان کے ظاہری اعضائے جسمانی کو آزمائشوں کی جگہ بنائی اور یہ سب اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عنایت اور احسان ہے۔ تاکہ وہ دنیا کے باطن کی تلخی کو چکھیں اور وہ اس کی ظاہری خوبصورتی اور لذت سے فریب نہ کھائیں۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا:-

مَنْ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ قَالَ :- اَلَّذِيْنَ نَظَرُوْا إِلٰى بَاطِنِ الدُّنْيَا حِيْنَ نَظَرَ النَّاسُ إِلٰى ظَاهِرِهَا ، وَاهْتَمُّوْا بِآجِلِهَا حِيْنَ اهْتَمَّ النَّاسُ بِعَاجِلِهَا۔

"وہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں، جن کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم میں مبتلا ہوں گے۔" (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) حضرت ﷺ نے فرمایا:- اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے دنیا کے باطن کو دیکھا۔ جبکہ لوگوں نے اس کے ظاہر کو دیکھا۔ اور انھوں نے دنیاوی اعمال کے مقررہ وقت پر ملنے والے اجر اور نفع کا اہتمام کیا۔ جبکہ لوگوں نے اس کے فوراً ملنے والے اجر و نفع کا اہتمام کیا۔"

اور اس سے پہلے حضرت مصنف کے اس موضوع میں:- "کائنات کا ظاہر دھوکا فریب ہے اور اس کا باطن عبرت اور نصیحت ہے" یہ بحث گزر چکی ہے۔

لہٰذا ان تعریفات جلالیہ میں سے جو اس کے نفس کو مقہور اور مغلوب کرتے ہیں، جو مرید ہی کے اوپر نازل ہوتی ہے۔ وہ دل کے حق میں بہت ہی بہتر ہوتا ہے۔

بعض نے فرمایا ہے:- "امتحان، طاقت کے مطابق ہوتا ہے" اور "ہر تکلیف مرید کو بڑھاتا ہے" اور "باقی رہنے والے اللہ تعالیٰ کا امتحان، بندے کے باقی رہنے کو ختم کر دیتا ہے۔"

لہٰذا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دل کے قلب میں اس دنیا کی کسی شے کی محبت کا کچھ حصہ یا اس دنیا کی کسی شے پر بھروسہ باقی رہ جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ایسی شے مسلط کر دیتا ہے جو اس کی

اس محبت اور بھروسے کی بنا پر پیش کرتا ہے۔ اور اس شی کا اس کے لئے تنگ ہو جانا ہے۔ یہ سب اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی عنایت اور احسان ہے۔ تا کہ وہ اس عالم سے عالم ملکوت کی طرف سیر کرے۔ پھر جب اس کی سیر ثابت و قائم ہو جاتی ہے تو اس کے نزدیک شیریں و تلخ، عزت و ذلت، غنی و فقر، برابر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو شے بھی آتی ہے، سب اس کے ماسوی ہیں۔ اور سب زائل ہیں۔ اور یہی حقیقی علم ہے۔ اور اسی کو علم نافع کہتے ہیں۔

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

اَلْعِلْمُ النَّافِعُ هُوَ الَّذِیْ یَنْبَسِطُ فِی الصَّدْرِ شُعَاعُهٗ ، وَ یَنْکَشِفُ بِهٖ عَنِ الْقَلْبِ قِنَاعُهٗ

''علم نافع وہ نور ہے جس کی شعاع سینے میں پھیل جاتی ہے اور اس سے قلب کا حجاب دور ہو جاتا ہے''

میں کہتا ہوں۔ علم نافع قلوب کا علم ہے۔ اور اس کا کام: قلوب کو برے اوصاف سے پاک کر کے بہترین اوصاف سے آراستہ کرتا ہے۔ یا تم اس طرح کہو: اس کا کام تخلیہ اور تحلیہ ہے۔

لہٰذا وہ پہلے نفس اور قلب اور روح اور سر کے عیوب کے متعلق تحقیق کرتا ہے۔ پھر ہر ایک کو ان کے عیوب سے پاک کرتا ہے۔

پھر جب نفس اور قلب اور روح اور سر تمام عیوب سے پاک ہو جاتے ہیں۔ تو وہ کمالی صفات سے مثلاً ایمان، و ایقان، و اطمینان، و مراقبہ، و مشاہدہ، و حضور، و معرفت، زہد و قناعت و حیا وغیرہ تمام اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔

پس علم نافع کی وہ شعاع جو سینے میں پھیلتی ہے وہ یقین کا نور اور رضا و تسلیم کی ٹھنڈک اور ایمان کی شیرینی اور عرفان کا ادب ہے۔ وہ ان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف و ہیبت اور حیا و شرم اور سکون و اطمینان قلب اور ان کے علاوہ دوسرے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔

اور وہ حجاب جو علم نافع کے ذریعے قلب سے دور ہوتا ہے، وہ ظلمت ہے اور ظلمت کا سبب نفس سے مانوس ہونا ہے۔ اور حس سے راضی ہونے کا سبب۔ دنیا کی محبت ہے اور دنیا کی

محبت :۔ تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔ کیونکہ دنیا ہی کی محبت سے حسد و غرور اور کینہ و غضب اور بخل اور سرداری کی محبت اور سخت دلی اور سخت کلامی اور بے صبری اور ان کے علاوہ دیگر عیوب پیدا ہوتے ہیں۔

لہٰذا جب یہ عیوب قلب سے دور ہو جاتے ہیں تو اس میں اس علم کی شعاع پھیلتی ہے۔ اور وہ یقین کا برف اور رضا کی ٹھنڈک ہے۔ جس کا بیان پہلے کیا گیا۔

اور علم باطن :۔ قلب کا نور ہے اور اس سے ایسی شعاع نکلتی ہے، جو سینے میں پھیل جاتی ہے۔ پھر وہ اس کو رب اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہے۔ اور جب وہ دنیا کو ترک کر دیتا اور اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے تو اس کا سینہ یقین اور رضا و تسلیم اور ان کے علاوہ دوسرے اوصاف حسنہ کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا علم نافع کے شعاع پھیلنے پر قلب کے حجاب کا دور ہونا مقدم ہے۔ اس لئے افضل یہی ہے کہ پہلے قلب کے حجاب کو دور کرے۔ کیونکہ تخلیہ پر تحلیہ مقدم ہے۔

لہٰذا اگر مصنف اس طرح فرماتے :۔

هُوَ الَّذِي يَنْكَشِفُ عَنِ الْقَلْبِ قِنَاعُهُ وَ يَنْبَسِطُ فِي الصَّدْرِ شُعَاعُهُ

علم نافع وہ ہے جس کے ذریعے قلب سے اس کا حجاب دور ہوتا ہے اور سینے میں اس کی شعاع پھیلتی ہے۔" تو زیادہ بہتر ہوتا۔

اور یہ بھی احتمال ہے :۔ مصنف نے " سینے میں شعاع کے پھیلنے " سے اسلام اور ایمان کا نور مراد لیا ہو۔ اور وہ انوار توجہ ہیں۔ اور قلب سے حجاب دور ہونے " سے حس اور مخلوق کی ظلمت کا دور ہونا مراد لیا ہو۔ کیونکہ اس ظلمت کے دور ہونے کے بعد ہی انوار مواجہت ظاہر ہوتے ہیں۔ اور انوار مواجہت کا نام :۔ انوار احسان اور اسرار عرفان ہے۔ اور اسی طریقے پر مصنف کا کلام کی ترتیب درست ہوتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حاصل یہ ہے :۔ جو علم اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے۔ وہی علم نافع ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا علم نافع نہیں ہے۔

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

خَيْرُ عِلْمٍ مَا كَانَتِ الْخَشْيَةُ مَعَهُ

”بہترین علم وہ ہے جس کے ساتھ خوف الٰہی ہو۔“

لہذا اگر علم سے اللہ تعالیٰ کا خوف نہ پیدا ہو تو اس میں کچھ بھلائی نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا علم اہل علم پر حجت ہے۔

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

اَلْعِلْمُ اِنْ قَارَنَتْهُ الْخَشْيَةُ فَلَكَ وَاِلَّا فَعَلَيْكَ

”علم کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف شامل ہو تو وہ تمہارے لئے ہے۔ یعنی تمہارے لئے مفید ہے۔ ورنہ وہ تمہارے اوپر ہے۔ یعنی وہ تمہارے اوپر حجت اور تمہارے لئے مواخذہ اور عذاب کا باعث ہے۔“

میں کہتا ہوں: جس علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خوف شامل ہوتا ہے وہ اہل علم کو دنیا اور اس کے اسباب سے روکتا ہے اور اس کو ہر اس شے سے بعید کر دیتا ہے، جو اس کو اس کے علم پر عمل کرنے سے روکتی ہے اور ہر اس شے میں اس کو رغبت دلاتا ہے، جو اس کو اس کے رب سے قریب کرتی ہے۔ لہذا وہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچنے میں اس کا مددگار ہوتا ہے۔ اور رضائے الٰہی کے میدان کے قریب پہنچنے میں اس کا معاون ہوتا ہے۔ لیکن اگر علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خوف شامل نہیں ہے۔ تو وہ علم اس کے اوپر وبال ہے۔ کیونکہ وہ اب اس کے اوپر حجت ہے۔ کیونکہ علم کے ہوتے ہوئے نافرمانی کرنا اس نافرمانی سے بدتر ہے، جو جہالت کے ساتھ ہو۔

حدیث شریف میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت ہے۔

وَيْلٌ لِلْجَاهِلِ مَرَّةً ، وَوَيْلٌ لِلْعَالِمِ إِذَا لَمْ يَعْمَلْ عَشْرَ مَرَّاتٍ

”جاہل کے لئے ایک مرتبہ تباہی ہے اور عالم کے لئے اگر اس نے عمل نہیں کیا دس مرتبہ تباہی ہے۔“ اس حدیث شریف کو حضرت ابو نعیم نے بیان فرمایا ہے۔

اور حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے حزب کبیر میں اسی طرح فرمایا ہے:

اس شخص کے لئے خرابی ہے جس نے تجھ کو نہیں پہچانا۔ لیکن خرابی پر خرابی اس شخص کے لئے ہے۔ جس نے تیری وحدانیت کا اقرار کیا۔ لیکن تیرے احکام پر راضی نہیں ہوا۔

اگر تم یہ اعتراض کرو:۔ بعض احادیث شریف میں وارد ہوا ہے:۔ جاہل کا ایک گناہ معاف کرنے سے پہلے، عالم کے چالیس گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ یا معاف کر دے گا۔

اس کا جواب یہ ہے پہلی حدیث شریف اس عالم اور جاہل کے بارے میں وارد ہوئی ہے، جو اپنے گناہ پر اصرار کرتے ہوئے مر جائیں۔ اس صورت میں بلاشبہ عالم کے لئے عذاب زیادہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے:۔

عالم کو ناک کے بل آگ میں پھینکا جائے گا۔ اور جہنم میں وہ چکی میں گردش کرے گا۔ لیکن جاہل کے بارے میں ایسی کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے۔

اور دوسری حدیث شریف ان دو عالم اور جاہل کے بارے میں ہے۔ جن کی توبہ ثابت ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ عالم کے ہاتھ میں علم کا چراغ ہے۔ جب وہ توبہ کرے گا تو اپنے فوت شدہ اعمال کو جاہل سے زیادہ حاصل کرے گا۔ لہذا عالم ایک دم میں اپنا نقصان اتنا پورا کر لے گا، جتنا جاہل ایک سال یا اس سے زیادہ میں پورا کرے گا۔

حاصل یہ ہے:۔ پہلی حدیث شریف ان دو عالم اور جاہل کے بارے میں ہے، جو اپنے گناہوں پر قائم رہتے ہوئے مر جائیں۔ اور دوسری حدیث شریف ان دو عالم اور جاہل کے بارے میں ہے، جو توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ علم دیناروں اور درہموں کی طرح ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو تم کو ان سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ اور اگر چاہتا ہے تو تم کو ان سے نقصان پہنچاتا ہے۔

حضرت مصنف نے لطائف المنن میں فرمایا ہے:۔

جس علم کی نسبت اس کے بندوں سے اللہ تعالیٰ نے کی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے اور اللہ تعالیٰ

کہ صرف لفظی عبارتیں۔ کیونکہ لفظی عبارتیں صرف واسطہ ہیں۔ اور جب مقصد حاصل ہو تو واسطہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ لہذا لفظی عبارتوں کے عالم کے لئے وراثت صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ عبارت مقصود بالذات نہیں ہے۔

حضرت شیخ ولی کبیر ابن ابی جمرہ اپنے زمانے کے علماء کے بارے میں فرماتے تھے:- یہ لوگ علم کے جز کو صرف ایک ہنر کی حیثیت سے سیکھنے والے لوگ ہیں۔ لہذا یہ لوگ صناع (اہل ہنر) ہیں علماء نہیں ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت شیخ ابن عباد نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ لہذا جو شخص اپنے آپ کو اپنے اوپر علم کے حجت ہونے سے بچانا چاہتا ہے اس کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

و باللہ التوفیق

اور فہم نافع کی علامات میں سے: اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت کرنا اور اس کے دیکھنے کو کافی سمجھنا ہے اور قناعت کا نتیجہ:- لوگوں کے بدگوئی کرنے اور تعریف کرنے اور عقیدت سے سامنے آنے اور نفرت سے پیچھے ہٹنے کی پرواہ نہ کرنا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے دیکھنے کو کافی سمجھنے کا بیان مصنف نے اپنے اس قول میں فرمایا ہے:-

تَشَوَّفُكَ عِنْدَ إِقْبَالِ النَّاسِ عَلَيْكَ أَوْ تَوَجُّهِهِمْ بِاللَّوْمِ إِلَيْكَ ، فَارْجِعْ إِلَى عِلْمِ اللهِ فِيكَ فَإِنْ كَانَ لَا يُقْنِعُكَ عِلْمُهُ فِيكَ ، فَمُصِيبَتُكَ بِعَدَمِ قَنَاعَتِكَ بِعِلْمِهِ أَشَدُّ مِنْ مُصِيبَتِكَ بِوُجُودِ الْأَذَى مِنْهُمْ

"لوگوں کا تمہاری طرف متوجہ ہونا یا ان کا تمہاری بدگوئی کرتے ہوئے تمہاری طرف متوجہ ہونا، جب تم کو تکلیف اور غم پہنچائے۔ تو تم اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف رجوع کرو۔ پھر اگر اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم تم کو قناعت نہیں عطا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت نہ کرنے کی وجہ سے تمہاری مصیبت اس مصیبت سے زیادہ سخت ہے جو لوگوں کی ایذا رسانی سے تم کو

پہنچی ہے۔“

میں کہتا ہوں :- جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی مخلوق کو اس لئے مسلط کرے کہ تم کو آزمائے -- کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہو یا اس کی مخلوق کے ساتھ؟ لہذا جب لوگ تمہاری طرف سے منہ پھیر لیں، یا تم کو برا کہنے اور گالی دینے میں مشغول ہو جائیں۔ اور اس سے تم کو تکلیف پہنچے۔ تو تم اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی آگاہی کی طرف رجوع کرو۔ اس لئے کہ تمہارا کوئی معاملہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر اگر تمہارے لئے یہ کافی ہو گیا اور تم کو اس پر قناعت ہو گئی اور تم اس کے ذکر یا اس کے شہود سے مانوس ہو گئے۔ تو تمہارے نزدیک ان کی بدگوئی اور مدح خوانی اور ان کا متوجہ ہونا اور منہ پھیر لینا برابر ہو جائے گا۔ بلکہ اکثر اوقات تم ان کے منہ پھیرنے کو ترجیح دو گے۔ اس لئے کہ ان کی روگردانی میں تمہاری راحت اور اپنے قلب کو اپنے رب کے ساتھ فارغ کر لینا ہے۔ (یعنی لوگوں کی ملاقات سے تم فرصت پا کر فراغت اور حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو گے) لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت نہیں کرتے ہو اور اس کے دیکھنے کو کافی نہیں سمجھتے ہو اور لوگوں کی روگردانی پر افسوس کرتے ہو اور ان کی ایذا رسانی سے رنجیدہ ہوتے ہو۔ تو تمہاری مصیبت، تمہارے ایمان کی کمزوری اور تمہارے یقین کے ختم ہو جانے کے سبب لوگوں کی بدگوئی اور تمہاری طرف سے روگردانی کی مصیبت سے زیادہ سخت ہے۔ اس لئے کہ ایمان کا کمزور ہونا، اور یقین کا ختم ہو جانا، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب اور اس کی محبت کی نظر سے تمہارے گر جانے کا سبب ہے۔

لیکن مخلوق کی ایذا رسانی اور ان کی تم سے دوری تو یہ تمہارے لئے رحمت ہے۔ اور نیز یہ کہ جب لوگ تمہاری بدگوئی اور تم کو نقصان پہنچانے میں مشغول ہوں۔ تو تم اپنے رب کے ساتھ اپنا مقام دیکھو۔ اگر تم اپنے رب کے ساتھ مخلص ہو۔ تو نہ کوئی شی تم کو فریب دے سکتی ہے۔ نہ کوئی شی تم کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

جیسا کہ ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے :-

اَلنَّاسُ قَالُوْا لِیْ بِدْعِیٌّ وَ اَنَا طَرِیْقِیْ مَنْجُوْرٌ

"لوگ مجھ کو بدعتی کہتے ہیں۔ لیکن میں تو میرا طریقہ کنوئیں کی چرخی کی طرح ہے۔"

إِذَا صَفَيْتُ مَعَ رَبِّيْ　　　　اَلْعَبْدُ مَا بِهٖ ضَرُوْرَا

"جب میں اپنے رب کے ساتھ خالص ہوں۔ تو بندے سے مجھ کو کیا ضرورت ہے۔"

حضرت ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض مریدین سے دریافت فرمایا:- میرے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا:- لوگ آپ کو ریاکار کہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا:- اب زندگی خوشگوار ہوگئی۔

حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ کو حضرت تیمی کی یہ بات معلوم ہوئی۔ تو انھوں نے فرمایا:- اللہ تعالیٰ کی قسم! ابراہیم تیمی نے اللہ تعالیٰ کے علم کو کافی سمجھا۔ کیونکہ انھوں نے یہ نہیں پسند کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ غیر اللہ کا علم شامل ہو جائے۔

اور انھوں نے یہ بھی فرمایا:- اپنی تعریف سے سکون قلب حاصل ہونا:- گناہوں سے بھی زیادہ سخت مصیبت ہے۔

حضرت ابو حواری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:- جو شخص چاہتا ہے کہ وہ کسی نیکی کے ساتھ پہچانا جائے۔ یا اس کا ذکر اس نیکی کے ساتھ کیا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی عبادت میں شریک ٹھہراتا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص محبت سے کوئی عمل کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا ہے۔ کہ اس کا عمل اس کے محبوب کے سوا کوئی دوسرا دیکھے۔

حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:-

تم اپنے علم کی نشر و اشاعت اس لئے نہ کرو، کہ لوگ تمھارے عالم ہونے کی تصدیق کریں۔ بلکہ تم اپنے علم کی اشاعت اس لئے کرو، کہ اللہ تعالیٰ تمھارے علم کی تصدیق کرے اور اگرچہ علم کا علم موجود ہے۔ لیکن جو علت تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اس حیثیت سے ہے کہ اس نے تم کو حکم دیا ہے۔ اس علت سے بہتر ہے، جو تمھارے اور انسان کے درمیان اس حیثیت سے ہے۔ کہ اس نے تم کو منع کیا اور راستی علت جو تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لائے، اس علت سے بہتر ہے، جو تم کو اللہ تعالیٰ سے دور کردے۔ اسی لئے اولیائے کرام رضی اللہ عنہم نے ثواب کے لئے عمل نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ

یعنی مخالف ہو گیا۔ اور یہ عالم اس کے لئے تنگ ہو گیا تو وہ اپنے مولائے حقیقی کی طرف سفر کرتی
ہے۔ وہ اس عالم کی طرف اس کی توجہ بالکل باقی نہیں رہتی ہے۔ لہذا اب اللہ تعالیٰ سے اس
کا وصل مکمل ہو جاتا ہے اور اس کی فنا اور بقا ثابت ہو جاتی ہے اور گردش، مرتبہ اور عزت کے سایہ میں
پرسکون حالت میں قائم رہتا ہے۔ تو وہ اس عالم سے بالکل سفر نہیں کرتا ہے۔

اور اولیائے کرام کو جس قدر زیادہ اور سخت تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچتی ہیں، اسی قدر ان کا
مرتبہ اور مقام اللہ تعالیٰ کے یہاں بلند ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ مجری اور مختار اور فاعل حقیقی ہونے کی
حیثیت سے مخلوق کے ہاتھوں سے تمہاری طرف تکلیفیں اور مصیبتیں اس لئے جاری کرتا ہے، تاکہ تم
اپنے قلب اور روح کے ساتھ پرسکون ہو کر اس کی طرف مشغول نہ ہو جاؤ۔ پھر تمہارا یہ سکون اور
مشغولیت عالم ملکوت کی طرف ترقی کرنے سے تم کو روک دے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ تم کو اس عالم کی ہر شے سے بیزار اور متنفر کر کے نکالے، یہاں تک
کہ تم کسی شے پر بھروسہ اور توجہ نہ کرو۔ اور نہ کوئی شے تم کو اپنے میں مشغول کر کے اللہ تعالیٰ کے شہود سے
غافل کرے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا بھی مشاہدہ کرو اور اس کے ساتھ غیر اللہ کا بھی
مشاہدہ کرو۔ یا تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کے ساتھ غیر اللہ سے بھی محبت کرو۔ محبت اس سے
انکار کرتی ہے کہ تم اپنے محبوب کے سوا کسی دوسرے کو دیکھو۔ پھر جب محبت مضبوطی سے قائم ہو جاتی
ہے اور شہود کامل ہو جاتا ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے تو اپنے اولیائے کرام کو اپنے بندوں کی
ہدایت کے لئے ان کا مرشد بنا کر عروج سے نزول میں واپس کرتا ہے۔

حضرت مصنف نے لطائف المنن میں فرمایا ہے:۔ اعتراض والیاء اللہ کا حال یہ ہوتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر مخلوق کو مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ اخلاق کے باقی ماندہ دعووں سے پاک ہو جائے
اور ان کے اندر فضائل مکمل ہو جائیں اور مخلوق پر اعتماد کر کے ان میں سکونت نہ اختیار کریں اور ان
کے اوپر بھروسہ کر کے ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ کیونکہ جس شخص نے تم کو تکلیف پہنچائی اس نے
اپنے احسان کی غلامی سے تم کو آزاد کر دیا۔ اور جس نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔ اس نے اپنے
احسان سے تم کو غلام بنا لیا۔

اسی لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

مَنْ اَسْدٰی اِلَیْکُمْ مَعْرُوْفًا فَکَافِئُوْهُ ، فَاِنْ لَّمْ تَقْدِرُوْا فَادْعُوْا لَهٗ

"جس شخص نے تمہارے ساتھ کوئی احسان کیا، تم اس کا بدلہ چکا دو۔ اور اگر تم بدلہ پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو تو اس کے لئے دعا کرو۔"

لہٰذا یہ سب تکلیفیں اس لئے پہنچتی ہیں، تا کہ قلب مخلوق کے احسان کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔ اور بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو جائے۔

پھر مصنف نے فرمایا۔ حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے:۔ جتنا تم برے لوگوں سے بھاگتے ہو، اس سے زیادہ تم اچھے لوگوں سے بھاگو۔ اس لئے کہ نیک لوگوں کی نیکی تمہارے قلب میں مصیبت پیدا کرتی ہے۔ اور برے لوگوں کی برائی کا اثر صرف تمہارے جسم پر ہوتا ہے۔ اور جو مصیبت تمہارے جسم پر پہنچے وہ اس مصیبت سے بہتر ہے جو تمہارے قلب پر پہنچے اور وہ دشمن جس کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ تک پہنچو، اس دوست سے بہتر ہے، جو تم کو اللہ تعالیٰ سے جدا کر دے۔ اور مخلوق کے اپنی طرف متوجہ ہونے کو رات سمجھو۔ اور اپنے سے ان کی روگردانی کو دن تصور کرو۔

کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ لوگ جب تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں تو تمہارے لئے فتنہ کا سبب ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے:۔ ابتدائے طریقت میں اولیاء اللہ پر مخلوق کو مسلط کرنا، اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

"اور وہ ہلا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے:۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی۔"

اور اس آیہ کریمہ کے سوا دوسری آیات بھی ہیں۔ جو اس مفہوم پر دلیل ہیں۔

ایک عارف نے فرمایا ہے۔ نفوس کی شان یہ ہے کہ وہ عزت اور شان و شوکت کے مقام پر رہنے میں لذت حاصل کرتے ہیں۔ تو اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دے تو وہ

پاک ہوتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر حاسدین کی ایذا رسانی اور مخالفین کے اعتراضات کو مسلط کر کے اس مقام سے بیزار اور متنفر کر کے نکالا اور اسی مفہوم میں ایک عارف کے یہ اشعار ہیں :۔

عِدَاتِیْ لَهُمْ فَضْلٌ عَلَیَّ وَ مِنَّةٌ فَلَا اَبْعَدَ الرَّحْمٰنُ عَنِّیَ الْاَعَادِیَا

"میرے دشمنوں کا میرے اوپر فضل و احسان ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ میرے دشمنوں کو مجھ سے دور نہ کرے۔"

هُمْ بَحَثُوْا عَنْ زَلَّتِیْ فَاجْتَنَبْتُهَا وَ هُمْ نَافَسُوْنِیْ فَارْتَقَیْتُ الْمَعَالِیَا

"انھوں نے میری غلطیوں پر بحث کیا۔ تو میں نے غلطیوں سے پرہیز کیا۔ اور انھوں نے میرا مقابلہ کر کے مرتبے میں مجھ سے بڑھ جانے کی حرص کی تو میں بلند مرتبوں پر پہنچ گیا۔"

ایک عارف نے فرمایا:۔ دشمن کی مصیبت اللہ تعالیٰ کا کوڑا ہے۔ جس کے ذریعے قلوب لوٹائے جاتے ہیں۔ جب وہ غیر اللہ کی طرف ٹھہر جاتے ہیں۔ ورنہ قلب عزت اور مرتبے کے سایہ میں ٹھہر جائے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے بہت بڑا حجاب ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

ایک مرتبہ مجھ کو ایک شخص نے تکلیف پہنچائی۔ میں نے اس پر صبر کیا۔ جب میں سو گیا۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کہا جا رہا ہے:۔ دشمنوں کی زیادتی:۔

صدیقیت کی ایک علامت ہے۔ جبکہ وہ ان کی پرواہ نہ کرے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو تم نے یہ معلوم کر لیا کہ ولی اللہ کے لئے ایذا رسانی اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کی سنت ماضیہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا

"پس تم اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی ہرگز نہ پاؤ گے۔"

اور ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں غور کرو۔ آپ ﷺ نے قریش اور بنی وائل کے ہاتھوں کتنی مصیبتیں جھیلیں۔ اعلان نبوت کے بعد جو مخلوق سے تکلیف پہنچنے کا مقام

تھا۔ آپ ﷺ ان لوگوں کے ساتھ تیرہ سال رہے۔ ہر سال آپ پر مارو حماڑ اور تنگی و مصیبت کے ساتھ گزرا۔ اور جب حضور اقدس ﷺ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے۔ تب بھی آپ ﷺ کو آرام نصیب نہ ہوا۔ آپ ہمیشہ جہاد کرتے اور تعلیم دیتے رہے۔ اور علمائے یہود کی دشمنی و ایذا رسانی اور شر انگیزی برداشت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور شرف و کرم اور بزرگی و عظمت کے کمال پر جا پہنچے۔ ﷺ

اور آپ ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ جیسی حالت آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی تھی۔ ان کو بھی آرام کبھی نہ ملا۔ اور ان میں سے اکثر حضرات نے شہید ہو کر وفات پائی۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ زہر سے شہید ہوئے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قتل ہو کر شہید ہوئے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ذبح ہو کر شہید ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ زہر میں بجھائی ہوئی تلوار سے شہید ہوئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلا کر شہید کیا گیا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے شہید کیا گیا۔

یہاں تک کہ ان کے سر مبارک کے ساتھ ملک شام میں کھیل کر کے بے حرمتی کی گئی۔ پھر سر مبارک مصر میں دفن کیا گیا۔ ایک بادشاہ نے فدیہ دے کر مصر میں دفن کیا اور مصر والوں کے نزدیک وہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے۔

پھر بے شمار اولیاء اللہ گزرے ہیں۔ جن کے ساتھ اہل دنیا نے یہی سلوک کیا۔

اور حضرت جنید رضی اللہ عنہ اور ان کے مریدین کی شکایت بادشاہ سے کی گئی۔ اور وہ سب تلوار کے سامنے لائے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بچا لیا اور ایک جگہ جمع کر دیا۔

حضرت جنید اور ان کے مریدین کا واقعہ یہ ہے:۔ بغداد کے علما نے خلیفہ متوکل سے کہا۔ جنید اور ان کے مریدین زندیق یعنی بے دین ہو گئے ہیں۔ خلیفہ نے، جو حضرت جنید سے حسن عقیدت رکھتا تھا، ان علما سے کہا:۔ اے اللہ تعالیٰ کے دشمنو! تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ اولیاء اللہ کو ایک ایک کر کے زمین سے ختم کر دو۔ تم لوگوں نے حضرت منصور حلاج کو قتل کرا دیا۔ حالانکہ تم ہر روز ان کا ایک بیان سنتے تھے، لیکن ان کو روک نہیں سکتے تھے۔ لہذا جب تک تم لوگ دلیل میں حضرت جنید پر

غالب آ جاؤ، اور ان کو شکست دے دو۔ تم کو ان کے قتل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا تم لوگ ان
سے مقابلہ کرنے کے لئے علماء کو جمع کرو۔ اور ان سے بحث کرنے کے لئے ایک مجلس منعقد کرو۔ اگر تو
لوگ ان کے اوپر غالب ہو گئے۔ اور لوگوں نے یہ گواہی دی کہ تم لوگ ان پر غالب ہو گئے ہو۔ اور
ان کو شکست ہو گئی ہے۔ تو میں ان کو قتل کر دوں گا۔ اور اگر حضرت جنید تم لوگوں پر غالب ہو گئے۔ اور تم
لوگوں کو بحث میں شکست ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ کی قسم، میں تم لوگوں پر تلوار لے آؤں گا۔ اور تا قتل کر دوں
گا۔ کہ تم لوگوں میں سے کسی ایک عالم کو زمین پر باقی نہ چھوڑوں گا۔ علماء نے کہا: ہاں ہم تیار ہیں۔ پھر
ان علماء نے حضرت جنیدؒ سے مقابلہ کرنے کے لئے شام، روم، یمن، عراق اور دوسرے علاقوں کے علماء
کو جمع کیا۔ تو جب اس مقصد کے لئے سب علماء جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہر چہار جانب سے جو شخص
دین کا ایک مسئلہ بھی جانتا تھا وہ بھی حاضر ہوا۔ جب سب مقررہ مجلس میں جمع ہو گئے۔ تو خلیفہ نے
حضرت جنید کو بلانے کے لئے ایک قاصد روانہ کیا۔ حضرت جنید اپنے مریدین کے ساتھ شاہی محل
کے دروازے پر آئے۔ پھر وہ خود تو خلیفہ کے دربار میں تشریف لے گئے اور اپنے مریدین کو باہر چھوڑ
دیا۔ اور خلیفہ کو سلام کر کے بیٹھ گئے۔ ایک عالم کسی مسئلے میں حضرت جنید سے سوال کرنے کے لئے
کھڑے ہوئے۔ قاضی علی بن ابی ثور نے اس عالم کی بات سنی۔ تو قاضی نے علماء سے دریافت کیا:
کیا آپ لوگ حضرت جنید سے سوال کریں گے۔ علماء نے جواب دیا: ہاں۔ پھر قاضی نے دریافت کیا
۔ کیا آپ لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے، جو جنید سے زیادہ عالم ہو؟ علماء نے جواب دیا: نہیں۔ ہم
میں جنید سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ قاضی نے کہا: بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ لوگ
یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جنید آپ سے زیادہ عالم ہیں۔ تو ان کو ایسا علم حاصل ہے جس سے آپ
لوگ ناواقف ہیں اور آپ لوگ ایک ایسے علم میں ان کے اوپر اعتراض کر رہے ہیں۔ جس کو آپ
لوگ نہیں جانتے ہیں۔ لہٰذا آپ لوگ ایسے شخص سے کیسے سوال کر سکتے ہیں، جس کی بات آپ نہ
سمجھتے ہیں۔ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ سارے علماء مبہوت (ہکا بکا) ہو گئے اور کچھ دیر تک خاموش رہے
پھر علماء نے کہا اے مسلمانوں کے قاضی اب کیا کرنا چاہئے آپ جو مناسب مشورہ دیں گے۔ ہم لوگ
اسی پر عمل کریں گے۔ کیونکہ آپ کا حکم قابل اطاعت ہے۔ راوی نے بیان کیا ہے: پھر قاضی علی

نے اپنے منظور نظر لوگوں کی طرف رخ کیا اور خلیفہ سے کہا۔ آپ حضرت جنید کو چھوڑ دیجئے۔ اور ان کے مریدین کے پاس چلئے۔ آپ کا جلاد سیدھا ان کے سامنے یہ اعلان کرے۔ تم میں کون شخص تلوار کے سامنے کھڑا ہونے کے لئے تیار ہے۔ یہ اعلان سننے کے بعد جو شخص سب سے پہلے سامنے آئے گا۔ ہم اس سے سوال کریں گے۔ خلیفہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر رحم فرمائے۔ ایسا کیوں کیا جائے۔ کیا آپ ان کے مریدین کو دھمکا کر مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے سامنے ان کے خلاف کوئی دلیل ظاہر نہیں ہوئی ہے؟ ایسا کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ قاضی نے کہا: اے امیر المؤمنین! صوفیائے کرام اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔ لہذا آپ الولید بن ربیعہ کو حکم دیجئے کہ وہ یہ اعلان کرے: تم میں سے کون شخص تلوار کے سامنے کھڑا ہونا چاہتا ہے؟ پھر جو شخص جلدی سے آ کر تلوار کے سامنے کھڑا ہو گا۔ وہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ ربانی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ سچا ہو گا۔ تو وہ اپنے بعد زندہ رہنے کے لئے اپنے ساتھیوں کو اپنے اوپر ترجیح دے گا۔ اور خود تلوار کے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ تو جب ان میں سب سے پہلا شخص ہمارے سامنے آئے گا۔ تو علماء جس مسئلے میں ہیں کہ اس سے مناظرہ کریں گے۔ تو یہ یقینی بات ہے کہ علماء اس پر غالب ہوں گے۔ یا وہ علماء پر غالب ہو گا۔ لہذا ہمارے اور ان کے درمیان صلح ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ واقعہ بڑی مصیبت بن گیا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ہم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی۔ اور کون اس کا شکار ہوگا؟ کیونکہ اگر حضرت جنید قتل کر دیئے جائیں تو یہ اسلام میں بہت بڑا حادثہ ہو گا۔ کیونکہ وہ شیخ وہ ہمارے زمانے میں ایمان کے قطب ہیں۔ اور اگر علماء فقہاء قتل کر دیئے جائیں تو یہ بھی بہت بڑی مصیبت ہو گی۔ خلیفہ نے قاضی سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے درست سوچا ہے۔ پھر خلیفہ نے ولید کی طرف متوجہ ہو کر اس سے کہا۔ قاضی صاحب تم کو جو حکم دیں۔ اس پر عمل کرو۔ لہذا ولید تلوار لٹکائے ہوئے نکلا اور مریدین کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کل مریدین دو سو تھے۔ سب اپنے سروں کو جھکائے بیٹھے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے۔

ولید نے ان لوگوں کے سامنے پکار کر کہا۔ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو تلوار کے سامنے

ہوتے"

یہ دونوں گواہ ان کے سامنے ایک ساتھ آ کر کھڑے ہو گئے۔ جن کا نام حضرت ابوالحسن نوری رضی اللہ عنہ تھا۔

ولید کا بیان ہے۔ میں نے کسی بندے کو بھی ان سے زیادہ تیز رفتار نہیں دیکھا وہ اتنی جلدی دوڑ کر میرے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان کے اتنی جلدی آ کر کھڑے ہونے سے مجھ کو تعجب ہوا۔

میں نے کہا۔ کیا تم کو معلوم ہے کہ تم کیوں میرے سامنے کھڑے ہوئے ہو؟

انھوں نے جواب دیا۔ ہاں کیا تم نے یہ نہیں کہا ہے:- کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو تلوار کے سامنے کھڑا ہو؟

میں نے ان سے کہا: ہاں میں نے کہا ہے۔

پھر ولید نے ان سے کہا:- تم کیوں کھڑے ہو گئے؟

حضرت نوری نے جواب دیا: مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ یہ تلوار ان کے لئے تیار ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس سے قتل ہو کر دنیا کے گھر سے آخرت کی طرف چلا جاؤں۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں کی زندگی کو اپنی زندگی پر ترجیح دوں اگرچہ وہ میرے بعد ایک گھڑی زندہ رہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرے قتل ہو جانے کے ساتھ فتنہ ختم ہو جائے۔ اور سب لوگ بچ جائیں۔ اور میرے سوا کوئی قتل نہ ہو۔

ولید کہتا ہے:- مجھ کو ان کے اس قدر دقت کے ساتھ گفتگو کرنے پر بہت تعجب ہوا۔ پھر میں نے ان سے کہا۔ تم قاضی صاحب کے سوال کا جواب دو۔

یہ سن کر ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور ان کے رخسار پر آنسو جاری ہو گئے۔ پھر انھوں نے دریافت کیا۔ کیا مجھ کو قاضی صاحب نے بلایا ہے؟

میں نے کہا: ہاں تم کو قاضی صاحب نے بلایا ہے۔

انھوں نے کہا:- تب مجھ کو ابھی ان کے سوال کا جواب دینا ہوگا۔

پھر میں ان کو ساتھ لے کر دربار میں گیا۔ اور بادشاہ اور قاضی کو ان کا سارا قصہ بتایا۔ دونوں کو بہت تعجب ہوا۔

پھر قاضی بل نے ان سے پیچیدہ سوالات کئے چنانچہ قاضی نے ان سے سوال کیا:۔ تم کون ہو؟ اور تم کس لئے پیدا کئے گئے ہو؟ اور تم کو پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے؟ اور تمہارا رب تم سے کہاں ہے۔

حضرت نوریؒ نے فرمایا:۔ پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ کون ہیں، جو مجھ سے سوال کر رہے ہیں؟

قاضی نے جواب دیا:۔ میں قاضی القضاۃ ہوں۔

حضرت نوریؒ نے قاضی صاحب کو جواب دیا۔ تب تو آپ کے سوا کوئی رب نہیں ہے اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ قاضی القضاۃ ہیں اور آج فیصلہ اور انصاف کا دن ہے اور لوگ دوپہر کے وقت جمع کئے گئے ہیں۔ تو پھر صور کی دو آواز کہاں ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؟:۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ

اور صور پھونکا جائے گا۔ تو جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔"

کیا میں ان لوگوں میں سے ہوں جو بے ہوش ہو جائیں گے۔ یا کیا میں ان میں سے ہوں۔ جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ کیونکہ میں نے صور کا پھونکنا نہیں دیکھا اور اس کی آواز نہیں سنی۔

قاضی صاحب تھوڑی دیر مبہوت رہے۔ پھر کہا:۔

اے شخص، کیا آپ نے مجھ کو معبود بنا دیا؟

حضرت نوری نے جواب دیا:۔ معاذ اللہ۔ اللہ کی پناہ۔ میں نے آپ کو معبود نہیں بنایا ہے۔ بلکہ آپ نے اپنا نام قاضی القضاۃ رکھ کر اپنے آپ کو معبود بنایا ہے اور اس قاضی کے سوا کوئی قاضی القضاۃ نہیں ہے۔ جو فیصلہ کرتا ہے اور اس کے اوپر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیا سب نام آپ

کے لئے تنگ ہو گئے تھے۔ آپ کو کوئی دوسرا نام نہیں ملا تھا؟ کیا آپ کے لئے قاضی المسلمین یا ایک عالم یا ایک اللہ کا بندہ وغیرہ کافی نہیں ہوا۔ جو آپ نے اپنا نام قاضی القضاۃ رکھا؟ آپ نے یہ نہ کہہ کر کہ میں علی بن ثور ہوں، تکبر کیا۔ پھر وہ برابر قاضی صاحب پر اعتراض کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قاضی علی رونے لگے۔ اور ان کو خیال ہوا کہ ان کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ اور قاضی علی کے رونے کے ساتھ بادشاہ اور حضرت جنید بھی رونے لگے۔

حضرت جنیدؒ نے اپنے مرید حضرت ابوالحسن نوریؒ سے فرمایا:۔ تم قاضی کے لئے اپنی ملامت بند کرو۔ تم نے ان کو مار ڈالا۔ اب ان کو چھوڑ دو۔

پھر جب قاضی علی کو افاقہ ہوا اور ان کے ہوش و حواس درست ہوئے۔ تو انہوں نے کہا۔ اے ابوالحسن! آپ میرے سوالوں کا جواب دیجئے۔ میں آپ کے سامنے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاؤں گا۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا:۔ آپ اپنے سوالوں کو پھر بیان کیجئے۔ کیونکہ میں انہیں بھول گیا۔ قاضی علی نے ان کے سامنے اپنے سوالوں کو دہرایا۔

حضرت نوریؒ نے اپنی داہنی طرف دیکھ کر فرمایا۔ کیا آپ اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں؟ پھر انہوں نے کہا:۔ "حَسْبِيَ اللّٰهُ" اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہے۔ پھر انہوں نے بائیں طرف دیکھ کر اسی طرح فرمایا:۔ پھر انہوں نے اپنے سامنے سینے کی طرف دیکھ کر اسی طرح فرمایا:۔ پھر فرمایا:۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔" پھر انہوں نے اپنا سر اٹھا کر قاضی علی کی طرف دیکھا اور ان سے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر رحمت نازل فرمائے۔

آپ کا پہلا سوال:۔ یہ ہے۔ تم کون ہو؟

اس کا جواب یہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا

"جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب رحم کرنے والے اللہ تعالیٰ کے پاس بندہ کی حیثیت

سے آئیں گے۔

اور آپ کا دوسرا سوال یہ ہے۔ تم کس لئے پیدا کئے گئے ہو؟

اس کا جواب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسا خزانہ تھا۔ جو پہچانا نہیں جاتا تھا۔ لہٰذا اس نے مجھ کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ) اَیْ لِیَعْرِفُوْنِ

"میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ یعنی مجھ کو پہچانیں۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں اسی طرح فرمایا ہے:۔

اور آپ کا تیسرا سوال یہ ہے:۔ میرے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے:۔ میرے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد مجھ کو بزرگی عطا فرمانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْ اٰدَمَ

"ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا کی۔"

اور آپ کا چوتھا سوال یہ ہے۔ مجھ سے میرا رب کہاں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے:۔ میرا رب مجھ سے وہیں ہے، جہاں میں اس سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

"تم لوگ جہاں بھی رہو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔"

قاضی علی نے اس پر یہ سوال کیا۔ آپ مجھے یہ بتائیے: اس آیہ کریمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ اور ہمارے ساتھ کس طرح ہے؟

حضرت نوری نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ اسی طرح ہے، جس طرح ہم اس کے ساتھ ہیں۔

لہٰذا اگر ہم اس کے ساتھ، اطاعت اور عبادت کے ساتھ ہیں۔ تو وہ ہمارے ساتھ اطاعت اور عبودیت کی طرف مدد اور ہدایت کے ساتھ ہے۔ اور اگر ہم اس کے ساتھ غفلت کے ساتھ ہیں۔ تو وہ ہمارے ساتھ مشیت کے ساتھ ہے۔ اور اگر ہم اس کے ساتھ معصیت اور نافرمانی کے ساتھ ہیں۔ تو وہ ہمارے ساتھ مہلت یعنی ڈھیل دینے کے ساتھ ہے اور اگر ہم اس کے ساتھ توبہ کے ساتھ ہیں۔ تو وہ ہمارے ساتھ توبہ قبول کرنے کے ساتھ ہے۔ اور اگر ہم اس کے ساتھ اس کو چھوڑ دینے کے ساتھ ہیں۔ تو وہ ہمارے ساتھ سزا دینے کے ساتھ ہیں۔

قاضی علی نے کہا:- آپ نے سچ فرمایا۔ لیکن آپ مجھے یہ بتائیے:- اللہ تعالیٰ مجھ سے کہاں ہے؟

حضرت نوریؒ نے جواب دیا:- آپ مجھے یہ بتائیے:- آپ اللہ تعالیٰ سے کہاں ہیں؟ تب میں بتاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کہاں ہے؟

قاضی علی نے کہا:- آپ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ سچ فرمایا۔ لیکن آپ میرے ایک دوسرے سوال کا جواب دیجئے۔

حضرت نوری نے فرمایا:- وہ کون سا سوال ہے؟

قاضی علی نے کہا:- جب میں نے آپ سے سوال کیا۔ تو آپ اپنی دائیں طرف کیوں مڑے؟

حضرت نوری نے جواب دیا:- اللہ تعالیٰ آپ کو عزت عطا فرمائے۔ آپ نے جو سوالات مجھ سے دریافت کئے۔ ان کے متعلق مجھے کچھ بھی علم نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے ان کے بارے میں نہ کبھی کسی سے دریافت کیا تھا نہ کسی سے سنا تھا۔ لہٰذا جب آپ نے ان مسئلوں کے بارے میں سوال کیا۔ تو میرے پاس ان کا جواب نہیں تھا۔ جو میں آپ کو بتاتا۔ تو میں نے اس بزرگ فرشتے سے جو میری دائیں طرف اعمال لکھتا ہے سوال کیا اور ان سے کہا:- کیا آپ اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں؟ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔-

مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ تب میں نے کہا:-

"حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ فَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ"

"میرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اور میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔"

پھر قاضی نے سوال کیا۔ اور آپ بائیں طرف کیوں مڑے؟

حضرت نوری نے جواب دیا۔ جس طرح میں نے دائیں طرف کے فرشتے سے سوال کیا، اسی طرح بائیں طرف کے فرشتے سے سوال کیا۔ انھوں نے بھی وہی جواب دیا، جو دائیں طرف کے فرشتے نے جواب دیا تھا۔

پھر قاضی جی نے سوال کیا۔ آپ اپنے آگے کیوں جھکے؟

حضرت نوری نے جواب دیا۔ میں اپنے قلب سے دریافت کیا۔ تو قلب نے اپنے سر سے، اور سر نے اپنے رب سے، دریافت کر کے مجھ کو وہ جواب بتایا، جو میں نے آپ کو دیا۔ لہذا میں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر شکر ادا کرنے اور اچھا کو پانے اور سمجھنے سے عاجزی کا اقرار کرنے کے لئے "الحمد للہ" کہا۔

قاضی جی نے پوچھا۔ اے شخص! کیا فرشتے آپ سے بات کرتے ہیں؟

حضرت نوری نے قاضی صاحب سے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ کیا آپ کے سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ کہ فرشتوں کے رب نے مجھ سے بات کی۔ تنہا اس نے جواب کی طرف میری رہنمائی فرمائی۔ حالانکہ میں جواب سے ناواقف تھا۔

قاضی جی نے کہا۔ اے ابوالحسن! اب میرے اوپر آپ کی بد قولی ظاہر ہو گئی اور آپ کا کفر اور آپ کی بے دینی ثابت ہو گئی۔ اب آپ ہی بتائیے کہ میں آپ کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ اور کس طریقے سے آپ کو قتل کروں۔

حضرت نوری نے قاضی جی سے کہا۔ آپ ہی بتائیے کہ آپ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں اور آپ "قاضی القضاۃ" ہیں۔ اگر آپ فیصلہ صادر کرتے ہیں اور آپ کے اوپر فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تو جو آپ کے جی میں آئے فیصلہ کیجئے۔ آپ کے ہاتھ میں اختیار ہے۔"

قاضی علی نے حضرت نوری سے کہا۔ میں ایک قاضی ہوں کہ اللہ تعالے کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ یا اللہ تعالے کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔

حضرت نوری نے قاضی علی سے کہا۔ کیا آپ نے اس کو سمجھا۔ جو میں نے آپ کو اپنے قاضی کا خطاب دیا ہے۔ جو فیصلہ کرتا ہے اور اس پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے؟ قاضی نے دریافت کیا۔ اس کا مفہوم کیا ہے؟

حضرت نوری نے فرمایا۔ اس کا مفہوم وہ ہے، جو اللہ تعالے نے فرمایا ہے:-

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

"آج کسی شخص پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور تم لوگوں کو صرف انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

پھر حضرت نوری نے قاضی علی سے کہا۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ اب آپ جو چاہیں، فیصلہ کریں۔ اپنے رب سے ملنے کے لئے میں بھی راضی ہوں۔ اور میرا نفس بھی راضی ہے۔

اس گفتگو کے بعد قاضی علی نے اپنا منہ خلیفہ متوکل کی طرف کر کے کہا۔

اے امیر المومنین۔ آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ زندیق اور بے دین ہیں تو پھر روئے زمین پر کوئی مسلمان نہیں ہے۔

یہ حضرات دین کے چراغ اور اسلام کے ستون ہیں۔ وہی لوگ سچے مومن اور اللہ تعالے کے مخلص بندے ہیں۔

تب خلیفہ نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر ان سے کہا۔ اے ابو القاسم! ان علماء و فقہاء نے آپ سے مقابلہ کرنے کے لئے یہ عظیم الشان مجلس اس لئے منعقد کی تھی۔ اور آپ سے مناظرہ کرنے کی تیاری اس مقصد سے کی تھی کہ اگر وہ لوگ آپ کو شکست دے دیں اور آپ پر غالب آ جائیں۔ تو آپ کو قتل کر دیں۔ لیکن اب آپ ان سب پر غالب ہیں۔ اور وہ سب شکست کھا چکے ہیں۔ اور میں نے اپنے اوپر یہ قسم کھائی تھی۔ کہ اگر آپ ان کے اوپر غالب آ جائیں گے اور یہ

لوگ آپ کے مقابلے میں شکست کھا جائیں گے۔ تو میں ان سب کو قتل کردوں گا۔ لہذا اب اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کو معاف فرمادیں۔ اور اگر آپ چاہیں تو یہ لوگ قتل کر دیئے جائیں۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا۔ اے امیر المومنین! میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میرے سبب سے ان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ان لوگوں کو معاف فرمائے۔ اور ہمارے اوپر ان لوگوں کے اعتراض اور انکار کرنے میں ان کے اوپر کوئی گرفت نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو میرے قتل پر جہالت اور علم کی کمی نے آمادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ان سب کو معاف فرمائے۔ لہذا مجلس عافیت اور سلامتی کے ساتھ برخاست ہوگئی۔ اور ان میں سے کوئی شخص بھی قتل نہیں کیا گیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

پھر قاضی علی، حضرت ابوالحسن نوریؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ان سے کہا۔ اے ابوالحسن مجھ کو آپ کے حال سے خوشی ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن میں آپ سے ایک ہدایت چاہنے والے شخص کی طرح کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر رحمت نازل فرمائے۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا۔ آپ کے دل میں جو بات پیدا ہوئی ہے آپ سوال کیجئے اگر مجھ کو اس کا جواب معلوم ہوگا تو ضرور آپ کو بتاؤں گا۔ ورنہ میں آپ سے کہہ دوں گا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ اور اپنی بے علمی ظاہر کرنا، میرے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ پھر قاضی علی نے ان سے متعدد مسائل دریافت کئے۔ ان میں سے بعض مسائل مصنفؒ کے اس قول کی تشریح میں پہلے بیان کئے جاچکے ہیں:۔

یَا عَجَبًا کَیْفَ یَظْهَرُ الْوُجُوْدُ فِی الْعَدَمِ

"تعجب ہے کہ وجود عدم میں کیسے ظاہر ہوتا ہے؟

اگر تم چاہتے ہو تو اس قول کی تشریح کو پھر پڑھو۔ اور باقی مسائل کو میں نے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ ان کا بیان میری تصنیف کردہ کتابوں میں کثرت سے موجود ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

یہ صوفیائے کرام کی وہ تکلیف و مصیبت ہے، جو حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں واقع ہوئی۔

اور اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رضی اللہ عنہم کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت جاری ہے۔ ان حضرات پر تمام انسانوں سے زیادہ بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوئی ہیں۔

اور ہم ہمارے شیخ الشیوخ حضرت شیخ ابن مشیش رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر غور کریں، جو اپنے زمانے کے مشہور قطب تھے۔ لیکن وہ قتل کئے گئے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

اور اسی طرح ان کے مرید کا واقعہ، جو قاضی ابن براء کے ساتھ پیش آیا۔ اور وہ واقعہ اس طرح ہے۔ قاضی ابن براء نے ان کو تیونس سے نکال دیا۔ اور ان کے بارے میں مصر کے بادشاہ کے پاس خط لکھا اور ان کے اوپر یہ بہتان قائم کیا کہ وہ ہنگامہ برپا کرنا چاہتے ہیں اور وہ بادشاہت کے طلبگار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کو ظالموں کے پنجے سے نجات عطا کی جس طرح اپنے اولیائے کرام کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

اور اسی طرح حضرت شودانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ جب ان کی حقیقت ظاہر ہوئی اور ان کی ہدایت ظاہر ہوئی۔ یعنی اللہ کی معرفت میں استقامت حاصل ہوئی۔ تو ان کے شیخ حضرت قطب نے ان کو ان کے شہر میں رہنے کے لئے بھیج دیا اور وہ حضرت شیخ ابن مشیش کے مزار مبارک کے قریب قیام پذیر ہو کر رہنے لگے۔ جب انہوں نے وہاں کے بازار کو آباد کیا۔ اور مخلوقات ان کی طرف ٹوٹ پڑی۔ تو سلطان مرینی کے پاس ان کی شکایت کی گئی۔ سلطان نے ان کے پاس سپاہیوں کو بھیجا۔ سپاہی ان کو گرفتار کر کے مراکش لے گئے۔

کیونکہ سلطان وہیں مقیم تھا۔ پھر ان کو فاس روانہ کر دیا۔ وہاں وہ چار مہینہ یا چھ مہینہ قید میں رہے۔ یہاں تک کہ جب سلطان فاس میں آیا تو ان کو رہا کیا۔ لیکن ان کے اوپر اپنے ساتھ فاس میں رہنے کی پابندی لگا دی۔ لہذا وہ بادشاہ کے ساتھ رہنے لگے۔ پھر جب مرینیوں کا زمانہ ختم ہونے کے قریب آیا۔ تو وہ وہاں سے مراکش تشریف لے گئے۔ اور فرمایا: بنی مرین کی حکومت ختم ہو گئی۔

پھر وہ مراکش میں مقیم رہے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔

"اے آگ! تو میرے دل پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا۔"

لہذا آگ کی گرمی ٹھنڈک اور سلامتی میں تبدیل ہو جائے۔

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

مَا رَأَيْتُ نَعِيمًا قَطُّ مِثْلَ تِلْكَ الْأَيَّامِ الَّتِي كُنْتُ فِيهَا فِي النَّارِ

"جتنے دن میں آگ میں رہا، اس کی طرح کوئی نعمت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔"

میں کہتا ہوں:۔ اسی طرح جلال کی آگ کی طرح کوئی نعمت نہیں ہے۔ جب وہ ٹھنڈک اور سلامتی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یعنی جب وہ رضا کی ٹھنڈک اور تسلیم کی سلامتی میں تبدیل ہو جاتی ہے تو نعمت مکمل ہو جاتی ہے۔

اور تم یہ جان لو۔ مخلوق کی ایذا رسانی بھی ولایت سے روکنے والی اشیاء میں سے ایک روکنے والی شے ہے اور اس پر صبر صرف صدیقین ہی کرتے ہیں۔ اسی لئے مصنف نے اس کی طرف اشارہ یوں فرمایا:۔

اور ولایت کو روکنے والی اشیاء میں سے:۔ شیطان اور نفس ہے۔

لہذا مصنف نے شیطان کی ایذا رسانی کو دور کرنے کی کیفیت کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَغْفُلُ عَنْكَ فَلَا تَغْفُلْ عَمَّنْ نَاصِيَتُكَ بِيَدِهِ

"جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ شیطان تم کو گمراہ کرنے سے کبھی غافل نہیں ہوتا ہے۔ تو تم اس ذات پاک سے کبھی غافل نہ ہو، جس کے قبضہ قدرت میں تمہاری پیشانی ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے شیطان اور نفس اور آدمیوں کو اپنی بارگاہ کا محافظ بنا کر مقرر کیا ہے تاکہ کوئی شخص اس وقت تک بارگاہ میں داخل نہ ہو سکے۔ جب تک ان سے جنگ نہ کرے اور ان کو شکست دے کر ان سے آگے نہ بڑھ جائے۔ کیونکہ وہ دروازے پر کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی بارگاہ کے دروازے پر مقرر فرمایا ہے اور ان کو یہ حکم دیا ہے۔ تم کسی شخص کو بارگاہ میں داخل نہ ہونے دو۔ مگر صرف اس شخص کو جو تم سے جنگ کر کے

تمہارے اوپر غالب ہو جائے۔ لہذا وہ تینوں دروازے پر کھڑے ہیں اور جب کوئی ایک شخص آتا ہے، جو بارگاہ الٰہی میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ تو پہلے مخلوق اس کے سامنے آتی ہے۔ پھر وہ لوگ بارگاہ الٰہی تک پہنچنے کا راستہ اس کے لئے خراب کرتے ہیں اور بارگاہ الٰہی کو پہنچانے والے شیخ کا بھی وہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

لیکن جب وہ شخص لوگوں پر غالب آجاتا ہے۔ تب اس کے پاس شیطان آتا ہے۔ اور اس کو دروازہ کھلنے کی مدت دراز ہونے کا یقین دلاتا ہے۔ اور اس کو محتاجی سے خوف دلاتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے:۔ معلوم نہیں، اللہ تعالٰی تمہارے اوپر دروازہ کھولے گا، یا نہیں کھولے گا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دروازہ کھلتا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں کھلتا ہے۔

لیکن جب وہ شیطان پر بھی غالب آ کر آگے بڑھتا ہے۔ تو اس کے مقابلے میں اس کا نفس آتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے:۔ ایک ایسی شی کے لئے جس کے ہونے اور نہ ہونے میں شک ہے۔ تم اپنی دنیا اور اپنی شان و شوکت اور اپنی عزت کیوں چھوڑ دو گے؟

لیکن جب وہ نفس پر بھی غالب آجاتا ہے۔ تو اللہ تعالٰی اس سے فرماتا ہے:۔

مرحباً بك اهلاً

"شاباش، تمہارے لئے کشادہ جگہ ہے۔ تم اپنے گھر میں آئے ہو۔"

لیکن تینوں جدا کرنے والے یعنی مخلوق اور شیطان اور نفس ان کی حرص اس کو بارگاہ الٰہی سے دور کرنے کی ختم نہیں ہوتی جب تک وہ بارگاہ الٰہی میں مضبوطی سے سکونت نہ اختیار کرے۔

اسی لئے عارفین نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالٰی کی قسم، جو شخص بھی لوٹتا ہے وہ راستے ہی سے لوٹتا ہے۔ لیکن جو شخص بارگاہ الٰہی میں پہنچ گیا، وہ پھر کبھی نہیں لوٹتا۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالٰی کی قسم، اپنے مقام سے نکلا ہوا شخص قابل شکر نہیں ہے۔ تو وہ مدہوش ہو یا ہوش میں ہو۔ یہاں تک کہ وہ گروہ میں شامل ہو کر راستہ طے کرے اور چکی پھرنے کی طرح چکر لگائے۔ اگر وہ ثابت قدم ہو جائے گا۔ تو پہنچ جائے گا۔

لہذا اے فقیر! اے انسان! جب تم نے یہ معلوم کر لیا کہ شیطان ایک لمحہ کے لئے تمہاری

طرف سے غافل نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ تمہارے سینے میں بائیں طرف اس کا گھر ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتے ہو تو وہ تمہارے قلب میں وسوسہ پیدا کرتا ہے اور جب تم اس کا ذکر کرتے ہو تو وہ تم سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ لہذا تم اس سے غافل نہ رہو، جس کے قبضہ قدرت میں تمہاری اور شیطان کی پیشانی ہے۔ اور وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ جب تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہو گے۔ تو وہ شیطان کو تم سے لوٹا دے گا اور اس کا شر تم سے دور رکھنے کے لئے کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا

''بے شک شیطان کا مکروفریب کمزور ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں شیطان سے ڈرایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا

''بے شک شیطان تم لوگوں کا دشمن ہے۔ لہذا تم لوگ بھی اس کو دشمن سمجھو۔''

لہذا کچھ لوگوں نے سمجھا کہ شیطان ان کا دشمن ہے۔ تو وہ اس کے ساتھ جنگ کرنے میں مشغول ہو گئے اور حقیقی دوست کی محبت ان سے فوت ہو گئی۔

اور کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ شیطان ان کا دشمن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے۔ لہذا وہ دوست کی محبت میں مشغول ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ شیطان کی دشمنی سے ان کی حفاظت کے لئے کافی ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابوالعباس نے فرمایا ہے۔

دوست سے سچی محبت میں مشغولی دشمن کی سچی محبت ہے

اور ہمارے شیخ الشیوخ سیدی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ دشمن کی سچی دشمنی یہ ہے کہ تم دوست کی سچی محبت میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ اگر تم دشمن کی دشمنی میں مشغول ہو جاؤ گے تو محبوب حقیقی کی محبت تم سے فوت ہو جائے گی اور تمہارا دشمن تم سے اپنا مقصد حاصل کر لے گا۔

مخلوق سے ایذا رسانی کی شکایت اور شیخ کا جواب

حضرت شعرانی رضی اللہ عنہ نے اپنے شیخ کے پاس جو مغرب میں رہتے تھے خط لکھا اور

ان سے مخلوق کی ایذا رسانی کی شکایت کی۔ ان کے شیخ نے ان کو جواب لکھا۔ تم ہرگز ان لوگوں کی طرف توجہ نہ کرو، جو تم کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ بلکہ تم اللہ تعالے کے ساتھ مشغول رہو۔ اللہ تعالے خود ہی ان لوگوں کو تم سے دور کر دے گا۔

اور اس معاملے میں اکثر لوگ غلطی میں مبتلا ہیں۔ وہ اللہ تعالے کے ذکر میں مشغول ہونے کے بجائے ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں، جو ان کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ اللہ تعالے کی طرف رجوع کرتے تو وہ تکلیف پہنچانے والوں کے معاملے میں ان کے لئے کافی ہوتا اور ان سے تکلیف پہنچانے والوں کو بخیر وخوبی دور کر دیتا۔

شیطان صرف ایمان وتوکل سے دور ہوتا ہے

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ شیطان صرف توکل اور ایمان سے دور ہوتا ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ

"بیشک شیطان کو ان لوگوں پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ جو ایمان لائے اور اپنے رب تعالے پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

بیان کیا گیا ہے:۔ شیطان کہتا ہے۔ اگر تم اس سے مقابلہ کرنے میں مشغول ہو جاؤ گے تو وہ چیڑے کو پھاڑ دے گا۔ اور چیڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

اور اگر تم اپنے رب تعالے کی طرف متوجہ ہو گے۔ تو وہ اس کو آسانی کے ساتھ تم سے ہٹا دے گا۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

اگر شیطان ہم کو اس طرح دیکھتا ہے کہ ہم اس کو نہیں دیکھتے تو اللہ تعالے شیطان کو اس طرح دیکھتا ہے کہ شیطان اللہ تعالے کو نہیں دیکھتا ہے۔ لہذا تم شیطان کے مقابلے میں اللہ تعالے سے مدد مانگو۔

میں کہتا ہوں:۔ جو شخص اللہ تعالے کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے نور سے شیطان پگھل جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالے کے سوا پچھانے کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔

تو اے مردود! تیرے اندر تقویٰ کہاں ہے؟ شیطان نے کہا۔ تقویٰ بندے کی صفت ہے اور رحمت، رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور بندہ فانی ہے اور رب تعالیٰ باقی ہے۔ تو فانی کو باقی سے کیا نسبت؟ پھر حضرت سہل سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ خاموش ہو گئے۔

میں کہتا ہوں:- اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ فرق کی طرف نظر کرنے کی بنا پر پیدا ہوتا ہے لیکن اگر جمع پر نظر کیا جائے۔ تو رحمت اس کا وصف ہے۔ اور تقویٰ اس کا فعل ہے اور اس کا فعل اس کے وصف کو مقید کرتا ہے اور سب اسی کی طرف سے ہے۔ اور اسی کی طرف ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ

"اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کیا جا سکتا ہے جو وہ کرتا ہے اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔"

نفس کے ظاہر ہونے کی حکمت

پھر مصنف نے نفس کے ظاہر ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

وَ حَرَّكَ عَلَيْكَ النَّفْسَ لِيُدِيْمَ اِقْبَالَكَ عَلَيْهِ

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر نفس کو حرکت دی (مسلط کیا) تاکہ تمہاری توجہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہے۔"

میں کہتا ہوں:- اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر نفس کو اس لئے حرکت دی ہے تاکہ تمہاری توجہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہے۔ کیونکہ نفس پر جب بشریت غالب آتی ہے۔ تو وہ اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ تم کو خواہشات کی زمین کی طرف کرتی ہے۔ اور تم ہمیشہ حقوق اور واردات کے آسمان کی طرف چڑھنا چاہتے ہو۔ وہ تم کو اپنی اصل صلصال اور طین (کھنکھناتی ہوئی مٹی اور گیلی مٹی) کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور تم نفس کو اس کی روح کی اصل کی طرف اعلیٰ علیین میں لوٹانا چاہتے ہو۔ نفس عالم اجسام میں رہنا چاہتا ہے۔ اور تم اس کو عالم ارواح کی طرف ترقی دینا چاہتے ہو۔ لہذا وہ ہمیشہ نیچے کی طرف کرتا چاہتا ہے اور تم ہمیشہ اوپر کی طرف چڑھنا چاہتے ہو۔ تمہاری توجہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونے کے یہی معنی ہیں۔

اور عنقریب مصنف کے اس قول کی تشریح آئے گی:- اگر نفوس کے میدان نہ ہوتے، تو سائرین کی سیر نہ ہوتی۔

لہذا نفس اور شیطان، باطن میں دو نعمتیں ہیں۔ کیونکہ اگر وہ دونوں نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف تمہاری حرکت نہ ہوتی۔ نہ اس کی طرف تمہاری سیر ہوتی۔

اسی وجہ سے ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولائی عربی رضی اللہ عنہ سے جب کوئی شخص نفس کی شکایت کرتا تھا۔ تو وہ فرمایا کرتے تھے:- اللہ تعالیٰ مجھ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور نفس کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم، میں نفس کی بھلائیوں کو فراموش نہیں کر سکتا ہوں۔

حضرت مولائے عربی کا یہ قول، اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔

اور نفس و شیطان، اس شخص کے لئے عذاب ہیں، جو ان کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے۔

اور ان کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہو جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے۔ نفس اور شیطان اور دنیا اور انسان، اس شخص کے لئے قاطعات (روکنے والے) ہیں۔ جو ان کی وجہ سے راستے سے جدا ہو گیا۔ اور اس شخص کے لئے موصلات ہیں (پہنچانے والے) جو حقیقت میں محبوب اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق سبقت کر چکی ہے۔ یعنی مقدر ہو چکی ہے۔

اور نفس شیطان سے زیادہ سخت دشمن ہے۔ کیونکہ وہ تمہارا قریبی اور تمہارے ساتھ رہنے والا دشمن ہے۔ اور تم اس کے ہاتھ میں بند ہو۔ لہذا وہ راستے سے علیحدہ کر کے گمراہ کرنے میں سو شیطانوں سے زیادہ بڑا ہے۔

چار دشمن اور چار ہی ہتھیار اور چار قید خانے

حضرت ابن عطاء اللہ نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا ہے:- تمہارے دشمن چار ہیں۔

پہلا دشمن :- دنیا ہے اور اس کا ہتھیار :- مخلوق کی ملاقات ہے اور اس کا قید خانہ :- گوشہ تنہائی ہے۔

دوسرا دشمن :- خواہش ہے اور اس کا ہتھیار :- بات کرنا ہے اور اس کا قید خانہ - خاموشی ہے۔

تیسرا دشمن :- شیطان ہے اور اس کا ہتھیار :- پیٹ بھر کر کھانا ہے اور اس کا قید خانہ :- بھوکا رہنا ہے۔

چوتھا دشمن :- نفس ہے اور اس کا ہتھیار :- زیادہ سونا ہے اور اس کا قید خانہ :- جاگنا ہے۔

ایک عارف نے ان قاطعات کو نظم میں بیان فرمایا ہے :-

إِنِّي بُلِيتُ بِأَرْبَعٍ يَرْمِينَنِي   بِالنَّبْلِ عَنْ قَوْسٍ لَهُ تَوْتِيرُ

"میں چار چیزوں میں مبتلا کیا گیا ہوں۔ جو مجھے تانت والی کمان سے تیر پھینکنے کی طرح پھینکتی ہیں۔

إِبْلِيسُ ، وَالدُّنْيَا وَ نَفْسِي وَالْهَوٰى   يَا رَبِّ أَنْتَ عَلَى الْخَلَاصِ قَدِيرُ

"وہ ابلیس اور دنیا اور میرا نفس اور خواہش ہیں۔ اے میرے رب! تو ان چاروں سے رہائی دینے پر قدرت رکھتا ہے۔"

مصنف نے ان قاطعات کا بیان اس ترتیب سے بیان فرمایا ہے۔ کہ انہوں نے پہلے دنیا، پھر آدمی، پھر شیطان، پھر نفس کو بیان کیا ہے۔ تو انہوں نے ان کا بیان توحید کی طرف ترقی کے طریقہ پر کیا ہے۔ انہوں نے ان کا بیان اس طریقے پر نہیں کیا ہے کہ یہ ماسوی ہیں، یا قاطعات ہیں۔ انہوں نے درحقیقت ان کے اسرار اور ان کے وجود کی حکمت بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ کہ توحید اور تفرید کے اسرار کی معرفت ان کو کتنی زیادہ حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے ذکر خیر سے فائدہ پہنچائے۔ اور ہم کو ان کے زمرے میں شامل فرمائے۔ آمین

یہاں چوبیسواں باب ختم ہوا

باب کا خلاصہ

اس باب کا خاص :- اللہ تعالیٰ کی انتہائی نعمتوں کا بیان کرنا ہے۔ اور وہ اس کے چہرہ

انوار سے غور نہ مشاہدہ کرتا ہے۔ کیونکہ جو شخص مشاہدے کے مقام میں پہنچ جاتا ہے، اس کو کوئی فکر باقی
نہیں رہتی ہے، بلکہ وہ بے فکر ہوتا ہے۔

اور ان قاطعات کا بیان کرتا ہے، جو مشاہدے کے مقام میں پہنچنے سے روکتی ہے۔ اور وہ دنیا
ہے۔ اور جو چیزیں دنیا سے متعلق ہیں۔ مثلاً علم غیر نافع ہے۔ اور جاہ و مرتبہ کی سرداری۔
اور مخلوق ہے اور مخلوق کی اغراض ہے جن چیزوں کا تعلق ہے۔ اور شیطان اور نفس ہے۔

یعنی مصنف نے ان کا بیان حقیقت کے طریقے پر کیا ہے۔ جو کہ شریعت کے طریقے پر
لہٰذا جب انسان ان قاطعات سے نجات پا جاتا ہے۔ تو وہ اپنے رب کی حکمت کے انوار کی تجلیات کے
مشاہدے تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ تمام اشیاء کے ساتھ تواضع و انکسار کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ان میں اللہ
تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔

مصنف رضی اللہ عنہ نے چوبیسویں باب کی ابتدا میں اسی کو بیان
فرمایا ہے۔

اہل فرق اپنے سوا دوسری مخلوق سے اپنی ذات کو افضل سمجھتے ہیں۔ لہٰذا جب وہ دوسری اشیاء کے ساتھ اپنا موازنہ (دو چیزوں کا وزن کرنا) کرتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے تواضع کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے تکبر کیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی ذات کے لئے فضیلت ثابت کی اور اسے وجہ اور افضل سمجھا۔ پھر انھوں نے اپنی ذات کے لئے تواضع ثابت کی۔ لہٰذا درحقیقت وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر تکبر کرنے والے ہیں۔

وہ صوفی باصفا اپنی ذات کے لئے کبھی فضیلت نہیں ثابت کرتے ہیں۔ وہ کل اشیاء کو ایک مخلوق اور ایک نوعی حیثیت سے برابر سمجھتے ہیں اور وہ اپنی ذات کے لئے کوئی بلندی اور فضیلت نہیں ثابت کرتے ہیں۔ تو وہ ابتدا ہی سے تواضع کرنے والے ہیں۔ لہٰذا ان کی تواضع حقیقی اصلی ہے۔

اور جس شخص نے اپنے نفس کے لئے تواضع ثابت کی اور یہ سمجھا کہ اس نے اپنے مرتبے سے گر کر تواضع کی ہے۔ وہ اس حیثیت سے متکبر ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اپنے لئے زیادہ مرتبہ ثابت کیا۔ کیونکہ نفس کے لئے تواضع ثابت کرنا اس بلندی اور فضیلت کے لحاظ سے ہے جو اس کو پہلے سے حاصل ہے۔

لہٰذا اے عزیز انسان! جب تم نے اپنے نفس کے لئے تواضع ثابت کی تو تم حقیقتاً متکبر ہو۔ اور تم اس وقت تک تواضع کرنے والے نہیں ہو جب تک تم کل اشیاء کو اپنی طرح یا اپنے سے بہتر نہ سمجھو۔ اگر تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: بندہ جب تک مخلوق میں کسی کو اپنے سے برا سمجھتا ہے۔ اس وقت تک وہ متکبر ہے۔ اور وہ اس وقت تک تواضع کرنے والا نہیں ہے جب تک وہ اپنے لئے کوئی حال یا مقام ثابت کرتا ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے: جو شخص اپنے نفس کو کسی سے افضل سمجھتا ہے وہ متکبر اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اور بندہ جس قدر اپنے آقا یعنی حقیقی اللہ تعالیٰ کے مرتبے کی بلندی کی حقیقت تک پہنچتا ہے اسی قدر تواضع اختیار کرتا ہے۔ اور نفس جب تک حقیقی ذلت اور رسوائی سے موصوف

نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔ اور چونکہ نفس کی پیدائش کی اصل، کمزوری اور ذلت اور رسوائی ہے۔ اس لئے اپنی اصلیت کی طرف لوٹنے ہی میں نفس کی بھلائی ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ عزت و مرتبہ کے دیکھنے سے نجات پا جاتا ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ جس شخص نے دیکھا کہ اس کے نفس نے تواضع کیا ہے وہ تواضع کا محتاج ہے۔ اگر چہ وہ نفس سے آزاد ہو چکا ہو اور جو شخص نفس کو اس کے مرتبے سے گرا دیتا ہے، وہ تواضع کرنے والا ہو جاتا ہے۔

بسلسلہ تواضع حضور ﷺ کا ارشاد

حدیث شریف میں حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت ہے۔

إِنَّمَا الْكَرَمُ التَّقْوٰى ، وَ إِنَّمَا الشَّرَفُ التَّوَاضُعُ ، وَ إِنَّمَا الْغِنٰى الْيَقِيْنُ ، وَ الْمُتَوَاضِعُوْنَ فِي الدُّنْيَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَنَابِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، إِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللهُ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ ، وَ لَا يَزِيْدُ التَّوَاضُعُ لِلْعَبْدِ إِلَّا رِفْعَةً ، فَتَوَاضَعُوْا إِلَيَّ فَعَكُمُ اللهُ ، وَإِذَا رَأَيْتُمُ الْمُتَوَاضِعِيْنَ مِنْ أُمَّتِي فَتَوَاضَعُوْا لَهُمْ ، وَإِذَا رَأَيْتُمُ الْمُتَكَبِّرِيْنَ مِنْ أُمَّتِي فَتَكَبَّرُوْا عَلَيْهِمْ فَإِنَّ ذٰلِكَ مَذَلَّةٌ لَهُمْ وَ صَغَارٌ بِهِمْ

”درحقیقت کرم تقویٰ ہے۔ اور شرف تواضع ہے۔ اور غنا یقین ہے اور دنیا میں تواضع کرنے والے قیامت کے دن منبروں پر رونق افروز ہوں گے۔ جب بندہ تواضع اختیار کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو ساتویں آسمان تک بلند کرتا ہے۔ اور تواضع بندے کے مرتبے کو بلند کرتا ہے۔ لہذا تم لوگ تواضع اختیار کرو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مرتبہ کو بلند فرمائے۔ اور جب تم میری امت کے تواضع کرنے والوں کو دیکھو تو تم ان کے سامنے تواضع اختیار کرو۔ اور جب تم میری امت کے تکبر کرنے والوں کو دیکھو تو تم ان کے سامنے تکبر ظاہر کرو۔ کیونکہ ایسا کرنے میں ان کی ذلت اور توہین ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ میں اس شخص کے عمل کو قبول کرتا ہوں، جو میری عظمت کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے۔ اور میری مخلوق پر تکبر نہیں کرتا ہے۔

اور اپنے قلب میں میرے خوف کو لازم کر لیتا ہے اور میرے ذکر میں دن گزارتا ہے۔ اور میرے لئے اپنے نفس کو خواہشات سے روک لیتا ہے۔

کامل درجہ کی تواضع

پھر حضرت مصنف نے کامل تواضع کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:-

لَيْسَ الْمُتَوَاضِعُ الَّذِي إِذَا تَوَاضَعَ رَأَى أَنَّهُ فَوْقَ مَا صَنَعَ وَلٰكِنِ الْمُتَوَاضِعُ الَّذِي إِذَا تَوَاضَعَ رَأَى أَنَّهُ دُوْنَ مَا صَنَعَ

''وہ شخص تواضع کرنے والا نہیں ہے کہ جب وہ تواضع اختیار کرے تو وہ یہ سمجھے کہ میرا مرتبہ تواضع سے بلند ہے۔ بلکہ تواضع کرنے والا وہ شخص ہے، کہ جب وہ تواضع کرے تو سمجھے کہ میرا مرتبہ تواضع سے کمتر ہے۔'' (یعنی جیسی تواضع مجھ کو کرنی چاہئے تھی ویسے میں نے نہیں کی۔)

میں کہتا ہوں۔ حقیقی تواضع :- وہ ہے۔ جو اس شخص سے ظاہر ہوتی ہے، جو کل اشیاء کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے۔ تو جب وہ ان کے ساتھ تواضع کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ وہ اس سے زیادہ تعظیم کی مستحق ہیں، جتنی میں نے کی ہے۔ اور یہ کہ میرا نفس اس سے زیادہ پست اور ذلیل ہے، جتنی میں نے تواضع کی ہے۔

اور تواضع کرنے والا :- وہ شخص نہیں ہے، جو اپنے نفس کو دوسری اشیاء سے بہتر سمجھتا ہے کیونکہ ایسا شخص جب ان کے ساتھ تواضع کرتا ہے، تو وہ سمجھتا ہے۔ کہ میرا نفس اس تواضع سے بہتر ہے جو میں نے کی ہے۔ لہذا وہ شخص متکبر ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کے لئے ایسی تواضع ثابت کرتا ہے۔ جس کا وہ مستحق ہے۔

اور یہ حکمت، گویا کہ اپنے سے پہلے بیان کی ہوئی حکمت کی تشریح اور تکمیل ہے۔

حضرت جنیدؒ کے استاذ کی حکایت

حکایت :- حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے استاد حضرت شیخ ابوالحسن کرنی رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے کھانے کے لئے تین مرتبہ دعوت دی۔ جب وہ اس کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ ان

کو واپس کر دیتا ہے۔ وہ پھر لوٹ کر اس کے یہاں تشریف لاتے۔ جب وہ چوتھی مرتبہ اس کے یہاں تشریف لائے۔ تو بوان کو اپنے گھر میں لے گیا۔ وہ اس کے متعلق ان سے دریافت کیا: میں نے بار بار آپ کو واپس کیا۔ لیکن آپ پھر تشریف لائے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میرا نفس جس حال سے ذلت و رسوائی کیلئے راضی ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کتے کی طرح ہو گیا ہے۔ اس لئے جب وہ بھگا دیا جاتا ہے۔ تو بھاگ جاتا ہے۔ اور جب پھر بلایا جاتا ہے تو واپس آ جاتا ہے اور اس کے سامنے ہڈی پھینکی جاتی ہے۔ تو وہ اس کو قبول کر لیتا ہے۔ لہذا اگر تم مجھ کو پچاس مرتبہ واپس کرتے اور پھر بلاتے تو میں ضرور آتا۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ایک صوفی کے بارے میں بیان کیا گیا۔ وہ ایک شخص کے پاس جو کھانا کھا رہا تھا، کھڑے ہو گئے۔ اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا کر کہا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ عطا کرو۔ اس شخص نے کہا۔ تشریف رکھئے اور میرے ساتھ کھائیے۔ اور میرے ساتھ کھائیے۔ انھوں نے کہا: آپ مجھ کو میرے ہاتھ میں دیدیجئے۔ اس شخص نے کھانا ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ اسی جگہ کھاتے ہوئے بیٹھ گئے۔ اس شخص نے ان سے اپنے ساتھ نہ بیٹھنے کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا: میرا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذلت اور عاجزی کا ہے۔ اور مجھ کو یہ پسند نہیں ہے کہ میں اپنے اس حال کو چھوڑ دوں۔

حضرت سہروردی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ میں نے اپنے شیخ حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ جبکہ وہ ملک شام کی طرف سفر کر رہے تھے۔ اور میں ان کے ساتھ تھا۔ ایک ان دنیا کے فرنگی قیدیوں کے سامنے ان کے لئے کھانا بھیجا۔ وہ سب اپنی بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ جب دسترخوان بچھا دیا گیا۔

تو حضرت نے خادم سے فرمایا۔ فقراء کے ساتھ قیدیوں کو بھی کھانا کھلاؤ۔ لہذا خادم نے ان قیدیوں کو لا کر ایک صف میں دسترخوان پر بٹھا دیا۔ پھر حضرت شیخ اپنے مصلے سے اٹھے اور ان کے پاس آ کر ان لوگوں کے ساتھ اس طرح بیٹھ گئے گویا وہ بھی انھیں لوگوں میں سے ایک شخص ہیں۔ اور انھوں نے اور سب قیدیوں نے کھانا کھایا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کی تواضع، اور ان کے نفس کی

انکساری اور فقر اور یتیموں کے ساتھ تکبر سے علیحدگی کی جو کیفیت ان کے باطن میں پیدا ہوئی وہ ہمارے سامنے ان کے چہرہ مبارک پر نمایاں و منکشف ہوئی۔

ایک عجیب حکایت

حضرت شیخ فقیہ عبدالرحمن بن سعید باکمال فقہا و علماء میں سے تھے۔ ایک دن وہ موسم سرما کی بارش میں چل رہے تھے۔ کیچڑ بہت تھی۔ اسی درمیان ان کے سامنے اسی راستے پر چلتا ہوا ایک کتا آیا جس راستے پر وہ چل رہے تھے۔ جس شخص نے ان کو اس حال میں دیکھا ہے۔ اس نے بیان کیا: میں نے حضرت شیخ کو دیکھا کہ وہ دیوار سے چپٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کتے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ اور وہ اس کے گذرنے کا انتظار کرتے تھے۔ جب کتا ان کے قریب پہنچا۔ تو جس جگہ وہ کھڑے تھے وہاں کو چھوڑ کر اس سے نیچے اتر گئے۔ اور کتے کے چلنے کے لئے اوپر کا راستہ چھوڑ دیا۔ دیکھنے والے شخص کا بیان ہے۔ جب کتا ان کے سامنے سے آگے بڑھ گیا۔ تو میں حضرت شیخ کے پاس آیا۔ میں نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے جسم مبارک پر کیچڑ لگی ہوئی ہے۔ میں نے شیخ سے کہا۔ یا حضرت! آپ نے اس وقت جو حرکت کی ہے اس پر مجھ کو سخت حیرت اور تعجب ہے۔ آپ نے اپنے کو کیچڑ میں گرا دیا۔ اور کتے کے لئے راستہ چھوڑ دیا کہ وہ صاف ستھری جگہ میں چلے؟ حضرت شیخ نے مجھ کو جواب دیا۔ جب میں کتے کے لئے راستہ چھوڑ کر دیوار سے چپٹ کر کھڑا ہوا۔ تو میں نے اپنے دل میں سوچا۔ میں نے اپنے آپ کو کتے سے بہتر سمجھا۔ اور اس کے اوپر اپنی فوقیت ظاہر کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! کتا مجھ سے بہتر اور بزرگی کا زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ اور میں بہت بڑا گنہگار ہوں۔ اور کتے کے پاس کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس لئے میں کتے کیلئے اپنی جگہ سے نیچے اتر گیا اور اس کے چلنے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ اور اب میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کے لئے ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ کو معاف نہ کرے۔ کیونکہ میں نے اپنے کو اس سے بہتر سمجھا۔ وہ مجھ سے بہتر ہے۔

اس واقعہ کو حضرت شیخ ابن عباد رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے۔

ہے۔ اس سے تم عارفین کو دیکھتے ہو کہ وہ پتھر اور مٹی کے ڈھیلے اور ہر شے کے ساتھ تواضع کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر شے میں معرفت حاصل کرتے ہیں۔

تواضع کس طرح آتی ہے

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ جو شخص تواضع اختیار کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی طرف متوجہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے نفس پگھل کر ذلیل اور حقیر ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غلبہ کی طرف نظر کرتا ہے۔ اس کے نفس کی قدرت اور غلبہ اس سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ کل نفوس اللہ تعالیٰ کی ہیبت کے سامنے حقیر و ذلیل ہیں۔ لہٰذا بہترین تواضع یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے نفس کی طرف نہ دیکھے۔

حاصل یہ ہے:۔ حقیقی تواضع۔ صرف عارفین کے لئے ہے۔ اس لئے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان سے ان کے نفوس کے اوصاف زائل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وصف کے شہود کے سوا کوئی شے نفس کے وصف سے نہیں نکال سکتی ہے۔

صفات خداوندی کا استحضار ہی نفس کی پستی سے نکال سکتا ہے

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

لَا يُخْرِجُكَ مِنَ الْوَصْفِ إِلَّا شُهُوْدُ الْوَصْفِ

''تم کو وصف سے وصف کے شہود کے سوا کوئی شے نہیں نکالتی ہے۔''

لہٰذا تم کو تمہارے نفس کے برے اوصاف سے اللہ تعالیٰ کے عظیم اوصاف کا شہود ہی نکال سکتا ہے۔ اور تم کو تمہارے نفس کی پستی سے صرف تمہارے رب تعالیٰ کے کرم کا شہود ہی نکال سکتا ہے۔ اور تم کو تمہارے حادث اوصاف کے شہود سے تمہارے رب تعالیٰ کے قدیم اوصاف کا شہود ہی نکال سکتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے فعل کے شہود سے اپنے فعل کے شہود کے ذریعے، اور تمہاری

صفات کے شہود سے اپنی صفات کے شہود کے ذریعے اور تمہاری ذات کے شہود سے اپنی ذات کے
شہود کے ذریعے بچایا ہے۔

محبت کی حقیقت کیا ہے؟

کسی نے شیخ الشیوخ حضرت قطب ابن مشیش رضی اللہ عنہ سے محبت کی حقیقت دریافت کی تھی
ان سے ان کے مرید حضرت ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ تو انھوں نے فرمایا: محبت،
جمال کے نور، اور جلال کا قدس ظاہر ہونے کے وقت قلب کا انھیں حاصل کرنا، اور چھپا لینا ہے۔ اور
شرب: اوصاف کا اوصاف کے ساتھ، اور اخلاق کا اخلاق کے ساتھ، اور انوار کا انوار کے ساتھ اور
اسماء کا اسماء کے ساتھ، اور افعال کا افعال کے ساتھ مل جانا ہے۔

لہٰذا بندہ جب تک اپنے رب تعالیٰ کے اوصاف عظیمہ کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے، اس وقت تک
اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اپنے نفس کے برے اوصاف سے بالکل نکل جائے۔

اور یہ بھی اس کے مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور کبھی اس کو اس کے اوپر عروج و نزول کے
درمیان حاصل ہوتا ہے۔

بخلاف اس حال کے کہ جب وہ سچے رب کے اوصاف کا مشاہدہ کرتا ہے۔ تو وہ اپنے نفس
سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا محبوب حقیقی اس کا متولی ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کا کان، اور اس
کی آنکھ، اور اس کا ہاتھ، اور اس کا پاؤں، اور اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ لہٰذا وہ صرف اللہ تعالیٰ
کے ساتھ تصرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

"جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑتا ہے۔ تو اس کی رہنمائی سیدھے راستے کی طرف کی جاتی
ہے۔"

اور اسی مفہوم میں عارفین کے حسب ذیل اشعار ہیں:

إِذَا حُزْتَ الْفَخْرَ فَلَا تُبَالِي × بِنَقْصٍ فِي نَحِيلَةٍ أَوْ كَمَالِ

"جب تم نے قابل فخر چیز حاصل کر لی تو تم پیدائش میں نقص یا کمال کی پرواہ نہ کرو"

فَمَا التَّأْنِيْثُ فِي اسْمِ الشَّمْسِ نَقْصٌ X وَلَا التَّذْكِيْرُ فَخْرٌ فِي هِلَالٍ

"سورج کو مونث استعمال کرنا اس کے لئے کوئی عیب نہیں۔ اور چاند کو مذکر کہنے میں اس کے لئے کوئی فخر نہیں ہے۔"

عارف شاعر اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ جب فنا فی الذات اور بقا باللہ ثابت ہو گئی تو نفس کے لئے نہ کوئی نقص باقی رہتا ہے نہ کمال۔ بلکہ سب کمال صرف اللہ بزرگ و برتر کے لئے ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں فرمایا ہے:

اَلْمُؤْمِنُ يَشْغَلُهُ الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ عَنْ اَنْ يَكُوْنَ لِنَفْسِهِ شَاكِرًا ، وَتَشْغَلُهُ حُقُوْقُ اللّٰهِ عَنْ اَنْ يَكُوْنَ لِحُظُوْظِهِ ذَاكِرًا

"مومن وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی مشغولیت اس سے غافل کر دیتی ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے شکر ادا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں مشغولیت اس کو اس سے غافل کر دیتی ہے کہ وہ نفس کے فوائد کو یاد کرے۔"

میں کہتا ہوں۔ فنا کے ثابت ہو جانے کے بعد نفس کا وجود ہی نہیں رہتا ہے کہ اس کو یاد کیا جائے۔ نہ اس کا کوئی فعل باقی رہتا ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ لہذا عارف کو اپنے نفس کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے کہ اس کے شکر کرنے کی فکر ہو۔ تو اس کے کسی وصف پر اس کے شکر ادا کرنے کا کیا ذکر۔

اس کو اللہ تعالیٰ کے فعل کے شہود نے اپنے فعل کے شہود سے اور اس کے وصف کے شہود نے اپنے وصف کے شہود سے اور اس کی ذات کے نور کے شہود نے اپنی ذات کے شہود سے مستغرق کر کے بے خبر کر دیا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس کو ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے سے غافل کر دیتی ہے۔ کیونکہ وہ کائنات میں اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق اس کو اس کے نفس کے فوائد کی طرف توجہ کرنے سے غافل کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ فنا کے ساتھ نفس کا وجود ہی باقی نہیں رہتا ہے۔ نہ اس کے فوائد اس کے حق میں حقوق بن جاتے ہیں۔ کیونکہ عارفین جب بارگاہ الٰہی

کے آ شیانے سے فوائد کی زمین کی طرف نزول فرماتے ہیں۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت، اور یقین میں تمکین اور رسوخ کے ساتھ نزول فرماتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف نزول فرماتے ہیں لہذا اُن کی نظر اس کے ماسوی کی طرف نہیں ہوتی ہے۔ اُن کی ارواح دنیوی، یا اُخروی نفسانی، یا روحانی فوائد کی طلب سے نجات پاچکی ہیں۔ اگر اُن سے کوئی عمل صادر ہوتا ہے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ اس عمل پر اللہ تعالیٰ سے کوئی معاوضہ یا کوئی غرض چاہنے میں شرم کرتے ہیں۔

بدلے کا آرزومند عاشق نہیں

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

لَيْسَ الْمُحِبُّ الَّذِي يَرْجُوا مِنْ مَحْبُوبِهِ عِوَضًا وَ يَطْلُبُ مِنْهُ غَرَضًا

"وہ شخص عاشق نہیں ہے، جو اپنے محبوب سے بدلہ پانے کی امید رکھتا ہے۔ اور اس سے کوئی غرض حاصل ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ بلاشبہ وہ محبت جو مقاصد اور فوائد پر مبنی ہو، وہ محبت نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف حاجت پوری کرنے کے لئے تعلق ہے۔ لہذا جو شخص کسی سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کو کچھ دے، یا اس سے کچھ دور کرے تو وہ درحقیقت صرف اپنے نفس سے محبت کرتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس میں اس کے نفس کی غرض نہ ہوتی تو وہ اس سے محبت نہ کرتا۔

حضرت ابومحمد رویم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ جو شخص بدلہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو اس کی یہ خواہش، اس کے محبوب کو ناراض کر دیتی ہے۔

نیز انہوں نے فرمایا:۔ بدلہ چاہنے والا، ایسا سوداگر ہے جو چاہتا ہے کہ اس کو دیا جائے تاکہ وہ کچھ دے۔ اور محبت کرنے والا تو اپنے محبوب کی محبت میں مقتول ہوتا ہے۔ وہ اس کے سوا کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے۔

اور اسی مفہوم میں یہ اشعار کہے گئے ہیں:۔

بُنِيَ الْحُبُّ عَلَى الْجَوْرِ فَلَوْ ---- أَنْصَفَ الْمَحْبُوبُ فِيهِ لَسَمُجَ

''محبت کی بنیاد ظلم پر رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اگر محبت میں محبوب سے انصاف طلب کیا جائے تو یہ گستاخی ہے۔''

لَيْسَ يُسْتَحْسَنُ فِي حُكْمِ الْهَوَى ---- عَاشِقٌ يَطْلُبُ تَأْلِيفَ الْحُجَجِ

''محبت میں یہ بہتر نہیں سمجھا جاتا ہے کہ عاشق محبت کرنے والے کی دلجوئی کا مطالبہ کرے۔''

اور اُن چیزوں میں سے جو محبت اور عشق میں بہتر نہیں سمجھی جاتی ہیں محبوب کے ظلم و ستم سے رنج و غم ظاہر کرنا یا اُس کی شکایت اور گلہ کرنا ہے۔ بلکہ محبوب کے ظلم و ستم پر صبر اور برداشت کرنا واجب ہے تا کہ مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔

اور اسی کے بارے میں یہ اشعار کہے گئے ہیں:۔

إِنْ شَكَوْتَ الْهَوَى فَمَا أَنْتَ مِنَّا ---- إِحْمِلِ الصَّدَّ وَالْجَفَا يَا مُعَنَّى

''اگر تم محبت میں شکایت کرتے ہو تو تم ہم میں سے نہیں ہو۔ اے مظلوم عاشق تم محبوب کے ظلم اور اس کی بے توجہی کو برداشت کرو۔''

تَدَّعِي مَذْهَبَ الْهَوَى ثُمَّ تَشْكُوْا ---- أَيُّ دَعْوَاكَ فِي الْهَوَى قُلْ لِي أَيْنَا؟

''تم محبت کے راستے پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہو، پھر تم شکایت کرتے ہو۔ تم مجھکو بتاؤ کہ تمہارا محبت کا دعویٰ کہاں تک صحیح ہے۔''

لَوْ وَجَدْنَاكَ صَابِرًا لِهَوَانَا ---- لَأَعْطَيْنَاكَ كُلَّ مَا تَتَمَنَّى

''اگر ہم تم کو اپنی محبت میں صابر پاتے تو ہم تم کو وہ سب کچھ عطا فرماتے جس کی تم آرزو کرتے ہو۔''

اور ایک دوسرے عارف شاعر نے کہا ہے:۔

اَلْحُبُّ دِيْنِيْ فَلَا أَبْغِيْ بِهِ بَدَلًا ---- وَالْحُسْنُ مَلِكٌ مُطَاعٌ جَارَ أَوْ عَدَلَا

''محبت میرا مذہب ہے۔ میں اُس کا کوئی بدل نہیں چاہتا ہوں اور حسن قابلِ اطاعت بادشاہ ہے خواہ وہ ظلم کرے یا انصاف کرے۔''

وَالنَّفْسُ عِزٌّ وَلٰكِنْ فِيكَ أَبْذُلُهَا ---- وَالذُّلُّ مُرٌّ وَلٰكِنْ فِي رِضَاكَ حَلَا

"اور نفس اگرچہ پیارا ہے لیکن میں اس کو تیری محبت میں قربان کر دوں گا۔ اور ذلت اگرچہ کڑوی ہے لیکن تیری رضامندی میں میٹھی ہو گئی ہے۔"

يَامَنْ عَذَابِي عَذُبَ فِي حُبِّهِ　　لَا أَشْتَكِي مِنْكَ لَا صُدًّا وَ لَا مَلَلًا

"اے وہ ذات جس کی محبت میں میری تکلیف شیریں ہو گئی ہے۔ نہ میں تجھ سے تیری بے رخی کی شکایت کروں گا، نہ رنج و غم کی۔"

محبت کی تعبیرات

اور اگر تم چاہو تو اس طرح کہو۔ محبت:- بندے کے قلب میں اللہ تعالیٰ کا اس طرح قائم ہونا ہے کہ وہ اس کے غیر کی طرف توجہ کرے۔

یا محبوب کے جمال کا قلب کی محبت میں اس طرح قائم ہونا ہے کہ وہ محبوب کے سوا دوسری شے کی طرف توجہ کرنے کی گنجائش نہ پائے۔ لہذا جب کسی دوسری شے کی طرف توجہ واقع ہوتی ہے۔ تو اس کے مطابق محبت میں کمی ہوتی ہے۔

چال جھوٹے

کسی شخص نے ایک عورت سے کہا: میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس عورت نے جواب دیا: تم مجھ سے کس طرح محبت کرتے ہو۔ جبکہ تمہارے پیچھے ایک ایسی عورت موجود ہے جو مجھ سے زیادہ حسین و جمیل ہے۔ وہ شخص پیچھے کی طرف دیکھنے لگا تو عورت نے کہا: اللہ تعالیٰ تم جیسے محبت کرنے والوں کو برباد کرے۔ تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو۔ اور دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہو۔

اسی طرح بندہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے پھر کسی دوسری شے کو چاہتا ہے، یا اس کے ماسوا کسی شے کو بہتر سمجھتا ہے یا کچھ شکایت کرتا ہے، یا اپنے محبوب کے سوا کسی شے سے ڈرتا ہے تو وہ محبت میں ناقص ہے۔ یہ محبت کا صرف دعویٰ کرتا ہے۔ اور جو شخص ایسی شے کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کے اندر نہیں ہے تو امتحان کے گواہان اس کو ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔

پھر مصنف نے عام محبت کے مقبول ہونے کی علامت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

[فَإِنَّ الْمُحِبَّ مَنْ يَّبْذُلُ لَكَ، لَيْسَ الْمُحِبُّ مَنْ تَبْذُلُ لَهُ]

"حقیقت محبت کرنے والا وہ ہے جو تمہارے لئے جان و مال کو خرچ کر دے۔ محبت کرنے والا وہ نہیں ہے جس کے لئے تم خرچ کرو۔ یعنی جو تم سے کچھ طلب کرے۔"

محبت جان و مال کی قربانی چاہتی ہے

میں کہتا ہوں:۔ کسی شے سے محبت کرنے والا وہ شخص ہے۔ جو اس شے کے لئے اپنی جان اور مال قربان کر دے۔ اور اس کی وجہ سے اس کی ہم جنس دوسری اشیاء سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ اور اسکی محبت مکمل طور پر ہے پر تی ذات اقدس کی شان میں درست ہے۔ جس نے تمہارے اوپر وسیع اور بے شمار انعامات کئے ہیں۔

پہلے اس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تمہاری امداد کر کے تمہارے اوپر انعام کیا۔ پھر تم کو ہر وہ شے عطا فرمائی جو تم نے چاہی۔ اور تم کو کل عالم کا مالک بنایا۔ تم ان میں جس طرح چاہتے ہو تصرف کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

﴿ وَآتَاكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ﴾

"اور اللہ تعالیٰ نے تم مومنوں کو وہ کل چیزیں عطا فرمائی۔ جو تم نے اس سے مانگی۔" اور دوسری جگہ فرمایا:۔

﴿ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾

"اللہ تعالیٰ نے زمین کی کل چیزیں تم مومنوں کے لئے پیدا کی ہیں۔"

یہ عوام کی محبت کا سبب ہے۔

لیکن خواص کی محبت:۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے جمال اور تجلی کے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا وہ اس کے جمال کے مشاہدے میں گم ہے اور اس کی تجلی کی بارگاہ میں سرگرداں ہیں۔

اور اسی مفہوم میں ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:۔

يَا سَاقِيَ الْقَوْمِ مِنْ شَذَاهُ   الْكُلُّ ثُمَّ سَقَيْتَ تَاهُوْا

مَنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ فَانِيًا عَنْ حَظِّهِ وَعَنِ الْفَنِي وَ الْاُنْسِ بِالْاَحْبَابِ

"جو شخص تمہارے ساتھ اپنے فائدے، اور غنا، اور دوستوں کے ساتھ محبت سے فنا نہیں ہوا۔

فَلِاَنَّهُ بَيْنَ الْمَنَازِلِ وَاقِفٌ لِمَنَالِ حَظٍّ اَوْ لِحُسْنِ مَآبٍ

"تو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ منزلوں کے درمیان فائدہ حاصل کرنے، یا بہترین انجام کے لئے ٹھہر گیا ہے۔"

حاصل یہ ہے۔ محبت کا معاملہ بہت دشوار اور اہم ہے۔ اور اس کا سمندر بہت خطرناک ہے۔

اسی کے بارے میں عارفین نے فرمایا ہے:۔ وہ لوگ ہواؤں اور طوفانوں کے سمندر میں اس وقت تک نہیں گھسے۔ جب تک وہ خسارہ کے سمندر میں نہیں گھسے۔

محبت نفوس کے ذبح کرنے، اور نال کے ترک کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ششتری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

إِنْ تُرِدْ وَصْلَنَا فَمَوْتُكَ شَرْطٌ لَا يَنَالُ الْوِصَالَ مَنْ فِيهِ فَضْلَةٌ

"اگر تم ہمارا وصال چاہتے ہو تو اس کے لئے تمہاری موت شرط ہے۔ وہ شخص میرے وصال کو نہیں پا سکتا جس کے اندر اس کی کوئی فضیلت باقی ہے۔"

لہذا سائرین کی سیر، اور محبوب حقیقی کی طرف ان کا سفر، نفوس کے ساتھ جنگ، اور ان کے مجاہدے، اور قتل ہی کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

[لَوْلَا مَيَادِيْنُ النُّفُوْسِ مَا تَحَقَّقَ سَيْرُ السَّائِرِيْنَ]

"اگر نفوس کے میدان نہ ہوتے تو سائرین کے سیر واقع ہوتی۔"

میں کہتا ہوں: میدان۔ گھوڑ دوڑ نے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یہاں نفوس کے ساتھ جنگ اور مجاہدہ کے لئے استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا کبھی نفس سائر پر حملہ کرتا ہے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور کبھی سائر نفس پر حملہ کرتا ہے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

اسی مفہوم میں حضرت شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

تَرِيْضُ مِنَ النَّفْسِ جُهْدَكَ × وَ صَمْتٌ وَ مَشْيٌ عَلَيْهَا

تَعَلُّقًا تَدْخُلُ بَيْدَكَ × قَعُوْدٌ تَضْطَادُ بِهَا

نفس کو رام کرنے کا طریقہ

حضرت شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ نے ان اشعار میں نفس کے مجاہدے کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور تم کو اس پر غالب ہونے کی تدبیر بتائی ہے۔ اور یہ اس طرح کہ تم اس پر آہستہ آہستہ جاؤ۔ لہٰذا تم پہلے اس کو صرف خاموشی کی تعلیم دو۔ پھر اس کے بعد اس کو کوشش سکھاؤ۔ پھر اس کے بعد تھوڑی تھوڑی خرابی اس کے سامنے پیش کرو۔ یعنی اس کے سامنے پہلے تھوڑا پیش کرو۔ پھر جب وہ اس سے مانوس ہو جائے تو کچھ اور زیادہ کرو۔ اسی طرح بڑھاتے رہو۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:-

((أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ))

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ وہ عمل ہے، جو ہمیشہ قائم رہے، اگرچہ کم ہو لہٰذا تھوڑے عمل کو بیکار نہ سمجھو اور اس عمل کا ورد ترک نہ کرو، جس سے نفس مرجاتا ہے۔

اور میں مجاہدہ کر رہا تھا۔ کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنا ورد ترک کر دوں۔ تو مجھ کو کائنات کے ہاتف نے آواز دی۔ یا ہاتف کی بعض وقت بچوں نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا:- اے صوفی! جبکہ میں نے اپنا ورد ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ اور میں نے کئی مرتبہ جبکہ میں خواب کا استقبال کر رہا تھا۔ سنا۔ اپنے آگے بڑھو۔ اور کبھی یہ کہتے ہوئے سنا۔ اے چہرے دار ہوشیار رہو۔ جبکہ حسن ظاہری کی تخلیق جاری تھی۔ اسی طرح برابر میں اپنے نفس کے ساتھ رہتا رہا۔ اپنے نفس کے ساتھ میرا مجاہدہ سیاست اور حکمت کے ساتھ تھا۔

نفس سے کس طرح کام لیا جائے

میں نے پچاس مرتبہ نفس کو اتنی بھوک کی زحمت دی، جتنا وہ برداشت کر سکتا تھا۔

پھر جب وہ اس سے مانوس ہو گیا تو میں اس کو بڑھاتا گیا۔ یہاں تک کہ اب میں اس سے

ساتھ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ نفوس پر جب فتح حاصل ہو جاتی ہے، تو سائرین کی سیر ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ نفوس پر فتح حاصل کر لیتے ہیں، تو وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور نفس کی اصلاح کے لئے جو سیاست اور تدبیر میں نے بیان کی ہے، وہ بالکل درست ہے۔

مباحث میں فرمایا ہے:

وَ احْتَلْ عَلَى النَّفْسِ فَرُبَّ حِيلَةٍ × أَنْفَعُ فِي النَّصْرِ مِنْ قَبِيلَةٍ

"اور نفس کی اصلاح کے لئے تدبیر اختیار کرو۔ کیونکہ اکثر اوقات تدبیر، مدد کرنے میں خاندان سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔"

لیکن اگر پہلے ہی مرتبہ اس پر اتنا بوجھ ڈال دیا جائے جس کے اٹھانے کی وہ طاقت نہیں رکھتا ہے۔ تو وہ ڈر جاتا اور پست ہمت ہو جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات وہ بالکل منحرف ہو جاتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

اكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ ، فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا

"تم لوگ اسی قدر عمل کی تکلیف اٹھاؤ، جس قدر برداشت کرنے کی تم طاقت رکھتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں تھکے گا۔ لیکن تم تھک جاؤ گے۔"

اور یہ بھی حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

((لَا يَكُنْ أَحَدُكُمْ كَالْمُنْبَتِّ لَا أَرْضًا قَطَعَ ، وَلَا ظَهْرًا أَبْقَى))

"تم میں سے کوئی شخص اس سوار کی طرح نہ ہو جس نے نہ کچھ زمین طے کی، نہ سواری کی پشت کو چھوڑا۔ یعنی تیلی کے بیل کی طرح چکر لگاتا رہا، مگر وہیں کی وہیں جگہ پر رہا)"

اس حکمت کا خلاصہ

مصنف نے اس حکمت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے:۔

آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں:۔

ایک قسم:۔ وہ لوگ ہیں، جن کے لئے کوئی سیر نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی

طرف نہیں ہوتی ہے۔ وہ لوگ شریعت کے ظاہر کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جن چیزوں کو شریعت مباح اور جائز قرار دیتی ہے۔ وہ انہیں کو اختیار کرتے ہیں۔ خواہ وہ نفس پر بھاری ہوں یا ہلکی ہوں۔ بلکہ وہ ہلکی اور آسان چیزوں ہی کو اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ انہیں چیزوں کا ارادہ کرتے ہیں۔ جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اور ان کو آسان کر دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ ان کی خواہش کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہذا وہ اپنی عادات اور خواہشات میں کچھ تبدیلی نہیں کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی عزت زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ اور ان کا مرتبہ بڑھتا رہتا ہے۔ اور ان کی دنیا ترقی کرتی رہتی ہے۔ اور یہ لوگ عام مسلمان ہیں۔

دوسری قسم: وہ لوگ ہیں، جن کے نفوس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اور ان کے اوپر شوق غالب ہوتا ہے۔ لہذا وہ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور اپنے نفوس کے مجاہدے اور مجاہدے میں مشغول رہتے ہیں۔ اس لئے ہر وہ چیز جو ان کے نفوس پر بھاری ہوتی ہے، وہ ان کو اسی میں ڈالتے ہیں۔ حالانکہ وہ مرتے ہیں۔ اور ہر وہ شے جو ان کے اوپر ہلکی ہوتی ہے، وہ ان کو اس سے دور رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ روتے ہیں۔ اسی طرح وہ ہمیشہ اپنے نفوس کے ساتھ مجاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ فرماں بردار اور نرم ہو جاتے ہیں۔ اب نفوس ان کے ہر ارادے میں ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

مرید چار مجاہدے اختیار کرے

مبتدی مرید کے لئے

پہلا مجاہدہ: دنیا کو ترک کرنا یا کم کرنا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چیز باقی نہ رہے، جو اس کو اس کے رب سے غافل کرے۔

دوسرا مجاہدہ: لوگوں کو ترک کرنا اور ان سے بھاگنا ہے۔ اس طرح کہ جن لوگوں کو پہچانتا ہے، ان سے اجنبی بن جائے۔ اور جن لوگوں کو نہیں پہچانتا ہے، ان سے اپنا تعارف نہ کرائے۔

تیسرا مجاہدہ: اپنی قدر و منزلت اور مرتبے کو گرا دینا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے گر جائے۔ اور لوگ اس کی نگاہوں سے گر جائیں۔

چوتھا مجاہدہ۔ قلب اور جسم دونوں کے اعتبار سے ذلت و انکساری اختیار کرنا ہے۔ مثلاً ننگے پاؤں چلنا اور ننگے سر رہنا وغیرہ

اور نفس جب ذلت اور تواضع اور گمنامی اور فقر کے ساتھ ثابت قدمی سے قائم ہو جاتا ہے اور ان میں سکون حاصل کرتا اور ان میں شیرینی محسوس کرتا ہے۔ تو مرید نفس پر غالب ہو جاتا ہے۔ اور اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ بلکہ کل کائنات کا مالک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا ہے۔

وَنَفْسُكَ تَحْوِي بِالْحَقِيقَةِ كُلَّهَا × أَشَرْتُ بِحَدِّ الْقَوْلِ مَا أَنَا مُودِعُ

"اور تم اپنے نفس کے ساتھ کل حقیقتوں پر حاوی ہو جاتے ہو۔ میں نے گفتگو کے پیرائے میں اشارہ کر دیا ہے۔ اور میں امانتدار نہیں ہوں۔"

لہذا جو شخص اپنے نفس کا مالک ہو جاتا ہے وہ کل موجودات کا مالک ہو جاتا ہے۔

لہذا اگر ان میدانوں میں نفوس کا مجاہدہ اور ان کے ساتھ جنگ نہ ہوتی تو سائرین کی سیر واقع نہ ہوتی۔ اس لئے کہ سائر (سیر کرنے والا) قاصد (چلنے والے) سے صرف خواہش کی مخالفت اور عادات کے ختم کرنے ہی سے ممتاز ہوتا ہے۔

لہذا جس شخص نے اپنے نفس کی عادات کو ختم کر دیا یہاں تک کہ اس کے نزدیک عزت و ذلت اور فقر و غنا اور ان کے علاوہ وہ سب اشیاء برابر ہو گئیں، جو نفوس کو ناگوار اور پسند ہوتی ہیں۔ تو اس کی سیر ثابت ہو گئی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ گیا۔

اور جو شخص اپنے نفس کو ایک حال کے برابر ہونے کی قدرت نہیں رکھتا ہے وہ نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کر سکتا ہے۔ نہ اس تک پہنچ سکتا ہے۔

منع و عطا، عزت و ذلت جس کے دل میں برابر نہ ہو وہ کامل نہیں

حضرت ابو عثمان حیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ولی اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس کا قلب چار چیزوں میں، منع و عطا اور عزت اور ذلت میں برابر نہ ہو جائے۔ یعنی اس کا حال یہ ہو کہ اس کے نزدیک ذلت، عزت کی طرح اور محروم کرنا، عطا کرنے کی طرح ہو جائے۔ وہ ذلت اور محرومی سے آسودگی محسوس کرے۔"

حضرت محمد بن خفیف نے فرمایا ہے:۔ ہمارے پاس ہمارے ساتھیوں میں سے ایک صاحب آئے۔ اور کہا۔ میں بیمار ہو گیا ہوں۔ اور ان کو پیٹ کی بیماری کی شکایت تھی۔ میں ان کی خدمت کر رہا تھا۔ اور ساری رات لگن لے کر ان کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ اور جب وہ پاخانہ کرتے تو میں اسے لے جا کر پھینکتا تھا۔ حضرت محمد بن خفیف نے بیان فرمایا:۔ ایک مرتبہ مجھے نیند کی جھپکی آ گئی۔ (یعنی میں اونگھ گیا) تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ تم سو رہے ہو۔

حضرت محمد بن خفیف سے دریافت کیا گیا:۔ جب اس نے کہا:۔ "تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو" اس وقت آپ نے اپنے نفس کو کیسا پایا۔ انہوں نے جواب دیا:۔ مجھکو ایسا معلوم ہوا کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحمت نازل کرے۔

حکایت ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا ہے:۔ میں مسلمان ہونے کی حالت میں صرف تین مرتبہ خوش ہوا۔

ایک مرتبہ:۔ میں دریائی جہاز میں سوار ہو کر سفر کر رہا تھا۔ اس میں ایک شخص قصہ بیان کرتا تھا اور لوگ ہنس رہے تھے۔ وہ بیان کر رہا تھا:۔ میں نے ایک مرتبہ ترکوں کی جنگ میں ایک کافر دیکھا۔ پھر کہتا تھا۔ اس طرح۔ اور یہ کہہ کر میری داڑھی پکڑتا تھا۔ اور اپنا ہاتھ میرے حلق کی طرف بڑھاتا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر ہنستے تھے۔ اور اس جہاز میں اس کے خیال میں مجھ سے زیادہ چھوٹا اور حقیر کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ اس کی اس حرکت سے میں بہت خوش ہوا۔

دوسری مرتبہ:۔ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھکو طمانچہ مارا۔

تیسری مرتبہ:۔ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور میرے اوپر پیشاب کر دیا۔

دل سے خواہش دور ہونے کی حقیقت؟

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ قلب سے خواہش کے دور ہونے کی حقیقت:۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش ہر وقت اور ہر حالت میں غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے۔

لہذا مرید جب اپنے اندر یہ علامات پائے تو وہ سمجھ لے کہ وہ اپنے جنس کے عالم سے نکل گیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں پہنچ گیا ہے۔ اور اب وہ شاعر کے اس قول کی طرح ہو گیا ہے:۔

لَكَ الدَّهْرُ طَوْعًا وَالْأَنَامُ عَبِيْدُ × فَعِشْ كُلُّ يَوْمٍ مِنْ أَيَّامِكَ عِيْدُ

"زمانہ تمہارے موافق اور مخلوق غلام ہے۔ لہٰذا تم اس طرح زندگی گذارو کہ تمہاری زندگی کا ہر دن عید کا دن ہے۔"

اور جیسا کہ سیدی حضرت ابو العباس بن عریف نے اسی مفہوم میں فرمایا ہے:

بَدَا لَكَ سِرٌّ طَالَ عَنْكَ اكْتِتَامُهُ × وَلَاحَ صَبَاحٌ كُنْتَ أَنْتَ ظَلَامُهُ

"تمہارے اوپر وہ راز ظاہر ہوا جو مدت دراز تک تم سے پوشیدہ تھا اور وہ صبح نمودار ہوئی جس کی تاریکی تم تھے۔"

فَأَنْتَ حِجَابُ الْقَلْبِ عَنْ سِرِّ غَيْبِهِ × وَلَوْلَاكَ لَمْ يُطْبَعْ عَلَيْهِ خِتَامُهُ

"قلب کا حجاب تم ہی ہو کہ غیب کے راز سے تم ہو۔ اور اگر تم نہ ہوتے تو غیب کے راز پر اس کی مہر نہ لگتی۔"

فَإِنْ غِبْتَ عَنْهُ حَلَّ فِيْهِ وَطُنِّبَتْ × عَلَى مَوْكِبِ الْكَشْفِ الْمَصُوْنِ خِيَامُهُ

"لہٰذا اگر قلب سے تم غائب ہو جاؤ۔ تو اس میں کشف کی سواری پر مضبوط خیموں میں محفوظ حالت میں راز موجود ہوگا۔"

وَجَاءَ حَدِيْثٌ لَا يُمَلُّ سَمَاعُهُ × شَهِيٌّ إِلَيْنَا نَثْرُهُ وَنِظَامُهُ

"اور ایسی بات آئے گی جس کے سننے سے آدمی اکتاتا نہیں ہے اور اس کی نثر اور نظم دونوں ہمیں پسند ہیں۔"

إِذَا سَمِعَتْهُ النَّفْسُ طَابَ نَعِيْمُهَا × وَزَالَ عَنِ الْقَلْبِ الْمُعَنَّى غَرَامُهُ

"نفس جب اس کو سنتا ہے۔ تو اس کی نعمت عمدہ ہو جاتی ہے۔ اور پریشان قلب سے اس کی پریشانی دور ہو جاتی ہے۔"

اور اگر مرید اپنے اندر یہ مذکورہ بالا علامات نہ پائے تو اس کو چاہیے کہ برابر اپنی سیر میں مشغول رہے۔ اور ٹھہراہٹ اور غفلت و کاہلی میں نہ مبتلا ہو۔ کیونکہ جو شخص اپنے مقصود کو پہچان لیتا ہے۔ اس کے لئے دوسری اشیاء کا چھوڑنا آسان ہوتا ہے۔

اور یہ قول صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خوش نصیبی سے شیخ تربیت تک پہنچا دیا ہے لیکن جو شخص شیخ تربیت تک نہیں پہنچا وہ بھی پیری کی خواہش نہ کرے ۔ اگرچہ اس نے کامل علوم حاصل کر لئے ہوں اور تمام کتابوں کی صحبت اختیار کی ہو ۔ وہ میرے ذوق کا معاملہ ہے ۔ میں اس میں کسی کو شریک نہیں کر سکتا۔

میں نے بہت زمانہ تک نفس سے مجاہدہ کیا ، بہت روزے رکھے ، گوشہ نشینی بھی زیادہ اختیار کی اور اذکار کی کثرت کی ۔ اور قرآن مجید کی تلاوت بھی کثرت سے کی ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم ! مجھ کو اپنے قلوب کی معرفت نہیں حاصل ہوئی ۔ نہ ہم حقیقت کی خیر پا سکے ۔ یہاں تک کہ ہم نے اہل تجربہ ، اہل دلوں کی صحبت اختیار کی تو انہوں نے ہم کو تکلیف سے نکال کر آرام میں اور آمیزش سے نکال کر تنہائی میں اور انکار سے نکال کر معرفت میں پہنچایا۔

اس پر اگر تم یہ اعتراض کرو ۔ حضرت حضرمی نے فرمایا ہے : اس زمانہ میں شیخ کامل کی تربیت ختم ہو چکی ہے ۔ کیونکہ شیخ کامل کا وجود باقی نہیں ہے ۔ اور ہمت اور حال کے سوا کچھ باقی نہیں ہے لہذا تم صرف کتاب و سنت پر عمل کرو اپنے اوپر اضافہ نہ کرو

تو میرا جواب یہ ہے ۔ حضرت حضرمی نے جو فرمایا ہے ۔ اس سے ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ شیخ تربیت کا وجود ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے ۔ حاشا للہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حضرت حضرمی اللہ تعالیٰ پر حکم لگائیں ۔ وہ اس کی قدرت کو عاجز سمجھیں ۔ بلکہ ان کے اس طرح کہنے کا مقصد یہ ہے : ان کے زمانے میں بہت سے جھوٹا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو گئے تھے ۔ لہذا انہوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو ان جھوٹے مدعیوں سے بچانے کے لئے یہ فرمایا ہے ۔ ورنہ حضرت حضرمی اور حضرت زروق رضی اللہ عنہما کی معرفت ہی اس مقصد کی نفی کرتی ہے۔

اور بالفرض اگر ان دونوں حضرات کے قول کا یہی مقصد ہو ۔ تو وہ دونوں حضرات معصوم نہیں ہیں ۔ جو شخص کامیابی کی امید کر سکتا ہے ۔ اور قبولیت بھی پا سکتا ہے ۔ صرف صاحب ہمت شیخ کا کلام ایسا ہے ، جس کا قبول کرنا ہر دل میں لازمی ہے ۔ اس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

اور حضرت حضرمی کے بعد بہت سے کامل مشائخ ہوئے ہیں جو حال اور کلام اور ہمت کے اعتبار

طلب میں سچائی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تم یہی طلب پیدا کرو، تو تم کو مرشد مل جائے گا۔ اور تم اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ﴾

''کون ہے جو پریشان مشتاق کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اس سے دعا کرتا ہے''

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾

''پس اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سچائی اختیار کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا''

لہذا اگر تم اس شیخ کی تلاش میں جو تم کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے، اس طرح پریشان اور حاجتمند ہوتے: جس طرح پیاسا پانی کے لئے، اور خوف زدہ امن کے لئے پریشان اور حاجتمند ہوتا ہے تو تم اس کو اپنی طلب سے زیادہ اپنے قریب پاتے۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو پانے کے لئے اسی طرح حاجتمند اور پریشان ہوتے، جس طرح ماں اپنے کھوئے ہوئے بچے کو پانے کے لئے حاجتمند اور پریشان ہوتی ہے تو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سے قریب، اور اپنے لئے جواب دینے والا پاتے۔ اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنا اپنے لئے آسان پاتے، اور اس کے آسان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر توجہ کرتا۔

حضرت شیخ ابن عبادؒ نے فرمایا ہے:۔ مصنفؒ کے کلام میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ شیخ تربیت کا حاصل ہونا مرید کے لئے اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور ہدیوں میں سے ہے جبکہ وہ اپنی ارادت میں سچا ہو اور اپنے مولائے حقیقی کی طلب میں اپنی کوشش صرف کر رہا ہو۔

شک اس شخص کے گمان کے مطابق جس کو یہ علم ہی نہیں ہے، کہ مولائے حقیقی کی طلب میں سچائی اور کوشش شرط ہے۔

پھر حضرت ابن عبادؒ نے فرمایا:۔ اور اسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ساتھ ادب استعمال کرنے کی توفیق عطا فرماتے۔ جب وہ اس کو اس کے اعلیٰ مرتبے اور بلند درجے کا مشاہدہ کراتے

تمہارا شیخ کون ہے؟

نیز حضرت مصنفؒ نے لطائف المنن میں فرمایا ہے:۔

تمہارا شیخ وہ نہیں ہے جس سے تم نے سنا۔ بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس سے تم نے حاصل کیا۔

تمہارا شیخ وہ نہیں ہے جس کا کلام تم کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔ بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس کا اشارہ تمہارے اندر سرایت کر جائے۔

تمہارا شیخ وہ نہیں ہے جو تم کو دروازے کی طرف بلائے۔ بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جو تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب دور کر دے۔

تمہارا شیخ وہ نہیں ہے جس کا قول تم کو متوجہ کرے۔ بلکہ تمہارا شیخ وہ ہے جس کا حال تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرادے۔

تمہارا شیخ وہی ہے۔ جو تم کو خواہش کے قید خانے سے نکال کر مولائے حقیقی کی بارگاہ میں پہنچا دے۔ تمہارا شیخ وہی ہے۔ جو ہمیشہ تمہارے قلب کے آئینے کو صاف کر کے چمکاتا رہے یہاں تک کہ اس میں تمہارے رب تعالیٰ کے انوار جلوہ گر ہو جائیں۔ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف کوچ کرائے تو تم اس کی طرف کوچ کر جاؤ۔ وہ تم کو سیر کرادے یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاؤ۔ وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے یہاں تک کہ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دے پھر وہ تم کو بارگاہ کے نور میں پہنچا کر فرمائے۔ "اب تم ہو، اور تمہارا رب ہے۔"

اور یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سیر مجازی ہے۔ یعنی تعلقات اور قواطع کے ختم کرنے کا نام سیر ہے۔ ورنہ حقیقت وہی ہے جیسا کہ مصنفؒ نے فرمایا ہے

[لَا مَسَافَةَ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ حَتّٰى تَطْوِيَهَا ، وَلَا قَطْعَةَ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ حَتّٰى تَمْحُوَهَا وُصْلَتُكَ]

"تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے جس کو تم طے کرو۔ اور تمہارے اور اس کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے جس کو تمہارا پہنچنا دور کرے۔"

میں کہتا ہوں:۔یہاں یہ سوال بحث سے مقدر ہے:۔ گویا کہ کسی شخص نے مصنف ؒ سے سوال کیا:۔ کیا ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی فاصلہ ہے۔ جس کے طے کرنے کے لئے اس کی طرف سائرین کی سیر واقع ہوتی ہے؟ مصنف ؒ نے جواب دیا:۔ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ مگر کثیف نفس کا حجاب، اور قلب کے دنیاوی تعلقات۔ لہٰذا نفس کی عادات کے خلاف کرنا، اور اس کی خواہشات کو ختم کرنا، اور تعلقات اور قاطعات کو منقطع کرنا:۔ یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سیر ہے۔ لہٰذا جس شخص نے نفس کی عادات کے خلاف کیا، اس کے اوپر سے ظلمانی حجابات دور ہو گئے۔ اور جس نے قلب کے تعلقات کو ختم کیا اس کے اوپر علوم ربانی کا فیضان ہوا۔ اور اس کے اوپر عرفان کے سورج روشن ہو گئے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ہے۔ لہٰذا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی محسوس فاصلہ نہیں ہے۔ جس کی تمہاری سیر طے کرے۔ اور تمہارے اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ جس کو تمہارا پہنچنا دور کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝﴾

”اور ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اس کا نفس اس کے اندر جو وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ ہم اس کو جانتے ہیں۔ اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

لہٰذا ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ہمارے نفس کے وجود کا وہم حائل ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی دوسری شی حائل نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ہم نفس سے گم ہو جائیں۔ تو ہم اپنے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پائیں گے۔ اور نفس سے گم ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک وہ مردہ نہ ہو جائے۔ اور اس کی موت، اس کی عادات کی مخالفت میں ہے۔

حضرت شیخ ابو مدین ؒ نے فرمایا ہے۔ جو شخص مرتا نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتا ہے۔

اور حضرت شیخ ابو العباس مرسی ؒ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں داخل ہونے کے لئے صرف دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ فنائے اکبر ہے۔ یعنی طبعی موت۔ دوسرا دروازہ فنائے اصغر ہے۔ جس کو حضرات صوفیائے کرام مراد لیتے ہیں۔

اور ایک عارف نے فرمایا ہے: انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس وقت تک نہیں داخل ہوتا ہے جب تک وہ چار موتوں سے نہ مرجائے۔

پہلی سرخ موت:- اور وہ نفس کی مخالفت ہے۔

دوسری سیاہ موت:- اور وہ مخلوق کی ایذا رسانی کو برداشت کرنا ہے۔

تیسری سفید موت:- اور وہ فاقہ کرنا ہے۔

چوتھی نیلی موت:- اور وہ گدڑیوں کا پہننا ہے۔

حضرت شطیبیؒ نے فرمایا ہے:- تم یہ جان لو۔ کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ایسا نہیں ہے جس میں کوئی جنگل اور میدان ہو، یا کوئی جگہ یا بے والا مقام ہو۔ بلکہ وہ منزلیں اور احوال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر منزل اور ہر حال کے لئے معین و مددگار بنا دئے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا کرتا ہے۔ اور اپنے بندے کی مدد کرتا ہے۔ اور تمام مخالف جماعتوں کو شکست دیتا ہے۔

اور میدان اور فاصلے:- صرف مرغوب اشیاء کی طرف مائل ہونے، اور عادتوں کی پیروی کرنے، اور نفس کے ساتھ صلح کرنے، اور حس اور عقل اور وہم کے ساتھ ٹھہر جانے میں ہے۔ اور حجاب اٹھ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا راستہ واضح ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ مباحث اصلیہ میں مصنف نے فرمایا ہے:-

وَ اِنَّمَا الْقَوْمُ مُسَافِرُوْنَ × لِحَضْرَةِ الْحَقِّ وَ ظَاعِنُوْنَ

''اور در حقیقت صوفیائے کرام مسافر ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف سفر کر رہے ہیں۔''

فَافْتَقَرُوْا فِیْهَا اِلٰی دَلِیْلٍ × ذِیْ بَصَرٍ بِالسَّیْرِ وَ الْمَقِیْلِ

''لہذا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے کے لئے ایسے صاحب بصیرت رہنما کے محتاج ہیں جو سیر اور سکون کی حالت سے آگاہ ہو۔''

قَدْ سَلَكَ الطَّرِیْقَ ثُمَّ عَادَ × لِیُخْبِرَ الْقَوْمَ بِمَا اسْتَفَادَ

''جس نے راستے طے کیا ہو۔ پھر لوٹ آیا ہو۔ تا کہ جو فوائد اس نے حاصل کئے ہیں ان سے صوفیائے کرام اور طالبین کو آگاہ کرے۔''

نیز حضرت شیخؒ نے فرمایا ہے۔ آدمیوں کی چونکہ بہت قسمیں ہیں جن کو مجاہدہ و مشاہدہ سے روک دیتا ہے۔ تو ان کے اوپر احوال غالب ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کے اور آخری منزل کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔

اور مخلوق کے راستے جدا جدا ہیں۔ ہر شخص ایک نئی روش پر چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾

"ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راستہ بنایا ہے۔"

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾

"اور ہر شخص کے لئے ایک طرف یا قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے۔ لہذا تم لوگ نیکیوں میں سبقت کرو۔"

اور ہر شخص اسی طرف سے گذرتا ہے جس طرف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو مخصوص کیا ہے۔

اور اسی وجہ سے تم انہیں دیکھتے ہو بہت سے مسلک نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ نسبتیں مختلف ہونے کی وجہ سے مسلکوں کی تبدیلی ہوتی ہے۔

خصوصاً وہ لوگ جن کی طبیعت ظاہری علم پر پیدا کی گئی ہے۔ وہ سب لوگوں سے زیادہ سمجھنے اور جاننے سے دور ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ دروازہ کھول کر ان کی دستگیری نہ فرمائے۔

کیونکہ شریعت سراپا حکمت ہے۔ اور اس کے ماتحت بہت سی حکمتیں ہیں۔ لہذا جو شخص ان کو نہیں سمجھتا ہے۔ اس کے فہم میں جو کچھ آتا ہے اسی پر عمل کرنے لگتے ہیں۔

اور اسی بنا پر انکار اعتراض اور اختلاف واقع ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے قبل علمائے ظاہر کے ہاتھوں بہت سے صوفیائے کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان لیا۔ چنانچہ علمائے ظاہر نے کفر و بے دینی اور بدعت و گمراہی کے ساتھ صوفیائے کرام کو منسوب کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان کی تنقیص کی

ہے۔

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴾

"یہ اللہ تعالیٰ کی وہ سنت ہے، جو پہلے بھی گذر چکی ہے۔ اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی ہرگز نہ پاؤ گے۔"

﴿ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ﴾

"اور اگر ہم کسی فرشتے کو رسول بناتے، تو اس کو بھی آدمی ہی بنا کر بھیجتے۔ اور ہم ان لوگوں پر وہ شے مشتبہ کر دیتے جس کو وہ مشتبہ کر رہے ہیں۔"

اور پہلی امتیں اسی قول کے باعث ہلاک ہوئیں:۔

﴿ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴾

"ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک راستے پر پایا، اور ہم انھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔"

لہذا حاصل یہ ہوا۔ انسان جب نفس کے ساتھ اس کے میدان میں چھڑ لگاتا ہے۔ پھر وہ اس کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کو درست کر لیتا ہے۔ اور اس کو ان اوصاف سے جو اس کو روکنے والے ہیں، پاک کر لیتا ہے۔ تو اس وقت اس کا نفس اپنی اصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اس کا اصلی مقام بارگاہ الٰہی ہے۔ جس میں وہ مقیم تھا۔ اس لئے کہ نفس اور بارگاہ الٰہی کے درمیان ظلمانی حجابوں کے سوا کوئی شے حائل نہیں ہے۔ لہذا جب وہ ظلمانی حجابات سے نکل جاتا ہے تو وہ ظلمانی جسم میں روشن نور بن کر اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے۔ لہذا وہ اس کے نزدیک ایک پوشیدہ یاقوت بن جاتا ہے۔ جس پر مخلوق کی سیپیاں ڈھانپے ہوتی ہیں۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

﴿ جَعَلَكَ فِي الْعَالَمِ الْمُتَوَسِّطِ بَيْنَ مُلْكِهِ وَمَلَكُوتِهِ ۔ لِيُعَلِّمَكَ جَلَالَةَ قَدْرِكَ بَيْنَ مَخْلُوقَاتِهِ ۔ وَأَنَّكَ جَوْهَرَةٌ تَنْطَوِي عَلَيْكَ أَصْدَافُ مُكَوَّنَاتِهِ ﴾

"اللہ تعالیٰ نے تم کو عالم ملک اور عالم ملکوت کے درمیان عالم متوسط میں بنایا ہے۔ تاکہ وہ اپنی مخلوقات کے درمیان تمہارے مرتبے کی بڑائی تمہارے اوپر واضح کرے۔ اور تم کو یہ معلوم کرائے کہ تم ایک ایسا جوہر یعنی موتی ہو، جس کو مخلوقات کی سیپیاں ڈھانپے ہوئے رہتی ہیں۔"

انسان کائنات کا خلاصہ ہے

میں کہتا ہوں: - اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی عظمت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اور اس کو کائنات کا منتخب خلاصہ بنایا ہے۔ اس میں وہ سب کچھ جمع ہے جو اس کے علاوہ کسی مخلوق میں جمع نہیں ہے۔ اس میں عالم ملک و عالم ملکوت، اور نور و ظلمت، اور غیب و شہادت، اور عالم صوری و عالم عقلی، اور قدرت و حکمت، اور ظاہر و باطن سب موجود ہیں۔

لہذا اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے عالم ملک یعنی تمہاری بشریت، اور اپنے عالم ملکوت یعنی تمہاری روحانیت کے درمیان عالم متوسط میں پیدا کیا ہے۔

یا تم اس طرح کہو: - اپنے ملک یعنی عالم اجسام، اور اپنے ملکوت یعنی عالم ارواح کے درمیان پیدا فرمایا ہے۔ لہذا اے انسان! تم صرف ملکی نہیں ہو۔ کہ تم جانوروں اور چوپایوں کی طرح ہو جاؤ اور نہ تم صرف ملکوتی ہو۔ کہ فرشتوں کی طرح ہو جاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ملک اور ملکوت سے مرکب بنایا ہے تاکہ مجاہدہ اور مشاہدہ کے ذریعے تمہاری بزرگی اور فضیلت ظاہر ہو۔ اور اسی وجہ سے تم خلافت الٰہیہ کے ساتھ مخصوص کئے گئے۔ اور امانت ربانی اٹھانے کے لئے آگے بڑھے۔ پھر تم نعیم جنت اور دیدار الٰہی کی بخششوں سے سرفراز کئے جاؤ گے۔

پھر انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم: - وہ لوگ ہیں جن کی بشریت ان کی روحانیت پر، اور ان کا ملک ان کے ملکوت پر، اور ان کی ظلمت ان کے نور پر غالب ہے۔ لہذا وہ لوگ مخلوق کی ظلمت میں باقی ہیں، اور شہود و عیان سے روک دئے گئے ہیں۔ اور وہ لوگ عام مسلمان ہیں۔

دوسری قسم: - وہ لوگ ہیں جن کی روحانیت ان کی بشریت پر، اور ان کا نور ان کی ظلمت پر، اور ان کا ملکوت ان کے ملک پر غالب ہے۔ اور وہ خواص عارفین سائرین ہیں۔ جو میدان جنگ میں اپنے نفوس کے ساتھ مجاہدہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کر رہے ہیں۔

اور ان سائرین میں سے سابقین (سبقت کرنے والے) مقربین ہیں۔ اور ان میں سے لاحقین یمین ہیں۔ اور ہر ایک اپنی سچائی کے مطابق اپنے مولائے حقیقی کی محبت میں سرگرم و [illegible]

ہے۔

حضرت مصنف کے کلام کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ انسان بشریت اور روحانیت سے علیحدہ ایک زائد شے یعنی جداگانہ شے ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ نے تم کو ملک یعنی بشریت اور ملکوت یعنی روحیت کے درمیان عالم متوسط میں بنایا ہے۔"

اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں کے درمیان ایک مستقل شے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ لہذا وہ بذات خود عالم متوسط ہے۔ یعنی ملک اور ملکوت سے مرکب ہے۔

لہذا اگر مصنف اس طرح فرماتے: - اللہ تعالیٰ نے تم کو عالم ملک اور عالم ملکوت کے درمیان عالم متوسط بنایا ہے۔" تو مفہوم آسانی سے سمجھ میں آتا۔ یعنی یہ کہ تم نہ صرف ملک ہو، اور نہ صرف ملکوت ہو۔ بلکہ تم کو دونوں کے درمیان متوسط یعنی دونوں سے مرکب بنایا ہے۔

جیسا کہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے

(كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ)

"میں اس وقت نبی تھا۔ جبکہ آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔"

یعنی آدم علیہ السلام پانی اور مٹی سے روح کے بغیر مرکب تھے۔

لہذا مصنف کی عبارت اس بارے میں ایک رمز اور باریک اشارہ ہے۔ اور یہ دراصل علم تصوف سب کا سب اشارہ ہے۔

اور تم کو ملک اور ملکوت کے درمیان اس لئے بنایا ہے۔ تاکہ تم کو تمہارے مرتبے کی بزرگی اور تمہاری حقیقت کی بلندی سے آگاہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ)

"اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔"

اور نیز فرمایا۔

(لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ○)

گا۔"

أَنْتَ الْكَمَالُ طَرِيقَةً وَحَقِيقَةً X يَا جَامِعًا سِرَّ الْإِلٰهِ بِأَسْرِهِ

"طریقت اور حقیقت کے اعتبار سے، اے تمام اسرار الٰہی کے جامع! تو ہی کمال ہے۔"

اور مباحث میں فرمایا ہے:۔

يَا سَابِقًا فِي مَوْكِبِ الْإِبْدَاعِ X وَلَاحِقًا فِي جَيْشِ الْإِخْتِرَاعِ

"اے پیدائش کی سواری پر پہلے سوار ہونے والے، اور ایجاد کے لشکر میں پیچھے شامل ہونے والے۔"

إِعْقِلْ فَأَنْتَ نُسْخَةُ الْوُجُوْدِ X لِلّٰهِ مَا أَغْلَاكَ مِنْ مَوْجُوْدِ

"تو اس کو خوب سمجھ لے کہ تو اللہ تعالیٰ کے کل وجود کا نسخہ ہے۔ اس نے تجھ کو کل موجودات سے کتنا اعلیٰ و افضل بنایا ہے۔"

أَلَيْسَ فِيْكَ الْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ X وَالْعَالَمُ الْعُلْوِيُّ وَالسُّفْلِيُّ

"کیا تیرے اندر عرش و کرسی، اور عالم علوی و سفلی نہیں ہے۔"

مَا الْكَوْنُ إِلَّا رَجُلٌ كَبِيْرٌ X وَأَنْتَ كَوْنٌ مِثْلُهُ صَغِيْرٌ

"عالم ایک بڑا آدمی ہے، اور تو اسی کی طرح ایک چھوٹا عالم ہے۔"

میں کہتا ہوں:۔ انسان عالم کا ایک نسخہ ہے۔ یا ایک چھوٹا عالم ہے۔ اس وقت تک، جب تک کہ اس کی روحانیت اس کی بشریت پر، اور اس کا باطن اس کے ظاہر پر، اور اس کا نور اس کی ظلمت پر غالب نہیں ہے۔ لیکن جب اس کی روحانیت اس کی بشریت پر اور اس کا باطن اس کے ظاہر پر اور اس کا نور اس کی ظلمت پر غالب ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت وہ کلی جزوی بن جاتا ہے۔ اور کل عالم پر چھا جاتا ہے۔ اور عالم اکبر ہو جاتا ہے۔ اور کل عالم اس کا نسخہ بن جاتا ہے۔

اسی حقیقت کے بارے میں حضرت ابن فارضؒ نے فرمایا ہے:۔

وَإِنِّيْ وَإِنْ كُنْتُ ابْنَ آدَمَ صُوْرَةً X فَلِيْ فِيْهِ مَعْنًى شَاهِدٌ بِأُبُوَّتِيْ

"اور میں اگرچہ شکل و صورت کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ لیکن میری

عرش و کرسی میری مٹھی کی لپیٹ میں ہیں۔

پھر عالم نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اور عالم ملکوت عالم جبروت سے مل جاتا ہے۔ لہذا صرف اللہ حی وقیوم باقی رہ جاتا ہے۔ جس کے لئے فنا نہیں ہے۔

اور اس حقیقت کو صرف وہی عارفین سمجھتے ہیں، جن کی روحانیت ان کی بشریت پر غالب ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ روحانی مخلوق ہو چکے ہیں۔ ان کے اجسام مخلوق کے ساتھ، اور ان کی ارواح اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔

لہذا اے انسان! تمہاری جسمانیت اور بشریت، اور گھری ہوئی محدود شکل کی حیثیت سے کائنات تم کو اپنی وسعت میں سمائے ہوئے اور تم کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن تمہاری روحانیت کی حیثیت سے کائنات کے اندر تمہاری گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ کائنات کو تم اپنی وسعت میں سمائے ہوئے اور گھیرے ہوئے ہو۔ کیونکہ تمہاری روح اس عالم جبروت سے ملی ہوئی ہے، جو کل کائنات کو گھیرے ہوئے ہے۔

لیکن جب روح کثیف ہو جاتی ہے اور اس شکل میں گھر جاتی ہے۔ تو اس پر قہریت لازم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ حکمت کے ساتھ محجوب، اور قدرت کے ساتھ مقید ہو جاتی ہے۔

لہذا جب تک بشریت خواہشات اور عادات کی محبت سے کثیف رہتی ہے۔ اس وقت تک وہ محجوب رہتی ہے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لطیف ہو جاتی ہے، اور ظاہر کا حجاب دور ہو جاتا ہے۔ تو وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اور اپنے سمندر سے مل جاتی ہے۔ اس وقت ملک اور ملکوت اس کی مٹھی میں ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت اس کو نہ زمین اپنے اندر سما سکتی ہے نہ آسمان، نہ اس کو عرش گھیر سکتا ہے نہ فرش۔ اسی لئے کہا گیا ہے صوفی کو نہ زمین اٹھا سکتی ہے نہ آسمان اس کو سایہ دے سکتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے:۔

يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ: لَمْ تَسَعْنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي، وَوَسِعَنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ، أَيِ الْكَامِلِ وَهُوَ الْعَارِفُ۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہ میری زمین مجھے اپنے اندر سما سکی ہے نہ میرا آسمان۔ لیکن میرے

مومن بندے کے قلب نے مجھ کو اپنے اندر سما لیا ہے۔" یعنی وہ مومن جو کامل ہے۔ اور مومن کامل کی معرفت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لہذا جبروت — وہ لطیف اور قدیم حقیقت ہے۔ جو عالم خلق میں داخل نہیں ہے۔ اور ملکوت — اپنے جمع اور اپنی اصل کے ساتھ ملے ہونے کے اعتبار سے عالم خلق میں داخل ہے۔ اور ملک — عالم خلق میں داخل ہے اور اس کا وجود فرق کے اعتبار سے ہے۔ اور اہل جمع کے نزدیک ملک کا وجود ہی نہیں ہے۔ ان کے نزدیک صرف ملکوت اور جبروت ہے۔ اور جب تک ان کو لطیف اور کثیف کے درمیان فرق محسوس ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں ملکوت اور جبروت رہتے ہیں۔ پھر جب وہ ہر شے کو اس کی اصل کے ساتھ ملا ہوا دیکھتے ہیں۔ تو صرف جبروت باقی رہ جاتا ہے۔

اور اہل فرق، اپنے وہم کی وجہ سے ملک کو دیکھتے ہیں۔ اور اس میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ان کے درمیان ملک کا حجاب حائل کر دیا ہے۔

(وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ) "اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم پر غالب ہے"۔

لہذا جب تک بندہ مخلوق میں محدود اور اپنی بشریت میں گھرا ہوا ہے۔ اس وقت تک وہ کائنات کے قید خانے میں قید ہے۔

پھر اگر اس کی بصیرت کی روشنی بڑھتی ہے اور اس کی روح ملکوت کی بلندی کی طرف چڑھتی ہے۔ تو وہ کائنات کے قید خانے سے نکل کر ملکوت کی آزاد فضا میں پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

"اَلْكَائِنُ فِي الْكَوْنِ وَلَمْ تُفْتَحْ لَهُ مَيَادِيْنُ الْغُيُوْبِ مَسْجُوْنٌ بِمُحِيْطَاتِهِ مَحْصُوْرٌ فِيْ هَيْكَلِ ذَاتِهِ"

"مخلوق میں رہنے والا، جب تک اس کے لئے غیوب کے میدان نہ کھولے گئے ہوں۔ اپنی گھیرنے والی اشیاء کی قید میں مقید، اور اپنی ذات کی شکل میں گھرا ہوا ہے"

میں کہتا ہوں: غیوب کے میدان — وہ ہیں۔ جن میں روح اس وقت سیر کرتی ہے۔ جب وہ جسم کی تنگی سے نکل کر عالم ارواح میں پہنچتی ہے۔ اور شہود کی وسیع فضا سے گزر کر بادشاہ معبود اللہ

تعالیٰ کی معرفت تک پہنچتی ہے۔ لہٰذا جب تک انسان اس حیثیت سے کائنات میں ہے کہ وہ صرف کائنات کو دیکھتا ہے اور صرف ظاہر کو محسوس کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے غیوب کے میدان نہیں کھلے ہیں۔ اس وقت تک وہ اپنے کو گھیرنے والی کائنات کی قید میں مقید ہے۔ جیسے کہ آسمان اور اس کے چکر لگانے والے افلاک۔ لہٰذا وہ کائنات کے قید خانے، یعنی اپنی بشریت کی شکل، اور اپنے جسم کی کثافتوں کی قید میں گھرا ہوا ہے۔ پھر جب اس کی روحانیت اس کی بشریت پر غالب ہو جاتی ہے تو وہ بشریت کی شکل کے گھیرے سے نکل جاتا ہے۔ اور جب اس کی بصیرت ملکوت کی فضا کی طرف یا جبروت کے سمندر کی طرف بڑھتی ہے تو وہ مخلوق کی قید سے نکل کر خالق کے شہود میں پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت وہ کائنات کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور شہود و عیاں کی نعمت سے فیضیاب ہوتا ہے۔

لیکن جب تک انسان بشریت کی شکل میں گھرا ہوا، کائنات کی قید میں مقید ہوتا ہے۔ اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب رہتا ہے۔ اگرچہ وہ رسمی علوم کا متبحر عالم ہو۔ اس لئے کہ رسمی علوم کی مشغولیت، اللہ تعالیٰ سے اس کا حجاب زیادہ کرتی ہے۔

حضرت شیخ ابو الحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: علم ظاہر میں مشغول ہونا، عام کو خصوصیت کا علم حاصل کرنے میں نقصان پہنچاتا ہے۔ یا ایسی ہی بات فرمائی جس کا مفہوم یہی ہے۔

قوت القلوب میں اس کے مصنف نے فرمایا ہے جس شخص کے لئے علم ظاہر کی وجہ سے علم باطن کا دروازہ نہ کھلے۔ وہ اہل یمین (داہنی طرف والوں) میں سے ہے۔ اور جس شخص کے لئے علم باطن کا دروازہ کھل جاتا ہے وہ مقربین سابقین میں سے ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ علم رسوم (کتابی علم) مخلوق کے قید خانے سے اس کو نہیں نکالتا ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ مخلوق ہی کے ساتھ رہتا ہے۔ اور چونکہ وہ مخلوق کے ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے وہ خالق کے شہود سے محروم ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

"أَنْتَ مَعَ الْأَكْوَانِ مَا لَمْ تَشْهَدِ الْمُكَوِّنَ، فَإِذَا شَهِدْتَهُ كَانَتِ الْأَكْوَانُ مَعَكَ۔"

"تم اس وقت تک مخلوق کے ساتھ ہو جب تک تم نے خالق کا مشاہدہ نہیں کیا ہے لیکن جب تم کو خالق کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو مخلوق تمہارے ساتھ ہو جاتی ہے۔"

میں کہتا ہوں: جب تک بندہ مخلوق کی قید میں مقید اور اپنے جسم کی تنگی میں گھرا ہوا ہوتا ہے اس وقت تک مخلوقات اس پر حاکم ہوتی ہیں۔ اور وہ ان سے عشق و محبت کرتا ہے۔ اور مخلوقات اس کو قابل نفرت بناتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہیں۔ وہ مخلوقات کا محتاج رہتا ہے۔ اور مخلوقات اس سے بے نیاز رہتی ہیں۔ وہ مخلوقات کی طرف مائل رہتا ہے اور ان سے حرص رکھتا ہے۔ اور مخلوقات اس سے بھاگتی ہیں۔ وہ مخلوقات سے ڈرتا ہے اور ان سے مرعوب رہتا ہے اور مخلوقات اس کو ذلیل اور مرعوب کرتی ہیں۔ پھر جب وہ خالق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور مخلوقات سے غائب ہو کر ان کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس وقت مخلوقات اس کی غلام بن جاتی ہیں۔ اور وہ ان پر حاکم ہو جاتا ہے۔ اور مخلوقات اس سے محبت کرتی ہیں۔ اور وہ ان کے خالق سے محبت کرتا ہے۔ مخلوقات اس کی محتاج ہوتی ہیں۔ اور وہ ان سے بے نیاز ہوتا ہے۔ مخلوقات اس سے حرص رکھتی ہیں۔ اور وہ ان سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ مخلوقات اس سے ذلیل اور مرعوب رہتی ہیں۔ اور وہ ان سے بے خوف رہتا ہے۔ لہذا جنت بھی اس کی مشتاق ہوتی ہے اور وہ اس سے بے نیاز ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"اِشْتَاقَتِ الْجَنَّةُ إِلٰى عَلِيٍّ وَصُهَيْبٍ وَبِلَالٍ"

"جنت حضرت علی اور حضرت صہیب اور حضرت بلال کی مشتاق ہے۔"

یہ حضرات انہی بعض میں سے تھے۔

اور جہنم عارف سے ڈرتی ہے۔ اس لئے وہ اس سے غائب ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جہنم قیامت کے دن کہے گی:

جُزْ يَا مُؤْمِنُ فَقَدْ أَطْفَأَ نُورُكَ لَهَبِي، أَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

"اے مومن تو جلدی گزر جا۔ کیونکہ تیرا نور میری آگ کی تیزی کو ٹھنڈی کئے دیتا ہے۔" یا حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح فرمایا ہو۔

تو اے انسان تم عالم اجسام میں مخلوقات کے ساتھ گرفتار ہو۔ اور ان کی بندشوں میں جکڑے ہوئے ہو۔ لہذا جب تک تم ان سے محبت رکھتے ہو اور ان سے حرص رکھتے ہو اور ان کے محتاج ہو تو

وہ حاضر ہوں یا غائب ۔ اس وقت تک جو ہوتا ہے ہو ۔ وہ تمہارے اندر جس طرح چاہتی ہیں تصرف کرتی رہتی ہیں ۔ لیکن جب تم خالق کا مشاہدہ کر ے اور اس کی معرفت حاصل کر لیتے ہو ۔ تو مخلوقات تمہارے ساتھ ہو جاتی ہیں ۔ تم ان سے آزاد ہو جاتے ہو ۔ اور وہ تمہاری کنیز بن جاتی ہیں ۔ تم ان کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے ان میں سے کسی شئی سے محبت کرتے ہو ۔ نہ ڈرتے ہو ۔ کیونکہ تم ان سے رخصت ہو کر عالم ارواح میں پہنچ جاتے ہو ۔ لہذا اب وہ تمہارے قبضے میں ہوتی ہے ۔ تم ان میں جس طرح چاہتے ہو تصرف کرتے ہو ۔ اس لئے کہ اب تم اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے خلیفہ ہو جاتے ہو ۔ اور کل مخلوقات تمہارے قبضے میں اور تمہاری ہمت کے قریب ہوتی ہیں ۔ کیونکہ جب تم اپنی ہمت اللہ تعالیٰ سے متعلق کر دیتے ہو ۔ تو کل اشیا تمہاری ہمت کے قریب ہو جاتی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہوئی بعض آثار میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے: تم مجھ کو اپنی فکر کی جگہ بناؤ (یعنی صرف میری فکر میں مصروف رہو) میں تمہاری ہر فکر میں تمہارے لئے کافی ہوں گے ۔ جب تک تم اپنے ساتھ رہو گے ۔ اس وقت تک تم دوری کے مقام میں رہو گے ۔ اور جب تم میرے ساتھ ہو جاؤ گے تو قرب کے مقام میں پہنچ جاؤ گے ۔ لہذا تم اپنے لئے دونوں میں سے جس کو چاہو اختیار کر و ۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: میں بازار جاتا ہوں تو کل اشیاء میری مشتاق ہوتی ہیں ۔ اور مجھ کو ان کی پرواہ نہیں ہوتی ہے ۔

حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ جس شخص کی ہمت مخلوقات سے اٹھ جاتی ہے ۔ وہ ان کے خالق تک پہنچ جاتا ہے ۔ اور جو شخص اپنی ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شئی میں مشغول ہو جاتا ہے وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہے کہ اپنے ساتھ کسی شئی کے شریک کرنے پر راضی ہو ۔

لہذا جس شخص نے مخلوقات سے اپنی ہمت اٹھالی ، اور ان کے خالق اللہ تعالیٰ کے شہود سے فیضیاب ہو گیا ۔ اس کے لئے ولایت کبریٰ اور ولایت عظمیٰ ثابت ہو گئی ۔ اور مخلوقات سے ہمت اٹھا لینے سے ان بشری صفات اور ضروریات سے بے نیاز ہونا اس پر لازم نہیں ہوتا ہے ۔ جو اس کی

بشریت کے وجود کے لئے لازمی ہیں۔ مصنفؒ نے اس کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

لَا يَلْزِمُ مِنْ ثُبُوْتِ الْخُصُوْصِيَّةِ عَدَمُ وَصْفِ الْبَشَرِيَّةِ

''خصوصیت کے ثابت ہونے سے بشریت کے اوصاف کا ختم ہو جانا لازم نہیں ہوتا ہے''۔

بشری وصف سے مراد: وہ اوصاف ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسان کو اس کا وجود قائم رہنے کے لئے حاجتمند بنایا ہے۔ مثلاً کھانا، اور پینا، اور لباس اور مکان، اور وہ جائز خواہش جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ جیسے نکاح اور غیر محرم کی خواہش۔ تو یہ اوصاف خصوصیت کے منافی نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ

''اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسولوں کو بھیجا، وہ سب کھانا کھاتے تھے۔ اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے'' اور دوسری جگہ فرمایا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً

''اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا اور ان کے لئے ہم نے بیویاں اور اولاد بنائی''۔

ہاں، اہل خصوصیت کے لئے بشریت کا وصف دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ اہل خصوصیت کے کل معاملات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے فوائد حقوق بن جاتے ہیں۔ بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ ان کے نفوس ان پر غالب ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی تمام حرکتیں اپنے نفوس کے فوائد کے لئے ہوتی ہیں۔ اس بیان سے تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ خصوصیت یعنی ولایت و معرفت یا آزادی کے ثابت ہونے سے بشریت کے وصف کا خاتمہ ہونا لازم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خصوصیت کا مقام باطن ہے۔ اور بشری وصف کا مقام ظاہر ہے۔ اور ان کے اوپر انہیں ظاہری بشری اوصاف کے ظاہر ہونے کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کی

نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے۔

کیونکہ تم ایک ایسے شخص کو کس طرح پہچان سکتے ہو، جو تمہاری ہی طرح کھاتا، اور پیتا، اور تمہاری ہی طرح سوتا، اور عورتوں سے نکاح کرتا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کو صرف وہی شخص پہچانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نیک بخت اور خوش نصیب بنانا چاہا ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رضی اللہ عنہم سے لوگوں کا انکار صرف اسی بنا پر واقع ہوا ہے کہ لوگوں نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ بشریت کے اوصاف خصوصیت کی ضد ہیں۔

چنانچہ کافروں نے حضرت رسول کریم ﷺ کی شان میں کہا:

وَقَالُوْا مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ

''اور کافروں نے کہا: یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے''۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں یہ آیہ کریمہ نازل کر کے واضح فرمایا کہ دونوں یعنی خصوصیت، اور بشریت کا وصف ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہے:

(وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ) الآیۃ۔

لہٰذا ان اوصاف سے جو ہم نے بیان کیا۔ بشری طبیعت ختم نہیں ہوتی ہے، وہ نبوت اور ولایت کی خصوصیات کے ساتھ موجود رہتی ہے۔ لیکن برے اوصاف: مثلاً حسد اور تکبر اور بغض، اور خود پسندی اور ریا، اور غصہ اور قلق، اور محتاجی کا خوف اور روزی کی فکر، اور تدبیر اور اختیار وغیرہ۔ تو نبوت اور ولایت کی خصوصیت میں ان سے پاک ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

حضرت مصنف ؒ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے: تم اپنی بشریت کے اوصاف میں سے ہر اس وصف سے نکل جاؤ، جو تمہاری عبودیت کے مخالف ہو۔ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی پکار کے جواب دینے والے، اور اس کی بارگاہ سے قریب ہو جاؤ۔

لیکن نبی کو ان اوصاف سے پاک سمجھنا واجب ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام تمام عیوب سے پاک اور معصوم ہیں۔ لیکن ولی کو معصوم سمجھنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اولیاء اللہ ان اوصاف سے محفوظ ہیں۔ لہٰذا کبھی ان برے اوصاف میں سے کوئی وصف غلطی اور لغزش کے طریقے پر ان سے صادر ہو

جاتا ہے۔ اور بیان کی خصوصیت۔ کے وجود کے منافی (ختم کرنے والا) نہیں ہے لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتے ہیں (یعنی اس کو دوبارہ نہیں کرتے ہیں) اور نہ اس میں ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ لہذا کبھی غضب اور تنگی اور تدبیر اور اختیار وغیرہ اولیائے کرام سے صادر ہوتا ہے۔ لیکن وہ فوراً حق کی طرف آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

تصوف کافیہ میں بیان کیا ہے: اولیائے کرام سے کبھی غلطی اور غلطیاں اور لغزش اور خرابیاں صادر ہوتی ہیں لیکن وہ ان پر اصرار نہیں کرتے ہیں۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: کیا عارف زنا کر سکتے ہیں؟ وہ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر انہوں نے فرمایا۔

(وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۝) ''اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے''۔

حضرت ابن عطاء اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوشش کر کے تم کو (یعنی لوگوں کو) سوال کرنے کا شعور ہوتا۔ اگر حضرت جنید سے اس طرح دریافت کیا جاتا کیا عارف کی ہمت غیر اللہ کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ تو وہ جواب دیتے: نہیں ہو سکتی۔

پھر مصنف نے خصوصیت کے نور اور بشریت کی ظلمت کی ایک مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلُ الْخُصُوصِيَّةِ كَإِشْرَاقِ شَمْسِ النَّهَارِ ظَهَرَتْ فِي الْأُفُقِ، وَلَيْسَتْ مِنْهُ تَارَةً تُشْرِقُ شُمُوسُ أَوْصَافِهِ عَلَى لَيْلِ وُجُودِكَ، وَتَارَةً يَقْبِضُ ذَلِكَ عَنْكَ فَيَرُدُّكَ إِلَى حُدُودِكَ، فَالنَّهَارُ لَيْسَ مِنْكَ إِلَيْكَ وَلَكِنَّهُ وَارِدٌ عَلَيْكَ۔

''خصوصیت کی مثال: دن کے سورج کی روشنی کی طرح ہے۔ جو افق میں ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن وہ روشنی افق سے نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا سورج کبھی تمہارے وجود کی رات پر روشن ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ روشنی تم سے رک جاتی ہے تو وہ تم کو تمہاری حدوں کی طرف لوٹا دیتی ہے۔ لہذا وہ نور جو تمہاری طرف پہنچتا ہے تمہارے وجود سے نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ تم پر وارد ہوتا ہے''۔

میں کہتا ہوں: ربوبیت کے اس نور کی مثال: جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیائے کرام کے قلوب میں روشن کیا ہے۔ اور اس کو بشریت کے ظہور کے ساتھ چھپا دیا ہے۔ سورج کی روشنی کی طرح ہے۔ جب وہ روشنی آفاق پر روشن ہوتی ہے اور آفاق: افق کی جمع ہے، اور زمین اور آسمان کی درمیانی فضا کو کہتے ہیں۔ تو وہ فضا سورج نکلنے سے پہلے تاریک (اندھیری) ہوتی ہے اس میں کچھ بھی روشنی نہیں ہوتی ہے۔ پھر جب سورج کی روشنی اس پر پہنچتی ہے تو وہ صاف و شفاف ہو کر روشنی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ لہذا فضا کی روشنی بذات خود نہیں ہے۔ بلکہ وہ سورج سے حاصل کی ہوئی ہے۔

اسی طرح ربوبیت کا نور ہے۔ جو بشریت کے باطن میں امانت رکھا گیا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی خصوصیت ظاہر کرنی چاہتا ہے۔ تو وہ نور اس کی بشریت کے ظاہر پر جلوہ گر کر دیتا ہے تو اس کی روحانیت اس کی بشریت پر غالب ہو جاتی ہے۔ پھر بشریت کا کچھ نشان باقی نہیں رہتا ہے۔ اور بشریت سراپا نور ہو جاتی ہے۔ لہذا البشریت کا نور بشریت میں سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ ربوبیت کے سورج سے اس پر وارد ہوا ہے۔

پس کبھی اللہ تعالیٰ کے اوصاف، وجود اور قدم اور بقا، اور تمام اوصاف سلبیہ، اور وجودیہ اور معنویہ کے سورج، تمہارے ظلمانی کثیف وجود کی رات پر روشن ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے قدیم ازلی اوصاف کے ظاہر ہونے کے ساتھ، تمہارے حادث عدمی اوصاف ختم ہو جاتے ہیں۔ لہذا وصال ثابت ہو جاتا ہے۔ اور جدائی ختم ہو جاتی ہے۔ اور کبھی وہ اس کو روک دیتا ہے۔ اور اس کو تم سے غائب کر دیتا ہے اور اس کو تمہارے باطن کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ لہذا تم اپنی عبودیت کے شہود کی طرف لوٹ جاتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے حدود کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اور وارد الٰہی کی شان یہی ہے کہ جب وہ انسان پر آتا ہے تو وہ اس کو اس کے نفس سے غائب کر دیتا ہے۔ اور اس کو اس کے ظاہر سے جدا کر دیتا ہے۔ لہذا وہ صرف اپنے رب تعالیٰ کے اوصاف کو دیکھتا ہے۔ اور اپنے نفس کے وجود کا بالکل انکار کر دیتا ہے۔ پھر جب وارد ٹھہر جاتا ہے تو وہ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس کے شہود کی طرف لوٹتا ہے۔ اور یہ نور اس کے باطن کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہذا اس کا باطن ہمیشہ کے لئے نورانی ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ظاہر پر کبھی یہ نور غالب ہوتا ہے اور کبھی اس پر ظلمت یعنی

محبوبیت غالب ہوتی ہے۔

لہذا وارد کا نور انسان کی بشریت کی حیثیت سے اس کی ذات سے نہیں ہے بلکہ وہ اس کی روحانیت کی حیثیت سے اس پر وارد ہوتا ہے۔ جیسا کہ افق کی روشنی افق کی ذات سے نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کے اوپر دن کا سورج طلوع ہونے سے وہ اس پر وارد ہوتی ہے۔

اور یہاں ایک دوسری مثال بھی ہے: اور وہ لوہا اور کوئلہ کی مثال ہے: جب تم ان کو آگ میں ڈالتے ہو اور پھونکتے ہو۔ تو وہ دونوں آگ کی طرح سرخ ہو کر آگ کی جنس بن جاتے ہیں۔ اور آگ سب لوہے اور کوئلے پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ ان میں اور آگ میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا ہے۔ پھر جب وہ دونوں ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ تو لوہا لوہا زرد ہو جاتا ہے اور کوئلہ کوئلہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب بشریت پر روحانیت ہو جاتی ہے تو بشریت سراپا روحانی حقیقی ہو جاتی ہے۔ لہذا وہ صرف حقیقتوں ہی کو دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔ اور تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس نور کے وارد ہونے کے اعتبار سے آدمیوں کی تین قسمیں ہیں:

ایک قسم: وہ لوگ ہیں جن کے نور کی حد ان کا باطن ہے۔ لہذا اس نور کی کوئی شعاع ان کے ظاہر تک نہیں پہنچتی ہے۔ اور وہ عوام ہیں۔

دوسری قسم: وہ لوگ ہیں جن کا نور ان کے ظاہر اور باطن پر غالب ہو گیا ہے اور وہ لوگ مجذوبین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھینچ لئے گئے ہیں۔

تیسری قسم: وہ لوگ ہیں جن کا باطن نور سے معمور ہے۔ اور اس کی شعاع ان کے ظاہر پر جلوہ گر ہے۔ لہذا ان کے ظاہر پر ہمیشہ نور چھایا رہتا ہے۔ اور وہ لوگ جذب کے بعد سالکین ہیں۔ جو معرفت میں مضبوطی سے قائم ہو چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر مصنف نے خصوصیت تک پہنچنے والا طریقہ بیان فرمایا۔

دَلَّ بِوُجُوْدِ اٰثَارِهٖ عَلٰى وُجُوْدِ اَسْمَائِهٖ ، وَبِوُجُوْدِ اَسْمَائِهٖ عَلٰى ثُبُوْتِ اَوْصَافِهٖ ، وَبِوُجُوْدِ اَوْصَافِهٖ عَلٰى وُجُوْدِ ذَاتِهٖ ، اِذْ مُحَالٌ اَنْ يَّقُوْمَ الْوَصْفُ بِنَفْسِهٖ ۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے وجود کے ذریعے اپنے اسماء حسنیٰ کے وجود کی طرف اور اپنے

اسماء حسنیٰ کے وجود کے ذریعے اپنے اوصاف عالی کے وجود کی طرف ، اور اپنے اوصاف عالی کے وجود کے ذریعے اپنی ذات اقدس کے وجود کی طرف رہنمائی کی۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ وصف بذات خود قائم ہو۔

میں کہتا ہوں: ترقی کا طریقہ یہی ہے۔ کہ مخلوق کا وجود، قادر اور مرید (ارادہ کرنے والا) اور علیم اور حق کے وجود پر دلیل ہے۔ مثلاً قادر، اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے ساتھ قدرت اس طرح قائم ہے کہ وہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ وصف بذات خود قائم ہو۔ وصف کے ساتھ اس کے موصوف کا ہونا لازمی ہے۔

اسی مقام پر اہل ظاہر، اہل باطن سے جدا ہو گئے ہیں۔

اہل ظاہر نے مخلوق کے وجود سے اسماء وصفات کا وجود ثابت کیا۔ اور ان کو ذات اقدس کے شہود تک پہنچنے کی قدرت نہیں حاصل ہوئی۔ کیونکہ ان کو ظاہر نے باطن کے شہود سے ، اور وہم نے علم کے ثابت ہونے سے ، اور حکمت کے شہود نے قدرت کے شہود سے مغلوب اور عاجز کر دیا۔

اور اہل باطن نے۔ چونکہ انہوں نے اپنے قلوب کو اغیار سے خالی کر لیا۔ اور اپنے قلوب کو اللہ واحد قہار کے ہاتھ فروخت کر کے اس کے سپرد کر دیا۔ اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصیرت کی آنکھ کھول دی۔ اور ان کو اپنے پوشیدہ راز سے آگاہ فرمایا۔ لہذا انہوں نے وجود کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو منفرد کر دیا۔ (یعنی انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کا تنہا وجود تسلیم کیا) اور ان کی بصیرت سے ہر موجود کا دیکھنا زائل ہو گیا۔ اس لئے کہ صفت کا اپنے موصوف سے جدا ہونا، یا بذات خود قائم ہونا محال ہے۔

لہذا صفات کے وجود سے ذات کا وجود لازم ہو گیا ہے۔ اور یہی اس خصوصیت کا راز ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیائے کرام کو مخصوص فرمایا۔ اور اس میں ان کے ساتھ ان کے سوا دوسروں کو شریک نہیں کیا۔

پھر مصنف نے اہل جذب اور اہل سلوک ، اور اہل نزول اور اہل عروج ، (یعنی مجذوب اور سالک) کی کیفیت بیان فرمائی:۔

فَاَهْلُ الْجَذْبِ يُكْشَفُ لَهُمْ عَنْ كَمَالِ ذَاتِهٖ ، ثُمَّ يَرُدُّهُمْ اِلٰى شُهُوْدِ صِفَاتِهٖ ، ثُمَّ

يَرُدُّهُمْ إِلَى التَّعَلُّقِ بِأَسْمَائِهِ، ثُمَّ يَرُدُّهُمْ إِلَى شُهُوْدِ آثَارِهِ، وَالسَّالِكُوْنَ عَلَى عَكْسِ هٰذَا، فَنِهَايَةُ السَّالِكِيْنَ بِدَايَةُ الْمَجْذُوْبِيْنَ، لٰكِنْ لَا بِمَعْنًى وَاحِدٍ، فَرُبَّمَا الْتَقَيَا فِي الطَّرِيْقِ، هٰذَا فِي تَرَقِّيْهِ وَهٰذَا فِيْ تَدَلِّيْهِ۔

''مجذوبین کے سامنے اللہ تعالیٰ اپنی ذات اقدس کا کمال ظاہر کرتا ہے۔ پھر ان کو اپنی صفات کے شہود کی طرف لوٹاتا ہے۔ پھر ان کو اپنے اسماء حسنیٰ کے ساتھ تعلق کی طرف لوٹاتا ہے۔ پھر ان کو اپنے آثار یعنی مخلوقات کے شہود کی طرف لوٹاتا ہے۔ اور سالکین کا حال اس کے برعکس ہے۔ وہ آثار کے شہود سے ترقی کر کے یکے بعد دیگرے ذات اقدس کے کمال کے شہود تک پہنچتے ہیں۔ لہذا سالکین کی انتہاء مجذوبین کی ابتداء ہے۔ لیکن ایک حقیقت میں نہیں ہوتے ہیں۔ اور اکثر اوقات دونوں راستے میں ایک مقام پر جمع ہوتے ہیں۔ سالکین اپنے عروج میں اور مجذوبین اپنے نزول میں''۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو خصوصیت کے راز کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اپنی سیر کی حالت کے اعتبار سے ان کی دو قسمیں ہیں:۔

ایک قسم:۔ وہ لوگ ہیں جن کی ابتداء جذب سے ہوتی ہے۔ پھر وہ سلوک کی طرف لوٹتے ہیں۔

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں۔ جو سلوک سے ابتدا کرتے ہیں اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں ترقی کرتے ہیں۔ پھر ان کے اوپر جذب طاری ہوتا ہے۔ پھر وہ ہوش میں آتے ہیں۔

لہذا مجذوبین کے سامنے ابتداء ہی میں بغیر کسی مجاہدے کے ذات اقدس کا شہود ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ ذات اقدس کے نور کے شہود کے نشے میں مست ہو جاتے ہیں۔ لہذا وہ واسطہ اور شرعی احکام کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ نور کے شہود میں مغلوب الحال ہو کر عقل و شعور سے خارج ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ذات اقدس کے شہود سے صفات عالی کے شہود کی طرف نزول کرتے ہیں۔ تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفات کو لطیف اور ظاہر حالت میں دیکھتے ہیں۔ اور آثار یعنی مخلوق کے دیکھنے سے وہ گم ہوتے ہیں۔ اور جب وہ صفات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو وہ ان اسماء سے متعلق ہو جاتے ہیں۔

جو صفات کے ساتھ لازم ہیں۔ پھر وہ اس کے آثار یعنی مخلوقات کی طرف نزول کرتے ہیں۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے احکام کے ساتھ قائم ہوتے ہیں (یعنی شریعت کے احکام کی پابندی کرتے ہیں)

اور سالکین اس کے برعکس ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے وجود سے اس کے اسمائے حسنیٰ کے وجود کی طرف، اور اس کے اسمائے حسنیٰ کے وجود سے اس کی صفات عالیہ کے وجود کی طرف، اور اس کی صفات کے وجود سے اس کی ذات اقدس کے وجود کی طرف رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

لہذا سالکین کی انتہا یعنی ذات اقدس کے نور کا شہود مجذوبین کی ابتداء ہے۔ اور مجذوبین کی انتہاء یعنی مخلوق کا شہود: سالکین کی ابتدا ہے۔ لیکن دونوں کی حقیقت ایک نہیں ہے۔ بلکہ ایک یعنی مجذوبین: نزول کی حالت میں اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اور دوسرا یعنی سالکین: عروج کی حالت میں اشیاء کو اپنے نفس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اکثر اوقات دونوں یعنی مجذوبین اور سالکین راستے میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً صفات کے شہود، اور اسماء حسنیٰ کے ساتھ تعلق کے مقام میں، سالکین اپنے عروج کی حالت میں، اور مجذوبین اپنے نزول کی حالت میں، جب دونوں ایک ساتھ پہنچتے ہیں۔ تو ایک مقام میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ عروج کرنے والے سالکین اسی اثر کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کی انتہا تک ذات کے شہود کے بعد مجذوبین پہنچتے ہیں۔ اور ان کا رجوع اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔

لہذا سالک اور مجذوب دونوں بقا کے مقام میں ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور مریدین کی تربیت کے معاملے میں اہل عروج سالکین، اہل نزول مجذوبین سے زیادہ کامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ راستے کی گھاٹیوں اور خطروں سے گزر کر بخوبی آگاہ اور مضبوط اور تجربہ کار ہو چکے ہیں۔ بخلاف مجذوبین کے، کہ وہ اچانک اٹھا لئے گئے ہیں۔ اور راستے کے نشیب و فراز سے آگاہ نہیں ہوتے ہیں۔ اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لئے کہ اکثر لوگ پہلے سلوک اختیار کرتے ہیں۔ پھر بعد میں ان پر جذب طاری ہوتا ہے۔ اور طریقہ شاذلیہ میں پہلے ہی قدم سے اکثر مریدین پر جذب اور سلوک ایک

ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ اور جذب کے معنی: مخلوق کے شہود سے خالق کے شہود کی طرف، روح کو اچانک کھینچ لینا ہے۔ اور تم یہ معلوم کرلو: اہل خصوصیت کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: صرف سالکین۔ دوسری قسم:۔ صرف مجذوبین۔ تیسری قسم: سالکین، مجذوبین۔ چوتھی قسم: مجذوبین سالکین۔

پہلی دونوں قسموں کے لوگ، یعنی صرف سالکین، اور صرف مجذوبین، مریدین کی تربیت اور ہدایت کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں۔

صرف سالکین:۔ اسلئے تربیت کے اہل نہیں ہیں کہ وہ صرف ظاہر والے ہیں ان کے باطن میں کوئی نور نہیں ہے۔ کہ وہ اس کے ذریعے دوسروں کو کھینچیں۔ اور صرف مجذوبین:۔ اس لئے اہل نہیں ہیں کہ ان کے پاس سلوک نہیں ہے۔ جس کے ذریعے وہ مریدین کو سیر کرائیں۔

اور آخری دونوں قسموں کے لوگ، یعنی سالکین مجذوبین، اور مجذوبین سالکین:۔ دوسروں کی تربیت اور ہدایت کے اہل ہیں۔ لیکن سالکین مجذوبین، مجذوبین سالکین سے افضل ہوتے ہیں۔

اور تم یہ جان لو:۔ پہلے سلوک کی حقیقت:۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر مخلوق کا شہود ہے۔ اور پہلے جذب کی حقیقت:۔ یہ ہے کہ مخلوق کے بغیر اللہ تعالیٰ کا شہود ہو۔ اور دوسرے سلوک کی حقیقت:۔ یہ ہے کہ مخلوق کا شہود اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور دراصل، شہود وعیاں کے جن انوار کو پاتا ہے، وہ محسوس ظاہر نہیں ہے کہ ہر انسان ان کو پا جائے۔ بلکہ وہ درحقیقت قلبی حقیقتیں، اور باطنی ملکوتی اسرار ہیں۔

جیسا کہ مصنف نے اس حقیقت کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

لَا یُعْلَمُ قَدْرُ اَنْوَارِ الْقُلُوْبِ وَالْاَسْرَارِ اِلَّا فِی غَیْبِ الْمَلَكُوْتِ، كَمَا لَا تَظْهَرُ اَنْوَارُ السَّمَاءِ اِلَّا فِی شَهَادَةِ الْمُلْكِ۔

"قلوب کے انوار اور اسرار کی قدر و منزلت ملکوت کے غیب ہی میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ آسمان کے انوار ملک کی شہادت ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

میں کہتا ہوں: تم یہ جان لو کہ سب آدمیوں کے قلوب میں نور موجود ہے اس کی دلیل حضرت

رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث شریف ہے۔

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ "ہر لڑکا فطرت پر پیدا ہوتا ہے"۔

یعنی ہر لڑکا ابتدائی پیدائش پر ہوتا ہے۔ اور ابتدائی پیدائش قبضہ نورانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ (اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) "اللہ تعالیٰ تو ساتوں اور زمین کا نور ہے"۔

اہل ظاہر مفسرین نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں رہنے والوں کا نور ہے۔ اور وہ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر ہستی کے لئے عام ہے۔

لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ یہ نور سب کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے۔ تو آدمیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں، جو اس نور سے محجوب اور اندھے ہو گئے ہیں۔ اور وہ وہی لوگ ہیں جو ملک کے ظاہر میں مشغول ہو کر ٹھہر گئے ہیں۔ اور ملک کا ظاہر اس کائنات کا چھلکا، اور اس کا محسوس ظاہر ہے۔ اور اس کا نام عالم اجسام ہے۔ اور وہ لوگ اس کے باطن تک نہیں پہنچے ہیں۔ اور اس کا باطن ملکوت ہے اور اس کا نام عالم ارواح ہے۔ لہذا وہ لوگ اس کے باطنی نور سے محجوب ہیں۔ اور صرف محسوس ظاہری نور کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ مخلوقات کے جیل خانے میں بند ہیں۔ حس اور وہم کی ظلمت میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور آدمیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی بصیرت ملک کے باطنی نور کے شہود تک پہنچی۔ اور وہ لوگ چھلکے کے ساتھ نہیں ٹھہرے۔ بلکہ مغز کے شہود تک پہنچ گئے۔ اور وہ مغز: ملکوت کے انوار اور جبروت کے اسرار ہیں:۔

اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف مباحث میں اشارہ فرمایا ہے:۔

مَهْمَا تَعَدَّيْتَ عَنِ الْاَجْسَامِ تَبَصَّرَتْ نُوْرَ الْحَقِّ ذَا ابْتِسَامِ

"جب تم اجسام سے گزر کر آگے بڑھے تو تم نے اللہ تعالیٰ کے نور کو مسکراتے ہوئے دیکھا"

اور اس نور کو عارفین کے قلوب دیکھتے ہیں۔ نہ کہ غافلین کے قلوب۔

جیسا کہ حضرت منصور حلاج نے اپنے اس شعر میں فرمایا ہے:

قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ لَهَا عُيُوْنٌ تَرٰى مَا لَا يُرٰى لِلنَّاظِرِيْنَ

عارفین کے قلوب کے لئے ایسی آنکھیں ہیں۔ جو ان چیزوں کو دیکھتی ہیں جو دوسرے دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتی ہیں"۔

تو جب تم نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تو تم کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ "لا یعلم" مفعول یہ ہے فاعل کے لئے ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ قلوب کے غیبی انوار اور اس کی بزرگی، اور اسرار کے قدسی انوار اور ان کا کمال کی قدر ملکوت اور جبروت کے غیب ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔

لہذا قلوب کے انوار کی قدر و منزلت ملکوت کے غیب ہی میں معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ انوار جبروت کے سمندروں سے اٹھتے ہیں۔ لہذا جو شخص ملکوت کے شہود تک نہیں پہنچتا ہے۔ وہ ان کی قدر و منزلت نہیں جانتا ہے۔ بلکہ وہ اس سے پہچانتا ہی نہیں ہے۔ اور اسرار کے انوار کی قدر و منزلت جبروت کے غیب ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ اعلیٰ ازلی انوار ہیں۔ اور وہ علم مخلوق میں داخل نہیں ہیں۔ لہذا جو شخص عالم ملک میں رکا ہوا ہے۔ وہ ملکوت کے انوار کی قدر و منزلت نہ محسوس کرتا ہے۔ بلکہ وہ ان کا انکار کرتا ہے۔

ہم نے بہت سے خصوصیت کے دعوے کرنے والوں کو ان انوار کا انکار کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ خصوصیت سے بہت دور ہیں۔ اور جو شخص ملکوت کے انوار کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ جبروت کے انوار کی قدر و منزلت نہیں جانتا ہے۔ اور جو شخص ان دونوں سے گزر کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ سب کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اور جس طرح غیبی انوار عالم ملکوت یا جبروت کے غیب ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ملک کے حسی انوار، عالم شہادت یعنی محسوس عالم ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کا نام ملک ہے۔

حاصل یہ ہے: قلوب کے انوار ہی ملکوت کے انوار ہیں۔ اور اسرار کے انوار ہی جبروت کے انوار ہیں۔ اور وہ غیبی انوار ہیں۔ ان کی قدر و منزلت وہی شخص جانتا ہے جو عالم ملکوت یا جبروت تک پہنچتا ہے۔ لہذا جب وہ اس مقام میں پہنچتا ہے اسی وقت وہ ان کو پاتا ہے۔ اور علم اور حال کے اعتبار سے ان کی قدر اس کو معلوم ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: میں نے اس کتاب کی شرح لکھنے والوں میں سے بعض حضرات کو دیکھا ہے کہ

انہوں نے ملک اور ملکوت اور جبروت کی تعبیر بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے گمان کیا ہے۔ کہ ملک یہ عالم دنیا ہے۔ اور ملکوت وہ عالم آخرت ہے۔ اور جبروت وہ عالم ہے جس کو کوئی نہیں جانتا ہے۔ حالانکہ یہ تشریح غلط ہے۔ اس لئے کہ اگر درحقیقت ویسا ہی ہوتا جیسا کہ انہوں نے بیان کیا ہے۔ تو ملک سے ملکوت کی طرف، اور ملکوت سے جبروت کی طرف ترقی صحیح نہ ہوتی۔ اس لئے کہ ان کی تشریح کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ عالم ملک، عالم ملکوت نہیں ہوتا ہے۔ اور عالم ملکوت، عالم جبروت نہیں ہوتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے محققین نے اس حقیقت کو قطعی قرار دیا ہے۔ کہ اہل ملکوت، عالم ملک کو بالکل نہیں دیکھتے ہیں۔ اور اہل جبروت۔ عالم ملکوت سے محجوب ہوتے ہیں۔ حضرت نقشبندی رضی اللہ عنہ نے شرح بائیہ میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

اور صحیح یہ ہے: مقام ایک ہے۔ اور وہ اصلی اور فرعی وجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جو عظمت عالم خلق میں داخل نہیں ہوئی ہے وہ عالم جبروت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جو عظمت عالم خلق میں داخل ہوئی۔ تو جس شخص نے اس عظمت کو اس کی اصل عالم جبروت سے ہی ہوئی مشاہدہ کیا۔ اور اس میں جمع کر دیا۔ وہ اس کے لئے عالم ملکوت ہے اور جس شخص نے اس کو فرق کر دیا۔ اور اس کے ساتھ محجوب ہو گیا۔ وہ اس کے حق میں ملک ہے۔

تو حاصل یہ ہوا مقام ایک ہے اور کل معاملہ صرف اعتباری ہے۔ نظر اور فکر کی تبدیلی کے ساتھ نام بدلتا رہتا ہے۔ اور معرفت میں ترقی کے اختلاف کے ساتھ ساتھ نظر اور فکر میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا جو شخص مخلوق کے ساتھ محجوب ہو گیا، وہ اس کے حق میں ملک ہو گیا۔ اور جو شخص ترقی کر کے اس نور تک پہنچا جو عالم جبروت سے جاری ہوتا ہے مگر یہ کہ اس نے اس نور کو کثیف نورانی دیکھا۔ اور عالم جبروت کے نور کی طرح اس کو لطیف نہیں دیکھا۔ اس کے حق میں اس کا نام ملکوت رکھا گیا۔

اور جس شخص نے اس نور کو اس کی اصل کے ساتھ شامل دیکھا۔ اور لطیف اور کثیف نور کے درمیان امتیاز نہیں کیا۔ اس کا نام اس کے حق میں جبروت رکھا گیا۔ میں نے اپنے قصیدہ تائیہ میں ملک اور ملکوت اور جبروت کی حقیقت بیان کی ہے۔ اس قصیدہ کا کچھ حصہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح شرح تصلیہ مشیشیہ میں بھی ان کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے اوپر انوار ظاہر ہوں اور وہ ان مقامات پر پہنچے۔ اس کے لئے اعمال کی پابندی اور احوال کی تحقیق کا قاعدہ جاننا لازمی ہے۔ لہٰذا جب وہ کوئی عمل کرے۔ اور وہ اس عمل کی شیرینی چکھے، تو اس کو اپنے لئے معرفت کا دروازہ کھلنے کی خوشخبری سمجھنی چاہیے کیونکہ یہ کسی سابق نیکی کا نتیجہ ہے۔"

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

وِجْدَانُ ثَمَرَاتِ الطَّاعَةِ عَاجِلًا، بَشَائِرُ الْعَامِلِينَ بِوُجُودِ الْجَزَاءِ عَلَيْهَا آجِلًا۔

"عبادت کا نتیجہ فوراً یعنی اسی دنیا میں پانا، اس عمل کا بدلہ مقررہ وقت پر پانے کی خوشخبری ہے۔"

میں کہتا ہوں: جو شخص اپنی ابتدا میں اپنے مجاہدہ کی شیرینی پا جائے اس کو انتہا مشاہدہ پانے کی خوشخبری سمجھنی چاہیے۔ اور جو شخص اپنے مجاہدہ کی شیرینی نہ پائے، اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واردات قلوب پر آتے ہیں، تو وہ علام الغیوب اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ یا تم اس طرح کہو: جو شخص اپنے عمل کا پھل فوراً اس دنیا میں پا جائے تو اس کو اس مقررہ وقت پر آخرت میں بدلہ پانے کی خوشخبری سمجھنی چاہیے۔ اور اس موضوع کے بارے میں مصنف کا قول کئی مرتبہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور عامل جس بدلے کی خوشخبری حاصل کرتا ہے اس کو اس کا ارادہ اور اس کی طلب ترک کرنی چاہیے تاکہ اس کے اخلاص میں عیب نہ ثابت ہو۔ جیسا کہ اس کو مصنف نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:

كَيْفَ تَطْلُبُ الْعِوَضَ عَلَى عَمَلٍ هُوَ مُتَصَدِّقٌ بِهِ عَلَيْكَ؟ أَمْ كَيْفَ تَطْلُبُ الْجَزَاءَ عَلَى صِدْقٍ هُوَ مُهْدِيهِ إِلَيْكَ؟

"تم اللہ تعالیٰ سے اس عمل پر بدلہ کس طرح چاہتے ہو، اس نے تم کو صدقہ عطا فرمایا ہے۔ یا تم اس صدق پر اللہ تعالیٰ سے بدلہ کس طرح چاہتے ہو جو اس نے تمہاری طرف ہدیہ ارسال فرمایا ہے۔"

میں کہتا ہوں: بندہ صرف ایک تابع فرمان آلہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو فرمانبردار کرتا ہے تو وہ عمل کرتا ہے۔ ورنہ نہیں کرتا ہے۔ تو جب حالت ایسی ہے، تو عمل کی کوئی نسبت تمہاری

طرف نہیں ہے۔ بلکہ تم سے اس کا ظاہر ہونا ایک عنایت ہے۔ تو تم اس عمل پر بدلہ کیسے چاہتے ہو، جو اس نے تمہارے اوپر صدقہ کیا ہے؟

اور جب اللہ تعالیٰ نے بندگی کی سچائی کے ساتھ تمہارے اوپر احسان فرمایا ہے۔ اور بندگی کی سچائی: اخلاص کا راز ہے۔ تو تم اس صدق و اخلاص پر بدلہ کیسے چاہتے ہو، جو اس نے تمہاری طرف ہدیہ بھیجا ہے؟

اور مصنف نے عمل کے لئے صدقہ کا لفظ استعمال کیا۔ جو محتاجوں کے لئے ہوتا ہے۔ اور صدق کے لئے ہدیہ کا لفظ استعمال کیا۔ جو محبوبین کے لئے ہوتا ہے کیونکہ عمل میں بہت سے لوگ مشترک ہیں۔ اس لئے کہ عمل اکثر لوگ کرتے ہیں لیکن ان میں اخلاص کم ہوتا ہے۔ اور اہل اخلاص کم سے بھی بہت کم ہیں۔ اور وہ خواص یا خواص الخواص ہیں۔ حضرت شیخ ابوالعباس نے حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول کے بارے میں "انما انا رحمۃ مھداۃ" "میں درحقیقت بطور ہدیہ کے بھیجا ہوا رحمت ہوں"۔ فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے لئے عطیہ ہیں۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ہدیہ ہیں۔ اور عطیہ محتاجوں کے لئے ہوتا ہے اور ہدیہ دوستوں کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت واسطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ عبادت پر اجر و ثواب چاہنا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو فراموش کر دینا ہے۔ حضرت ابوالعباس بن عطا رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے سب اشیاء سے زیادہ قریب نفس اور اس کے افعال کو دیکھنا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ سخت اس کے افعال پر بدلہ چاہنا ہے۔ اور سب اعمال سے زیادہ جس عمل کا اجر و ثمرہ زیادہ آخرت میں ملتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور اس کا ثمرہ وہ نور ہے جو قلب میں روشن ہوتا ہے اور اس سے تمام باطل نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اور اس نور کے اعتبار سے آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم:۔ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں نور کا فیضان ہوا ہے۔ اس وجہ سے وہ لوگ ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

دوسری قسم:۔ وہ لوگ ہیں جو اپنے اذکار کے ذریعے نور کا فیضان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

مصنف نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

قَوْمٌ تَسْبِقُ أَنْوَارُهُمْ أَذْكَارَهُمْ ، وَقَوْمٌ تَسْبِقُ أَذْكَارُهُمْ أَنْوَارَهُمْ

"کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے انوار ان کے اذکار سے پہلے ہوتے ہیں (یعنی اذکار سے پہلے ان کے قلب میں انوار کا فیضان ہوتا ہے) اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے اذکار ان کے انوار سے پہلے ہوتے ہیں"۔

میں کہتا ہوں۔ وہ لوگ جن کے اندر اذکار و مجاہدوں سے پہلے انوار کا فیضان ہوتا ہے، وہ واصلین ہیں۔ اور وہ لوگ، جن کو انوار حاصل کرنے کے لئے اذکار اور مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سائرین ہیں۔ واصلین کے لئے انوار مواجہت ہیں جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتے ہیں اس لئے وہ ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ لہذا جب وہ زبان سے ذکر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کے قلوب کی طرف انوار بڑھ جاتے ہیں۔ اور وہ ان کو اذکار کے لئے ابھارتے ہیں۔ اور سائرین کے لئے انوار توجہ ہیں۔ وہ انوار کے محتاج ہوتے، اور ان کو طلب کرتے ہیں۔ لہذا وہ ان انوار کی طلب میں اپنے نفوس سے مجاہدہ کرتے ہیں۔

پھر مصنف نے دونوں فریق کا حال بیان فرمایا:

ذَاكِرٌ ذَكَرَ لِيَسْتَنِيرَ قَلْبُهُ ، وَذَاكِرٌ اسْتَنَارَ قَلْبُهُ فَكَانَ ذَاكِرًا

"ایک ذاکر ایسا ہے جو اس لئے ذکر کرتا ہے کہ اس کا قلب نور حاصل کرے (روشن ہو) اور ایک ایسا ہے، کہ اس کا قلب (انوار الہی کے فیضان سے) منور ہو گیا ہے تو وہ ذاکر ہو جاتا ہے"۔

میں کہتا ہوں: جو شخص اس لئے ذکر کرتا ہے کہ اس کا قلب روشن ہو، وہ سالک ہے، جس کا ذکر اس کے قلب میں نور پیدا ہونے سے پہلے ہوتا ہے۔ لہذا وہ ان لوگوں میں سے ہے، جن کے اذکار ان کے قلب میں انوار پیدا ہونے سے پہلے ہوتے ہیں۔ اور جس شخص کا قلب پہلے نور سے روشن ہوتا ہے پھر وہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ وہ ہے جس کے قلب میں نور کا فیضان اس کے ذکر سے پہلے ہوتا ہے۔ لہذا وہ ان لوگوں میں سے ہے، جن کے قلب میں انوار کا فیضان ان کے اذکار سے پہلے ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ عارفین باللہ ہیں۔ تم ان کو دیکھو گے کہ وہ ہمیشہ بارگاہ الہی کی حضوری میں ہیں۔ اور ذکر یہ

فکر یا نظر میں مشغول ہیں۔ یا بارگاہ الٰہی کی حضوری کے لئے مریدین کی ہدایت اور تربیت میں مصروف ہیں۔ ان کے قلوب انوار الٰہی سے معمور ہیں۔ اور ان کی ارواح ہمیشہ اسرار الٰہی کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔

اور ہم نے جو یہ کہا ہے۔ ظاہری ذکر، باطنی شہود کا دیا چہ ہے اس لئے کہ اگر وارد نہ ہوتا تو ورد بھی نہ ہوتا۔ اسی حقیقت کو مصنف نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:

مَا كَانَ ظَاهِرُ ذِكْرٍ إِلَّا عَنْ بَاطِنِ شُهُوْدٍ أَوْ فِكْرٍ

''ذکر کا ظاہر، شہود یا فکر کے باطن ہی سے پیدا ہوتا ہے''۔

میں کہتا ہوں۔ جب ظاہر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے، تو یہ باطن میں اللہ تعالیٰ کی محبت موجود ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی شخص سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کا ذکر اکثر کرتا ہے۔ اور محبت، ذوق و شوق اور معرفت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا ذکر کا ظاہر شہود کے باطن ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کو اپنے شہود کی خبر نہ ہو۔

لہٰذا روح جب تک فنا نہیں ہوتی ہے وہ ذکر نہیں کرتی ہے۔ اور وہ جب تک مشاہدہ نہیں کرتی ہے فنا نہیں ہوتی ہے۔ تو ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں فنا ہو جاتا ہے۔ بے شک اس کی روح بارگاہ الٰہی کے جمال کا مشاہدہ کرتی ہے۔ یا بارگاہ کے جمال اور اس کی رونق کے غور و فکر میں مستغرق رہتی ہے۔ یا اس کے بہترین ثواب اور جزا کی فکر میں کھوئی ہوتی ہے۔

لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ ظاہری ذکر یا تو باطنی شہود سے پیدا ہوتا ہے اور وہ مریدین یا عارفین کا حال ہے۔ یا فکر سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ثواب یعنی بدلہ چاہنے والوں کا حال ہے۔ اور ذکر کے اعتبار سے آدمیوں کی تین قسمیں ہیں:۔

ایک قسم: وہ لوگ ہیں جو بدلہ چاہتے ہیں۔ دوسری قسم: وہ لوگ ہیں جو حضور چاہتے ہیں۔ تیسری قسم: وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچ گئے اور حجاب کو دور کر چکے ہیں۔ پھر مصنف نے ظاہری ذکر کے باطنی شہود سے پیدا ہونے کی وجہ بیان فرمائی:۔

أَشْهَدَكَ مِنْ قَبْلِ أَنِ اسْتَشْهَدَكَ فَنَطَقَتْ بِالْوَهِيَّتِهِ الظَّوَاهِرُ، وَتَحَقَّقَتْ بِأَحَدِيَّتِهِ

بالقلوب والسرائر

"اللہ تعالیٰ نے تم سے شہادت طلب کرنے سے پہلے ہی تم کو مشاہدہ کرایا۔ تو ظاہر نے اس کے معبود ہونے کا اقرار کیا۔ اور قلوب اور سرائر (اسرار) نے اس کے ایک ہونے کا یقین کیا۔"

میں کہتا ہوں: روحیں اپنے پیدا ہونے کی ابتدا میں نہایت ہی پاکیزہ اور صاف تھیں۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم ارواح میں ظاہر کیا۔ تو وہ نورانی عالم اور پاک تھیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور جلال اور جمال اور اپنی وحدانیت کے کمال کا مشاہدہ کرایا۔ پھر ان سے فرمایا

(أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى) "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: ہاں، تو ہمارا رب ہے۔"

تو سب روحوں نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے روح کو اس خاکی جسم میں مرکب کیا۔ اس وقت ان روحوں میں سے کچھ نے اس ازلی عہد کا اقرار کیا۔ اور ان میں سے کچھ نے اس کو بھلا دیا اور انکار کیا۔

پس جب تم عالم ارواح میں تھے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا مشاہدہ کرایا۔ لہذا تم نے اس کی ربوبیت اور وحدانیت کو اس سے پہلے جان لیا، اور یقین کر لیا، کہ وہ تم سے شہادت طلب کرے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے ازل میں تم سے شہادت طلب کی، تو اس وقت اس نے تمہاری روح کو اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا عالم پایا۔ لہذا تم نے اپنی ظاہری زبانوں سے اس کی اس ربوبیت کا اقرار کیا، جس کو تم نے ازل میں جان لیا تھا۔ اور تم نے اس کی اس وحدانیت کا یقین کیا، جس کا مشاہدہ تم نے قلوب اور اسرار کے مرکب ہونے سے پہلے کیا تھا۔ لہذا ربوبیت کا جو اقرار عالم شہادت میں ظاہر ہوا، وہ اس شہادت کی شاخ ہے، جو عالم غیب میں پہلے ہو چکی ہے۔ اور وحدانیت پر قلوب کا جو یقین ظاہر ہوا، وہ اس معرفت کی شاخ ہے۔ جو عالم غیب میں پہلے حاصل ہوا۔

لہذا اس سے یہ واضح ہے، کہ دونوں ہی اقرار اور باطنی توحید کے درمیان جامع ہو۔ یعنی اپنے ظاہری شہادت فرق ہے۔ اور اسرار باطنی قلب کا یقین جمع ہے۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے

اسی حقیقت کی طرف اپنے اس کلام میں اشارہ فرمایا ہے:۔

فَقَدْ تَحَقَّقْتَ بِسِرِّیْ حِیْنَ نَاجَاکَ لِسَانِیْ

فَاجْتَمَعْنَا لِمَعَانٍ وَافْتَرَقْنَا لِمَعَانِیْ

''تم نے میرے راز کو یقین کیا جس وقت میری زبان نے تم سے سرگوشی کی۔ لہذا ہم حقیقت کے سبب جمع ہوئے اور حقیقت کے لئے متفرق ہوئے۔

اِنْ یَکُنْ غَیَّبَکَ التَّعْظِیْمُ عَنْ لَحْظِ عِیَانِیْ

فَقَدْ صَیَّرَکَ الْوَجْدُ مِنَ الْاَحْشَاءِ دَانِیْ

''اگر تعظیم تم کو میری آنکھوں کے دیکھنے سے غائب کر دیتی ہے تو وجد تم کو میرے قلب وجگر سے قریب کر دیتی ہے۔''

پھر مصنف نے ذکر کی فضیلتیں بیان فرمائیں۔

اَکْرَمَکَ کَرَامَاتٍ ثَلَاثٍ: جَعَلَکَ ذَاکِرًا لَّہٗ وَلَوْ لَا فَضْلُہٗ لَمْ تَکُنْ اَھْلًا لِجَرَیَانِ ذِکْرِہٖ عَلَیْکَ، وَجَعَلَکَ مَذْکُوْرًا بِہٖ اِذْ حَقَّقَ نِسْبَتَہٗ لَدَیْکَ، وَجَعَلَکَ مَذْکُوْرًا عِنْدَہٗ فَتَمَّمَ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ

''اللہ تعالیٰ نے تم کو تین فضیلتیں عطا فرمائیں۔

پہلی فضیلت: یہ ہے کہ اس نے تم کو اپنا ذکر کرنے والا بنایا۔ اور اگر اس کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم اپنے اوپر اس کا ذکر جاری کرنے کے اہل نہ ہوتے۔

دوسری فضیلت: یہ ہے کہ اس نے تم کو اپنے ساتھ مذکور بنایا۔ اس لئے کہ اس نے اپنی نسبت تمہارے ساتھ ثابت کی۔

تیسری فضیلت: یہ ہے کہ اس نے تم کو اپنے نزدیک مذکور بنایا لہذا اس نے اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی۔

میں کہتا ہوں: اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت سی فضیلتیں عطا فرمائیں، اور بے شمار نعمتیں تم کو بخشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْ نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

''اور اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم نہیں شمار کر سکتے ہو''۔

اور سب فضیلتوں سے بڑی فضیلت ذکر کی فضیلتیں ہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔

مَا مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَلِلّٰهِ فِيْهِ نِعَمٌ يُنْعِمُ اللّٰهُ بِهَا عَلٰى عِبَادِهٖ وَمَا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ اَفْضَلَ مِنْ اَنْ يُّلْهِمَهٗ ذِكْرَهٗ۔

''ہر دن میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ہیں جو وہ اپنے بندوں پر انعام کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کو اپنے ذکر سے افضل کوئی نعمت نہیں عطا کی''۔

یا حضرت رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے جس طرح فرمایا ہو۔ اس حدیث شریف کو حضرت منذری نے بیان فرمایا ہے۔

اور ذکر کے یہ فضائل تین ہیں۔

پہلی فضیلت:۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا ذاکر بنایا۔ ورنہ ایک ذلیل بندے کی کیا حیثیت ہے کہ ایک جلیل القدر آقا کا ذکر کرے۔ لہذا اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا۔ تو تم اپنی زبان پر اس کا ذکر جاری کرنے کے اہل نہ ہوتے۔

دوسری فضیلت: یہ ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اس حیثیت سے مذکور بنایا۔ کہ جب تم اس کا ذکر کرتے ہو، تو وہ بھی تمہارا ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (فاذکرونی اذکرکم) ''تم لوگ مجھے یاد کرو۔ تو میں تم لوگوں کو یاد کروں گا''۔

اور تمہارے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے سبب، جب اللہ تعالیٰ نے تمہارا ذکر کیا۔ تو تمہاری خصوصیت اس کے پاس ثابت ہوگئی۔ لہذا اس سے بڑی فضیلت کیا ہے؟ کہ اس نے تمہارے لئے خصوصیت ثابت کر کے اپنی نسبت تمہارے ساتھ ثابت کر دی اور تم سے فرمایا: اے میرے ولی اور اے میرے متقی! (مقبول اور مخلص)

لہذا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنا فضل و کرم نہ فرماتا۔ تو کہاں تم، اور کہاں یہ نسبت۔ (یہ

نسبت خاک را با عالم پاک)

بعض مفسرین نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ "اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کا ذکر کرنا بندے کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے بہت بڑا ہے۔

تیسری فضیلت۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نزدیک مقربین فرشتوں میں تم کو مذکور بنایا۔

یعنی تمہارا ذکر کیا۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف میں ہے۔ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ حِينَ يَذْكُرُنِي ، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي ، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْ مَلَائِهِ ، وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا ، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً .

"میں اپنے بندے کے اس گمان کے ساتھ ہوں، جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔ اور جس وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اس وقت میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پھر اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اپنے دل میں کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میرا ذکر کسی جماعت میں کرتا ہے۔ تو میں اس کا ذکر اس کی جماعت سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں کی جماعت) میں کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے ایک بالشت کے برابر قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ کے برابر قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ کے برابر قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دونوں ہاتھ پھیلانے کے برابر قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں"۔

اور دوسری حدیث شریف میں ہے۔

مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ فِيهِ إِلَّا غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِي مَنْ عِنْدَهُ

"جب کوئی جماعت کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اس جماعت میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہے یعنی فرشتوں کی جماعت میں۔"

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:۔ اے غافل! اے جاہل! اگر تم قلم چلنے کی آواز اس وقت سنتے، جب وہ تمہارا ذکر لوح محفوظ میں لکھتا ہے۔ تو تم خوشی کی زیادتی سے مر جاتے۔

لہذا اگر تمہارے اوقات اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گذریں۔ تو تمہاری عمر دراز ہے۔ اگرچہ اس کی مدت کم ہو۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

رُبَّ عُمُرٍ اِتَّسَعَتْ اٰمَادُهٗ وَ قَلَّتْ اِمْدَادُهٗ ، وَ رُبَّ عُمُرٍ قَلِيْلَةٌ اٰمَادُهٗ كَثِيْرَةٌ اِمْدَادُهٗ

"بہت سے عمریں ہیں، جن کی مدتیں دراز ہوتی ہیں، لیکن ان کے فوائد کم ہوتے ہیں۔ اور بہت سی عمریں ہیں، جن کی مدتیں کم ہوتی ہیں، لیکن ان کے فوائد زیادہ ہوتے ہیں"۔

میں کہتا ہوں:۔ بہت سی عمریں جن کی مدتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ یعنی بہت سے لوگ ہیں جن کی عمریں لمبی اور ان کی مدتیں دراز ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے فوائد کم ہوتے ہیں۔ لہذا ان کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بیہودہ کاموں اور کوتاہیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے عمر کی پیچھی مدتیں نیند کے خیالات اور پریشان خوابوں کی طرح گزر جاتی ہیں۔

اور بہت عمریں ایسی ہیں۔ جن کی مدتیں کوتاہ ہوتی ہیں۔ اور ان کے فوائد زیادہ ہوتے ہیں۔ لہذا وہ تھوڑی سی مدت میں علم اور اعمال اور معارف و اسرار کے وہ فوائد حاصل کر لیتے ہیں، جو دوسرے لوگ مدت دراز میں حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔

اور اس کی مثال:۔ سلوک کے ساتھ اہل جذب اور صرف اہل سلوک ہیں۔ کیونکہ اہل جذب جو سالکین کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہ ایک گھڑی میں قرب کا وہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں، جو اہل سلوک برسوں میں نہیں طے کر پاتے ہیں۔ اور یہ حضرات اہل خدمت سے بہتر اہل فکر ہیں۔

فِكْرَةُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ

''ایک گھڑی کی فکر ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔''

اسی کے بارے میں ایک شاعر نے فرمایا۔

كُلُّ وَقْتٍ مِّنْ حَبِيْبِيْ قَدْرُهُ كَأَلْفِ حَجَّةٍ

''میرے دوست کے ہر وقت کی مقدار ہزار سال کے برابر ہے۔''

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ ہمارے سب اوقات شب قدر ہیں۔ یعنی ہمارا ہر وقت دوسروں کے ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

حضرت قاضی ابوبکر بن عربی معافری۔ حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ کے شاگرد نے فرمایا ہے:۔ میں نے حضرت ابوحامد غزالی کو ان کی مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی اور ان کے اس علم ظاہر اور علم باطن کی فیض رسانی سے لوگوں کو محروم کر دینے پر، جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا، ملامت کی۔ تو حضرت غزالی نے مثال کے طور پر فرمایا:۔

قَدْ تَيَمَّمْتُ بِالصَّعِيْدِ زَمَانًا وَ أَنَا الْآنَ قَدْ ظَفِرْتُ بِالْمَاءِ

''میں ایک مدت تک مٹی سے تیمم کرتا رہا۔ اور اب میں پانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔''

(یعنی ایک مدت تک میں ظاہر پرستی کرتا رہا۔ اور اب میں نے حقیقت کو پالیا۔'')

مَنْ سَرَى مُطْبِقَ الْجُفُوْنِ وَأَضْحٰى فَاتِحًا لَا يَرُدُّهَا لِلْعَمَاءِ

''جو شخص آنکھیں بند ہونے کی حالت میں چلتا رہا تھا۔ اور اب اس کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ تو وہ پھر اپنی آنکھوں کو اندھی ہونا گوارا نہ کرے گا۔'' یعنی میں اندھا تھا اس لئے میری نظر صرف ظاہر اور مخلوق پر تھی۔ اور اب میں بینا ہو گیا ہوں۔ لہذا ظاہر اور مخلوق سے کنارہ کش ہو کر صرف خالق پر نظر رکھتا ہوں۔ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں:۔ میں نے کہا:۔ یا حضرت! علم کے ساتھ مشغول ہونے میں عام فائدہ ہے۔ اور وہ عبادتوں سے افضل ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ

بیان کیا جا چکا ہے۔ اور جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں فرمایا ہے:۔

مَنْ بُوْرِكَ لَهُ فِي عُمُرِهِ أَدْرَكَ فِي يَسِيرٍ مِنَ الزَّمَانِ مِنْ مِنَنِ اللهِ تَعَالٰى مَا لَا يَدْخُلُ تَحْتَ دَوَائِرِ الْعِبَارَةِ وَلَا تَلْحَقُهُ الْإِشَارَةُ

"جس شخص کو اس کی عمر میں برکت عطا کی جاتی ہے، وہ مختصر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات میں سے اس قدر حاصل کر لیتا ہے۔ جو تحریر کے دائروں سے باہر ہوتا ہے اور اشارہ بھی اس کے پاس تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔"

میں کہتا ہوں: انسان کی عمر میں برکت: اس کے وقتوں کے زیادہ ہونے اور اس کے زمانوں کے لمبے ہونے کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی عمر میں برکت یہ ہے کہ عنایت الٰہی اس کے شامل حال ہو۔ اور اس کے اوپر ہدایت کی ہوا چلے۔ تا کہ وہ کم سے کم زمانے میں اللہ تعالیٰ کے احسانات یعنی اس کے علوم اور معارف و اسرار میں سے اس قدر حاصل کرے، جو تحریر اور تقریر کے دائروں میں نہ آ سکے۔ کیونکہ جس قدر وہ حاصل کرے گا، وہ تحریر اور تقریر کی تنگی سے زیادہ وسیع ہوگا۔

حدیث قدسی میں ہے:۔

أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ

"میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ انعامات تیار کر رکھے ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، نہ کسی آدمی کے قلب میں ان کا خیال گزرا ہے۔"

لہٰذا عارف اسرار کی باریکیوں میں سے اتنا حاصل کر لیتا ہے۔ جس کے بیان کرنے سے زبان عاجز ہوتی ہے۔ اور یہ بہت ہی مختصر زمانے میں ہوتا ہے۔

اور ان میں سے اکثر اہل اللہ کی ملاقات اور ان کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایک گھڑی کی صحبت میں جو نفع اور فائدہ انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ ان کے سوا دوسروں کی صحبت میں مدت دراز میں بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ ان لوگوں کی نمازیں اور روزے زیادہ ہوں۔ اسی لئے کہا گیا ہے: اوراد و وظائف کی زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ اعتبار صرف فوائد کی زیادتی

کا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا إِلٰى أَمْوَالِكُمْ ، وَ إِنَّمَا يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ

"بیشک اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے نہ تمہارے مالوں کو بلکہ وہ صرف تمہارے قلب اور اعمال کو دیکھتا ہے۔" اس حدیث کو جامع میں بیان کیا ہے۔

اور قلوب کے اعمال کا ایک ذرہ پہاڑ کی طرح جسمانی اعمال سے افضل ہے۔ اور جو عمل معرفت کے ساتھ ہو۔ وہ اس عمل کی طرح نہیں ہے جو جہالت کے ساتھ ہو۔ اور یہ بات معلوم اور مسلم ہے۔

حضرت شیخ حضرمیؒ نے اپنی بعض وصیتوں میں فرمایا ہے۔ جو شخص جمع کی دوات سے مدد یعنی فیض حاصل کرتا ہے۔ وہ ان اشیاء کو بھی لکھتا ہے جو ہوتی ہیں اور ان اشیاء کو بھی لکھتا ہے جو نہیں ہوتی ہیں۔ (لمبا لمبا لمبا۔ کوتاہ کوتاہ کوتاہ۔ شی شی شی۔ کوئی شی نہیں ہے۔ عدم عدم عدم۔ وجود وجود وجود۔

یعنی حقیقت لمبی ہے۔ اور محسوس ظاہر کوتاہ ہے۔ اور قدیم موجود اللہ تعالیٰ شی ثابت ہے اور اس کے ماسوا کوئی شی نہیں ہے۔ اور ماسوا عدم ہے۔ اور اللہ واحد قہار وجود ہے۔

لہٰذا جو شخص جمع کی دوات سے لکھتا ہے یعنی جمع کی بارگاہ سے فیض حاصل کرتا ہے۔ وہ کل اشیاء کو لکھتا ہے اور کل اشیاء سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ وہ کل اشیاء میں خواہ وہ چھوٹی ہوں۔ یا بڑی، وجودی ہوں یا عدمی، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔

وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

اور عمر میں برکت کا سبب۔ شواغل (اپنے میں مشغول کر کے غافل کرنے والی اشیاء) اور شواغب (تعلقات) سے فارغ ہونا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے شواغل اور تعلقات زیادہ ہیں۔ اس کی عمر میں کچھ برکت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے اور تمناؤں کے حاصل کرنے کے سبب اپنے مولائے حقیقی کی اطاعت سے رک جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے:- کہ کل بھلائیاں شواغل اور تعلقات کے کم کرنے ہی میں ہے۔ لہذا جو شخص ان دونوں سے فارغ ہو گیا۔ وہ بارگاہ الٰہی کی حضوری سے قریب ہو گیا۔

لیکن جس شخص کے شواغل اور تعلقات زیادہ زیادہ ہو گئے۔ اس کا معاملہ بہت دور ہے کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو کھینچنے والی اشیاء اس کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ اور وہ انھیں کے ساتھ گرو ہو کر باقی رہ جاتا ہے۔

مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:-

اَلْفِكْرُ سَيْرُ الْقَلْبِ فِيْ مَيَادِيْنِ الْاَغْيَارِ

"فکر:- اغیار کے میدانوں میں قلب کا سیر کرنا ہے۔"

لہذا جس کے پاس فراغت نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی فکر نہیں ہے۔ اور جس کے پاس فکر نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی سیر نہیں ہے۔ اور جس کے لئے سیر نہیں ہے۔ اس کے لئے وصول نہیں ہے۔

لہذا فکر بارگاہ الٰہی کی طرف قلب کا سیر کرنا ہے۔ اور یہ سیر اغیار کے شہود کے میدانوں میں ہوتی ہے۔ تاکہ مخلوقات کے ذریعے انوار کے وجود کی طرف رہنمائی حاصل کرے۔ اور یہ اہل حجاب کی فکر ہے۔

اور اہل شہود کی فکر۔ انوار کے میدانوں میں روح کا سیر کرنا ہے۔ یا اسرار کے میدانوں میں سر کا سیر کرنا ہے۔

اور مصنفؒ نے فکر کی ابتدا کو بیان کیا ہے۔ فکر کی انتہا کو بیان نہیں کیا۔ حالانکہ اگر دونوں کو ایک ساتھ بیان کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ جیسا کہ انھوں نے اس کے بعد جو عنقریب آئے گا۔ اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:-

اَلْفِكْرُ فِكْرَتَانِ

"فکر کی دو قسمیں ہیں۔"

حضرت شیخ زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ فکر:- عالم غیب و شہادت میں قوت

اور اس لئے مجبور ہے کہ وہ اشیاء کی حقیقت کا ادراک اسی حالت میں کرے جس حالت میں وہ حقیقتاً ہیں۔ اور جس شخص نے ان حقیقتوں کو پالیا وہی عارف ہے۔

اور یوں کہا گیا ہے۔ مصنف نے افکار کے ساتھ مخلوقات کی تعبیر حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی اس حدیث شریف کی بناء پر کی ہے۔

تَفَكَّرُوْا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي الْخَالِقِ، فَإِنَّكُمْ لَا تَقْدِرُوْنَ اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ

"تم لوگ مخلوق میں غور کرو۔ اور خالق میں غور نہ کرو، کیونکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت نہیں کر سکتے ہو جیسی اس کی قدر کرنی چاہئے۔"

میں کہتا ہوں۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی ماہیت اور حقیقت کے ادراک میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لیکن ذات اقدس کی عظمت اور قدامت اور بقا اور وحدانیت اور ظاہری و باطنی تجلیات میں غور کرنا تو اس سے منع نہیں فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ غور ذات کی حقیقت کے ادراک سے عاجزی کے ساتھ معرفت الٰہی کا سبب ہے۔

اور تحقیق یہ ہے: اہل حجاب کے لئے مصنوعات میں غور کرنا درست ہے۔ اور اہل عرفان ذات اقدس کی صفت یعنی صانع مطلق کی عظمت اور توحید اور قدامت اور بقا اور ظہور اور احتجاب اور ظاہر و باطن ہونے اور حقیقت کے مجہول خالق کے ظہور کے ساتھ مخلوق سے غائب ہونے اور نور کے ظہور کے ساتھ ظلمت سے غائب ہونے میں غور کرتے ہیں۔

اور غور۔ قلب کا چراغ ہے۔ جس کی طرف مصنف نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

اَلْفِكْرَةُ سِرَاجُ الْقَلْبِ، فَإِذَا ذَهَبَتْ فَلَا إِضَاءَةَ لَهُ

"غور قلب کا چراغ ہے۔ جب غور ختم ہو جاتی ہے تو قلب کے لئے کوئی روشنی باقی نہیں رہتی ہے۔"

میں کہتا ہوں: باری تعالیٰ کی عظمت اور اس کی توحید میں غور کرنا نور ہے۔ لہذا جب

قلب اللہ تعالیٰ کی عظمت کی فکر میں مشغول ہوتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن رہتا ہے۔

اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی فکر سے خالی ہوتا ہے۔ تو اس میں غیروں کی فکر داخل ہو جاتی ہے۔

اور وہ ظلمت یعنی تاریکی ہے۔ اور ظلمت اور نور دونوں ایک ساتھ کبھی جمع نہیں ہوتے ہیں۔

لہذا فکر قلب کا چراغ ہے۔ تو جب فکر ختم ہو جاتی ہے۔ تو قلب کا چراغ بجھ جاتا ہے اور

اس میں مخلوق کی تاریکی داخل ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں کوئی روشنی باقی نہیں رہتی ہے۔

اسی لئے حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

سب مجلسوں سے اعلیٰ و اشرف مجلس توحید کی فرش پر فکر کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنا

ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ چار چیزیں ایسی ہیں، کہ جو شخص

ان چیزوں کو اپنے اندر پیدا کرے وہ صدیقین مقربین میں سے ہے۔ اور جو شخص اپنے اندر ان میں

سے تین پیدا کرے، وہ اولیاء مقربین میں سے ہے۔

اور جو شخص اپنے اندر ان میں سے دو پیدا کرے، وہ شہداء مؤمنین سے ہے اور جو شخص ان میں سے ایک

اپنے اندر پیدا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں میں

سے ہے۔

پہلی چیز:۔ ذکر ہے اور اس کا فرش عمل صالح ہے۔ اور اس کا پھل،

نور ہے۔

دوسری چیز:۔ فکر ہے اور اس کا فرش صبر ہے۔ اور اس کا پھل علم ہے۔

تیسری چیز:۔ فقر ہے اور اس کا فرش شکر ہے اور اس کا پھل فقر میں زیادتی ہے۔

چوتھی چیز:۔ محبت ہے اور اس کا فرش دنیا اور اہل دنیا سے بغض ہے۔ اور اس کا پھل،

محبوب حقیقی تک پہنچنا ہے۔

پھر مصنف نے ابتدا اور انتہا کی فکر کو بیان کیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَلْفِكْرُ فِكْرَتَانِ: - فِكْرَةُ تَصْدِيقٍ وَإِيْمَانٍ، وَفِكْرَةُ شُهُودٍ وَعِيَانٍ

''فکر دو قسم کی ہے:- ایک قسم:- تصدیق اور ایمان کی فکر ہے۔ اور دوسری:- شہود و عیان کی فکر ہے۔

میں کہتا ہوں:- اہل تصدیق و ایمان کی فکر:- وہ اغیار کے میدانوں میں قلب کا سیر کرنا ہے۔ لہذا وہ لوگ مصنوعات و مخلوقات میں فکر کرتے ہیں۔ تاکہ وہ صانع حقیقی اور اس کی قدرت اور علم اور حیات اور ان کے علاوہ دوسری صفات کی معرفت تک پہنچیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:- (يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ)

''وہ لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔''

اور اہل شہود و عیان کی فکر:- وہ انوار کے میدانوں میں روح کا سیر کرنا ہے۔ اور ان کے حق میں اغیار، انوار اور دلائل، مدلولات ہو گئے۔ اور غیب، شہادت بن گیا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے راز سے آگاہ فرمایا۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''آپ فرما دیجئے۔ تم لوگ اس میں غور کرو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

پھر مصنف نے دونوں فریق کا حال بیان فرمایا:-

فَالْاُوْلٰى لِاَرْبَابِ الْاِعْتِبَارِ

''پہلی فکر، اہل اعتبار کے لئے ہے۔''

میں کہتا ہوں:- پہلی فکر یعنی تصدیق و ایمان کی فکر، اہل اعتبار کے لئے ہے۔ اور وہ اہل استدلال ہیں، جو صنعت سے صانع کی طرف رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اور وہی لوگ انوار توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والے ہیں۔

وَالثَّانِيَةُ لِاَرْبَابِ الشُّهُوْدِ وَالْاِسْتِبْصَارِ

''اور دوسری فکر، اہل شہود و اہل بصیرت کے لئے ہے۔''

میں کہتا ہوں:- دوسری فکر یعنی شہود و عیان کی فکر، اہل شہود اور اہل بصیرت کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ لوگ دلیل سے ترقی کر کے مدلول تک اور مخلوق سے ترقی کر کے خالق تک اور اغیار سے ترقی کر کے انوار کے شہود تک اور فرق سے ترقی کر کے جمع تک اور ملک سے ترقی کر کے ملکوت تک

پہنچ گئے ہیں۔ لہذا وہ ملکوت کے انوار کو جبروت کے سمندروں سے اچھل کر آتے ہوئے مشاہدہ کرتے ہیں۔ لہذا وہ انوار کے سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور مخلوقات کا وجود ان سے گم ہے۔ پھر اگر وہ مخلوقات کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ تو وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف قائم دیکھتے ہیں۔

لہذا ان کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے پاس کتنی بڑی ہے اور وہ لوگ کتنے عظیم الشان ہیں۔

اور ایسے ہی حضرات کی شان میں ایک عارف شاعر نے فرمایا ہے :-

هُمُ الرِّجَالُ وَ غَبْنٌ اَنْ يُقَالَ لِمَنْ لَمْ يَتَّصِفْ بِمَعَانِيْ وَصْفِهِمْ رَجُلٌ

''وہی لوگ اہل اللہ ہیں اور جو شخص ان کے وصف کی حقیقتوں سے موصوف نہ ہو، اس کو اہل اللہ کہنا یا سمجھنا خیانت ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس حقیقت تک پہنچائے، جس حقیقت تک ان کو پہنچایا ہے۔

آمین

یہاں چھبیسواں باب ختم ہوا۔ اور اسی پر اس کتاب کے ابواب ختم ہو گئے۔ اور اب صرف مراسلات اور مناجات باقی ہیں۔

مراسلات

پہلا مراسلہ

سلوک کے بیان میں

مراسلہ ۔ کے معنی مکتوب ۔ مراسلات ۔ مکتوبات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ کے کل مکتوبات کا حاصل، تین مکتوبات ہیں ۔ جو اس کتاب میں شامل ہیں۔

سلوک اور اس کی ابتداء اور انتہا

پہلا مکتوب ۔ اللہ سبحانہ تعالے کی بارگاہ کی طرف سلوک اور اس کی ابتداء اور انتہا کے بیان میں ارسال کیا گیا۔

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض اصحاب کو یہ مکتوب تحریر فرمائی۔

(اَمَّا بَعْدُ . فَاِنَّ الْبِدَايَاتِ مُجَلَّاتُ النِّهَايَاتِ)

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد تم یہ معلوم کرو کہ ابتداء انتہا کا مظہر ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں - ابتداء - اس کوشش اور مجاہدہ اور صدق اور تصدیق کا نام ہے، جو طریقت میں داخل ہونے کے شروع ہی میں مرید پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ انتہا کا مظہر اور جگہ کا جو ہے۔ یعنی جو انتہا میں ہوتا ہے، وہ ابتداء میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا جس شخص کی ابتداء روشن ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی روشن ہوتی ہے

لہذا جس شخص کو ہم دیکھتے ہیں، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب میں کوشش کرتا ہے اور اپنا نفس، جان و مال اور عزت و مرتبہ عبودیت کے حقوق، اور ربوبیت کے وظائف کے ساتھ قائم رہنے کے مقام پر پہنچنے کیلئے خرچ کرتا ہے۔ تو ہم یہ جان لیتے ہیں کہ اس کی انتہا روشن ہوگی اور وہ اپنے محبوب حقیقی تک

پہنچ جائے گا۔

اور جب کسی شخص کو ہم مذکورہ بالا صورت میں کوتاہی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ وہاں تک پہنچنے میں ناکام رہے گا۔

اسی بارے میں ایک عارف کے اشعار ہیں:

بِقَدْرِ الْكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِيْ ۔ وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَهِرَ اللَّيَالِيْ

"محنت اور کوشش کے مطابق بلند مرتبے حاصل ہوتے ہیں۔ اور جو شخص بلند مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ شب بیداری کرتا ہے۔"

تُرِيْدُ الْعِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَيْلًا ۔ يَغُوْصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِيْ

"تم عزت اور مرتبہ چاہتے ہو پھر رات کو سوتے ہو۔ حالانکہ جو شخص موتیوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے وہ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے۔"

لہذا جس شخص کو میں دیکھتا ہوں کہ وہ عزم و ارادے کا سچا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اہل عنایت میں سے ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے)

اور جو شخص اپنے سلوک میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے وہ اپنے سلوک کی انتہا میں اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول میں اس سے آگاہ فرمایا ہے۔

وَمَنْ كَانَتْ بِاللّٰهِ بِدَايَتُهُ كَانَتْ إِلَيْهِ نِهَايَتُهُ

"جس شخص کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے اس کی انتہا اسی کی طرف ہوتی ہے۔"

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ ابتدا یہ ہے کہ کسی عمل اور حال اور مجاہدہ اور مکابدہ میں اپنے نفس کیلئے کوئی اختیار اور قوت نہ دیکھے۔ بلکہ اس سے جو بھی عمل اور حال ظاہر ہو اس کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان اور اپنی طرف اللہ تعالیٰ کا ہدیہ سمجھے۔ لہذا اگر کسی شخص کی حالت اس طرح ہو تو یقیناً اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے اور اس کی انتہا اسی کی طرف ہوگی۔

اور ان تمام عمل سے جو ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی طرف فقر (توجہ) رکھنے کو مشروط کرتی ہیں۔

شریعت اور طریقت کے اس علم کو درست کرتا ہے، جس کی ضرورت اس کو اپنے سلوک میں ہوتی ہے۔
کیونکہ بغیر علم کے عمل گناہ ہے اور بغیر عمل کے علم بے مقصد ہے۔

اسی کے بارے میں ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:

إِذَا كُنْتَ ذَا عَمَلٍ وَلَمْ تَكُ عَالِمًا ۔۔۔ فَأَنْتَ كَذِي رِجْلٍ وَلَيْسَ لَهُ نَعْلُ

"اگر تم اہل عمل ہو لیکن اہل علم نہیں ہو، تو تم اس پاؤں والے کی طرح ہو جس کے پاس جوتا نہیں ہوتا"۔

وَإِنْ كُنْتَ ذَا عِلْمٍ وَلَمْ تَكُ عَابِدًا ۔۔۔ فَأَنْتَ كَذِي نَعْلٍ وَلَيْسَ لَهُ رِجْلُ

"اگر تم اہل علم ہو لیکن عمل نہیں کرتے ہو، تو تم اس جوتے والے کی طرح ہو جس کے پاس پاؤں نہیں ہیں"۔

جَوَادُكَ مَسْبُوقٌ إِلَى كُلِّ غَايَةٍ ۔۔۔ وَغَلَّ ذُو جَوَادٍ رِيٍّ وَيَسْبِقُهُ الْفَعْلُ

"تمہارا تیز رفتار گھوڑا ہر مقصد تک پہنچ جاتا ہے، اور کسی گھوڑے سے دوسرا گھوڑا آگے بڑھ جاتا ہے"۔

میں نے ان اشعار کو مکمل کرنے کے لئے ایک شعر ان میں شامل کیا ہے۔

وَإِنْ كُنْتَ ذَا عِلْمٍ وَحَالٍ وَهِمَّةٍ ۔۔۔ جَوَادُكَ سَابِقٌ يَصِحُّ لَهُ الْوَصْلُ

"اور اگر تم اہل علم اور اہل حال اور والی ہمت ہو، تو تمہارا گھوڑا آگے بڑھ جانے والا اور اس کے لئے پہنچنا صحیح ہو جائے گا"۔

لہذا جب مرید کو اپنی طہارت اور نماز اور روزے کی وہ مضبوطی حاصل ہو جائے جس کی اس کو ابتداء میں حاجت ہوتی ہے تو اس کو اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیے اور جو اشیاء اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کرتی ہیں، ان سے منہ پھیر لینا چاہیے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

وَالْمُشْتَغِلُ بِهِ هُوَ الَّذِي أَحْبَبْتَهُ وَسَارَعْتَ إِلَيْهِ، وَالْمُشْتَغَلُ عَنْهُ هُوَ الْمُؤْثَرُ عَلَيْهِ

"وہ شئی جس کے ساتھ تم مشغول رہتے ہو، وہی ہے جس سے تم محبت کرتے ہو اور اسی کی طرف دوڑتے ہو۔ اور وہ شئی جس سے تم غافل ہوتے ہو، وہی ہے جس پر تم اپنے محبوب کی محبت کو ترجیح دیتے ہو"۔

میں کہتا ہوں۔ مصنف کی عبارت میں الف لام (ال) دونوں جگہ موصول ہے۔ یعنی وہ شئی جس کے ساتھ تم ہر وقت مشغول رہتے ہو اور جس کی طرف تم ہمہ تن متوجہ رہتے ہو وہی محبوب حقیقی ہے، جس کی طرف تم دوڑتے ہو۔ اور تمہارے سب اشغال سے بہتر شغل اسی محبوب کا ذکر ہے۔ لیکن ایک ذکر اور ایک ارادہ چاہیے، جو تم کو تمہاری مراد یعنی تمہارے محبوب تک پہنچا دے۔

اور وہ شئی جس سے تم غافل یعنی غائب رہتے ہو وہی ہے جس کو تم نے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو اس پر ترجیح دی۔

حاصل یہ ہے:- جس کے ساتھ تم مشغول ہوتے ہو اور جس کا تم ارادہ کرتے ہو وہ وہی ہے جس سے تم محبت کرتے ہو اور اس کی طرف پہنچنے میں تم جلدی کرتے ہو اور جس سے تم غائب رہتے ہو، وہ وہی ہے، جس کو تم نے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو اس پر ترجیح دی ہے۔ تو یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے مقصود یعنی محبوب تک پہنچا دے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ الْعَبْدَ عَلٰى قَدْرِ هِمَّتِهِ "بیشک اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی ہمت کے مطابق روزی عطا فرماتا ہے"۔

(یعنی اللہ تعالیٰ بندے کو عبادت کی توفیق اس کی ہمت کے مطابق عطا فرماتا ہے) اسی کے متعلق ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:-

إِذَا الْعَبْدُ أَلْقٰى بَيْنَ عَيْنَيْهِ عَزْمَهُ ۞ وَأَعْرَضَ عَنْ كُلِّ الشَّوَاغِلِ جَانِبَا

"جب بندہ اپنے ارادے کو اپنے سامنے رکھتا ہے اور تمام شواغل سے منہ پھیر کر کنارہ کش ہو جاتا ہے"۔

فَقَدْ زَالَ عَنْهُ الْعَارُ بِالْعَزْمِ جَانِبًا ۞ عَلَيْهِ قَضَاءُ اللّٰهِ مَا كَانَ جَانِبَا

تو اس کے ارادے کے سبب عیب اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قضا جو چیز بھی ہے

اس کے اوپر جاری کرتی ہے"۔

بیان کیا گیا ہے۔ صادق کی علامت یہ ہے کہ وہ انتہا کے بغیر کبھی راضی نہیں ہوتا ہے۔ باوجودیکہ انتہا کبھی حاصل نہیں ہوتی ہے۔

حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جس شخص کو تم دیکھو کہ اس کا کلام حکمت ہے اور اس کی خاموشی فکر ہے اور اس کی نظر نصیحت ہے تو تم ہوشیار رہو اس سے بدگمانی نہ کرو کیونکہ اس نے اپنی عمر عبادت میں گزاری ہے اور اس کا سلوک ہمیشہ بڑھ رہا ہے اور جس شخص کو تم دیکھو کہ وہ لمبی امیدیں رکھتا ہو اور برے اعمال کرتا ہے تو تم سمجھو کہ اس کا مرض سخت اور مہلک ہے۔

اور سب سے بڑی شے جس سے مرید غافل ہوتا اور اس سے غائب ہوتا ہے وہ دنیا کی محبت ہے کیونکہ وہ زہر قاتل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سیر، دنیا کی محبت سے قلوب کی صفائی کے بغیر ممکن نہیں ہے اگرچہ اس کی محبت کا کچھ اثر باقی رہے اور دنیا کی محبت تھوڑی بھی بہت ہے۔

روایت ہے:- کہ ایک مرید ایک رات اپنی عبادت کیلئے کھڑا ہوا تو اس نے اپنے قلب کو حاضر نہیں پایا اس نے اپنے دل میں کہا جب صبح ہوگی تو میں اس شیطانی وسوسے کی شکایت شیخ سے کروں گا تو شیطان نے شیخ کے سامنے آ کر کہا آپ کا فلاں مرید آپ سے میری شکایت کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ حالانکہ میں نے اس کے اوپر کچھ ظلم نہیں کیا ہے، دنیا میرا باغیچہ ہے اور میں اس کا محافظ ہوں۔ لہذا جو شخص میری کوئی چیز لے گا تو میں اس کو اس وقت تک ہرگز نہ چھوڑوں گا جب تک وہ میری اس چیز کو نہ چھوڑ دے جو اس نے لی ہے۔ جب صبح ہوئی تو مرید شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے اس سے فرمایا: ابلیس میرے پاس آ کر تمہاری شکایت کر رہا تھا تم نے اس کی کونسی چیز لے لی ہے؟ مرید نے کہا: یا حضرت میرا کپڑا پھٹ گیا ہے اس لیے مجھکو سوئی کی خواہش ہوئی تاکہ میں اس میں پیوند لگاؤں لہذا رات بھر میں سوئی ہی کی فکر میں مبتلا رہا۔ شیخ نے فرمایا: تم کپڑا اتار کر اس کو پیدا اور اپنے نفس سے کہدو کہ موت اس سے زیادہ قریب ہے لہذا اس نے کپڑا اتار کر پھینک دیا تب اس نے اپنے قلب کو حاضر پایا۔

اسی کے متعلق ایک عارف کے یہ اشعار ہیں:-

لَا تَحْقِرَنَّ ضَعِیْفًا عِنْدَ رُؤْیَتِہٖ اِنَّ الْبَعُوْضَۃَ تُدْمِیْ مُقْلَۃَ الْاَسَدِ

"تم کسی کمزور کو دیکھ کر اس کو حقیر نہ سمجھو، کیونکہ بیشک مچھر شیر کی آنکھ زخمی کر کے خون نکال دیتا ہے"۔

وَلِلشَّرَارَۃِ حَقِرٌ حِیْنَ تَنْظُرُھَا وَرُبَّمَا اَضْرَمَتْ نَارًا عَلٰی بَلَدٍ

"اور تم لوگ آگ کی ایک چنگاری کو دیکھ کر اس کو حقیر سمجھتے ہو، لیکن اکثر اوقات وہ ایک شہر کو آگ سے جلا ڈالتی ہے"۔

پھر وہ ذات اقدس جس کے ساتھ تم مشغول ہوتے ہو اور اس کی طرف پہنچنے میں تم جلدی کرتے ہو۔ وہ بھی تم کو چاہتا ہے اور تمہاری طرف پہنچنے میں جلدی کرتا ہے اور اگر تم اس کی طرف ایک بالشت قریب ہوتے ہو تو وہ تمہاری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

وَمَنْ اَیْقَنَ اَنَّ اللّٰہَ یَطْلُبُہٗ صَدَقَ الطَّلَبَ اِلَیْہِ

"جس نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو چاہتا ہے وہ اس کی طرف توجہ اور اس کی طلب کو صادق کر لیتا ہے"۔

میں کہتا ہوں۔ یقین سبب کا ایسا سکون اور اطمینان ہے کہ اس میں کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہ باقی رہے اور نہ کسی معاملے میں کوئی شک باقی رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بندے کو چاہنا کئی وجہوں سے ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ بندے کو اس لئے چاہتا ہے کہ وہ عبودیت کے حقوق، اور ربوبیت کے وظائف کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

دوسری وجہ۔ یہ ہے کہ بندے کو اپنی طرف توجہ ہونے اور اپنے ماسوا سے نفرت کرنے کے سبب چاہتا ہے۔

تیسری وجہ۔ یہ ہے کہ وہ بندے کو اپنی بارگاہ میں ادب اور محبت کے ساتھ بیٹھے رہنے کے سبب چاہتا ہے۔

لہذا جو شخص یہ یقین کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان وجوہ سے چاہتا ہے تو وہ اس کی طلب کو سچا کر لیتا ہے۔

اور صدق طلب یعنی طلب کی سچائی :۔ قلب اور جسم کو مطلوب کیلئے ایسا تیار کر لینا ہے کہ اس کی کوئی توجہ اس کے غیر کی طرف باقی نہ رہے۔ لہذا وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا سہارا نہ لے اور اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرے۔

جیسا کہ اس کی طرف مصنف نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

وَمَنْ عَلِمَ اَنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ بِيَدِهٖ اِنْجَمَعَ بِالتَّوَكُّلِ عَلَيْهِ

"اور جس شخص نے یہ جان لیا یہ سب امور اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ اس پر توکل کے ساتھ جمع رہتا ہے یعنی ثابت قدمی سے قائم رہتا ہے"۔

میں کہتا ہوں:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ "اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب امور لوٹتے ہیں۔ لہذا آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھیے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ "آپ فرما دیجئے، بیشک تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں"۔

لہذا جو شخص یہ یقین کر لیتا ہے کہ دنیا و آخرت اور نفوس و قلوب کے سارے امور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ تو اس کی نظر اس کے ماسوا کی طرف باقی نہیں رہتی ہے اور وہ اپنے کل کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ثابت قدمی سے جمع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ "جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کیلئے کافی ہے"۔

اور جس شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے تو اس سے کون سی شے فوت ہو سکتی ہے؟

حکایت: ایک شیخ اپنے مریدین کے ساتھ حجاز کے میدان میں بغیر توشہ کے داخل ہوئے۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد بھوک نے ان کو ستایا اور وہ بہت تکلیف میں مبتلا ہو گئے تو شیخ توکل کے راستے سے پھر گئے اور ایک درخت کو ہلایا، اس درخت سے پتے گرنے لگے۔ ایک نے اس کے سوا

سب لوگوں نے ان کھجوروں کو کھایا۔ شیخ نے اس نوجوان سے دریافت کیا: تم نے کیوں نہیں کھایا؟

اس نوجوان نے جواب دیا: میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کی نیت کی ہے اور کل اسباب کو ترک کر دیا ہے تو اب میں آپ کو اپنے لیے سبب کیسے بناؤں؟ شیخ اس سے متفق ہو گئے جو میں نے آپ کی نیت سے معلوم کیا ہے۔ پھر وہ نوجوان اپنے یقین کو درست رکھنے اور اپنے عہد کو پورا کرنے کیلئے ان لوگوں کی صحبت ترک کر کے علیحدہ ہو گیا۔

اور ان اشیاء میں سے جو یقین کو مضبوط کرنے اور توکل کو ثابت کرنے میں مدد کرتی ہیں: دنیا اور اس کی دنیا کو ترک کرنا ہے۔

اسی کی طرف مصنف نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔

وَإِنَّهُ لَا بُدَّ لِبِنَاءِ هٰذَا الْوُجُوْدِ أَنْ تَنْهَدِمَ دَعَائِمُهُ، وَأَنْ تُسْلَبَ كَرَائِمُهُ۔

"اور یہ ضروری ہے کہ اس وجود کی بنیاد کے ستون منہدم ہو جائیں اور اس کی نعمتیں ختم ہو جائیں"۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری وجود کیلئے یہ حکم جاری کیا ہے کہ وہ باطل ہو جائے گا لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس کے ستون منہدم ہو جائیں۔

اور ستون: وہ اشیاء ہیں جن کے ذریعے کسی شے کا وجود قائم رہتا ہے اور وہ یہاں ظاہری وجود کے منہدم ہونے اور اس کے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کیلئے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ

"جس دن یہ زمین اور آسمان دوسری زمین اور آسمان سے بدل دیئے جائیں گے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

"اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے ہلاک ہو جانے والی ہے" اس کی ظاہری حس کے مطابق۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی نعمتیں ختم ہو جائیں۔ وہ دنیا کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ

نے اس آیہ کریمہ میں بیان فرمائی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ

"خواہشات کی محبت انسان کیلئے مرغوب کر دی گئی ہے"۔

لہٰذا جو شخص اس وجود کے فنا ہونے اور اس فانی عرض (دوسرے کی بنا پر قائم ہونے والی شے) کے ختم ہونے کا یقین کر لیتا ہے۔ وہ دنیا کو صرف گزرگاہ سمجھتا اور اس سے گزر کر آخرت کی طرف چلا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کی سختیوں پر صبر کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے دنیا کے دن گزر جاتے ہیں۔

اور یہی وہ عقلمند ہے جس کا بیان مصنف نے اپنے اس قول میں فرمایا ہے:۔

فَالْعَاقِلُ مَنْ كَانَ بِمَا هُوَ أَبْقَى أَفْرَحَ مِنْهُ بِمَا هُوَ يَفْنَى

"پس عقلمند وہ شخص ہے جو باقی رہنے والی اشیاء سے زیادہ خوش ہوتا ہے بہ نسبت فنا ہونے والی اشیاء کے"۔

میں کہتا ہوں۔ اس لئے کہ عقل کی علامات وہ ہیں جو حدیث شریف میں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اَلتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ، وَالْإِنَابَةُ إِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّزَوُّدُ لِسُكْنَى الْقُبُوْرِ وَالتَّأَهُّبُ لِيَوْمِ النُّشُوْرِ

"دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور آخرت کی طرف متوجہ ہونا اور قبر میں رہنے کیلئے توشہ کا انتظام کرنا اور قیامت کے دن کیلئے تیاری کرنا"۔

لہٰذا عقلمند وہ شخص ہے جو حق اور باطل اور مضر اور مفید اور اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے اور جو ختم ہونے والی شے اگرچہ وہ زمانہ دراز تک قائم رہے بری ہے اور ہر باقی رہنے والی شے اگرچہ وہ نظروں سے غائب ہو اچھی ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔ ایسے شخص پر بہت تعجب ہے جو دنیا سے مطمئن اور اس کی طرف مائل اور اس پر حریص ہے حالانکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ دنیا جلد ختم ہو جاتی ہے اور وہ اہل دنیا سے اکثر جدا ہو جاتی ہے اور اس کے حادثات اچانک آ جاتے ہیں۔ اسی کو ایک عارف نے اشعار میں بیان

فرمایا ہے:-

أَيْنَ الْمُلُوْكُ وَأَبْنَاءُ الْمُلُوْكِ وَمَنْ كَانُوْا إِذَا النَّاسُ قَامُوْا هَيْبَةً جَلَسُوْا

"بادشاہ اور شہزادے اور وہ لوگ کہاں ہیں کہ جب وہ بیٹھتے تھے تو لوگ ان کی ہیبت اور خوف سے کھڑے رہتے تھے"۔

كَأَنَّهُمْ قَطُّ مَا كَانُوْا وَلَا خُلِقُوْا وَمَاتَ ذِكْرُهُمْ بَيْنَ الْوَرٰى وَنُسُوْا

"وہ اس طرح فنا ہو گئے گویا کہ وہ کبھی نہیں تھے اور پیدا ہی نہیں کیے گئے تھے اور مخلوق کے درمیان ان کی یاد ختم ہو گئی اور وہ بھلا دیے گئے"۔

خَلَعُوْا الْمَلَابِسَ لَمَّا أُلْبِسُوْا حُلَلًا مِنَ التُّرَابِ عَلٰى أَجْسَادِهِمْ وَكُسُوْا

"انہوں نے اپنا بہترین لباس اتار دیا جبکہ ان کو مٹی کا لباس پہنا کر مٹی میں چھپا دیا گیا"۔

حکایت بہلول دانا

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ میں ایک روز قبرستان میں گیا۔ تو میں نے قبروں کے درمیان بہلول دیوانہ کو بیٹھا ہوا پایا۔ وہ برہنہ تھے صرف شرمگاہ ڈھانپے ہوئے تھے۔ میں ان کے پاس گیا تاکہ ان کی عجیب و غریب باتوں سے فائدہ حاصل کروں۔ میں نے ان کو اس حال میں پایا کہ وہ کبھی آسمان کی طرف دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کبھی زمین کی طرف دیکھتے اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنی داہنی طرف دیکھتے اور ہنستے ہیں اور کبھی بائیں طرف دیکھتے اور روتے ہیں۔ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے جو حالت ان کی دیکھی تھی۔ اس کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اے مالک! جب میں اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد کرتا ہوں:-

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔

"اور تم لوگوں کی روزی اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا گیا ہے آسمان میں ہے"۔

لہٰذا میں خوش ہوتا ہوں۔ اور جب میں زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کو یاد کرتا ہوں:-

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ

"ہم نے تم لوگوں کو زمین سے پیدا کیا۔ اور ہم تم کو اسی میں لوٹاتے ہیں اور ہم تم کو دوبارہ اسی میں سے نکالیں گے"۔

پس اس سے میں نصیحت حاصل کرتا ہوں۔ اور جب میں اپنی داہنی طرف دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کو یاد کرتا ہوں:

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ

"اور داہنی طرف والے، داہنی والے کیا ہیں"۔

لہٰذا میں ہنستا ہوں۔ اور جب میں اپنی بائیں طرف دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کو یاد کرتا ہوں:

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ

"اور بائیں طرف والے، بائیں طرف والے کیا ہیں"۔

تو میں روتا ہوں میں نے کہا:۔ اے بہلول! بیشک آپ حکیم ہیں کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کیلئے ایک سوتی قمیص خرید لاؤں؟ انہوں نے کہا: ہاں خرید لائیے۔ لہٰذا میں فوراً بازار گیا اور ایک قمیص لے کر ان کے پاس آیا۔ انہوں نے اس قمیص کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اس کو میری طرف پھینک دیا۔ اور فرمایا: میں ایسی قمیص نہیں چاہتا ہوں۔ میں نے ان سے دریافت کیا: آپ کیسی قمیص چاہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں ایسی قمیص چاہتا ہوں، جو اخلاص سے بنی ہو، ہر برائی اور عیب سے پاک ہو، جس روئی کے سوت سے وہ بنی ہو اس روئی کا درخت حقائق کی زمین میں لگایا گیا ہو، اور برائیوں اور خباثتوں سے اس کی حفاظت کی گئی ہو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سلسبیل کے پانی سے اس کو سینچا ہو جس سے وہ درخت بڑا ہوا ہو اور اس میں روئی کا پھل لگا ہو۔ پھر بزرگ اور مقبول فرشتوں نے سورۂ "الحمد" اور سورۂ "بقرہ" پڑھتے ہوئے اس پھل کو توڑا ہو۔ پھر وفا کے ہاتھوں نے عزت اور صفائی کے ساتھ جفا کی آمیزش کے بغیر اس روئی کو دھنا ہو۔ پھر ایسے ہاتھوں میں اس کو صاف کیا ہو جو انوار سے بنی ہوں اور حمد و ثناء کے چرخوں نے محبت اور توجہ کے ساتھ اس کو کاتا ہو۔ اس

کے بچنے والے کی اجرت جنت مقرر کی گئی ہو اور وہ اپنے پہننے والے کیلئے دوزخ سے پردہ ہو۔ تو اے
مالک! کیا آپ ایسی قمیص لا سکتے ہیں؟ میں نے ان سے کہا: ایسی قمیص وہی اللہ تعالیٰ لا سکتا ہے، جس
نے آپ کو اپنے وصف کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور جس نے آپ کو اپنا معاملہ اور کشف الہام فرمایا
ہے پھر میں نے ان سے کہا: اے بہلول! آپ مجھے بتا دیجئے کہ ایسی قمیص کون پہنا سکتا ہے؟ میں سمجھ
جاننا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: ایسی قمیص وہی شخص پہنا سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انوار
کے ساتھ خاص کیا ہو اور اس کا نام اپنے صالح بندوں کے رجسٹر میں لکھا ہو اور اس کو اپنی سابق
عنایت سے زندہ کیا ہو اور اپنی تربیت سے اس کو طاقتور کیا ہو۔ لہٰذا اس کا جسم مخلوق کے درمیان چلتا
ہو اور اس کا قلب ملکوت میں چرتا ہو (یعنی ملکوت سے فیض حاصل کرتا ہو) اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر
کے سوا کوئی لذت نہ پاتا ہو۔ اور ماسوی اللہ کی طرف ایک نظر بھی نہ دیکھتا ہو پھر وہ بہت زور سے چیخے اور یہ
کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ اے میرے رب! بھاگنے والے تیری ہی طرف بھاگے ہیں اور طلب
کرنے والے تیرا ہی ارادہ کیے ہوئے ہیں اور توبہ کرنے والے تیرے ہی دروازے پر بیٹھے ہوئے
ہیں۔ اے میرے اللہ! ہم تیرے ہی دروازے پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا تو ہم کو اپنے دروازے
سے نہ ہٹا اور ہم نے اپنی نسبت تیری بارگاہ قدس سے کی ہے لہٰذا تو ہم کو محروم نہ کر۔ یا ارحم الراحمین۔
آمین۔ لہٰذا جو شخص باقی سے خوش ہوتا ہے اور فانی سے منہ پھیر لیتا ہے اس کے اوپر انوار روشن ہوتے
ہیں اور اس کے سامنے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان
فرمایا ہے۔

قَدْ أَشْرَقَ نُوْرُهُ، وَظَهَرَتْ تَبَاشِيْرُهُ

"اس کا نور روشن ہو گیا اور اس کی بشارتیں ظاہر ہو گئیں۔"

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا نور ترک دنیا اور مولائے حقیقی کی طرف توجہ کی تیزی سے روشن
ہوتا ہے۔ کیونکہ دنیا کی محبت تاریکی ہے لہٰذا جب وہ قلب سے نکل جاتی ہے اس وقت اس میں نور
داخل ہوتا ہے۔

اور یہ نور توجہ کی تیزی، اور قناعت کا آرام اور رضا کی ٹھنڈک اور تسلیم کی خوشی سے ہوا

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ أی أصناف من الکفار ﴿زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ﴾

"آپ اپنی آنکھیں دنیاوی زندگی کی ان آرائشوں اور زینتوں کی طرف نہ بڑھایئے جو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو عطا کر رکھا ہے۔ تا کہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں"۔

لہٰذا وہ اس سے اپنے قلب اور جسم کے ساتھ اس کی طرف سے پیٹھ پھیر کر منہ پھیر لیتا ہے اور اپنے مولائے حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

حضرت شطیبیؒ نے فرمایا ہے۔ تم یہ جان لو کہ دنیا سے منہ پھیرنا قلب کے ساتھ ہوتا ہے اور جبکہ قلب اس میں لگا ہوا ہو تو ہاتھ سے دنیا زائل ہونا اور اس کے اسباب کا ختم ہو جانا کچھ مفید نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا مقصود قلب سے اس کا ختم ہو جانا ہے ہاتھ میں اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ سے فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ نے کل زمین کی بادشاہت عطا فرمائی تھی:۔

هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

"یہ ہماری بے حساب یعنی بے انتہا بخشش ہے۔ لہٰذا آپ لوگوں پر احسان کریں یا روک رکھیں"۔ اور انہیں کے بارے میں یہ بھی فرمایا:۔

نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ

"وہ بہترین بندے تھے۔ اور بیشک وہ ہماری طرف بہت بڑے رجوع کرنے والے تھے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کیلئے جن سے دنیا کو بالکل دور کر دیا تھا فرمایا ہے:۔

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ

"اور ہم نے ایوبؑ کو ان کے اہل اور انہیں کی طرح لوگ عطا فرمایا"۔

اسی لیے کہا گیا ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس سے کوئی کمال صادر ہو تو اس سے کوئی کمال صادر نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی خواہش کا بندہ ہے اور اپنے نفس کے فائدے کیلئے عمل کرتا ہے۔ لہٰذا جب اس سے نفسانی فوائد اور دنیاوی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں اس وقت اس کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی

طرف درست ہوتا ہے اور اس کا قلب اپنے مولائے حقیقی کی طرف توجہ میں خالص اور تنہا ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں:۔ حضرت ابوالانوار تطوانیؒ کا ایک قصیدہ اسی مفہوم کے بارے میں ہے جس کے بعض اشعار میں انہوں نے فرمایا ہے:۔

وَمَنْ كَانَ قَصْدُهُ فِيْ نَيْلِ مَا يُرِيْدُ فَمَا قَامَ بِالْمَحَجَّةِ

"جس شخص کا ارادہ اس شی کے حاصل کرنے کا ہے جس کو وہ چاہتا ہے تو وہ سیدھی سبیل پر قائم نہیں ہے"۔

وَاصِلْ طَرِيْقَنَا وَارْفُضِ الْعِلَلْ مَعَ الصَّبْرِ وَارْفَعْ لِلْهِمَّةِ

"تم ہمارے طریقے میں شامل ہو جاؤ اور اسباب کو صبر کے ساتھ چھوڑ دو اور ہمت کو بلند کرو"

وَحَسْبُ الْمُحِبِّ مُشَاهَدَةٌ يَقِيْنًا لِمَ يَبْدُوْ مِنْ حَضْرَةِ

"اور محبت کرنے والے کیلئے یقیناً اس تجلی کا مشاہدہ کافی ہے جو بارگاہ الٰہی سے ظاہر ہوتی ہے"۔

وَيَهْمِكَ عَنْهُ جَدِيْرٌ بِاَنْ يُعَوِّضَكَ الْمَنْعَ بِالْمِنْحَةِ

"اور اللہ تعالیٰ سے تمہاری بےتوجہی اس لائق ہے کہ وہ تمہاری محرومی کو بخشش سے بدل دے"۔

حضرت ابوالانوار سیدی حضرت ابوالمحاسن یوسف فاسی کے شاگرد ہیں۔ ان کا مزار شریف تطوان میں پرانی مسجد کے قریب قصبے کے کنارے واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے ذکر سے فائدہ پہنچائے۔

اور جس شخص نے دنیا سے منہ پھیر لیا تو دنیا میں اس کا کوئی وطن نہیں ہے بلکہ اس کا وطن اسکے مولائے حقیقی کے پاس ہے۔

جیسا کہ اس کو مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

فَلَمْ يَتَّخِذْهَا وَطَنًا ، وَلَا جَعَلَهَا سَكَنًا

"پھر اس نے دنیا کو اپنا وطن، اور اپنے آرام کا ذریعہ نہیں بنایا"۔

میں کہتا ہوں:- اس لیے کہ جو شخص کسی جگہ وطن بنا تا ہے تو وہاں قیام کرتا ہے اور مسافر کیلئے کوئی مقام نہیں ہے مگر اس کے رب کے پاس۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا کی مذمت میں فرمایا کرتے تھے: تم لوگ دنیا سے گزر جاؤ اور اس کو آباد نہ کرو۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا إِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ الدُّنْيَا كَرَاكِبٍ سَافَرَ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ فَاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ عَنْهَا وَتَرَكَهَا

"مجھ کو دنیا سے کیا واسطہ، میری مثال اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح ہے جو گرم دن میں سفر کرتا ہے پھر وہ کسی درخت کے سایہ میں کچھ دیر ٹھہر کر آرام کرتا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر اپنا راستہ لیتا ہے۔"

لہٰذا دنیا ٹھہرنے اور آرام کرنے کا گھر نہیں ہے بلکہ وہ درحقیقت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کیلئے صرف ایک پل ہے۔

پس عارف باللہ کو غیر اللہ کے ساتھ قرار نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کی کامل ہمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ مصنف نے فرمایا۔

بَلْ أَنْهَضَ الْهِمَّةَ فِيْهَا إِلَى اللّٰهِ وَسَارَ فِيْهَا مُسْتَعِيْنًا بِهِ فِي الْقُدُوْمِ عَلَيْهِ

"بلکہ اس نے اس دنیا میں اپنی ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے کیلئے مضبوط کیا اور اس نے اس تک پہنچنے کیلئے اسی سے مدد طلب کرتے ہوئے سیر کی"۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والا اس عالم سے عالم ملکوت میں داخل ہونے کا ارادہ کرنے کا اپنی ہمت کو مضبوطی سے قائم رکھتا ہے۔

اور ہمت کا مضبوطی سے قائم کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے اور اس کے قہر کے سامنے سرنگوں رہنے اور سچے فقر میں اس سے مدد طلب کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور مصنف کے اس قول کا یہی معنی ہے:- اور اس نے اس تک پہنچنے کیلئے اسی سے مدد طلب

کرتے ہوئے میری۔

اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنا: اس کی معرفت اور اس کے علم کی تحقیق تک پہنچنا ہے اور یہ صرف اس وقت تک صحیح ہوتا ہے جب اپنے اختیار و قوت سے بری ہو جائے۔ کیونکہ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اس کی محنت اور کوشش اس کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے گی۔ اس نے جہالت کی اور جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر درست ہو گیا وہ منزل تک پہنچ گیا۔

پھر مصنف نے اس کا راز بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَمَا زَالَتْ مَطِيَّةُ عَزْمِهِ لَا يَقِرُّ قَرَارُهَا

"لہذا اس کے عزم (ارادہ) کی سواری کو کبھی قرار نہیں ہوتا ہے"

میں کہتا ہوں: مطیہ: سواری کو کہتے ہیں۔ یہاں مضبوط ارادہ کیلئے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ہمیشہ اس کا ارادہ مضبوط رہتا اور اس کی روح شائق رہتی ہے۔ اس کو کبھی قرار و سکون نہیں ہوتا یعنی اس کو اپنے مولا کے حقیقی تک پہنچے بغیر کسی جگہ سکون نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ شوق اس کو بیقرار رکھتا ہے اور وصول کے فوت ہو جانے کا خوف اس کو تھرتھراتا رہتا ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ سیر کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا:

دَائِمًا تَسْيَارُهَا

"اس کی سیر ہمیشہ جاری رہتی ہے"

میں کہتا ہوں۔ اس کی سیر اس کے مانعات کی کمی کی وجہ سے ہمیشہ جاری رہتی ہے اس لیے کہ جب اس نے دنیا سے کنارہ کشی کر لی تو اس کے مانعات کم ہو گئے کیونکہ دنیا ہی مانعات کا جال اور تعلقات کی جڑ ہے۔ لہذا جس شخص نے اپنے قلب سے دنیا کی رگوں کو کاٹ دیا اس سے دنیا کے تعلقات ختم ہو گئے۔

جیسا کہ شیطان جو دنیا کا باپ ہے تو جب اس نے اس کی لڑکی دنیا کو طلاق دے دیا تو شیطان نے اس کو چھوڑ دیا۔

اور جیسا کہ نفس، چونکہ اس کی اصل اور روح دنیا ہے۔ لہذا جب دنیا ختم ہو گئی تو وہ بھی مر گیا۔

اور جیسے کہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں لہٰذا جب اس نے ان کے مردار کو ان کیلئے چھوڑ دیا تو ان سے محفوظ ہو گیا۔

لہٰذا اس کی سیر اس وقت تک جاری رہتی ہے کہ وہ اپنے اصلی وطن میں پہنچ جائے اور اس کا اصلی وطن بارگاہ الٰہی ہے۔

جیسے کہ مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے۔

إِلَى أَنْ أَنَاخَ بِحَضْرَةِ الْقُدْسِ وَبِسَاطِ الْأُنْسِ

"یہاں تک کہ وہ بارگاہ قدس میں انسیت کے فرش پر بیٹھ جاتا ہے"

میں کہتا ہوں: اناخ کے معنی اترنا اور بوجھ اتار دینا ہیں۔

لہٰذا جب وہ ان احوال کے مشاہدے تک پہنچ جاتا ہے اور اس کیلئے دروازہ کھل جاتا ہے تو اس پر جو کچھ بوجھ ہے اس کو اتار دیتا ہے اور بارگاہ الٰہی کی انسیت کے فرش پر بیٹھ جاتا ہے۔

اور یہی بارگاہ قدس ہے جس کو بارگاہ عزت کہتے ہیں جو بندے سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے مولائے حقیقی کو ہر ایسے وصف سے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے پاک اور مقدس یقین کرے۔ یہاں تک کہ وہ یہ پہچان لے کہ حق تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو پہچانا جا سکے اور اس کی شان اس سے بہت اعلیٰ ہے کہ اس کی تعریف کی جا سکے۔ پھر وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے کہے۔

لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ

"میں تیری تعریف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوں"

پھر وہ تعظیم میں ڈوب جاتا ہے اور تقدیس میں مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔ تو اس کی تقدیس کا عکس اس پر اس طرح پڑتا ہے کہ اس کا مولائے حقیقی اس کی حفاظت کرتا ہے۔ لہٰذا وہ کوئی نافرمانی نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے اللہ تعالیٰ کے پاک بنانے کی وجہ سے وہ مقدس ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس نے اپنے مولائے حقیقی کے مقدس ہونے کو یقین کیا اس لیے اس کے مولائے حقیقی نے اس کو مقدس بنا دیا ہے۔ تو جو شخص اس پر قائم رہتا ہے جو اس کے وصف کے لائق ہوتا ہے اور اسی تقدیس کی

میں وہ پہنچنے والے نے حق کے ساتھ ہر شئی کو قبول کیا ہے پھر وہ اس کے ماسوا کو ترک کر کے اس
کے حسن و جمال اور اس سے محبت میں تعظیم کے ظاہر ہونے تک ترقی پاتے ہیں تو کمال کرنے میں داخل
ہونے کے مرتبے پر اس سے مانوس ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا کہ حضرت شیخ زروق نے
فرمایا ہے۔

ولایت کا قرب، محبت کے قرب اور قریب کی مراتب سے ترقی کا مقام ہے۔ یہاں تک
کہ وہ ہر شئی سے غائب ہو جائے اور ہر شئی میں اس سے مانوس ہو جائے۔

پھر مصنف نے بارگاہ الٰہی کے اسرار بیان فرمائے اور وہ یہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

فِي مَحَلِّ الْمُفَاتَحَةِ، وَالْمُوَاجَهَةِ، وَالْمُجَالَسَةِ، وَالْمُحَادَثَةِ، وَالْمُشَاهَدَةِ،
وَالْمُطَالَعَةِ

"مفاتحہ اور مواجہہ اور مجالسہ اور محادثہ اور مشاہدہ اور مطالعہ کے مقام میں"

میں کہتا ہوں۔ مفاتحہ: غیوب کے علوم کا کھلنا ہے۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کر کے
کشادگی چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اور اپنے درمیان سے حجاب دور کر کے تم کو کشادگی عطا فرماتا ہے۔ تم ان
سے ذوقی طلب کر کے کشادگی چاہتے ہو اور وہ تم کو مسلسل فائدہ پہنچا کر کشادگی عطا فرماتا ہے۔ تم اس
سے مقامات میں ترقی کی کشادگی چاہتے ہو اور وہ تمہارے سامنے علوم و مکاشفات کے اسرار منکشف
فرماتا ہے۔

اور مواجہہ: ملکوت کے انوار اور جبروت کے اسرار کا سامنے ہونا ہے۔

یعنی تم انوار توجہ کے ساتھ اس کے سامنے ہوتے ہو اور وہ انوار مواجہت کے ساتھ تمہارے
سامنے ہوتا ہے۔ پھر حجاب کا دور ہونا اور دروازے کا کھلنا ہے۔ تم عبادت کے ساتھ اس کے سامنے
ہوتے ہو اور وہ محبت کے ساتھ تمہارے سامنے ہوتا ہے۔ تم اس کی طرف بڑھنے کے ساتھ اس کے
سامنے ہوتے ہو اور وہ وصال کے ساتھ تمہارے سامنے ہوتا ہے۔ تم ملکوت کے انوار طلب کرنے کی
طلب کے ساتھ اس کے سامنے ہوتے ہو اور وہ جبروت کے اسرار ظاہر کرنے کے ساتھ تمہارے
سامنے ہوتا ہے۔

اور مجالسہ:- ادب اور ہیبت کے ساتھ بیٹھنا ہے۔ پس تم ادب اور حیاء کے ساتھ اس کے ساتھ بیٹھتے ہو اور وہ قریب کرنے اور منتخب کرنے کے ساتھ تمہارے ساتھ بیٹھتا ہے۔ تم اس کے مراقبے کے ساتھ اس کے ساتھ بیٹھتے ہو اور وہ اپنی حفاظت اور نگرانی کے ساتھ تمہارے ساتھ بیٹھتا ہے۔ تم اس کے ذکر کے ساتھ اس کے ساتھ بیٹھتے ہو اور وہ اپنے احسان کے ساتھ تمہارے ساتھ بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:-

أَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ

"میں اس شخص کا ہم نشین ہوں، جو میرا ذکر کرتا ہے"

اور محادثہ:- وہ قلب کا کلام ہے، اور وہ فکر کرنا، اور جبروت کی عظمت میں چکر لگانا ہے۔ پس تم اپنے سر میں اس کی مناجات اور سوال کے ساتھ اس سے کلام کرتے ہو اور وہ اپنے احسان اور بخشش زیادہ کرنے کے ساتھ تم سے کلام کرتا ہے۔ تم اپنے سر اور روح میں اس کے دائمی حضور کے ساتھ اس سے کلام کرتے ہو اور وہ تمہارے قلب میں علوم و اسرار اور حکمتوں کے القا کے ساتھ تم سے کلام کرتا ہے۔ تم عالم شہادت میں اس سے کلام کرتے ہو اور وہ عالم غیب میں تم سے کلام کرتا ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ، کہ وہاں عالم غیب ہی ہے جو عالم شہادت میں ظاہر ہوا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے اسی مفہوم میں فرمایا ہے:- چالیس سال سے میں اللہ تعالیٰ سے بات کرتا ہوں حالانکہ لوگ یہ دیکھتے ہیں، کہ میں مخلوق سے بات کرتا ہوں اور حضرت رابعہ عدویہؒ نے فرمایا ہے:-

وَلَقَدْ جَعَلْتُكَ فِي الْفُؤَادِ مُحَدِّثِيْ   وَأَبَحْتُ جِسْمِيْ مَنْ أَرَادَ جُلُوْسِيْ

"اور میں نے اپنے قلب میں تجھ کو اپنا ہم کلام بنایا ہے اور میں نے اپنے جسم کو اس شخص کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دی ہے جو میرے ساتھ بیٹھنا چاہتا ہے"

فَالْجِسْمُ مِنِّيْ لِلْجَلِيْسِ مُؤَانِسٌ   وَحَبِيْبُ قَلْبِيْ فِي الْفُؤَادِ أَنِيْسِيْ

"لہٰذا میرا جسم ہم نشین سے مانوس ہے اور میرے قلب کا دوست میرے قلب میں مجھ سے مانوس ہے"

عبدیت کے آشیانے میں، اور باطن میں شہود کے آشیانے میں وہ پناہ لیتی ہیں۔ ہذا وہ بارگاہ جو عارفین کے قلوب کا آشیانہ ہے وہی ذات اقدس کی بارگاہ قدس ہے جس میں وہ پناہ لیتے اور آرام کرتے ہیں۔ یعنی ملکوت کی فضا اور جبروت کے اسرار کی طرف اڑنے کے بعد جب وہ لوٹتے ہیں تو اسی میں آرام کرتے ہیں پھر اس میں سے کبھی نہیں نکلتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ

"اس میں ان کو کوئی مشقت اور نقصان نہ پہنچے گی اور نہ وہ اس میں سے نکالے جائیں گے"

اور بارگاہ قدس کا مقام :۔ اعلیٰ علیین ہے اور وہ عارفین کے قلوب کا عرش ہے

فَإِنْ نَزَلُوْا إِلَى سَمَاءِ الْحُقُوقِ أَوْ أَرْضِ الْحُظُوظِ ، فَبِالْإِذْنِ وَالتَّمْكِينِ ، وَالرُّسُوخِ فِي الْيَقِينِ

"پھر اگر وہ بارگاہ قدس سے حقوق کے آسمان یا فوائد کی زمین کی طرف نزول کرتے (اترتے) ہیں تو اللہ تعالیٰ کی اجازت اور تمکین ، اور یقین میں مضبوطی کے ساتھ نزول کرتے ہیں"

حضرت شیخ زروق ؒ نے فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ کی توحید عرش ہے اور شریعت مطہرہ اس عرش کی کرسی ہے اور اس میں فضیلت والے حقوق اس کے آسمان ہیں اور نفسانی فوائد اس کی زمین ہے۔

لہٰذا جس حقیقت کے ساتھ شریعت نہ ہو اس حقیقت والے کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جس شریعت کی مدد حقیقت نہ کرے اس شریعت والے کیلئے کوئی کمال نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں :۔ نزول :۔ یہاں مجاز ہے گویا کہ آزادی ، عرش ہے اور بندگی آسمان یا زمین ہے۔

یا تم اس طرح کہو: حقیقت :۔ عرش ہے اور شریعت زمین ہے تو جب تک روح وحدت کے سمندر میں ہے گویا کہ وہ عرش الہیٰ پر ہے اور جب وہ عبودیت کی طرف نزول کرتی ہے اس وقت وہ گویا کہ آسمان یا زمین کی طرف نزول کرتی ہے۔

اور مصنف ؒ کے کلام اور ان شارحین کے کلام کو جنہوں نے مصنف ؒ کی پیروی کی ہے۔

ظاہری مفہوم یہ ہے کہ حقوق کے آسمان یا فوائد کی زمین کی طرف نزول کرتا : بارگاہ الٰہی سے نکل جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ جس شخص کا عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اور جس کے کل تصرفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں اس کیلئے بارگاہ الٰہی سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے اس کے حق میں نزول صرف جسم کے ساتھ ہے نہ کہ قلب کے ساتھ کیونکہ قلب اپنے آشیانے سے اس میں ٹھہر جانے کے بعد کبھی نہیں نکلتا ہے۔

لہٰذا جو شخص اس مقام میں پہنچ جاتا ہے اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے۔ لہٰذا شریعت کی طرف اس کا نزول کرنا بارگاہ الٰہی سے خاص کر اس نماز سے اس کا نکلنا نہیں ہوتا ہے جو اخلاص اور صفائی کی کان ہے کیونکہ نماز میں اسرار کے میدان کشادہ ہوتے ہیں اور اس میں انوار الٰہی کی روشنیاں چمکتی ہیں۔

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں نزول کو جسم کے ساتھ نزول پر محمول کیا جائے قلب کے ساتھ نزول نہ سمجھا جائے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور اس مفہوم پر مصنف کا یہ قول دلیل ہے جس کی تشریح عنقریب آئے گی:۔

(بلکہ وہ اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ داخل ہوئے)

حضرت شعرانیؒ نے اپنے بعض جوابات میں فرمایا ہے:۔ میں نے اپنے شیخ سیدی علی خواص سے دریافت کیا: بندے کیلئے نماز کی حالت میں دو حالتوں میں سے کون سی حالت افضل ہے؟ یا یہ حالت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے؟ یا یہ حالت کہ گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے؟ انہوں نے مجھکو یہ جواب دیا: بندے کی یہ حالت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اس کی اس حالت سے افضل ہے کہ گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے پھر اس کی وجہ بہت تفصیل سے بیان فرمائی۔

میں کہتا ہوں۔ میں اس کلام پر اعتراض کیا تھا اور اس کو لکھا تھا اس کا مضمون یہ ہے:۔

عارفین باللہ اس پر متفق ہیں کہ عمل باللہ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ عمل) عمل اللہ (اللہ تعالیٰ کیلئے عمل) سے افضل ہے۔ کیونکہ باللہ مشاہدہ ہے اور عمل للہ مراقبہ ہے۔ اور مشاہدے کا مقام مراقبے کے مقام

سے افضل و اعلیٰ ہے۔ لہٰذا مشاہدہ کے ساتھ نماز مراقبہ کے ساتھ نماز سے افضل ہے۔ اور جس کو حضرت علی خواص نے لازم قرار دیا ہے، وہ غیر لازم ہے۔ پھر میں نے اپنا اعتراض اپنے شیخ الشیوخ حضرت مولائے عربی کے سامنے پیش کیا تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے اور حضرت علی خواص پر میرے اعتراض کو پسند فرمایا اور یہ خواص سے کچھ عجیب و غریب نہیں ہے۔

اور حضرت شعرانی نے تسہیل میں فرمایا ہے:۔ جبکہ علوم و معارف الٰہی اور خصوصی بخششیں ہیں۔ تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ بہت سے متاخرین کیلئے علوم و معارف کے وہ ذخیرے جمع ہو جائیں، جو بہت سے متقدمین کیلئے دشوار ہو گئے تھے۔

لہٰذا حقوق کے آسمان یا فوائد کی زمین کی طرف ان کا نزول صرف اجازت اور تمکین سے ہوتا ہے۔

لیکن حقوق کی طرف ان کے نزول میں اجازت شریعت کی اجازت سے متعلق ہے۔ کیونکہ شریعت کے کل حقوق متعین اور مسلم ہیں اور مقررہ وقت کے ساتھ مقید ہیں اور اس میں تمکین اس حیثیت سے ہے کہ اس کو کوئی شرعی یا طبعی رکاوٹ نہ لاحق ہو جو نزول سے روک دے۔

لیکن فوائد کی زمین کی طرف ان کے نزول میں اجازت الہام اور اعلام (خبر دینا) سے متعلق ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس معاملے میں آہستہ روی اختیار کرے۔ یہاں تک کہ وہ قبولیت یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے۔

شیخ المشائخ حضرت عبداللہ ورجیلی اپنی سیاحت کی حالت میں کچھ نہیں کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ کہا جاتا تھا:۔ میرا حق ادا کرنے کیلئے تم کچھ کھا لو۔

میں کہتا ہوں:۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سمجھ رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف نہیں کرتا ہے۔ اور کبیر کے فقیہ سخت دل فقہاء میں سے بعض وہ فقیہ جس کے قلب پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے وہ اس سے انکار کرتا ہے کہ عارفین اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تصرف کرتے ہیں۔ لیکن وہ کمزوری کے شہر میں رہنے کی وجہ سے معذور ہے اس لیے کہ جو شخص کسی شے کو نہیں جانتا ہے، وہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔

اور تمکین سے مراد :- اللہ تعالیٰ کی منع سمجھ رکھی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں کوئی شک وشبہ نہ باقی رہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے اس حیثیت سے کہ اس کیلئے کوئی شرعی یا عقلی رکاوٹ نہ دیکھے۔

اور ایسے ہی یقین میں رسوخ (مضبوطی):- کسی فعل کے ارادے کے حال میں معرفت میں ثابت ہوتا ہے۔

میں اس کے سمجھانے کیلئے ایک مثال بیان کرتا ہوں:- ایک شخص اپنے لڑکے کو اٹھا کر لے گیا اور اس کو کسی باغ یا گھر میں اتار دیا۔ پھر اس کو وہیں چھوڑ کر چلا آیا۔ پھر کچھ لوگ آئے اور اس سے اس جگہ اترنے کیلئے اس کے باپ کی اجازت کے بارے میں مخالفت کرنے لگے اور اس سے کہنے لگے کہ تم اس جگہ بغیر اجازت کے اترے ہو تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ اس جگہ باپ کی اجازت سے اترا ہے۔ تو وہ اپنی قسم میں سچا ہوگا کیونکہ جب اس کے باپ نے اس کو اس جگہ اتارا تو یہی اس کے باپ کی صریح اجازت ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی زبان سے اجازت کا لفظ نہ کہا ہو اور کسی جاہل یا مغرور کے سوا کوئی اس سے انکار نہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام معاملات میں ہم کو اپنی سمجھ عطا کر کے ہمارے اوپر احسان فرمائے۔ آمین۔

پھر مصنف نے اپنے قول " اذن اور تمکین کے ساتھ " کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فَلَمْ يَنْزِلُوْا إِلَى الْحُقُوْقِ بِسُوْءِ الْأَدَبِ وَالْغَفْلَةِ ، وَلَا إِلَى الْحُظُوْظِ بِالشَّهْوَةِ وَالْمُتْعَةِ

" پس وہ حقوق کی طرف بے ادبی اور غفلت کے ساتھ نہیں اترے۔ اور نہ فوائد کی طرف خواہش اور نفس کے فائدے کیلئے اترے "

میں کہتا ہوں۔ بے ادبی کے ساتھ نزول:- یہ ہے کہ ان کا نزول بدلہ حاصل کرنے کیلئے ہو۔ غفلت کے ساتھ نزول:- غفلت کی حالت میں نفس کا دیکھنا ہے۔ اور نفس کا دیکھنا عارفین کے نزدیک گناہ ہے۔ جس سے وہ استغفار کرتے ہیں۔ لہذا نماز کے بعد ان کا استغفار ان کے عمل میں ان کے نفس کے حاضر ہونے سے ہوتا ہے اور لیکن

وَجُوْدُكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهِ ذَنْبٌ

"تمہارا وجود ایسا گناہ ہے جس کی طرح کسی دوسرے گناہ کا خیال نہیں کیا جا سکتا ہے"

حاصل یہ ہے۔ اہل بارگاہ قدس کا نزول اور ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے وہ اپنی ذات کیلئے کوئی اختیار اور قوت نہیں دیکھتے ہیں۔ اور نہ وہ اپنے رب سے کوئی جزا اور بدلہ چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ دوسرے کے عمل پر جزا اور بدلہ چاہنا محال ہے۔ اور یہ حقوق کے آسمان کی طرف ان کے نزول کی حالت میں ہوتا ہے۔ لیکن فوائد کی زمین کی طرف ان کا نزول۔ تو وہ صرف عبودیت کے حقوق کے ادا کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ لہذا ان کا نزول نفس کی خواہش اور فائدہ کیلئے نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے نفوس فنا ہو چکے اور مر چکے ہیں اور ان کے فوائد حقوق بن گئے ہیں۔

اسی حقیقت کی بنا پر سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا:۔ میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان سے مباشرت کرتا ہوں حالانکہ مجھکو اس کی خواہش نہیں ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ اے امیر المومنین! پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں ایسا اس امید پر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری پشت سے کوئی اولاد پیدا کرے جس سے حضرت محمد ﷺ اپنی امت کی تعداد بڑھائیں۔

اور سیدنا حضرت عمر بن عبد العزیز ؓ نے فرمایا ہے:۔ جب حق خواہش کی موافقت کرتا ہے تو وہ شہد ملے ہوئے مکھن کی طرح ہو جاتا ہے۔ یعنی جس خواہش کے ساتھ صالح نیت شامل ہوتی ہے تو وہ خواہش شہد ملے ہوئے مکھن کی طرح ہو جاتی ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَابِعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس شریعت کی تابع نہ ہو جائے، جو میں لے کر آیا ہوں"

لہذا حاصل یہ ہوا نزول کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کل فوائد سے فنا ہو جائے اور صرف اللہ واحد احد باقی رہ جائے۔

جیسا کہ مصنف ؒ نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

بَلْ دَخَلُوْا فِیْ ذٰلِكَ بِاللّٰهِ وَلِلّٰهِ وَمِنَ اللّٰهِ وَاِلَى اللّٰهِ

"بلکہ وہ لوگ اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف داخل ہوئے"

میں کہتا ہوں:- بل:- اضراب (منہ پھیر لینے) کے مفہوم کیلئے ہے اس سے جو پہلے بیان کیا گیا ہے یعنی حقوق میں بے ادبی اور غفلت کے ساتھ داخل ہونے، یا فوائد کی زمین میں خواہش اور ذائقے کے ساتھ نزول کرنے سے۔

اور حقوق یا حظوظ میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لیے داخل ہوئے کہ ان کے نفوس کی فنا ثابت ہو چکی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کیلئے اس لیے داخل ہوئے کہ ان کا اخلاص ثابت ہو چکا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے داخل ہوئے کہ وہ ہر فعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے داخل ہوئے کہ وہ یقین کر چکے ہیں کہ کل امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ

"اور تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں لہٰذا آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھیے"

لہٰذا بندوں کے کل معاملات اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں اور اسی کی طرف سے صادر ہوتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

پھر مصنفؒ نے اس پر آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اشیاء میں داخل ہونا اور ان سے خارج ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ . لِیَكُوْنَ نَظَرِیْ اِلٰى حَوْلِكَ وَ قُوَّتِكَ اِذَا اَدْخَلْتَنِیْ وَانْقِیَادِیْ اِلَیْكَ اِذَا اَخْرَجْتَنِیْ . وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا یَّنْصُرُنِیْ وَلَا یَنْصُرُ عَلَیَّ . یَنْصُرُنِیْ عَلٰى شُهُوْدِ نَفْسِیْ وَیُغْنِیْنِیْ عَنْ دَائِرَةِ حِسِّیْ

"آپ کہیے۔ اے میرے رب! تو مجھ کو داخل کر سچائی کا داخل کرنا اور تو مجھ کو نکال سچائی کا نکالنا۔ یا اس لیے کہ میری نظر اس وقت تیرے اختیار اور قوت کی طرف ہو، جب تو مجھ کو داخل کرے اور میری اطاعت تیرے لیے ہو جب تو مجھ کو اس سے نکالے اور تو میرے لیے اپنے پاس سے ایک ایسی مدد کرنے والی طاقت عطا فرما۔ جو میری مدد کرے اور میرے مقابلے میں دوسرے کی مدد نہ کرے۔ اپنے نفس کے شہود کے مقابلے میں وہ میری مدد کرے اور مجھ کو میرے ظاہر کے دشمن سے غالب کر دے۔"

میں کہتا ہوں:۔ اس آیت کریمہ کی ایک ظاہری تفسیر ہے اور ایک باطنی تفسیر ہے یعنی اہل اشارہ کے حصہ میں ہے۔

اہل ظاہر کی تفسیر یہ ہے:۔ مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ فتح مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا۔ آپ فتح مکہ ہونے کی حالت میں مکہ معظمہ میں داخل ہونے کے وقت یہ دعا کیجئے:۔

اے میرے رب! تو مجھ کو مکہ معظمہ میں داخل کر سچائی کا داخل کرنا اس طریقے پر میرا داخل ہونا تیرے ساتھ ہو اور میرا بھروسہ تیرے اوپر ہو اس حال میں کہ میں تیرے اختیار اور تیری قوت سے تیرے دین کی مدد کرنے والا ہوؤں۔

اور یہ حضرت نبی کریم ﷺ کی ان بعض دعاؤں کے قول کی طرح ہے کہ جب آپ سفر سے تشریف لاتے تھے تو فرمایا کرتے تھے:۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اپنے لشکر کو غالب کیا اور فوجوں کو تنہا شکست دے دی۔"

اور تو مجھ کو مکہ معظمہ سے نکال سچائی کا نکالنا اس حال میں کہ میں تیرے دشمن سے جہاد کیلئے ہجرت کرنے والا ہوؤں اس طریقے پر کہ میں تیرے ساتھ فتح یاب ہوؤں۔ اور تیری حفاظت اور نگرانی کے ساتھ میں محفوظ رہوں اور تو میرے لیے اپنے پاس سے ایک ایسی طاقت عطا فرما جو ہر باطل کا سر

توڑ دے اور ایسا مددگار ہو جو میرے دشمن کے مقابلہ میں میری مدد کرے۔

اور اہل باطن کی تفسیر:- وہ ہے کہ جس کی طرف مصنفؒ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے اشارہ فرمایا ہے، کہ کل اشیاء میں عارفین کا داخل ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ان میں سے نکلنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:- اے عارف! تم اس طرح دعا کرو۔

اے میرے رب! تو مجھکو اشیاء میں خواہ وہ حقوق ہوں یا حظوظ (فوائد) داخل کر، سچائی کا داخل کرنا اس طریقے پر کہ یہ داخل کرنا تیرے ساتھ ہو اس حال میں کہ اس داخل کرنے میں تیری اختیار اور قوت پر میں بھروسہ کرنے والا رہوں اور اپنے اختیار اور قوت اور اپنے نفس کے شہود سے میں بری رہوں۔

اور مجھکو اشیاء سے نکال، سچائی کا نکالنا اس طریقے پر کہ مجھکو اس نکالنے میں تیری خاص اجازت سے اجازت حاصل ہوئی ہو۔ اس حال میں کہ تیرے خوف اور اخلاص کا سر میرے ساتھ ہو۔

اور مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے:- تا کہ میری نظر اس وقت تیرے اختیار اور قوت کی طرف ہو جب تو مجھکو اشیاء میں داخل کرے اور میری اطاعت تیرے لیے ہو جب تو مجھکو ان سے نکالے، اور تو میرے لیے اپنے پاس سے یعنی اپنے امور کے پوشیدہ خزانے سے بلا واسطہ اور بغیر سبب کے غالب طاقت عطا فرما۔

اور وہ غالب طاقت:- وہی طاقتور وارد ہے، جو بارگاہ قہار سے آتا ہے اور جو شے اس کے مقابلے میں آتی ہے وہ اس کو توڑ کر پاش پاش کر دیتا ہے پس وہ حق کو قائم کر دیتا اور باطل کو مٹا دیتا ہے۔

اور وہ طاقت ایسی ہو جو میری مدد کرے اور میرے مقابلے میں دوسرے کی مدد نہ کرے یعنی وہ ظاہر اور ماسوی سے غائب ہونے میں میری مدد کرے۔ یہاں تک کہ میں ان کے مولائے حقیقی کے شہود میں ان دونوں سے گم ہو جاؤں اور وہ میرے مقابلے میں وہم اور حس اور غیر کے شہود کی مدد نہ کرے۔

ہجرت تو قیامت کے دن تک باقی رہے گی یعنی ظاہری اور باطنی ہجرت۔

پھر جس شہر یا ملک میں اپنے دین کا مددگار نہ پائے یا جس مقام میں اپنے قلب کو حاضر نہ پائے وہاں سے ہجرت واجب ہے۔ اور جو خواہش اس کو اس کے رب سے جدا کرے اس خواہش سے ہجرت واجب ہے۔ و باللہ التوفیق۔

یہاں پہلا مکتوب ختم ہوا جو مصنف نے اپنے بعض اصحاب کے پاس روانہ فرمایا۔

اور اس مکتوب کا حاصل شروع سے آخر تک سلوک کا بیان ہے۔ اہل عقل کیلئے اس مکتوب کا مطالعہ پوری کتاب کے مطالعہ سے کافی ہے۔

دوسرا مراسلہ

شریعت کی حرمت کی حفاظت کے ساتھ حقیقت کے سمندر تک پہنچنے کے بیان میں

یہ دوسرا مکتوب بھی مصنف نے اپنے بعض اصحاب کو لکھا

چنانچہ حضرت مصنف نے جو کچھ اپنے بعض اصحاب کو لکھا اس کو بیان فرمایا۔

میں کہتا ہوں۔ پہلا مکتوب سلوک اور اس کی ابتدا اور انتہا کے بیان میں ہے۔ اور یہ دوسرا مکتوب شریعت کی حرمت کی حفاظت کے ساتھ حقیقت کے سمندر تک پہنچنے کے بیان میں ہے۔

اور اس کی دو طرفیں اور ایک وسط یعنی درمیان ہے۔ کچھ لوگوں نے تفریط کی یعنی حد سے پیچھے رہ گئے اور کچھ لوگوں نے افراط کیا یعنی حد سے آگے بڑھ گئے۔ اور کچھ لوگوں نے اعتدال اور میانہ روی اختیار کیا۔

مصنف نے تقسیم کو مکمل کرنے کیلئے تینوں قسموں کو بیان فرمایا۔ چنانچہ تقسیم کی اصل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

إِنْ كَانَتْ عَيْنُ الْقَلْبِ تَنْظُرُ أَنَّ اللّٰهَ وَاحِدٌ فِي مِنَّتِهِ ، فَالشَّرِيعَةُ تَقْتَضِي أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ شُكْرِ خَلِيقَتِهِ

"اگر قلب کی آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احسان میں واحد اور لاشریک ہے، تو شریعت اس سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اس کی مخلوق کا شکر ادا کرنا ضروری سمجھے"

میں کہتا ہوں۔ قلب کی آنکھ۔ بصیرت ہے۔ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ صرف حقیقتوں کو دیکھتی ہے۔ محسوسات کو نہیں دیکھتی ہے۔ جیسا کہ بصر (ظاہری آنکھ) صرف محسوسات کو دیکھتی ہے۔ حقیقتوں کو نہیں دیکھتی ہے۔ اور بصیرت اور بصر دونوں میں سے جو غالب ہوتی ہے، اسی کا حکم چلتا ہے۔

لہذا جس شخص کی بصر اس کی بصیرت پر غالب ہوتی ہے وہ صرف محسوسات کو دیکھتا ہے اور وہ غافل ہے۔

اور جس شخص کی بصیرت اس کے بصر پر غالب ہوتی ہے وہ صرف حقائق کو دیکھتا ہے اور حقائق ۔ توحید کی تحقیق ۔ اور تفرید کے اسرار ہیں ۔ لہذا بصیرت صرف اللہ تعالیٰ کا نور دیکھتی ہے۔ مخلوق کی ظلمت نہیں دیکھتی ہے۔ لیکن ظلمت کا ثابت کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے متعلق مصنف کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے:۔

(مخلوقات اللہ تعالیٰ کے ثابت کرنے کے ساتھ ثابت ہیں اور اس کی احدیت کے ساتھ نیست و نابود ہیں)

لہذا ظلمت کے ساتھ قائم ہونے کی بناء پر اسے ثابت کرنا اور احدیت کے ساتھ قائم ہونے کی بناء پر اس کی نفی کرنا ضروری ہے۔

لہذا مرتضیٰ کی آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احسان میں واحد ہے بلکہ اپنی تمام تصرفات میں واحد ہے تو شریعت اور ظلمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مخلوق کا شکر ادا کرنا اس کیلئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ

"تم میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرو"

لہذا جب اللہ تعالیٰ کسی وسیلے سے تم کو کوئی نعمت عطا فرمائے خواہ وہ دینی نعمت ہو یا دنیاوی تو اس میں تمہارے اوپر دو وظیفے واجب ہوتے ہیں۔ ایک وظیفہ قلبی ہے:۔ اور وہ یہ ہے کہ تم یہ اعتقاد رکھو کہ وہ نعمت تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ ملی ہے۔ اور یہ کہ اس کا ماسوا اس کے پہنچانے پر مجبور ہے۔

دوسرا وظیفہ زبانی ہے:۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اس وسیلہ کیلئے دعا کرو اور شریعت پر عمل کرنے کیلئے تم اس کا شکر ادا کرو۔

حضرت نعمان بن بشیر نے حضرت محمد ﷺ سے روایت فرمائی ہے:۔

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ الْقَلِيلَ لَمْ يَشْكُرِ الْكَثِيرَ ، وَمَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ

"جس شخص نے تھوڑی نعمت کا شکر نہیں ادا کیا، اس نے زیادہ نعمت کا شکر نہیں ادا کیا اور جس نے انسان کا شکر نہیں ادا کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں ادا کیا"

اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم "شکور" ہے۔ لہٰذا بندے کو اللہ تعالیٰ کے وصف سے متصف ہونا چاہیے۔

اور واسطے کے اقرار کی تین حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت یہ ہے کہ واسطہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہدیوں کو تمہاری طرف پہنچاتا ہے، لہٰذا قاصدوں کو بزرگی حاصل ہوتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ واسطہ ظرف ہے (برتن) جس میں تمہاری طرف فوائد پہنچتے ہیں۔ لہٰذا حکمت یہ ہے کہ فوائد کے برتن یعنی واسطہ کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ واسطہ کے شکر سے احسان کا وہم دور ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تم کو اس شخص کی طرف مائل کرتا ہے جس نے تمہارے اوپر احسان کیا ہے لیکن جب تم نے زبان سے شکر ادا کر کے اس کا بدلہ چکا دیا تو تم اس کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔

پھر مصنف نے حقوق کے اقرار سے لوگوں کو دو طرف اور وسط میں تقسیم کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی مفرط (حد سے پیچھے رہنے والے) اور مفرط (حد سے آگے بڑھنے والے) اور متوسط (اعتدال اختیار کرنے والے) چنانچہ فرمایا:

وَالنَّاسُ فِي ذٰلِكَ عَلٰى أَقْسَامٍ ثَلَاثَةٍ

"اور اس معاملے میں لوگ تین قسم کے ہیں"

پہلی قسم: ظاہر کے ساتھ ٹھہرنے والے اسباب پر نظر رکھنے والے ہیں۔

دوسری قسم: ظاہر اور اسباب سے غائب ہونے والے لوگ ہیں۔

تیسری قسم: دونوں کے درمیان جمع کرنے والے ہیں۔

یا تم اس طرح کہو۔ عام یا محب یا خاص الخاص۔

پھر مصنف نے پہلی قسم کی طرف اشارہ فرمایا:-

غَافِلٌ مُنْهَمِكٌ فِي غَفْلَتِهِ

"غافل جو اپنی غفلت میں منہمک (انتہائی کوشش کرنے والا) ہے"

یعنی اپنی غفلت میں مست، اور اپنی نیند میں ڈوبا ہوا ہے۔ غفلت کی وجہ سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کی پرواہ نہیں کرتا اور اپنی غفلت کی نیند سے بیدار نہیں ہوتا ہے۔

پھر مصنف نے اس کی غفلت کی بنیاد بیان فرمائی:

قَوِيَتْ دَائِرَةُ حِسِّهِ

"اس کے ظاہر کا دائرہ طاقتور ہو گیا ہے"

یعنی اس کے گھیرنے والے ظاہر کی کثافت مضبوط ہو گئی۔ لہٰذا اس کا حجاب کثیف ہو گیا اور اس کی جہالت بڑھ گئی تو اس کی غفلت اور زیادہ ہو گئی۔ اور اگر اس کے ظاہر کا دائرہ فنا ہو جاتا تو اس کی روح عالم ملکوت و جبروت کے قریب ہو جاتی۔ پھر وہ صرف جمع کو دیکھتی یا عین فرق میں جمع کو، اور عین جمع میں فرق کو دیکھتی۔ لیکن چونکہ اس کے ظاہر کا دائرہ مضبوط ہو گیا۔ اس لیے اس کی بصیرت کی روشنی بجھ گئی۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا:-

وَانْطَمَسَتْ حَضْرَةُ قُدْسِهِ

"اس کی بارگاہ قدس غائب ہو گئی"

یعنی اس سے وہ بارگاہ قدس جو ملکوتی حقیقتوں کا دیکھنا ہے اس کی بصیرت کے اندھی ہونے کی وجہ سے غائب ہو گئی۔ کیونکہ ان حقیقتوں کو صرف بصیرت ہی محسوس کر تی ہے۔ لہٰذا جب اس کی بصیرت اس کے ظاہر کی کثافت مضبوط ہونے کی وجہ سے اندھی ہو گئی تو اس سے بارگاہ قدس کا نور غائب ہو گیا۔

پھر مصنف نے بارگاہ قدس کے غائب ہونے کا انجام بیان فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کو ترک کر کے مخلوق کو دیکھنا ہے، جیسا کہ فرمایا:

فَنَظَرَ الْإِحْسَانَ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ، وَلَمْ يَشْهَدْهُ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ

"نہیں اس نے احسان کو مخلوقات کی طرف سے دیکھا، اور اس نے اس کو رب العالمین کی طرف سے نہیں مشاہدہ کیا"

میں کہتا ہوں:- جو شخص اپنے ظاہر کے دائرے میں فنا نہیں ہوا۔ اور اپنے رب کے شہود میں اپنے نفس کے شہود سے غائب نہیں ہوا، خواہ اعتقاد کے طریقے پر ہو، یا استناد (پوشیدہ توجہ) کے طریقے پر۔ اس کو مخلوق کے احسان کی غلامی سے آزاد ہونے کی خواہش نہ کرنی چاہیے، اگرچہ اس کا نفس توحید کی حفاظت کی کوشش کرتا ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ طبیعت چرائی جائے۔

بخلاف اس شخص کے جس کی فنا ثابت ہو گئی ہے، اور وہ وحدت کے سمندر میں غرق ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس کو کوئی شی نہیں چرا سکتی ہے۔ اور اگر کبھی غفلت اس کو لاحق بھی ہو جاتی ہے تو وہ فوراً ہوشیار ہو جاتا ہے۔

پھر مصنف نے احسان کو مخلوق کی طرف سے دیکھنے میں دونوں فریق کا حال بیان فرمایا:-

إِمَّا اِعْتِقَادًا فَشِرْكٌ جَلِيٌّ

"یا اعتقاد کے طریقے پر اس نے احسان کو مخلوق کی طرف سے دیکھا۔ لہٰذا یہ شرک جلی ہے"

یعنی وہ کوئی پوشیدہ مسئلہ نہیں ہے کہ جس شخص نے کسی فعل کو مستقل طور پر غیر اللہ کی طرف منسوب کیا، وہ کافر ہے۔ ایمان سے خارج ہے۔ اگرچہ اس کے ظاہر پر شریعت کی وظائف کے آثار ظاہر ہوں، کیونکہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی خالق یا رازق کا مستقل طور پر اعتقاد کیا۔ وہ بالا جماع (متفقہ طور پر) کافر ہے۔ پھر دوسرے فریق کا حال بیان فرمایا:-

وَإِمَّا اِسْتِنَادًا فَشِرْكٌ خَفِيٌّ

"یا استناد کے طریقے پر اس نے احسان کو مخلوق کی طرف سے دیکھا۔ لہٰذا یہ شرک خفی ہے"

میں کہتا ہوں:- استناد: پوشیدہ توجہ اور میلان ہے۔ اس طرح کہ جب تم اس سے پوچھو۔ تم کو روزی کون دیتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے:- اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کا قلب خالق کے دیکھنے سے پہلے مخلوق کو دیکھتا ہے اور اکثر اوقات تو زبان حال یا زبان قال سے کہتا ہے:- اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو یہ احسان مجھ کو نہ ملتا۔ یعنی اگر سبب نہ ہوتا تو مسبب نہ ہوتا۔ لہٰذا اس کا اسباب کے ساتھ ٹھہرنا

تا اور مسبب الاسباب (اسباب کے پیدا کرنے والے) تک نہ پہنچا، یہ اس کا شرک خفی ہے۔

اور اگر اس نے اسباب کو نظر انداز کر دیا اور اس کی بصیرت مسبب الاسباب کے مشاہدے تک پہنچی تو شرک جلی اور خفی سے پاک ہو گیا، اور کامل اخلاص سے آراستہ ہو گیا۔

مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:-

وَصَاحِبُ حَقِيْقَةٍ غَابَ عَنِ الْخَلْقِ بِشُهُوْدِ الْمَلِكِ الْحَقِّ وَفَنِيَ عَنِ الْأَسْبَابِ بِشُهُوْدِ مُسَبِّبِ الْأَسْبَابِ

"اور اہل حقیقت بادشاہ حق اللہ تعالیٰ کے شہود کے ساتھ مخلوق کے شہود سے غائب ہو گیا اور مسبب الاسباب کے شہود کے ساتھ اسباب کے شہود سے فنا ہو گیا"

میں کہتا ہوں: حقیقت۔ مخلوق کے مظہروں میں اللہ تعالیٰ کے نور کا دیکھنا ہے یا عبودیت کے جسموں میں ربوبیت کے نور کا مشاہدہ کرنا ہے۔ لہٰذا اہل حقیقت وہی ہے جو بادشاہ حق اللہ تعالیٰ کے نور کے مشاہدہ میں مخلوق کے مشاہدہ سے غائب ہو جاتا ہے اور مسبب الاسباب کے مشاہدہ میں سبب کے مشاہدہ سے فنا ہو جاتا ہے۔

لہٰذا وہ اگر حکمت کا خیال رکھتے ہوئے غائب ہے، تو وہ کامل ہے اور اگر حکمت کا لحاظ رکھے بغیر وہ اسباب اور مخلوق سے غائب ہے۔ تو اگر وہ ایسا غائب ہے کہ اس کی اصلیت سے اس کا تعلق ختم ہو چکا ہے تو وہ معذور ہے۔

اسی کو مصنفؒ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:-

فَهٰذَا عَبْدٌ مُوَاجَهٌ بِالْحَقِيْقَةِ

"پس یہ ایسا بندہ ہے جو حقیقت کے سامنے ہے"

یعنی حقیقت کا نور اس پر منکشف ہو چکا ہے۔

ظَاهِرٌ عَلَيْهِ سَنَاهَا

"حقیقت کا نور اس پر غالب ہے"

لہٰذا جب انوار اس پر غالب ہو گئے تو وہ مست ہو گیا، اور حکمت کو بھول گیا۔ پس وہ اپنی سابق

حالت کے اعتبار سے اس لیے کامل ہے کہ وہ وحدت کے سمندر میں مستغرق (ڈوبا ہوا) ہے۔ اور وہ وجد اور سکر غالب ہونے کی وجہ سے خلقت کی نفی کرنے میں معذور ہے۔

اور وہ اپنی بصر کی حالت کے اعتبار سے اس لیے ناقص ہے کہ اس کا فائدہ اس کو کم پہنچتا ہے۔ اگرچہ اس نے طریقت کا سلوک اختیار کیا اور اس کی انتہا تک سیر کر کے حقیقت تک پہنچ گیا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے بیان فرمایا:

سَالِكٌ لِطَرِيْقَةٍ

"وہ طریقت کا سالک ہے"

یعنی اگر طریقت کا سلوک اس کو حاصل نہ ہوتا تو حقیقت کے عالم اس پر ظاہر نہ ہوتے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے صرف شریعت کے انوار اور خلقت کے اسرار گم ہو گئے ہیں۔ لیکن اس نے طریقت کا سلوک کیا ہے اور اس کی انتہا تک سیر کی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا ہے:

قَدِ اسْتَوٰى عَلٰى مَدَاهَا

"وہ طریقت کی انتہا پر مضبوطی سے قائم ہو گیا ہے"

اور حقیقت تک رسائی نہیں ہوتی ہے مگر طریقت کے سلوک اور ظاہر شریعت پر ثابت قدمی سے قائم ہونے کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

"اور تم لوگ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ"

اور حقیقت کے گھر کے لیے شریعت اور طریقت کے سوا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ پھر جب بندہ حقیقت تک پہنچ جاتا ہے تو آدمیوں میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا ظرف تنگ ہوتا ہے وہ ان انوار کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں اور ان اسرار کے مشاہدہ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ لہذا وہ وحدت کے مشاہدہ میں گم ہو جاتے اور خلقت کو بھول جاتے ہیں۔

اور آدمیوں میں کچھ لوگ کشادہ سینہ والے اور طاقتور ظرف کے اہل ہوتے ہیں۔ تو جب ان کے اوپر حقیقت کے انوار روشن ہوتے ہیں تو وہ ان کو خلقت کے ساتھ قائم ہونے سے مغلوب نہیں

کرتے ہیں۔

اور حکمت کے ساتھ قیام:- حقیقت اور شریعت کے درمیان برزخ (درمیانی شی) ہو جاتا ہے۔اسی طرح اس کی سیر فنا اور بقا میں ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ دونوں میں متمکن (مضبوطی سے قائم) ہو جاتا ہے اور اس کا معاملہ دونوں کے درمیان معتدل رہتا ہے اور یہ طاقتور لوگوں کی حالت ہے۔

اور طریقہ شاذلیہ سراپا ایسا ہی ہے۔اس طریقے پر چلنے والا حقیقت اور شریعت کے درمیان سیر کرتا ہے۔یہاں تک کہ تمکین اور اعتدال پر قائم ہو جاتا ہے۔

پھر مصنف نے اس قسم کے لوگوں کو کامل قرار دیا ہے جن پر حقیقت غالب ہو چکی ہے، چنانچہ فرمایا:-

غَرِیْقُ الْاَنْوَارِ

"وہ انوار میں ڈوبا ہوا ہے"

یعنی اس پر حقیقت کے انوار غالب ہو گئے۔یہاں تک کہ وہ احکام شریعت سے گم ہو گیا۔

مَطْمُوْسُ الْاٰثَارِ

"آثار یعنی مخلوقات سے غائب ہے"

یعنی مخلوقات کے دیکھنے سے اس حیثیت سے غائب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے قائم کیا ہے کہ وہ ان کے ذریعے پہچانا جائے۔

اور ایسا اس لیے ہے کہ جب اس پر حقیقت کے انوار روشن ہوئے تو اس نے فروع کو اس کے اصول سے، اور ملکوت کے انوار کو جبروت سے ملا دیا۔اور اس کے اوپر سکر غالب ہونے کی وجہ سے وہ واسطوں کو بھول گیا۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا:-

قَدْ غَلَبَ سُکْرُہٗ عَلٰی صَحْوِہٖ

"اس کا سکر اس کے صحو پر غالب ہے"

لہٰذا وہ اپنی فرق کی حالت میں جمع کے مقام میں ہیں۔ اور اپنی جمع کی حالت میں فرق کے مقام میں ہیں۔ وہ اپنے مخلوق کے شہود کے حال میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ان کو ان کی فنا، ان کی بقا سے نہیں روکتی ہے۔ یعنی وہ اپنے نفسوں سے فانی۔ اور اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ باقی ہیں۔ اور نہ ان کو ان کی بقا ان کی فنا سے روکتی ہے۔ لہٰذا ان کا ظاہر، ظاہر میں مشغول ہے لیکن ان کا باطن حقیقت سے معمور ہے۔ وہ ہر حقدار کو اس کا حق دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ حقیقت کو اس کا حق، باطن میں اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مشغول رہتے ہیں۔ اور شریعت کو اس کا حق ظاہر میں شریعت کے حقوق میں اپنی جسمانی اعضا کو استعمال کر کے ادا کرتے ہیں۔ اور وہ ہر حصہ دار کو اس کا حصہ پورا پورا دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ آدمیوں کو احسان میں سے ان کا حصہ۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کا حصہ قلب کے ساتھ اس کی توحید میں پورا پورا دیتے ہیں۔

یا تم اس طرح کہو۔ وہ انعام اور احسان کے شہود میں اللہ تعالیٰ کو واحد سمجھتے ہیں اور زبان سے واسطوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔

یا تم اس طرح کہو: وہ ربوبیت کو اس کا حق تنہا اس کی طرف سے احسان کا مشاہدہ کر کے ادا کرتے ہیں اور مخلوق کو اس کا حق عبودیت کا نشان قائم کرنے کیلئے واسطہ کا شکر ادا کر کے دیتے ہیں۔

حاصل یہ ہے:۔ یہ ویسے ہی ہے جیسے کہ حضرت شاذلیؒ نے فرمایا ہے:۔

تمہارے باطن میں جمع حاضر ہے اور تمہاری زبان پر فرق موجود ہے۔

تنبیہ:۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس کامل مقام میں بغیر صحبت اور بغیر جذب کے تیر اندازی کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ صرف شریعت کے علم اور عمل کی مضبوطی کے ذریعے وہ اس کامل مقام تک پہنچ جائیں گے۔ حالانکہ یہ خیال قطعی غلط ہے کیونکہ اس مقام تک پہنچنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ ان مقامات سے گزرے جو اس سے پہلے ہیں۔

اور وہ مقامات:۔ جذب ہے۔ اور جذب:۔ مخلوق کے شہود سے خالق کے شہود کی طرف اچانک کھنچ جانا ہے۔ اور جذب کیلئے سکر ضروری ہے۔ پھر صحو اور جذب، پھر سلوک اور جمع، پھر فرق اور فنا، پھر بقا ہے۔

ہاں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض افراد بہت طاقتور ہوتے ہیں۔ وہ مخلوق کے مشاہدہ کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں کھینچ لیے جاتے ہیں اور وہ جذب اور سلوک کے درمیان سیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ طریقہ شاذلیہ اور اسی کے مثل دوسرے طریقوں میں ہوتا ہے جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

لیکن جس شخص نے ان عارفین کی صحبت نہیں اختیار کی ہے، جنہوں نے ان مقامات کا سلوک اختیار کیا ہے وہ کبھی اس مقام پر پہنچنے کی تمنا نہ کرے۔

اور اگر کبھی کوئی خاص شخص اس مقام پر پہنچ جائے تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر مصنف نے دوسرے مقام یعنی جذب وفنا پر، اور تیسرے مقام یعنی صحو وبقا پر سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس معاملے سے استدلال کیا، جو ان کو اپنے والد بزرگوار سیدنا حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ واقعہ افک میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ فرمایا:-

وَقَالَ اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَمَّا نَزَلَتْ بَرَاءَتُهَا مِنَ الْاِفْكِ عَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:- اُشْكُرِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَتْ:- وَاللّٰهِ لَا اَشْكُرُ اِلَّا اللّٰهَ

"حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اس وقت جبکہ افک (بہتان) سے ان کے بری ہونے کی آیت حضرت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر نازل ہوئی فرمایا:-

اے عائشہ! تم رسول اللہ ﷺ کا شکر ادا کرو۔ تو انہوں نے جواب دیا:-

اللہ تعالیٰ کی قسم، میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا شکر نہ ادا کروں گی۔

میں کہتا ہوں:- واقعہ افک (بہتان) مشہور ہے۔ سورۂ نور میں اس کا ذکر ہے۔ اہل ظاہر نے اس کی تفسیریں لکھی ہیں۔ جو تفسیر اور سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ مگر مصنف کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ بات کہنے والے:- "تم رسول اللہ ﷺ کا شکر ادا کرو" ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق تھے۔ لیکن صحیح بخاری شریف میں یہ ہے کہ جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے کہا۔ "تم رسول اللہ ﷺ کا شکر ادا کرو"۔ وہ ان کی والدہ محترمہ تھیں۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان کیا ہے۔

فَقَالَتْ لِي أُمِّي لَمَّا نَزَلَتْ بَرَاءَتِي مِنَ السَّمَاءِ: قُومِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقُلْتُ: وَاللَّهِ لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَشْكُرُ إِلَّا اللَّهَ

"جب میری پاکیزگی کی آیہ آسمان سے نازل ہوئی۔ تو میری والدہ نے مجھ سے فرمایا:- اٹھو! حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کھڑی ہو۔ تو میں نے ان سے کہا:- اللہ تعالیٰ کی قسم، نہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑی ہوں گی نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا شکر ادا کروں گی۔

اور اس کی تاویل اس طرح کی جا سکتی ہے کہ یہ بات ان کے والد کے اشارے سے کہی گئی ہو یا ان کے والد اور والدہ دونوں نے ایک ساتھ ان سے کہی ہو یا ان کی والدہ نے کہی ہو۔ اور ان کے والد خاموش سامنے موجود رہے ہوں اور ان کی خاموشی گویا کہ اس بات سے ان کے متفق ہونے کی دلیل ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر مصنف نے حضرت عائشہ صدیقہ کے واسطہ کو شکر ادا کرنے سے انکار پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا

دَلَّهَا أَبُو بَكْرٍ عَلَى الْمَقَامِ الْأَكْمَلِ مَقَامِ الْبَقَاءِ الْمُقْتَضِي لِإِثْبَاتِ الْآثَارِ

"حضرت ابو بکر صدیق نے کامل ترین مقام بقا کی طرف حضرت عائشہ صدیقہ کی رہنمائی فرمائی، جو آثار یعنی مخلوقات کے ثابت کرنے کا تقاضا کرتا ہے"

میں کہتا ہوں: آثار یعنی مخلوق سے فنا ہو جانے کے بعد اس کے ثابت کرنے سے مراد:

قدرت اور حکمت کے درمیان جمع کرنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو ثابت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی نفی کرنا ہے۔

اور یہ مقام، اپنے پہلے مقام سے زیادہ کامل ہے کیونکہ یہ دونوں مقامات کا جامع ہے اس نے باطن میں قدرت کا حق ادا کر دیا۔ اور یہ شہود ہے اور ظاہر میں حکمت کا حق ادا کر دیا۔ اور یہ عبودیت ہے۔ لہٰذا وہ اپنی ذات سے صاحی ہے اور دوسرے کے لئے راضی ہے۔ کامل عارف، عالم، عارف، معرف (اللہ تعالیٰ کی پہچان کرانے والا) ہے۔ اور یہی قصد اور طلب کی انتہا ہے۔ کیونکہ کامل خلافت اور ورثہ عامہ کا مقام ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ورثہ عامہ، ورثہ خاصہ سے بہتر ہے اور ورثہ

عام یہی ہے کہ وہ ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرے اور ہر حصہ دار کو اس کو پورا حصہ دیدے۔

ایک عارف سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا گیا:۔

اِتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ

"تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے"

اور اس کے ساتھ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

"تم لوگ اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو، جتنا تم ڈرنے کی طاقت رکھتے ہو"

عارف نے جواب دیا:۔ تم اپنے قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اپنے جسم کے ساتھ اتنا ڈرو، جتنا ڈرنے کی تمہارے اندر طاقت ہے۔ تاکہ شریعت اور طریقت کے جامع ہو جاؤ۔

پھر مصنف ؒ نے مخلوق کے ثابت کرنے پر قرآن اور سنت سے استدلال کیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:۔ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ

"اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو"

تو پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ پیدا کرنے کی نعمت کا متولی ہے۔ پھر بعد میں ان کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا جن کے ذریعے پیدا کرنے کی نعمت ظاہر ہوئی۔

لہٰذا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ثابت کرنے کے ساتھ ثابت ہے۔ اور اس کی ذات کی وحدانیت کے ساتھ نیست و نابود ہے اور واسطے کے ثابت کرنے میں ادب کے اعتبار سے آیت واضح ہے۔ اور واسطے سے غائب ہونا توحید کی بنا پر جہد ہے۔

پھر مصنف ؒ نے سنت کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَقَالَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ:۔ لَا يَشْكُرِ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرِ النَّاسَ

"حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ جو شخص آدمیوں کا شکر ادا نہیں کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا ہے"

میں کہتا ہوں:- اس حدیث شریف میں اسم پاک اللہ تعالیٰ کو فاعل ہونے کی حیثیت میں پیش، اور مفعول ہونے کی حیثیت میں زبر پڑھنا، دونوں طرح صحیح ہے۔

لہٰذا اللہ کو پیش پڑھنے کی صورت میں یہ معنی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے کسی عمل کا شکر نہیں کرتا ہے یعنی اس کے فعل کو پسند نہیں کرتا ہے، جو انسان کا شکر ادا نہیں کرتا ہے۔

اور اللہ کو زبر پڑھنے کی صورت میں یہ معنی ہوگا۔ جو شخص انسان کا شکر نہیں ادا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی نہیں ادا کرتا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں کہا جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کردہ حدیث شریف پہلے گزر چکی ہے:-

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ الْقَلِيْلَ لَمْ يَشْكُرِ الْكَثِيْرَ ، وَمَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ

"جس شخص نے کم کا شکر نہیں ادا کیا اس نے زیادہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ اور جس شخص نے انسان کا شکر نہیں ادا کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں ادا کیا"

پھر مصنفؒ نے اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے واسطے (حضرت رسول اللہ ﷺ) کا شکر ادا کرنے سے انکار پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس کو جواب بیان کرتے ہوئے فرمایا

وَكَانَتْ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ مُصْطَلِمَةً عَنْ شَاهِدِهَا

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اس وقت اپنے حاضر سے (حال سے) غائب تھیں"

یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ اس وقت اپنے حال سے غائب، اور اپنے ظاہر سے فانی تھیں۔ جیسا کہ مجذوب کا حال ہوتا ہے۔

اور مصنفؒ نے "اس وقت" اس لئے کہا کہ ان کی یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی، اور وہ حال قوی وارد الٰہی تھا۔ جس نے ان کو اچانک اس سے اچک لیا تھا۔

جیسا کہ یہ وارد حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کو اس وقت لاحق ہوا جب حضرت جبرئیلؑ ان کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا۔ کیا آپ کو کچھ حاجت ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ اگر آپ سے، تو میری کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ سے، تو میری حاجت ہے۔ لیکن وہ واسطے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا:- آپ اللہ تعالیٰ سے مانگیے۔ حضرت

ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ میرے حال پر اللہ تعالیٰ کا علم، میرے مانگنے سے زیادہ میرے لیے کافی ہے۔ اور جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

لِيْ وَقْتٌ لَّا يَسَعُنِيْ فِيْهَا غَيْرُ رَبِّيْ

"میرے لیے ایک وقت ایسا ہے کہ اس وقت میرے قریب میرے رب کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہوتی ہے"

لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہؓ اس وقت اس حال میں تھیں:۔

غَائِبَةٌ عَنِ الْآثَارِ ، فَلَمْ يَشْهَدْ إِلَّا لِوَاحِدِ الْقَهَّارِ

"وہ آثار یعنی مخلوقات سے غائب تھیں۔ لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ واحد قہار کے سوا کچھ نہیں دیکھا"

میں کہتا ہوں:۔ تنہا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے عذر کو حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ قول تقویت دیتا ہے:۔

يَا عَائِشَةُ اشْكُرِي اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ بَرَّاكِ

"اے عائشہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بہتان سے بری یعنی پاک فرمایا"

لہٰذا یہ قول اپنا شکر ادا کرنے پر حضرت نبی کریم ﷺ کے حکم کی دلیل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن ابی جمرہ نے بیان کیا ہے۔ لیکن اس تفسیر کے ساتھ جو مصنفؒ نے بیان فرمایا ہے۔ زیادہ کامل مقام میں صحو (ہوش) کی حالت میں واسطوں کا ترک کرنا درست نہیں ہے۔

یہ حضرت شیخ زروقؒ نے بیان فرمایا ہے:۔

یہاں دوسرا مکتوب ختم ہوا۔ جو مصنفؒ نے اپنے بعض اصحاب کے پاس روانہ فرمایا۔

یہ مکتوب معرفت اور کمال کی انتہا کے بیان میں ہے۔

پس اگر اس کتاب میں اس مکتوب اور پہلے مکتوب کے سوا کچھ نہ ہوتا تو بھی کافی ہوتا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ حضرت مصنفؒ کو اہل طریقت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

وَالرَّسُوْلُ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ لَيْسَ مَعْرِفَةٌ كَمَعْرِفَتِهِ فَلَيْسَ قُرَّةٌ كَقُرَّتِهِ

''اور حضرت محمد ﷺ تو کوئی معرفت ان کی معرفت کی طرح نہیں ہے۔ لہٰذا کسی آنکھ کی ٹھنڈک ان کی آنکھ کی ٹھنڈک کی طرح نہیں ہے''

میں کہتا ہوں:۔ مصنفؒ نے دونوں جگہ فعل مجازی ''لیس'' کو مؤنث اس لیے نہیں استعمال کیا ہے، کہا کوئی معرفت حضرت محمد ﷺ کی معرفت کے برابر نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان کو پہلا قدم (یعنی روز ازل سے) احسان کے مقام میں ہے۔ اس لیے کہ وصول کے اعتبار سے ان کیلئے نہ مجاہدہ کی ضرورت ہے نہ سیر کی۔ کیونکہ وہ روز ازل سے واصل باللہ ہیں۔

لہٰذا اولیائے کرام کی انتہا انبیاءؑ کی ابتداء ہے۔ اور انبیاءؑ کی انتہا رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ابتداء ہے۔ اور رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی انتہا حضرت محمد ﷺ کی ابتداء ہے۔

اور ہم نے جو یہ کہا ہے:۔ اور وصول کے اعتبار سے ان کیلئے سیر کی ضرورت نہیں ہے، تو یہ اس لیے کہا ہے کہ سیر برے اوصاف کے مجاہدے میں ہوتی ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ تمام برے اوصاف سے بالکل پاک ہیں۔

جیسا کہ ایک شان مبارک میں کہا ہے:۔

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

'' آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں، گویا کہ آپ جس طرح چاہتے تھے اسی طرح پیدا کیے گئے ہیں''

لیکن ترقی کے معنی میں:۔ تو وہ حضور انور ﷺ کیلئے کامل طریقے پر ثابت ہے کیونکہ حضرت محمد ﷺ ہر ایک ساعت میں ترقی کر کے بہت سے مقامات پر پہنچے ہیں اور جس مقام سے آپ ترقی فرماتے تھے اس مقام سے استغفار کرتے تھے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ حضرت محمد ﷺ کے اس قول کو مبہم اور مشکل سمجھتے تھے۔

(إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي فَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً) وَفِي رِوَايَةٍ (مِائَةَ مَرَّةً)

''میرے قلب پر تاریکی یا حجاب چھا جاتا ہے تو میں ایک دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔

اور دوسری روایت میں ہے:۔ "میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں"

یہاں تک کہ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو دیکھا، اور آنحضرت نے فرمایا:۔ اے مبارک!

حجاب سے مراد:۔ انوار کا حجاب ہے، نہ کہ اغیار کا حجاب۔

لہٰذا حضرت ابوالحسن اس وقت یہ سمجھے کہ غین سے مراد:۔ شہود کے انوار کا ڈھانپ لینا ہے یا یہ کہ ان میں کشف کے قوی اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا جب آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی مقام منکشف ہوا، تو آپ نے اس پہلے مقام کو بعد والے مقام سے ناقص دیکھا اور آپ نے اس مقام کو اس سے اعلیٰ مقام کیلئے حجاب سمجھا اور اسی طرح برابر سمجھتے رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کیلئے کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

"آپ کہیے! اے میرے رب! مجھکو علم میں ترقی عطا فرما"

حضرت ابوالعباسؒ نے فرمایا ہے:۔ انبیاء رحمت سے پیدا کیے گئے ہیں اور ہمارے نبی کریم ﷺ عین رحمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

"اور ہم نے آپ کو تمام عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"

حضرت شیخ جزولیؒ نے آنحضرت کا کچھ بیان کرنے کے بعد فرمایا:۔

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے مظہر اکبر ہیں اور آپ موجودات میں اللہ تعالیٰ کے سب مظہروں سے بہت بڑے مظہر ہیں اسی لیے آپ کے کلام کا ہر حرف دوسرے کلاموں کے جم غفیر (بہت زیادہ) کے برابر ہوتا ہے اور آپ کے سمندر کے فیض کا ہر قطرہ بہت بڑے موج مارنے والے سمندر کے برابر ہے۔ بلکہ اس سے لاکھ گنا زیادہ بڑا اور عظیم الشان ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ

"آپ کے عمر کی قسم، بیشک یہ لوگ اپنی مستی میں اندھے ہو رہے ہیں"

لہذا حاصل یہ ہوا - کہ دنیا میں حضرت محمد ﷺ کے مقام کا مقابلہ کوئی دوسرا کامل نہیں کر سکتا ہے اور اسی طرح حضور ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کو انبیاء اور اولیاء میں سے کوئی بھی نہیں پا سکتا ہے۔ ہاں اس میں۔ ہر ان کیلئے ان کے شہود اور معرفت کے مطابق کچھ حصہ ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسیؒ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ

"وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، جو اپنے بندے کو لے گیا"

اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:-

بِنَبِیِّهٖ وَلَا بِرَسُوْلِهٖ

"اپنے نبی کو یا اپنے رسول کو لے گیا" تا کہ آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کیلئے بھی معراج اور ترقی کا دروازہ کھول دیا جائے لہذا جس شخص کیلئے عبودیت میں حصہ ہے اس کیلئے سیر کرنے میں بھی حصہ ہے۔

اور چونکہ حضرت محمد ﷺ کی عبودیت کامل ہے۔ اس لیے آپ کی سیر (معراج) بھی کامل ہے۔ لہذا آپؐ نے اپنی روح اور جسم کے ساتھ سیر کی اور اس طرح کی سیر ان کے سوا کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوئی نہ ہوگی۔

پس جب روح کے ساتھ ملکوت کی طرف سیر واقع ہوتی ہے تو بندے کو اس کی سیر کے مطابق عبادت میں آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور روح کی سیر۔ تعلقات اور قطعات سے اس کے تصفیہ (صاف کرنے) کے مطابق ہوتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چونکہ مصنفؒ کے اس جواب میں "شہود کے ساتھ آنکھوں کی ٹھنڈک شہود کی معرفت کے مطابق ہوتی ہے" مقصود سے پوشیدگی ہے۔ (یعنی مقصود واضح نہیں ہوتا ہے) لہذا اس کو وضاحت کے ساتھ اپنے اس قول میں بیان فرمایا:-

[وَإِنَّمَا قُلْنَا إِنَّ قُرَّةَ عَيْنِهٖ فِيْ صَلَاتِهٖ بِشُهُوْدِهٖ جَلَالَ مَشْهُوْدِهٖ] لِاَنَّهٗ اَشَارَ اِلٰى ذٰلِكَ

بِقَوْلِهٖ (فِي الصَّلَاةِ) وَلَمْ يَقُلْ بِالصَّلَاةِ

"اور اس نے یہ جو کہا ہے: اس کی نماز میں اس کی آنکھ کی ٹھنڈک اس کے مشہود کے جلال کے شہود کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ اس لئے کہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول "فی الصلاۃ" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور آپ نے بالصلاۃ نہیں فرمایا"

میں کہتا ہوں: حقیقت میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے مولا سے پیوست ہوتی ہے۔ لہٰذا حضرت محمد ﷺ کی آنکھ کی ٹھنڈک اپنے رب کے شہود اور اس کی طرف بڑھنے اور اس سے کلام کرنے کے سبب ہے، اور نماز اس ٹھنڈک کا مقام ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کا یہ قول:

أَرِحْنَا بِهَا يَا بِلَالُ

"اے بلال! تم ہم کو نماز کے ساتھ راحت پہنچاؤ"

اور اس قول میں "ب" سببیہ ہے۔ یعنی نماز کے سبب راحت پہنچاؤ۔

اور حضرت محمد ﷺ کی راحت صرف اپنے رب کی مناجات (سرگوشی) سے تھی، کسی دوسری شے سے نہیں تھی۔

پھر مصنف نے حضرت محمد ﷺ کے اس حال کی وجہ بیان فرمائی کہ حضرت محمد ﷺ کی چشم مبارک نماز سے نہیں ٹھنڈی ہوتی تھی، بلکہ آپ کی چشم مبارک اپنے رب تعالیٰ سے ٹھنڈی ہوتی تھی۔ چنانچہ فرمایا:

إِذْ هُوَ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ لَا تَقَرُّ عَيْنُهُ بِغَيْرِ رَبِّهِ

"اس لئے کہ حضرت محمد ﷺ کی چشم مبارک اپنے رب کے غیر کے ساتھ نہیں ٹھنڈی ہوتی تھی۔"

لہٰذا آپ کی فرحت صرف اپنے رب کے ساتھ تھی۔ اور آپ کا سیر اسی کی طرف بڑھنے میں تھا۔ آپ نے اپنی ہمت عالیہ دونوں (علوی و سفلی) سے اٹھالی تھی اور اپنا نفس مبارک (جوتا یا قدم) دارین (دنیا و آخرت) سے نکال لیا تھا۔

ایک عارف شاعر نے حضرت محمد ﷺ کی شان مبارک میں فرمایا ہے۔

لَهُ هِمَمٌ لَا مُنْتَهَى لِكِبَارِهَا ‌ وَهِمَّتُهُ الصُّغْرَى أَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

"حضرت محمد ﷺ کی ایسی ہمتیں ہیں کہ ان کی بڑی ہمتوں کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ اور ان کی بہت چھوٹی ہمت زمانہ سے بہت بڑی اور بلند ہے"

لَهُ رَاحَةٌ لَوْ أَنَّ مِعْشَارَ جُودِهَا ‌ عَلَى الْبَرِّ كَانَ الْبَرُّ أَنْدَى مِنَ الْبَحْرِ

"ان کیلئے ایسی راحت ہے کہ اگر ان کی بخشش کا دسواں حصہ بھی خشکی پر نازل ہو جائے تو خشک میدان سمندر سے بھی زیادہ تر ہو جائے"

كَيْفَ وَهُوَ يَدُلُّ عَلَى هٰذَا الْمَقَامِ

"ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ حضرت محمد ﷺ اس مقام کی طرف سے دوسرے لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے"

اور وہ احسان کا مقام ہے اس لیے کہ اس سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔

(وَيَأْمُرُ بِهِ مَنْ سِوَاهُ) مِنَ الْأُمَمِ (لِقَوْلِهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ (اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ)

"اور مخلوق میں سے دوسرے لوگوں کو اپنے اس قول سے اس کا حکم دیتے تھے۔ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔

حضرت شیخ زروق نے فرمایا ہے۔ یہ حدیث شریف میں ان لفظوں سے ناتمام وارد نہیں ہوا ہے بلکہ یہ احسان کی تفسیر میں فرمایا گیا ہے۔

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

"تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھتے ہو۔ لیکن اگر تم اس حال میں نہیں پہنچے ہو بلکہ تم اس حال میں ہو کہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو۔ (تو یہ تصور کرو کہ) وہ تم کو دیکھتا ہے"

میں کہتا ہوں: اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت معاذ بن جبل کی روایت کردہ حدیث شریف کی عبارت اس طرح ہے۔

[قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوْصِنِيْ. قَالَ: اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ. وَاعْدُدْ نَفْسَكَ فِي الْمَوْتٰى. وَاذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ كُلِّ حَجَرٍ وَعِنْدَ كُلِّ شَجَرٍ. وَإِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَاعْمَلْ بِجَنْبِهَا حَسَنَةً تَمْحُهَا. اَلسِّرُّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةُ بِالْعَلَانِيَةِ] رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ كَمَا فِي الْمُنْذِرِيْ

"میں نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھ کو وصیت فرمایئے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:۔ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو۔ گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور تم اپنے نفس کو مردوں میں شمار کرو اور ہر پتھر اور ہر درخت کے پاس (یعنی تم جہاں کہیں بھی رہو) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور جب تم کوئی گناہ کرو تو اس کے برابر ایسی نیکی کرو، جو اس گناہ کو مٹا دے۔ پوشیدہ گناہ کے برابر پوشیدہ نیکی، اور علانیہ گناہ کے برابر علانیہ نیکی"۔ اس حدیث کو حضرت امام طبرانی نے بیان فرمایا ہے جیسا کہ منذری میں ہے۔

لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے گویا کہ وہ اس کو دیکھتا ہے تو اس کیلئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ماسوی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی طرف متوجہ ہوں۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے:۔

وَمُحَالٌ اَنْ يَّرَاهُ وَيَشْهَدَ مَعَهُ سِوَاهُ

"اور یہ محال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے اور اس کے ساتھ غیر اللہ کو بھی دیکھے"

میں کہتا ہوں ۔ اس لئے کہ غیر اللہ کا ثابت ہونا حجاب ہے۔ لہٰذا شہود اس وقت تک درست نہیں ہوتا ہے۔ جب تک کل موجودات فنا ہو جائے اور واجب الوجود اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہ رہے اور وہ اس کے ماسوی کو اس طرح دیکھے گویا کہ وہ سایہ ہے یا خیال ہے۔ جو تحقیق کرنے پر گم ہو جاتا ہے یعنی نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

پس اگر تم یہ اعتراض کرو: جب غیر اللہ نیست و نابود ہے۔ تو حضرت محمد ﷺ نے احسان کی تفسیر میں یہ کیوں فرمایا۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ

استعمال کرتے ہیں۔

اس لیے کہ بصیرت کو دیکھنا: اس باطن کے نزدیک بصر سے دیکھنے کے شمار میں ہے۔ کیونکہ جب بصیرت کھل جاتی ہے تو وہ بصر پر غالب ہو جاتی ہے اور بصر کیلئے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ہے۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے۔ جب مطلق دیکھنا کہا جاتا ہے تو بصر یعنی ظاہری آنکھ سے دیکھنا سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر حضرت محمد ﷺ کی کاف نہ لاتے تو یہ وہم پیدا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے اور یہ محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ

"اس کو آنکھیں نہیں پا سکتی ہیں"۔ یعنی ظاہری آنکھیں

اور اس کو صرف کھلی ہوئی بصیرتیں ہی دیکھ سکتی ہیں۔ لہٰذا جب بصیرت کھل جاتی ہے تو وہ بصر پر غالب ہو جاتی ہے۔ پھر ملکوت کے انوار میں سے جو انوار بصیرت دیکھتی ہے، اسی بصر بھی دیکھتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور جب مصنفؒ نے یہ ثابت کیا:۔ کہ آنحضرت ﷺ کی آنکھ کی ٹھنڈک صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھی۔ نماز کے ساتھ نہیں تھی تو ایک بحث کرنے والے نے ان سے بحث کی۔ لہٰذا مصنفؒ نے بحث کی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:۔

فَاِنْ قَالَ لَكَ قَائِلٌ۔ قَدْ تَكُونُ قُرَّةُ الْعَيْنِ بِالصَّلٰوةِ لِاَنَّهَا فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ وَبَارِزَةٌ مِّنْ عَيْنِ مِنَّةِ اللّٰهِ، فَكَيْفَ لَا يَفْرَحُ بِهَا؟ وَكَيْفَ لَا تَكُوْنُ قُرَّةُ الْعَيْنِ بِهَا وَقَدْ قَالَ تَعَالٰى:۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا؟

"مصنفؒ سے ایک سوال کرنے والے نے سوال کیا:۔ بیشک نماز آنکھ کی ٹھنڈک ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فضل ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا سرچشمے سے ظاہر ہوئی ہے۔ تو حضرت محمد ﷺ اس سے کیوں نہیں خوش ہوتے تھے؟ اور ان کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز سے کیوں نہیں ہوئی تھی؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے خوش ہونا چاہیے"

میں کہتا ہوں:- بحث کا مضمون، حضرت محمد ﷺ کا یہ قول ہے:-

وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

"میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے"

یہ بھی ممکن ہے۔ کہ "فی" "ب" کے معنی میں ہو۔ یعنی بالصلوۃ نماز کے ساتھ۔ یا نماز سے۔

اور نماز خوشی کی وجہ اس لیے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے اور اس کی رحمت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احسان و کرم سے ظاہر ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

"آپ فرما دیجیے:- اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے، پس لوگوں کو اس سے خوش ہونا چاہیے"

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے خوش ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور نماز اللہ تعالیٰ کا ایک فضل اور اس کی ایک رحمت ہے۔ لہٰذا اس سے خوش ہونا واجب ہے اور آنکھ کی ٹھنڈک کا یہی مفہوم ہے۔

پس مصنف نے سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:-

[اِعْلَمْ اَنَّ الْاٰيَةَ هٰذِهٖ قَدْ اَوْمَاتْ] اَیْ اَشَارَتْ اِلَى الْجَوَابِ لِمَنْ تَدَبَّرَ سِرَّ الْخِطَابِ، اِذْ قَالَ - فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا - وَمَا قَالَ - فَبِذٰلِكَ فَافْرَحْ، يَا مُحَمَّدُ قُلْ لَهُمْ يَفْرَحُوْا بِالْاِحْسَانِ وَالتَّفَضُّلِ، وَلْيَكُنْ فَرَحُكَ اَنْتَ بِالْمُتَفَضِّلِ كَمَا قَالَ فِي الْآيَةِ الْاُخْرٰى - قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔

"تم یہ جان لو۔ اس شخص کیلئے جو اس خطاب کے راز میں غور کرے، اس آیت کریمہ ہی نے جواب ہی سے جواب کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:- پس لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے خوش ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے خوش ہوں۔ اے محمد ﷺ آپ ان لوگوں سے فرما دیجیے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے خوش ہوں اور لیکن آپ کی خوشی فضل کرنے والے اللہ تعالیٰ

سے ہونی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے:۔ آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجئے اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے وہ اپنے خیالی فضول میں کھیلتے رہیں "

میں کہتا ہوں: جواب کا مقصد یہ ہے کہ نماز سے آنکھ کی ٹھنڈک حضرت نبی کریم ﷺ کے سوا ان کی امت کے حق میں صحیح ہے اس لئے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی علامت ہے۔

لیکن حضرت محمد ﷺ کی آنکھ کی ٹھنڈک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شے سے نہیں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس پر دلیل ہے۔

فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

"پس ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی فضل اور رحمت سے خوش ہونا چاہیے"

اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے: اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے خوش ہوں۔

لہٰذا اس آیت کریمہ کا خطاب ہی اس بات کی دلیل ہے کہ فضل اور رحمت سے خوشی آنحضرت ﷺ کی امت کیلئے ہے اور حضور انور ﷺ کی خوشی صرف اللہ تعالیٰ سے ہے کسی دوسری شے سے نہیں ہے۔

جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت کریمہ میں ہے:۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ

"آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجئے اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے وہ اپنے وہم و خیال میں کھیلتے رہیں" اور تحقیق یہ ہے۔ کہ اس کو اس طرح کہا جائے کہ جس شخص نے ربوبیت کے شہود کی نعمت حاصل کر لی اس کی خوشی صرف اپنے محبوب کے شہود میں ہے اس کے سوا کسی شے میں نہیں خواہ وہ کوئی شے بھی ہو۔

اور جو شخص عبودیت کے مقام میں ہے اور ربوبیت کے انوار کے مشاہدے کا لطف نہیں حاصل کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت ہی سے خوشی ہوتی ہے۔

اور جس شخص نے ربوبیت کے انوار کے مشاہدے کا ذوق حاصل کر لیا لیکن اس میں ثابت

خاتمہ

اس حدیث شریف کے بیان میں جس کی طرف مصنف نے اشارہ فرمایا ہے۔ اور اس سے متعلق اشیاء کے بیان میں۔

رُوِیَ۔ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ صَنَعَ طَعَامًا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ، فَاجْتَمَعَ ھُوَ وَنَفَرٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ، فِیْھِمْ اَبُوْ بَکْرٍ وَّ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ ، فَتَذَاکَرُوْا فِی الطَّاعَۃِ لِلّٰہِ وَ لِرَسُوْلِہٖ ، اِلٰی اَنْ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ - اِنَّمَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ثَلَاثٌ :- اِنْفَاقُ مَالِیْ عَلَیْکَ ، وَالْجُلُوْسُ بَیْنَ یَدَیْکَ ، وَ کَثْرَۃُ الصَّلَاۃِ عَلَیْکَ وَقَالَ عُمَرُ - وَاَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلَاثٌ : اِکْرَامُ الضَّیْفِ ، وَالصِّیَامُ فِی الصَّیْفِ ، وَالضَّرْبُ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالسَّیْفِ۔ وَقَالَ عُثْمَانُ - حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلَاثٌ - اِطْعَامُ الطَّعَامِ ، وَاِفْشَاءُ السَّلَامِ ، اَلصَّلَاۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ ۔ وَقَالَ عَلِیٌّ :- مِثْلَ ذٰلِکَ ۔ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :- وَاَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ - اَلنِّسَاءُ وَالطِّیْبُ ، وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاۃِ ، فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ فَقَالَ :- وَاَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلَاثٌ :- تَبْلِیْغُ الرِّسَالَۃِ ، وَاَدَاءُ الْاَمَانَۃِ ، وَعِیَادَۃُ الْمَرْضٰی ۔ ثُمَّ غَابَ وَظَھَرَ وَقَالَ :- یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ، وَرَبُّ الْعِزَّۃِ یَقُوْلُ :- وَاَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلَاثٌ - لِسَانٌ ذَاکِرٌ ، قَلْبٌ شَاکِرٌ وَجِسْمٌ عَلَی الْبَلَاءِ صَابِرٌ ۔

ذَکَرَہُ الشَّطِیْبِیْ ، فَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِصِحَّتِہٖ ، غَیْرَ اَنَّہٗ کَلَامٌ صَحِیْحٌ فِیْ نَفْسِہٖ

روایت کی گئی ہے :- حضرت جابر بن عبد اللہ نے حضرت محمد ﷺ کیلئے کھانا تیار کیا ، پس حضرت محمد ﷺ اور آپ کے کچھ اصحاب رضی اللہ عنہم جمع ہوئے ۔ ان حضرات میں حضرت ابو بکرؓ ، حضرت عمرؓ ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ تھے ۔ ان حضرات نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

اطاعت کے بارے میں باہم گفتگو شروع کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میرے نزدیک دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں:۔

اول۔ آپؐ کی ذات اقدس پر اپنا مال خرچ کرنا، دوم: آپؐ کے پاس بیٹھنا، سوم۔ آپؐ کے اوپر کثرت سے درود و سلام پڑھنا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔ اور میرے نزدیک دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں:۔

اول۔ مہمان کی تعظیم و تکریم کرنی، دوم۔ گرمی کے دنوں میں روزہ رکھنا، سوم۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو کر تلوار سے جہاد کرنا۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ میرے نزدیک دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں۔

اول۔ کھانا کھلانا، دوم۔ سلام کی اشاعت کرنی، سوم۔ رات میں نماز پڑھنی جبکہ لوگ سورہے ہوں۔

حضرت علیؓ نے بھی اسی طرح فرمایا۔

پھر حضرت محمد ﷺ نے ان حضرات سے فرمایا:۔ میرے نزدیک تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں:۔

اول۔ عورتیں، دوم:۔ خوشبو، سوم:۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

پھر حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور فرمایا:۔ میرے نزدیک دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں۔

اول۔ رسالت کا پہنچانا، دوم:۔ امانت کا ادا کرنا، سوم:۔ بیماروں کی عیادت کرنی۔

پھر حضرت جبرئیلؑ غائب ہو گئے، اور پھر ظاہر ہوئے اور فرمایا:۔ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے نزدیک دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں:

اول۔ ذکر کرنے والی زبان، دوم:۔ شکر کرنے والا قلب، سوم۔ بلا پر صبر کرنے والا جسم۔

اس حدیث شریف کو حضرت شطبیؒ نے بیان فرمایا ہے، اور اس کے صحیح ہونے کا بہتر علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ لیکن اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے یہ حدیث شریف صحیح ہے۔

اور عورتوں کے محبوب ہونے میں حکمت : زیادہ نکاح کرنے کی ترغیب دینی ہے تا کہ نسل زیادہ ہو، جو اس عالم پر چھا جائیں۔

اور خوشبو۔ تو حضور اکرم ﷺ خود سراپا خوشبو تھے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے وجود میں پھیلا دیا اور کل کائنات اس خوشبو سے معطر ہو گئی اور حضرت محمد ﷺ کے جسم مبارک سے خوشبو پھیلی تھی خواہ آپ خوشبو لگاتے یا نہ لگاتے۔ آپ کبھی کبھی خوشبو اس لیے استعمال کرتے تھے تا کہ اس کی وجہ سے وہبی (اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ) خوشبو چھپ جائے اور ایسا اس خوف سے کرتے تھے تا کہ لوگ آپ کی شان مبارک میں غلو نہ کریں۔ جیسا کہ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان مبارک میں غلو کیا اور حد سے آگے بڑھ گئے۔

اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے:۔ خوشبو اہل جنت کی صفت ہے اور حضرت محمد ﷺ جنت میں تھے اس کی خوشبو آپ کے جسم اطہر میں بس گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر مصنف نے اس تیسرے مکتوب میں اللہ تعالیٰ سے خوشی بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کے احسانات سے خوشی کا بیان فرمایا:۔

اَلنَّاسُ فِي وُرُوْدِ الْمِنَنِ عَلَيْهِمْ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَقْسَامٍ

"احسانات کے نازل ہونے میں انسانوں کی تین قسمیں ہیں"

عوام، خواص، اور خواص الخواص

پھر مصنف نے عوام کا مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

فَرِحٌ بِالْمِنَنِ لَا مِنْ حَيْثُ مُبْدِيْهَا وَمُنْشِيْهَا ، وَلٰكِنْ بِوُجُوْدِ مُتْعَتِهٖ فِيْهَا

"وہ احسانات سے خوش ہوتے ہیں لیکن اس کے پیدا کرنے والے اور بھیجنے والے کی حیثیت سے خوش نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ ان سے اپنا فائدہ حاصل ہونے کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں"

میں کہتا ہوں:۔ یہ لوگ چوپایہ جانوروں کی طرح ہیں ان کی کل شان اور ہمت ان کو نفس اور ان کا حظ ہے۔

حضرت ابن جنا نے ان لوگوں کی شان میں کیا خوب فرمایا ہے:۔

وَاعْلَمْ بِأَنَّ عُصْبَةَ الْجُهَّالِ بَهَائِمٌ فِي صُورَةِ الرِّجَالِ

"اور تم یہ جان لو کہ جاہلوں کا گروہ آدمیوں کی شکل میں جانور ہیں"

پھر مصنف نے ان لوگوں کا حکم بیان فرمایا۔

فَهٰذَا مِنَ الْغَافِلِيْنَ

"پس یہ لوگ غافلوں میں سے ہیں"

اس لئے کہ جب ان کو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں تو یہ ان میں مشغول ہو کر لذت اور آسودگی حاصل کرتے اور اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں اور جب نعمتیں ان سے واپس ہو جاتی ہیں تو وہ ان کی طلب اور حرص میں متفکر ہوتے ہیں اور جب وہ نعمتیں پاتے ہیں تو ان کا فائدہ اور لطف ان کو نعمتوں کی شکرگزاری سے غافل کر دیتا ہے۔ لہٰذا ان کی یہ غفلت ان نعمتوں کے زوال کا سبب بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ

"اور اگر تم لوگ میری ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب سخت ہے"

اور اکثر اوقات ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہے:-

حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ

"یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں میں جو ان کو دی گئی ہیں مگن ہو گئے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا تو اب وہ محروم ناامید ہیں"

یہ آیت کریمہ اگرچہ کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ لہٰذا جو شخص دنیا کی نعمتوں اور اس کی زینتوں میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، اور اپنے ظاہری فرائض سے غافل ہو جاتا ہے اس کے اوپر یہ صادق آتا ہے کہ وہ ان نعمتوں میں جو اس کو دی گئی ہیں، مگن ہو گیا۔ تو اسی درمیان میں کہ وہ اپنی غفلت میں بھٹک اور اپنی شہوت میں غرق رہا۔ اچانک اس کو موت نے پکڑ لیا تو وہ نعمتوں کی طرف لوٹنے سے ناامید، اور ان سے فائدہ حاصل کرنے سے مایوس ہو گیا۔ اور کبھی وہ نعمتیں اس کی موت کے پہلے ہی اس سے چھین لی جاتی ہیں تو وہ ان پر حسرت

مِنَ الْجَنَّةِ ، وَيَقُولُونَ لَهُمْ - هٰذِهِ أَعْمَالُكُمْ وَفِيهَا أَعْمَالُكُمْ . وَيُنَادِي الْمُنَادِي أَيْضًا:- أَيْنَ أَبْنَاءُ الدُّنْيَا)) أَيِ الْمُخْتَلِفُونَ وَالْمُقَصِّرُونَ ((أَيْنَ مَنْ عَصَى الْمَوْلٰى ؟ هَلُمُّوا إِلٰى دَارِ الْبَلْوٰى . فَيَأْتُونَ وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُورِهِمْ . أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ، فَيُؤْمَرُ بِهِمْ إِلَى الْعَذَابِ))

"قیامت کے دن ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا:- اعمال صالحہ کی نفع مند تجارت کرنے والے کہاں ہیں؟ تو اولیاء اور اصفیاء اور عابدین اور زاہدین کھڑے ہو جائیں گے۔ تو ان لوگوں کو نور کی بہترین سواریوں پر سوار کیا جائے گا۔ وہ سواریاں ان کو لے کر عرش کی طرف پرواز کریں گی۔ اور ان کے آگے آگے فرشتے چل رہے ہوں گے۔ یہاں تک کہ وہ فرشتے ان کو لے جا کر جنت میں ان کے مکانوں میں اتاریں گے اور ان سے کہیں گے - یہ تمہارے سامان ہیں اور انہیں میں تمہارے اعمال ہیں۔

پھر اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: اعمال صالحہ کو ترک کرنے والے، اور ان میں کوتاہی کرنے والے لوگ کہاں ہیں؟ وہ لوگ جو اپنے مولا کے حکم کی نافرمانی کرتے تھے، کہاں ہیں؟ تنگی اور مصیبت کے گھر کی طرف آؤ۔ تو وہ لوگ اس حال میں آئیں گے کہ اپنی پیٹھ پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوں گے۔ خبردار ہو جاؤ، وہ بوجھ کتنا برا ہے جس کو وہ اٹھائے ہوں گے پھر ان کو عذاب کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا"

پھر مصنف نے تیسری قسم کے لوگوں یعنی خواص الخواص کا مقام بیان فرمایا۔

وَفَرِحَ بِاللّٰهِ ، مَا شَغَلَهُ مِنَ الْحِسِّ ظَاهِرٌ مِنْهَا وَلَا بَاطِنٌ مِنْهَا

"اور وہ لوگ یعنی خواص الخواص اللہ تعالیٰ سے خوش ہوتے تو احسان کا ظاہری فائدہ ان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرتا ہے، نہ باطنی احسان۔

میں کہتا ہوں:- احسانات کا ظاہری فائدہ: بشریت کا فائدہ ہے اور وہ محسوس لذت ہے اور وہ پہلے مقام والے غافلین عوام کا حال ہے۔

اور احسانات کا باطنی فائدہ:- منعم حقیقی کا ذکر اور اس کی طرف بڑھنا ہے اور وہ دوسرے مقام

والے خواص کا حال ہے۔

پھر مصنف نے تیسرے مقام والے خواص الخواص کے حال کی طرف اشارہ فرمایا:-

[بَلْ شَغَلَهُ النَّظَرُ اِلَى اللّٰهِ عَمَّا سِوَاهُ] مِنَ الْمَنْفَعَةِ الْحِسِّيَّةِ اَوِ الْمَعْنَوِيَّةِ [وَ] شَغَلَهُ [الْجَمْعُ] عَلَى اللّٰهِ بِالتَّوَكُّلِ [عَلَيْهِ] فَكَفَاهُ شُؤُونَهُ وَ اُمُورَهُ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ لَهُ اِهْتِمَامٌ بِغَيْرِ مَوْلَاهُ ، بَلْ اَغْنَاهُ بِهِ عَمَّا سِوَاهُ [فَلَا يَشْهَدُ اِلَّا اِيَّاهُ] وَلَا يُحِبُّ شَيْئًا سِوَاهُ

" بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اس کے ماسوا ظاہری یا باطنی فوائد سے غافل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر جمع ، ان کو اللہ تعالیٰ پر توکل میں مشغول کر دیتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات اور معاملات میں ان کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غیر اللہ کے ساتھ ان کو کوئی تعلق باقی نہیں رہ جاتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے ساتھ مشغول کر کے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے سوا کسی شی کو دیکھتے ہیں نہ اس کے سوا کسی شی سے محبت کرتے ہیں۔ اور بعض نازل شدہ آسمانی کتابوں میں جو باتیں پائی گئی ہیں ان میں سے یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اے میرے بندے! اگر تو میری اطاعت کرے گا تو میں تیری سرپرستی کروں گا اور اگر تو مجھ سے ڈرے گا تو میں تجھ کو اپنے قریب کر لوں گا۔ اور اگر تو مجھ سے شرم کرے گا تو میں تیرے لیے بخشش کروں گا۔ اور تجھ کو بزرگی عطا کروں گا۔ اور اگر تو میرے اوپر توکل کرے گا تو میں تیرے لیے کافی ہوں گا۔ اور اگر تو میری نافرمانی کرے گا تو میں تجھ کو عذاب دوں گا لیکن تیرے لیے میرا عذاب تیری ہی وجہ سے ہے۔ (تیری نافرمانی و بداعمالی کی وجہ سے ہے)۔ میرا مرتبہ بہت بلند اور میرا فضل بہت بڑا ہے۔

اے میرے بندے! میں تیرے ان عیوب کو بخوبی جانتا ہوں ، جو اگر تیری بیوی کو معلوم ہو جائیں تو وہ تجھ سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اگر وہ تیرا غلام جان لے تو تجھ سے آزادی طلب کرے اور اگر تیرا باپ معلوم کر لے تو تجھ سے جدا ہونا اس کیلئے آسان ہو جائے۔

اے میرے بندے! اگر تو یہ کہتا ہوا میرے پاس آئے کہ میں نے غلط کیا یا برا کیا تو میں تجھ کو یہ جواب دوں گا کہ میں نے تجھ کو معاف کر دیا۔ اور اگر تو یہ کہے کہ میں نے ٹھیک کیا تو میں جواب دوں گا کہ

میں لے لیا گیا۔

پھر مصنف نے اس تیسری قسم یعنی خواص الخواص کی شہادت پیش فرمائی۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ

"آپ اللہ کا ذکر کیجئے، اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے، وہ اپنے وہم وخیال میں کھیلتے رہیں"

میں کہتا ہوں: اس آیت کریمہ میں اللہ کہنے سے مراد دل کا کہنا ہے۔ یعنی تم تمام اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی یاد کرو۔ اس طرح کہ وہ فنا ہو جائیں گی اور صرف ان کا خالق اللہ تعالیٰ باقی رہے گا، پھر تم لوگوں کو ان کے وہم وخیال میں کھیلتے ہوئے چھوڑ دو۔

اور تمام اشیاء میں وہ نعمتیں بھی ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تجلی ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا جب وہ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے شہود میں ان اشیاء سے غائب ہو جائے گا پھر وہ اللہ تعالیٰ میں مشغول ہو کر اس کے ماسوا سے غائب ہو جائے گا۔

حضرت شبلی نے فرمایا ہے: شکر، منعم حقیقی کا دیکھنا ہے، نعمت کا دیکھنا شکر نہیں ہے۔

حضرت ابو محمد جریری نے فرمایا ہے: جس شخص نے نعمتوں کو دیکھا اور منعم حقیقی کو نہیں دیکھا، وہ شکر ادا کرنے سے رک گیا۔ اور جس نے نعمتوں کو نظر انداز کر کے منعم حقیقی کو دیکھا، اس نے منعم حقیقی کا شکر ادا کیا۔

تنبیہ: اکثر صوفیائے کرام اس آیت کریمہ سے ہر شے سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانے اور غیر اللہ سے غائب ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ تفسیر اشارہ ہے۔ لفظ کے معنی کی ظاہری تفسیر نہیں ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ یہودیوں کی تردید میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے کہا۔

مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ

"اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے (کوئی کتاب) بھی نازل نہیں کی"

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسٰى

"آپ ان سے کہیے: وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جس کو لے کر موسیٰ علیہ السلام آئے تھے"

پھر جب یہودیوں نے جواب نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو ہدایت فرمایا -
کہئے اللہ یعنی ان سے کہئے: اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا، پھر ان سے بحث نہ کیجئے
بلکہ ان کو چھوڑ دیجئے، وہ اپنے وہم و خیال میں کھیلتے رہیں۔

صوفیائے کرام ظاہر کو اس کے ظاہر پر قائم رکھتے ہیں اور اس سے پوشیدہ اشارے حاصل کر لیتے ہیں اور ان کے سوا دوسرے لوگ ان کا مفہوم نہیں سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے ان کی تردید کی ہے کیونکہ انہوں نے ان کا مقصد نہیں سمجھا ہے۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

"ہر شخص نے اپنے پینے کا گھاٹ معلوم کر لیا ہے"

اسم ذات کا صرف زبانی ذکر، اس میں تین قول ہیں

لیکن اسم ذات "اللہ" کو ذکر صرف زبان سے کرنا، تو اس بارے میں تین اقوال ہیں -

پہلا قول: یہ ہے کہ بالکل جائز ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ بالکل مکروہ ہے۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ یہ علیحدہ حکم ہے، وہ مجاہدوں کیلئے جائز ہے۔ اور ابتدا والوں کیلئے جائز نہیں ہے۔ لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے یعنی یہ بالکل جائز ہے۔ اور یہی طریقہ شاذلیہ کے [illegible] سے متعلق حضرات کا معمول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چونکہ مصنف نے اس سے استدلال کیا جو ہماری کتاب قرآن مجید میں ہے۔ تو اس کا بیان بھی فرمایا، جو ہم سے پہلے کی نازل شدہ کتاب میں ہے چنانچہ فرمایا:-

وَلَقَدْ أَوْحَى اللهُ تَعَالَى إِلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ - يَا دَاوُدُ قُلْ لِلصِّدِّيقِينَ بِي فَلْيَفْرَحُوا وَبِذِكْرِي فَلْيَتَنَعَّمُوا

"اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی طرف وحی نازل فرمائی - اے داؤد! آپ صدیقین سے کہہ دیجئے: وہ مجھ سے خوش ہوں اور میرے ذکر سے فائدہ حاصل کریں"

سرور کا وسط یعنی درمیان: یہ ہے کہ اس حالت میں علم کا حجاب دور ہو جاتا ہے اور تکلیف کی غلامی مٹ جاتی ہے اور تدبیر و اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

سرور کی انتہا: یہ حالت وحشت کے آثار کو مٹا دیتی ہے اور مشاہدہ کے دروازے کو کھول دیتی ہے اور تجلی کی بشارت کیلئے روح کے چہرے کو بشاش (ہنس مکھ) بنا دیتی ہے۔

لہٰذا سرور کی ابتداء میں تصدیق حاصل ہوتی ہے اور اس کے وسط میں انسیت حاصل ہوتی ہے اور اس کی انتہا میں جمع اور وصال حاصل ہوتا ہے۔

سرور کی اقسام ثلاثہ کی مثال

ایک عارف نے سرور کی تینوں قسموں کی مثال بیان کی ہے۔ یعنی ایک وہ شخص ہے جو نعمتوں سے اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ اس میں اس کی خواہش پوری ہوتی ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ وہ نعمتوں میں نعمت دینے والے کا احسان دیکھتا ہے اور تیسرا وہ شخص ہے جو صرف نعمت دینے والے سے خوش ہوتا ہے۔

ان عارف نے فرمایا: اس کی مثال اس طرح ہے: تین شخص بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے ہر شخص کو ایک گھوڑا اور ایک تلوار دی۔

تو ایک شخص نے کہا: ہم اس گھوڑے سے فائدہ حاصل کریں گے۔ اور اپنی حاجتیں پوری کرنے کیلئے ہم اس پر سوار ہوں گے اور ہم اس پر سوار ہو کر اپنے دشمن سے جنگ کریں گے۔ تو وہ اس سے اس لیے خوش ہوا کہ اس میں اس کے فوائد حاصل ہوں گے۔ اور اس کی خواہش پوری ہوگی۔ اس کے دل میں بادشاہ کی محبت نہیں ہے بلکہ وہ صرف اپنی حاجت پوری کرنے کیلئے اس کے پاس آیا۔

دوسرے شخص نے کہا: ہم بادشاہ کی خدمت کیلئے اور اس کے پاس حاضر ہونے کیلئے اور اس کے دشمن سے جہاد کرنے کیلئے اس گھوڑے سے مدد لیں گے۔ تو وہ گھوڑے سے اس لیے خوش ہوا کہ وہ بادشاہ کی ضروریات اور فوائد کیلئے نہ کہ اپنی ذات کی حاجتوں کیلئے گھوڑے سے مدد لے گا۔

تیسرے شخص نے کہا: بادشاہ میری اتنی محبت اور تعظیم کرتا ہے کہ اس نے مجھ کو یہ گھوڑا دیا

فرمایا اور یہ میرے اوپر بادشاہ کی خاص توجہ ہے تو وہ گھوڑے سے اس لیے خوش ہوا کہ وہ بادشاہ کی محبت اور توجہ کی دلیل ہے یہ تینوں قسموں کی مثال ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے اس کے متعلق باب شکر میں تفصیل کے ساتھ بحث فرمائی ہے اگر تم چاہتے ہو تو اس کا مطالعہ کرو۔

پھر مصنفؒ نے اپنے مکتوب کو مناسب دعا کے ساتھ ختم کیا، چنانچہ فرمایا:-

وَاللّٰهُ يَجْعَلُ فَرَحَنَا وَإِيَّاكَ بِهِ   أَيْ دُوْنَ غَيْرِهِ

"اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری خوشی کو اپنے ساتھ بنائے اپنے غیر کے ساتھ نہ بنائے یعنی ہم اس کے سوا کسی شے سے خوش نہ ہوں۔

اور مصنفؒ کا مخاطب وہ ہے جس کے پاس انہوں نے یہ مکتوب روانہ کیا۔ یا ہر وہ شخص مخاطب ہے جو اس کتاب کا مطالعہ کرے یا اس کو یاد کرے یا اس پر عمل کرے یا اس کو سنے یا اس کے سامنے پڑھی جائے۔

اور جب ہماری خوشی تنہا اس کے ساتھ متعلق ہو جائے گی تو ہم اس تیسری قسم میں شامل ہو جائیں گے جو خواص الخواص کا مقام ہے۔

اور جس شخص کی خوشی صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنفؒ نے فرمایا:

وَبِالرِّضٰى مِنْهُ

"اور ہماری خوشی اپنی رضامندی کے ساتھ بنائے"

یعنی ہماری خوشی کو اپنی رضامندی کے ساتھ اس طرح وابستہ کر دے کہ ہم اس کی تقدیر کے سوا کسی شے سے راضی ہوں۔ پھر ہم اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

"اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے"

اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے قلعے میں پناہ لی، وہ ایک مضبوط قلعہ میں پناہ گزین ہو کر غفلت سے محفوظ ہو گیا۔ اسی لیے مصنف نے فرمایا:-

وَاَنْ لَّا يَجْعَلَنَا مِنَ الْغَافِلِيْنَ

"اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہم کو غافلین میں سے نہ بنائے"

یعنی ان لوگوں میں سے جو منعم حقیقی کے شہود سے خوش ہونے کی بجائے نعمتوں سے خوش ہوتے ہیں۔

اور مصنف کی دعا دونوں کے طریقے پر تینوں قسموں کو شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوشی۔ تیسرا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے خوشی۔ دوسرا مقام ہے اور پہلے مقام سے مصنف نے پرہیز کیا ہے کہ وہ ہم کو اس میں سے نہ بنائے۔

اور جب بندہ غفلت سے نکل جاتا ہے تو وہ بیدار و ہوشیار ہو جاتا ہے اور بیداری ہی تقویٰ ہے جس کی طرف مصنف نے اپنے قول میں اشارہ فرمایا ہے:-

وَاَنْ يَّسْلُكَ بِنَا مَسْلَكَ الْمُتَّقِيْنَ

"اور اللہ تعالیٰ ہم کو متقین کے راستے پر چلائے"

یعنی ان لوگوں کے راستے پر جنہوں نے پہلے شرک اور گناہوں سے پرہیز کیا اور دوسری مرتبہ خواہشات اور عادتوں سے پرہیز کیا اور تیسری مرتبہ ماسوی اور غیر سے پرہیز کیا۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی معنی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

"جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا ان کے اوپر اس میں کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے کھایا۔ جب وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔ پھر وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں۔ پھر وہ تقویٰ اختیار کریں اور احسان کریں، اور اللہ تعالیٰ احسان والوں کو دوست رکھتا ہے"

تقویٰ کی تین اقسام

بعض مقامات کے اعتبار سے تقویٰ کی تین قسمیں ہیں:۔

تقویٰ کی پہلی قسم ۔ اہل مقام اسلام کا تقویٰ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کیلئے شرعی احکام کی مخالف اشیاء سے جسمانی اعضاء کی حفاظت کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آیت کریمہ میں انہیں لوگوں سے خطاب فرمایا ہے:۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

"تم لوگ اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو"

تقویٰ کی دوسری قسم ۔ اہل مقام ایمان کا تقویٰ ہے اور وہ لغزشوں اور وسوسوں سے قلوب کی حفاظت کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آیت کریمہ میں انہیں لوگوں سے خطاب فرمایا ہے:۔

فَاتَّقُونِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

"اے عقل والو! مجھ سے ڈرو"

تو جب قلب لغزشوں اور وسوسوں سے پاک ہو جاتا ہے تو معرفت ربانی کی حقیقتوں کے شہود سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کی تیسری قسم ۔ اہل مقام احسان کا تقویٰ ہے اور وہ ماسوی اللہ تعالیٰ سے سر کی حفاظت کرنی ہے کیونکہ جب سر اغیار سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ انوار کے شہود سے کامیاب ہو جاتا ہے اور یہی ذات مقدس کی معرفت ہے۔

اور تقویٰ کے مقامات میں سے ہر مقام کیلئے ایسے اسباب ہیں جو ان کے تقویٰ کے سبب بنتے ہیں۔

پس اہل مقام اسلام کے تقویٰ کا سبب ثواب کی امید اور عذاب کا خوف ہے ۔ لہٰذا ان کا تقویٰ خوف و رجا کی بنا پر ہے۔

پسندی کی رقاقت کیوں ہے۔ تو میں نے اس سے پہلے تم سے صادر ہوتے نہیں دیکھی؟ اس نے
جواب دیا: مجھ سے زیادہ اس حال کا مستحق کون ہو سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ میرا آقا ہو گیا ہے اور میں
اس کا غلام ہو گیا ہوں۔

حکایت

حضرت ذوالنون نے فرمایا ہے: میں نے ایک بوڑھے شخص کو اس حال میں دیکھا کہ وہ
سواروں کے ساتھ پیدل چل رہا ہے اس کے ہاتھ میں قرآن مجید ہے، وہ اس کو پڑھتا ہے اور اچھلتا
کودتا اور ناچتا ہے۔ میں نے اس سے دریافت کیا: اے شیخ! آپ کیوں ناچ رہے ہیں؟ انہوں نے
جواب دیا: میں نے اپنے دل میں کہا: میں کس کا غلام ہوں؟ اور میں کس کا کلام پڑھ رہا ہوں؟ اور
کس کے گھر جانے کا میں نے ارادہ کیا ہے؟ تو فرحت و سرور سے میرے اندر بے اختیاری حالت
پیدا ہوئی اور میں بغیر ارادے کے ناچنے لگا۔

پھر مصنف نے اپنی دعا میں جو شے طلب کی اس کے لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسان اور کرم
کو وسیلہ بنانا پسند فرمایا۔

بِمِنَّتِهٖ وَكَرَمِهٖ

"اپنے احسان اور کرم کے وسیلے سے"

یعنی جن چیزوں کا بیان پہلے ہو چکا ہے میں ان کو اللہ تعالیٰ کے احسان و کرم کے وسیلے سے
طلب کرتا ہوں، کسی عمل اور حال کے سبب نہیں۔

اور یہ سب بندے کا اپنے مولائے حقیقی پر مکمل اعتماد ہے ان حالات میں جن کی طرف اس نے
بندے کو رجوع کیا اور وہی بندے کا اس کی ابتدا اور انتہا میں سرپرست ہے۔ یہاں کتاب ختم ہو
گئی اور اب مصنف اللہ کریم وہاب کی مناجات باقی ہے۔

پہلی مناجات

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:-

اِلٰهِیْ اَنَا الْفَقِیْرُ فِیْ غِنَایَ فَکَیْفَ لَا اَکُوْنُ فَقِیْرًا فِیْ فَقْرِیْ؟

"اے میرے اللہ! جب میں اپنی غنا (دولتمندی) کی حالت میں محتاج ہوں، تو میں اپنی محتاجی کی حالت میں کیسے محتاج نہ ہوں گا؟"

میں کہتا ہوں: مصنفؒ نے اپنی مناجات محتاجی ثابت کرنے کے ساتھ شروع کی کیونکہ اس کے بعد غنا جلدی ہی آتی ہے اور میں نے اس کو اپنے ایک قصیدے میں بیان کیا ہے، جو پہلے گزر چکا ہے:-

تَحَقَّقْ بِوَصْفِ الْفَقْرِ فِیْ کُلِّ لَحْظَةٍ فَمَا اَسْرَعَ الْغِنٰی اِذَا صَحَّ الْفَقْرُ

"تم ہر لمحہ محتاجی کے وصف کے ساتھ ثابت قدمی سے قائم رہو کیونکہ جب محتاجی درست ہو جاتی ہے تو غنا بہت جلدی آتی ہے"

حضرت شیخ ابو عثمانؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرمایا ہے:-

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً

"تم لوگ اپنے رب سے عاجزی اور پوشیدگی کے ساتھ دعا کرو"

تضرع: یہ ہے کہ تم اپنی محتاجی اور اپنی عاجزی اور اپنا عیب اور اپنی ضرورت اور اپنے اختیار اور قوت کی کمی کو سامنے رکھو۔ اور تضرع زبان سے ظاہر کرنا نہیں ہے اور نہ عبادتوں کا ظاہر کرنا ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: جب میں اپنی دولت اور دنیاوی غنا کی حالت میں محتاج ہوتا ہوں تو میں اپنی حقیقی اور اصلی محتاجی کی حالت میں کیوں محتاج نہ ہوں گا؟

کیونکہ میری غنا ظاہری اسباب کی موافقت سے ہے اور اس کا وجود میری ذات سے نہیں ہے اور اس کا باقی رہنا میرے اختیار میں نہیں ہے لہٰذا میں اس کے موجود ہونے کی حالت میں محتاج

ہوں، تو میں اس کے موجود نہ ہونے کی حالت میں کیسے محتاج نہ ہوں گا؟

یا مصنفؒ فرماتے ہیں:- میں اپنی زندگی کی اس حالت میں جبکہ میرے خاندان اور احباب کے ساتھ میری غنا کی صورت ظاہر ہے محتاج ہوں۔ تو میں اپنی موت کے بعد جبکہ میرے احباب اور خاندان جدا ہو جائیں گے، کیسے محتاج نہ ہوں گا؟

یا مصنفؒ فرماتے ہیں:- جب میں تیرے ساتھ اپنی غنا کی حالت میں محتاج ہوں کیونکہ تیری مدد کی زیادتی سے میں بے نیاز نہیں ہوں، (یعنی میں تیری مزید مدد کا ہر وقت محتاج ہوں) اور یہ مفہوم ویسا ہی ہے جیسا کہ ایک عارف شاعر نے فرمایا ہے:-

أَنَا الْفَقِيْرُ إِلَيْكُمْ وَالْغَنِيُّ بِكُمْ وَلَيْسَ لِيْ بَعْدَكُمْ حِرْصٌ عَلٰى أَحَدٍ

"میں تمہارے سامنے محتاج ہوں اور تمہارے ساتھ غنی ہوں اور تمہارے سوا مجھکو کسی غنی کی حرص نہیں ہے"

تو میں تیرے سامنے اپنی محتاجی کی حالت میں کیسے محتاج نہ ہوں گا؟

یعنی جب میں تیرے ساتھ اپنی غنا دیکھنے کے حال میں محتاج ہوں تو میں تیرے سامنے اپنی محتاجی دیکھنے کے حال میں کیسے محتاج نہ ہوں گا؟

ایک عارف شاعر نے فرمایا ہے:-

إِنِّيْ إِلَيْكَ مَعَ الْأَنْفَاسِ مُحْتَاجٌ لَوْ كَانَ فِيْ مَفْرِقِيْ الْإِكْلِيْلُ وَالتَّاجُ

"میں ہر سانس کے ساتھ تیرے سامنے محتاج ہوں اگرچہ میرے سر پر شاہی تاج ہو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی محتاجیاں ظاہر کرنے اور اس کے ماسویٰ سے اپنی ہمت کو اٹھا کر اپنے مولائے حقیقی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنے میں اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے فوائد، اور عزت اور مرتبے کی اتنی بلندی حاصل ہوتی ہے جس کے بیان سے زبان گونگی ہوتی ہے اور اس کے برداشت سے وسیع قلب عاجز ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہؒ نے فرمایا ہے:- جب بندہ دعا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی محتاجگی ظاہر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں کہتا ہے:- لبیک۔ لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کے لبیک کہنے کو سننے کی

طاقت نہیں رکھتا ہے۔

اور بعض نازل شدہ آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پہنچ چکا ہے:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ اپنی حاجت میری مخلوق کو چھوڑ کر میرے سامنے پیش کرتا ہے۔ حالانکہ میں اس کی نیت سے زیادہ اس کی حاجت کا علم رکھتا ہوں۔ تو اگرچہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینیں اس کے ساتھ مکر و فریب کریں لیکن میں اس کیلئے اس کے معاملے سے نکلنے کا اور اس کی کشادگی کا راستہ پیدا کر دیتا ہوں یا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو)

حضرت ابوالقاسم قشیری نے فرمایا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پھر اپنی حاجتیں غیر اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مخلوق کا محتاج بنا دیتا ہے۔ پھر اس کیلئے مخلوق کے قلوب سے ہمدردی اور رحمت نکال دیتا ہے۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی محتاجی کا مقام دیکھتا ہے اور اپنی حاجتیں اسی کے سامنے پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے طریقے پر غنی کرتا ہے جس کو وہ کبھی نہیں سمجھ سکتا ہے اور اس کی حاجت اس کو عطا کرتا ہے جہاں سے مخلوق کی اس کو امید بھی نہیں ہوتی ہے۔

ایک عارف سے دریافت کیا گیا:۔ کیا بندہ روزی کو تلاش کرے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں اگر اس کو معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے۔ تو اس کو تلاش کرنی چاہیے۔

پھر ان سے دریافت کیا گیا:۔ کیا بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے؟ انہوں نے جواب دیا۔ نہیں۔ اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے متعلق شک ہو تو اس کو آزمائش کرنی چاہیے۔

پھر ان سے دریافت کیا گیا۔ کیا بندہ اللہ تعالیٰ سے مانگے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ اگر اس کو یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھول گیا ہے تو اس کو یاد دہانی کرنی چاہیے۔

پھر ان سے دریافت کیا گیا:۔ بندہ پھر کیا کرے؟ انہوں نے جواب دیا۔ بندہ وہ عمل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔

لہذا بندہ کو اپنے رب تعالیٰ پر کامل اعتماد رکھنا چاہیے اور اس نے اس کو جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل میں اس کو مشغول رہنا چاہیے اور اس کو ایسا ہونا چاہیے جیسا کہ بہلول دیوانے نے فرمایا ہے۔

ہم اسی طرح اس کی عبادت کرتے ہیں جس طرح اس نے ہم کو حکم دیا ہے اور وہ ہم کو اس طرح روزی دیتا ہے جس طرح اس نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے۔

اور اپنے قلب اور جسم کے مخلوق کے ساتھ بالکل تعلق نہ رکھنا چاہیے اور ان خطروں اور وسوسوں کو مٹا دینا چاہیے جو مخلوق سے تعلق کی بنا پر اس کے قلب میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ وسوسے اس کے قلب میں مضبوطی سے قائم ہو جائیں، پھر وہ محرومی کا شکار ہو کر بدنصیبی اور رسوائی میں مبتلا ہو جائے۔

ایک عجیب حکایت

حضرت ابراہیم خواصؒ نے فرمایا ہے:- میں جنگل و میدان میں حیران و سرگرداں پھر رہا تھا۔ یہاں تک کہ حال نے مجھ کو پریشان کر دیا۔ تب میں نے کتے کے رونے کی آواز سنی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور اسی کی طرف چلا۔ یہاں تک کہ میری ملاقات ایک جانور سے ہوئی، اس نے میری گردن میں گھونسہ مارا۔ میں نے اپنے دل میں کہا:- جو شخص مخلوق پر بھروسہ کرتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے تو مجھ سے میرے سر میں کہا گیا:- اے ابراہیم! جب تک تو میری حفاظت و نگرانی میں تھا اس وقت تک تو عزیز تھا۔ لیکن جب تو کتے کی حمایت میں چلا گیا تو تیرے اوپر مخلوق مسلط ہوئی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی تو اب میں نے یہ دیکھا کہ وہ شخص جس نے مجھ کو گھونسہ مارا تھا وہ ایک طرف گر گیا اور اس کا سر ٹوٹ گیا ہے۔

ایک عارف کے اشعار ہیں:-

مَدَدْتُ یَدِیْ اِلَیْکَ تَرْجُوْ نَوَالًا وَرَحْمَةً وَمَالِیْ شَفِیْعٌ غَیْرُ جُوْدِكَ وَالرَّجَا

"میں نے بخشش اور رحمت کی امید کر کے اپنا ہاتھ پھیلایا اور تیری بخشش اور امید کے سوا میرا کوئی شفیع نہیں ہے"

فَجُدْلِیْ بِعَفْوٍ مِنْكَ وَارْحَمْ تَذَلُّلِیْ فَاَنْتَ الَّذِیْ اَعْطَیْتَنِی الْفَقْرَ وَالْتَجَا

"لہٰذا تو اپنی معافی سے میرے لیے بخشش کر، اور میری ذلت و عاجزی پر رحم فرما۔ کیونکہ تو نے ہی مجھ کو محتاجی اور پناہ عطا فرمائی ہے"

دوسری مناجات

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:-

اِلٰهِيْ اَنَا الْجَاهِلُ فِيْ عِلْمِيْ ، فَكَيْفَ لَا اَكُوْنُ جَاهِلًا جَهُوْلًا فِيْ جَهْلِيْ؟

"اے میرے اللہ! جب میں اپنے علم کے حال میں جاہل ہوں تو میں اپنی جہالت و نادانی کے حال میں کیسے جاہل نادان نہ ہوں گا؟

میں کہتا ہوں:- حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں:- میں اپنے اس عارضی علم کے حال میں جو تو نے مجھکو تعلیم دی ہے، جاہل ہوں۔ تو میں اس اپنی اس اصلی اور مقامی جہالت و نادانی کے حال میں کیسے جاہل نہ ہوں گا جس میں تو نے مجھکو قائم کیا ہے؟

یا مصنفؒ فرماتے ہیں:- جب میں اس علم سے جو تو نے مجھکو تعلیم دی ہے، اپنی نسبت کے حال میں جاہل ہوں تو میں اپنی اصلی اور مقامی جہالت کے حال میں کیسے جاہل نہ ہوں گا؟

اور ربوبیت کے علم کے ساتھ عبودیت کے علم کی نسبت ایسی ہی ہے، جیسے کہ سمندر سے چڑیا اپنی چونچ میں پانی بھرے۔

جیسے کہ حضرت خضرؑ نے حضرت سیدنا موسیٰؑ سے فرمایا:-اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

"اور تم لوگوں کو تھوڑا علم دیا گیا ہے" اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:-

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ

"اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کسی شی کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے ہیں"

اور تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا

"اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے

تیسری مناجات

حضرت مصنفؒ نے فرمایا۔

إِلٰهِيْ إِنَّ اخْتِلَافَ تَدْبِيْرِكَ ، وَسُرْعَةَ حُلُوْلِ مَقَادِيْرِكَ ، مَنَعَا عِبَادَكَ الْعَارِفِيْنَ بِكَ عَنِ السُّكُوْنِ إِلٰى عَطَاءٍ ، وَالْيَأْسِ مِنْكَ فِيْ بَلَاءٍ

''اے میرے اللہ! یقیناً تیری تدبیر کے اختلاف، اور تیری قضا وقدر کے فوری نفوذ نے تیرے عارف بندوں کو کسی عطا میں سکون حاصل کرنے سے، اور کسی بلا میں تجھ سے مایوس ہونے سے روک دیا ہے''

میں کہتا ہوں:۔ تدبیر کا اختلاف:۔ یعنی بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت مثلاً فقر یا غنا، علم یا جہالت، عزت یا ذلت، قبض یا بسط، مرض یا صحت، ایمان یا کفر اور ان کے علاوہ قدرت کے دوسرے آثار کے اختلافات، اور حکمت کے مظہروں کے اقسام میں اس کے ارادہ اور مشیت کے مطابق قائم ہوتا ہے۔

اور قضا وقدر کا فوری نفوذ ۔ ان احوال کا ایک حال سے دوسرے حال میں مثلاً فقر سے غنا میں، اور غنا سے فقر میں، اور علم سے جہالت میں اور جہالت سے علم میں، اور عزت سے ذلت میں، اور ذلت سے عزت میں، اور قبض سے بسط میں، اور بسط سے قبض میں اور مرض سے صحت میں، اور صحت سے مرض میں اور ایمان سے کفر میں نعوذ باللہ اور کفر سے ایمان میں جلد منتقل کر دیتا ہے۔ کیونکہ مخلوق کے قلوب اللہ واحد قہار کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ ان کو جس طرح چاہتا اور پسند کرتا پھیرتا ہے اور ان کے ساتھ جو چاہتا کرتا ہے۔

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُوْنَ

''اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا ہے جو وہ کرتا ہے اور ان لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا''

لہٰذا جب بندہ اس حقیقت کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے تو وہ اس سے ڈر جاتا ہے کہ وہ اس شے

چوتھی مناجات

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:

اِلٰهِیْ مِنِّیْ مَا یَلِیْقُ بِلُؤْمِیْ ، وَمِنْکَ مَا یَلِیْقُ بِکَرَمِکَ

"اے میرے اللہ! مجھ سے وہی صادر ہوتا ہے جو میری کنجوسی اور پستی کے لائق ہے اور تجھ سے وہی صادر ہوتا ہے جو تیرے کرم کے لائق ہے"

میں کہتا ہوں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں: اے میرے اللہ مجھ سے وہی پستی اور کمینہ پن اور بخیلی اور عیوب وغیرہ اوصاف ظاہر ہوتے ہیں جو میری پستی اور کمینہ پن کے لائق ہیں۔ اور تجھ سے وہی بھلائی اور احسان اور بزرگی اور بخشش اور عیوب و نقائص کی پردہ پوشی وغیرہ اوصاف ظاہر ہوتے ہیں جو تیرے بے انتہا کرم کے شایان شان ہیں۔ اور تیرے ظاہر احسان کے کمال کے لائق ہیں۔ لہٰذا تو ہماری برائیوں کو اپنے احسان کے سامنے کر دے اور ہمارے عیوب کو اپنے احسان اور کرم کے وصف سے ڈھانپ لے، کیونکہ اے اکرم الاکرمین! تو اہل تقویٰ اور اہل مغفرت ہے۔

تو ، تو ہے اور میں ، میں

حکایت:۔ ایک شخص نے کہا: اے میرے اللہ! میں تیری کتنی نافرمانی کرتا ہوں، پھر بھی تو میری پردہ پوشی فرماتا ہے۔ تو اس نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے سنا:۔ تاکہ تو یہ جان لے کہ میں، میں ہوں ۔ یعنی غفور رحیم و کریم ہوں اور تو، تو ہے یعنی عاصی و نافرمان ہے۔

بیان کیا گیا ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جو یہ پکارتا ہے:۔ اے آدم کی اولاد! اے مسکین! تو عدم میں گم تھا۔ بخشش والے اللہ کریم کے سوا کون ہے جس نے تم کو وجود بخش کر بنایا؟ وہ کون ہے جس نے تم کو عالم غیب سے عالم شہادت میں ظاہر فرمایا؟ وہ کون ہے جس نے تم کو کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں پہنچایا؟ اللہ کریم و منان کے سوا کون ہے جو تمہارے ہر حال کا سرپرست بنا؟ لہٰذا تو اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہ، اور تو اس کا سچا بندہ بن جا اور اپنے نفس اور اپنے

أَكُوْنَ عَاصِيًا فِي الْآخِرَةِ، وَيُقَالُ لِلْآخَرِ: لِمَ لَمْ تَمْتَثِلِ الْأَمْرَ كَمَا فَعَلَ هٰذَا، فَيَقُوْلُ: رَجَوْتُ مِنْ كَرَمِ اللّٰهِ أَنْ لَا يُعِيْدَنِي إِلَيْهَا بَعْدَ أَنْ أَخْرَجَنِي، فَيُؤْمَرُ بِهِمَا إِلَى الْجَنَّةِ

"دو شخص دوزخ سے نکالے جائیں گے پھر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ پھر ان کو دوزخ میں لوٹ جانے کا حکم دیا جائے گا۔ تو ان میں سے ایک شخص فوراً لوٹ جائے گا اور اپنے کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ اور دوسرا شخص دوزخ میں لوٹ کر جانے کے حکم سے نافرمانی کرے گا۔ تو اس شخص سے دریافت کیا جائے گا جس نے اپنے کو دوزخ میں ڈال دیا: تو نے کیوں اپنے کو دوزخ میں ڈال دیا؟ وہ جواب دے گا: اس لیے کہ میں دنیا میں نافرمان شخص تھا۔ تو اب میں آخرت میں کیوں نافرمانی کروں۔ دوسرے شخص سے دریافت کیا جائے گا: تو نے حکم کی تعمیل اس طرح کیوں نہیں کی، جس طرح اس نے کی؟ وہ جواب دے گا: اس لیے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ امید کی کہ وہ مجھ کو دوزخ سے نکالنے کے بعد پھر اس میں نہیں لوٹائے گا۔ چنانچہ ان دونوں کو جنت میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔"

اسی کے متعلق ایک شاعر کے یہ اشعار ہیں:-

اگر وہ دو بیک جا ہے کرم   ہر ذلیل کو ہے نصیب بھرم

وَلَوْ أَنَّ فِرْعَوْنَ لَمَّا طَغٰى   وَقَالَ عَلَى اللّٰهِ قَوْلًا عَظِيمًا

"اور جب فرعون نے سرکشی کی، اور اللہ تعالیٰ پر ایک بڑی بات کہی"

أَنَابَ إِلَى اللّٰهِ مُسْتَغْفِرًا   لَمَا وَجَدَ اللّٰهَ إِلَّا رَحِيمًا

"تو اگر وہ اپنی نافرمانی و سرکشی سے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کو رحیم و مہربان پاتا"

اور اللہ تعالیٰ کے حلم و کرم اور اس کی رحمت اور مہربانی کے شامل ہونے کی امید کیسے نہ کی جائے جبکہ اس کی رحمت اور مہربانی بندوں کے رجوع سے پہلے ہی ہو چکی ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو پانچویں مناجات میں بیان فرمایا:-

پانچویں مناجات

حضرت مصنفؒ نے فرمایا۔

اِلٰهِيْ وَصَفْتَ نَفْسَكَ بِاللُّطْفِ وَالرَّأْفَةِ بِيْ قَبْلَ وُجُوْدِ ضُعْفِيْ ، أَفَتَمْنَعُنِيْ مِنْهُمَا بَعْدَ وُجُوْدِ ضُعْفِيْ

"اے میرے اللہ! جب میری کمزوری ظاہر ہونے سے پہلے تو نے میرے اوپر مہربانی اور رحمت کے ساتھ اپنی ذات اقدس کو موصوف کیا۔ تو کیا میری کمزوری ظاہر ہونے کے بعد تو مجھ کو اس مہربانی اور رحمت سے محروم کر دے گا؟"

میں کہتا ہوں:۔ حضرت مصنفؒ اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری اور محتاجی کی شکایت، اور اپنے مولائے حقیقی سے اس کی مہربانی اور رحمت کی مدد مانگتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اے میرے اللہ! تو نے اپنی بزرگ کتاب میں جس کو تو نے ہماری طرف نازل فرمایا ہے یعنی قرآن مجید میں اپنی ذات اقدس کو مہربانی اور رحمت کے ساتھ موصوف فرمایا ہے۔ جیسا کہ تو نے فرمایا ہے:۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے" اور تو نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

"بیشک اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر رأفت اور رحمت کرنے والا ہے"

اور مہربانی اور رحمت کے ساتھ تیرا موصوف ہونا قدیم ہے۔ تو جب تو ہمارے اوپر ہماری کمزوری ظاہر ہونے سے پہلے مہربان اور رحیم تھا۔ تو ہماری کمزوری ظاہر ہونے کے بعد تو اپنی مہربانی اور رحمت ہم کو کیوں نہ عطا فرمائے گا؟ جب تو نے ہمارے اوپر اس وقت مہربانی فرمائی جبکہ ہم کسی مہربانی کے محتاج نہ تھے۔ تو کیا تو اب ہم کو اپنی مہربانی سے محروم کر دے گا جبکہ ہم اس کے محتاج

ہیں۔حالانکہ تو ارحم الراحمین ہے؟ جب تو نے ہم کو اپنے گھر میں ظاہر کرنے سے پہلے ہمارے اوپر اپنی رحمت جاری فرمائی۔تو کیا ہمارے ظاہر ہونے کے بعد اپنے عظیم احسان کے باوجود تو ہم کو اپنی رحمت سے مایوس کر دے گا؟ اور جس شخص نے انسان کی صنعت ، اور اس کی خلقت اور مضبوطی کی اس خصوصیت کے عجائب میں جس سے اللہ تعالیٰ نے اس کو مخصوص کیا ہے اور ان قسم قسم کے انعامات و احسانات میں جو اس کو حاصل ہوتی ہیں،غور وفکر کیا۔اس نے اپنی ذات کو اپنے مولائے حقیقی کے لطف اور رحمت میں ڈوبا ہوا پایا ،اور اپنی ابتداء اور انتہا میں اسی کو اپنی ذات کا رفیق دیکھا۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے:۔انسان کے اندر جتنی حکمتیں امانت رکھی گئی ہیں ان میں سے عقلوں نے بارہ ہزار حکمتوں کو سمجھا ہے اور جن حکمتوں کو عقلیں نہیں سمجھ سکی ہیں۔ان کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور یہ حکمتیں خاص اس کی ذات کے اندر ہیں لیکن اس کے کھانے اور پینے اور لباس اور تمام لوازمات میں تو اس سے بہت زیادہ ہیں،اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

"ہم نے انسان کو بہترین صورت میں بنایا ہے" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ

"پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے میں غور کرے"

لہٰذا پاک ہے وہ ذات اقدس جس کے بے مثل الطاف کے سمجھنے سے عقلیں عاجز ہو گئیں اور اس کے عظیم اوصاف میں غور کرنے سے فکریں قاصر ہو گئیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

"اور وہ اللہ تعالیٰ مہربان اور خبر رکھنے والا ہے" اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانیاں محتاجوں کیلئے کتنی زیادہ کی ہیں اور بیدار ہونے والوں کیلئے ان کو کتنا واضح کیا ہے اور تمام مخلوقات میں ان کو کتنا عظیم بنایا ہے اس کا لطف تمام کائنات میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس کی حکمت نے انسان اور جن کی فکروں کو روشن کر دیا ہے۔

اسی حقیقت کو ایک عارف نے نظم میں فرمایا ہے:۔

أَحَاطَ بِتَفْصِيلِ دَقَائِقِ عِلْمِهِ   فَأَتْقَنَهَا صُنْعًا وَأَحْكَمَهَا فِعْلَا

"اللہ تعالیٰ کے علم نے باریکیوں کی تفصیل کا احاطہ کر لیا ہے۔ پس صنعت اور فعل کے اعتبار سے ان کو مضبوط کر دیا ہے"

فَمِنْ لُطْفِهِ حِفْظُ الْجَنِينِ وَصَوْنُهُ   بِمُسْتَوْدَعٍ قَدْ مَرَّ فِيهِ وَقَدْ حَلَّا

"پس اس کے من جملہ لطف وکرم سے جنین (ماں کے شکم میں رہنے والا بچہ) کی شکم میں حفاظت اور نگہداشت بھی ہے وہ اسی میں چلتا پھرتا ہے اور اسی میں مقیم رہتا ہے"

تَكَفَّلَهُ بِاللُّطْفِ فِي ظُلُمَاتِهِ   وَلَا مَالٌ يُغْنِيهِ هُنَاكَ وَلَا أَهْلَا

"اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تاریکیوں میں اپنے لطف وکرم سے ڈھانپے رہتا ہے حالانکہ وہاں نہ کوئی مال اس کے کام آ سکتا ہے نہ کوئی اہل"

وَيَأْتِيهِ رِزْقٌ سَابِغٌ مِنْهُ سَائِغٌ   يَرُوحُ لَهُ طَوْلًا وَيَغْدُو لَهُ فَضْلَا

"اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس کافی اور خوش مزہ روزی آتی رہتی ہے، وہ شام کو اس کیلئے احسان اور صبح کو اس کیلئے فضل ہوتا ہے"

وَمَا هُوَ يَسْتَدْعِي غِذَاءً بِقِيمَةٍ   وَلَا هُوَ مِمَّنْ يُحْسِنُ الشُّرْبَ وَالْأَكْلَا

"اور وہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی غذا قیمت سے منگائے اور نہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو کھانا اور پینا بہتر بناتے ہیں"

جَرَى فِي مَجَارِي عِرْقِهِ بِتَلَطُّفٍ   بِلَا طَلَبٍ جَرْيًا عَلَى قَدْرِهِ سَهْلَا

"وہ روزی اس کی رگ کی نالیوں میں لطافت کے ساتھ جاری ہو کر بغیر طلب کے اس کے اندازے کے مطابق آسانی سے پہنچتی ہے"

وَأَجْرَى لَهُ فِي الثَّدْيِ لُطْفَ غِذَائِهِ   شَرَابًا هَنِيئًا مَا أَلَذَّ وَمَا أَحْلَى

"اور اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے پستان میں ایسی لطیف غذا جاری کی، جو خوشگوار اور بہت مزے دار اور بہت شیریں مشروب ہے"

وَأَلْهَمَهُ مَصًّا بِحِكْمَتِهِ فَاعْلَمْ   تَجَلَّى لِأَرْبَابِ الْعُقُولِ بِمَا أَوْلَى

"اور اللہ تعالیٰ نے اس کو چوسنے کا الہام کیا، اہل عقل کیلئے پیدا کرنے والی کی یہ حکمت بہتر طریقے پر ظاہر ہے۔"

وَاَخَّرَ خَلْقَ السِّنِّ يَوْ فِيهَا   فَاَبْرَزَهَا عَوْنًا وَجَاءَ بِهَا حُلْوًا

"اور دانت کے پیدا ہونے کو اس کے مقررہ وقت کیلئے مؤخر کیا۔ پھر اس کو کھانے میں مدد کیلئے نکالا اور لایا گیا"

وَقَسَّمَهَا لِلْقَطْعِ وَالْكَسْرِ قِسْمَةً   وَلِلطَّحْنِ اَعْطَى كُلَّ قِسْمٍ لَهَا شَكْلًا

"اور اللہ تعالیٰ نے دانتوں کو کاٹنے اور توڑنے اور چبانے کیلئے مختلف قسموں میں تقسیم کیا اور ہر قسم کیلئے ایک خاص شکل عطا فرمائی"

وَصَرَّفَ فِي فَوْقِ الطَّعَامِ لِسَانَهُ   يُصَرِّفُهُ عُلْوًا اِذَا شَاءَ اَوْ سُفْلًا

"اور کھانے کے چبانے میں اس کی زبان کو پھیرنے والا بنایا، وہ جب چاہتی ہے کھانے کو اوپر یا نیچے پھراتی ہے"

وَلَوْ رَامَ عُضْوًا فِي تَيَسُّرِ لُقْمَةٍ   وَاَلْطَافُهُ فِيمَا تَكَلَّفَهَا كَلَّا

"اور اگر وہ لقمے کے آسان ہونے میں اور ان تمام اشیاء میں جن میں اللہ تعالیٰ کی لطفوں نے اس کو ڈھانپ رکھا ہے اس کے لطفوں کو پھیر لینے (شمار کر لینے) کا ارادہ کرے تو وہ ہرگز نہیں کر سکتا ہے"

فَكَمْ خَادِمٍ فِيهَا وَكَمْ صَانِعٍ لَهَا   كَذَالِكَ مَشْرُوبٌ وَقِصَّتُهُ كُلًّا

"پس اس کی غذا کے معاملے میں اس کیلئے بہت سے خادم ہیں اور بہت سے صانع ہیں اور اس کے پینے اور دنیا اس سب کا یہی حال ہے"

وَكَمْ لُطْفٍ مِنْ حَيْثُ نُحْفٍ وَاُكْرِمْتَ   وَمَا كُنْتَ تَدْرِي الْفَرْعَ مِنْهَا وَلَا الْاَصْلَا

"اور بہت سی مہربانیاں اس حیثیت سے ہیں کہ تم نقصان دہ اشیاء سے بچے ہو اور تمہارے اوپر اس وقت لطف و کرم کیا گیا جبکہ تم کرم کی فرع کو جانتے تھے نہ اصل کو۔

وَمِنْ لُطْفِهِ تَكْلِيفُهُ لِعِبَادِهِ   يَسِيرًا وَاَعْطَاهُمْ مِنَ النِّعَمِ الْجَزْلَا

"اور اس کے لطف و کرم میں سے یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو آسان تکلیف (یعنی اس کی طاقت کے موافق عمل کی تکلیف) دی ہے اور ان کو نعمتیں بہت زیادہ عطا فرمائیں ہیں"

وَمِنْ لُطْفِهِ تَوْفِيقُهُمْ لِإِنَابَةٍ تُوَصِّلُ لِلْخَيْرَاتِ مِنْ حَبْلِهِمْ حَبْلَا

"اور اس کے من جملہ لطف و کرم میں سے بندوں کو توبہ اور رجوع کرنے کی توفیق بھی ہے جو نیکیوں کیلئے ان کی رسی سے اللہ تعالیٰ کی رسی ملا دیتی ہے"

وَمِنْ لُطْفِهِ بَعْثُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ لِيَشْفَعَ فِي قَوْمٍ وَلَيْسُوا لَهَا أَهْلَا

"اور اس کے لطف و کرم میں سے حضرت محمد ﷺ کا معبوث فرمانا ہے تاکہ وہ لوگوں کی شفاعت فرمائیں۔ حالانکہ لوگ شفاعت کے اہل نہیں ہیں"

وَمِنْ لُطْفِهِ حِفْظُ الْعَقَائِدِ مِنْهُمْ وَلَوْ خَالَفَ الْعَاصِي الْمُسِيئُ وَإِنْ زَلَّا

"اور اس کے لطف و کرم میں سے ان کے عقائد کی حفاظت کرنی ہے اگرچہ نافرمان بدکار مخالف عمل کرے اور اگرچہ وہ لغزش کرے"

وَمِنْ لُطْفِهِ إِخْرَاجُهُ عَسَلًا كَمَا تُشَاهِدُ مِمَّا كَانَ أَوْدَعَهُ النَّحْلَا

"اور اس کے لطف و کرم میں اس کا شہد پیدا کرنا ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو جو اس نے شہد کی مکھی کو سپرد کی ہے"

وَإِخْرَاجُهُ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ مُجَاوِرٍ دَمًا لَبَنًا صِرْفًا بِلَا شَائِبٍ رِسْلَا

"اور اس کے لطف و کرم میں سے خون کے قریب رہنے والے گوبر کے درمیان سے (خون اور گوبر کے درمیان سے) بغیر آمیزش کے صاف و شفاف خالص دودھ پیدا کرتا ہے"

وَإِخْرَاجُهُ مِنْ دُودَةٍ مَلْبَسًا لَهُ رِوَاقًا عَجِيبًا أَحْكَمَتْهُ لَنَا غَزْلَا

"اور اس کے لطف و کرم میں سے ریشم کے کیڑے سے اس کو پہنانے کیلئے صاف اور خوبصورت لباس پیدا کرتا ہے جس کو وہ کیڑا ہمارے لیے مضبوط دھاگے کی شکل میں بناتا ہے"

وَأَعْجَبُ مِنْ ذَا خَلْقُهُ الْقَلْبَ عَارِفًا بِهِ شَاهِدًا بِلَا شَبِيهٍ وَلَا مِثْلَا

"اور ان سب سے زیادہ عجیب لطف و کرم یہ ہے کہ اس نے قلب کو اپنا عارف بنایا کہ وہ بلا تشبیہ

اور شکل کے اس کا مشاہدہ کرتا ہے"

وَلَطَائِفُهُ لِلْبَحْرِ الْمُحِيطِ فَخُذْ بِمَا بَدَا لَكَ وَاشْهَدْهَا وَإِيَّاكَ وَالْجَهْلَا

"اور اس کے الطاف احاطہ کرنے والے سمندر کیلئے ہیں پس تم اس کو اختیار کرو جو تمہارے لئے

ظاہر ہوا ہے اور اس کا مشاہدہ کرو اور جہالت سے بچو"

وَصَلِّ عَلَى الْمُخْتَارِ أَفْضَلِ مُرْسَلٍ عَلَى خَالِصِ الْعِرْفَانِ بِاللّٰهِ قَدْ دَلَّا

"اور تم تمام رسولوں سے افضل نبی مختار حضرت محمد ﷺ پر درود و سلام پڑھو کیونکہ انہوں نے

اللہ تعالیٰ کے خالص عرفان کی طرف رہنمائی فرمائی"

پس یہ اللہ تعالیٰ کے وہ الطاف و اکرام ہیں جو ہم تک ہمارے پہنچتے رہتے ہیں اور یہ اس کے

احسانات ہیں جو ہمارے اوپر جاری رہتے ہیں۔

لہٰذا اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ بہترین افعال و اقوال کے ساتھ ہم کو ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا

فرمائے تو یہ اس کا فضل و کرم ہے۔

اور اگر وہ ہماری بد افعالی کی وجہ سے ہم کو ان شکر ادا کرنے سے پھیر دے تو یہ اس کا قہر اور

انصاف ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو چھٹی مناجات میں بیان فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ ابوالحسن پر رحمت نازل فرمائے، انہوں نے اپنی بعض دعاؤں میں فرمایا ہے:- اے میرے اللہ۔ میری نیکیاں تیری عطا (بخشش) ہیں اور میری برائیاں تیری قضا ہیں۔ جود والے میرے اللہ! تو اپنی عطا کردہ نیکیوں کے سبب اپنی قضا کردہ (مقدر کی ہوئی) برائیوں پر اس طرح فضل و کرم فرما کہ نیکیوں سے برائیوں کو مٹا دے۔

اس شخص کے لئے جس نے تیری اطاعت کی (اس شے میں جس میں اس نے تیری اطاعت کی) کوئی شکر نہیں ہے۔ اور اس شخص کے لئے جس نے تیری نافرمانی کی، (اس شے میں جس میں اس نے تیری نافرمانی کی) کوئی عذر نہیں ہے اس لئے کہ تو نے فرمایا ہے۔ اور تیرا فرمان سچا ہے:-

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ

"اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق جو وہ کرتا ہے سوال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور ان لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا"۔

اے میرے اللہ! اگر تیری عطا نہ ہوتی تو میں ہلاک ہونے والوں میں سے ہوتا۔ اور اگر تیری قضا نہ ہوتی تو میں کامیاب ہونے والوں میں سے ہوتا۔ اے میرے اللہ! تو اس سے اعلیٰ و اعظم اور بزرگ و برتر ہے کہ تیری اطاعت، تیری رضامندی کے بغیر کی جائے۔ یا تیری نافرمانی تیری قضا کے بغیر کی جائے۔ اے میرے اللہ! میں نے تیری اطاعت نہیں کی جب تک تو راضی نہیں ہوا اور میں نے تیری نافرمانی نہیں کی جب تک تو نے فیصلہ نہیں کیا۔ میں نے تیری اطاعت تیرے ارادے سے کی۔ اور یہ میرے اوپر تیرا احسان و کرم ہے۔ اور میں نے تیری نافرمانی تیری قدرت سے کی۔ اور یہ میرے اوپر تیری حجت ہے۔

لہٰذا تیری حجت کے قائم ہونے، اور میری حجت کے منقطع ہونے کے طفیل تو میرے اوپر رحم فرما۔ اور تیرے سامنے میری محتاجی، اور مجھ سے تیری غنا کے وسیلے سے سوال ہے کہ تو میرے لئے کافی ہو جا۔

اے میرے اللہ! میں نے تیرے سامنے اپنی جرأت اور گستاخی کی وجہ سے یا تیرے حق کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے گناہ نہیں کیا بلکہ اس لئے کہ تیرا قلم چل چکا اور تیرا حکم نافذ ہو چکا ہے اور تیرے سوا

کسی کرنے کچھ اختیار ہے۔ نہ طاقت۔ اور عذر بھی تیرے ہی سامنے ہے۔ کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔

اے میرے اللہ! بے شک میرا کان اور میری آنکھ اور میری زبان اور میرا قلب اور میری عقل سب تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو نے ان میں سے کسی ایک کا مجھ کو کچھ بھی مالک نہیں بنایا ہے۔ لہذا جب تو کسی شے کا فیصلہ فرمائے۔ تو اس میں تو ہی میرا ولی اور سرپرست بن جا۔ اور سیدھے راستے کی طرف میری رہنمائی فرما۔ اے سب سے بہتر مسئول کہ جس سے سوال کیا جائے اور سب سے بہتر عطا فرمانے والے۔

اے دنیا وآخرت کے رحمان۔ تو اپنے بندے پر رحم فرما جو نہ دنیا کا مالک ہے نہ آخرت کا۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ کی دعا ختم ہوئی۔

اسی دعا کو مصنفؒ نے بہتر عبارت اور مختصر لفظ میں اس مناجات میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے۔

اور طریقہ شاذلیہ کی درستگی میں مصنف کی بھی شان ہے اللہ تعالیٰ مصنف کو مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور اسی قسم کی مناجات بعض صالحین کرام سے صادر ہوئی ہے۔

روایت ہے:۔ ایک نوجوان عابد نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر کہا:۔ اے میرے اللہ! اگر میں نے تیری اطاعت کی ہے تو تیرے فضل و کرم سے کی ہے۔ اور سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔ اور اگر میں نے تیری نافرمانی کی ہے۔ تو اپنی جہالت و نادانی سے کی ہے۔ اور یہ میرے اوپر تیری حجت ہے۔ لہذا تو اپنی حجت ثابت کرنے اور میری حجت منقطع ہونے کے سبب مجھ کو بخش دے۔ تو اس نے ہاتف غیب کو یہ کہتے ہوئے سنا:۔ تو دوزخ سے آزاد ہے۔

حضرت ذوالنون رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ میں نے ایک لونڈی کو اس حال میں دیکھا کہ بچے اس کو پتھر سے مار رہے تھے۔ میں نے ان بچوں کو روکا۔ تو اس لونڈی نے میری طرف دیکھا۔ اور کہا: (گویا کہ وہ مجھ کو پہچانتی ہے) اے ذوالنون! صدق کی علامت کیا ہے؟ میں نے جواب دیا۔ دن میں روزہ رکھنا اور رات میں قیام کرنا یعنی نمازیں پڑھنا۔ تو اس لونڈی نے کہا۔ اس

شخص کو غیرت سے حیرت اور معلوم ہوتی ہے۔ جس کو یہ معلوم ہے کہ اس کا محبوب نہیں ہوتا۔ پھر اس نے دعا کی۔ اے میرے اللہ! اگر میں اپنے اوپر تیرے احسانات میں غور و فکر کروں تو میں اپنی قدر سے اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور اگر میں اپنے لئے تیری پردہ پوشی کو یاد کروں تو میں کیا تیرا شکر نہیں ادا کر سکتی ہوں۔ لہذا تیرے عارفین کے قلوب پر سخت تعجب ہے۔ کہ ان کے قلوب تیرے مرتبے کے جلال اور تیرے وصف کی عظمت سے شق کیوں نہیں ہو جاتے؟!

اے میرے مولا! تو بڑی برکت والا ہے۔ تو نے اس شخص پر کتنا صبر کیا۔ جس نے تیری نافرمانی کی۔ اور تو نے اس شخص پر کتنا فضل کیا۔ جس کے لئے تو نے اپنے ماسوی کے ساتھ مشغولیت نہیں چھوڑی۔ پھر وہ خاتون یہ اشعار پڑھنے لگی۔

يَا حَبِيبَ الْقُلُوبِ اَنْتَ الْحَبِيبُ   اَنْتَ اُنْسِيْ وَاَنْتَ مِنِّيْ قَرِيبُ

"اے قلوب کے محبوب تو ہی محبوب ہے۔ تو میرا مونس ہے۔ اور تو مجھ سے قریب ہے۔"

يَا طَبِيبًا بِذِكْرِهٖ يَتَدَاوٰى   كُلُّ ذِيْ سَقَمٍ فَنِعْمَ الطَّبِيبُ

"اے طبیب تیرے ذکر سے ہر بیمار علاج حاصل کرتا ہے۔ لہذا تو بہترین طبیب ہے۔"

طَلَعَتْ شَمْسُ مَنْ اُحِبُّ بِلَيْلٍ   وَاسْتَنَارَتْ فَمَا تَلَاهَا غُرُوبُ

"میرے محبوب کا سورج رات میں طلوع ہوا اور ایسا روشن ہوا کہ پھر غروب نہیں ہوا"

اِنَّ شَمْسَ النَّهَارِ تَغْرُبُ بِاللَّيْلِ   وَشُمُوسُ الْقُلُوبِ لَيْسَتْ تَغِيبُ

"دن کا سورج رات کو غروب ہو جاتا ہے لیکن قلوب کے سورج کبھی غائب نہیں ہوتے۔"

فَاِذَا مَا الظَّلَامُ اَسْبَلَ سِتْرًا   فَاِلٰى رَبِّهَا تَحِنُّ الْقُلُوبُ

"لہذا جب تاریکی اپنا پردہ لٹکا دیتی ہے (یعنی چھا جاتی ہے) تو قلوب اپنے رب کے مشتاق ہو جاتے ہیں۔"

اور جب قلوب اپنے مولائے حقیقی کے مشتاق ہوتے ہیں۔ اور عشق و محبت کے ساتھ اس کے ساتھ متعلق ہو جاتے ہیں۔ تو وہ ان کو اپنے غیر کے سپرد کیسے کر سکتا ہے۔ جب کہ وہ ان کا متولی ہو گیا ہے؟ اور وہ ان کی امداد کیوں نہ کرے گا جب کہ وہ اس کے پاس پہنچ چکے ہیں۔

جیسا کہ مصنف نے اپنی بعض مناجات میں بیان فرمایا۔

ساتویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"اِلٰہِیْ کَیْفَ تَکِلُنِیْ"

"اے میرے اللہ تو مجھ کو کیسے سپرد کرے گا"۔ یعنی مجھ کو اپنے غیر کے سپرد کیسے کرے گا۔ یعنی مجھ کو اپنے غیر کا محتاج کیسے بنائے گا"۔

"وَقَدْ تَکَفَّلْتَ لِیْ"۔ جب کہ تو میرا کفیل (ضامن) ہو چکا ہے۔" یعنی میرے تمام امور اور احوال میں تو میری ذمہ داری لے چکا ہے۔

جیسا کہ تو نے خود فرمایا ہے۔ (ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ) "جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ تو وہ اس کے لئے کافی ہے"۔

اور تو نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

"اور زمین میں جتنے چلنے والے جاندار ہیں۔ ان کی روزی ان کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے"۔

"وَکَیْفَ اُضَامُ" اور میں ظلم کیسے کیا جاؤں گا"۔ یعنی میرے اوپر ظلم کیسے کیا جا سکتا ہے اور میری عزت کیسے برباد کی جا سکتی ہے۔

"وَاَنْتَ النَّاصِرُ لِیْ" جب کہ میرا مددگار تو ہے۔ یعنی تو میری مدد کرتا ہے اور میرے لئے مدد کرتا ہے۔ اور میرے ساتھ مدد کرتا ہے۔

اور تو نے اپنی کتاب حکیم قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

"بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں (کی طرف) سے مدافعت کرتا ہے"۔

اور دوسری جگہ تو نے فرمایا ہے۔ اور تیرا فرمان برحق ہے۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

''اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ (کے دین) کی مدد کرو گے۔ تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔''

اور تیسری جگہ تو نے فرمایا ہے:۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ

''اور مومنین کی مدد کرنا ہمارے اوپر واجب ہے''۔

لہذا اے خیر الناصرین: (بہترین مدد کرنے والے) ہماری مدد فرما۔ جس طرح تو نے اپنے انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اور اپنے خاص اولیاء کے مقربین رضی اللہ عنہم کی مدد فرمائی۔ یا ارحم الراحمین۔

''أَمْ كَيْفَ أَخِيبُ'' یا میں ناکام و محروم کیسے ہو سکتا ہوں۔ یعنی میں بھلائی سے کیسے محروم ہو سکتا ہوں۔

''وانت الحفی بی'' جبکہ میرے اوپر تو مہربان ہے۔

یعنی میرے تمام معاملات کو درست کرنے والا، یا میرے تمام احوال میں میرا رفیق تو ہے۔

تو نے خود فرمایا ہے۔

''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا'' اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی (دوست یا سرپرست) ہے''۔

اور تو نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:۔

(وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ) ''اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ صالحین کی سرپرستی کرتا ہے''۔

لہذا اے ہمارے مولا! تو اپنی حفاظت کے ساتھ ہماری سرپرستی فرما۔ اور اپنی عنایت سے ہم کو گھیر لے۔ اور اپنے ساتھ ہم کو مدد پانے والا۔ اور اپنے اوپر توکل کرنے والا بنا۔

اے رب العالمین۔

هَا أَنَا أَتَوَسَّلُ بِفَقْرِي إِلَيْكَ

''سے، میں اپنے فقر (محتاجی) کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں''۔

یعنی میں اپنے فقر و محتاجی کو تیری بارگاہ قدس میں وسیلہ بناتا ہوں۔ کیونکہ تیرا محتاج ہونے کے سوا تجھ سے میری کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں ہر شے میں یہاں تک کہ اپنے فقر و محتاجی میں بھی تیرا محتاج ہوں۔ لہذا اگر دولتمندوں نے تیرے حضور میں مال پیش کیا ہے۔ تو میں تیری بارگاہ قدس میں تمام حالات میں اپنی محتاجی پیش کرتا ہوں۔۔ اور اگر طاقت والوں نے تیرے حضور میں اعمال صالحہ پیش کئے ہیں۔ تو میں تیری بارگاہ قدس میں عاجزی اور گریہ وزاری پیش کرتا ہوں۔

مَالِی سِوَی فَقْرِیْ اِلَیْکَ وَسِیْلَةٌ　　فَبِالْاِفْتِقَارِ اِلَیْکَ رَبِّیْ اَضْرَعُ

''میرے پاس میری محتاجی کے سوا تیرے حضور میں پہنچنے کا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ لہذا اے میرے رب! میں اپنی محتاجی کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں''۔

مَالِی سِوَی قَرْعِیْ لِبَابِکَ حِیْلَةٌ　　فَلَئِنْ رُدِدْتُّ فَاَیَّ بَابٍ اَقْرَعُ

''تیرا دروازہ کھٹکھٹانے کے سوا میرے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے۔ پس اگر میں تیرے دروازے سے واپس کر دیا گیا تو پھر کون سا دروازہ ہے، جس کو میں کھٹکھٹاؤں''۔

اور بندے کی محتاجی کی اس کے مولا کی غنا سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا:۔

كَيْفَ اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِمَا هُوَ مُحَالٌ اَنْ يَّصِلَ اِلَيْكَ

''اور تیری بارگاہ کے لئے میں اس شے کو وسیلہ کیسے بناؤں۔ جس کا تیری بارگاہ میں پہنچنا محال ہے''۔

اس لئے کہ تو فوائد کے ساتھ فائدہ حاصل کرنے سے بے نیاز ہے۔ لہذا تو ہم کو اپنے ساتھ اپنے غیر کے سامنے محتاجی سے بے نیاز کر دے۔ یہاں تک کہ میں تجھ سے تیرے ساتھ ملوں۔ تیرے غیر کے ساتھ نہ ملوں۔ بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

روایت ہے:۔ ہمارے شیخ الشیوخ قطب جامع مولائی عبد السلام بن مشیش رضی اللہ عنہ نے حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے کس شے کے ساتھ ملاقات کرو گے؟

حضرت ابوالحسن نے جواب دیا: میں اپنے فقر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں گا۔

حضرت شیخ نے ان سے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم اپنے فقر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملو گے تو تم بہت بڑے بت کے ساتھ اس سے ملو گے تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو کر اس سے کیوں نہ ملو؟ گویا کہ حضرت شیخ الشیوخ نے حضرت شیخ ابوالحسن کی رہنمائی اس طرف کی کہ وہ اپنے نفس سے اور ہر اس شے سے جو نفس کی طرف منسوب ہو مثلاً فقر وغیرہ سے دور ہو جائیں۔

حضرت شیخ زروقؒ نے فرمایا: حضرت شیخ ابوالحسن کی طرف سے یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے فقر سے وہ فقر مراد لیا جو ان کی طرف منسوب ہے اور وہ توکل ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ہر شے سے ان کی محتاجی درست ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر شے سے ان کی محتاجی درست ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر شئے سے ان کی غنا درست ہو گئی اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی غنا درست ہو گئی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اسی کے ساتھ ملاقات کریں گے۔

حضرت ہروی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: عوام کا فقر: ترک دنیا ہے۔ اور خواص کا فقر: ترک دنیا و آخرت ہے۔ اور خواص الخواص کا فقر: ترک دنیا و آخرت و نفس ہے۔ اور اللہ علیم و خبیر کے سامنے ان امور کا ظاہر کرنا ناقص عبودیت ہے۔ اسی لئے مصنفؒ نے فرمایا:

أَمْ كَيْفَ أَشْكُوْ إِلَيْكَ حَالِيْ وَهُوَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْكَ

"یا میں تجھ سے اپنے حال کا اظہار کیسے کروں۔ جب کہ وہ تیرے اوپر پوشیدہ نہیں ہے"۔

اس لئے کہ یہ محال ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی شی تجھ سے پوشیدہ رہے۔

وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى

"اور اگر تو پکار کے بات کہے تو بے شک اللہ تعالیٰ چھپے سے چھپی ہوئی بات کو، اور اس سے بھی پوشیدہ یعنی دل کی بات کو بھی جانتا ہے"۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

"اور تم اپنی بات چھپے سے کہو یا پکار کے کہو، بے شک وہ دلوں کے بھید کو جانتا ہے"۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

''کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ مہربانی کرنے والا اور خبر رکھنے والا ہے''۔

لہٰذا اس کا میرے حال سے باخبر ہونا میرے سوال کرنے سے زیادہ میرے لئے کافی ہے۔

اَمْ كَيْفَ اَتَرْجُمُ اِلَيْكَ بِمَقَالِيْ ؟

''یا میں تیرے سامنے اپنے دل کی ترجمانی اپنے قول سے کیسے کروں''

یعنی جو کچھ میرے دل میں ہے میں اس کو اپنے قول سے تیرے حضور میں کیسے پیش کروں۔

(وَهُوَ) ''جب کہ وہ'' یعنی میرے دل کی بات (مِنْكَ بَرَزَ) ''تیری ہی طرف سے ظاہر ہوئی ہے'' کیونکہ تیرے سوا کوئی ایجاد کرنے والا نہیں ہے''۔

مگر یہ کہ ربوبیت کا مقام عبودیت کے وظائف کا تقاضا کرتا ہے۔ اور عبودیت کے وظائف: مقدر شدہ شے کے دفع کرنے کی خواہش کے بغیر، یا غیر مقدر شدہ شے کے حاصل ہونے کی خواہش کے بغیر، زبان اور گریہ وزاری سے فاقہ اور محتاجی اور عاجزی کا ظاہر کرنا ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ہم تجھ سے اس شے کے دفع کرنے کی التجا نہیں کرتے ہیں، جس کا تو نے ارادہ کیا ہے۔ بلکہ ہم تجھ سے یہ التجا کرتے ہیں، کہ اس شے میں جس کا تو نے ارادہ کیا ہے۔ اپنے روح القدس (تائید غیبی) سے میری مدد فرما۔ جیسا کہ تو نے اپنی مخلوق میں سے اپنے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اپنے خاص صدیقین رضی اللہ عنہم کی مدد فرمائی۔ بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

''اَمْ كَيْفَ تَخِيْبُ اٰمَالِيْ'' ''یا میری امیدیں ناکام کیسے ہوں گی'' یعنی میری خواہشیں اور حاجتیں ناکام کیسے ہوں گی۔

''وَهِيَ وَقَدْ وَفَدَتْ عَلَيْكَ'' جب کہ وہ تیری بارگاہ میں حاضر ہو چکی ہیں۔

یعنی تیرے کرم کے صحن میں، اور تیری بخشش کے سمندر کے ساحل پر اتر چکی ہیں اور انہوں نے اپنا سامان تیرے فضل کے دروازے پر رکھ دیا ہے۔ اور انہوں نے تیری عزت کے قلعہ میں پناہ لی ہے۔ اور تیرے چاہنے والوں کی امیدیں ناکام کیسے ہوں گی۔ جب کہ تیرے کرم کا دروازہ کھلا ہوا ہے''۔

یا تیرا ارادہ کرنے والے محروم کیسے ہوں گے جب کہ تیرے فضل و احسان کا سمندر فیض رساں ہے۔

یا تیرا سہارا لینے والا عاجز و مغلوب کیسے ہوگا جب کہ تیرے غلبے کا مرجع بہت مضبوط ہے

یا تیرا سہارا لینے والا شرمندہ کیسے ہوگا جب کہ تمام اشیاء میں تیرا حکم سرعت سے نافذ ہے؟ ایک عارف کا شعر ہے:

أَيُضَامُ عَبْدٌ فِي حِمَاكُمْ قَدْ نَزَلْ ‏ يَا مَنْ لَهُمْ كُلُّ الْأَمَانِي وَالْأَمَلْ

"کیا وہ بندہ جو تمہاری حمایت اور پناہ میں اتر چکا ہے، عاجز اور مغلوب ہو سکتا ہے۔ اے وہ ذات مقدس جس کے سامنے کل تمنائیں اور امیدیں ہیں"۔

"اَمْ كَيْفَ لَا تَحْسُنُ اَحْوَالِيْ" یا میرے احوال بہتر کیسے نہ ہوں گے۔

بلکہ وہ نہایت بہتر و حسین ہوں گے۔ (و) جب کہ وہ یعنی احوال (بِكَ قَامَتْ) "تیرے ساتھ قائم ہیں"۔

اس لئے کہ بندے کا وجود صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ اور اپنی ذات سے اس کی ذات کا وجود نہیں ہے۔ اور ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق اور اللہ تعالیٰ سے قائم، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو، اس کو کوئی نقص اور خلل کیسے لاحق ہو سکتا ہے۔ اسی لئے مصنف نے فرمایا ہے:

(وَإِلَيْكَ) "اور تیری ہی طرف" یعنی تیرے ہی حکم اور ارادے کی طرف ان کی انتہا ہونے والی ہے۔ کیونکہ تمام امور کا تو ہی مبدا و مصدر ہے۔ اور تیری ہی طرف ان کا منتہیٰ و مرجع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ)

"اور اسی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔ لہٰذا آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے"۔

ایک عارف کے اشعار ہیں:

أَقْبِلْ عَلَيْنَا لَا تَخَفْ فَلَنَا الْهُدَى	وَلَنَا الْجَلَالُ مَعَ الْجَمَالِ خُذِ التُّقَى

"ہمارے سامنے آؤ۔ خوف نہ کرو۔ کیونکہ ہمارے ہی پاس ہدایت ہے۔ اور جلال اور جمال ہمارے ہی لئے ہے۔ تم صفائی یعنی خلوص اختیار کرو۔"

وَاقْصِدْ حِمَانَا مَا أَتَانَا مُذْنِبٌ	إِلَّا نَجَا لَوْ كَانَ مِنَ الذُّنُوبِ عَلَى الشَّفَا

"اور ہماری حمایت اور پناہ میں آنے کا ارادہ کرو۔ ہمارے پاس جو گناہگار آتا ہے وہ نجات پا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ گناہ کی آخری حد پر پہنچ چکا ہو۔"

اے میرے اللہ! ہم نے خضوع کرتے ہوئے، اور تیری بارگاہ سے نسبت قائم رکھتے ہوئے، اور تیری ہمسائیگی کی رسی کو مضبوط پکڑتے ہوئے، اور تیرے مرتبے کے قلعے سے مدد طلب کرتے ہوئے، اور تیری فوری مدد سے مدد حاصل کرتے ہوئے تیری حمایت اور پناہ میں آنے کا ارادہ کیا ہے۔ لہذا تو ہماری مدد فرما، اور ہمارے مقابلے میں ہمارے دشمنوں کی مدد نہ کر۔ یقیناً اے ناصرین

تیرا پورا ہونے والا عہد، اور تیری کافی مدد اس سے پاک ہے کہ تو اس کو رسوا کرے جو تیرے ہمسایہ میں داخل ہو جائے۔ یا اس کو ہٹا دے جو تیرے دروازے پر کھڑا ہو جائے۔ اے بہترین مسئول!

اور اے تمام داتاؤں سے بڑے داتا! تو ایک ایسے بندے پر رحم فرما، جو اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔

بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

مناجات کی مسلسل عبارت

إِلٰهِي كَيْفَ تَكِلُنِي وَقَدْ تَكَفَّلْتَ لِي؟ وَكَيْفَ أُضَامُ وَأَنْتَ النَّاصِرُ لِي؟ أَمْ كَيْفَ أَخِيبُ وَأَنْتَ الْحَفِيُّ بِي؟ هَا أَنَا أَتَوَسَّلُ بِفَقْرِي إِلَيْكَ، كَيْفَ أَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِمَا هُوَ مُحَالٌ أَنْ يَصِلَ إِلَيْكَ؟ أَمْ كَيْفَ أَشْكُو إِلَيْكَ حَالِي وَهُوَ لَا يَخْفَى عَلَيْكَ؟ أَمْ كَيْفَ أُتَرْجِمُ إِلَيْكَ بِمَقَالِي، وَهُوَ مِنْكَ بَرَزَ؟ أَمْ كَيْفَ تُخَيِّبُ آمَالِي وَهِيَ قَدْ وَفَدَتْ عَلَيْكَ؟ أَمْ كَيْفَ لَا تَحْسُنُ أَحْوَالِي وَبِكَ قَامَتْ"

آٹھویں مناجات

حضرت مصنف ؒ نے فرمایا

إلٰهي ما ألطفك بي مع عظيم جهلي، وما أرحمك بي مع قبيح فعلي

"اے میرے اللہ! میری بڑی جہالت اور نادانی کے باوجود میرے ساتھ تیرا لطف وکرم کتنا زیادہ ہے۔ اور میرے برے فعل کے باوجود میرے ساتھ تیرا رحم کتنا زیادہ ہے۔"

میں کہتا ہوں: یہ آٹھویں مناجات ساتویں مناجات کی تکمیل ہے۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارا وکیل اور مددگار ہے اور تمہارے اوپر مہربان ہے تو وہ تمہارے اوپر اس طرح لطف وکرم کرتا ہے کہ تم کو خبر نہیں ہوتی ہے۔

اور لطف، نقصانات کی حالتوں میں خوشیاں، اور مصیبتوں کی صورتوں میں فوائد حاصل کرنا ہے۔

حاصل یہ ہے: لطف: لطیف طریقے پر بھلائی حاصل کرنا ہے اور اس کو اہل بصیرت کے سوا دوسرے لوگ نہیں سمجھتے ہیں۔

لہٰذا لطف تجلی ہے، وہ جس کا باطن نعمت ہوتی ہے اور اس کا ظاہر عذاب ہوتا ہے۔ اس کا باطن جمالی اور اس کا ظاہر جلالی ہوتا ہے۔ لہٰذا عارف باللہ ہر حال میں اپنی ذات کو لطف میں ڈوبا ہوا دیکھتا ہے۔

اسی لئے مصنف رضی اللہ عنہ کا یہ بیان پہلے گزر چکا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے اس کے لطف کے جدا ہونے کا گمان کرتا ہے۔ تو یہ اس کی نظر اور فکر کا قصور ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے جاہل، لطف کو اسی وقت دیکھتا ہے جب کہ وہ محسوس ظاہر اور کھلا ہوا ہو۔ اسی لئے مصنف ؒ نے اس مناجات میں تواضع اور تنزل کے طریقے پر فرمایا: اے میرے اللہ! میری بڑی جہالت اور نادانی کے باوجود تیرا لطف وکرم میرے ساتھ کتنا زیادہ ہے؟ اس طرح کہ میں تیرے پوشیدہ لطف سے

بعض اخبار میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! جن چیزوں کے ذریعے میں نے تیرے اوپر رحم کیا ہے۔ انہیں چیزوں کے دور کرنے میں تیرے اوپر کیسے رحم کروں۔ یا اللہ تعالیٰ نے جیسا فرمایا ہو۔ اور مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے: اے میرے اللہ! میرے برے فعل کے باوجود میرے اوپر تیرا رحم کتنا زیادہ ہے۔

اور یہ جہالت ہے۔ میرا ان چیزوں سے بچا کرنا ہے جن کے ذریعے تو نے مجھ پر رحم فرمایا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ برے فعل سے گناہوں اور نافرمانیوں کو مراد لیا ہو۔ کیونکہ وہ ناراضی اور دوری کا سبب ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ ہمارے برے افعال کے مطابق ہمارے ساتھ معاملہ کرتا۔ تو وہ ہم کو اپنے دردناک عذاب کا مزہ چکھاتا۔ لیکن رحمان و رحیم کی رحمت اس کے دردناک عذاب پر غالب آ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی: اے موسیٰ! آپ گناہگاروں سے میری نرمی اور مہربانی کے ساتھ خطاب کریں۔ اور ان کو میری طرف اچھی بات کے ساتھ بلائیں۔ اور ان کو قائم رہنے والی نعمت یعنی جنت کی طرف رغبت دلائیں۔ اور ان کے اوپر سختی نہ کریں۔ کیونکہ اگر میں ان کو جلد سزا دینا چاہتا تو میں ان کو پلک جھپکنے کی مہلت نہ دیتا۔ اور آپ ان کو یہ بتا دیں کہ جو شخص میرے سامنے توبہ کرے گا میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔ اور جو شخص سستی کرے گا میں اس کو مہلت دوں گا۔ اور جو شخص میری نافرمانی کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔

اے موسیٰ! کون ہے جس نے صدق دل سے میرا ارادہ کیا ہو لیکن میں نے اس کو ناکام کر دیا ہو۔ یا اس نے میری طرف پناہ لی ہو لیکن میں نے اس کو چھوڑ دیا ہو۔ یا اس نے مجھ سے مانگا ہو لیکن میں نے اس کو محروم کر دیا ہو۔ یا اس نے میری طرف رجوع کیا ہو لیکن میں نے اس کو بھگا دیا ہو۔ یا اس نے میرے سامنے توبہ کی ہو لیکن میں نے اس کی توبہ قبول نہ کی ہو۔ یا اس نے میرے سامنے عاجزی کی ہو لیکن میں نے اس پر رحم نہ کیا ہو؟

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ

''جو مصیبت تم لوگوں کو پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے ہی برے اعمال کے سلسلے میں پہنچتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری بہت سی برائیوں کو معاف فرما دیتا ہے''۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے: اس آیہ کریمہ کے نازل ہونے پر حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

يَا عَلِيُّ مَنْ اَخَذَهُ اللّٰهُ بِذَنْبِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يُّعَذِّبَهُ عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَنْ عَفَا عَنْهُ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ اَعَزُّ مِنْ اَنْ يُّعَاقِبَهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَهُ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ اَجَلُّ مِنْ اَنْ يَّفْضَحَهُ فِي الْاٰخِرَةِ

''اے علی! جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کے سبب دنیا میں پکڑ لیا تو وہ اس کے لئے اس سے زیادہ کریم ہے۔ کہ وہ اس کو اس گناہ پر آخرت میں عذاب دے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں معاف کر دیا۔ تو وہ اس سے اعلیٰ ہے۔ کہ وہ اس کو آخرت میں سزا دے۔ اور جس شخص کی دنیا میں پردہ پوشی فرمائی۔ تو وہ اس سے بلند ہے۔ کہ وہ اس کو آخرت میں رسوا کرے''۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ یہ قول میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے افضل ہے۔

ایک عارف کے اشعار ہیں:

سُبْحَانَ مَنْ اَبْدَعَ الْاَشْيَاءَ وَقَدَّرَهَا	وَمَنْ يَّجُوْدُ عَلَى الْعَاصِيْ وَيَسْتُرُهُ

''وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ جس نے اشیاء کو پیدا فرمایا۔ اور ان کے لئے اندازہ (تقدیر) مقرر کیا۔ اور جو گنہگار پر بخشش کرتا ہے اور اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے''۔

يُخْفِي الْقَبِيْحَ وَيُبْدِيْ كُلَّ صَالِحَةٍ	وَيَغْمُرُ الْعَبْدَ اِحْسَانًا وَيَشْكُرُهُ

''وہ برائی کو چھپاتا ہے۔ اور ہر بھلائی کو ظاہر کرتا ہے اور بندے کو احسان میں ڈھانپ دیتا ہے۔ اور اس کے شکر کو قبول فرماتا ہے''۔

اور چونکہ لطف دوری کا تقاضا کرتا ہے اور رحمت قریب کرنا چاہتی ہے لہذا مصنفؒ نے اللہ تعالیٰ سے بندے کے زیادہ دور ہونے کے باوجود بندے سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہونے پر تعجب کیا۔

جیسا کہ مصنفؒ نے تیرہویں مناجات میں فرمایا ہے۔

نویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِلٰهِیْ مَا اَقْرَبَكَ مِنِّیْ وَمَا اَبْعَدَنِیْ مِنْكَ، وَمَا اَرْاَفَكَ بِیْ، فَمَا الَّذِیْ یَحْجُبُنِیْ عَنْكَ؟

''اے میرے اللہ! مجھ سے زیادہ تجھ سے قریب کون سی شے ہے۔ اور مجھ سے زیادہ تجھ سے دور کون سی شے ہے۔ اور تیری رافت (مہربانی) میرے ساتھ کتنی زیادہ ہے۔ پھر وہ کون سی شے ہے جو مجھ کو تجھ سے محجوب کرتی ہے''۔

میں کہتا ہوں۔ بندے سے اللہ تعالیٰ کا قرب: رحمت اور احتجاب اور تقریب اور مقبولیت کا قرب ہے۔ اور یہ خواص خواص کے لئے ہے۔ اور عوام کے لئے قرب۔ احاطہ اور قدرت، اور علم و مشیت، اور تصریف و تدبیر کا قرب ہے۔

اور یہاں مراد پہلا یعنی خواص الخواص کا قرب ہے۔

پس بے شک بندے کی اس کے رب سے دوری صرف اس کی بے ادبی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو ہر شے سے قریب ہے۔ اور ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کوئی شے اس سے کسی شے سے زیادہ قریب نہیں ہے۔ اور کوئی شے اس سے کسی شے سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اور بندے سے اس کے رب کی دوری صرف اس کا وہم اور اس کا باطل ہے۔ اسی لئے مصنف نے تواضع اور ادب کے ساتھ کہا:

اے میرے اللہ! تیرے لطف اور تیری رافت اور تیرے علم اور تیرے احاطہ کی بنا پر مجھ سے زیادہ تجھ سے قریب کون سی شے ہے۔ اور میرے وہم اور میری بے ادبی کی بنا پر مجھ سے زیادہ تجھ سے دور کون سی شے ہے۔

یا اوصاف ربوبیت کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ تجھ سے قریب کون سی شے ہے اور اوصاف

محبوبیت کے لحاظ سے تجھ سے زیادہ مجھ سے دوری کی نفی ہے۔ کیونکہ ربوبیت کے اوصاف بلند مرتبے اور بڑی شان والے ہیں۔ اور عبودیت کے اوصاف کمتر درجے اور ادنیٰ مرتبے والے ہیں۔ لہٰذا دونوں کے ایک مقام میں باہم لازم ہونے کے باوجود، مرتبے میں دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے۔ دونوں میں وحدت کی تحقیق کے اعتبار سے دونوں قیام میں باہم لازم ہیں۔ اور احکام میں متضاد ہیں۔

اور رافت ۔ رحمت اور مہربانی کا زیادہ شدید ہونا ہے اور رافت قرب و وصال کی زیادتی کا تقاضا کرتی ہے۔ اور غیریت اور جدائی کی نفی کرتی ہے۔ اور غیریت اور جدائی ہی حجاب ہے۔

اسی لئے مصنفؒ نے اپنے لئے اپنے مولائے حقیقی کی رافت اور قرب کی زیادتی کے وجود، اپنے اور اس کے درمیان حجاب کے وجود پر تعجب ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ جس اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مہربانی کی۔ اور تم کو پناہ دی۔ یہ ناممکن ہے کہ تم اس کو چھوڑ کر اس کے غیر کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

حکمت میں مرقوم ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! میں نے کل کائنات کو جس میں ملک اور اس کی کل اشیاء، اور ملکوت اور اس کی کل اشیاء ہیں، تیرے سامنے مسخر کر دیا ہے۔ لہٰذا تو میری نافرمانی کی بناء پر مجھ سے الگ ہو گیا ہے۔ اور میں اپنی سپرد کی ہوئی شے کی بنا پر تیرا ہو گیا ہوں۔ لہٰذا تو اپنی حد سے نہ بڑھ۔ کیونکہ تجھ کو ایسا مقام حاصل ہو گیا ہے جس میں کوئی شے تجھ سے مزاحمت نہیں کر سکتی ہے۔

اے میرے بندے! میں نے تیرا حجاب چاک کر دیا ہے اور تیرے لئے دروازہ کھول دیا۔ اور تیرے سامنے عجیب چیز امر ظاہر کر دیا۔ لہٰذا تو اپنی عقل و فہم تک اس کو پہنچا دے۔ اگرچہ وہ لوگ تجھ کو دیوانہ یا جھوٹا کہیں۔ اور چونکہ میں نے تجھ کو بہترین اخلاق عطا فرمایا ہے۔ اس لئے تو ان کو اس حال میں چھوڑ دے کہ وہ یہ کہتے رہیں: (إِنْ هَـٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ) "یہ صرف افترا (بہتان) ہے۔"

اے میرے بندے! میں نے تجھ کو اپنا بنا دیا ہے کہ جب تو کسی شے کے لئے کہے: "کن" تو وہ ہو جائے۔ اور اگر لوگ تجھ کو جادوگر یا دیوانہ کہتے ہیں تو اس کی کوئی پروا نہیں ہے

”جیسے ریگستان کا بانو۔ پیاسا اس کو پانی سمجھتا ہے۔ لیکن جب اس کے پاس پہنچا۔ تو اس کو کچھ نہیں ملا۔ اور وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت نظر آئی“۔

اس مقام میں بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے۔ اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طریقے پر کہ اس میں ماسوی اللہ کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہتا ہے۔ اور کوئی شے اس کو اللہ تعالیٰ سے محجوب نہیں کرتی ہے۔

لہٰذا یہی وہ شخص ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور اس کو اپنی بارگاہ قدس کے لئے قبول کرتا ہے۔ اور اس کو اپنی مناجات و انسیت کے لئے منتخب کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کا کان اور اس کی آنکھ اور اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ اور اس کی گزرگاہ اور ٹھکانوں میں اس کا محافظ ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ ہر حال میں خاص کر اختلاف احوال کے وقت عارف باللہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے دسویں مناجات میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:

دسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اِلٰهِیْ قَدْ عَلِمْتُ بِاخْتِلَافِ الْاٰثَارِ وَ تَنَقُّلَاتِ الْاَطْوَارِ اَنَّ مُرَادَكَ مِنِّیْ اَنْ تَتَعَرَّفَ اِلَیَّ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی لَا اَجْهَلَكَ فِیْ شَیْءٍ

"اے میرے اللہ! میں نے آثار کے اختلاف اور حالات کی تبدیلیوں سے یہ جان لیا ہے کہ میری ذات سے تیری مراد (مقصود) یہ ہے کہ تو مجھ کو ہر شے میں اپنی پہچان کرائے (یعنی میں ہر شے میں تیری معرفت حاصل کروں) یہاں تک کہ میں کسی شے میں تجھ سے ناواقف نہ رہوں"۔

میں کہتا ہوں:۔ قدرت کے آثار صرف اس لئے مختلف ہوئے ہیں تاکہ تم قادر مطلق اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانو۔

آثار کا اختلاف:۔ اجسام میں مثلاً علوی و سفلی، جمادات و نباتات (درخت، چیزیں)، نورانی و ظلمانی، آبی و ناری۔ اور حیوانات میں مثلاً آدمیوں، اور چوپایہ جانوروں، اور چڑیوں، اور درندوں، اور وحشیوں، اور حشرات (زمین میں سوراخ کر کے رہنے والے جانور)۔

اور اعراض میں (عرض:۔ دوسری شے کی ذات سے قائم ہونے والی شے) مثلاً سفیدی، اور سیاہی اور سرخی، اور زردی، اور نیلا پن، اور اشہبی (سیاہی مائل۔ سفیدی) اور ان کے علاوہ دوسرے رنگ۔

ان سب کے اندر اختلاف اس لئے ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم کی وسعت اور اس کی ذات اقدس کی عظمت کو پہچانو۔

حالات کی تبدیلیاں: مثلاً جوانی اور لڑکپن اور بڑھاپا، اور مرض، صحت اور تنگدستی، دولتمندی، اور عزت و ذلت، اور چھین لینا اور واپس کر دینا اور محروم کرنا اور عطا فرمانا، اور تنگی و کشادگی، اور جلال و جمال، اور حیات و موت وغیرہ اس لئے ہیں۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کو ان حالات میں سے ہر حالت

اور ان آثار کے جنسوں کے اختلاف میں پہچانو۔ یہاں تک کہ تم ان میں سے کسی شے میں اللہ تعالیٰ سے جاہل یعنی ناواقف نہ رہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مصنوعات کی جنسوں میں، اور اپنی قدرت کے احوال کے اختلاف میں اپنے بندوں کو اپنی پہچان کرائی ہے جس نے اس کو نہیں پہچانا۔ وہ جاہل رہا۔ اور جس نے اس کو پہچان لیا۔ وہ عارف ہو گیا۔

لہذا انسان اس وقت عارف کہلاتا ہے۔ جب کہ وہ کل اشیاء میں اس کے آثار کے اختلاف اور اس کے احوال کی تبدیلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔

لہذا وہ ذلت میں بھی اسی طرح اس کی معرفت حاصل کرے، جس طرح عزت میں اس کی معرفت حاصل کرے۔ اور سلب میں بھی اسی طرح اس کی معرفت حاصل کرے۔ جس طرح عطا میں اس کی معرفت حاصل کرے۔ اور مرض میں بھی اسی طرح اس کی معرفت حاصل کرے، جس طرح صحت میں اس کی معرفت حاصل کرے۔ اور جلال میں بھی اسی طرح اس کی معرفت حاصل کرے، جس طرح جمال میں اس کی معرفت حاصل کرے۔ اسی طرح ان تمام اشیاء میں اس کی معرفت حاصل کرے جن کا بیان گزر چکا ہے۔ اور وہ ہر رنگ کے ساتھ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور ہر حال کے ساتھ حال اختیار کرتا رہتا ہے۔ لہذا عارف وہی ہے جو تمام احوال کے ساتھ حال اختیار کرتا رہتا ہے۔ تا کہ وہ کل احوال کو حاصل کر لے۔ اور اشیاء کے ساتھ بدلتے رہنا بھی اس کے ساتھ ہے۔ اور بھی اشیاء میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خضوع اور عاجزی کرتا ہے۔

لیکن جو شخص صرف جمال میں معرفت حاصل کرتا ہے اور جلال میں نہیں حاصل کرتا ہے۔ یا عطا میں معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور محرومیت میں نہیں حاصل کرتا ہے۔ یا عزت میں معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور ذلت میں نہیں حاصل کرتا ہے۔ یا صحت میں معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور مرض میں نہیں حاصل کرتا ہے۔ یا عافیت میں معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور مصیبت میں نہیں حاصل کرتا ہے۔ یا دولتمندی میں معرفت حاصل کرتا ہے اور فقر میں نہیں حاصل کرتا ہے۔ یا آسانی میں معرفت حاصل کرتا ہے۔ اور تنگی میں نہیں حاصل کرتا ہے۔ تو یقیناً وہ بہت بڑا جاہل ہے۔ تم ایک عارف کے اس قول میں غور

کرو۔

حَبِیْبِیْ وَ مَحْبُوْبِیْ عَلٰی کُلِّ حَالَۃٍ

"وہ ہر حال میں میرا حبیب اور میرا محبوب ہے"

اور وہ شخص کتنا بدترین انسان ہے، جو خصوصیت اور معرفت اور غیر اللہ کی نفی کا دعویٰ کرتا ہے۔
لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے اسم پاک "جلیل" کے ساتھ اس کو اپنا تعارف کراتا ہے۔ تو وہ اس سے انکار کرتا ہے۔ اور بھاگ جاتا ہے۔ اور اپنے بندوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ جو شخص خصوصیت یا طاقت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ فوراً اس کی آزمائش کرتا ہے:۔

لِيَسْأَلَ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا أَلِيْمًا

"تا کہ اللہ تعالیٰ صادقین سے ان کے صدق کے متعلق سوال کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

لہٰذا دعویٰ کرنے والے ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں۔ اور صادقین ثابت قدم ہو جاتے ہیں۔ اور مصنف رضی اللہ عنہ نے اس حال کے بعد کہ وہ بعض حالت میں معرفت حاصل کرتے تھے، اور بعض حال میں نہیں حاصل کرتے تھے۔ اس حقیقت کا مزہ چکھا۔ پھر وہ اس حقیقت میں ثابت و قائم ہو گئے۔ تو انہوں نے یہ کھلیا کہ آثار کے اختلاف اور احوال کی تبدیلی میں یہی راز ہے۔ کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے۔ لہٰذا فرمایا:

اے میرے اللہ! بے شک میں نے جان لیا۔ یعنی قدرت کے آثار کے اختلاف اور اعراض و احوال کی تبدیلیوں سے میں نے یہ یقین کر لیا۔ کہ میری ذات سے تیرا مقصد یہ ہے کہ قدرت کے جنسوں کے اختلافات، اور ان کے احوال کی تبدیلیوں سے ہر شئی میں تو مجھ کو اپنا تعارف کرائے۔ تا کہ میں ان میں سے کسی شئی میں تجھ سے جاہل اور ناواقف نہ رہوں۔

حضرت مصنفؒ نے تنویر میں فرمایا ہے:۔ ہر حالت لامحالہ زائل ہونے والی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو مختلف احوال میں منتقل کرے۔ اور آثار کو اس کے اوپر مختلف کرتا رہے۔ تا کہ وہ ہر خاص حالت میں خاص تعارف کے ساتھ اس کو اپنا تعارف کراتا رہے۔ اور جو

شخص ایک ہی عمل چاہتا ہے وہ کمال حاصل کرنا نہیں چاہتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے صرف اپنی معرفت چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

"اور ہم نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ وہ میری عبادت کریں"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے:۔

"لِيَعْبُدُوْنِ" کے معنی "لِيَعْرِفُوْنِ" کے ہیں" تاکہ وہ مجھ کو پہچانیں" یعنی میری معرفت حاصل کریں۔

اور اللہ تعالیٰ کی معرفت صرف آثار کے اختلافات اور احوال کی تبدیلیوں میں حاصل ہوتی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ دوسرے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں فرمایا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ

"اور اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو جنتیں ہیں"۔

دو جنتوں میں ایک جنت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور وہ معارف کی جنت ہے۔ اور دوسری جنت ظاہری آسائش کی جنت ہے۔ اور جو شخص معارف کی جنت میں داخل ہو گیا۔ وہ پھر اس کے سوا کسی شی کا مشتاق نہیں رہ گیا۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔ لوگ دنیا سے چلے گئے لیکن انہوں نے دنیا کی سب سے بہترین اور پاکیزہ شی کا مزہ نہیں چکھا۔ ان سے دریافت کیا گیا۔ حضرت، وہ کون سی شی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔

روایت ہے: ایک پتھر پایا گیا۔ جس پر قدرت کے قلم سے لکھا ہوا تھا۔ جس شخص نے ہر شی کو پا لیا لیکن اللہ تعالیٰ کو نہیں پایا تو اس نے کچھ نہیں پایا۔ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانے پھر جب اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ تو اس نے ہر شی کو پا لیا۔ اور کوئی شی اس سے غائب نہیں ہوئی۔ اور جو شخص

اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اس کو روزی کی تلاش، اور حرص کی تکلیف، اور اس کی وجہ سے دل کی پریشانی، اور اس کے متعلق فکر سے آرام و سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر مخلوق روزی ہی کی فکر میں پریشان رہتی ہے۔

اور اگر بندہ قناعت کرے، تو وہ ایسی غنا سے سرفراز ہو جاتا ہے جس کے بعد کوئی محتاجی نہیں ہے۔ اور اس اللہ حی و قیوم پر توکل کرتا جس کے لئے موت نہیں ہے۔ یہی وہ غنائے اکبر ہے، جس کو کوئی محتاجی کبھی لاحق نہیں ہوتی ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: بندے کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ عافیت اور غنا پر بھروسہ کرے۔ نہ یہ مناسب ہے کہ وہ کسی ایسی حالت پر بھروسہ کرے، جس سے غیر اللہ خوش ہو۔ اور اسی درمیان کہ بندہ آرام میں ہوتا ہے، تم اچانک اس کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے ہو۔ اور اسی درمیان کہ وہ دولتمند ہوتا ہے، تم ناگہاں اس کو فقیر دیکھتے ہو۔ اور اسی درمیان کہ بندہ ہنستا ہوا ہوتا ہے، تم اس کو روتا ہوا دیکھتے ہو اور اسی درمیان کہ وہ خوش نظر آتا ہے تم اس کو رنجیدہ دیکھتے ہو۔ اور اسی درمیان کہ وہ زندہ ہوتا ہے، تم اس کو مردہ دیکھتے ہو۔ جس شخص نے غیر اللہ پر بھروسہ کیا، یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کا سہارا لیا۔ وہ تباہ و برباد ہو گیا۔

حکایت:۔ ایک شخص روزی کی تنگی کی وجہ سے بہت پریشان حال ہو گیا۔ روزی کی تلاش میں اس کی تکلیف بہت بڑھ گئی۔ وہ پریشان اور بدحواس ہو کر گھر سے نکلا۔ اور سیدھا اپنے منہ کے سامنے روانہ ہو کر میدان اور جنگل میں پہنچا۔ اس کو ایک ویران گرتا ہوا مکان ملا۔ ہوا نے اس کا بالو ادھر ادھر اڑا دیا تھا۔ اس مکان کی چہار دیواری کے اندر اس نے سنگ مرمر کا ایک مکان دیکھا۔ اس میں یہ حکمت کے اشعار لکھے ہوئے تھے:۔

لَمَّا رَأَيْتُكَ جَالِسًا مُسْتَقْبِلًا ۔۔۔ أَيْقَنْتُ أَنَّكَ لِلْهُمُوْمِ قَرِيْنُ

”جب میں نے تم کو سامنے بیٹھا ہوا دیکھا۔ تو میں نے یہ یقین کر لیا کہ تم فکر میں مبتلا ہو“۔

فَالَا يُقَدَّرُ لَا يَكُوْنُ بِحِيْلَةٍ ۔۔۔ أَبَدًا وَمَا هُوَ كَائِنٌ سَيَكُوْنُ

”جو کچھ مقدر نہیں ہے۔ وہ کسی تدبیر سے کبھی حاصل نہ ہوگا اور جو ہونے والا ہے، وہ عنقریب

ہو کر رہے گا۔"

سَيَكُوْنُ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْ وَقْتِهٖ وَأَخُو الْجَهَالَةِ مُتْعَبٌ مَحْزُوْنٌ

"جو ہونے والا ہے وہ اپنے وقت پر ضرور ہوگا۔ لیکن جاہل پریشان اور رنجیدہ ہوتا ہے"۔

يَجْرِي الْحَرِيْصُ وَلَا يَنَالُ بِحِرْصِهٖ شَيْئًا وَيَحْظٰى عَاجِزٌ وَمَهِيْنٌ

"حریص دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ لیکن اپنے حرص سے کچھ نہیں پاتا ہے۔ اور عاجز اور کمزور بغیر محنت کے پالیتا ہے"۔

فَدَعِ الْهُمُوْمَ تَعَرَّ مِنْ أَثْوَابِهَا إِنْ كَانَ عِنْدَكَ بِالْقَضَاءِ يَقِيْنٌ

"لہذا تم فکر کرنا ترک کردو۔ اور اس کے کپڑے اتار دو۔ اگر تم کو قضا و قدر پر یقین ہے"۔

هَوِّنْ عَلَيْكَ وَكُنْ بِرَبِّكَ وَاثِقًا فَأَخُو الْحَقِيْقَةِ شَأْنُهُ التَّهْوِيْنُ

"آہستگی اختیار کرو۔ اور اپنے رب پر بھروسہ کرو۔ کیونکہ اہل حقیقت کی شان آہستگی اختیار کرنا ہے"۔

طَرَحَ الْأَذٰى عَنْ نَفْسِهٖ فِيْ رِزْقِهٖ لَمَّا تَيَقَّنَ أَنَّهُ مَضْمُوْنٌ

"اہل حقیقت نے اپنی روزی کے بارے میں اپنے اوپر سے محنت و مشقت کو دور کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے یہ یقین کر لیا۔ کہ روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے"۔

اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کے احسان کی وسعت کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی عاجزی اور محتاجی کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنی پیٹھ سے غم اور فکر کا بوجھ گرا دیا۔ اور اپنے مولا کے حقیقی کے علم اور نظر کو کافی سمجھ لیا۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف گیارھویں مناجات میں اشارہ فرمایا ہے:۔

گیارھویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِي كُلَّمَا أَخْرَسَنِي لُؤْمِي أَنْطَقَنِي كَرَمُكَ ، وَكُلَّمَا آيَسَتْنِي أَوْصَافِي أَطْمَعَتْنِي مِنَنُكَ

"اے میرے اللہ! جب میری پستی و حقارت نے مجھ کو گونگا کر دیا تو تیرے کرم نے مجھ کو گویائی عطا فرمائی۔ اور جب میرے اوصاف نے مجھ کو مایوس کر دیا تو تیرے احسانات نے مجھ کو امیدوار بنایا"۔

میں کہتا ہوں: بندہ جب اپنی پستی اور رذیل اوصاف اور برے افعال کو دیکھتا ہے تو وہ اس بات سے شرمندہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت پیش کرے۔ لہٰذا اپنی حاجت بیان کرنے سے اس کی زبان گونگی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے نفس کی اس ذلت و حقارت کو دیکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ سزا پانے اور پکڑے جانے کا مستحق ہے۔ لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور احسان و بخشش کی وسعت کی طرف نظر کرتا ہے تو سوال کرنے کے لئے اس کی زبان گویا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس عطا اور بخشش کا امیدوار ہو جاتا ہے جو اس کے لئے ہے۔

اور مصنف کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے لئے رجا یعنی امید کا دروازہ کھل جائے۔ تو تم اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ان احسانات کی طرف نظر کرو۔ جو اس نے تمہارے اوپر کئے ہیں۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے لئے غم کا دروازہ کھلے تو تم اپنے ان گناہوں اور برے اعمال کی طرف دیکھو جو تم نے اس کی بارگاہ میں بھیجا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو شخص انصاف کی نظر سے اپنے نفس کی طرف دیکھے گا۔ تو وہ اس کو ملامت اور عذاب ہی کے لائق پائے گا۔ یا تو غفلت اور کوتاہی کی بنا پر یا حمد و شکر کی کمی کی بنا پر۔

اسی لئے بعض دعاؤں میں وارد ہوا ہے

اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ لَهٗ اَهْلٌ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَهْلُهٗ

"اے میرے اللہ! تو ہمارے ساتھ وہ سلوک کر جس کا تو اہل ہے۔ اور ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ کر جس کے ہم اہل ہیں"۔

عابدین میں سے بعض تحقیق اختیار کرنے والوں نے فرمایا ہے:۔ بندے کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی ذات کو نجس کے مثل دیکھے۔ یعنی سراپا نجس سمجھے۔ اگر وہ دعا کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے تو یہ خیال کرے کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے قبولیت سے روک دیئے گئے ہیں۔ اور اگر وہ آگ کے انگارے پر سجدہ کرے۔ تو بھی وہ اپنے عمل کو قبولیت کے لائق نہ سمجھے اور اگر اس کا نفس انتہائی پاکیزہ ہو جائے تو بھی اس کو مدح وثنا کے لائق نہ سمجھے اور اگر لوگ اس کے کپڑے کو تبرک کے طریقے پر چھوئیں یا چومیں تو وہ اپنے نفس کو اس کنواری لڑکی کی طرح تصور کرے جو شب زفاف میں اپنے شوہر کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ بدکاری سے ذلیل ہو چکی ہے۔ جتنا لوگ اس کے گرد طواف کرتے ہیں اور اس کی شان بڑھاتے ہیں انتہائی رسوائی کے خوف سے اس کا رنج بڑھتا ہے۔

میں کہتا ہوں: جس شخص کی اس کے نفس سے فنا، اور اس کے رب کے ساتھ بقا ثابت ہو گئی ہے۔ اس کی مدح وثنا میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اب وہ ممدوح نہیں ہے۔ بلکہ اب ممدوح وہ ذات اقدس ہے جس کا فضل وکرم اس کے اوپر غالب ہے۔ اور جس شخص نے اپنا ہاتھ چومنے کے لئے بڑھایا لیکن اس کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں تصور کیا۔ وہ اس کے حق میں منقطع ہونا ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ

"بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں"۔

اور بندے کا ہاتھ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں ہوتا ہے جب تک کہ زمین میں اس کی خلافت ثابت ہو جائے۔ اور اس کی خلافت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی ہے جب تک کہ وہ عرش سے فرش تک کل موجودات پر غالب نہ ہو جائے۔ اور اس کے قلب میں کل موجودات زمین میں ایک حلقہ کی طرح نہ ہو جائے۔ لہذا جب وہ اس طرح ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا خلیفہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ تو اب جو شخص اس کے ہاتھ پر بیعت

کرتا ہے۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

''ان لوگوں کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے''۔ اور ان کے بارے میں عارفین کے اشعار ہیں:

قَدِ اسْتَقَامَ عَلَى الْمِنْهَاجِ يَسْلُكُهُ وَلَمْ يَزِغْ حَائِدًا مِنْهُ وَلَا عَدَلَا

''وہ اس راستے پر مضبوطی سے قائم ہوا۔ جس راستے پر وہ چلتا ہے۔ اور اس سے ہٹ کر ادھر ادھر مائل ہو کر نہیں بہکا۔

مَنْ حَالُهُ يَعْمُرُ الدُّنْيَا بِظَاهِرِهِ وَقَلْبُهُ فِي أَعَالِي الْخُلْدِ قَدْ نَزَلَا

''اس شخص کا کیا حال ہوگا جو اپنے ظاہر یعنی جسم سے دنیا کو آباد کرتا ہے۔ لیکن اس کا قلب خلد کے اعلیٰ مقامات میں اترا ہوا ہے''۔

وَأَبْصَرَ الْأَمْرَ يَجْرِي فِي مَسَالِكِهِ مِنْ أَوَّلِ النَّشْءِ حَتَّى شَبَّ وَاكْتَهَلَا

''اور اس نے پیدائش کی ابتداء سے جوانی اور بڑھاپے تک یہی دیکھا کہ حکم اپنے ہی راستوں پر جاری رہتا ہے''۔

وَنَاطَقَتْهُ الْبَرَايَا وَهِيَ صَامِتَةٌ وَمَيَّزَ الضِّدَّ وَالْأَزْوَاجَ وَالْعِلَلَا

''اور مخلوق نے اس سے کلام کیا۔ لیکن وہ خاموش ہے۔ اور اس نے ضد اور ازواج اور علتوں کو جدا جدا کر دیا''۔

وَأَظْهَرَ الصُّورَةَ الْعُلْيَا بِصُورَتِهَا الْحُسْنَى وَمِنْ قَبْلُ كَانَتْ أَلْبَسَتْ ظُلَلَا

''اور اس نے اعلیٰ صورت کو اس کی بہتر صورت کے ساتھ ظاہر کیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ پوشیدہ تھی''۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ میں نے ایک کالی لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی اور میں نے سونے کا ارادہ کیا۔ تو اس لونڈی نے کہا۔ اے میرے آقا! آپ کو شرم نہیں آتی ہے۔ آپ کا مولا تو حقیقی نہیں سوتا ہے۔ اور آپ سو رہے ہیں؟ پھر وہ کھڑی ہوئی اور نماز پڑھنے لگی۔ جب میں

بیدار ہوا تو میں نے اس کو سجدہ کی حالت میں دیکھا۔ میں نے سنا کہ وہ اپنے سجدے کی حالت میں یہ کہہ رہی ہے: اے میرے رب! مجھ سے اپنی محبت کے طفیل تو مجھ کو عذاب نہ دے۔ میں نے اس سے کہا: تو نے غلط کہا ہے۔ تم اس طرح کہو: اپنی ذات سے میری محبت کے طفیل تو مجھ کو عذاب نہ دے۔ جب اس نے سلام پھیرا تو کہا: اے میرے آقا! میں نے غلط نہیں کہا ہے۔ بلکہ صحیح کہا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ آپ کو نہ سلاتا اور مجھ کو کھڑا نہ کرتا۔ میں نے اس سے کہا: تم جاؤ۔ تم اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد ہو۔ اس نے کہا: یہ چھوٹی آزادی ہے اور بڑی آزادی ابھی باقی ہے۔

اور بعض عاشقین اپنی بعض مناجات میں کہتے تھے۔ اے میرے اللہ! اگر تو مجھ کو ذلیل کرنا چاہتا تو مجھ کو اپنی عبادت کی توفیق نہ عطا فرماتا۔ اور اگر تو مجھ کو رسوا کرنا چاہتا تو اس وقت تو میری پردہ پوشی نہ فرماتا، جب میں نے تیری نافرمانی کی۔ اے میرے اللہ! اگر میرا گناہ نہ ہوتا تو میں تیرے عذاب سے نہ ڈرتا۔ اور اگر تیرا کرم نہ ہوتا تو میں ثواب کی امید نہ کرتا۔

پھر مصنف نے پانچویں مناجات میں ان اوصاف کو بیان فرمایا ہے: جب بندہ ان کی طرف نظر کرتا ہے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احسان اور اس کی رحمت سے مانوس کر دیتے ہیں۔

بارھویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِي مَنْ كَانَتْ مَحَاسِنُهُ مَسَاوِيَ فَكَيْفَ لَا تَكُوْنُ مَسَاوِيْهِ مَسَاوِيَ؟ وَمَنْ كَانَ حَقَائِقُهُ دَعَاوِيَ فَكَيْفَ لَا تَكُوْنُ دَعَاوِيْهِ دَعَاوِيَ؟

''اے میرے اللہ! جس شخص کی نیکیاں بھی برائیاں ہوں، تو اس کی برائیاں کیوں برائیاں نہ ہوں گی؟ اور جس شخص کی حقیقتیں بھی دعوے ہوں، اس کے دعوے کیوں دعوے نہ ہوں گے؟

میں کہتا ہوں: انسان کی نیکیاں خلل اور نقصان سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔ اور اگر ان میں کوئی خلل اور نقص نہ ہو۔ تو ان کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرنی، اور ان کو اپنا فعل سمجھنا، اور ان کو اپنی قوت اور اختیار سے خیال کرنا ہی ان میں خلل اور نقص ہونے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ وہ بظاہر نیکیوں کی شکل میں ہونے کے باوجود برائیوں میں بدل جاتی ہیں۔ لہذا جب اس کی نیکیاں بھی برائیاں ہیں۔ تو اس کی برائیاں کیوں برائیاں نہ ہوں گی؟

اور اسی طرح بندے کی حقیقتوں کا حال ہے۔ اور حقیقت: وہ مقامات اور منزلیں ہیں جن میں وہ ثابت ہوتا ہے۔ اور عارفین کے ذوق، اور عاشقین کے وجد و حال ہیں۔ جو دعووں کی آمیزشوں، اور خواہش کی چوریوں سے پاک نہیں ہوتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی چشم پوشی ان کے شامل حال نہ ہو۔

تو جب اس کی وہ حقیقتیں جن میں وہ ثابت و قائم ہوا ہے۔ اور اس کا ذوق اس کو حاصل ہوا ہے، دعوٰی کی آمیزشوں سے پاک نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ جب وہ ان کی نسبت اپنے نفس سے کرتا ہے۔ تو وہ سب کے سب دعوے بن جاتے ہیں۔ تو پھر اس کے خالی دعوے کیوں دعوے نہ ہوں گے؟

لہذا جب بندہ اس کو سمجھ لیتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس بات پر شرم کرتا ہے کہ وہ کسی نیکی کو اپنی ذات سے منسوب کرے۔ یا اپنے لئے کوئی حقیقت ثابت کرے۔ ورنہ آخر اوقات وہ مخلوق کے سامنے ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ اور شک کرنے والے کے لئے سلامت رہ جانا ہی کافی ہے۔

درمیان پیدا ہوتی ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: بدبختی کی پانچ علامتیں ہیں

اول:۔ حیا کی کمی۔ دوم: دل کی سختی سوم: آنکھ کی بے حسی

چہارم: دنیا کی رغبت پنجم: لمبی امید

پھر اگر نیکیاں برائیوں میں تبدیلی سے محفوظ ہوں اور مشقتیں دعووں سے پاک بھی ہوں۔ پھر بھی مشیت الہی کا معاملہ مبہم اور سابقہ اور خاتمہ دونوں نامعلوم ہیں۔ لہذا کوئی شخص نہیں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا کرے گا۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو تیرھویں مناجات میں بیان فرمایا۔

اور تندرست بیمار کر دیتا ہے۔ لہذا کسی عقلمند کے لئے یہ کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ وہ کسی حال و مقام کی طرف مائل ہو۔ یا کسی علم اور عمل پر بھروسہ کرے۔ یا اپنی زبان اور قول کی روانی سے دھوکہ کھائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ)

’’اور تم لوگ یہ جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے۔ اور یہ کہ تم سب اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے‘‘۔

ایک عارف نے فرمایا ہے۔ بندے کے لئے حال یا قال کس طرح ثابت ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ حال میں بھی عین قال ہے؟ وہ ایک حقیر ذرہ ہے۔ جو اپنے باطن کی طرف دوڑا لیکن اس کے آخری حد تک نہیں پہنچا۔ لہذا اللہ کی قسم، بندہ اپنے باطن کی حقیقت تک نہیں پہنچا۔ تو وہ اپنے باطن کے خالق تک کیسے پہنچے گا۔ اس کے باطن کا خالق ایک جوہر ہے۔ جس نے ارادہ کیا تو وہ ظاہر ہوا۔ اور چمکا تو وہ چھپ گیا۔ اور ٹھہرا تو وہ متمکن ہوا۔ پھر ادب کے مقتضی کی حیرانی سے ظاہر ہوا۔ پھر اس سے قدرت نے غیرت کیا۔ پھر اس کو اس کی ذات کی سیاہی میں پائے جانے یا ظاہر ہو جانے یا پہچان لئے جانے کے خوف سے چھپا دیا۔ لہذا اس کے لئے نہ کیفیت ہے۔ نہ مکان، نہ دوام، نہ تمکین، نہ وصل، نہ قطع۔

تشریح: عارف کے قول ’’وہ حال میں عین قال ہے‘‘ کا مفہوم یہ ہے۔

ذرہ کے معنی چھوٹی چیونٹی۔ اور جوہر کے معنی عظیم (بڑا)۔

یعنی بندہ ظاہر میں چھوٹی چیونٹی، اور باطن میں عظیم یعنی بڑا ہے۔ وہ اپنی فکر کے ساتھ اپنے باطن کے معلوم کرنے کے لئے دوڑا۔ لیکن اس کی انتہا تک نہیں پہنچا۔

انتہا۔ بہت چھوٹی چیز میں اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائبات سے انتہا ہے۔ تو جب وہ ایک بہت ہی چھوٹی شے کی حقیقت تک نہ پہنچ سکا۔ تو انسان کی حقیقت تک کیسے پہنچ سکے گا؟

اسی لئے عارف نے فرمایا:۔ بندہ اپنے باطن کی حقیقت تک نہیں پہنچا۔

بندے کے باطن کا حقیقت : اس کی ظاہری بشریت ہے۔ کیونکہ وہ عبودیت کا مقام ہے۔ جو ربوبیت کے اعتبار سے حقیقت ہے۔

اور اس کے باطن کا طاق : اس کی روحانیت ہے۔ کیونکہ وہ واحد ہے۔ اور عارف کے قول "وہ جوہر ہے جس نے ارادہ کیا" کا مفہوم یہ ہے۔

جوہر سے مراد روح ہے۔ یعنی روح نے ظاہر ہونے کا ارادہ کیا۔ تو وہ ظاہر ہوئی۔ یعنی اس بشری جسم میں ظاہر ہوئی۔ اور اس کے انوار اس جسم پر چمکے۔ پھر چھپ گئے۔ لہذا اس کو اس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے نہیں جانا۔ جس نے اس کو پیدا کیا۔ اور اس کو جسم میں پھونکا۔ پھر وہ اپنے پنجرے میں ٹھہری۔ تو اس میں متمکن یعنی مضبوطی سے قائم ہوئی۔

اور عارف کے قول "پھر وہ غیب کے سمندر کی گہرائی سے ظاہر ہوا" کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر ہونے کی اصل جبروت کے سمندر سے ظاہر ہوئی۔ لہذا جب وہ عالم خلق میں غیب کے اسرار کے عالم ہونے کی حالت میں ظاہر ہوئی۔ اور غیب کے اسرار: بادشاہ کے اسرار ہیں۔ تو اس سے قدر کو غیرت لاحق ہوئی۔ اور اس کو یہ خوف ہوا کہ بادشاہ کے اسرار کو فاش نہ کر دے۔ تو اس کو پوشیدہ کر دیا۔ یعنی اس کو اس کی ذات کی سیاہی میں پوشیدہ کر دیا۔ پس اس کو ان اسرار سے اس خوف سے کہ وہ پالئے جائیں یا ظاہر ہو جائیں یا پہچان لئے جائیں، محجوب کر دیا۔ لہذا روح کے لئے نہ کیفیت ہے نہ مکان نہ رحم، بلکہ وہ دریتیم (بڑا اور قیمتی موتی جو سیپ میں اکیلا ہوتا ہے)۔ نہ اس کے لئے ذات ہے، جس سے وہ پہچانی جائے۔ نہ اس کے لئے کسی شے سے وصل ہے نہ جدائی۔ ہمارا رب اس سے بلند ہے کہ کوئی شی اس سے متصل ہو۔ یا وہ کسی شی سے متصل ہو۔

اور عارف کے قول "وہ حال میں بھی تمکین قال ہے" کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کا معاملہ کاف اور نون کے درمیان ہے۔ لہذا وہ تمکین قول "کن" ہے۔ پس قال سے مراد قول "کن" ہے لہذا حال میں اسی قلم کا تصرف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک عارف کے اشعار ہیں۔

فَالْكُلُّ يَطْلُبُ نُعْمِي حَيْثُ ضَلَّ وَتَا ... يَحْظِي بِنُعْمِي يَرَى فَرْدٍ بِأَفْرَادِ

"پس ہر شخص نعمی کو اس طرح تلاش کرتا ہے گویا کہ وہ گم ہو گیا ہے۔ اور نعمی تک سب لوگوں میں سے

صرف ایک شخص پہنچے گا۔"

مَهْلاً عَلَيْكَ وَعَلِّلْنِي بِحُبِّ جِئْتَ وَسَلْ
فِي الذَّاهِبِيْنَ غَداً عَنْ سَاكِنِي الْوَادِيْ

"تم ٹھہرو، اور اس محبت والی جو تم جہاں سے آئے ہو، اور آئندہ کل روانہ ہونے والوں کے بارے میں اس وادی کے رہنے والوں سے دریافت کرو۔"

عَسَاكَ تَلْقَى خَبِيْراً عَالِمًا بِهِمْ
يُنْبِيكَ عَنْهُمْ وَلَمْ يَلْمِمْ بِمِيْعَادِ

"ممکن ہے کہ تمہاری ملاقات کسی ایسے واقف کار شخص سے ہو جائے جو ان کو جانتا ہو، اور وہ تم کو ان کی خبر دے، اگرچہ وہ مقررہ وقت کو نہ جانتا ہو۔"

بعض عارفین نے فرمایا ہے: اللہ کی قسم، سعادت کے بارے میں وہی شخص کامیاب ہوا، جو تقدیر کی سرزمین میں سرگرداں رہا۔ اور خواہش و نفس سے پاک ہو گیا۔ تو اس کا جسم اور اس کی روح نافرمان ہو گئی۔ اور اس کا نفس فرعون بن گیا۔ لہٰذا اس کا کلام خاموشی ہے۔ اور اس کی خاموشی کلام ہے۔ اور اس کے حال کی زبان کل مخلوقات سے خطاب کرتی ہے۔ لہٰذا اگر اس کے سامنے اس کے حجرے کے دروازے پر شہادت پیش کی جائے اور موت اس حجرے کے اندر کھوٹی مہر بند ہو تو وہ شہادت کو چھوڑ دے گا اور موت کو مکمل طریقے پر اختیار کر لے گا۔ کیونکہ اس کا عمل یقین پر ہے۔ شک پر نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی مجبر اور باقی رہنے والا ہے۔

اس شخص کی زندگی کتنی بہتر اور پاکیزہ ہے۔ جس کو دعوت دی گئی تو اس نے قبول کیا۔ اور لبیک کہا۔ اور اس شخص کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ جس نے دروازے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور اس کا مرتبہ کتنا پست اور حقیر ہے جو بارگاہ سے دور کر دیا گیا۔ اس شخص کی قیمت کتنی کم ہے، جو غفلتوں میں سر کے بل پڑا ہوا ہے۔ جب طبیعت غالب ہو جاتی ہے تو تدبیر کام نہیں کرتی ہے اور جس کے لئے قضا پہلے ہی مقدر ہو چکی ہے اس کو وسیلہ فائدہ نہیں پہنچاتا ہے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، جو عطا فرماتا اور محروم کرتا ہے۔ اور نقصان اور نفع پہنچاتا ہے۔

عنایت الٰہی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو فارس سے کھینچ لیا۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ملک حبشہ سے بلا لئے گئے۔ اور ابو طالب حقیقت کے دروازے پر رہتے ہوئے توفیق ربانی سے محروم رہ گئے۔ حکم واقع ہو چکا۔ اور امر نافذ ہو گیا۔ اور مشیت سبقت کر گئی۔ اور قلم خشک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ

"اگر آپ زمین کی تمام چیزوں کو خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت نہ پیدا کر سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محبت پیدا کر دی۔

اور جس طرح اس کا نافذ حکم احوال پر اعتماد کو منہدم کر دیتا ہے۔ اسی طرح اس کا غالب اعتماد اعمال پر اعتماد کو منہدم کر دیتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو چودھویں مناجات میں بیان فرمایا:

چودھویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِيْ كَمْ مِّنْ طَاعَةٍ بَنَيْتُهَا وَ حَالَةٍ شَيَّدْتُهَا، هَدَمَ اِعْتِمَادِيْ عَلَيْهَا عَدْلُكَ بَلْ أَقَالَنِيْ مِنْهَا فَضْلُكَ

''اے میرے اللہ! بہت سی عبادتوں کی میں نے بنیاد رکھی۔ اور بہت سی حالتوں کو میں نے مضبوط کیا۔ مگر تیرے عدل نے ان پر میرے اعتماد کو منہدم کر دیا۔ بلکہ تیرے فضل نے مجھ کو ان سے بیزار کر دیا''۔

میں کہتا ہوں: بندے کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی طاعت کی طرف نظر کرے اگرچہ وہ بہت بڑی ہو۔ اور نہ یہ مناسب ہے، کہ وہ اپنی کسی حال کو بہتر سمجھے اگرچہ وہ بہت بہتر ہو۔ کیونکہ پرکھنے والا بصیر ہے، اور محافظ پوشیدہ گناہوں سے خبیر (باخبر) ہے۔

پس بہت سی عبادتیں ایسی ہیں جو اپنے کرنے والے کی نظر میں پہاڑوں کی طرح بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتی ہیں۔ اور بہت سے احوال ایسے ہیں جو صاحب احوال کے نزدیک خالص اور صاف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدخول ہوتے ہیں۔ اور مصنف کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے: کوئی کبیرہ، کبیرہ نہیں ہے، اگر اس کا فضل تمہارے سامنے آئے۔ اور کوئی صغیرہ صغیرہ نہیں ہے اگر اس کا عدل تمہارے سامنے آئے۔

لہذا جس شخص کے سامنے اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ آئے اس کے سب کبیرہ صغیرہ ہو جاتے ہیں۔ اور جس شخص کے سامنے وہ اپنے انصاف کے ساتھ آئے اس کے سب صغیرہ کبیرہ ہو جاتے ہیں۔

اسی لئے مصنف نے اس مقام پر فرمایا: بہت سی عبادتوں کی میں نے بنیاد رکھی۔ یعنی میں نے بہت سی عبادتیں کیں۔ لیکن تیرے انصاف کی طرف میری نظر نے ان پر میرے اعتماد کو منہدم کر دیا۔

لہذا جب میں نے تیرے انصاف کی طرف دیکھا تو میرے اعمال ختم ہو گئے۔ اور میرے احوال نیست و نابود ہو گئے۔ اور بہت سی حالتوں کو میں نے مضبوط اور بلند کیا۔ لیکن جب میں نے تیرے انصاف اور تیری سخت جرح پر غور کیا۔ تو وہ حالتیں منہدم اور فنا ہو گئیں۔ بلکہ تیرے فضل اور تیری ہدایت اور تیری توفیق نے مجھ کو ان سے اس طرح بیزار کر دیا کہ ان کی نسبت مجھ سے ختم ہو گئی۔ لہذا میرے پاس نہ کوئی عبادت باقی رہی نہ کوئی حال باقی رہا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ وحتار بزرگ و برتر کی طرف لوٹ گیا۔

لہذا بندے پر واجب ہے کہ وہ اپنے علم اور عمل اور حال اور نفس اور روح اور اختیار اور قوت سے نکل جائے۔ اور اپنے آقائے حقیقی کے سامنے محتاج ہو کر باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ

”خریدا ہوا غلام جو کسی شی پر اختیار نہیں رکھتا ہے“۔

ایک عارف نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم فنا کے سمندر میں اس شخص نے غوطہ لگایا، جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے“

وہ شخص حقائق کے سمندر میں کیسے غوطہ لگا سکتا ہے، جس کا علم اور عمل آمیزش اور کھوٹ سے پاک اور خالص نہ ہو۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کے صراف محمدی ﷺ کسوٹی لئے ہوئے ساحل پر موجود ہیں۔ وہ اس شخص کو واپس کر دیتے ہیں جو مخلص نہیں ہوتا ہے؟ اور اخلاص، سے کہاں؟

یہ اس شخص کے لئے ہے جو سمندر کے ساحل تک پہنچ گیا۔ پھر اس شخص کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ جو اس کا انکار کرتا ہے۔ اور تصدیق نہیں کرتا ہے۔ یا اس کی طرف بغیر استقامت کے احکام سے منحرف ہو کر سفر کرتا ہے؟

جیسا کہ ایک عارف نے ان اشعار میں بیان فرمایا ہے:

لَیْسَ مَنْ بَاتَ قَرِیْرًا عَیْنُہٗ   مِثْلَ مَنْ اَصْبَحَ فَقْرًا ذَوِیْبًا

”جس شخص نے رات اس حال میں گزاری کہ اس کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ٹھنڈی تھی۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جس نے ختم ہونے والی محتاجی کی حالت میں صبح کی“۔

لَیْسَ مَنْ اُکْرِمَ بِالْوَصْلِ کَمَنْ   ظَلَّ یَھْدِیْ بِلَعَلَّ وَعَسٰی

”جس شخص کو وصل کی عزت عطا فرمائی گئی۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جو شاید اور ممکن کے ساتھ ہدایت پاتا ہو“۔

لَیْسَ مَنْ اُلْبِسَ اَثْوَابَ التُّقٰی   مِثْلَ الَّذِیْ اُلْبِسَ ثَوْبًا دَنِسًا

”جس شخص کو تقویٰ کے لباس پہنائے گئے۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جس کو نجس کپڑا پہنایا گیا“۔

لَیْسَ مَنْ سِیْرَ بِہٖ مِثْلَ الَّذِیْ   بَاتَ یَرْعَی الْحِمٰی مُبْتَئِسًا

”جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرائی گئی۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جس نے رنجیدہ ہو کر چراگاہ کی حفاظت کرتے ہوئے رات گزاری“۔

لَیْسَ مَنْ شَاھَدَ صُبْحًا وَاضِحًا   مِثْلَ الَّذِیْ شَاھَدَ لَیْلًا غَلِسًا

”جس شخص نے روشن صبح کا مشاہدہ کیا۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جس نے اندھیری رات کا مشاہدہ کیا“۔

لَیْسَ مَنْ بُوِّئَ رَوْضَاتِ الْحِمٰی   مِثْلَ الَّذِیْ اَسْکَنَ قَفْرًا یَابِسًا

”جو شخص سبزہ زار باغوں میں ٹھہرایا گیا۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جو خشک روٹی کھا کر رہا“۔

لَیْسَ مَنْ اَشْبَہَ غُصْنًا یَانِعًا   مِثْلَ مَنْ اَشْبَہَ عُوْدًا یَابِسًا

”جو شخص پختہ پھل لگے ہوئے شاخ کے مشابہ ہے۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جو خشک لکڑی کے مشابہ ہے“۔

اور عمل پر عدم اعتماد سے عمل کا ترک لازم نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ بندے پر یہ واجب ہے کہ وہ عمل پر مداومت کرے۔ لیکن اس پر اعتماد نہ کرے۔ اور اگر وہ بالکل عمل پر مداومت نہ کر سکے تو محبت اور ارادے کے ساتھ عمل پر مداومت کرے۔ جیسا کہ مصنف نے اس کو چودھویں مناجات میں بیان فرمایا:

پندرھویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِيْ إِنَّكَ تَعْلَمُ وَإِنْ لَّمْ تَدُمِ الطَّاعَةُ مِنِّيْ فِعْلًا جَزْمًا فَقَدْ دَامَتْ مَحَبَّةً وَعَزْمًا

''اے میرے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ اگرچہ مجھ سے مکمل طور پر دائمی عبادت نہیں ہو سکی۔ لیکن عبادت کی محبت اور ارادہ ہمیشہ قائم رہا''۔

میں کہتا ہوں: بندے پر اپنے رب کی عبادت میں یہ واجب ہے کہ فعل اور محبت اور ارادہ کے ساتھ ہر لحظہ اور ہر وقت عبادت ہو۔ لیکن اگر وہ اس پر قادر نہ ہو۔ (اگر وہ ایسا نہ کر سکے) تو اس کو چاہیے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کا ارادہ کرے۔ اور نیک اعمال کی نیت کرے۔ کیونکہ مومن کی نیت اس کے عمل سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ

''اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں نیکی معلوم کرے گا تو وہ تم کو اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے''

بعض عارفین نے فرمایا ہے: فعل جزم: عمل اور محبت کا واقع ہوتا ہے۔ اور عزم۔ عمل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور بہت سے متوجہ ہونے والوں نے عمل نہیں کیا۔ اور بہت سے کوشش کرنے والے آگے نہیں بڑھے۔ لیکن عزم میں حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور عزم ہی کے ساتھ شریعتیں آئی ہیں۔ اور بندے پر صرف قصد اور کوشش اور عزم واجب ہے۔ لیکن اس کا اثر کرنا یا آگے بڑھنا تو کبھی مقدر ہوتا ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتا ہے:

(وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ) ''اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم پر غالب ہے''۔

اور عزم سے مراد: قصد اور نیت ہے۔ اور وہ مطلوب کام کے لئے قلب کا متوجہ ہوتا ہے۔

اور تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ علم کی پیروی اختیاری ہے اور حال کی پیروی اضطراری (بے

"اللہ تعالیٰ نے ان کو تائید اور عزت اور عصمت سے قریب کیا۔ لہذا تم ان کے اعلیٰ اور پاکیزہ اوصاف کی بناء پر ان کی تعظیم و تکریم کرو"۔

اور تم یہ جان لو کہ نیکی کی نیت کرنے والا نیکی کرنے والا ہے۔ اور وصول کی نیت کرنے والا واصل (پہنچنے والا) ہے۔ اور بندے کے اوپر صرف کوشش کرنی واجب ہے۔ لہذا جب اس نے اپنی کوشش صرف کی۔ اور اپنا مقصد حاصل کرلیا تو وہ اور واصل دونوں برابر ہیں۔

اور ہمارے شیخ الشیوخ فرماتے تھے: جس شخص نے اس حال میں انتقال کیا کہ وہ راستے میں تھا، تو تحقیقی طور پر موت کے بعد اس کو ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ

"اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے۔ اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا۔ تو وہ لوگ تم میں سے ہیں"۔

اور حدیث شریف میں ہے:

مَنْ مَاتَ فِي طَرِيْقِ الْحَجِّ فَهُوَ حَاجٌّ، وَمَنْ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِ الْجِهَادِ فَهُوَ مُجَاهِدٌ

"جو شخص حج کے راستے میں مر گیا وہ حاجی ہے۔ اور جو شخص جہاد کے راستے میں مر گیا وہ مجاہد ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

"اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف مہاجر ہو کر نکلے پھر اس کو موت آ جائے۔ تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر لازم ہو گیا"۔

اور حدیث شریف میں ہے:

مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ ، اَيِ النَّافِعَ ، لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ

"جو شخص علم نافع طلب کرنے کی حالت میں مر گیا۔ اس کے درمیان اور نبوت کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہے۔"

وَمَنْ تَوَجَّهَ لِأَمْرٍ وَلَمْ يُدْرِكْهُ فَكَأَنَّمَا أَدْرَكَهُ

"اور جس شخص نے کسی کام کی طرف توجہ کی۔ لیکن اس کو حاصل نہیں کر سکا۔ تو گویا اس نے اس کو حاصل کر لیا۔" دونوں ایک ہی حدیث کے ٹکڑے ہیں۔

اور ان امور کی ابتدا میں مشقتوں پر صبر و برداشت کرنا، اور خواہش اور آرام سے نفس کو روکنا ضروری ہے۔ اسی لئے جہاد کا نام جہاد رکھا گیا ہے۔ اور ارادہ کرنے والا صراط مستقیم تلاش کر لینے کے بعد دروازہ تلاش کرتا ہے۔ پھر جب وہ دروازے پر پہنچ جاتا ہے۔ تو اندر داخل ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور جب وہ اندر داخل ہو گیا۔ تو پہنچ گیا۔ اور جب پہنچ گیا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ

"تو کوئی شخص نہیں جانتا ہے کہ ان کے لئے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔" یعنی آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے وہ کوئی شخص نہیں جانتا ہے۔

اسی سے متعلق ایک عارف کے اشعار ہیں:

مَنْ فَاتَهُ طَلَبُ الْوُصُولِ وَنَيْلُهُ مِنْهُ فَقُلْ لَهُ مَا الَّذِي هُوَ يَطْلُبُ

"جس شخص سے وصول کی طلب اور وصول کا پانا فوت ہو گیا۔ تم اس سے دریافت کرو۔ اب وہ کیا ڈھونڈتا ہے۔"

حَسْبُ الْمُحِبِّ فَنَاؤُهُ عَمَّا سِوَى مَحْبُوبِهِ إِنْ حَاضِرٌ أَوْ غَائِبٌ

"محبت کرنے والے کے لئے اپنے محبوب کے ماسوی سے فنا ہو جانا کافی ہے۔ خواہ وہ حاضر ہو یا غائب ہو۔"

اور حقیقت کی حیثیت سے عبادت کے لئے بندے کی نیت اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن شریعت کی حیثیت سے وہ اس کے لئے حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے سترہویں مناجات میں اس سے آگاہ فرمایا۔

سولہویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِلٰهِیْ كَيْفَ اَعْزِمُ وَاَنْتَ الْقَاهِرُ؟ اَمْ كَيْفَ لَا اَعْزِمُ وَاَنْتَ الْاٰمِرُ؟

''اے میرے اللہ! میں عبادت کے لئے کیسے ارادہ کروں۔ جب کہ تو غالب ہے؟ یا میں کیسے ارادہ نہ کروں۔ جب کہ تو نے حکم دیا ہے؟''

میں کہتا ہوں: عبادت کی محبت، اور اس کی نیت، اور اس پر عمل، حقیقتاً بندے کی قدرت اور اس کا فعل نہیں ہے۔ لیکن وہ شرعاً اس کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ حجت قائم ہو جائے۔ اور اعتزال کا راستہ ظاہر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ

''آپ کہہ دیجئے: کامل حجت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا فرماتا''۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

''بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ کے برابر ظلم نہیں کرتا ہے''۔

پس جس نے باطن کی طرف دیکھا، اس نے بندے کو مجبور پایا۔ اور جس نے ظاہر کی طرف دیکھا اس نے اس کو غیر معذور پایا۔ لہٰذا انسان پر اور خصوصاً عارف پر یہ واجب ہے کہ وہ حقیقت کی آنکھ سے ان امور کے باطن کی طرف دیکھے۔ اور مخلوق کو معذور سمجھے۔ اس لئے کہ وہ لوگ صاحب اختیار حسنوں کے اندر مجبور ہیں۔ اور شریعت کی آنکھ سے ان امور کے ظاہر کی طرف دیکھے۔ لہٰذا وہ ربوبیت کا راز چھپانے۔ اور عبودیت کے وظائف ظاہر کرنے کے لئے حقوق کو نافذ اور حدود کو قائم کرے۔ لیکن ایسا وہ مہربانی اور نرمی کے ساتھ کرے۔ اس کا قلب ان کے اوپر مہربان ہو۔ اور اس

کا ظاہر اس کے اوپر سخت ہو، جس طرح غلام اپنے آقا کے بچے کو ادب کی تعلیم دیتا ہے۔

اور اس مناجات کا یہی مفہوم ہے یعنی میں عبادات کے لئے کیسے ارادہ کروں۔ اور اس کے لئے کیسے عہد کروں۔ جب کہ میرے اوپر تو غالب ہے؟ لہٰذا اس کے کرنے کی طاقت اس حال میں مجھ کو نہیں ہے۔ کہ تو مجھ کو اس کے کرنے سے مغلوب کر دے یعنی روک دے۔ اور یہی حقیقت ہے۔

اور میں عبادت کے لئے کیسے ارادہ نہ کروں جب کہ تو نے مجھ کو اس کا حکم دیا ہے۔ تو اگر میں اس کے کرنے کا ارادہ نہ کروں تو تو مجھ پر عذاب کرے گا۔ اور یہی شریعت ہے۔

لہٰذا واجب یہ ہے کہ میں ارادہ کروں، اور یہ دیکھوں کہ تو کیا کرتا ہے۔ پھر اگر تو مجھ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو تو اہل تقویٰ اور اہل مغفرت (تقویٰ اور مغفرت کا مالک) ہے۔

اور اگر تو مجھ کو عمل کرنے کی توفیق نہ عطا فرمائے تو تو معاف کرنے اور معذرت قبول کرنے کا مالک ہے۔ اور تو ہی فاعل حقیقی اور مختار مطلق ہے۔ لہٰذا حکم بھی تیرا ہی حکم ہے۔ اور بندہ بھی تیرا ہی بندہ ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے''۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَهَدَى النَّاسَ

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا''

حضرت شطیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مصنفؒ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ حقیقت اور شریعت کے درمیان جمع کے مقام کی طرف مریدین کی رہنمائی کریں۔ اس لئے کہ شرعاً بندے کی نیت اس سے مطلوب ہے۔ اور وہ نتیجہ جو اس سے سلب کر لیا گیا ہے، حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ اور دونوں یعنی شریعت اور حقیقت کے درمیان وہی شخص ثابت قدمی سے قائم ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ قائم کرے۔

اسی لئے مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دو متضاد اشیاء کے درمیان پر تعجب ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ یہ بشر کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس وجہ سے کہ انسان وجود کا تحفہ ہے اور کل موجود سے افضل و اشرف

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اپنی حکمت کے اسرار میں سے ایک صفت ودیعت فرمائی ہے۔ اور وہ متضاد اشیاء میں محبت پیدا کرتی ہے۔ اور وہ تمام مختلف اشیاء کو جمع کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ

"اللہ تعالیٰ نے دو ایسے دریاؤں کو جاری کیا جو ایک دوسرے سے ملتے ہیں ان کے درمیان ایک برزخ (حائل) ہے۔ دونوں اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے ہیں۔"

لہذا جس شخص کے جسمانی اعضاء پر برزخیت کا اثر ظاہر ہوا، اس نے دنیا اور آخرت کے اعمال پر عمل کیا۔ اور جس شخص کے قلب پر برزخیت کا اثر ظاہر ہوا، اس نے آخرت کے اعمال اور بارگاہ قدس کے مشاہدے کے درمیان جمع کیا۔ اور اس کا نور اس پر روشن ہوا۔ اور جس شخص کی روح پر برزخیت کا اثر ظاہر ہوا، اس نے مشاہدہ اور محبت کے درمیان جمع کیا۔

پھر مصنف نے فرمایا: تم یہ جان لو کہ اجسام مر جاتے ہیں اور وہ پھر اٹھائے جائیں گے۔ اور زندہ کئے جائیں گے۔ اور یہی حال نفوس اور ارواح کا ہے۔

پس اجسام کی موت: دنیا سے نکلنے اور ان کی قبروں سے تبدیلی کے وقت واقع ہوتی ہے۔

اور نفوس کی موت: خواہشات سے نکلنے اور عادتوں کی تبدیلی کے وقت ہوتی ہے۔

اور ارواح کی موت: نفسانی خیالات سے نکل کر اپنے تدریجی علم میں پہنچنے کے لئے اور وطن کی طرف ان کا رجوع کرنا ہے۔

لہذا جب نفس کی تقرب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور روح کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور مخلوق فنا ہو جاتی ہے۔ اور صرف اللہ حی و قیوم باقی رہ جاتا ہے۔ تو ظاہر باطن کے ساتھ اور باطن ظاہر کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ اور ہر طرف سے مشاہدہ متحقق ہو جاتا ہے۔ اور ماسوی اللہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ اس سے خطاب کیا جاتا ہے۔

"كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔"

اور اس وقت تجھ کو تحفہ قرب کے مقام سے آواز دی جاتی ہے۔

(لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ) "آج کس کی بادشاہت ہے"۔

تو شریعت کے عالموں اور ملکوتیت کی صورتوں میں سے کوئی جواب دینے والا اس کو جواب نہیں دیتا ہے۔ (کیونکہ کوئی شے باقی ہی نہیں رہتی ہے) تو وہ اپنی ذات کو خود ہی جواب دیتا ہے۔

(لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) "آج صرف اللہ واحد قہار کی بادشاہت ہے"۔

اس مناجات کا مختصر مفہوم یہ ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے عبادت اور اس کی نیت کا حکم اس لئے دیا ہے کہ وہ اس کی طرف اس کی مقرر کردہ حکمت اور شریعت کے مطابق وصول کا سبب ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو ستر ھویں مناجات میں بیان فرمایا:

سترھویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِيْ تَرَدُّدِيْ فِي الْآثَارِ يُوْجِبُ بُعْدَ الْمَزَارِ ، فَاجْمَعْنِيْ عَلَيْكَ بِخِدْمَةٍ تُوْصِلُنِيْ إِلَيْكَ

''اے میرے اللہ! مخلوقات میں میرا تردد، تیری زیارت کی دوری کا سبب ہوتا ہے۔ لہٰذا تو مجھ کو ایسی خدمت کے ساتھ اپنی طرف جمع کر (یعنی ایسی خدمت کی توفیق عطا فرما) جو مجھ کو تیرے پاس پہنچا دے۔''

میں کہتا ہوں: مخلوقات میں تردد: اس کے ثابت اور نفی کرنے میں شک اور تحیر ہے۔ اور یہ مستشرفین یعنی سائرین کا حال ہے۔ پس جب وہ اس کو مستقل طور پر ثابت کرتا ہے تو وہ فرق یعنی بعد (دور ہونا) کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور جب وہ اس کی نفی کرتا ہے۔ تو وہ جمع کی حالت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ اس طریقے پر جمع کی طلب کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کی اثبات اور نفی میں اس کو کوئی تردد نہ ہے۔ اور یہی جمع کا مقام ہے۔

لہٰذا مخلوق کو ہمیشہ نفس کے ساتھ ثابت کرنا، یہ ہمیشہ بعد ہے۔ اور یہ عوام میں سے اہل حجاب کا مقام ہے۔

اور مخلوق کی ہمیشہ نفی کرنا یہ اہل فنا مجذوبین میں سے اہل جمع کا مقام ہے۔

اور مخلوق کی نفی کرنا، پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت کرنا، یہ حکمت اور قدرت کے وظائف کے ساتھ قائم رہنے، اور حقیقت و شریعت کے درمیان جمع ہونے کے اعتبار سے اہل بقاء کا مقام ہے۔

اور یہ مناجات صرف اہل استشراف یعنی سائرین ہی کے لائق ہے۔ اور اگر مصنف سائرین اور واصلین اور متمکنین کی مناجاتیں بیان کرنے کا ارادہ کرتے۔ تو وہ اس مناجات کے بعد جو

سائرین کے لئے ہے یہ فرماتے:

اے میرے اللہ! تو اولاً میری سیر (مسار) (جس کی طرف سیر کی جائے) کے قرب کا سبب ہوتی ہے۔ لہذا تو مجھ کو ایسی فکر کے ساتھ اپنی طرف جمع کر جو مجھ کو تیرے پاس پہنچا دے۔ اور یہ رسوخ و تمکین سے پہلے واصلین کی مناجات ہے۔

پھر یہ فرماتے:۔ اے میرے اللہ! مزار میں میری سیر (مسار) کے وصل کا سبب ہوتی ہے۔ لہذا تو مجھ کو ایسی نظر کے ساتھ اپنی طرف جمع کر جو مجھ کو تیرے سامنے قائم کر دے۔ اور یہی جمع کی انتہا اور نظر کا تمکین اور بارگاہ قدس کا دائمی شہود ہے۔ اور اس کا مزہ صرف وہی شخص چکھتا ہے جس کی خدمت سبقت کر گئی۔ اور جذب کی عنایت اس کے شامل ہو گئی۔ لہذا وہ غائب ہونے والوں اور اپنے محبوب کے واصلین میں سے ہو گیا۔

منقول ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے، اور میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ تو اس کو اپنے دروازے سے ہٹا دیتا ہے۔ پھر اس کو حجاب دور کرنے کی مشقت میں مشغول کر کے اپنے سے غافل کر دیتا ہے حالانکہ اس کو حجاب دور کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے اور "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کے یہی معنی ہیں لیکن عام مباشرت کی لذت نہیں پا سکتا ہے اور اللہ سبحانہ میدانوں اور زمینوں کی وسعت کو محسوس نہیں کر سکتا ہے۔

منقول ہے:۔ اللہ تعالیٰ پر جمع شدہ لوگوں میں سے بعض حضرات نے اپنے مقام سے پوشیدہ رہنے کا ارادہ کیا تو جب کسی شے کے متعلق ان سے دریافت کیا جاتا، تو وہ فرماتے: "ھو" وہ۔ تو ان سے دریافت کیا گیا: "ھو" سے شاید آپ کی مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں تک کہ وہ مر گئے۔
اور اس مقام کو حضرات صوفیائے کرام کی اصطلاح میں جمع الجمع کہتے ہیں۔

اور یہ مقام خواص انسان کے لئے مخصوص ہے۔

اور بیان کیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے۔

اور بیان کیا گیا ہے:۔ مرسلین علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے۔

اور بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔

اور کوشش سے ہمت اٹھا لینے اور دوار یت سے قدم نکال لینے کے بغیر اس مقام تک رسائی ناممکن ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:۔ میرے سامنے دنیا اس کی آرائش اور زینت کے ساتھ پیش کی گئی۔ لیکن میں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر میرے سامنے جنت اس کے حور و قصور اور لباسوں کے ساتھ پیش کی گئی۔ لیکن میں نے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔ تو مجھ سے کہا گیا:۔ اگر تم دنیا کے ساتھ مشغول ہو جاتے تو ہم تم کو آخرت سے محروم کر دیتے۔ اور اگر تم آخرت کی طرف متوجہ ہو جاتے تو ہم تم کو اپنی ذات سے محجوب کر دیتے۔ لہذا تم ہمارے ماسوی کو چھوڑ کر ہمارے ہی ساتھ راضی رہو۔ اور دنیا و آخرت میں سے تمہارا حصہ تمہارے پاس پہنچے گا۔

ایک دوسرے عارف نے فرمایا ہے:۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پانی پر مصلی بچھا کر اس پر سفر کر رہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ شخص کامیاب ہو گیا۔ اور میں نہ دنیا کے لائق ہوا نہ آخرت کے۔ تو میں نے ہاتف کو یہ کہتے سنا۔ جو شخص دنیا اور آخرت کے لائق نہیں ہوا۔ وہی میرے لائق ہے۔

حضرت شطیبیؒ نے فرمایا ہے: مخلوقات میں موجودات کی طرف نظر کرنا ان اہل دلیل لوگوں کے لئے ہے جو ان کی طرف نظر کرنے کے لئے فرق کرتے ہیں۔ تا کہ وہ ان کے ذریعے ان کے صانع پر استدلال کریں۔ لیکن اہل شہود مخلوق سے بے نیاز ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ظہور غیر اللہ کے ظہور سے زیادہ واضح ہے۔ بلکہ غیر اللہ کا مطلق وجود ہی نہیں ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کی طرف مندرجہ ذیل مناجات میں اشارہ فرمایا:

اٹھارہویں مناجات

حضرت مصنفؒ نے فرمایا:

اِلٰهِیْ كَیْفَ یُسْتَدَلُّ عَلَیْكَ بِمَا هُوَ فِیْ وُجُوْدِهٖ مُفْتَقِرٌ اِلَیْكَ؟ اَیَكُوْنُ لِغَیْرِكَ مِنَ الظُّهُوْرِ مَا لَیْسَ لَكَ حَتّٰی یَكُوْنَ هُوَ الْمُظْهِرُ لَكَ؟ مَتٰی غِبْتَ حَتّٰی تَحْتَاجَ اِلٰی دَلِیْلٍ یَدُلُّ عَلَیْكَ؟ وَمَتٰی بَعُدْتَ حَتّٰی تَكُوْنَ الْاٰثَارُ هِیَ الَّتِیْ تُوْصِلُ اِلَیْكَ؟

’’اے میرے اللہ! تیری ذات پر اس شی سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ جو اپنے وجود کے لئے تیری محتاج ہے؟ کیا تیرے غیر کے لئے ایسا ظہور ہے جیسا تیرے لئے نہیں ہے۔ تاکہ وہ تیری ظاہر کرنے والی ہو؟ تو غائب کہاں ہے کہ تو کسی ایسی دلیل کا محتاج ہو جو تیری طرف رہنمائی کرے؟ اور تو دور کہاں ہے کہ مخلوقات تیرے پاس پہنچنے والے وسیلے ہیں‘‘۔

میں کہتا ہوں: مصنف رضی اللہ عنہ نے اس شخص پر تعجب کیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر اس کے نور کے کامل ظہور کے بعد استدلال کرتا ہے۔ کیونکہ نور اپنے تجلی ظاہر ہونے کے بعد کسی ایسی دلیل کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے۔ جو اس کے وجود کی طرف رہنمائی کرے؟ اور اس ذات اقدس کا وجود کسی دلیل کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے۔ جو خود ہر دلیل سے زیادہ ظاہر ہے؟ یا وہ وجود کسی دلیل کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے۔ جس نے دلیل کو قائم کیا ہے۔

ایک عارف شاعر نے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

عَجِبْتُ لِمَنْ یَبْغِیْ عَلَیْكَ شَهَادَةً ۔۔۔ وَاَنْتَ الَّذِیْ اَشْهَدْتَهٗ كُلَّ شَاهِدٍ

’’میں نے اس شخص پر تعجب کیا جو تیرے وجود کی شہادت طلب کرتا ہے حالانکہ تو وہ ہے کہ تو نے اپنی ذات اقدس کو ہر گواہ کا گواہ بنایا‘‘۔

حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ وہ ذات اقدس، کس طرح معارف سے پہچانی جا سکتی ہے۔ جس کی ذات سے معارف پہچانے گئے؟ یا کسی شی سے وہ کیسے پہچانا جا سکتا ہے

جس کا وجود ہر شے سے مقدم ہے۔

میں کہتا ہوں: سخت تعجب ہے کہ فروع اصول سے زیادہ ظاہر کیسے ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ اگر اصول نہ ہوتے تو فروع حاصل ہی نہ ہوتے؟

نیز سمندروں سے جاری ہونے والے نالے اور نہریں سمندروں سے زیادہ ظاہر کیسے ہو سکتی ہیں؟ اور ملکوت کے انوار جبروت کے سمندروں ہی سے جاری ہوتے ہیں۔ لیکن اندھی بصیرت آسمان کے افق میں سورج کو نہیں دیکھتی ہے تو اندھی آنکھ سورج کو کیسے دیکھ سکتی ہے؟

ایک مرید نے اپنے شیخ سے دریافت کیا: یا حضرت اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ شیخ نے اس کو جواب دیا: اللہ تعالیٰ تجھ کو دور کرے۔ کیا تو حقیقت کے لئے مجھ سے تلاش کرتا ہے؟

ایک شخص نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اے ابوالقاسم! کیا آپ نے اپنے رب کو اس وقت دیکھا، جب آپ نے اس کی عبادت کی۔ یا آپ نے اپنے دل سے اس کے پاس پہنچنے کا اعتقاد کر لیا؟

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے سائل، ہم ایسے شخص نہیں ہیں کہ ایسے رب کی عبادت کریں جس کو ہم نہ دیکھیں۔ اور ہم اس بات کے ساتھ نہیں ہیں کہ جس کو ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں۔ ہم اس کی تشبیہ بیان کریں۔ اور ہم اس کے ساتھ نہیں ہیں کہ جس سے ہم ناواقف ہیں اس کی پاکیزگی کا یقین کریں۔

اس شخص نے ان سے پھر دریافت کیا: آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس طرح دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا: کیفیت بشر کے حق میں معلوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حق میں مجہول ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں عیاں مشاہدے کے ساتھ آنکھیں ہرگز نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ لیکن قلوب ایمان کے حقائق کے ساتھ پہنچتے ہیں۔ پھر احسان کے نور کے مشاہدے کے ساتھ معرفت سے رویت کی طرف ترقی کرتے ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ حقائق قدسیہ کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ وہ حادث صفات سے پاک ہے۔ وہ اپنے جمال کے ساتھ مقدس ہے اور اپنے کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ قلب پر اپنی بخشش و کرم سے تجلی کرنے والا ہے۔ اپنے عدل کے ساتھ اور اپنے فضل کے ساتھ موصوف ہے۔

جب اس شخص نے حضرت جنیدؒ کا یہ کلام سنا تو وہ کھڑا ہوا۔ اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور توبہ کی۔ اور ان کی صحبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ اس پر بھلائی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ پھر وہ موت کے وقت تک ان کی صحبت میں رہا۔ رحمۃ اللہ علیہما۔

اور تم یہ جان لو کہ اہل دلیل صنعت سے صانع پر اور حاضر سے غائب پر استدلال کرتے ہیں۔ اور اہل عیاں کے نزدیک غیب شہادت ہو جاتی ہے اور مدلول دلیل بن جاتا ہے۔

لہذا پہلی قسم :۔ اہل علم الیقین ہیں۔ اور دوسری قسم :۔ اہل عین الیقین یا حق الیقین ہیں۔ پہلی قسم : عوام ہیں۔ اور دوسری قسم :۔ خواص۔ یا خواص الخواص ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے :۔ اہل شہود و عیاں کے نزدیک، اہل دلیل و برہان عوام ہیں۔ اہل شہود نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اس سے پاک سمجھا کہ وہ کسی دلیل کا محتاج ہو جو اس کی طرف رہنمائی کرے۔

لہذا مصنفؒ کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔ اے میرے اللہ! تیری ذات پر اس شے سے یعنی اس مخلوق سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے جو اپنے وجود میں تیری محتاج ہے؟ کیا تیرے غیر کے وجود کے لئے اگر اس کا وجود فرض کر لیا جائے، ایسا ظہور ہے جیسا تیرے لئے نہیں ہے؟ تو بصیرتوں اور آنکھوں سے غائب کہاں ہے کہ تو کسی ایسی دلیل کا محتاج ہو جو تیری طرف رہنمائی کرے۔ جب کہ وہ دلیل بھی تیری ہی ذات سے قائم ہے۔ یہ محال ہے کہ وجود میں تیرے نور کے سوا کوئی شے ظاہر ہو؟ اور تو ان اشیاء سے دور کہاں ہے جو تیرے ساتھ یعنی تیری قدرت کے ساتھ قائم ہیں۔ کہ مخلوقات تیرے پاس پہنچنے کا وسیلہ بنیں؟

تیرے اور تیری مخلوق کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ اور وہم کے وجود اور قاہریت کے حجاب کے سوا کوئی جدا کرنے والی شے نہیں ہے جو ان کو تجھ سے جدا کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

اور اللہ تعالیٰ کے لئے غائب ہونا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ رقیب (نگہبان) اور قریب ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو تیسویں مناجات میں بیان فرمایا۔

انیسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا:۔

إِلٰهِيْ عَمِيَتْ عَيْنٌ لَا تَرَاكَ عَلَيْهَا رَقِيْبًا، وَ خَسِرَتْ صَفْقَةُ عَبْدٍ لَّمْ تَجْعَلْ لَهُ مِنْ حُبِّكَ نَصِيْبًا

''اے میرے اللہ! وہ آنکھ اندھی ہے جو تجھ کو اپنا نگران و محافظ نہیں دیکھتی ہے۔ اور اس بندے کا معاملہ نقصان میں ہے جس کے لئے تو نے اپنی محبت میں سے حصہ نہیں مقرر کیا''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر ہے کہ یہ اس بات کی خبر دیتی ہے کہ وہ ہر آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے مراقبے سے خالی ہے، وہ اندھی ہے۔ اور ہر وہ معاملہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے، وہ نقصان میں ہے۔ اور اندھا پن اس کے حق میں باطنی ہے۔ پس گویا کہ وہ اس حیثیت سے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا مراقبہ نہیں کیا اور اس سے شرم نہیں کیا، اندھی ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ''بے شک اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر نگران و محافظ ہے''۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا

''اور تم کسی حال میں ہوتے ہو۔ یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو۔ یا کوئی عمل کرتے ہو۔ تو ہم تمہارے سامنے حاضر ہوتے ہیں''۔

لہٰذا جس نے ایسا اعتقاد نہیں رکھا، وہ کافر ہے۔ اور جس نے ایسا اعتقاد رکھا لیکن اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں کیا، وہ جاہل اور بصیرت کا اندھا ہے۔

بزرگوں نے بیان فرمایا ہے: حیا کا اکثر حصہ آنکھ سے تعلق رکھتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اندھا کم حیادار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کا مراقبہ

نہیں کیا۔ اور اس سے شرم نہیں کیا۔ وہ آنکھ نہیں ہے بلکہ وہ اندھا پن ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصنف نے آنکھ سے بصیرت کی آنکھ مراد لی ہو۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے جب تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو تو ایسی جگہ کرو جہاں وہ تم کو نہ دیکھے۔

لہذا جس شخص نے نافرمانیاں کرنے میں اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے شرم نہیں کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ظاہر ہے تو بے شک اس کی بصیرت کی آنکھ اندھی ہو گئی۔

ایک عارف سے دریافت کیا گیا: بندہ اپنی آنکھ کی حفاظت کے لئے کس شے سے مدد طلب کرے؟ انہوں نے جواب دیا: وہ اپنی آنکھ کی حفاظت کے لئے اپنے اس علم سے مدد طلب کرے کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اس کی آنکھ سے آگے بڑھی ہوئی ہے

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت فرمائی ہے۔

حضرت ﷺ نے فرمایا۔

أَفْضَلُ إِيْمَانِ الْمَرْءِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ مَعَهُ حَيْثُ كَانَ

"آدمی کا افضل ترین ایمان یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں ہو۔"

صفقہ۔ ان سب اشیاء کو کہتے ہیں جن کو خریدا جاتا ہے۔ یعنی خریداری کا معاملہ۔ اور مصنف نے اس لفظ کے ساتھ بندے کے حصے اور اس کی ازلی قسمت سے کنایہ کیا ہے۔ لہذا وہ شخص جس کا حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضی اور دوری ہو۔ تو اس کا معاملہ نقصان میں ہے۔ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی عافیت چاہتے ہیں۔

بعض سادات رو رہے تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا: آپ کا رونا کس وجہ سے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میرا رونا میری نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ میرے نفس کی صفت ہے۔ بلکہ میرا رونا اس وجہ سے ہے کہ ازل میں جو حصے تقسیم کئے گئے اور جو فیصلے جاری کئے گئے ان میں سے میرے حصے میں دوری آ گئی۔ بعض آسمانی کتابوں میں جو بعض انبیاء علیہم

دوسری قسم: جمال کے شہود سے پیدا ہوتی ہے۔

پہلی قسم کی محبت، جو احسان کے شہود سے پیدا ہوتی ہے۔ تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بندہ جب اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی احسانات و انعامات کی طرف نظر کرتا ہے۔ تو وہ اس سے لامحالہ محبت کرتا ہے۔ اس لئے کہ قلوب فطری (پیدائشی) طور پر اس سے محبت کرتے ہیں جو ان کے اوپر احسان کرتا ہے۔ اور اسی محبت کا نام خواہش اور میلان کی محبت ہے۔ اور یہ کسبی ہے۔ کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کے احسانات سے ڈھانپا ہوا ہے۔ اور وہ ان میں غور و فکر سے مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ اور چونکہ وہ ہمیشہ ایک نعمت کے بعد دوسری نعمت اور ایک احسان کے بعد دوسرا احسان دیکھتا رہتا ہے۔ اور ہر نعمت اپنے سے پہلے کی نعمت سے زیادہ بڑی ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنے مولائے حقیقی سے اس کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ اور اسی سے وہ اپنے ارادہ اور تمنا تک پہنچ جاتا ہے۔

اور محبت کی دوسری قسم، جو جمال کے شہود سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بندے کے قلب سے حجاب اٹھ جاتا ہے اور اس سے مانعات اور قاطعات دور ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے جمال اور اس کے کمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور بارگاہ قدس کے انوار اس کے قلب پر روشن ہوتے ہیں۔ اور چونکہ جمال فطری طور پر محبوب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے درمیان اور اس کے مولائے حقیقی کے درمیان محبت منعقد ہو جاتی ہے۔

اور حضرت رابعہؒ نے دوسری محبت کو جو جمال کے شہود سے پیدا ہوتی ہے، اہلیت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ پہلی محبت کو نہیں کیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی محبت کا اہل ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ دوسری قسم کی محبت اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ بندے کے کسب کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور پہلی قسم کی محبت اس کے لئے سبب ہے اور بندے کا عمل معلول ہے۔

اور حضرت رابعہؒ کا یہ قول:۔ "تیرے ماسوا کو چھوڑ کر تیرے ذکر میں میرا مشغول ہونا ہے"۔
سبب سے مسبب کی تعبیر ہے۔ یعنی اس محبت کا نتیجہ:۔

تیرے ماسوا کو چھوڑ کر میرا تیرے ذکر میں مشغول ہونا ہے۔

اور حضرت رابعہؒ کا یہ قول: "تیرا حجابات کو اٹھا دینا ہے۔ تاکہ میں تجھ کو دیکھوں" مسبب سے سبب کی تعبیر ہے۔ اور یہ پہلی محبت کے برعکس ہے۔ اور اس محبت کا سبب اور اس کے پیدا ہونے کی

وجہ حجاب کا اٹھنا ہے تاکہ میں تجھ کو اپنے قلب کی آنکھ سے دیکھوں۔

اور حضرت رابعہؒ کا یہ قول۔ دونوں محبتوں میں میرے لئے کوئی تعریف نہیں ہے۔ بلکہ دونوں میں سب تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں''۔ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ دونوں قسم کی محبتیں درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہیں۔ ان میں بندے کے کسب کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور احسان کے شہود سے پیدا ہونے والی محبت کی تاثیر، اور جمال کے شہود سے پیدا ہونے والی محبت کی تاثیر کے درمیان فرق محسوس کرنا، نیز یہ معلوم کرنا کہ دوسری محبت کا اثر پہلی محبت سے زیادہ قوی ہے۔ بلکہ دونوں کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہے۔ ان دونوں محبتوں کا ذائقہ چکھنے والے کے لئے لازمی و ضروری ہے۔ یہ حضرت فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح رائیہ میں بیان فرمایا ہے۔

لہٰذا مصنف رضی اللہ عنہ کا یہ قول۔ ''تو نے اپنی محبت سے اس کے لئے حصہ نہیں عطا کیا''۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ مصدر کی اضافت فاعل اور مفعول کی طرف ہو۔ اور فاعل کی طرف اضافت زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے محبت زیادہ بڑی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بندے کی محبت کی اصل یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ) ''اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں''۔

لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مذکورہ محبت سے حصہ عطا فرمایا۔ اس نے دنیا و آخرت کے فوائد حاصل کر لئے۔ اور وہ آنکھ کی ٹھنڈک حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس محبت سے محروم کر دیا۔ اس کا معاملہ خسارے میں پڑ گیا۔ اور اس کا نقصان اور اس کی ذلت ظاہر ہو گئی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسان اور رحمت کی التجا کرتے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی محبت کے اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ بندے سے فرماتا ہے: تو جو چاہے کر۔ میں نے تجھ کو بخش دیا۔ اور چونکہ محبت کی انتہا محبوب میں فنا ہو جانا ہے۔ اور فنا کی انتہا بقا ہے۔ اور بقا مخلوق کی طرف واپس ہونا ہے۔

لہٰذا مصنف نے اس کی طرف چھٹی مناجات میں اشارہ فرمایا ہے۔

عبودیت کے دائرے سے متحد ہے۔ یا عبودیت کی محتاجی کے ساتھ ربوبیت کی بے نیازی ظاہر ہے۔

پس مصنف رضی اللہ عنہ نے یہ طلب کی ہے۔ کہ اس کے بعد کہ وہ مخلوق (فوائد میں) مخلوقات سے اپنی ہمت اٹھا کر کوچ کر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو پھر مخلوقات کی طرف شہود کے انوار کا لباس پہنا کر واپس کرے۔ تا کہ مخلوق کی طرف ان کی واپسی اس حال میں ہو کہ وہ اپنے قدم سے اور اپنی خواہش سے غائب رہ کر صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں۔ حالانکہ وہ مخلوقات سے کوچ کرنے سے پہلے ان سے فوائد حاصل کرتے ہوئے اپنے نفس کے ساتھ انہیں سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا تو وہ اپنے نفس سے غائب ہو گئے۔ لہذا جب پھر وہ اپنی بشریت کے وظائف کی طرف واپس ہوں۔ تو وہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس حال میں واپس ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے ماسوا کی طرف توجہ سے ہٹا کر شہود کے انوار کا لباس پہنا دے۔

اور مصنف نے یہ طلب کی ہے کہ مخلوق کی طرف ان کی واپسی اس حال میں ہو کہ وہ بصیرت کی ہدایت کا لباس پہنے ہوں۔

اور بصیرت کی ہدایت۔ ان اشیاء میں معرفت ثابت ہونی ہے جن سے وہ تعلق رکھتا ہے۔ خواہ وہ موجودات ہوں یا معدومات۔ اس طریقہ پر کہ ان کو ان میں نہ محبت چھپا سکے نہ حس۔ بلکہ وہ ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتے ہوئے داخل ہوں۔ اور اسی طرح ان سے نکلیں۔

اور حضرت مصنف کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔ "تا کہ میں ان سے تیری طرف رجوع کروں۔"

یہاں تک کہ یہ اشیاء ایسی ہو جائیں کہ وہ مجھ کو اس وقت تیری طرف لوٹا دیں جب میں ان میں تیری معرفت حاصل کروں۔ اور ان میں تیری عظمت اور تیرے جبروت کے نور کا مشاہدہ کروں۔ کیونکہ کل وجود تیرے جبروت کے سمندروں سے مدد حاصل کرتے ہیں۔

لہذا عارف ہر شے سے بچتا ہے۔ اور ہر شے سے غذا حاصل کرتا ہے۔ اور ہر شے سے اپنا حصہ لیتا ہے۔ اور اس کے نور سے چراغ گم نہیں ہو جاتا۔

لہذا حاصل یہ ہوا: انوار کا لباس، مخلوقوں اور عادتوں میں اس کا داخل ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ نہیں ہے۔

اور بصیرت کی ہدایت:۔ ان مخلوقات میں جن کی طرف اس نے نزول کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنی ہے۔

اور حضرت مصنف کے اس قول '' جیسا کہ میں ان کے پاس سے تیری بارگاہ قدس میں داخل ہوا'' کا مفہوم یہ ہے کہ وہ پہلے مخلوقات کے ساتھ تھے۔ اور وہ ان کو خالق کے شہود سے روکتی تھیں۔ پھر جب انہوں نے ان میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی۔ تو وہ ان سے علیحدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں داخل ہو گئے۔

اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مجذوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

اَلْخَلْقُ نَوَّارٌ وَاَنَا رَعَيْتُ فِيْهِمْ هُمُ الْحُجُبُ الْاَكْبَرُ وَالْمَدْخَلُ فِيْهِمْ

'' مخلوق قابل آفرت ہے۔ حالانکہ میں نے انہیں میں زندگی گزاری ہے۔ وہ بڑے حجابات ہیں۔ حالانکہ انہیں میں رہنے کی جگہ ہے''۔

'' اور جب بندہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ اور ان میں قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے انوار کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کا سر اشیاء کی طرف نظر کرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر کہ وہ مخلوق ہیں۔ اور اس کی ہمت ان کے اوپر اعتماد کرنے سے اٹھ جاتی ہے۔ خواہ وہ عبادات ہوں یا اسباب یا عادات۔ کیونکہ عارف بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ اور اپنے مولائے حقیقی کے سوا کسی شی پر اعتماد نہیں کرتا ہے۔ پس بے شک وہ غنی (بے نیاز) اور حمید (صاحب حمد) سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اور ہر شی پر قادر ہے۔

پھر جب بندہ مخلوقات کی طرف واپس ہوتا ہے۔ تو یہ ضروری ہے کہ اس کے ظاہر پر عاجزی اور محتاجی کا اثر عبودیت کے وظائف کے ساتھ ثابت ہونے اور ربوبیت کے آداب کے ساتھ قائم ہونے کی وجہ سے ظاہر ہو۔

جیسا کہ مصنف نے اپنے مناجات میں بیان فرمایا:

اکیسویں مناجات

حضرت مصنفؒ نے بیان فرمایا:

اِلٰهِیْ هٰذَا ذُلِّیْ ظَاهِرٌ بَیْنَ یَدَیْكَ، وَهٰذَا حَالِیْ لَا یَخْفٰی عَلَیْكَ، مِنْكَ اَطْلُبُ الْوُصُوْلَ اِلَیْكَ، وَ بِكَ اَسْتَدِلُّ عَلَیْكَ لَا بِغَیْرِكَ، فَاهْدِنِیْ بِنُوْرِكَ اِلَیْكَ، وَاَقِمْنِیْ بِصِدْقِ الْعُبُوْدِیَّةِ بَیْنَ یَدَیْكَ۔

''اے میرے اللہ! میری یہ ذلت تیرے سامنے ظاہر ہے۔ اور میری یہ خستہ حالی تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تیری طرف پہنچنے کی طلب میں تجھی سے کرتا ہوں۔ اور میں تجھی سے تیرے اوپر استدلال کرتا ہوں۔ تیرے غیر سے تیری ذات پر استدلال نہیں کرتا ہوں۔ لہذا تو اپنے نور کے ذریعے اپنی طرف مجھ کو ہدایت عطا فرما۔ اور اپنے سامنے عبودیت کی سچائی کے ساتھ مجھ کو قائم رکھ۔

میں کہتا ہوں:۔ یہ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ کی طرف سے انتہائی عاجزی و انکساری، اور سخت محتاجی اور مجبوری کا اعتراف ہے۔ اور اپنی عاجزی ظاہر کرنے اور اپنی شکایت پیش کرنے کے لئے اپنے مولائے حقیقی کے چوکھٹ پر پڑا رہنا ہے۔ پھر اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کو عزت اور بزرگی کا لباس پہنایا۔ اور اپنی مخلوق کے درمیان ان کو ظاہر اور مشہور کر کے ان کی قیمت بڑھا دی۔ یہاں تک کہ ان کا کلام ایسا ہو گیا کہ قلوب اور کان اس سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اور اس کے ذریعے بڑے اثرات اور فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ اللہ عزیز و حکیم و غنی و کریم کے سامنے ان کی ذلت و عاجزی کا نتیجہ ہے جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا ہے:

تَذَلَّلْ لِمَنْ تَهْوٰی لِتَكْسِبَ عِزَّةً   فَكَمْ عِزَّةٍ قَدْ نَالَهَا الْمَرْءُ بِالذُّلِّ

''تم اپنے محبوب کے سامنے ذلت اور عاجزی اختیار کرو۔ تا کہ تم عزت حاصل کرو۔ کیونکہ بہت سی عزت ایسی ہے جس کو انسان نے ذلت اور عاجزی سے حاصل کیا''۔

اور ایک دوسرے عارف نے فرمایا ہے:

تَذَلَّلْ لِمَنْ تَهْوَى فَلَيْسَ الْهَوَى سَهْلٌ ‏ ‏ ‏ إِذَا رَضِيَ الْمَحْبُوبُ صَحَّ لَكَ الْوَصْلُ

”تم اس کے سامنے ذلت اور عاجزی اختیار کرو جس سے تم محبت کرتے ہو۔ کیونکہ محبت آسان نہیں ہے جب محبوب راضی ہو جائے گا تو تمہارے لئے وصل درست ہو جائے گا۔“

تَذَلَّلْ لَهُ تَحْظَى بِرُؤْيَا جَمَالِهِ ‏ ‏ ‏ فَفِي وَجْهِ مَنْ تَهْوَى الْفَرَائِضُ وَالنَّفْلُ

”تم اس کے سامنے ذلت اور عاجزی اختیار کرو۔ تب تم اس کے جمال کے دیدار کا لطف حاصل کرو گے۔ کیونکہ جس سے تم محبت کرتے ہو۔ اسی کے سامنے فرائض اور نوافل ہیں۔“

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو اس عزت سے جو اس کے نزدیک زیادہ عزیز ہے کوئی عزت عطا فرمائی۔ جس کو اس کے نفس کی ذلت پر دلیل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو اس ذلت سے جو اس کے نزدیک زیادہ ذلیل ہے، کتنا ذلیل کیا۔ جس کو اس کے نفس کی ذلت سے روک دیتا ہے۔

اور وہ حال جو اپنے مولائے حقیقی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ کمزوری اور مجبوری اور ذلت اور عاجزی کا حال ہے۔ اور یہ حال معرفت اور وصال کے ثابت ہونے کی سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے مصنف نے اس کو اپنے اس قول سے ملایا ہے:

”تیری طرف پہنچنا“ میں تجھی سے طلب کرتا ہوں۔ تیرے غیر سے طلب نہیں کرتا ہوں۔ نہ تیرے غیر کے ذریعے کرتا ہوں۔ نہ تیرے غیر کی طرف کرتا ہوں۔ بلکہ ہماری روحوں کو اپنے ہاتھ سے قبض کر کے اپنی بارگاہ میں پہنچانے کا مستحق تو ہے۔ اور ہمارے اور اپنے غیر کے درمیان تو ہی حائل ہے۔ اور مصنف کے اس قول کا یہی مفہوم ہے۔ ”اور میں تجھی سے تیری ذات پر استدلال کرتا ہوں۔ تیرے غیر سے تیری ذات پر استدلال نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ درحقیقت تیرے ساتھ تیرے غیر کا وجود نہیں ہے۔

اور اس سے پہلے ایک عارف کا یہ قول گزر چکا ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا۔ آپ نے اپنے رب کو کس کے ذریعے پہچانا؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعے پہچانا۔ اور اگر میرا رب نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچانتا۔

حضرت احمد ابن ابو الحواری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ پر اس کے سوا کوئی شے دلیل نہیں ہے۔ اور علم صرف خدمت کی ادب کے لئے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور جس طرح اس کے اوپر اس کے سوا کوئی شے دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی طرف اس کے سوا کوئی شے ہدایت کرنے والی نہیں ہے۔ جیسا کہ مصنف نے فرمایا: "لہذا تو اپنے نور کے ذریعے اپنی طرف مجھ کو ہدایت عطا فرما"۔

یعنی میری سیر کی حالت میں اپنی توجہ کے نور کے ذریعے اپنی طرف میری رہنمائی فرما۔ اور اپنے پاس پہنچنے کے بعد اپنی مواجہت کے نور کے ذریعے اپنی طرف میری رہنمائی فرما۔ اور اپنے سامنے عبودیت کی سچائی کے ساتھ مجھ کو قائم رکھ۔ تاکہ ہم تیری طرف وصول پر ثابت قدمی سے قائم رہیں۔ پھر ہم عبودیت کے وظیفے کی طرف ربوبیت کے انوار کے عین شہود میں رجوع کریں۔

{وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ} "اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے"۔

اس وقت علم لدنی اور اسرار ربانی کا فیضان ہوتا ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو بائیسویں مناجات میں بیان فرمایا۔

بائیسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِي عَلِّمْنِي بِعِلْمِكَ الْمَخْزُونِ، وَصُنِّي بِاسْمِكَ الْمَصُونِ

”اے میرے اللہ! اپنے پوشیدہ علم میں سے مجھ کو علم عطا فرما اور اپنے اسم پاک محفوظ کے طفیل میری حفاظت فرما۔“

میں کہتا ہوں: علم مخزون: وہ حقیقی علم ہے جس کا فیضان علام الغیوب کی بارگاہ سے قلوب پر ہوتا ہے۔ وہ کسی تدبیر اور محنت سے نہیں پایا جا سکتا ہے۔ اور کسی دفتر اور کتاب سے حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا ہے۔ یا اہل اللہ کی صحبت کی برکت کے ذریعے یا صرف فضل و کرم سے عطا فرمایا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ كَهَيْئَةِ الْمَكْنُونِ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى، فَإِذَا نَطَقُوا بِهِ لَا يُنْكِرُهُ إِلَّا أَهْلُ الْغِرَّةِ بِاللّٰهِ

”بے شک بعض علوم پوشیدہ موتی کی طرح ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے (عارفین) کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ پس جب وہ اس علم کے ساتھ بات کرتے ہیں تو اس کا انکار اللہ تعالیٰ سے جاہل ہی کرتے ہیں۔“

اور وہ علوم ربوبیت کے وہ اسرار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہے اور ان سے صرف اپنے خواص اولیاء کے راز دانوں کو آگاہ کیا ہے۔

لہذا جب بھی انہوں نے کسی نا اہل کے سامنے اس علم کی بات کی تو نا اہلوں نے ان کی تردید کی۔ لہذا اکثر اوقات ان کا خون مباح کر دیا ہے۔

اور انہیں علوم میں سے قضا وقدر کے اسرار اور غیبی عجائب سے آگاہی ہے۔ اور انہیں علوم میں سے علوم کی کنجیوں اور کھلے کے خزانوں سے آگاہی ہے۔

لہٰذا وہ لوگ اپنی فکروں کے سمندروں میں معرفتوں کی وہ موتیاں اور علوم کے وہ یاقوت نکال لیتے ہیں۔ جن کے بیان سے زبانیں گونگی اور ان کی برداشت سے عقلیں عاجز ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابوبکر واسطی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ﴾ "اور وہ لوگ جو علم میں مضبوط ہیں کہتے ہیں"

"رَاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ" علم میں مضبوط۔ وہ لوگ ہیں جن کی روحیں غیب الغیب اور سر السر میں مضبوطی سے قائم ہو گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جو معرفت عطا کی تھی وہ معرفت عطا کی۔ اور وہ علم و معرفت کی ترقی کی طلب میں سمجھ کے ساتھ علوم کے سمندروں میں گھس گئے۔ لہٰذا ان کے سامنے غیب کے خزانوں کے ذخیروں میں سے کتاب اللہ کے ہر حرف اور کلام اللہ کی ہر آیت میں دبی معلومات کے عجائب منکشف ہو گئے تو وہ کامل حکمت اور اعلیٰ فصاحت کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔

یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے گروہ ہیں۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے گروہ ہیں۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے گروہ ہیں۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ اپنے اسرار و معارف اپنے امانت دار اولیائے کرام پر بغیر سننے اور پڑھنے کے ظاہر فرماتا ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: فقہا یعنی علما جن علوم میں مشغول ہیں۔ ان میں ہم ان کے ساتھ شریک ہیں۔ لیکن جن علوم میں ہم مشغول ہیں۔ ان میں وہ لوگ ہمارے ساتھ شریک نہیں ہیں۔

اور حضرت شیخ ابو العباس کا اکثر کلام، عقل اکبر، اور اسم اعظم اور اس کی چاروں شاخوں اور اولیائے کرام کے دائروں اور موقنین کے مقامات، اور مقربین کے املاک (ملک کی جمع)، اور اسرار کے علوم، اور اذکار کی امداد، اور مقادیر (قضا و قدر) کا دن، اور تدبیر کی شان، اور بیداء الکل کا علم، اور مشیت کا علم، اور قبضے کی شان، اور رجال الغیب، اور افراد کے علوم، اور قیامت کی خبروں کے بارے

میں ہے۔ اور یہ سب کے سب علم مخزون میں سے ہیں۔ اور مصنفؒ نے جو حفاظت طلب کی ہے۔ وہ اغیار کے دیکھنے، یا اللہ واحد قہار تک نہ پہنچ کر انوار کے ساتھ مشغول ہو جانے سے حفاظت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اسم پاک "مصون" اس کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے وسیلے سے دعا کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اور جب اس کے واسطے سے مانگا گیا تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اور اس کا راز: ان اشیاء میں جو اللہ کے وسیلے سے مانگی گئی ہیں۔ اس کے تصرف کا ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر جب اغیار سے حفاظت ثابت ہو جاتی ہے تو قلب اسرار کی بارگاہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور وہ سالکین و مجذوبین میں سے مقربین کی بارگاہ ہے۔

جیسا کہ مصنفؒ نے اس کو تیئسویں مناجات میں بیان فرمایا ہے:

تیئسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِيْ حَقِّقْنِيْ بِحَقَائِقِ أَهْلِ الْقُرْبِ، وَاسْلُكْ بِيْ مَسَالِكَ أَهْلِ الْجَذْبِ

"اے میرے اللہ! تو مجھ کو اہل قرب کے حقائق میں ثابت قدمی سے قائم فرما، اور مجھ کو اہل جذب کے راستوں پر چلا۔"

میں کہتا ہوں: حقائق: حقیقت کی جمع ہے۔ اور حقیقت: اشیاء اپنی اصلیت کے اعتبار سے جس حالت پر ہیں، ان کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

اور اہل قرب کے حقائق: ان کے علوم و معارف، اور اذواق (ذوق کی جمع) اور کشوفات (کشف کی جمع) ہیں۔

اور اہل قرب: مقربین ہیں۔ خواہ وہ اہل مراقبہ کاملین سے ہوں۔ یا اہل مشاہدہ عارفین سے، یا اہل مکاشفین سے۔

اور قرب: سیر اور منازل کے فرق کے ساتھ مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلے مراقبہ، پھر شہود، پھر وصول، پھر محو اور فنا، پھر بقاء وہ ذاتی ہوتا ہے۔ اور یہ مجاہدہ اور مکابدہ کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بعض میں سے اہل سلوک کا مقام ہے۔ اور جذب و عنایت سے ہوتا ہے۔ اور یہ بعض میں سے اہل جذب کا مقام ہے۔ اور کبھی پہلے مجاہدہ ہوتا ہے اور بعد میں جذب و عنایت۔ اور یہ مرتبے کے لحاظ سے بہت بڑا اور فائدہ کے لحاظ سے زیادہ عام، اور تربیت کے لحاظ سے زیادہ نفع بخش ہے۔

اور یہی ہے جس کا ارادہ مصنف رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے پہلے اہل قرب کے حقائق میں ثابت ہونے کو طلب کیا ہے۔

اور اہل قرب: وہ اہل قرب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے محبوب بنایا ہے۔ پھر دوبارہ مصنف نے اہل جذب کا طریق طلب کیا ہے۔

اور اہل جذب: وہ محبوبین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور ان کو

ارواح کو اغیار کے شہود سے انوار کے شہود کی طرف کھینچ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

(اَللّٰهُ یَجْتَبِیْ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ) "اللہ تعالیٰ اپنے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے"۔

اور یہی لوگ مجذوبین ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔

(وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ) "اور اللہ تعالیٰ اپنی طرف اس کو ہدایت کرتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے"۔

اور یہ لوگ سالکین ہیں۔

لہٰذا مصنف نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ سلوک اور جذب کے درمیان جامع ہوں۔ اور یہ دوسرے دونوں سے زیادہ اعلیٰ اور بزرگ ہے۔

اور بعض عارفین نے فرمایا ہے: اہل قرب۔ وہ اہل بارگاہ ہیں جو شہود میں مستغرق ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ قرب ہے نہ بعد۔ یہ درحقیقت صرف بندے کے لئے ہے۔

لہٰذا جس شخص کے قلب کی آنکھ سے حجاب اٹھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے انوار کا فیضان اس پر ہوتا ہے تو اس کو مراقبہ مشاہدہ کے لئے، اور مشاہدہ مکاشفہ کے لئے، اور مکاشفہ معاینہ کے لئے۔ اور معاینہ مسامرہ اور توجہ، طلب اور مکالمہ کے لئے آگے بڑھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے اس کا ہم نشین اور غمخوار اور مانوس ہو جاتا ہے۔ اور یہی دوری اور حجابات کے چاک ہونے کے بعد بندے کو قریب کرنا ہے۔

اور یہی وہ مقام ہے جس کو حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں طلب کیا ہے: اے میرے اللہ! تو اپنی قدرت کے ساتھ مجھ سے ایسا قریب ہو کہ اس قرب کے ذریعے مجھ سے کل حجابات کو اس طرح دور کر دے جس طرح تو نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دور فرمایا۔

حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اہل محبت وشوق کی دو قسمیں ہیں:۔

ایک قسم: وہ لوگ ہیں جن کے قلوب غائب ہونے کے مشتاق ہوئے لہٰذا ان کو ملاقات کے سوا کسی حال میں سکون نہیں ہوتا ہے۔

دوسری قسم: وہ لوگ ہیں جن کی ارواح حضور ومعاینہ وشہود کی مشتاق ہوئیں۔ لہٰذا ...

اسرار کے سمندر میں غوطہ لگانے والوں کے قلوب پر حق کے نازل ہونے کے سوا کسی حال میں سکون نہیں ہوتا ہے۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے خاص بندے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اپنے دیدار سے محجوب کر دے تو وہ جنت سے اسی طرح فریاد کریں گے جس طرح اہل دوزخ دوزخ سے فریاد کریں گے۔ لیکن وہ لوگ تخت پر بیٹھے ہوئے جمال الٰہی کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔

حضرت سمنون نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں نے دنیا و آخرت کی بزرگی و شرف حاصل کر لیا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اسی کے ساتھ ہیں اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی)

مشائخ کی ایک جماعت نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے محبت کے بارے میں دریافت کیا؟ حضرت جنید نے رو کر جواب دیا: میں ایسے بندے کی تعریف کس طرح بیان کروں جو اپنے نفس سے گم ہو گیا ہو اور اپنے رب کے ذکر سے متصل اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ قائم ہو۔ اس کی طرف اپنے قلب کی آنکھ سے دیکھ رہا ہو۔ اس کے قلب کو اللہ تعالیٰ کی ہیبت کی آگ نے جلا دیا ہو۔ اور اس کو پینا اس کے ورد کے پیالے سے صاف ہو چکا ہو۔ اور اللہ جبار اپنے غیب کے پردوں سے اس کے سامنے ظاہر ہو گیا ہو؟ پھر اگر وہ بات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اور اگر بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اور اگر وہ حرکت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اور اگر وہ سکون میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کیلئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ پھر ان لوگوں نے کہا: اے تاج العارفین! اس سے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ وصف اہل سلوک وجذب کیلئے صادق ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص اس مقام میں پہنچ جاتا ہے اور محبت اور معرفت اس کے قلب میں مکمل طریقے پر مضبوط ہو جاتی ہے اس کے لئے اپنے محبوب کے ساتھ کوئی تدبیر و اختیار اور شوق و انتظار باقی نہیں رہتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو پچیسویں مناجات میں بیان فرمایا۔

چوبیسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا:

إِلٰهِي أَغْنِنِي بِتَدْبِيرِكَ عَنْ تَدْبِيرِي، وَ بِاخْتِيَارِكَ عَنْ اخْتِيَارِي، وَ أَوْقِفْنِي عَلٰى مَرَاكِزِ اضْطِرَارِي

''اے میرے اللہ! مجھ کو اپنی تدبیر کے ساتھ میری تدبیر سے، اور اپنے اختیار کے ساتھ میرے اختیار سے بے نیاز کر دے۔ اور مجھ کو میری بے قراری کے مرکزوں پر قائم کر دے''۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے ساتھ نفس کی تدبیر سے، اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کے ساتھ بندے کے اختیار سے بے نیازی، تمام امور کی تدبیر کرنے والے اور ان میں تصرف کرنے والے کے شہود میں نفس سے گم ہونے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ اللہ فاعل، مختار، واحد قہار ہے۔ کیونکہ وہی تنہا تدبیر و اختیار، اور مشیت و اقتدار کا مالک ہے۔ لیکن اس کے شہود میں نفس سے گم ہونے سے پہلے اپنی میری معرفت کے حال میں یہ ناممکن ہے کہ بندہ تدبیر کی کدورت اور اختیار کی ظلمت سے نجات حاصل کر لے۔

اسی لئے حضرت مصنف نے یہ طلب کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معرفت میں گم کر دے۔ تا کہ ان کی فکریں اور ارادے اور اختیارات صرف ایک فکر میں جمع ہو جائیں اور وہ ان کے محبوب حقیقی کا شہود ہے۔

جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا ہے۔

كَانَتْ لِقَلْبِي أَهْوَاءٌ مُفَرَّقَةٌ فَاسْتَجْمَعَتْ مُذْ رَأَتْكَ الْعَيْنُ أَهْوَائِي

''میرے قلب میں بہت سی متفرق خواہشیں تھیں لیکن جب میری آنکھ نے تجھ کو دیکھا تو سب خواہشیں صرف ایک خواہش میں جمع ہو گئیں''۔

فَصَارُوْا يَحْسُدُوْنِيْ مَنْ كُنْتُ أَحْسُدُهٗ ۞ وَصِرْتُ مَوْلَى الْوَرٰى مُذْ صِرْتَ مَوْلَانِيْ

"تو وہ لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے جن سے میں حسد کرتا تھا۔ اور جب سے تو میرا مولا ہو گیا میں مخلوق کا مولا ہو گیا ہوں"۔

تَرَكْتُ لِلنَّاسِ دُنْيَاهُمْ وَ دِيْنَهُمْ ۞ شُغْلًا بِذِكْرِكَ يَا دِيْنِيْ وَ دُنْيَائِيْ

"اے میرے دین اور دنیا میں تیرے ذکر میں مشغول ہو کر لوگوں کے دین اور دنیا کو ان کے لئے چھوڑ دیا ہے"۔

پس مصنف ؒ کا یہ قول "مجھ کو اپنی تدبیر کے ساتھ بے نیاز کر دے" یعنی اپنی تدبیر کے شہود کے ساتھ، اور اس کی تدبیر کا شہود اس کی معرفت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

نیز مصنف ؒ نے اللہ تعالیٰ سے بے قراری اور محتاجی کے مرکزوں پر قائم ہونے کی طلب کی ہے۔

اور بے قراری و محتاجی کا مرکز: ظاہر میں ہمیشہ عبودیت کے مقام میں سختی سے قائم ہونا ہے۔ اس لئے کہ عارف کی بے قراری کبھی زائل نہیں ہوتی ہے۔ اور اپنے باطن میں غیر اللہ کے ساتھ اس کو قرار نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

اور شی کا مرکز: اس کے قائم ہونے کی جگہ، جس میں وہ ٹھہرتی ہے۔ اور یہ لفظ یہاں عبودیت کے ثابت ہونے کے لئے استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ عبودیت کے مرتبے کو پہچانے۔ اور اس کے طریقوں اور حدوں سے تجاوز نہ کرے۔ لہٰذا جو شخص تدبیر اور اختیار کی ظلمت سے رہائی پا گیا اور بے قراری و محتاجی کے مرکزوں پر مضبوطی سے قائم ہو گیا وہ اپنے نفس کی ذلت سے نجات پا گیا۔ اور اپنے اندازہ اور عقلمندی کے شرک سے پاک ہو گیا۔

جیسا کہ مصنف ؒ نے اس کو چھبیسویں مناجات میں بیان فرمایا ہے

وَالْحُزْنَ فِي السُّخْطِ وَالشَّكِّ

''اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل و انصاف سے رضا اور یقین میں راحت اور فرحت رکھی۔ اور ناراضی اور شک میں فکر اور غم رکھا''

اور شرک۔ قلب کا مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر اسباب میں اس طرح متعلق ہونا اور پھنس جانا ہے۔ جس طرح شکار جال میں پھنس جاتا ہے۔

اور شرک کا پیدا کرنے والا: قلب پر شک کی ظلمت غالب ہونے کے وقت شہوت کا ہیجان ہے۔ پھر خواہش اس کے لئے مزید اراور شیر یں ہو جاتی ہیں پھر وہ ان اسباب کی پناہ لیتا ہے جن کی وجہ سے وہ اپنی اس سرکشی اور نافرمانی تک پہنچتا ہے۔ کہ وہ ان کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا ہے لہذا وہ اس کی وجہ سے شرک کی جال میں پھنس جاتا ہے۔

اور شرک سے بندے کی پاکیزگی اس کی ضد سے ہوتی ہے۔

اور شرک کی ضد: توحید کا وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کے قلب میں ڈالتا ہے۔ لہذا اس کا نفس اس سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس حرص اور خفت اور بے عقلی سے جو اس کو لاحق ہوئی تھی سکون حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کے قلب میں جیسے جیسے توحید مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ ویسے ویسے شرک سے اس کی رہائی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے قلب سے اسباب مٹ جاتے ہیں۔ اور اس میں خالص توحید قائم ہو جاتی ہے۔ لہذا جب بندہ شرک اور شک سے پاک ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہدایت اور اصلاح اور سعادت اور تائید کے ساتھ اس کا سرپرست ہو جاتا ہے۔

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے اخبار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: اے داؤد! کیا تم جانتے ہو کہ میں کب لوگوں کا سرپرست ہوتا ہوں، جب وہ اپنے قلوب کو شرک سے پاک کر لیتے ہیں۔ اور اپنے قلوب سے شک دور کر دیتے ہیں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصنفؒ نے حوادث اور مصائب کے نازل ہونے پر شک اور شرک سے اپنی پاکیزگی طلب کی ہو۔ کیونکہ حوادث و مصائب شک اور وہم کا مقام ہیں۔

لہذا بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے قدر کے نازل ہونے پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم میں شک

ذکر کرے۔ نہ کسی سبب سے نہ غیر اللہ سے تعلق پیدا کرے۔ بلکہ وہ خالص ابراہیمی ہو جائے۔ جب وہ جلال کی آگ میں ڈال دیا جائے اور مخلوق اس سے کہے: کیا تمہاری کچھ حاجت ہے؟ تو وہ اپنی زبان حال یا زبان قال سے جواب دے۔ لیکن تم سے تو میری کچھ حاجت نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے تو ہاں، میری حاجت ہے۔ پھر جب مخلوق کہے: اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ تو وہ اس کو جواب دے۔ اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہونا، میرے سوال سے مجھ کو بے نیاز کرتا ہے (یعنی اس کو میرے حال کا علم ہونا ہی میرے لئے کافی ہے)

تو یہ ضروری اور یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ جلال کی آگ سے کہے گا۔ میرے ولی پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا۔ لہٰذا وہ جلال خالص جمال ہو جائے گا۔

پس جب بندہ ایسے وقت شک اور شرک سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ حقیقی موحد اور خالص ابراہیمی ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد نہیں کرتا ہے۔ اور اس کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا ہے۔ جیسا کہ مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"بِكَ اَسْتَنْصِرُ" "میں تجھی سے مدد چاہتا ہوں" تیرے غیر سے نہیں۔

"فَانْصُرْنِي ، وَ عَلَيْكَ اَتَوَكَّلُ" لہٰذا تو میری مدد کر۔ اور میں تیرے ہی اوپر بھروسہ کرتا ہوں"۔ یعنی اپنے کل معاملات تیرے حوالے کرتا ہوں۔

"فَلَا تَكِلْنِي" لہٰذا تم مجھ کو سپرد نہ کر

یعنی مجھ کو اپنے سوا دوسرے کا محتاج نہ کر۔

"وَاِيَّاكَ اَسْاَلُ" اور میں تجھی سے مانگتا ہوں

یعنی اپنی کل حاجتیں تجھی سے مانگتا ہوں۔ تیرے سوا کسی سے نہیں مانگتا ہوں۔

فَلَا تُخَيِّبْنِي "پس تو مجھ کو ناکام و مایوس نہ کر" اس سے جو میں نے تجھ سے امید کی ہے۔ کیونکہ تو کریم ہے۔ تو اس بات سے شرم کرتا ہے کہ تو اس شخص کو خالی ہاتھ اور مایوس واپس کرے، جس نے اپنے دونوں ہاتھ تیرے سامنے پھیلا دئے۔

وَفِي فَضْلِكَ اَرْغَبُ فَلَا تَحْرِمْنِي

"اور میں تیرے فضل کی خواہش رکھتا ہوں۔ لہذا تو مجھ کو محروم نہ کر۔"
یعنی اپنے فضل عظیم سے محروم نہ کرے۔

وَلِجَنَابِكَ "اور تیری بارگاہ سے" یعنی تیری حمایت اور حرمت کی جانب سے۔

أَنْتَسِبُ فَلَا تُبْعِدْنِي "میں اپنی نسبت کرتا ہوں۔ لہذا تو مجھ کو دور نہ کر" یعنی اپنی حمایت کی جگہ اور اپنی ہمسائیگی سے اپنے ساتھ میری بے ادبی کی وجہ سے مجھ کو دور نہ کر۔ کیونکہ تو غفور وحلیم ہے۔

"وَبِبَابِكَ أَقِفُ" اور میں تیرے دروازے پر کھڑا ہوں اور گریہ وزاری کر رہا ہوں۔ اور اسی دروازے کو عبادت قلبی سے پکڑے ہوئے ہوں اور کھٹکھٹا رہا ہوں۔

"فَلَا تَطْرُدْنِي، لہذا تو مجھ کو دور نہ بھگا" اس لئے کہ کریم کی شان یہ نہیں ہے کہ اپنے عظیم الشان دروازے سے بھگا دے یا اپنے فضل عام کے سمندر کے صدرمقام سے لوٹا دے۔

"وَتَحِنُّ كِلَابُ الدَّارِ عَطْفًا وَلَمْ تَزَلْ تُحِبُّ مَوَالِيْهَا وَتَحْرُسُ بَابَهَا"
اور ہم غریبا (پیدائشی طور پر) اس گھر کے کتے ہیں اور ہم ہمیشہ اس گھر کے آقاؤں سے محبت کرتے اور اس گھر کے دروازے کی پاسبانی کرتے ہیں۔

إِذَا طُرِدَتْ يَوْمًا كِلَابُ قَبِيْلَةٍ فَقَوْمِي كِرَامٌ لَا تُهِيْنُ كِلَابَهَا
جب کسی دن کسی قبیلے کے کتے بھگا دئے جائیں تو میری قوم شریف و بزرگ ہے وہ اپنے کتوں کو ذلیل نہیں کرتی ہے۔

حضرت علی بن احمد ذری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: تم اس کی کوشش کرو کہ کسی حال میں اپنے آقا کے دروازے سے جدا نہ ہو۔ کیونکہ وہ کل مخلوق کی پناہ گاہ ہے لہذا جس شخص نے اس دروازے کو چھوڑ دیا پھر وہ کسی دروازے پر قرار اور مقام نہ پائے گا۔

اور جب تم ہمیشہ دروازے پر پڑے رہو گے تو وہ تم کو مانگنے سے پہلے عطا کرے گا اور بغیر کسی سبب کے تمہارے اوپر بخشش کرے گا۔

مصنفؒ نے چھبیسویں مناجات میں اس کی طرف اشارہ فرمایا:

مناجات کی مسلسل عبارت

اِلٰهِيْ اَخْرِجْنِيْ مِنْ ذُلِّ نَفْسِيْ وَطَهِّرْنِيْ مِنْ شَكِّيْ وَشِرْكِيْ ، قَبْلَ حُلُوْلِ رَمْسِيْ بِكَ اَسْتَنْصِرُ فَانْصُرْنِيْ وَعَلَيْكَ اَتَوَكَّلُ فَلَا تَكِلْنِيْ وَاِيَّاكَ اَسْاَلُ فَلَا تُخَيِّبْنِيْ وَفِيْ فَضْلِكَ اَرْغَبُ فَلَا تَحْرِمْنِيْ وَلِجَنَابِكَ اَنْتَسِبُ فَلَا تُبْعِدْنِيْ وَبِبَابِكَ اَقِفُ فَلَا تَطْرُدْنِيْ۔

اے میرے اللہ ! مجھ کو میرے نفس کی ذلت سے نکال اور مجھ کو میرے شک اور شرک سے میرے قبر میں داخل ہونے سے پہلے پاک کر میں تجھی سے مدد چاہتا ہوں لہٰذا تو میری مدد کر اور میں تیرے ہی اوپر بھروسہ کرتا ہوں۔ لہٰذا تو مجھ کو سپرد نہ کر۔ اور میں تجھی سے مانگتا ہوں۔ پس تو مجھ کو ناکام نہ کر اور میں تیرے فضل کی خواہش رکھتا ہوں لہٰذا تو مجھ کو محروم نہ کر اور تیری بارگاہ سے میں اپنی نسبت کرتا ہوں لہٰذا تو مجھ کو دور نہ کر اور میں تیرے دروازے پر کھڑا ہوں لہٰذا تو مجھ کو نہ بھگا۔

چھبیسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِي تَقَدَّسَ رِضَاكَ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ عِلَّةٌ مِّنْكَ فَكَيْفَ تَكُوْنُ لَهُ عِلَّةٌ مِّنِّي؟

''اے میرے اللہ! تیری رضا اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے تیری جانب سے کوئی سبب ہو۔ تو اس کے لئے میری جانب سے کوئی سبب کیسے ہو سکتا ہے''۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہ کسی سبب سے حاصل ہوتی ہے نہ کسی عمل اور طلب سے۔ بلکہ وہ صرف عطائے الٰہی اور خصوصی بخشش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

''اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ عظیم فضل کا مالک ہے''۔

لہذا اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے اس کی طرف سے کوئی سبب ہو۔ کیونکہ وہ قدیم ہے تو اس کی رضامندی کے لئے اس کے غیر کی طرف سے کوئی سبب کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہ غنی وکریم ہے۔

اسی لئے مصنف نے فرمایا:

أَنْتَ الْغَنِيُّ بِذَاتِكَ عَنْ أَنْ يَّصِلَ إِلَيْكَ النَّفْعُ مِنْكَ، فَكَيْفَ لَا تَكُوْنُ غَنِيًّا عَنِّي؟

''تو اپنی ذات میں اس سے بے نیاز ہے کہ تیری طرف سے کوئی نفع تجھ کو پہنچے۔ تو میری طرف سے تو کیوں بے نیاز نہ ہوگا؟

لہذا جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی ناراضی اس سے بے نیاز ہے کہ ان دونوں کے لئے کوئی سبب ہو۔ اسی طرح اس کی ذات اقدس اس کی طرف سے یا اس کے غیر کی طرف سے

فوائد کے پہنچنے سے پاک ہے کیونکہ جس طرح اس کی ذات اقدس قدیم ہے۔ اسی طرح اس کے اوصاف بھی ازلی قدیم ہیں۔

حضرت ابوبکر واسطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ رضا اور ناراضگی اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے دو وصف ہیں۔ وہ ابد تک اس کے ساتھ جاری رہیں گے جس کے ساتھ ازل میں جاری ہوئے۔ یہ دونوں وصف مقبولوں اور مردودوں پر علامت کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا مقبولوں کے گواہان (علامات) اپنے نور کے ساتھ ان کے اوپر ظاہر ہوئے۔ جس طرح مردودوں کے گواہان اپنی ظلمت کے ساتھ ان کے اوپر ظاہر ہوئے لہٰذا اس سے زرد رنگیں، اور چھوٹی آستینیں، اور ڈھکے ہوئے قد میں کس طرح فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت اور اس کی سنت اس طریقے پر جاری ہے کہ جس شخص پر عبادت اور نیکی ظاہر ہوئی تو یہ رضامندی اور خوشی کی علامت ہے۔ اور جس شخص پر مخالفت اور نافرمانی ظاہر ہوئی، تو یہ ناراضی اور نقصان کی علامت ہے۔ اور اسی کو لے کر تحریریں نازل ہوئی ہیں اور آدمی اسی طریقے پر مرتا ہے جس طریقے پر اس نے زندگی گزاری ہے اور شاذونادر حالات کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت نبی کریم ﷺ کے اس قول کے بارے میں بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَبْقَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ

"انسان اہل دوزخ کا عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر اس کے اوپر کتاب (ازلی مقدر) سبقت کرتی ہے۔ (قضا و قدر کا لکھا ہوا اس کے سامنے آتا ہے) پس وہ اہل جنت کا عمل کرتا ہے۔ لہٰذا وہ جنت میں داخل ہو

جاتا ہے۔

اور انسان اہل جنت کا عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر اس کے اوپر کتاب سبقت کرتی ہے پس وہ اہل دوزخ کا عمل کرتا ہے۔ لہذا وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔"

بے شک پہلی قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے زیادہ ہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ شاذ و نادر یعنی اتنے کم ہیں کہ ان کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔ یعنی وہ کسی شمار میں نہیں ہیں۔ اور ایسا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ.

"اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے۔ اور وہی راستے کی ہدایت کرتا ہے۔"

لیکن اس کے باوجود اکابرین بزرگان دین سابقہ (نوشتہ تقدیر) اور خاتمہ (موت کا وقت) سے ہمیشہ ڈرتے تھے۔ اس لئے کہ یہ نہیں معلوم ہے کہ قضا و قدر کا فیصلہ کیا ہے۔

جیسا کہ مصنف ؒ نے اس کی طرف ستائیسویں مناجات میں اشارہ فرمایا

ستائیسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِلٰهِیْ اِنَّ الْقَضَاءَ وَالْقَدَرَ قَدْ غَلَبَنِیْ

"اے میرے اللہ! بے شک قضا وقدر میرے اوپر غالب ہے"۔

لہذا میں اطاعت کے لئے کتنا ارادہ کرتا ہوں۔ لیکن قضا مجھ پر غالب ہو جاتی ہے؟ اور میں نافرمانیوں سے کتنا دور بھاگتا ہوں۔ لیکن قدر مجھ کو کمزور اور مجبور کر دیتا ہے۔ لہذا میرے اختیار اور قوت سے امید کے سوا میرے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے

وَاِنَّ الْهَوٰی بِوَثَائِقِ الشَّهْوَةِ اَسَرَنِیْ

"اور بے شک خواہش نے شہوت کی رسیوں سے مجھ کو قید کر دیا ہے"۔

یعنی خواہش نے شہوت کی رسیوں سے مجھ کو باندھ دیا ہے۔ اور تیری بارگاہ کی طرف روانہ ہونے سے اور تیری جنت میں داخل ہونے کی کامیابی سے مجھ کو روک دیا ہے۔

فَكُنْ اَنْتَ النَّاصِرَ لِیْ "لہذا تو ہی میرا مددگار رہ"

یعنی اپنے غیر سے کسی واسطے کے بغیر تو ہی میرا مددگار رہ۔

حَتّٰی تَنْصُرَنِیْ "یہاں تک کہ تو میری مدد کرے"

یعنی ان اشیاء کا مقابلہ کرے جو مجھ کو تیری طرف چلنے سے روکتی ہیں:

(وَتَنْصُرَبِیْ) "اور میرے ذریعے مدد کرے"

یعنی میرے وسیلے سے ان لوگوں کی مدد کرے جنھوں نے مجھ سے تعلق قائم کیا۔ یا میرے وسیلے سے پناہ لی۔

اور یہ دعا ایسی ہے جیسا کہ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اے اللہ تو ہم کو بغیر کسی سبب کے غنی کر دے۔ اور ہم کو اپنے اولیائے کرام کے لئے غنا کا وسیلہ

اور ان کے اور اپنے دشمنوں کے درمیان برزخ یعنی حائل بنا دے۔

پھر مصنف نے غنائے اکبری کی درخواست کرتے ہوئے فرمایا

وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ حَتّٰی اَسْتَغْنِیَ بِكَ عَنْ طَلَبِیْ

''اور تو مجھ کو اپنے فضل سے غنی کر دے تاکہ میں تیرے ساتھ اپنی طلب سے بے نیاز ہو جاؤں''۔

کیونکہ جب بندے کا قلب اللہ تعالیٰ سے آباد ہو جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی طلب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات ادب طلب کے ترک کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور یہی سعادت عظمیٰ اور ولایت کبریٰ ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: حقیقی سعید (نیک بخت) وہ ہے جس کو تو نے اپنے سے بھی سوال کرنے سے بے نیاز بنا دیا ہے۔

اور یہ ولایت ان انوار کا نتیجہ ہے جو عارفین کے قلوب میں روشن کئے گئے ہیں۔

اور مصنف کے اس قول کا بھی یہی مفہوم ہے۔

اَنْتَ الَّذِیْ اَشْرَقْتَ الْاَنْوَارَ فِیْ قُلُوْبِ اَوْلِیَائِكَ

''اپنے اولیائے کرام کے قلوب میں انوار کو تو نے ہی روشن فرمایا ہے''۔

یہاں تک کہ حق ظاہر ہوا۔ اور باطل ان کے اندر فنا ہو گیا۔ لہٰذا انہوں نے تجھ کو پہچان لیا۔ اور تیری توحید کا یقین کر لیا۔

وَاَنْتَ الَّذِیْ اَزَلْتَ الْاَغْیَارَ عَنْ قُلُوْبِ اَحِبَّائِكَ

''اور اپنے دوستوں کے قلوب سے اغیار کو تو نے ہی زائل فرمایا''

پھر تو نے ان کے قلوب کو اپنے شہود کے انوار سے بھر دیا۔ لہٰذا انہوں نے صرف تجھ سے ہی محبت کی۔ اور تیرے سوا کسی شے سے محبت نہیں کی۔ اس لئے کہ انہوں نے کسی شے کو دیکھا ہی نہیں۔

وَاَنْتَ الْمُؤْنِسُ لَهُمْ ''اور تو ہی ان لوگوں کا مونس و غمخوار ہے''

اپنے ذکر کی حلاوت اور اپنے قرب کے ذریعے

"حَیْثُ اَوْ حَشَتْهُمُ الْعَوَالِمُ" اس طریقے پر کہ تو نے ان کو کائنات سے متنفر کر دیا

لہٰذا وہ کسی شے سے مانوس نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ ان سے ان کے مخلوق ہونے کی حیثیت سے متنفر ہو گئے۔ اور ان کے خالق اور ان کے اندر جلوہ گر سے مانوس ہوئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے خلوتوں میں اپنے ساتھ ان کی انسیت، اور جنگل میدانوں میں اپنے ساتھ ان کی تنہائی کو مشاہدہ اور مکالمہ اور مسامرہ اور مناجات سے تبدیل فرما دیا۔ اور یہی ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت اور بڑی کامیابی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں میدان میں جا رہا تھا۔ اسی درمیان اتفاقاً میری ملاقات ایک عورت سے ہوئی۔ اس عورت نے مجھ سے دریافت کیا: آپ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا: میں ایک غریب الوطن مسافر ہوں۔ اس نے کہا: کیا آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کی حالت میں بھی غریب الوطنی محسوس کرتے ہیں؟

حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مکتوب لکھا: تمہاری انسیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور تمہارا جدا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اس سے مانوس ہیں۔ لہٰذا لوگ دنیا کی کثرت یعنی محفل سے جتنا مانوس ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ اپنی تنہائی سے مانوس ہیں۔ اور جن اشیاء سے لوگ زیادہ مانوس ہوتے ہیں ان سے وہ بہت متنفر ہیں اور جن اشیاء سے لوگ زیادہ متنفر ہوتے ہیں، ان سے وہ بہت مانوس ہیں۔

اَنْتَ الَّذِیْ هَدَیْتَهُمْ حَتّٰی اسْتَبَانَتْ لَهُمُ الْمَعَالِمُ

"تو نے ہی ان کو ہدایت فرمائی۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے علامات ظاہر ہو گئیں"۔

یعنی تو نے ہی اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے راستے کی ان کو ہدایت کی۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے حقیقت کی علامات ظاہر ہو گئیں۔

اور یہ مصنف رضی اللہ عنہ کی طرف سے سوال کے لئے کنایہ ہے۔ اور یہ واضح طریقے پر کہنے سے بہتر اور فصیح ہے۔ گویا کہ مصنف عرض کرتے ہیں۔

اے میرے اللہ! جس طرح تو نے اپنے اولیائے کرام کے قلوب میں انوار کو روشن فرمایا۔

یہاں تک کہ انہوں نے تجھ کو پہچان لیا۔ اور جس طرح تو نے اپنے دوستوں کے قلوب سے اغیار کو زائل فرمایا۔ یہاں تک کہ انہوں نے صرف تجھ سے محبت کی۔ اور جس طرح تو نے ان کو اپنے سے مانوس کیا۔ اس طریقے پر کہ ان کو کائنات سے متنفر کر دیا۔ اور جس طرح تو نے ان کو ہدایت فرمائی، یہاں تک کہ ان کے سامنے علامات ظاہر ہو گئیں۔

اسی طرح تو اپنے معارف کے انوار میرے قلب میں روشن فرما دے۔ تا کہ میں تجھ کو پہچان لوں۔ اور تو میرے قلب سے اغیار کو دور فرما دے تا کہ میں صرف تجھ سے محبت کروں۔ اور تو مجھ کو اپنے سے اس طریقے پر مانوس فرما لے، کہ مجھ کو کائنات سے متنفر کر دے۔ اور تو مجھ کو حقیقت کے راستے کی ہدایت فرما۔ تا کہ میرے سامنے علامات ظاہر ہو جائیں۔ لہٰذا میں تیرے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو جاؤں۔ اور ہر شے میں تجھی کو پاؤں۔ جیسا کہ مصنفؒ نے فرمایا:

مَاذَا وَجَدَ مَنْ فَقَدَكَ؟

''اس شخص نے کیا پایا جس نے تجھ کو کھو دیا؟''

اگر چہ وہ پوری دنیا کا مالک ہو جائے۔ پھر بھی وہ سب محتاجوں سے زیادہ محتاج ہے۔ جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا ہے:

وَلِكُلِّ شَيْءٍ إِذَا فَارَقْتَهُ عِوَضٌ وَلَيْسَ لِلّٰهِ إِنْ فَارَقْتَهُ عِوَضٌ

''اگر تم نے ہر شے کو چھوڑ دیا ہے تو اس کا بدل ہے۔ لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا ہے تو اس کا کوئی بدل نہیں ہے''۔

حضرت شبلی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: سب سے بڑا نقصان کون سا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جس شخص سے جنت فوت ہو گئی۔ اور وہ دوزخ میں داخل ہوا۔ یہی سب سے بڑا نقصان ہے۔

پھر جب انہوں نے انتقال فرمایا۔ تو ایک شخص نے ان کو خواب میں دیکھا۔ اس نے ان سے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے صرف ایک شے کے لئے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ وہ یہ کہ میں نے ایک دن یہ کہا تھا

جنت کے کھو جانے اور دوزخ میں داخل ہونے سے بڑا کوئی نقصان نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: میری ملاقات یعنی میرے شہود اور میری معرفت کے کھو جانے سے بڑا کون سا نقصان ہے؟

وَمَا الَّذِيْ فَقَدَ مَنْ وَجَدَكَ؟

''اور اس شخص نے کیا گم کر دیا جس نے تجھ کو پا لیا؟''

یقیناً وہ کل وجود کا مالک ہوا اور وہ ایسی غنا سے غنی ہوا جس کے بعد آخر زمانے تک کوئی محتاجی نہیں ہے۔

فَقَدْ خَابَ مَنْ رَضِيَ دُوْنَكَ بَدَلًا

''البتہ وہ شخص محروم اور بدنصیب ہے جو تیرے عوض دوسری شی سے راضی ہوا''

یعنی جس نے تیرے سوا کسی دوسری شی سے محبت کی اور تیرے عوض اس کو پسند کیا۔ وہ بدنصیب اور محروم ہو گیا۔

کسی عارف کے اشعار ہیں۔

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ بَاطِلٌ وَبُكَاءُهُنَّ لِغَيْرِ فَقْدِكَ ضَائِعُ

تیرے غیر کے دیدار کیلئے آنکھوں کا جاگنا بے سود ہے اور تیرے سوا کسی دوسری شی کے کھو جانے پر ان کا رونا بیکار ہے۔

أَيَظُنُّ أَنِّيْ فِيْكَ مُشْتَرِكُ الْهَوٰى فَهَيْهَاتَ قَدْ جَمَعَ الْهَوٰى بِكَ جَامِعُ

کیا یہ گمان کیا جاتا ہے کہ میں تیری محبت اور تیرے سوا دوسری شی کی محبت میں مشترک ہوں۔ ایسے گمان پر افسوس ہے کیونکہ جمع کرنے والے نے محبت کو تیرے ساتھ جمع کر دیا ہے۔

بَصَرِيْ وَسَمْعِيْ غَائِبَيْنِ وَإِنَّمَا أَنَا مُبْصِرٌ بِكَ فِي الْحَيَاةِ وَسَامِعُ

میری آنکھ اور میرا کان دونوں قربان ہو رہے ہیں اور میں اپنی زندگی میں صرف تجھی کو دیکھتا ہوں اور صرف تیری ہی سنتا ہوں۔

وَلَقَدْ خَسِرَ مَنْ بَغٰى عَنْكَ مُتَحَوَّلًا ۔ اور البتہ وہ شخص خسارے میں ہے جس نے تجھ سے

روگردانی کر کے سرکشی کی۔

یعنی وہ شخص یقیناً ناکام ہوا جس کو تو نے اپنے دروازے پر کھڑا کیا پھر اس نے تیرے غیر کا دروازہ تلاش کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوا اور تیرے غیر کی بارگاہ میں پناہ لی لہٰذا اس سے زیادہ نقصان اٹھانے والا، اور اپنی تجارت کے معاملے میں اس سے زیادہ خسارے میں پڑنے والا کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے غنی و کریم اللہ تعالیٰ کا دروازہ ترک کیا اور بخیل ترین بندے کے پاس پناہ حاصل کی۔

لہٰذا تیری عظیم بارگاہ اور کریم دروازے سے پھر کر جس نے تیرے غیر سے کچھ چاہا وہ سخت خسارہ میں پڑا۔

كَيْفَ يُرْجٰى سِوَاكَ وَأَنْتَ مَا قَطَعْتَ الْإِحْسَانَ

تیرے غیر سے کیسے امید کی جائے جبکہ تو نے احسان کو ختم نہیں کیا ہے۔ اور نہ تو اپنا احسان انسان سے کبھی منقطع کرے گا۔

أَمْ كَيْفَ يُطْلَبُ مِنْ غَيْرِكَ وَأَنْتَ مَا بَدَّلْتَ عَادَةَ الْإِمْتِنَانِ

یا تیرے غیر سے کیسے مانگا جائے جبکہ تو نے اپنی احسان کرنے کی عادت تبدیل نہیں کی ہے۔ بلکہ تیرا احسان و کرم مخلوق پر جاری ہے۔ اور وہ ان کو ہمیشہ پہنچ رہا ہے۔ عارفین نے اس کو پہچانا اور جاہلوں نے اس کا انکار کیا۔

يَا مَنْ أَذَاقَ أَحِبَّائَهُ حَلَاوَةَ مُؤَانَسَتِهِ ۔ اے وہ ذات پاک جس نے اپنے دوستوں کو اپنی انسیت کی شیرینی چکھا دی۔

اور یہ اس وقت چکھائی جب وہ اس کے غیر کی انسیت سے متنفر ہو گئے۔

فَقَامُوْا بَيْنَ يَدَيْهِ مُتَمَلِّقِيْنَ ۔ لہٰذا وہ اس کے سامنے محبت اور چاپلوسی کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

میں کہتا ہوں۔ حدیث شریف میں ہے۔

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِذَا دَعَا أَخِّرُوْا حَاجَةَ عَبْدِيْ ، فَإِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ

أَسْمَعَ صَوْتَهُ

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ فرشتوں سے اس وقت فرماتا ہے جب وہ بندہ دعا کرتا ہے۔ اس کی حاجت کو موخر کرو۔ (یعنی اس کی حاجت پوری کرنے میں دیر کرو) کیونکہ اس کی آواز سننا پسند کرتا ہوں۔

لہذا دوست کے سامنے خوشامد اور قریب سے سرگوشی کل مرغوب اشیاء سے بڑی اور سب مقصدوں سے افضل ہے اور اس کو صرف اہل شوق و اشتیاق ہی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا ہے۔

سَفِينَةُ الْحُبِّ فِي بَحْرِ الْهَوَىٰ وَقَفَتْ فَامْنُنْ عَلَيَّ بِرِيحٍ مِنْكَ يُجْرِيهَا

محبت کی کشتی خواہش کے سمندر میں ٹھہر گئی ہے۔ لہذا تو میرے اوپر احسان کر کے اپنی طرف سے ایسی ہوا چلا دے جو اس کو پوری کر دے۔

لَا يَعْرِفُ الشَّوْقَ إِلَّا مَنْ يُكَابِدُهُ وَلَا الصَّبَابَةَ إِلَّا مَنْ يُعَانِيهَا

شوق کو وہی شخص پہچانتا ہے جو اس کی تکلیفوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور محبت کو وہی جانتا ہے۔ جو اس کی سختیاں جھیلتا ہے۔

لَا أَوْحَشَ اللّٰهُ مِنْكُمْ مَنْ يُحِبُّكُمْ وَآنَسَ اللّٰهُ دَارًا أَنْتُمْ فِيهَا

اللہ تعالیٰ تم سے اس شخص کو متنفر نہ کرے جو تم سے محبت کرتا ہے۔ اور تم جس گھر سے مانوس کر دے جس میں تم رہتے ہو۔

يَا مَنْ أَلْبَسَ أَوْلِيَاءَهُ مَلَابِسَ هَيْبَتِهِ اے وہ ذات پاک! جس نے اپنے اولیائے عارفین کو اپنی ہیبت کا لباس پہنایا۔

یہاں تک کہ ہر شئی ان سے خوفزدہ و مرعوب ہو گئی۔ اور وہ کسی شئی سے خوفزدہ نہیں ہوئے۔

حدیث شریف میں ہے

مَنْ خَافَ اللّٰهَ خَافَ مِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ وَمَنْ لَمْ يَخَفِ اللّٰهَ أَخَافَهُ كُلُّ شَيْءٍ

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ہر شئی اس سے ڈرتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا ہے ہر

نجی اس کو ذرا تی ہے۔"

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ہیبت کا لباس پہنایا۔

'فَقَامُوْا بِعِزَّتِهٖ مُسْتَعِزِّيْنَ' لہذا وہ اس کی عزت سے عزت حاصل کر کے عزت کے مقام میں قائم ہو گئے۔

جب ان لوگوں نے مخلوق سے اپنی ہمت اٹھالی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت عطا فرمائی۔ اور جب ان لوگوں نے دنیا سے اپنی ہمت اٹھالی تو مخلوق نے ان کی عزت کی۔

اور جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اپنے ولی کو اپنی مخلوق کی طرف واپس کرے تا کہ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو فائدہ پہنچائے۔ تو اس کو دو لباس پہناتا ہے۔

ایک لباس: زیبائش اور جمال کا لباس ہے۔ تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت اور وصال حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے ان لوگوں کو فیضیاب فرمائے۔

دوسرا لباس: ہیبت اور جلال کا لباس ہے تا کہ جب وہ لوگوں کو حکم دے تو وہ اس کے حکم کی تعمیل کریں۔ اور جب وہ منع کرے تو وہ اس کے منع سے پرہیز کریں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو یہ دونوں لباس رسوخ و تمکین میں قائم ہونے کے وقت پہناتا ہے۔

اسی کی طرف بعض عارفین نے اشارہ فرمایا ہے:

إِنَّ عِرْفَانَ ذِی الْجَلَالِ لِعِزٌّ وَضِيَاءٌ وَبَهْجَةٌ وَسُرُوْرٌ

"بے شک اللہ ذوالجلال کا عرفان عزت اور روشنی اور خوشی اور سرور ہے"۔

وَعَلَى الْعَارِفِيْنَ اَيْضًا بَهَاءٌ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الْمَحَبَّةِ نُوْرٌ

"اور عارفین کے چہرے پر بھی رونق اور محبت کا نور ہے"

فَهَنِيْئًا لِمَنْ عَرَفَكَ اِلٰهِیْ هُوَ وَاللّٰهِ دَهْرُهٗ مَسْرُوْرٌ

"لہذا اے میرے اللہ! جس شخص نے تیری معرفت حاصل کی اس کے لئے مبارک بادی ہے۔ اور اللہ کی قسم! اس کی ساری زندگی خوش رہے گی" واللہ تعالیٰ اعلم

لہذا جب وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت عطا فرمائی۔ اور ان لوگوں کو بھی عزت عطا فرمائی جنہوں نے ان کی عزت کی۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے:

(تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ) "تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے"

مفسرین عارفین نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ اس طریقے پر عزت عطا فرماتا ہے کہ وہ تمہارے لئے تم سے تمہارے ساتھ تمہارے سامنے ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سے عزت کا سبب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

جیسا کہ مصنف نے فرمایا:

أَنْتَ الذَّاكِرُ مِنْ قَبْلِ الذَّاكِرِيْنَ

"تو ذکر کرنے والوں سے پہلے ذاکر ہے"

یعنی تو ان کا ذکر اس سے پہلے کرتا ہے کہ وہ تیرا ذکر کریں۔ کیونکہ اگر تو ان کا ذکر نہ کرتا تو وہ تیرا ذکر نہ کرتے۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں نے اپنی ابتدائی حالت میں چار اشیاء میں غلطی کی:

میں نے خیال کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوں اور اس کو پہچانتا ہوں۔ اور اس سے محبت کرتا ہوں۔ اور اس کو طلب کرتا ہوں۔ پھر جب میں ہوشیار ہوا۔ تو میں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر میرے ذکر سے پہلے، اور اس کی معرفت میری معرفت سے پہلے، اور اس کی محبت میری محبت سے پہلے، اور میرے لئے اس کی طلب میری طلب سے پہلے ہے۔ پھر میں نے بعد میں اس کو طلب کیا۔

وَأَنْتَ الْبَادِيْ بِالْإِحْسَانِ مِنْ قَبْلِ تَوَجُّهِ الْعَابِدِيْنَ

"اور عابدین کی توجہ سے پہلے تو احسان کرنے والا ہے"

لہذا جب تو نے ان کے اوپر پہلے احسان فرمایا۔ تو وہ طاعت اور یقین کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوئے۔

وَأَنْتَ الْجَوَادُ بِالْعَطَاءِ مِنْ قَبْلِ طَلَبِ الطَّالِبِيْنَ

"اور تو طالبین کی طلب سے پہلے عطا کے ساتھ فیاض ہے"۔

کیونکہ ازل کا حکم اس سے بلند ہے کہ وہ اسباب اور علتوں سے متعلق ہو

وَأَنْتَ الْوَهَّابُ، ثُمَّ أَنْتَ لِمَا وَهَبْتَنَا مِنَ الْمُسْتَقْرِضِيْنَ

"اور تو ہی عطا فرمانے والا ہے پھر تو نے جو کچھ ہم کو عطا فرمایا۔ اسی کو ہم سے قرض مانگنے والا ہے"

پس اللہ تعالیٰ ہی نے ہم کو نعمتیں عطا فرمائیں۔ اور اسی نے ہم کو سخاوت اور بخشش کا حکم دیا۔ اور اسی نے ہم کو عطا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اور اسی نے اس پر ہم کو بڑی بڑی نعمتیں دینے کا وعدہ فرمایا۔ لہٰذا بندے نے جو کچھ دیا۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ لیا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

لہٰذا جب بندے نے یہ پہچان لیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سوا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا۔ جس سے وہ وسیلہ پکڑے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی مناجات میں ہے۔ اے ذاکرین کے اس شئی کے ساتھ ذکر کرنے والے جس کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا۔

اے عارفین کی اس شئی کے ساتھ ابتدا کرنے والے! جس شئی میں انہوں نے تیری معرفت حاصل کی۔

اے عابدین کو نیک عمل کی توفیق دینے والے!

کون ہے جو تیری اجازت کے بغیر تیرے پاس شفاعت کرے؟

کون ہے جو تیرے فضل کے بغیر تیرا ذکر کرے۔

اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے اسی شئی کا قرض مانگنا جو اس نے اس کو عطا فرمایا ہے اس کے مرتبے کو انتہائی بلندی پر پہنچانا اور اس کی شرف اور بزرگی کو ظاہر کرنا ہے اور پھر اس پر بہترین ثواب کا وعدہ کرنا، بندے پر اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل و کرم ہے۔

ایک عارف نے فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ نے تم کو مالک بنایا۔ پھر اس نے جس شے کا تم کو مالک بنایا، اسی کو تم سے خرید لیا۔ تاکہ وہ اپنے ساتھ تمہاری نسبت ثابت کرے۔ پھر جو شے اس نے تم سے خرید لی، اسی کو تم سے قرض کے طور پر مانگا۔ پھر اسی پر اس نے کئی گنا ثواب کا وعدہ فرمایا۔

عارف نے اسی بیان میں فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور بخششیں اس سے بلند ہیں کہ اسباب کے بدلے میں دی جائیں۔

حضرت ابن عباد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: چونکہ مصنف نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چاہنا بندے کے چاہنے پر مقدم ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مصنف نے یہ التجا کی ہے کہ وہ ان کو چاہے۔ تاکہ مصنف کی طرف سے چاہنا ثابت ہو جائے۔

جیسا کہ مصنف نے انتیسویں مناجات میں بیان فرمایا۔

مناجات کی مسلسل عبارت

إِلٰهِيْ إِنَّ الْقَضَاءَ وَالْقَدَرَ قَدْ غَلَبَنِيْ، وَإِنَّ الْهَوٰى بِوَثَائِقِ الشَّهْوَةِ أَسَرَنِيْ، فَكُنْ أَنْتَ النَّاصِرَ لِيْ حَتّٰى تَنْصُرَنِيْ وَتُبَصِّرَنِيْ، وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ حَتّٰى أَسْتَغْنِيَ بِكَ عَنْ طَلَبِيْ، أَنْتَ الَّذِيْ أَشْرَقْتَ الْأَنْوَارَ فِيْ قُلُوْبِ أَوْلِيَائِكَ، وَأَنْتَ الَّذِيْ أَزَلْتَ الْأَغْيَارَ عَنْ قُلُوْبِ أَحِبَّائِكَ، وَأَنْتَ لَهُمْ حَيْثُ أَوْحَشَتْهُمُ الْعَوَالِمُ، أَنْتَ الَّذِيْ هَدَيْتَهُمْ حَتّٰى اسْتَبَانَتْ لَهُمُ الْمَعَالِمُ، مَاذَا وَجَدَ مَنْ فَقَدَكَ؟ وَمَا الَّذِيْ فَقَدَ مَنْ وَجَدَكَ؟ لَقَدْ خَابَ مَنْ رَضِيَ دُوْنَكَ بَدَلًا، وَلَقَدْ خَسِرَ مَنْ بَغٰى عَنْكَ مُتَحَوَّلًا، كَيْفَ يُرْجٰى سِوَاكَ وَأَنْتَ مَا قَطَعْتَ الْإِحْسَانَ؟ أَمْ كَيْفَ يُطْلَبُ مِنْ غَيْرِكَ وَأَنْتَ مَا بَدَّلْتَ عَادَةَ الْإِمْتِنَانِ؟ يَا مَنْ أَذَاقَ أَحِبَّائَهُ حَلَاوَةَ مُؤَانَسَتِهِ فَقَامُوْا بَيْنَ يَدَيْهِ مُتَمَلِّقِيْنَ، يَا مَنْ أَلْبَسَ أَوْلِيَاءَهُ مَلَابِسَ هَيْبَتِهِ فَقَامُوْا بِعِزَّتِهِ مُسْتَعِزِّيْنَ، أَنْتَ الذَّاكِرُ مِنْ قَبْلِ الذَّاكِرِيْنَ، وَأَنْتَ الْبَادِيْ بِالْإِحْسَانِ مِنْ قَبْلِ تَوَجُّهِ الْعَابِدِيْنَ، وَأَنْتَ الْجَوَادُ بِالْعَطَاءِ مِنْ قَبْلِ طَلَبِ الطَّالِبِيْنَ، وَأَنْتَ الْوَهَّابُ ثُمَّ أَنْتَ لِمَا وَهَبْتَنَا مِنَ الْمُسْتَقْرِضِيْنَ

"اے میرے اللہ! بے شک قضا و قدر میرے اوپر غالب ہے اور بے شک خواہش نے شہوت کی رسیوں سے مجھ کو باندھ دیا ہے۔ لہٰذا تو ہی میرا مددگار بن۔ یہاں تک کہ تو میری مدد کرے۔ اور میرے ذریعے مدد کرے۔ اور مجھ کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ تا کہ میں تیرے ساتھ اپنی طلب سے بے نیاز ہو جاؤں۔ اپنے اولیائے کرام کے قلوب میں انوار کو تو نے ہی روشن فرمایا ہے۔ اور اپنے دوستوں کے قلوب سے اغیار کو تو نے ہی زائل فرمایا۔ اور تو ہی ان لوگوں کا مونس اور غمخوار ہے۔ اس طریقے پر کہ تو نے ان کو کائنات سے متنفر کر دیا۔ تو نے ہی ان کو ہدایت فرمائی۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے علامات ظاہر ہو گئیں۔ اس شخص نے کیا پایا جس نے تجھ کو کھو دیا؟ اور اس شخص نے کیا گم کیا جس نے تجھ کو پا لیا؟ البتہ وہ شخص محروم و بدنصیب ہے جو تیرے عوض دوسری شے سے راضی ہوا اور البتہ وہ شخص خسارے میں ہے جس نے تجھ سے روگردانی کر کے مرتبہ چاہا۔ تیرے غیر سے کیسے امید کی جائے جب کہ تو نے احسان کو ختم نہیں کیا ہے؟ یا تیرے غیر سے کیسے مانگا جائے جب کہ تو نے احسان کرنے کی عادت تبدیل نہیں کی ہے؟ اے وہ ذات پاک جس نے اپنے دوستوں کو اپنی انسیت کی شیرینی چکھائی۔ لہٰذا وہ اس کے سامنے محبت اور چاپلوسی کرتے ہوئے کھڑے ہونے والے۔ وہ ذات پاک! جس نے اپنے اولیائے کو رفیقی کو ہیبت کا لباس پہنایا۔ لہٰذا وہ اس کی عزت سے عزت حاصل کر کے عزت کے مقام میں قائم ہوئے تو ذکر کرنے والوں سے پہلے ذاکر ہے۔ اور عابدین کی توجہ سے پہلے تو احسان کرنے والا ہے۔ اور تو طالبین کی طلب سے پہلے عطا کے ساتھ فیاض ہے۔ اور تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔ پھر تو نے جو ہم کو عطا فرمایا۔ اس کو ہم سے قرض مانگنے والا ہے"۔

اٹھائیسویں مناجات

حضرت مصنف نے فرمایا

إِلٰهِيْ اُطْلُبْنِيْ بِرَحْمَتِكَ حَتّٰى أَصِلَ إِلَيْكَ

''اے اللہ! تو مجھ کو اپنی رحمت سے طلب کر۔ یہاں تک کہ میں تیرے پاس پہنچوں''۔

یعنی تو مجھ کو اپنی ازلی رحمت سے طلب کر۔ تاکہ میں تیری طلب کروں اور تیرے پاس پہنچوں۔ کیونکہ وصول سے پہلے طلب بھی چاہتا ہے۔ اور یہی سلوک کا طریقہ ہے۔

پھر مصنف نے جذب و عنایت کے طریقے کی طرف اشارہ فرمایا

وَاجْذِبْنِيْ بِمِنَّتِكَ حَتّٰى أُقْبِلَ عَلَيْكَ

''اور اپنے احسان سے مجھ کو جذب کر۔ تاکہ میں تیری طرف بڑھوں''۔

میں کہتا ہوں: اگر اس کے برعکس ہوتا تو بہتر ہوتا۔

پس مصنف اس طرح فرماتے: تو مجھ کو اپنی رحمت سے طلب کر۔ تاکہ میں تیری طرف بڑھوں۔ اور تو مجھ کو اپنے احسان سے جذب کر۔ تاکہ میں تیرے پاس پہنچوں۔

اس لئے کہ جذب: مخلوق کے شہود سے خالق کے شہود کی طرف اچانک کھینچ لینا ہے۔ اور یہ اکثر توجہ اور طلب اور مجاہدہ اور ریاضت کے بعد ہوتا ہے۔

اور ایسا بھی اتفاقیہ ہوتا ہے کہ پہلے جذب کر لیا جائے پھر سلوک کی طرف واپس کیا جائے اور پہلا طریقہ زیادہ کامل ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی طلب بندے کو حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے خوف و رجا بندے سے منقطع نہیں ہوتی ہے۔

جیسا کہ مصنف نے انتیسویں مناجات میں اس کو بیان فرمایا:

ہے اس میں بھی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے مصنف نے اپنی ذات کو اسی بزرگ حالت سے موصوف کیا ہے۔ اور یہ ہمیشہ اعتدال کی حالت ہے۔ خواہ بندہ سے اطاعت ظاہر ہو یا معصیت۔

تم اس بیان کو پھر مطالعہ کرو جو پہلے گزر چکا ہے۔ اور مصنف کے اس قول میں غور و فکر کرو۔

''اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تمہارے سامنے آئے تو کوئی بھی گناہ بڑا نہیں ہے۔''

لہٰذا جب یہ ثابت ہو گیا کہ بندے کے لئے نافرمانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے دروازے کے سوا بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور اطاعت کی حالت میں اس کے فضل و کرم اور احسان کے سوا کسی شے میں سکون نہیں ہے۔ تو اس نے یہ جان لیا کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر شے سے دور کیا ہوا ہے۔

مصنف کے اس قول کا یہی معنی ہے:

قَدْ دَفَعَتْنِي الْعَوَالِمُ إِلَيْكَ

''کائنات نے مجھ کو تیری ہی طرف دور کر دیا (لوٹا دیا)''۔

پس جب میں کائنات میں سے کسی شے کی طرف مائل ہوا تو اس نے مجھ کو اپنے سے دور کر دیا۔ یا جب میں نے کسی شے پر بھروسہ کیا۔ تو اس نے اپنے کو میرے نزدیک منکر (ناگوار) کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھ کو اپنے سے دور کر کے تیری طرف لوٹا دیا۔

لہٰذا میری عظیم جہالت کے باوجود تو میرے ساتھ کتنا بڑا رحیم ہے۔ اور یہ اپنے بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی کی علامت ہے۔ کیونکہ جب وہ دیکھتا ہے کہ بندہ کسی شے کے ساتھ ٹھہر گیا۔ یا کسی شے کی طرف متوجہ ہو گیا تو وہ اس شے کو اس پر پریشان کر دیتا ہے۔ اور اس کو اس شے سے منتقل کر دیتا ہے۔

اور یہ بیان پہلے گزر چکا ہے۔ ان تمام مرتبوں میں سے جن سے مرید کو سوال باقی ہے مرید کو اس سے [illegible] خواہش سے ہاتھ چھوڑ دینا ہے۔

[illegible]

جب تم کسی فقیر کو اس حال میں دیکھو کہ اس پر ہر طرف سے مصیبت اور پریشانی برپا ہے۔ تو تم یہ جان لو کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے قریب سکون کی جگہ عطا فرمانا چاہتا ہے۔ یا انہوں نے ایسا کلام فرمایا جس کا یہی مفہوم ہے۔

حاصل یہ ہے: اللہ تعالیٰ غیور ہے وہ یہ نہیں پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے کا قلب اس کے سوا کسی دوسری شئی کی طرف متوجہ ہو۔ اور یہ اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان ہے۔

اسی لئے مصنف نے فرمایا:

قَدْ رَدَّ قَضْلِيْ عِلْمِيْ بِكَرَمِكَ عَلَيْكَ

"اور تیرے فضل و کرم سے میرے علم نے مجھ کو تیرے حضور میں پھیر دیا"۔

میں کہتا ہوں: جب کائنات نے بندے کو اپنے سے دور کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیا۔ تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کریم نہیں پایا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے علم نے اس کو اس کے دروازے پر پھیر دیا۔ اور اس نے اس کی بارگاہ میں پناہ لی۔ اور وہ ایسا کریم ہے کہ امیدیں اس سے تجاوز کر کے نہیں سبقت کرتی ہیں۔

بیان کیا گیا ہے: اس کے کرم کے یہ معنی ہیں:

معنی: اس کا اپنے بندوں پر احسان کرنا ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے: اس کے کرم سے ہے کہ وہ مانگنے سے پہلے ہی عطا فرماتا ہے۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ ایسا کریم ہے جو سوال کا محتاج نہیں بلکہ بغیر مانگے عطا فرماتا ہے۔

حضرت محاسبی نے فرمایا ہے: وہ ایسا کریم ہے کہ اس کو یہ پرواہ نہیں ہے کہ کس کو دیا۔ نہ پرواہ ہے کہ کتنا دیا۔

اور بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کرم کی سمجھ رکھتا ہے۔ وہ قضا و قدر (تقدیر) کی خرابی سے غم نہیں کرتا اور بے صبر نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مصیبت کو ایسی نعمت سمجھتا ہے جو مخلوق کی سمجھ سے پوشیدہ ہے۔

جیسا کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے جن مصیبتوں میں مجھ کو مبتلا فرمایا۔ میں نے اس میں اللہ تعالیٰ کی تین نعمتیں دیکھیں۔

پہلی نعمت: یہ کہ وہ میرے دین میں نہیں واقع ہوئی۔

دوسری نعمت: یہ کہ وہ جتنی واقع ہوئی۔ اس سے زیادہ بڑی نہیں ہوئی۔

تیسری نعمت: یہ کہ وہ خطاؤں کا کفارہ بن گئی۔

لہٰذا میں اس مصیبت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

اسی لئے عارفین نے فرمایا ہے: اس شخص پر تعجب نہیں ہے کہ جو نعمتوں میں لذت محسوس کرتا ہے بلکہ تعجب اس پر ہے جو دردناک عذاب میں لذت محسوس کرتا ہے۔

اور یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب کہ نفس کی عادت ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس شئی سے لذت حاصل کرتا ہے جس سے لوگ درد و تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا ہے:

أُرِيْدُكَ لَا أُرِيْدُكَ لِلثَّوَابِ وَلٰكِنِّيْ أُرِيْدُكَ لِلْعِقَابِ

"میں تجھ کو چاہتا ہوں۔ لیکن میں تجھ کو ثواب کے لئے نہیں چاہتا ہوں۔ بلکہ میں تجھ کو سزا کے لئے چاہتا ہوں"۔

وَكُلُّ مَآرِبِيْ قَدْ نِلْتُ مِنْهَا سِوٰى مَلْذُوْذِ وَجْدِيْ بِالْعَذَابِ

"اور اپنی کل حاجتیں میں نے حاصل کر لیں۔ عذاب سے میرے حال کے لذیذ ہونے کے سوا"۔

اور ایک دوسرے عارف نے فرمایا ہے:

إِذَا كَانَتِ الْأَقْدَارُ مِنْ مَالِكِ الْمُلْكِ فَسِيَّانِ عِنْدِيْ مَا يَسُرُّ وَمَا يُبْكِيْ

"جب کہ قضا و قدر مالک الملک کی طرف سے ہے۔ تو جو شئی خوش کرتی ہے اور جو شئی رلاتی ہے دونوں میرے نزدیک برابر ہیں"۔

حاصل یہ ہے کہ محبت جب کامل اور غالب ہو جاتی ہے تو وہ محبت کرنے والے کو تکلیفوں اور

مصیبتوں سے خوف کرتی ہے۔ ورنہ وہ محبت ناقص اور کمزور ہے۔

اور محبت کے پیدا ہونے کا سبب: کرم کا شہود ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور جو شخص اپنے مولائے حقیقی کے کرم کے دروازے پر ٹھہر جاتا ہے تو وہ اس کی امید اور تمنا کو ناکام نہیں کرتا ہے۔

جیسا کہ مصنف نے اس کو تصوف مناجات میں بیان فرمایا:

مناجات کی مسلسل عبارات

إِلٰهِي إِنَّ رَجَائِي لَا يَنْقَطِعُ عَنْكَ وَإِنْ عَصَيْتُكَ، وَإِنَّ خَوْفِي لَا يُزَايِلُنِي وَإِنْ أَطَعْتُكَ، قَدْ دَفَعَتْنِي الْعَوَالِمُ إِلَيْكَ، وَقَدْ أَوْقَفَنِي عِلْمِي بِكَرَمِكَ عَلَيْكَ

"اے میرے اللہ! میری رجا (امید) تجھ سے منقطع نہیں ہوتی ہے اگرچہ میں تیری نافرمانی کروں۔ اور میرا خوف تجھ سے زائل نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ میں تیری اطاعت کروں۔ کائنات نے مجھ کو تیری ہی طرف دور کر دیا (لوٹا دیا) اور تیرے فضل و کرم سے میرے علم نے مجھ کو تیرے حضور میں ٹھہرایا"

تیسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِيْ كَيْفَ اَخِيْبُ وَاَنْتَ اَمَلِيْ

"اے میرے اللہ! میں ناکام کیسے کیا جاؤں گا جب کہ میری امید تو ہے"۔

یعنی میری حرص اور امید کا مقام تو ہے۔ اور کریم، حرص کرنے والوں کی امیدوں کو ناکام نہیں کرتا ہے۔ جب کہ وہ اکرم الاکرمین ہے

اَمْ كَيْفَ اُهَانُ وَعَلَيْكَ مُتَّكَلِيْ

"یا میں ذلیل و رسوا کیسے کیا جاؤں گا جب کہ میرا بھروسہ تیرے اوپر ہے"۔

اور تو نے اپنی بزرگ کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہے"

اور جس کے لئے تو کافی اور مددگار رہے، وہ کبھی ذلیل و رسوا نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حکایت: ایک ولی کے گھر میں ان کی آخری عمر میں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اور اس لڑکی کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اور ان ولی کی وفات کا وقت آ گیا۔ تو ایک شخص نے ان سے کہا۔ یا حضرت! آپ اس لڑکی کے بارے میں مجھ کو وصیت کر دیجئے تا کہ میں اس کی پرورش کا ذمہ دار ہو جاؤں۔ ولی نے جواب دیا۔ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن جب میرا انتقال ہو جائے تو آپ اس لڑکی کو اللہ تعالیٰ کے حرم شریف میں لے جائیے۔ اور حجر اسود کے پاس چھوڑ کر چلے آئیے۔ اور اس لڑکی کو اللہ تعالیٰ کی کفالت (ضمانت) میں چھوڑ دیجئے۔ لہذا جب ان ولی کا انتقال ہو گیا تو اس شخص نے ویسا ہی کیا، جیسا انہوں نے فرمایا تھا لیکن دور کھڑا ہو کر لڑکی کی نگرانی کرتا رہا۔ خلیفۂ وقت کی ماں طواف کر رہی

تھی۔ اس نے اس لڑکی کو دیکھا تو اس نے اپنے لئے اس لڑکی کو اٹھا کر لے چلنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے اس کو اپنی منتبیٰ بیٹی بنائی۔ اور اس کی پرورش کی۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئی۔ تو اس نے وزیر کے لڑکے سے اس کا نکاح کیا۔ اور اس کا مہر بیس ہزار دینار مقرر کیا۔ لہذا تم اس شخص کے حال پر غور کرو۔ جس نے اپنے مولائے حقیقی کی کفالت پر بھروسہ کیا۔ اور اس کی حفاظت اور حمایت کے قلعے میں پناہ لی۔

ایک عارف کے اشعار ہیں:

أَيَحْسُنُ بِيْ فِيْ دَارِ كُمْ وَنُزُوْلِكُمْ   أَوَجِّهُ يَوْماً لِلْعِبَادِ رِ جَائِيَا

''تمہارے گھر میں ہونے اور تمہارے یہاں اترنے کی حالت میں کیا میرے لئے یہ بہتر ہو سکتا ہے کہ میں اپنی امید کو کسی دن بندوں کے سامنے پیش کروں''۔

يَحِقُّ لِمِثْلِيْ اَنْ يَعُوْذَ بِمِثْلِكُمْ   وَاَتْرُكَنَّ جَمْعَ الْعِبَادِ وَرَائِيَا

''مجھ جیسے محتاج کے لئے یہی بہتر ہے کہ تم جیسے کریم کی طرف لوٹے۔ اور سب بندوں کو پیچھے چھوڑ دوں''۔

حکایت: ایک شخص نے سفر کا ارادہ کیا۔ اس کی بیوی حاملہ تھی۔ جب وہ سفر کے لئے روانہ ہوا۔ تو اس نے کہا: اے اللہ! میں اس بچے کو جو اس عورت کے شکم میں ہے تیرے سپرد کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ چلا گیا جب وہ سفر سے واپس آیا۔ تو اس نے اپنی بیوی کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ تو اس کو بتایا گیا وہ حاملہ ہونے کی حالت میں انتقال کر گئی۔ جب رات ہوئی تو وہ قبرستان کی طرف گیا۔ اس نے ایک روشنی دیکھی وہ اسی روشنی کے پیچھے پیچھے چلا۔ اور اچانک وہ اپنی بیوی کی قبر میں پہنچ گیا۔ اس نے اس کے اوپر سے کفن ہٹایا۔ تو دیکھا کہ بچہ اس کے پستان سے دودھ پی رہا ہے۔ تو ہاتف غیب نے اس کو آواز دے کر کہا: اے شخص! تو نے بچے کو ہمارے سپرد کیا تھا۔ لہذا تو نے اس کو پا لیا۔ اگر تو اس کی ماں کو بھی ہمارے سپرد کرتا تو دونوں کو تو ایک ساتھ پاتا۔ یہ حکایت تنویر سے نقل کی گئی ہے۔

لہذا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس شخص پر کتنی مہربانی فرمائی جس نے اس کی حفاظت چاہی۔ اور اس

شخص کی حقیقی حفاظت فرمائی جو اس کی حمایت میں داخل ہو گیا۔

اے اللہ! تو ہم کو ان لوگوں میں شامل کر جنہوں نے تیرے قلعے میں پناہ لی۔ پس تو ان کے لئے کافی ہو گیا۔ اور ان لوگوں میں شامل کر جنہوں نے اپنے حرم میں تیری حفاظت چاہی۔ پھر تو نے ان کی حفاظت فرمائی۔ یا ارحم الراحمین

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص اللہ عزیز کی حفاظت میں داخل ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزیز ہوا اور اس کے سامنے ذلیل ہوتا ہے۔

مصنف ؒ نے اکتیسویں مناجات میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

ہیں"۔

وَاِذَا نَحْنُ رَجَعْنَا اِلَيْنَا		غَطّٰى ذُلُّنَا ذُلَّ الْيَهُوْدِ

"اور جب ہم اپنی طرف لوٹ آتے ہیں تو ہماری ذلت یہود کی ذلت کو بھی شکست دے دیتی ہے"۔

ایک عارف نے فرمایا ہے: میں نے ہر ذلت والے کی ذلت کو دیکھا تو مجھ کو اپنی ذلت ان کی ذلت سے بڑھی ہوئی نظر آئی۔ اور میں نے ہر عزت والے کی عزت کو دیکھا تو مجھ کو اپنی عزت ان کی عزت سے زیادہ نظر آئی۔

حضرت شبلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میں ایسا ذلیل ہوں کہ میری ذلت کے مقابلے میں یہود ذلیل عزیز ہے۔ اور میں ایسا عزیز ہوں کہ ہر شخص میری نسبت کی وجہ سے عزیز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نسبت کی وجہ سے عزیز ہے۔ جس کی نسبت کی وجہ سے میں عزیز ہوں۔

پھر چونکہ محتاجی ذلت کا بھائی ہے۔ اس وجہ سے مصنف نے ذلت کے بیان کے ساتھ ساتھ محتاجی کا بیان چھبیسویں مناجات میں فرمایا

بتیسویں مناجات

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِلٰهِي كَيْفَ لَا أَفْتَقِرُ إِلَيْكَ وَأَنْتَ الَّذِي فِي الْفَقْرِ أَقَمْتَنِي؟

"اے میرے اللہ! میں تیرا محتاج کیسے نہ ہوں۔ جب کہ تو نے ہی مجھ کو محتاجی میں قائم کیا ہے؟"

اس لئے کہ میرے سانس تیرے قبضہ قدرت میں ہے۔ لہٰذا میں اپنی پیدائش اور امداد میں ہر وقت تیرا محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ

"اے انسانو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔"

اور یہ پیدائش کی نعمت کی محتاجی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ

"اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔"

اور یہ امداد کی نعمت کی محتاجی ہے۔

أَمْ كَيْفَ أَفْتَقِرُ إِلَى غَيْرِكَ وَأَنْتَ الَّذِي بِجُودِكَ أَغْنَيْتَنِي؟

"یا میں تیرے غیر کا محتاج کیسے ہو جاؤں۔ جب کہ تو نے ہی اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بے نیاز کر دیا ہے۔"

اس طرح پہ کہ جن اشیاء نے مجھ کو فقر و غم میں مبتلا کیا۔ ان میں تو میرے لئے کافی ہو گیا۔ اور تو نے میری روزی اور ان تمام اشیاء کی ضمانت لی، جن سے میرا وجود قائم ہے۔ اور تو نے مجھ کو اپنی

معرفت سے غنی کر دیا۔ تاکہ میں تیرے غیر کا محتاج نہ رہوں۔ حدیث شریف میں ہے۔

لَيْسَ الْغِنٰى بِكَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَاِنَّمَا الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ

''سامان کی زیادتی سے غنا نہیں ہوتی ہے بلکہ غنا نفس کی غنا ہے''۔

یعنی روح کی غنا ہے۔ اور روح کی غنا صرف اپنے رب کے ساتھ ہوتی ہے۔

اَنْتَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ تَعَرَّفْتَ لِكُلِّ شَیْءٍ

''تو ہی وہ ذات پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو نے ہر شے کو اپنی پہچان کرائی''۔

اس طریقے پر کہ تو نے ان کے سامنے اپنے جلال اور جمال کا نور ظاہر فرمایا۔ لہٰذا ہر شے تیری حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہو گئی۔ اور تیرے سامنے سجدہ میں گر گئی۔

فَمَا جَهِلَكَ شَیْءٌ ''لہٰذا کوئی شے تجھ سے ناواقف نہیں رہی''

یعنی ہر شے تیری عارف ہے۔ اور تیری ربوبیت کا اقرار کر رہی ہے۔ خواہ ظاہری و باطنی طور پر خوشی و رضا مندی سے ہو۔ یا صرف باطنی طور پر رضا مندی سے ہو۔

وَاَنْتَ الَّذِیْ تَعَرَّفْتَ اِلَیَّ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ

''اور تو وہ ذات پاک ہے کہ تو نے ہر شے میں مجھ کو اپنی پہچان کرائی''۔

یعنی آثار کے اختلافات اور حالات کی تبدیلیوں سے تو نے مجھ کو ہر شے میں اپنی پہچان کرائی۔

فَرَاَيْتُكَ ظَاهِرًا فِیْ كُلِّ شَیْءٍ

''لہٰذا میں نے تجھ کو ہر شے میں ظاہر دیکھا'' یعنی تیرے اس ازلی نور کے ساتھ دیکھا۔ جس نے ہر شے کے وجود کو قائم کر دیا ہے''۔

فَاَنْتَ الظَّاهِرُ لِكُلِّ شَیْءٍ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ لِكُلِّ شَیْءٍ

''پس تو ہی ہر شے کا ظاہر ہے اور تو ہی ہر شے کا باطن ہے''۔

حدیث شریف میں ہے

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ، وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ، وَاَنْتَ

الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ

''اے میرے اللہ! تو ہی اول ہے۔ لہذا تجھ سے قبل کوئی شی نہیں ہے۔ اور تو ہی آخر ہے۔ لہذا تیرے بعد کوئی شی نہیں ہے۔ اور تو ہی ظاہر ہے۔ لہذا تیرے اوپر کوئی شی نہیں ہے۔ اور تو ہی باطن ہے۔ لہذا تیرے سوا کوئی شی نہیں ہے۔''

اور ظہور کی قسمیں اس کتاب کی ابتداء میں مکمل طریقے پر بیان ہو چکی ہیں۔ اور مصنفؒ نے یہاں ان کو اسی عبارت سے بیان فرمایا ہے کہ ایسی عبارت اس سے پہلے کم بیان ہوئی۔ چنانچہ فرمایا۔

يَا مَنِ اسْتَوٰى بِرَحْمَانِيَّتِهٖ عَلٰى عَرْشِهٖ فَصَارَ الْعَرْشُ غَيْبًا فِيْ رَحْمَانِيَّتِهٖ، كَمَا صَارَتِ الْعَوَالِمُ غَيْبًا فِيْ عَرْشِهٖ

''اے وہ ذات پاک! جو اپنی رحمانیت کے ساتھ اپنے عرش پر قائم (غالب) ہوئی لہذا عرش اس کی رحمانیت میں گم ہے۔ جیسے کہ کائنات اس کے عرش میں گم ہے''

میں کہتا ہوں: مصنفؒ نے اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

(الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) ''رحمان عرش پر قائم ہوا'' اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ

''پھر رحمان عرش پر قائم ہوا''

تو مصنفؒ نے یہ بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ کا عرش پر قائم ہونا صرف اپنی رحمانیت کے ساتھ ہے۔ لہذا عرش اللہ تعالیٰ کی رحمانیت سے ڈھانپا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی رحمانیت میں گم ہے۔ کیونکہ اس کی رحمانیت کے ساتھ عرش کی کوئی نسبت نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی رحمانیت: ایسا وصف ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور صفت موصوف کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔

لہٰذا جب عرش غائب ہو گیا، اور اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی رحمانیت میں پوشیدہ ہو گیا تو کائنات بھی اس کی رحمانیت میں غائب ہو گئی۔ کیونکہ وہ عرش کے وجود میں غائب ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی رحمانیت میں عرش کا وجود غائب ہو گیا تو کل کائنات کا وجود بھی غائب ہو گیا کیونکہ کل کائنات عرش کے پیٹ میں اس طرح ہے جیسے زمین میں ایک حلقہ۔ اور عرش کائنات کو اسی طرح گھیرے ہوئے ہے جس طرح رحمانیت عرش کو گھیرے ہوئے ہے۔ لہٰذا رحمانیت کے ساتھ عرش کی کوئی نسبت نہیں ہے۔

پھر مصنف نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

مَحَقْتَ الْآثَارَ بِالْآثَارِ

"تو نے آثار کو آثار سے باطل کر دیا"

پہلا آثار کائنات ہے اور دوسرا آثار عرش ہے۔ پس کل کائنات عرش کی عظمت میں باطل ہو گئی یہاں تک کہ وہ کالعدم ہو گئی۔

وَمَحَوْتَ الْأَغْيَارَ بِمُحِيطَاتِ أَفْلَاكِ الْأَنْوَارِ

"اور تو نے اغیار کو انوار کے گھیرنے والے افلاک سے مٹا دیا۔"

میں کہتا ہوں: اغیار سے مراد عرش ہے، اور وہ کل کائنات ہے، جس کو عرش گھیرے ہوئے ہے۔

یا اسی طرح کہو: عرش سے فرش تک ہر وہ شے جو عالم خلق میں داخل ہے، یہ وہ اشیاء ہیں جن کا وجود عرش نے گھیر لیا ہے، وہ اغیار ہیں۔

اور انوار کے افلاک: ذات و صفات کے انوار ہیں۔

لہٰذا جب ذات اقدس کی عظمت کے انوار نے غیر حق کو باطل کر دیا، اور باطل کالعدم ہو گئے تو صرف انوار باقی رہ گئے۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ واحد قہار کے قبضہ میں ہو گئے۔

پس عظمت کے انوار ذات کے انوار ہیں، اور رحمانیت کے انوار صفات کے انوار ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَا مَنِ احْتَجَبَ فِي سُرَادِقَاتِ عِزِّهِ عَنْ أَنْ تُدْرِكَهُ الْأَبْصَارُ

"اے وہ ذات اقدس جو اپنی عزت کے پردوں میں آنکھوں کے دیکھنے سے پوشیدہ ہو گئی۔"

میں کہتا ہوں: سرادقات کے معنی چہار دیواری۔ اور یہاں حجابات قہریہ سے کنایہ ہے۔ اور وہ عزت کے وہ حجابات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنی شدت ظہور کے باوجود اپنے بندوں سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔

اور عزت کے حجابات: حس اور وہم اور غفلت کے ہیں۔ اور وہ پردے ہیں جو قلوب پر پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ پانچ امور میں منحصر ہیں۔

پہلا امر: دنیا کی محبت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انسان کے قلوب میں بو دیا ہے۔ یہاں تک کہ ہمتیں اس کی طرف پھر گئیں۔ اور عقلیں اس میں کھو گئیں۔ اور قلوب اس کی خیالی صورتوں سے تاریک ہو گئے۔ اور فکریں اس میں پھنس گئیں۔ لہٰذا اب وہ دنیا کے علاوہ کسی دوسری شے کی طرف نہیں لوٹ سکتی ہیں۔ اور اسی دنیا کی محبت کے سبب اکثر بندے اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو گئے ہیں۔ مگر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی محبت سے محفوظ رکھا۔

دوسرا امر: اسباب کو اس کے مسبب کے ساتھ متعلق کرنا ہے۔ اور عادتوں کو ان اشیاء سے متعلق کرنا ہے جن کے وہ عادی ہیں۔ جیسے کہ روزی کا معاملہ جیب کی حرکات پر، اور دکانوں اور تجارتوں کا پیدا ہونا بارشوں پر۔ اور اس کے علاوہ دوسرے اسباب کو متعلق کرتا ہے۔

پس جاہلوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اسباب مسببوں سے جدا نہیں ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے وہ مسبب الاسباب سے محجوب ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ حکیم و علیم بغیر اسباب کے روزی دیتا ہے۔ اور بے حساب عطا فرماتا ہے۔ اور اسی وجہ سے بہت سے لوگ محجوب ہو گئے کیونکہ وہ اسباب کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ اور رب الارباب کے شہود سے رک گئے۔ مگر اہل عقل میں سے وہ لوگ جن کی بصیرت اسباب سے آگے بڑھ گئی۔

تیسرا امر: ظاہری شریعت کی ترغیب و ترہیب اور علم و عمل کے ساتھ ٹھہر جانا ہے۔ پس کچھ لوگ ایسے ہیں جو ترغیب کے ساتھ ٹھہر گئے۔ لہٰذا وہ ثواب حاصل کرنے کے لئے عمل میں مشغول

لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ

"میں تیری تعریف شمار نہیں کر سکتا ہوں۔ تو ویسا ہی ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔"

"**يَا مَنْ تَجَلَّى بِكَمَالِ بَهَائِهِ**" اے وہ ذات مقدس جو اپنے حسن و جمال کے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔

فَتَحَقَّقَتْ عَظَمَتُهُ الْأَسْرَارَ "جس کی عظمت اسرار میں متحقق ہوئی۔ یعنی قائم ہوئی"۔

یعنی عارفین کے اسرار میں قائم ہوئی۔ لہذا ان کا اسرار اور ان کی خوشی قیامت تک ہمیشہ قائم رہے گی۔ پھر ان کی بشریت رب العالمین کی معرفت کے نور سے متصل ہو جائے گی۔

ایک عارف نے یہ حقیقت اشعار میں بیان فرمائی ہے:

سُرُورِي بِكُمْ أَضْحَى يَجِلُّ عَنِ الْوَصْفِ

وَقُرْبِي مِنْكُمْ بِالْمَوَدَّةِ وَالْعَطْفِ

"تمہارے ساتھ میرا سرور بیان سے باہر ہے۔ اور تم سے میرا قرب دوستی اور مہربانی کے ساتھ ہے۔"

وَأَنْتُمْ مَعِي حَيْثُ اسْتَقَلَّ بِيَ الْهَوَى فَلِي بِكُمْ شُغْلٌ عَنِ الدَّانِي وَالْإِلْفِ

اور تم میرے ساتھ اس حیثیت سے ہو جس حیثیت سے میرے ساتھ محبت مخصوص و مستقل ہے۔ لہذا قریب اور دور سے مجھ کو میری مشغولیت تمہارے ساتھ ہے۔

سُوَيْدَاءُ قَلْبِي أَصْبَحَتْ حَرَمًا لَكُمْ تَطُوفُ بِهَا الْأَسْرَارُ مِنْ عَالَمِ اللُّطْفِ

میرا قلب تمہارا حرم ہو گیا ہے۔ عالم لطف کے اسرار اس کا طواف کرتے ہیں۔

رَسَائِلُ مَا بَيْنَ الْمُحِبِّينَ أَصْبَحَتْ تَجِلُّ عَنِ التَّعْرِيفِ وَالرَّسْمِ وَالْحَرْفِ

دو دوستوں کے درمیان ایسے خطوط ہیں جو تعریف اور تحریر اور بیان سے بالاتر ہیں۔

رَسَائِلُ جَاءَتْ بِرَيَّا جَنَابِكُمْ عَوَارِفُ عَرْفٍ فَاقَ كُلَّ شَذَا عَرْفِ

وہ خطوط جو تمہاری بارگاہ کی سیرابی و تازگی کے ساتھ ہمارے پاس آتے ہیں وہ عرفان کی خوشبوئیں ہیں جو ہر قسم کی خوشبو پر فوقیت رکھتی ہیں۔

مناجات کی مسلسل عبارت

إِلٰهِيْ كَيْفَ لَا أَفْتَقِرُ إِلَيْكَ وَأَنْتَ الَّذِيْ فِي الْفَقْرِ أَقَمْتَنِيْ؟ أَمْ كَيْفَ أَفْتَقِرُ إِلٰى غَيْرِكَ وَأَنْتَ الَّذِيْ بِجُوْدِكَ أَغْنَيْتَنِيْ؟ أَنْتَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ تَعَرَّفْتَ لِكُلِّ شَيْءٍ فَمَا جَهِلَكَ شَيْءٌ. وَأَنْتَ الَّذِيْ تَعَرَّفْتَ إِلَيَّ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ فَرَأَيْتُكَ ظَاهِرًا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ، فَأَنْتَ الظَّاهِرُ لِكُلِّ شَيْءٍ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ لِكُلِّ شَيْءٍ. يَا مَنِ اسْتَوٰى بِرَحْمَانِيَّتِهِ عَلٰى عَرْشِهِ فَصَارَ الْعَرْشُ غَيْبًا فِيْ رَحْمَانِيَّتِهِ، كَمَا صَارَتِ الْعَوَالِمُ غَيْبًا فِيْ عَرْشِهِ. مَحَقْتَ الْآثَارَ بِالْآثَارِ وَمَحَوْتَ الْأَغْيَارَ بِمُحِيْطَاتِ أَفْلَاكِ الْأَنْوَارِ. يَا مَنِ احْتَجَبَ فِيْ سُرَادِقَاتِ عِزِّهٖ عَنْ أَنْ تُدْرِكَهُ الْأَبْصَارُ، يَا مَنْ تَجَلّٰى بِكَمَالِ بَهَائِهٖ فَتَحَقَّقَتْ عَظَمَتُهُ الْأَسْرَارَ. كَيْفَ تَخْفٰى وَأَنْتَ الظَّاهِرُ. أَمْ كَيْفَ تَغِيْبُ وَأَنْتَ الرَّقِيْبُ الْحَاضِرُ. وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَبِهٖ أَسْتَعِيْنُ

''اے میرے اللہ! میں تیرا محتاج کیسے نہ رہوں جب کہ تو نے ہی مجھ کو محتاجی میں قائم کیا ہے؟ یا میں تیرے غیر کا محتاج کیسے ہو جاؤں جب کہ تو نے ہی اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بے نیاز کر دیا ہے؟ تو ہی وہ ذات پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو نے ہر شے کو اپنی پہچان کرائی۔ لہذا کوئی شے تجھ سے ناواقف نہیں رہی۔ اور تو ہی وہ ذات پاک ہے کہ تو نے ہر شے میں مجھ کو اپنی پہچان کرائی۔ پس میں نے ہر شے میں تجھ کو ظاہر دیکھا۔ پس تو ہی ہر شے کا ظاہر ہے۔ اور تو ہی ہر شے کا باطن ہے۔ اے وہ ذات پاک! جو اپنی رحمانیت کے ساتھ اپنے عرش پر قائم (غالب) ہوئی۔ پس عرش اس کی رحمانیت میں گم ہو گیا۔ جیسا کہ کائنات اس کے عرش میں گم ہے۔ تو نے آثار کو آثار سے باطل کر دیا اور تو نے اغیار کو انوار کے گھیرنے والے افلاک سے مٹا دیا۔ اے وہ ذات اقدس جو اپنی عزت کے پردوں میں آنکھوں کے دیکھنے سے پوشیدہ ہو گئی۔ اے وہ ذات اقدس جو اپنے حسن و جمال کے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ پس اس کی عظمت اسرار میں مضبوطی سے قائم ہو گئی۔ تو کیسے چھپ سکتا

ہے جب کہ تو ہی ظاہر ہے۔ یا تو کیسے غائب ہو سکتا ہے جب کہ تو تمہیان حاضر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ اور میں اسی سے مدد مانگتا ہوں"

میں نے جس کے جمع کرنے کا (یعنی کتاب الحکم کی تشریح) ارادہ کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قوت سے مکمل ہو گیا۔

پس اگر یہ حق اور درست ہے تو اللہ بزرگ و برتر کا احسان و کرم ہے ورنہ بندہ تو خطا و تقصیر سے مرکب ہے۔ اور خاص کر اپنی بے سروسامانی اور علم کی کمی کی بنا پر خطا و نسیان کا امکان زیادہ ہے۔

اور میں اسی طرح کہتا ہوں جس طرح حضرت شیخ خلیل نے فرمایا

اور میں اہل علم و عقل کے سامنے اس خطا و نسیان کے لئے جو اس کتاب میں واقع ہوئی ہو معذرت پیش کرتا ہوں اور میں نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ ان سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ وہ رضامندی اور درستی کی نظر سے دیکھیں۔ لہٰذا اگر ان کو اس کتاب میں کوئی نقص نظر آئے تو اس کو مکمل کریں۔ اور اگر کوئی غلطی پائیں تو اس کی اصلاح کریں کیونکہ ایسا کم ہوتا ہے کہ مصنف خطاؤں سے خالی اور لغزشوں سے پاک ہو۔

اور جیسا کہ ابن مالک نے تسہیل میں فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ ہمیں حسد کرنے والے سے ہم کو محفوظ رکھے جو انصاف کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اور بہترین اوصاف سے منہ پھیر لیتا ہے اور ہم کو ایسے شکر کی توفیق عطا فرمائے جو متواتر نعمتوں کا باعث ہو۔ اور تحیتوں کے ختم ہونے کا سبب ہو۔

اور جیسا کہ حرز امانی میں فرمایا ہے:

يَا عَاطِرَ الْأَنْفَاسِ أَحْسِنْ تَأَوُّلَا

"اے سانسوں کو معطر کرنے والے، بہتر تاویل کر"

اور میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے ان لوگوں کو فائدہ پہنچائے جو اس کو تحریر کریں یا اس کا مطالعہ کریں یا اس میں سے کچھ حاصل کریں۔ یا اس کو سنیں۔ یا ان پر عمل کریں جو اس کتاب میں درج ہے۔ یا اس کو قبول کریں اور اس کے حاصل کرنے والے کو حضرت خیر الانام

سیدنا و مولانا محمد شفیع و مقبول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وعترتہ واحزابہ وسلم اہل محبت و وصول کے طفیل اس کے تمام امید و مقاصد تک کامیابی سے پہنچا دے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

"اور مرسلین پر سلام ہو۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جو کل عالموں کا رب ہے"

یہ کتاب بروز چہارشنبہ آٹھویں جمادی الاولیٰ ۱۲۱۱ کو مکمل ہوئی اور اسی سال کے محرم الحرام میں اس کو لکھنا شروع کیا۔

اور ہماری آخری دعا یہ ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَإِمَامِ الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلِّمْ

ایقاظ الہمم
فی
شرح الحکم

(جلد دوم)

مصنف
احمد بن محمد عجیبۃ الحسنی رحمہ اللہ

مترجم
حضرت مولانا محی الدین نظامی رحمہ اللہ

با اہتمام
حضرت مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب مدظلہم

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ
کندیاں ضلع میانوالی
فون 0300-6092045